



مہر مہر

سوانح حیات

حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب

نور اللامرقہ

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں



سوانح حیات

حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف

غرض ادائے نیاز است ورنہ حاجت نیست کمالِ حشمتِ محمود را بحسبِ نیاز

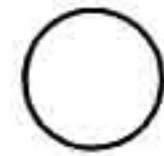
مہرِ منیر

سوانحِ حیات

فَإِنِّي فِي اللَّهِ بِأَقْبَىٰ آيَاتِهِ مِنَ آيَاتِ اللَّهِ

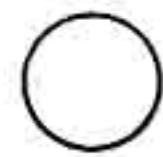
حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ

گولڑہ شریف۔ ضلع اسلام آباد



تالیف

مولانا فیض احمد صاحب مفتی و خطیب درگاہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف



باجازت

حضرت سید پیر غلام محی الدین شاہ صاحب قدس سرہ

بإہتمام

جناب سید پیر غلام معین الدین شاہ صاحب و سید پیر شاہ عبدالحق شاہ صاحب مدظلہ العالی

مجلہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

○

بار یازدہم

مقام اشاعت _____ گولڑہ شریف، ضلع اسلام آباد

تاریخ اشاعت _____ شعبان ۱۴۲۵ھ، اکتوبر ۲۰۰۴ء

تعداد _____ چھ ہزار (۶۰۰۰)

خط سالی _____ خوشی محمد ناصر قادری خوشنویس خوش رقم جالندھری

تلمیذ پریس رقم، ۳۰-ایس ۱۵-بنک کونی سمن آباد لاہور

مطبوعہ _____ پرنٹنگ پروفیشنلز لاہور، فون: ۷۵۵۳۷۱۱

ہدیہ _____ ۱۵۰ روپے

_____ ملنے کے پتے _____

① — کتب خانہ درگاہِ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف اسلام آباد

② — مکتبہ مہریہ درگاہِ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف اسلام آباد

③ — مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار راولپنڈی

④ — ضیاء القرآن پبلی کیشنز داتا گنج بخش روڈ لاہور

⑤ — فرید بک سٹال ۳۸-اُردو بازار لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعارفِ مؤلف

حضرت اُستاد العلماء مفتی فیض احمد خطیب جامع دربار عالیہ گولڑہ شریف اسلام آباد

آپ ۲۲ مارچ ۱۹۲۱ء کو اپنے آبائی قصبہ ستی بختاوردھانڈہ تحصیل و ضلع بھکر میں ایک مشہور علمی گھرانہ میں پیدا ہوئے جس کے مورث اعلیٰ حضرت میاں محمود اور ان کے پوتے حضرت حافظ میاں عیسیٰ سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشہور صاحب علم و فخر بزرگ ہوئے ہیں جن کے حالات کتاب مناقب سلطانی باب دہم میں مذکور ہیں۔ آپ کے والد حافظ غلام محمد صاحب اور چچا حافظ اللہ بخش صاحب نے اُستاد الاساتذہ علامہ غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پور سے اکتسابِ علم کیا اور انہی کے ذریعہ ان کے شیخ طریقت سند المحققین حضرت مولانا سید پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی قادری حشتی قدس سرہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے مقامی مڈل سکول میں تعلیم کے علاوہ گھر پر بھی دینی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۳۶ء کی ابتدا میں حضرت گولڑوی کی بیعت سے مشرف ہوئے اور جنوبی پنجاب کے دینی و روحانی مراکز ملتان و تونسہ شریف میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت علامہ گھوٹوی کے شاگرد رشید اور حضرت گولڑوی قدس سرہ کے مخلص مرید اُستاد العلماء حافظ مہر محمد صدر مدرس مدرس جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور کی خدمت میں درس نظامی کی تکمیل کی اور سند حاصل کی۔ اُستاد صاحب کو آپ کی علمی قابلیت پر اس قدر اعتماد تھا کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۴۶ء میں جامعہ میاں صاحب شرق پور شریف میں تدریس کے لیے بھیج دیا اور پچیس ہی سال آپ نے درس نظامی کی بڑی بڑی کتابیں پڑھائیں۔ اچھرہ کے قیام کے دوران تحریک پاکستان عروج پر تھی۔ آپ نے اپنے مشائخ کی ہدایت پر ہم خیال دینی طلباء کے ساتھ مل کر تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔

آپ نے ۱۹۴۶ء سے ۱۹۶۰ء کی ابتداء تک جامعہ میاں صاحب شرق پوری، جامعہ فتحیہ اچھرہ، مدرسہ نعمانیہ ملتان اور جامعہ مسعودیہ پپلاں ضلع میانوالی میں سینکڑوں سابقین علم کو مستفید کیا اور اپریل ۱۹۶۰ء میں حضرت السید پیر غلام محی الدین گیلانی قادری حشتی المعروف بابو جی علیہ الرحمۃ کے حکم سے جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف میں تدریس، فتویٰ نویسی اور خطابت کے فرائض سنبھالے اور انہی کے حسب ارشاد حضرت السید پیر مہر علی شاہ گیلانی قادری حشتی گولڑوی قدس سرہ کی مُستند اور جامع مفضل سوانح حیات مہر نیر تالیف کی جو اندرون و بیرون ملک نہایت مقبول ہے نیز حضرت پیر صاحب کی فارسی تصانیف و ملفوظات کا اردو ترجمہ اور آپ کے فتاویٰ کو مرتب کر کے شائع کرانے میں اہم خدمت سر انجام دی۔ ۱۹۶۹ء میں جب کچھ لادینی اور سیکولر نظریات کا پرچار مملکت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں شروع ہونے لگا تو آپ نے بغداد شریف کی تنظیم العلماء کے معروف ادارہ تربیت الاسلامیہ کے ایک مشہور عالم حضرت مولانا شیخ ساطع انجیلی کے ساتھ پاکستان کے اکثر بڑے شہروں میں مختلف مکتب فکر کے علماء کو لادینی نظریات کے خلاف متحد ہونے کی اہمیت سے خبردار کیا۔ اور شیخ مذکورہ مدظلہ کے خطبات کی ترجمانی کی جس پر انہوں نے آپ کو اپنے ادارہ کی طرف سے اعزازی سند دی۔ شیخ مذکورہ مدظلہ جامعہ ازہر مصر کے سند یافتہ ہیں اور آپ عراقی علماء کے مشورہ پر جنوبی امریکہ، قطر، عربستان میں اسلامی تبلیغی مرکز کے سربراہ ہیں۔ اس سے قبل آپ کو پاکستان کی مشہور علمی شخصیت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی صدر جماعت اہل سنت و تنظیم المدارس نے اپنے جامعہ انوار العلوم ملتان کی اعزازی سند عطا فرمائی جو آپ کی دینی خدمات کے اعتراف کا مظہر ہے۔

حضرت بابو جی کے حسب ارشاد سنہ ۱۹۷۷ء میں حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ کے زیر صدارت منعقدہ سنی کانفرنسوں میں آپ نے اسلامی نظام کے موضوع پر خطاب کیا۔ سنہ ۱۹۷۲ء کی تحریک ختم نبوت اور سنہ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے خطبات و فتاویٰ اور تقریروں میں جمہور اہل اسلام کے جذبات کی بھرپور ترجمانی کی۔ اور اس کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کے عمل کی تکمیل کے لیے تقریر و تحریر و فتاویٰ کے ذریعہ کوشاں ہیں۔ گورنہ شریف جیسے مرکزی مقام میں اس قدر طویل عرصہ تک خدا تعالیٰ کے فضل سے ان دینی خدمات کی وجہ سے آپ کو دینی علوم خصوصاً اسلامی فقہ پر کافی عبور حاصل ہے۔ اور آپ کے فتاویٰ اندرون و بیرون ملک مستند سمجھے جاتے ہیں۔ اور آپ کی تقریر جو کتاب و سنت و اقوال اکابریت کی روشنی میں نہایت جامع ہوتی ہے، عوام و خواص میں اثر انگیز ہوتی ہے۔ متعدد بار حج و زیارتِ حرمین شریفین سے شرف ہوئے اور حضرت بابو جی کے ساتھ عراق و افغانستان کا دورہ بھی کیا اور وہاں کے زعماء و علماء سے اتحادِ اسلامی پر تبادلہ خیال کیا جس کی اس وقت اُمتِ مسلمہ کو نہایت ضرورت ہے۔ اور یہی مسلک آپ کے شیخ طلیقت حضرت مجددیت گورنوی قدس برترہ اور آپ کے اسلاف کرام کا رہا ہے جو سلسلہ عالیہ قادریہ کے صاحب کمال بزرگ ہوئے ہیں اس کی تفصیل مہر مینیر کے مطالعہ سے واضح ہو جاتی ہے۔

محمد حیات خان
محمد فاضل خان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض مؤلف

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پاک پر درود و سلام کے بعد عرض ہے کہ حضرت قبلہ عالم گولڑوی پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز کے حالات زندگی کے متعلق ایک جامع تذکرہ گوشتش بسیار کے باوجود ایک طویل مدت تک عالم وجود میں نہ آنے کے کئی وجوہات تھے۔

اول تو یہ کہ اللہ جل شانہ نے علم و فقیر میں حضرت قبلہ عالم کو جو مرتبہ و مقام عطا فرمایا تھا، اُس کا صحیح ادراک و بیان ہر کس و ناکس کا کام نہ تھا۔ کیفیات قلبی اور مشاہدات باطنی کا استفہام اور پھر اُن کا الفاظ میں اظہار صرف دشوار ہی نہیں بلکہ قریباً محال تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُستاد العلماء مولانا محمد غازی جیسے بخت عالم نے بھی، جن کے علم کے متعلق خود حضرت قبلہ عالم کامل اعتماد کا اظہار فرمایا کرتے تھے، تقریباً پچاس سال کی طویل صحبت و استفادہ کے باوجود بالآخر متافانہ انداز میں ہی کہا کہ افسوس ہم حضرت کو پہچان نہ سکے۔ چنانچہ آفتاب آمد دلیل آفتاب پر اکتفا کرتے ہوئے اس میدان میں قدم بڑھانے کی جرأت کسی کو نہ ہوتی تھی۔

دوم یہ کہ اپنی حیات ہی میں بعض مخلصین کی جانب سے قلبندی حالات کی استدعا پر حضرت قبلہ عالم نے منع فرمادیا تھا کہ میرے متعلق کوئی کچھ نہ لکھے۔ لہذا ایک تو اس کام کافی ذاتہً مشکل ہونا، دوسرے آنجناب کا حکم امتناعی رہے سے حوصلے بھی پست ہونے کا باعث ہوا۔ اور مئی ۱۹۳۷ء یعنی آپ کے وصال تک کسی کو اس طرف توجہ کرنے کی جسارت نہ ہوئی۔

سوم یہ کہ آنجناب کے بعد آپ کے خلف الصدق پیر سید غلام محی الدین شاہ المعروف حضرت قبلہ باوجودی مدظلہ العالی نے بھی ”من چہ سینم و پدرم چنباں“ کے دعوے سے یکسر مُبرّا اور تواضع و انکسار کا مجسم پیکر ہونے کے باعث حضرت قبلہ عالم کے ارشاد کے خلاف کسی کی حوصلہ افزائی نہ فرمائی۔ البتہ حالات زمانہ، ضرورتِ وقتی، جذبہً اخلاص و نیاز اور استفادہ خلیق کے پیش نظر بعض حضرات نے از خود خفیہ طور پر کچھ نہ کچھ یادداشتیں مرتب کرنا شروع کر دیں۔

سب سے پہلے حضرت کے نیاز مند اور جامعہ عباسیہ، بہاول پور کے شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد نے اس سلسلہ میں قدم اٹھایا اور حضرت قبلہ عالم سے خود سُننے ہوئے یادگیری معتبر ذرائع سے معلوم کردہ واقعات کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ مگر وقت معین آجانے کے باعث اس سعی جمیلہ کو تشنہ تبکیمیل ہی چھوڑ کر ۱۳۶۷ھ یعنی ۱۹۴۸ء میں راہی ملک بقا ہو گئے۔

ایک اور نیاز مند ملک سلطان محمود ٹوانہ نے، جو حضرت قبلہ عالم کے زمانہ میں اور کافی عرصہ بعد بھی آستانہ عالیہ

کے شعبہ خط و کتابت پر مامور رہے تھے، اس ضمن میں کوشش شروع کی۔ انہوں نے مولینا محبوب عالم سے، جو کافی عرصہ تک حضرت قبلہ عالم کے سفر و حضر میں مصاحب رہے تھے، حضرت کے متعلق ان کے چشم دید یادگیر ذرائع سے معلوم شدہ حالات کو فراہم کرنا شروع کیا۔ مگر افسوس کہ یہ دونوں حضرات بھی جلد ہی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ یعنی مولینا محبوب عالم کا ۱۹۵۲ء میں اور ملک سلطان محمود کا ۱۹۵۶ء میں انتقال ہو گیا اور مسودہ پھر نامکمل رہ گیا۔

اس کے بعد حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ کے ایک عقیدت مند رازیدانی رام پوری نے اس ضمن میں بہت اصرار کے بعد قبلہ بابو جی سے مشروط اجازت حاصل کی قبلہ بابو جی نے فرمایا: لکھیے، مگر خیال رہے کہ آپ کے قلم سے میں اپنا ذکر نہیں چاہتا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ بات سے بات نکال کر میرا ذکر چھیڑ دیں اور آپ کی عقیدت کتاب کو افسانہ ہی بنا دے۔ گویا حضرت بابو جی مدظلہ نے وضاحت فرمائی کہ حضرت قبلہ عالم کا منع فرمانے سے مطلب یہ تھا کہ لوگ بعید از حقیقت باتیں لکھ کر پیراں نمی پرند مریاں بھی پرانند کا مصداق بنتے ہیں۔ راز صاحب کے مسودہ کے تاخیر زیادہ تر مولینا شیخ الجامعہ اور نواب زادہ واجد علی اشک رام پوری کی تحریریں و روایات تھیں۔ اشک رام پوری والیان رام پور کے خاندان میں سے تھے۔ یورپ میں اعلیٰ تعلیم پائی تھی۔ دینیات سے واقفیت اور شاعری سے شغف تھا۔ خوب شعر کہتے تھے۔ عمر کا آخری حصہ درویشانہ رنگ میں آستانہ عالیہ گولڑہ شریف پر بسر کیا۔ انہیں حضرت کے اکثر دیرینہ ارادت مندوں سے ملنے کے مواقع میسر آئے۔ ۱۹۵۸ء میں ہمیں فوت ہو کر گولڑہ شریف میں ہی مدفون ہوئے۔

مذکرہ بالا تینوں مسودات جو زیادہ تر حضرت قبلہ عالم کے متفرق حالات پر مشتمل تھے۔ مگر آپ کی تعلیمات کا ان میں بہت کم ذکر تھا، ۱۹۵۸ء تک جوں کے توں دھرے رہے اور ان کی تکمیل و اشاعت کا کام نہ ہو سکا۔ تاہم بعض عقیدت مند اور دیگر اہل قلم حضرات وقتاً فوقتاً اپنے طور پر حضرت قبلہ عالم کے متعلق اپنے مضامین مختلف اخبارات و رسائل میں شائع کراتے رہے۔ جن میں بعض حالات صحیح اور بعض خلاف حقائق بھی ہوتے تھے۔ چند قادیانی اور غیر مقلد مقلین نے بھی حضرت سے اختلاف کے باعث واقعات کو توڑ موڑ کر شائع کرنا شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ حضرت قبلہ عالم کے صحیح اور مستند حالات مع تعلیمات منظر عام پر لائے جائیں تاکہ وہ مشن جو آپ نے اپنی حیات طیبہ میں جاری فرمایا تھا، بطریق احسن جاری رہے۔ چنانچہ ۱۹۶۰ء میں جب کہ راقم الحروف آستانہ عالیہ پر اقامت کی سعادت سے مشرف ہوا تو حضرت کے ارادت مندوں میں یہ احساس شدت اختیار کر چکا تھا۔

اتفاقاً ان ہی ایام میں جناب سید غلام مصطفیٰ شاہ خالد گیلانی بمقیم راولپنڈی نے قبلہ بابو جی مدظلہ العالی کی خدمت میں عرض کیا کہ میں افکار راولپنڈی کے نام سے ایک کتاب شائع کر رہا ہوں، جس میں مشاہیر حضرات کا بھی ذکر ہو گا، اس لیے حضرت قبلہ عالم کے حالات قلم بند کرنے کی اجازت بخشی جاوے۔ شاہ صاحب کے اصرار پر قبلہ بابو جی نے راقم الحروف کو مستذکرہ بالا مسودات میں سے کچھ مختصر واقعات تحریر کر دینے کا ارشاد فرمایا۔ جو شاہ صاحب نے لے کر بعینہ کتاب مذکور میں شائع کرادیے۔ یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ جناب بابو جی کی اجازت سے حضرت قبلہ عالم کے کچھ حالات باضابطہ طور پر کتابی صورت میں ظہور پذیر ہوئے۔

بالآخر قبلہ بابو جی نے متوسلین کی گزارشات پیہم اور ضرورت وقت کے خیال سے مجھے ارشاد فرمایا کہ گو حضرت قبلہ عالم کا ارشاد گرامی اب بھی میرے پیش نظر ہے، مگر بعض لوگوں کی افراط و تفریط کے مد نظر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے

کہ حضرت کی سوانح حیات تحریر کی جائے، لیکن کوشش اس امر کی ہو کہ حالات مستند ہونے کے ساتھ ساتھ یہ آپ کے مسلک اور تعلیمات کے بیان، آپ کی تصانیف، مکتوبات، ملفوظات اور فتاویٰ وغیرہ پر مبنی ہو۔ غیر ضروری حالات و کرامات کے ذکر سے حتیٰ الوسع اجتناب کیا جائے، کیونکہ حضرت کی شان محتاج بیان نہیں اور نہ اظہار کمال میرے مشائخ کرام کا مسلک ہے۔

پہلے تو اس عظیم ذمہ داری کی برداشت سے خود کو عاجز بنا کر مجھے خیال پیدا ہوا کہ معذرت کر دوں، مگر پھر اللہ تعالیٰ کی تائید اور حضرت مشائخ کرام علیہم الرضوان کی نظر کرم پر تکیہ کرتے ہوئے، خدا کا نام لے کر سلسلہ تالیف شروع کر دیا۔ حال یہ ذرہ نوازی حضرت قبلہ عالم کی محض اس نگہ کرم کا صدقہ ہے، جو اس سچے چھان کو آنجناب کے وصال سے فقط تین چار روز قبل حاضری کے وقت نصیب ہوئی۔ ورنہ من آنم کہ من دائم۔ کہاں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی سوانح مبارکہ کی ترتیب تدوین اور کہاں یہ ظلم و جہول بے بضاعت۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

اس کتاب کی تالیف میں مذکورہ بالا مسودات کے علاوہ حضرت قبلہ عالم کی تصانیف، مکتوبات، ملفوظات اور بعض قلمی تحریریں کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ساتھ ہی آنجناب کے صحبت یافتہ اور دیرینہ متوسلین سے بالمشافہ اور بذریعہ خط و کتابت بھی معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ حضرت کے مشائخ کرام و آباؤ اجداد کے حالات اور بعض ضمنی مباحث کے سلسلہ میں متعدد معتبر کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے، جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر کر دیا گیا ہے۔

اکثر امور میں حضرت قبلہ باوجود مدظلہ سے رہنمائی حاصل کر کے حضرت قبلہ عالم کی تعلیمات اور مسلک کی تشریح کی گئی ہے۔ اس لیے ان مقامات پر جناب باوجود بھی ناگزیر ہو گیا ہے۔

حضرت قبلہ عالم کی کرامات، اولادِ امجاد، متوسلین و معاصرین کا ذکر فقط اس حد تک کیا گیا ہے، جو اس سوانح کی تکمیل کے لیے ضروری تھا اور نہ تفصیل رادفرے دیگر باید۔ بعض اہم مسائل میں علمائے ہم مسلک کے ساتھ بھی تبادلہ خیالات کر لیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج کئی برسوں کی سہم اور عاجزانہ مسامحی کا ثمرہ کتاب مہر منیر کی صورت میں پیش خدمت ہے۔

عقبول افتدز ہے عز و شرف۔

یہ کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول میں خاندان و آبائے کرام کا ذکر ہے۔

باب دوم میں زمانہ طفولیت اور کسب علم کے حالات ہیں۔

باب سوم زمانہ درس و تدریس سے تعلق رکھتا ہے۔

باب چہارم جذب و سیاحت کے حالات پر مبنی ہے۔

باب پنجم میں سند ارشاد کے کوائف ہیں۔

باب ششم حضرت کے وصال، اولاد و متوسلین کے اذکار پر مشتمل ہے۔

باب ہفتم حضرت کے معاصرین کے ذکر میں ہے۔

باب ہشتم میں آنجناب کے بعض مناظرات و مذاکرات ہیں۔

باب نہم میں آپ کے ارشادات یعنی ملفوظات، مکتوبات و کلام منظوم مندرج ہیں۔

باب ہفتم تصانیف اور بعض فتاویٰ سے متعلق ہے۔

باب یازدہم بعض کرامات کے ذکر میں ہے۔

مضامین کی فہرست کتاب کے آغاز میں دے دی گئی ہے۔

خاتمہ کلام پر میں جناب ملک محمد خدابخش ٹوانہ، ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ پولیس، اپنے برادر عزیز مولوی مشتاق احمد فاضل معاً غوثیہ گولڑہ شریف و ایم۔ اے جامعہ اسلامیہ بہاولپور اور خان محمد اقبال خان مرحوم ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس تالیف و تدوین میں بے حد محنت و انہماک سے میرا ہاتھ بنایا۔ افسوس کہ مؤخر الذکر اس کتاب کی اشاعت سے پہلے ہی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور آستانہ عالیہ میں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے دونوں بھائیوں محمد حیات خان اور محمد فاضل خان نے اسی جذبہ اور اخلاص سے کتاب کی طباعت و تکمیل میں نمایاں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے ان معتبول بندوں کے طفیل جن کے ذکر خیر پر یہ کتاب مشتمل ہے، اس بندہ پر تقصیر اور اس کا رخصت میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی مسامحہ قبول فرما کر فوز و فلاح داریں اور جملہ قارئین کرام کے لیے سعادت داریں کا موجب بنائیں آمین ثم آمین ثم آمین

نیاز مند بارگاہ مہرین فیض احمد فیض عفی عنہ
آستانہ عالیہ غوثیہ گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی

۲۹ صفر المظفر ۱۳۸۹ھ
مطابق ۱۷ مئی ۱۹۶۹ء

قطعہ تاریخ طبعت مہر منیر

مطبوع گشت تذکرہ عارف الہ
درسن طبعش آمدہ از غیب ایں ندا
عالی جناب مہر علی شاہ پادشاہ
مہر منیر آمدہ اندر ظہور واہ
فیض ۱۹۷۳ ۶

پیش لفظ طبع سوم

مہر منیر کی طباعت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آستانہ عالیہ کے طنے والوں کو بالخصوص اور اہالیان پاکستان و ممالک اسلام کو بالعموم ایک سانحہ عظیم سے دوچار ہونا پڑا۔ سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب کے فرزند جلیل حضرت سید غلام محی الدین شاہ صاحب المعروف بہ بابو جی قریباً چھ ماہ طویل رہنے کے بعد ۲ جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۷۳ء بوقت النجی شب اپنے لاکھوں طنے والوں کو سوگوار چھوڑ کر مالک حقیقی سے جا ملے اور اس طرح ہماری آنکھیں سلسلہ کاہلین و صالحین کے اس نہایت ہی درخشندہ ستارے کی زیارت سے محروم ہو گئیں حضرت بابو جی کے اوصاف حمیدہ یا ان کے حالات زندگی کو یہاں پر بیان کرنا ممکن نہیں صرف آپ کی حیات طیبہ کے آخری ایام اور وصال کے مختصر حالات اس کتاب کے آخر میں دیتے جا رہے ہیں آپ کی مفارقت ہمارے دلوں پر ایک کبھی نہٹنے والا داغ چھوڑ گئی ہے آپ کے تشریف لے جانے سے آپ کے طنے والوں کی حالت قلبی کو مولانا نعمت اللہ صاحب الہ آبادی کا ایک مصرعہ جو انہوں نے حضرت اعلیٰ کے وصال پر کہا تھا خوب بیان کرتا ہے

وہ تو زندہ ہی ہے نعمت مگر ہم گئے اللہ تعالیٰ ان کی مٹھی اور دلنشین یاد کو ہمیشہ زندہ رکھے اور ہمیں ان کے اوصاف حسنہ کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

۲۹ صفر المظفر ۱۳۹۶ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۷۶ء
فیض احمد فیض عفی عنہ

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹	فضائل اہل بیت پر بعض اکابرین کے ارشادات		باب اول
۲۲	حدیث حشم غدیر		خاندان و آبائے کرام
۲۳	مقام ولایت کے مرکز اعلیٰ علیؑ		پہلی فصل
۲۴	نسبت اویسیؑ		خاندان
۲۴	مہربے ساری علیؑ دی	۳	شجرہ نسب
	تیسری فصل		حسینؑ پاک اور ان کی ذریت فرزندین
	آبائے کرام	۴	رسولؐ ہیں
۲۶	مولائے کائنات جناب علیؑ		حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی تحریر اپنے نسب
۲۶	حسین کریمین	۵	کے متعلق مع سند بغداد شریف
۲۶	حسین کریمین کی اولاد اجماد	۸	نسب بحیثیت عمومی کا شرف
۲۶	غوث الثقلینؑ	۱۰	آل نبیؐ کے نسب طاہر کا شرف
۲۸	پیدائش کے وقت عالم اسلام کی حالت		حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے نسب کے متعلق
۳۱	غوث الاعظمؑ کی تشریف آوری بغداد	۱۳	کراماتی ثبوت
۳۱	آپؑ کے روحانی تصرفات	۱۳	یہ بنو فاطمہ کی ٹوپی ہے
۳۲	تاریخوں کا قبول اسلام	۱۴	تائید و تصدیق غوثیہؑ
۳۳	پاساں بل گئے کعبہ کو صنم خانے سے	۱۵	کرامت جاریہ
۳۵	غوث الاعظمؑ کے کوائف زندگی	۱۵	وادی حمر اکار و یائے صادقہ
۳۶	عشق فارغ کرد از دنیا و ما فیہا مرا	۱۶	ایک جن کی شہادت
۳۸	محمی الدینؑ		دوسری فصل
۳۹	آپؑ کی مجالس و عطا		فضائل اہل بیت کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم
۴۰	موازنہ عقل و عشق	۱۷	فضائل اہل بیت پر اکابرین امت کی کتب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	باب دوم	۴۰	اقلیم ولایت کی شہنشاہی کا فرمان
	زمانہ طفولیت و کسب علم	۴۱	خواجہ غریب نواز چشتی کا سر جھکانا
۶۱	ولادت	۴۱	شیخ صنعان کا انکار و توبہ
۶۱	شانِ مجددیت کی غماز ناز نغمائے ولادت و وصال	۴۱	اس فرمان کا مفہوم
۶۳	چودھویں صدی کا مجدد بسم اللہ کا ہم عدد	۴۲	تصرفات بعد از وصال
۶۴	آمد آمد کی نوید	۴۳	حضرت غوث الاعظم و اکابرین امت
۶۴	اسے معلوم نہیں یہ کیا ہونے والا ہے	۴۳	رسالہ انوار قادریہ پر حضرت قبلہ عالم
۶۴	بچپن میں عشق الہی کی سرگرمیاں	۴۵	قدس سترہ کی تفسیر لفظ
	سات برس کی عمر میں بحالت خواب ابلیس سے		چوتھی فصل
۶۵	قوت آزمائی		حضرت قبلہ عالم کے دیگر اجدادِ کرام
۶۵	ابتدائے تعلیم	۴۹	سید تاج الدین عبدالرزاق و سید جمال اللہ حیات المیر
۶۵	قرآن ناظرہ پڑھ کر حفظ ہو گیا	۴۹	سید ابوصالح طاہر نصر و سید علی بغدادی
۶۵	مادر زاد ولایت پر کرم خوردہ کتاب کی شہادت	۵۰	سید تاج الدین محمود و سید ابی الیحات
۶۶	موضع بھوتی کے درس میں داخلہ	۵۰	حضرت میراں شاہ قادر مقصود
۶۶	بھوتی کا ایک طالب علمانہ مناظرہ	۵۱	حضرت شاہ محمد فاضل قلندر
۶۶	عید گاہ مانغریباں کوئے تو		حضرت پیر سید روشن دین شاہ و
۶۸	درس انگہ میں شمولیت	۵۱	پیر سید رسول شاہ
۶۸	ہم درس کا احساسِ محترمی	۵۲	گولڑہ
۶۸	موروثی جو دو اشیاء کا مظاہرہ	۵۲	سائیں علی محمد عرف مسکین شاہ پانی پتی
۶۸	تم قصیدہ پڑھو میں قصیدہ والے کو بلاتا ہوں		حضرت پیر سید میراں شاہ و حضرت پیر
۶۹	ایک آسب زدہ مسجد کو دارالوظائف قرار دینا	۵۳	سید فضل دین شاہ
۶۹	جرات و رحم دلی کا مظاہرہ		حضرت پیر سید نذر دین عرف حضرت
۶۹	خلوت میں جلوت	۵۴	اجی صاحب
۷۰	ایک عابدہ مانی کی پیشین گوئی	۵۵	زندہ جلائے کی کوشش ناکام
۷۰	تعلیم و تعلم میں انہماک	۵۶	ایک مجذوب کی کارکردگی
۷۰	بلانے والے کو سلیقہ ہو تو ابل برزخ جواب دیتے ہیں		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۲	حدیث قَوْمُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ بِحُبِّ بَحْت	۷۱	لیک قادری فقیر کے محبت بھرے جملہ کا اثر
۸۳	آمین بالجہر پر مناظرہ	۷۱	استاد محترم کی معیت میں سیال شریف
۸۳	ایک مجذوبہ کی والہانہ صدا	۷۱	کی حاضری
۸۴	اثنائے درس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات	۷۱	بہندوستان دا خواہم لگام
۸۴	میلے تاشوں سے نفرت	۷۲	مولانا احمد حسن محدث کانپوری سے ملاقات
۸۴	تحصیل علوم کے بعد مراجعت وطن	۷۳	ہندوستان کے دینی علوم کے مراکز
	باب سوم	۷۳	استاد اکمل مولانا لطف اللہ علیگرھی
	زمانہ درس و تدریس	۷۵	علی گڑھ کے درس میں تحصیل علم
	مراجعت وطن، اجرائے درس و شادی	۷۵	یورپی ممتحن کا اعتراف کمال
۸۷	خانہ آبادی	۷۶	ایک مجذوب کا اظہار حیرت
۸۷	تدریس و تعلیم میں خصوصی شان	۷۶	طالب علمی میں جود و کرم اور ریاضت و مجاہدہ
۸۸	مسجد ضرار کے مسئلہ پر حضرت کا موقف	۷۶	کی شان
	معقول کی مشہور کتاب قاضی مبارک کی تدریس	۷۶	مولانا عبداللہ ٹونکی سے ایک طالب علمانہ
۸۹	پر علماء کا اظہار حیرت	۷۶	بحث
۸۹	ایک نواحی گاؤں میں شیعوں سے مناظرہ	۷۷	طالب علمی میں رشک انگیز تدریس
۹۱	دوران مناظرہ اپنے جد امجد کی روحانی توجہ	۷۸	ذہنی اور روحانی قوی کے ساتھ جہانی طاقت
۹۱	ریاست سوات کا سفر	۷۸	مولانا لطف اللہ کی ملاقات کیلئے دوبارہ سفر ہند
۹۲	خلیفہ صاحب کا عجیب واقعہ اور حضرت کی تقصیر	۷۹	مولانا لطف اللہ کی طرف سے عطیہ سندات
۹۳	اعلیٰ حضرت سیالوی سے بیعت	۷۹	۱۔ اجازت نامہ کتب حدیث صحیح بستہ وغیرہ
	شیخ کے حضور میں مسالک وحدت الوجود و شہود	۸۰	۲۔ اجازت نامہ مشکوٰۃ شریف
۹۳	پر تدریس	۸۰	۳۔ اجازت نامہ قرآن مجید ترجمہ و تفسیر
۹۳	اپنے شیخ کی توجہ کے متعلق آپ کے تاثرات	۸۰	۴۔ اجازت نامہ حدیث ضیافت الاسودین
	سیال شریف میں وحدت الوجود پر ایک عالم	۸۱	۵۔ حدیث شریف مسلسل بالاولیٰ
۹۴	سے گفتگو	۸۱	۶۔ سند رسالہ حدیث مولانا محمد سعید سنبل
۹۵	خلافت ارشاد اور تربیت میں امتیازی سلوک	۸۱	۷۔ سند حدیث مصافحہ
۹۶	حضرت ثانی سیالوی کی خاص عنایات	۸۱	شمولیت درس حدیث بمقام سہارنپور

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۸	اساتذہ العلماء مولانا محمد غازی کی حضرت سے پہلی ملاقات	۹۷	حضرت اعلیٰ سیالوی کے فیوض و برکات و بعض مشہور خلفاء کا ذکر خیر
۱۱۹	مولانا حاجی رحمت اللہ سے ملاقات	۹۷	اقتباس از کتاب "انوارِ شمسیہ"
۱۱۹	دجال کے طواف کعبہ کی توجیہ		باب چہارم
۱۲۰	مولانا رحمت اللہ کے حضرت کے متعلق تاثرات		زمانہ جذب و سیاحت
۱۲۰	قاری عبداللہ کی حضرت سے ارادت	۱۰۱	حضرت کی اپنے شیخ سے عقیدت
۱۲۱	قاری عبداللہ کا مکتوب	۱۰۱	طلب مزید کیلئے بیابانوں میں خلوت کا راز
۱۲۳	قاری احمد کا مکتوب	۱۰۲	وصال شیخ کے بعد آپ کی حالت
۱۲۵	قاری احمد کے حق میں حضرت کی سندِ علوم	۱۰۳	مجاہدات کنارِ راوی
	قاری عبدالرحمن الہ آبادی و قاری عبدالرحمن جونپوری	۱۰۴	خان بہادر مولوی شیر محمد اسٹنٹ پولیسکل انجینئر گلگت
۱۲۶	حضرت سے ارادت و عقیدت	۱۰۵	فتوحاتِ مکہ کا بالاستیعاب مطالعہ
	حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی کے درس میں حضرت کی تقریر و حاجی صاحب کا عطائے سلسلہ صابریہ	۱۰۵	انجمن نعمانیہ میں تدریس کی پیش کش
۱۲۸	حضرت حاجی صاحب کی ان عنایات پر ان کے بعض متوسلین کا ردِ عمل	۱۰۶	شاہی مسجد لاہور کے محروں میں قیام
۱۲۹	حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی اور آپ کا مسلک	۱۰۷	آپ کا ایک عاشق المشہور فقیر سواتی
۱۳۰	فتوحاتِ مکہ کے حصول میں تائیدِ غیبی	۱۰۸	ایک اور عاشق دیوانہ
	حضرت کے رئیس الحجاج ہونے کے متعلق ایک بزرگ کا کشفی مشاہدہ	۱۰۹	سفر مالیر کوٹلہ
۱۳۰	وادی حمر کے واقعہ کے متعلق حضرت قبلہ عالم کی قلمی تحریر	۱۰۹	سفر ملتان
۱۳۳	اس کٹھن سفر میں شانِ استغنیٰ و ایشیا و کرم	۱۱۰	سفید مرغ نے مدفونہ دولت کی نشاندہی کی
۱۳۴	عرب شریف سے واپسی پر آپ کا استقرار	۱۱۲	حضرت موسیٰ پاک شہید کے مزار پاک کی کشش
۱۳۴	ریاست بھوپال کا سفر	۱۱۲	ڈیرہ غازیخان کا ایک ناکام فقیر
		۱۱۴	فقیر صاحب نوٹن کے دعویٰ کا جواب
		۱۱۵	مجاہداتِ مظفر گڑھ
		۱۱۶	حضرت خواجہ غریب نواز کے آسانہ پر اشارہ غیبی
		۱۱۶	مجاہداتِ حسن ابدال
		۱۱۶	سفر حجاز
		۱۱۷	درود مستغاثِ پُختہ گو

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۶	دوسری فصل تعمیر کوز اور طابین حق کا اجتماع بعض سابقوں الاولون	۱۲۹	باب پنجم مسند ارشاد پہلی فصل مجددانہ شواہد
۱۲۶	بعض سابقوں الاولون	۱۲۹	مسند اکابرین
۱۲۶	بعض سابقوں الاولون	۱۳۰	تردید مرزائیت
۱۲۸	مراقبہ ذکر و فکر کی کیفیت	۱۳۰	انسدادِ چکر الویت
۱۲۸	شانِ تربیت	۱۳۰	ردِ نچرت
۱۲۹	فقیر محمد امیر کوٹ اٹل	۱۳۰	انگریزی تعلیم پر حضرت کا مسلک اور دینی مدارس میں دلچسپی
۱۵۰	بابا غلام فرید ٹالوی	۱۳۱	مغربی علوم کی نسبت صاحبزادہ سر عبد القیوم کے ایک فقرے کا جواب اور پیشین گوئی
۱۵۱	فقر حقیقی کی بے نفسی و بے غرضی	۱۳۲	بریلوی اور دیوبندی
۱۵۲	اگر خدا سے ملنا ہے تو گولڑہ جاؤ	۱۳۲	وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ کی صحیح تفسیر
۱۵۲	چالیس روز کی بجائے دو یوم ہی میں تکمیل کار	۱۳۲	غیر متدین
۱۵۳	سفر حج کے مکاشفات	۱۳۲	علم الکلام کے اختلافی مسائل میں آپ کا مسلک
۱۵۳	شیخ کی غیرت	۱۳۳	وحدت الوجود اور وحدت الشہود
۱۵۴	حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت	۱۳۳	مسئلہ خلافت و فضیلت
۱۵۴	قاضی فیض عالم	۱۳۳	لعن زید
۱۵۵	تیسری فصل سماع اور غنا پر حضرت کا مسلک اور آپ کی زندگی کے چند واقعات	۱۳۳	شہد میں رفع سبابہ کی سنت کا احیاء
۱۵۵	سماع اور غنا کا مطلب اور بابِ حال کا مسلک	۱۳۳	اوقاتِ سنونہ نماز کی پابندی اور وظائف کی تصحیح و ترتیب
۱۵۵	حضراتِ چشتیہ کا مسلک	۱۳۴	تحرکِ خلافت
۱۵۶	حضرت کا مسلک	۱۳۴	شاہی دربار دہلی میں شمولیت سے انکار
۱۵۶	انگلوانڈین ریلوے گارڈ پر سماع کا اثر	۱۳۴	سیاست سے پرہیز
۱۵۶	جمیر شریف کے قوال کا واقعہ	۱۳۵	قبولِ عام کی خلعت
۱۵۶	ہندو جوگی کا قبولِ اسلام		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۸	روحِ انسانی	۱۵۰	آپ کی وجدانی کیفیات کے بعض واقعات
۱۸۸	قیامت	۱۶۰	جناب غیاث الدین اجمیری کا واقعہ
۱۸۸	جہادِ بالسیف	۱۶۱	علمائے سرحد کے ساتھ سماع کے موضوع پر مناظرہ
۱۸۹	معراجِ جسمانی	۱۶۱	کفر و ایمان کی بحث
۱۸۹	احترامِ انبیاء	۱۶۲	علماء کا سکوت اور دیوانِ صفا کی رقت اور بیعت
۱۹۱	آلِ نبی کا احترام		چوتھی فصل
	نبی کریم اور خلفائے راشدین کے متعلق قادیانیوں	۱۶۳	قادیانیت پر ایک مختصر تبصرہ
۱۹۳	کی زبان درازی	۱۶۵	بانی قادیانیت اور ان کی ابتدائی زندگی
۱۹۳	تمام اُمتِ محمدیہ پر کفر کا فتوے	۱۶۶	مرزا صاحب کے ابتدائی عقائد
۱۹۴	قادیانیت کے پس پردہ کار فرما قوتیں	۱۶۷	اس دور کے مسلمانوں کی ذہنی کیفیت
۱۹۵	برطانیہ کی اطاعتِ نصفِ الاسلام	۱۶۷	مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ
۱۹۵	قادیانیوں سے ہندوؤں کی توقعات	۱۶۸	مثیل مسیح سے مسیح موعود
۱۹۷	مرزا صاحب کے عادی کا اُمتِ مسلمہ پر ردِ عمل	۱۶۹	مشابہتِ مسیح کے دلائل
۱۹۸	قادیانی اور لاہوری پارٹی	۱۶۹	احادیثِ نزولِ مسیح کی تاویل
۲۰۰	اعتبار	۱۷۱	مسیح موعود سے نبوت تک
	پانچویں فصل	۱۷۲	ختمِ نبوت کے خلاف انوکھے استدلال
	حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا قادیانیت کے	۱۷۳	ظالی نبی
	خلافِ معرکہ	۱۷۳	ظالی نبی سے مستقل اور صاحبِ شریعت نبی
۲۰۳	باطنی ارشادات	۱۷۶	مرزا صاحب کی وحی
۲۰۳	ایک کشف کے متعلق حضرت کی قلمی تحریر	۱۷۷	مرزا صاحب کے الہامات
	مولوی محمد حسین بٹالوی اور خواجہ غلام فرید چاچراں	۱۷۸	مرزا صاحب کے الہامات اور عرفانِ الہی کے نمونے
۲۰۴	کی ابتدائی خوش فہمیاں	۱۸۰	مرزا صاحب کی پیشین گوئیاں
۲۰۵	شیخ الجامعہ کا بیان	۱۸۴	الہامات کے متعلق حضرت قبلہ عالم کا فرمان
۲۰۵	مشائخ کے ساتھ فرضی بیانات منسوب کرنا	۱۸۵	مرزا صاحب اور قرآن و حدیث
	قادیانی دعوت نامہ اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ	۱۸۶	مسلمانوں سے اسلام کے ہر اصول پر اختلاف
۲۰۷	کا جواب	۱۸۶	نزولِ ملائکہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۲	قادیانی جماعت میں انتشار	۲۰۶	مشائخ طریقت کو چیلنج
۲۳۳	کرامات اوزحجرات میں مقابلہ کی پیش کش	۲۰۶	"شمس الہدایت" کا طلوع
۲۳۳	لاہور میں قادیانی داعیوں کے حیلے بہانے	۲۰۶	قادیان میں تہلکہ
۲۳۴	تحریری مناظرہ کے سلسلہ میں حضرت قبلہ عالم قدس	۲۰۶	مولوی عبد الجبار غزنوی کا خط
۲۳۴	کی ایک مشہور عام بات	۲۰۸	حکیم نور الدین صاحب کے بارہ سوالات
۲۳۴	قادیانی چیلنج کے جواب میں فقرہ غیور کا رجز	۲۰۸	حضرت کے جوابات
۲۳۵	شاہی مسجد میں مسلمانوں کا جلسہ		حکیم نور الدین پر صرف ایک سوال جو تہنہ جواب
۲۳۶	نیچر یا فیصلہ جلسہ بڑا	۲۰۹	ہی رہا
۲۳۸	علماء و مشائخ ناصرین کی فہرست		مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ
	حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی لاہور سے واپسی	۲۱۰	کی دعوت
۲۴۱	پر مرزا صاحب کا اشتہار	۲۱۵	نقل ضمیرہ اشتہار دعوت
۲۴۲	مرزا صاحب کے عذرات	۲۱۸	چھپاسی علماء کے اسماء کی فہرست
۲۴۲	ان عذرات کا جواب	۲۱۹	نقل اشتہار جواب دعوت
	مسلمان دانشوروں اور عوام پر مرزا صاحب کے	۲۲۲	نقل ضمیرہ اشتہار جواب دعوت
	اشتہارات اور دلائل کارہ عمل اور ان کے	۲۲۸	جماعت علماء کی طرف سے جواب دعوت کا اشتہار
۲۴۳	عواقب		حضرت کی طرف سے تہنہ بھٹ
۲۴۳	گھرنیٹھے تفسیر نویسی کے مقابلہ کی دعوت	۲۲۸	کی دعوت کارہ عمل
	حضرت کی ذات گرامی پر اس نئی مبارز طلبی	۲۲۸	فریقین کی توقعات کا جائزہ
۲۴۵	کارہ عمل		قادیانی پارٹی کی طرف سے تقریری بحث کی
۲۴۵	"سیفِ چشتیانی"	۲۲۹	نامنظوری کے خط پر اس شرط کی واپسی
۲۴۶	"اعجاز المسیح"	۲۳۰	مباحثہ کے ضمن میں مسلمانوں کا عظیم اجتماع
۲۴۹	"شمسِ بازغہ"		مسلمانوں کے تمام فرقوں کا حضرت قبلہ عالم
	حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی اس ضمن میں	۲۳۰	قدس سترہ کو اس محاذ پر اپنا قائد منتخب کرنا
۲۵۱	ایک پیش گوئی	۲۳۱	لاہور میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی تشریف آوری
۲۵۲	"سیفِ چشتیانی" پر بہتان سرقہ کی حقیقت	۲۳۲	مرزا صاحب کی آمد کا انتظار
۲۵۴	مرزا صاحب نے سرقہ مضامین کا الزام واپس لے لیا	۲۳۲	قادیانیوں کی دوڑ دھوپ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۴۶	ساتویں فصل حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور تحریک خلافت حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور ملکی سیاست	۲۵۴	گورد اپسٹو کے تعذبات میں حضرت کو بطور گواہ طلب کرنے کی قادیانیوں کی طرف سے متواتر کوشش نام مولوی محمد حسن فیضی
۲۴۸	تحریک خلافت کے اسباب	۲۵۶	مخالفین کا حضرت کی تصانیف کو غیروں سے منسوب کرنے کا رجحان
۲۴۸	اسلامی خلافت کے متعلق علمائے اسخین کا مسلک	۲۵۷	ابھیٹھہ بالجیٹھہ
۲۴۸	اپنے مسلک کے باوجود حضرت نے مخلصین کو تحریک خلافت میں حصہ لینے سے منع نہیں فرمایا۔ تحریک خلافت میں ہندو کانگریس کے ساتھ تعاون کا مسئلہ	۲۵۷	معرکہ قادیانیت کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا ایک اہم بیان
۲۷۰	ہندوؤں کے ساتھ تعاون	۲۵۹	چھٹی فصل تحریک ہابیت کا مقابلہ حدیث شدہ رجال
۲۷۲	مولینا محمد علی مونگیری اور مسٹر گاندھی کا مکالمہ	۲۶۰	زیارت روضہ رسول کی تاکیدی احادیث
۲۷۵	انگریز حکومت کی طرف سے جاگیر کی پیش کش	۲۶۱	زیارت قبور
۲۷۶	کانگریس کے تعاون سے مولینا عبدالباری کا رجوع	۲۶۱	غیر مقلدین کے ساتھ مناظرات
۲۷۶	مولوی محمد اسحق مانسہروی کا چیلنج	۲۶۲	علمائے مکہ کی طرف ابن عبد الوہاب نجدی کا رسالہ دعوت
۲۷۷	مولوی ظفر علی خان کی حاضری	۲۶۳	محمد بن عبد الوہاب نجدی کی عمدگی عقائد کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ
۲۷۷	اسلامیان ہند کی آزادی کے لیے دُعا عَلَى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنْ اَتَّبَعَنِي فِيْ بَصِيْرَةٍ کے معرکہ اور نکرہ ہونے کا سوال	۲۶۳	بعض اہل طریقت رجعت کی زد میں
۲۷۸	ظفر علی خان کے خلاف شہادت سے انکار	۲۶۴	حضرت کے فتویٰ کے خلاف مخالفین کا اشتہار "الفتوحات الصمدیہ"
۲۷۸	مولوی ظفر علی خان کا مسٹر گاندھی سے بگاڑ	۲۶۵	عجبالہ بردوسالہ
۲۷۹	تحریک ہجرت میں رائے عامہ کا طوفان	۲۶۵	حضرت شیخ اکبر کی تائید میں انعامی دعوت مناظرہ اور علمائے اہل حدیث کا سکوت
۲۷۹	حکیم شمس الدین وزیر آبادی حضرت کے ایک سرگرم خلافتی مرید	۲۶۶	حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی تصنیف "اعلام کلمۃ اللہ"
۲۸۰	حکیم صاحب سے خلافت کے متعلق خط و کتابت		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۷	نواب سر عمر حیات خان و سر خضر حیات خان ٹوانہ۔	۲۸۲	حکیم صاحب کے اشکِ ندامت
۲۹۸	نواب میاں محمد حیات قریشی۔	۲۸۲	پشاور کے خلافتی کارکنوں کا وفد
۲۹۸	سرکنڈ حیات خان، خان بہادر میاں مشاق احمد خان		انہویں فصل
۲۹۸	گورمانی و نواب عبداللہ خان آف خان گڑھ۔		حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور حکومتِ برطانیہ
۲۹۸	حاجی میاں کریم بخش، میاں عبدالرحیم	۲۸۳	انگریز شہنشاہ کے دربار میں شمولیت سے انکار
۲۹۸	میاں عبدالکریم سیٹھی پشاور و میاں	۲۸۴	اس انکار پر حکومتِ برطانیہ کا رد عمل
۲۹۸	امام بخش سوداگر ملتان۔	۲۸۴	ڈاکو کا جنازہ پڑھنے پر ڈپٹی کمشنر کی رد بکار کا جواب۔
۲۹۹	بعض نو عمر امیر زادے۔	۲۸۶	حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ عالی میں استغاثہ
	گیارہویں فصل	۲۸۶	انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس سے مفروضوں کے متعلق گفتگو
	آزمائش کی چند گھڑیاں	۲۸۷	ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کی حاضری اور عقیدت
۳۰۱	حضرت کی ذات پر بعض حاسدین کے ناکام حملے۔		نویں فصل
۳۰۱	تلوار برہنہ		حضرت دیوان صاحب پاکستان شریف کی عقیدت
۳۰۱	سالن میں زہر	۲۹۱	پہلی ملاقات پر دیوان صاحب کا تاثر
۳۰۲	جادو کا وار		لباس اور سواری کے متعلق ایک انگریز کا اعتراض
۳۰۲	چاہ کن راجہ درپیش	۲۹۱	اور اس کا جواب
۳۰۲	قرابت داروں سے حضرت کا سلوک	۲۹۲	حضرت دیوان صاحب کے لیے زینہ اولاد کی کُنا
۳۰۳	بعض معاصرانہ چشمکیں	۲۹۲	جناب خواجہ حسن نظامی دہلوی
۳۰۴	شمس الہدایت پر مولوی محمد ذاکر گبوی کا اعتراض		بظاہر مطالعہ و شغل تسبیح اور باطن حضرت باوا صاحب
۳۰۴	اور رجوع	۲۹۳	سے گفتگو
	جناب مولوی عبداللہ صاحب گڑھی افغاناں کا		دسویں فصل
۳۰۴	اعتراض و اصرار		ولیان ملک اور رسائے عظام کا آپ سے توسل
۳۰۴	حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی ملاقات کے لیے سفر۔	۲۹۵	امیر حبیب اللہ خان والی افغانستان
۳۰۵	ملاقات	۲۹۶	نواب صاحب بہاولپور
	بارہویں فصل	۲۹۶	نواب ولی الدولہ حیدرآباد دکن
	حضرت کے بعض ہنگامی اور مقصد سفر	۲۹۶	نواب صاحب انب در بند
۳۰۷	پاک پن شریف کے سفر میں مقامات قیام۔	۲۹۷	سر دار محمد علی خان گھیبہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۱۸	ایک مخلص کے دل کی خطرہ کا از خود جواب	۳۰۸	سفر سیال شریف کے دوران مقامات قیام
۳۱۸	صنوری نام گھوڑے کا اظہارِ ادب	۳۰۸	میاں بندی مجذوب کا آپ کے نام خط
۳۱۸	پاک پتن شریف میں ایک گھوڑے کی مگرشی	۳۰۸	حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ایک صاحب
۳۱۹	ڈھیری شاہاں کی بارات کا واقعہ	۳۰۸	مزار کی خط و کتابت
۳۱۹	معنوی جمالیات کے علاوہ صنوری محاسن پر نظر	۳۰۹	بعض ہنگامی سفر
	باب ششم	۳۰۹	اسلامیہ کالج پشاور میں تعمیر مسجد کا اشارہ
	وصال، اولاد و احقاد اور متوسلین	۳۰۹	پشاور میں حضرت انخوند دراز زندہ صاحب کے
	پہلی فصل	۳۰۹	مزار پر
	بیماری اور ضعف		تیرھویں فصل
۳۲۳	خواب و خور سے بے نیازی		تنظیم اوقات اور شمائل و خصائل
۳۲۳	ارادت مندوں کے دکھ درد کا احساس	۳۱۱	شیخ اجماعہ صاحب کی قلمی یادداشت سے اقتباس
۳۲۳	منظر رحمتِ عالم	۳۱۱	اشغال
۳۲۲	انس و نونی مشابہہ	۳۱۱	ارشاد و تلقین
۳۲۲	بشارات	۳۱۲	رمضان شریف کے اوقات
۳۲۲	ایک شکوہ آمیز گزارش	۳۱۳	متعلقین سے وفاداری کا معاملہ
۳۲۵	بطنی مشوروں پر ہوا خوری کا التزام	۳۱۴	معاندین سے حسن سلوک
۳۲۵	کار کا حادثہ	۳۱۴	دنیا سے بے توجہی
۳۲۵	لنگر غوثیہ کا بدل و سخا	۳۱۴	دوستی اور دشمنی کے متعلق نظریہ
۳۲۶	تصفیہ مابین سنی و شیعہ کی تالیف	۳۱۵	حضرت مائی صاحبہ کی برکات کے خصوصی اثرات
۳۲۶	علامہ اقبال کا عریضہ	۳۱۵	حضرت کی خوراک
	دوسری فصل	۳۱۶	استاذ اول کا احترام
	عالم استغراق	۳۱۶	حضرت کا علیہ مبارک
۳۲۸	دریائے ناپید کنار توحید	۳۱۶	حضرت کا لباس
۳۲۸	استغراق میں عذر نماز کا استغنا	۳۱۶	آواز و گفتار
	وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ أَوْ لَهُمْ فِي صَلَاتِهِمْ	۳۱۶	چال اور رفتار
۳۲۹	دائمون کا باطنی مدلول	۳۱۶	حضرت کی اسپ سواری

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲۰	۴۔ روزنامہ وحدت دہلی ۱۸ مئی ۱۹۳۷ء	۳۲۹	عرض و معروض کی کیفیات
۳۲۱	۵۔ روزنامہ وحدت دہلی ۲۶ مئی ۱۹۳۷ء	۳۳۰	مجاذیب اور اہل سکر کی کثرت حاضری
۳۲۱	۶۔ ترجمان سرحد پشاور ۲۰ مئی ۱۹۳۷ء	۳۳۰	گمشدگی سایہ کی اطلاع
۳۲۱	۷۔ روزنامہ سیاست لاہور ۲۱ مئی ۱۹۳۷ء		تیسری فصل
۳۲۱	۸۔ روزنامہ پیسہ اخبار لاہور		کوائف وصال
	پانچویں فصل	۳۳۱	عالم استغراق میں ایک دعا کی تلقین
	شعر اور ادب کا اظہار عقیدت	۳۳۲	سورہ یوسف کی تلاوت میں چار رقت انگیز مقامات
	مرثیے اور قطعہ ہائے تاریخ وصال	۳۳۲	ابتداء عرس پر صحو کی طرف رجوع کا وعدہ
۳۲۳	۱۔ مرثیہ عربیہ از حضرت شیخ محمد علی مدنی	۳۳۲	بہار ڈسے جیوں پھلاں تھیں حق تیوں سنسار کنوں۔
	۲۔ از قلم ابو الفضل مولانا مولوی کرم الدین صاحب مرحوم دبیر	۳۳۳	ہار نہیں جیت ہے۔
۳۲۴	سکنہ بھین ضلع جہلم	۳۳۳	اچھا یار! میں وعدہ کرناں۔
۳۲۵	۳۔ از جناب مائل صدیقی پشاور	۳۳۴	صاحبزادی کون؟ صاحبزادہ کون؟ آپ کون؟
	۴۔ نتیجہ فکر جناب شہر عبدالحق صاحب علوی شیخ پوری	۳۳۴	تجدید بیعت و ارشاد
۳۲۶	معلم مشن سکول پشاور	۳۳۴	ایک مدنی شیخ کی پیشین گوئی
۳۲۷	۵۔ از سید ضیاء جعفری قادری صدر دائرہ ادب پشاور	۳۳۵	کیفیت وصال کا واقعہ
۳۲۸	۶۔ از نیاز مند درگاہ مہر فیض احمد عفی عنہ (مؤلف)	۳۳۵	اولیوم بے شنبہ ۲۹ صفر
۳۲۸	۷۔ از جناب شیخ ڈاکٹر اللہ صاحب نقشبندی گجراتی	۳۳۵	مسرت، حیا، نیاز
۳۲۹	۸۔ از مولانا مولوی سلام اللہ خان صاحب رئیس چک عمر	۳۳۶	اسم ذات کی برق انگیز، طویل اور عمیق گونج
۳۵۰	تاریخ ہائے وفات اعلیٰ حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۳۳۶	مستورات کے داویلا پر جبین مہربان پر
	چھٹی فصل	۳۳۷	انقباض
	بعض کوائف بعد از وصال	۳۳۷	آخری زیارت، جنازہ اور تدفین
۳۵۲	حجاب برزخ کی کیفیت		چوتھی فصل
۳۵۲	ایک مجبور ارادت مند کا خواب	۳۳۹	ملکی اخبارات و رسائل کے تاثرات
۳۵۳	مولوی عبدالرحیم صاحب (تختی) کا غش	۳۴۰	۱۔ اخبار معین "اجمیر شریف" ۱۴ مئی ۱۹۳۷ء
۳۵۳	حضرت بابو جی کی داستان غم	۳۴۰	۲۔ روزنامہ زمیندار لاہور ۱۴ مئی ۱۹۳۷ء
		۳۴۰	۳۔ پیغام سرحد ہری پور ہزارہ ۱۷ مئی ۱۹۳۷ء

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۶۹	حضرت مدنی صاحب کی بیعت		ساتویں فصل
۳۶۹	کیفیت ذمہ داری کا ایک اور واقعہ		روضہ شریف کی تعمیر
۳۷۰	حضرت قبلہ بابو جی کی شادی	۳۵۴	تاہوت شریف کی برآمدگی
۳۷۱	تواضع اور انکسار	۳۵۴	بمخدا کہ شکم آید بدو چشم روشن خود
۳۷۱	اخلاقِ فاضلہ	۳۵۵	روضہ مبارک پر کندہ آیات، احادیث اور اقوال
۳۷۲	جو دوسخا	۳۵۹	لا اسراف فی الخیر
۳۷۳	حضرت مدنی صاحب کا مکتوب		آٹھویں فصل
۳۷۵	اخفائے حال		اولادِ واحسان
۳۷۵	محبت فی اللہ	۳۶۰	درتسیم حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی
۳۷۶	عفو و درگزر	۳۶۱	بیٹے کے خلیفہ اعظم ہونے کی روایات
۳۷۷	وفا اور آشنا پروری	۳۶۱	اللہ اللہ کرنے والی روح
۳۷۸	ہم ہیں غلام ان کے جو ہیں آشا پرست	۳۶۱	تعلیم و تربیت
۳۷۸	دینی و ملی خدمات	۳۶۱	آپ کے اتالیق
	نویں فصل	۳۶۲	فیضانِ نظر
	قبلہ بابو جی مدظلہ العالی کی اولادِ امجاد	۳۶۲	آپ کی طرف حضرت اعلیٰ کے خطوط کے اقتباسات
۳۸۱	صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت	۳۶۴	نوعمری سے توجہ الی الحق
۳۸۱	مشہور بزرگوار، نمونہ کلام حضرت للہی مدظلہ العالی	۳۶۴	میری راہ اختیار کرنی ہے تو میں باتوں پر کار بند رہنا۔
۳۸۲	حضرت بابو جی کا مکتوب شریف	۳۶۴	حضرت اعلیٰ کی نظر میں حضرت بابو جی کا مقام
۳۸۴	نمونہ کلام صاحبزادہ غلام نصیر الدین شاہ صاحب	۳۶۵	صاحبزادگی کی فضا کا مدارک
۳۸۵	شجرہ مہربہ قدس سترہ	۳۶۵	”بے خون جگر چسپیدن توں“
	دسویں فصل	۳۶۶	فکر و نظر کی بلندی
	متوسلین	۳۶۶	بچپن میں ریلوے انجن سے شغف
۳۸۶	متوسلین کا خاص رنگ	۳۶۷	مُشدد راہ کے لیے انجن کی چار خصوصیات کا سبق۔
۳۸۶	حضرت کے بعض ممتاز مشرکین	۳۶۷	کس کا کرب ایک ہم سلسلہ کے حل کا باعث ہوا۔
۳۸۷	حضرت کے متوسلین کی امتیازی شان	۳۶۸	اجازتِ بیعت و ارشاد
۳۸۷	مدعیانِ مشنیت	۳۶۸	ذمہ داری کی کیفیت کا طور

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
			باب ہفتم معاصرین کرام
۲۰۶	حضرات پیرجماعت علی شاہ صاحب و حافظ جماعت علی شاہ صاحب علی پوری	۳۹۱	حضرت دیوان غیاث الدین صاحب اجمیر شریف
۲۰۷	حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری	۳۹۱	حضرت دیوان سید محمد صاحب پاک پتن شریف
۲۰۸	حضرت خواجہ عبدالعزیز صاحب ڈفرہ	۳۹۱	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلی
۲۰۸	حضرت حافظ عبدالکریم صاحب اولپنڈی	۳۹۱	حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسہ شریف
۲۰۹	حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی ملتان	۳۹۲	حضرت خواجہ محمود صاحب تونسہ شریف
۲۰۹	حضرت مخدوم اللہ بخش صاحب گیلانی ملتان	۳۹۳	حضرت خواجہ محمد دین صاحب سیال شریف
	حضرت سید غلام عباس شاہ صاحب سجادہ نشین مکہ شریف	۳۹۵	حضرت خواجہ فضل الدین صاحب سیالوی
۲۰۹	حضرت پیر قطب شاہ صاحب سندھ لوی	۳۹۵	حضرت خواجہ شعاع الدین صاحب سیالوی
۲۱۱	حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحب باغ درہ	۳۹۶	حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف
۲۱۲	حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب چھوہر شریف	۳۹۶	حضرت صاحبزادہ محمد عبداللہ صاحب سیالوی
۲۱۲	حضرت مولانا وصی احمد صاحب سلی بھیت	۳۹۷	حضرت صاحبزادہ محمد امین صاحب سیالوی
۲۱۲	حضرت سید لعل شاہ صاحب شاہ بلاول	۳۹۷	حضرت صاحبزادہ محمد سعد اللہ صاحب سیالوی
۲۱۲	حضرت شاہ سلیمان صاحب پھلواروی		حضرت پیر حیدر شاہ صاحب جلال پور شریف، خواجہ محمد امین صاحب چکوڑی شریف، خواجہ معظم الدین صاحب مردہ شریف و خواجہ فضل دین صاحب چاچر ال شریف
۲۱۵	حضرت سید سید علی شاہ صاحب سہاودہ	۳۹۷	حضرت خواجہ عبدالخالق صاحب جہان خیلاں
۲۱۵	حضرت مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محل	۳۹۷	حضرت خواجہ عبدالقادر صاحب باجھ خیلاں
	باب ہشتم بعض مذاکرات و مناظرات	۳۹۸	حضرت حاجی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی
۲۱۹	مناظرانہ کمال اور علمی فضیلت	۴۰۰	حضرت باد افضل دین صاحب کلیامی
۲۲۰	اللہ تعالیٰ کا اور اس کے حبیب کا علم	۴۰۲	حضرت خواجہ احمد صاحب میروی
۲۲۰	تصدیق الشی لنفسہ	۴۰۲	حضرت مولوی اکبر علی صاحب میانوالی
۲۲۰	دُعای حق و بخرمت اولیاء اللہ	۴۰۵	حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بسالوی
۲۲۰	نص میں سید کی تعظیم کا ثبوت	۴۰۵	حضرت سلطان نور احمد صاحب سلطان عارفین باتوہ
۲۲۱	حیات النبی پر سوال		
۲۲۱	جمعہ فی القرنی پر سوال		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۴۱	بیعت طریقت پر اعتراض کا جواب	۲۴۱	نیا شیخ عبدالقادر جیلانی شیعاً باللہ پر اعتراض کا جواب
۲۴۱	حضرت شمس تبریزی کے ایک شعر کا حل	۲۴۱	انسانِ کامل کے مقامات کی وسعت
۲۴۲	خلاف اللذجاج کی ترکیب	۲۴۲	ایک آیت کی غلط تاویل کا جواب
۲۴۲	لہا ما کسبت وعلیہا ما کتسبت	۲۴۲	قصیدہ غوثیہ میں وافعل مائشاً کا جواز
۲۴۲	میں کسب اور اکتساب کا فرق	۲۴۳	حدیث مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر
۲۴۳	قصہ خضر و موسیٰ میں الفاظ آیت کی تشریح	۲۴۳	ایک اعتراض
۲۴۳	حُرمت ذبح فوق العقدہ کی تشریح	۲۴۳	تصور میں حضرات نقشبندیہ سے وحدت وجود و شہود پر گفتگو
۲۴۳	کلیر شریف کا مناظرہ اور اس کے متعلق ایک مکتوب	۲۴۳	جناب رشیدہ کے مطالبہ فدک کی ایک
۲۴۴	مولوی حسین علی صاحب ڈال بھجراں کے ساتھ مناظرہ	۲۴۴	حسین توجیہ
۲۴۰	تاویل قرآن پر اعتراض کا جواب	۲۴۴	خلفائے راشدین کی خلافت کی ترتیب کا لطیف استخراج
	باب پنجم	۲۴۴	خلفائے راشدین کی خلافت کا نص قرآنی سے ثبوت
	ارشادات (ملفوظات و مکتوبات)	۲۴۵	علمائے اہلسنت کو ثنائے اہل بیت کرام کی تلقین
۲۴۴	ملفوظات مہریہ و مہر چشتیہ	۲۴۵	امر بن پادری کے اس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید میں ہر شے کا ذکر نہیں ہے
	پہلی فصل	۲۴۶	ایک ہندو سادھو سے مسئلہ توحید پر گفتگو
	مکتوبات عالیہ	۲۴۶	ایک نجومی برہمن سے مکالمہ
۲۴۵	ایک مخلص کی بیماری پر دُعا نامہ	۲۴۸	علم الحروف کے خواص
۲۴۵	ایک طالب و ظائف کو تلقین	۲۴۹	اذا دخل السین فی السین ظہر
۲۴۶	طریقہ وقوف زمانی و عددی	۲۴۹	قبر مہدی الدین
۲۴۶	ایک عارفانہ رباعی کی تشریح اور تفسیر	۲۴۹	بعض طنزیہ اشعار کی تلیب
	تحریک خلافت اور بیعت امامت کے متعلق مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی کا خط اور اس کا جواب	۲۵۰	ہشتی دروازہ پر اعتراضات کے جواب
۲۴۹	حضرت کا مکتوب شریف بجواب سجادہ نشین		
۲۵۱	صاحب سیالوی		
۲۵۳	دو اشعار کی عارفانہ تشریح		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶۱	شیخ اکبر کا کشف	۲۵۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ بشر کا اطلاق اور آپ کے حاضر ناظر ہونے کے متعلق استفسار کا جواب
۲۶۲	حضرت شیخ اکبر کا ایک مُرید کو تجلی دائمی ابدی کا عطیہ	۲۵۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مساجد کی افضلیت کے غلط اعتقاد کی تردید
۲۶۲	فصوص الحکم کا ایک سبق	۲۵۶	سجدہ تعظیم کی ممانعت
۲۶۲	اعیان ثابۃ	۲۵۶	ایک آیت کریمہ کے متعلق تفسیر تفسیر الرحمن کی تشریح
۲۶۳	فیض اقدس	۲۵۷	موت کے بعد روح کی منزل اور حالات اور ایصالِ ثواب بہ موتی
۲۶۳	فیض مقدس	۲۵۹	احترام سادات کے متعلق حضرت کی ایک قلمی تحریر
۲۶۳	آدم کے وجود میں علوم الہیہ کا ظہور	۲۶۱	اعیان ثابۃ۔ اصطلاح صوفیائے ولی کی تعریف اور اسلام میں صوفیاء کی حیثیت پر سوالات کے جواب
۲۶۳	انسانی وجود میں عالم علوی و سفلی کے حقائق و نظائر	۲۶۲	آیہ تطہیر کے مصداق کون ہیں؟
۲۶۵	فصوص الحکم کا ایک اور سبق	۲۶۲	لعن یزید پر آپ کا مسلک
۲۶۵	ایک صاحب کشف فقیر جو بوجہ لغزش گمراہ ہو گیا۔ عبادت سے ملائکہ کی تولید		دوسری فصل
۲۶۵	ترکِ اشغال معنی عدمِ تخت نشینی		ملفوظاتِ طلبات
۲۶۵	مولویت کے لیے چار کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے	۲۶۲	تقریر جلسہ انجمن سمانیہ لاہور
۲۶۴	ایک مجذوب جو اپنے تئیں تلاش کرتا تھا اور نہیں پاتا تھا	۲۶۸	شیخ اکبر کی تعلیمات پر ایک اعتراض کا جواب
۲۶۴	سخن در فضیلت اہل بیت کرامؑ	۲۶۹	توحید و جود کی متعلق انحصار الخواص کے عقیدہ کا بیان
۲۶۴	حسنینؑ کے ابناء رسولؐ ہونے کا قرآنی ثبوت۔ دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے	۲۶۰	رویت الہی کے بارے میں حضرت شیخ اکبر کے مسلک کی تشریح
۲۶۴	حضرت مولا علیؑ کا انبیائے کرام سے تعلق	۲۶۱	ایک شبہ کا ازالہ
۲۶۴	ابدال اور نقباء کی منازل اور کیفیات کا بیان	۲۶۱	حضرات شیخ الشیوخ سُہروردی اور شیخ اکبر
۲۶۸	دیوان حافظؒ کے دو اشعار کی تشریح	۲۶۱	شیخ اکبر ایک مخالف کے جنائے پر
۲۶۸	درویشوں کی چار قسمیں		
۲۶۹	الواع ذکر		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۸۵	سلسلہ شریف چشتیہ نظامیہ	۴۷۹	صحابہ کرام کا حضور دوام
۴۸۶	سلسلہ شریف قادریہ امامیہ	۴۸۰	تصویر شیخ اور رابطہ فی الصلوٰۃ
	تیسری فصل	۴۸۰	مسائل معجزات و کرامات
	کلام منظوم	۴۸۰	باہمی اخلاص اور آشنائپرستی
۴۸۹	کلام منظوم	۴۸۱	جلال کعبۃ اللہ
۴۹۰	فارسی غزل "مے توحید از نمانہ غیب"	۴۸۱	پیران کلیر جلال کی کیفیت
۴۹۰	فارسی غزل "سینہ مالامال در دست بوجوید ہر دے"		ایک درویش کی سرکار بغداد کے ارشاد
۴۹۱	ملک سلطان محمود کے خط کا منظوم جواب	۴۸۱	پر بیعت
۴۹۱	فارسی غزل "اشفتہ ماہ روئے پر ناز و ستم گارم"	۴۸۱	آپ سے ایک کسان مرید کی گفتگو
۴۹۲	فارسی غزل "گو نامہ سیاہ کردم از بسکہ گناہ گارم"	۴۸۲	سورۃ یسین کے وظیفہ کی ترکیب
۴۹۲	حضرت بابو جی کی طرف مکتوبات میں عارفانہ اشعار	۴۸۲	ایک پیر زادہ کو نصیحت
۴۹۳	فارسی نعت "صبا زطرۃ شبرنگ مہوش طنار"		سورۃ یسین و مزمل اور چہل کاف کے وظائف
۴۹۳	فارسی اشعار راوی از ہجران شکایت می کند	۴۸۲	کی ترتیب
۴۹۴	مثنوی بوزا بزبان فارسی		اوراد اور دم برائے شفا کے بحث از مرمنہ
۴۹۵	اردو غزل "دلکس کی لگن میں پھر تباہے حشی تو بن بن میں"	۴۸۳	وجع مفاصل - کرم دماغ وغیرہ
۴۹۶	فارسی اشعار در مدح خواجہ شمس الدین حسنا سیالوی	۴۸۳	تعویذ برائے جملہ حاجات
۴۹۷	پنجابی اشعار بطرز "یوسف زلیخا"	۴۸۳	وظیفہ برائے فراغت معاش
۴۹۷	ہندی خیال "جب سے لاگے تو رے سنگ نین پیا"	۴۸۳	درد مستعات شریف کا ورد
۴۹۸	مناجات پنجابی "اے بی اوہ پیاں دس دیاں"	۴۸۴	وظیفہ برائے حفظ و امان
۴۹۸	نعت پنجابی "دل لگا اے پرواہاں نال"	۴۸۴	ورد خاص
۵۰۰	نعت پنجابی "آج بسک ہتران دی دھیری اے"	۴۸۴	محبت الہی کے لیے وظیفہ
۵۰۱	مرثیہ پنجابی "ایہ ہندی فاطمہ سین دی اے"		کلام اللہ کے وظائف حصول ثواب اور رضائے
۵۰۲	ہندی کبت	۴۸۴	حق کی نیت سے پڑھنے چاہئیں
۵۰۳	مثنوی گو مگو	۴۸۴	مرگی کی مرض کے لیے دم
		۴۸۵	مجموعہ وظائف و اوراد
		۴۸۵	حضرت قبلہ عالم کے سلاسل فقر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۳۶	تفسیر اور تاویل کی تحقیق		باب دہم
۵۳۶	اہلال کے معنی		تصانیف
۵۳۷	ذبح کے شرائط اور اقسام		پہلی فصل
۵۳۷	استفتاء متعلق نذر و استمداد ارواح اولیاء	۵۱۳	"تحقیق الحق فی کلمۃ الحق"
۵۳۸	نذر اولیاء اللہ کے متعلق فتاویٰ عزیز می کا سوال۔	۵۱۵	حضرت کا اپنا بیان دروجہ تالیف
۵۳۹	نذر کردہ چیز کی تخصیص کا بیان	۵۱۶	مؤلف کلمۃ الحق کی توجیہات
	چند سوالات دربارہ استعانت و امداد	۵۱۶	لفظ اللہ پر دقیق علمی بحث
۵۴۰	ارواح کا ملین	۵۱۹	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے وجوہ بلاغت
۵۴۱	ان سوالات کے جوابات	۵۱۹	عالم برزخ کا بیان
	محسوس سرور کائنات کے بعض خاص ارشادات	۵۲۰	سجدہ تعظیمی کی مانعت
۵۴۲	حسب المراتب ہوتے تھے		دوسری فصل
	حضرت سلطان الزاہدین گنج شکر کے		"شمس الہدایۃ فی اثبات حیات المسیح"
۵۴۲	سہارے اور توکل کا ایک واقعہ	۵۲۲	وجہ تالیف
	ہر شخص کی مبداء فیاض سے ایک	۵۲۵	رفع و نزول و حیات مسیح پر دلائل
۵۴۲	خاص خصوصیت		تیسری فصل
۵۴۵	بدرگاہش بیاد ہر چہ منخواہی تمنائیں		"سیفِ چشتیانی"
۵۴۶	عقیدہ شفاعت	۵۲۹	وجہ تالیف
۵۴۷	سماع موتی	۵۳۰	اقتباسات از سیفِ چشتیانی
۵۴۸	قبور پر دعائے مغفرت	۵۳۲	معراج نبوی کے جسمی ہونے کا ثبوت
	پانچویں فصل	۵۳۳	تعارض عقل و نقل کا مسئلہ
	"الفتوحات الصمدیہ"	۵۳۲	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں
۵۴۹	وجہ تالیف	۵۳۲	طعام اہل ارض و اہل سما
۵۴۹	غیر مقلدین کے سوالات		چوتھی فصل
۵۵۰	سوالِ پنجم		"اعلام کلمۃ اللہ فی بیان ما اہل بہ"
۵۵۱	سوالِ پنجم کے جواب کا خلاصہ		لِغَيْرِ اللَّهِ
۵۵۲	غیر مقلدین پر حضرت کے بارہ سوالات	۵۳۶	وجہ تالیف

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۷۳	شہریت کا غیر متزلزل ضابطہ		جہتی فصل
۵۷۴	قضا و قدر کا نادر شاہکار مرد حق		تصنیف مابین سنی و شیعہ
۵۷۵	جمال ظاہری کی کرامت اولین	۵۵۴	تقریب تالیف
۵۷۵	اس کرامت پر جان کی قسم کھانے والے	۵۵۵	اثبات خلافت راشدہ بہ آیات قرآنیہ
۵۷۷	علوم لدنیہ کی کرامت عظیمہ	۵۵۹	بعض مطامع اور ان کا جواب — مسئلہ قرطاس
۵۷۷	شرف نسب کی سرمدی کرامت	۵۶۰	حدیث خم غدیر
۵۷۷	صلہ اُمت کی بشارت	۵۶۰	قضیہ باغ فدک
۵۷۸	قادیانیت کا مقابلہ	۵۶۱	آیہ مباہلہ کی تشریح اور تفسیر
۵۷۸	گاندھی ازم کا سدباب	۵۶۲	آیت تطہیر
۵۷۹	استقرار پاکستان میں حضرت کے افادات اور برکات کلچر	۵۶۳	آیت مودت
۵۷۹	پاکستان کے لیے دُعا	۵۶۳	حدیث ثقتین
۵۷۹	پاکستان کی پیش گوئی	۵۶۳	حدیث اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَىٰ بَابِهَا
۱۹۶۵ء میں جنگ ہندوستان کے متعلق خواب	۵۷۴	لفظ مولیٰ کی تشریح	
۵۷۹	میں قبل از وقت فتح پاکستان کی بشارت	۵۶۵	ایک ضروری تنبیہ
۵۸۰	حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کے ولی سے خدمت		ساتویں فصل
۵۸۰	لے کر اُمت کی کار سازی فرماتے ہیں		فتاویٰ مہمیر
۵۸۰	مہر عالم کے جلووں کا عکس	۵۶۶	طلاق ثلاثہ کے متعلق حضرت کا ایک فتوے
۵۸۰	اس ولایت کبریٰ کی وسعت	۵۶۸	اُردو میں فتویٰ کا مختصر مطلب
۵۸۱	حضرت سید لعل شاہ صاحب کے مکاشفات	۵۶۹	فتویٰ متعلقہ نماز جمعہ
۵۸۱	حضرت سید عباس علی شاہ صاحب بخاری سامہ خورد کا خواب		بنی ہاشم پر حرمت صدقات فرضیہ کے متعلق
۵۸۲	انقلاب افغانستان میں شہر کابل کی نگہداشت	۵۶۹	فتوے
۵۸۲	ملا صاحب ہڈہ کی غز میں نظر آنا		باب یازدہم
۵۸۲	حل مشکلات کے لیے مدینہ منورہ سے ایک تار		گرامات
۵۸۳	ایران میں اُونگھے ہوئے مُرد کو اشارہ کر کے لاری	۵۷۳	کرامت کی تعریف
۵۸۳	کے حادثہ سے بچالیا	۵۷۳	کرامت حسیہ
۵۸۳	مُرد کو اشارہ کر کے ڈوبنے والے جہاز سے اُتروالیا	۵۷۳	کرامت معنویہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۸۳	لالہ عبدالکریم سسٹمی صاحب کو آپ کی خدمت میں	۵۸۳	خواب میں اشارہ فرما کر قتل ہونے سے بچا لیا
۵۹۱	بجائے نظر آئے	۵۸۳	خواب میں اشارہ کر کے چوری برآمد کروادی
۵۹۱	کڑوا کنواں میٹھا ہو گیا	۵۸۳	سفر سے روک کر ریل کے حادثہ سے بچا لیا
۵۹۲	ایک مُردہ کو اٹھارہ بیس سال پہلے زمین ملنے کی بشارت	۵۸۴	اجابتِ دعا اور متوسلین کی دستگیری
۵۹۲	ایک زبان بند لڑکے کی فوری گویائی	۵۸۴	ابتلا کے دور ہونے کی بشارت
۵۹۲	تالیفِ قلوب کا وظیفہ	۵۸۴	بابینا کو بصارت مل گئی
۵۹۲	ٹوٹے ہوئے رشتے جوڑ دینا	۵۸۵	ایک دیرینہ اپانج کی فوری شفا یابی
۵۹۳	ایک زائر کی حکمتا واپسی کی حکمت	۵۸۵	دُعائے مغفرت کا اثر
۵۹۳	اپنا بچا ہوا پانی پلا کر نمازی بنا دیا	۵۸۶	دردِ دندان کا عجیب دم
۵۹۴	نجیب الظرفین سیادت کا امتحان	۵۸۶	ایک ارادت مند کی تین گذارشات
۵۹۴	مائیوس اور جاں بلب مرضیوں کا احیاء	۵۸۶	نواب عبداللہ خان رئیس خان گڑھ
۵۹۴	خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب کا واقعہ	۵۸۶	راقم الحروف کے والد کی دستگیری
۵۹۴	حافظ نور محمد صاحب قوال کو نئی زندگی ملنے	۵۸۶	زینہ اولاد کے زندہ رہنے کی دعا
۵۹۵	کا واقعہ	۵۸۶	ایک ارادت مند کی زینہ اولاد کی پیش گوئی
۵۹۵	پشاور میں مریضہ کو گولڑہ شریف سے دم شفا	۵۸۶	ایک بے اولاد ارادت مند کے منہ زندہ کا پیشگی
۵۹۵	جاں بلب مریض کا شفا پانا	۵۸۶	نام بھی رکھوا دیا
۵۹۶	نزع کے عالم میں احیاء کا ایک کتابی واقعہ	۵۸۸	ایک سادہ دل چھان کے اخلاص کی بُرہ مندی
۵۹۶	اس کتابی واقعہ کے مطالعہ سے درد گردہ کے	۵۸۸	حک پند خان کی بے تکلفی
۵۹۶	ایک مریض کی فوری شفا یابی	۵۸۸	ایک مخلص کی ترقی درجات کے لیے خاص تصرف
۵۹۶	اولیاء اللہ کی کرامات کا سلسلہ موت سے منقطع نہیں	۵۸۹	ایک نیاز مند کو ترقی درجات کی بشارت
۵۹۶	ہوتا بلکہ بڑھ جاتا ہے	۵۸۹	حل مشکلات اور دفع بلیات
۵۹۶	موت کے وقت مُردوں کی دستگیری	۵۸۹	ایک مسموم مُردہ کو خواب میں فرمایا کہ فوراً گولڑے چلے آؤ
۵۹۶	حضرت بابو جی مدظلہ العالی کی علالت اور شفا یابی	۵۸۹	ریل گاڑی کے سامنے سے اٹھا کر بچا لیا
۵۹۸	اطلاع برغیب اور اس قبیل کے بعض واقعات	۵۹۰	صاحبزادی صاحبہ کے کنوئیں میں گرنے کا واقعہ
۵۹۸	مقبولانِ خدا کے آثار کی تعظیم مگر اولاد سے تغافل	۵۹۰	شفاعت کے مسئلہ کا حل
۵۹۸	ارادت مند کے ضمیر پر مطلع ہو کر اس کی پسند کے	۵۹۱	مخلصین کو حضرت غوث پاک کی زیارت کروادی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	حضرت جس قدر غریب نواز تھے اسی قدر	۵۹۹	سلسلہ طریقت میں بیعت فرمایا
۶۰۱	غیور بھی تھے	۵۹۹	طب الوقت کے اوصاف کا بیان اور اس کا مشاہدہ
۶۰۲	تمتہ		راقم الحروف کی بیعت اور اس کے متعلق ایک
۶۰۳	قصیدہ مہرنا	۶۰۰	مجدوب کی اطلاع بر غیب
۶۰۵	گواہی وصال حضرت بابو جی قدس سرہ		

فہرست تصاویر

۱	صفحہ ۳۴-۳۵ دوران مطالعہ حضرت کے قلمی نوٹ
۲	درگاہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف ۵۲
۳	مزار مبارک حضرت سید روشن دین صاحب و سید رسول شاہ صاحب ۵۳
۴	مرقد مبارک حضرت سید پیر نذر الدین شاہ صاحب والد ماجد حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب ۵۴
۵	مزار مبارک سید پیر فضل الدین صاحب کا اندرونی و بیرونی منظر ۵۵
۶	حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب کی رہائش گاہ "عشق آباد" - حضرت کی جائے نماز ۵۶
۷	تبرکات: حضرت کی قمیضیں اور واسکت وغیرہ ۵۷
۸	حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب ۶۱
۹	سند ہا عنایت کردہ مولانا لطف اللہ صاحب و مولانا احمد علی صاحب سہارن پور ۸۰-۸۱
۱۰	وادی حمر والے خواب کے متعلق حضرت کی قلمی تحریر ۱۳۰
۱۱	حضرت کی قلمی تحریر کردہ دو غزلیں ۱۳۱
۱۲	جامع مسجد گولڑہ شریف (اندرونی منظر) ۱۳۶
۱۳	چلہ گاہ غوث زمان مجدد دین و ملت حضور خواجہ پیر مہر علی شاہ صاحب ۱۳۷
۱۴	درگاہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف (رات کا منظر) ۳۵۳
۱۵	حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے کمرے کا منظر، تبرکات، جو آپ کے ذاتی استعمال میں رہے۔ ۳۵۵
۱۶	مرقد شریف حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب و حضرت بابو جی ۳۵۶
۱۷	حضرت سید غلام معین الدین صاحب (لالاجی) اور حضرت سید شاہ عبدالحق صاحب مدظلہ العالی ۳۵۷
	آپ کے بیٹے اور پوتے مزار مبارک پر نئی چادر تبدیل کرتے ہوئے۔
۱۸	حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی چھڑی مبارک، ٹوپیاں اور رومال وغیرہ ۳۵۸
۱۹	حضرت بابو جی کے سفر ہائے بغداد شریف و قونیہ شریف کی دو نادر و یادگار تصاویر ۳۶۶
۲۰	حضرت بابو جی ۳۶۰
۲۱	فوٹو انجن گوالیار جو حضرت بابو جی کو پیش کیا گیا ۳۶۶
۲۲	حضرت بابو جی کی میٹھک مبارک ۳۶۷

باب اول
خاندان و آبائے کرام

پہلی فصل

خاندان

شجرہ نسب

تیرمی نسل پاک میں بنے پچھ پچھ نور کا تو ہے عین نور، تیسرا سب گھرانہ نور کا
 حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ جیلانی، رزاقی، قادری، چشتی (نظامی و صابری)، حنفی قدس سرہ کے
 نسب پاک کا سلسلہ پچیس واسطوں سے حضرت غوث الاعظم اور چھتیس واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔ اس کی تفصیل بحوالہ مخازن النسب "مصنف میر عبدالحی ابن میر سیف الدین قادری خاندانی شجرہ جات قمیہ درج ذیل ہے۔۔۔
 سید مہر علی شاہ ابن سید نذر دین شاہ ابن سید غلام شاہ ابن سید روشن دین شاہ ابن سید عبدالرحمن
 نوری ابن سید عنایت اللہ ابن سید غیاث علی ابن سید فتح اللہ ابن سید اسد اللہ ابن سید فخر الدین ابن سید
 احسان ابن سید درگاہی ابن سید جمال علی ابن سید محمد جمال ابن سید ابی محمد ابن سید میراں محمد کلال ابن سید
 میراں شاہ قادر قنص ساڈھوردی ابن سید ابی الحیات ابن سید تاج الدین ابن سید بہاؤ الدین ابن سید جلال الدین
 ابن سید داؤد ابن سید علی ابن سید ابی صالح نصر ابن سید تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق ابن سید ناغوث الاعظم
 میراں محی الدین ابی محمد عبدالقادر جیلانی ابن سید ابوصالح ابن سید عبداللہ جلی ابن سید یحییٰ زاہد ابن سید
 شمس الدین زکریا ابن سید ابوبکر داؤد ابن سید موسیٰ ثانی ابن سید عبداللہ صالح ابن سید موسیٰ الجوان ابن سید عبداللہ
 محض ابن سید حسن مثنیٰ ابن سیدنا امام حسن المجتبیٰ ابن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت قبلہ عالم کی والدہ ماجدہ بھی اسی خاندان پاک گیلانیہ رزاقیہ میں سے تھیں، جن کا شجرہ شریف مندرجہ ذیل ہے۔۔۔

حضرت محصورہ موصوفہ بنت پیر سید بہادر شاہ ابن سید شیر شاہ ابن سید چراغ شاہ ابن سید امیر شاہ
 ابن سید عبداللہ شاہ ابن سید مبارک شاہ ابن سید حسین شاہ ابن سید امیر شاہ ابن سید محمد مقیم شاہ
 ابن سید عبداللہ المعالی ابن سید نور شاہ ابن حضرت سید لعل بہاؤ الدین المعروف بہاؤل شیر قادری سکندریہ شاہ مقیم ضلع
 ساہی وال ابن سید محمود ابن سید علاؤ الدین ابن سید مسیح الدین ابن سید صدر الدین ابن سید ظہیر الدین ابن سید
 شمس العارفین قادری ابن سید موسیٰ ابن سید مشتاق ابن سید علی ابن سید ابی صالح نصر ابن سید تاج الدین ابوبکر
 عبدالرزاق ابن سید ناغوث الاعظم محی الدین ابی محمد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

آنجناب کا رشتہ ازدواج بھی اسی خاندان عالیہ میں یعنی آپ کی والدہ ماجدہ کے عم زاد بھائی سید پیر چراغ علی شاہ کی صاحبزادی
 سے ہوا۔ یہ خاندان حجرہ شاہ مقیم سے نقل مکانی کر کے حسن ابدال ضلع کیمبل پور میں آباد ہو چکا تھا۔

وَمَنْ فِي رَجَالِ اللَّهِ نَالَ مَكَانَتِي وَجَدِي رَسُولُ اللَّهِ فِي الْأَصْلِ رَبَّانِي
 (اور مردانِ خدا میں کون ہے جس نے میرا مرتبہ پایا؛ کیونکہ میری تربیت میرے جد امجد رسول اللہ نے خود فرمائی ہے)
 وَوَالِدَتِي الزَّهْرَاءُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ أَبُو هَارِ رَسُولُ الْخَلْقِ عَزَّ بِهِمْ شَانِي
 (اور میری والدہ جناب زہرا بنت محمد علیہ السلام ہیں جن کے والد تمام خلق کے رسول ہیں اور ان کی محبوبہ سے میری شانِ نبیہ)

حضرت قبلہ عالم کی تحریر اپنے نسب کے متعلق مع سند بغداد شریف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
 عَلَى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَا بَعْدُ فَيَقُولُ الْعَبْدُ الْمُعْتَمِرُ
 بِحَبْلِ اللَّهِ الْمَعْرُوفُ بِبِهْرٍ عَلَى شَاهِ عَفَى عَنْهُ رَبُّهُ إِنَّ مَا بِهِ يَنَالُ نَوْعَ الْإِنْسَانِ
 الشَّرَفَ وَالْعُلَى وَالْعُرْوَةَ الْوُثْقَى عِنْدَ رَبِّهِ الْأَعْلَى كَلِمَةَ التَّقْوَى بِشَهَادَةِ
 أَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ
 وَبِدَلَالَةٍ :-

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ - وَإِنَّ الْمَنَاطَ لِهَذَا الْمَقْصِدِ الْأَعْلَى حُصُولُ
 الْإِنْتِسَابِ وَالْإِرْتِبَاطِ بِمَنْ قَامَ مَقَامَ قَابِ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ - عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ
 الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مِنَ اللَّهِ الْأَعْلَى وَمِمَّنْ سِوَاهُ -

إِمَّا عَلَىٰ وَجْهِ الْكَمَالِ أَعْنِي حَسَبًا وَنَسَبًا أَوْ لَا أَعْنِي حَسَبًا فَقَطُّ، بِمُقْتَضَىٰ
 إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا - وَبِفُحْوَاءِ:
 يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ - وَبِمَنْطُوقِ: مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحَبِيٍّ أَحَبَّهُمْ
 وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ - وَبِمَدْلُوقِ: أَهْلُ بَيْتِي كَسَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ
 رَكِبَهَا نَجَى -

وَمَا زِلْتُ أَتَرَدُّ دُفِي سِيَادَةِ أَهْلِ هَذِهِ الدَّارِ أَعْنِي دَارِ الْهِنْدِ حَتَّىٰ فِي
 شَانِي نَظَرًا إِلَىٰ حَسَبِي وَإِنْ كَانَ الْكُتُبُ الْمُعْتَبَرَةُ فِي هَذَا الْفَنِّ فِي هَذِهِ النَّاحِيَةِ
 مَوْجُودَةً عِنْدَ جَدِّي وَمُرْشِدِي فِي الطَّرِيقَةِ الْقَادِرِيَّةِ سَيِّدِ السَّادَاتِ پير
 فَضْلِ دِينَ قَدَسَ سِرُّهُ وَقَدْ كَانَ يُقَرَّرُ بِشَفَقَتِهِ الْعَمِيمَةِ الْجَبَلِيَّةِ الْجَبَلِيَّةِ فِي هَذَا
 الْأَمْرِ حَتَّىٰ أَعْرَفَنِي عِنْدَ سُدَّةِ الظَّنِّ وَأَرَانِي مَنْصَةَ الْيَقِينِ بِرِوَايَتِهِ عَنْ سَيِّدِي
 وَشَيْخِي الْمُتَمَسِّكِ بِشَرِيعَةِ الْمُصْطَفَىٰ حَضَرَتْ مَسْكِينِ شَاهِ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ عَمِّي
 شَيْخَ الْمَشَائِخِ حَضَرَتْ پير روشن دین ووالد می سید السادات سید رسول
 قَدْ حَصَلَ لَهُمَا السَّنَدُ فِي بَغْدَادِ الْمُنِيفِ عَنْ صَاحِبِ السَّجَادَةِ السَّيِّدِ حَبِيبِ
 مُصْطَفَىٰ ابْنِ السَّيِّدِ قَاسِمِ الْقَادِرِيِّ فِي الْإِنْتِسَابِ إِلَىٰ عَوْتِ الثَّقَلَيْنِ قَدَسَ سِرُّهُ -

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے اور صلوة و سلام جناب خاتم النبیین پر اور آپ کی جملہ آل و اصحاب پر۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو پکڑنے والا بندہ المعروف بہ مہر علی شاہ اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرمائے، عرض گزار ہے کہ نوع انسانی میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو چیز شرف کا باعث اور عروہ و ترقی ہو سکتی ہے وہ کلمۃ التقویٰ یعنی پرہیزگاری ہے۔ اس کی شہادت اللہ کا فرمان آقَامَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ (یعنی جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں جواب دہی سے ڈرا اور اپنے نفس کو حرص و ہوا سے بچاتا رہا اُس کا ٹھکانا جنت ہے) دے رہا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (یعنی بے شک تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے) دلالت کر رہا ہے۔

اور بلاشبہ اس مقصدِ عظیم کا دار و مدار اُس ذات کے ساتھ نسبت اور تعلق کا حصول ہے جو مقامِ قَابِ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی کا صاحب ہے۔ اُن پر اور اُن کی آل پاک پر اللہ تعالیٰ کا درود و سلام ہو۔

یہ نسبت اور تعلق خواہ کامل ہو یعنی حسب و نسب دونوں لحاظ سے ہو یا فقط حسب کے لحاظ سے آیۃ تطہیر

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ
اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ (الاحزاب: ۳۳)

اور فرمانِ الہی:

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ
النِّسَاءِ۔ (الاحزاب: ۳۲)

اور احادیث پاک:

مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي اَحَبَّهُمْ وَمَنْ
اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي اَبْغَضَهُمْ۔

جس نے اُن کے ساتھ، یعنی میرے اہل بیت کے ساتھ
محبت رکھی میری ہی محبت کے باعث رکھی اور جس
نے اُن کے ساتھ بُغض رکھا، میرے ہی ساتھ بُغض
کی وجہ سے رکھا۔

اَهْلُ بَيْتِي كَسَفِينَةِ نُوحٍ مِّنْ رِّكْبَتِهَا
نَجِي۔

میرے اہل بیت کشتی نوح کی مانند ہیں۔ جو اس
میں سوار ہو، نجات پاگیا۔

اس کو ثابت کر رہے ہیں۔

میں اس ملک یعنی ہندوستان کے سادات کی سیادت کے معاملے میں ہمیشہ متردد رہتا تھا۔ حتیٰ کہ مجھے
اپنے حسب یعنی کمالات کسبیہ کے پیش نظر اپنے متعلق بھی ایسے ہی خیالات آتے رہتے تھے حالانکہ علم نسب
کی وہ تمام کتب جو اس نواح میں معتبر شمار کی جاتی ہیں، میرے جد بزرگوار اور مرشد طریقتہ قادریہ سید السادات
پیر فضل دین قدس سرہ کے پاس بطور سند موجود تھیں۔ اور آنجناب اپنی شفقتِ عمیمہ، فطری، جیلانی کے باعث

اسے یہ طریق تحریر بہ انداز کفری ہے۔

مجھے اس ضمن میں مطمئن کرنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے سیدی وشحنی، پابند شریعت مصطفوی، حضرت مسکین شاہ سے یہ روایت بیان فرما کر مجھے ظن غالب اور حدیقین تک پہنچا دیا تھا کہ آنجناب کے عم بزرگ شیخ الشیوخ حضرت پیر سید روشن دین اور آنجناب کے والد بزرگوار سید السادات حضرت پیر سید رسول شاہ کو بغداد شریف میں حضرت تید حبیب مصطفیٰ ابن سید قاسم قادری سجادہ نشین بارگاہ غوثیہ نے اس امر کی سند عطا فرمائی تھی کہ ان کا نسب تعلق حضرت سیدنا غوث الاعظم قدس سرہ کی ذات گرامی سے صحیح اور درست ہے۔ اس تہید کے بعد حضرت قبلہ عالم نے اس طویل سند کی نقل درج فرمائی ہے جو آپ کے اصل شجرہ نسب کے ساتھ دربار گورہ شریف میں محفوظ ہے۔ اس سند کا سن تحریر ۱۲۱۱ھ ہے اور اس میں جناب سجادہ نشین صاحب بغداد شریف تحریر فرماتے ہیں کہ:-

یہ دونوں حضرات پیر سید روشن دین صاحب اور پیر سید رسول شاہ صاحب حسب و نسب کے لحاظ سے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہیں اور فیض و برکت میں آنجناب رضی اللہ عنہ کے صحیح وارث ہیں اور میرے لیے بمنزلہ اپنی اولاد کے ہیں سلسلہ عالیہ قادریہ کے متوسلین کو چاہیے کہ ان کے ہاتھ کو میرا ہاتھ اور ان کی زبان کو میری زبان سمجھیں۔“

حضرت قبلہ عالم کی مندرجہ بالا تحریر سے اُمور ذیل واضح ہوتے ہیں:-

اول یہ کہ انسان کے شرف، بزرگی اور عزت کا دار و مدار تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح اور قوی تعلق پر ہے۔

دوم یہ کہ تقویٰ و تعلق باللہ کا حصول جناب سرور کائنات کی ذات الاصفات کے ساتھ وابستگی اور آنجناب کی پیروی پر ہے۔

سوم یہ کہ جناب سرکار کونین کے ساتھ نسبت اور تعلق شرعی لحاظ سے صرف دو صورتوں میں معتبر شمار کیا جاتا ہے۔

پہلی صورت کامل ترین تعلق کی ہے، جو حسب و نسب ہر دو لحاظ سے ہو۔ (حسب ذاتی کمالات کسبیہ اور نسب باپ کی طرف سے جدی خوئی تعلق کو کہتے ہیں)

دوسری صورت فقط حسب یعنی کمالات کسبیہ کے لحاظ کی ہے۔

اس ضمن میں ایک تیسری صورت بھی ہے یعنی محض نسب کے لحاظ سے جو حسب یعنی دولت ایمان اور اعمال صالحہ سے، حضرت نوح کے بیٹے کی طرح مُعَرَّب ہے شرعی طور پر اس تیسری قسم کے تعلق کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اس لیے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ العزیز نے اس کا ذکر بھی نہیں فرمایا۔ ویسے یہ صورت جیسے کہ آئندہ اوراق میں واضح کیا جائے گا، آں حضور کی اولادِ کرام میں متصور بھی نہیں اور خارج از بحث ہے۔

گویا تمام بزرگی و کمال کا انحصار محض تقویٰ و پرہیزگاری پر ہے۔ اور تقویٰ و پرہیزگاری اسی قدر زیادہ ہوگی، جتنا حضور سے تعلق قوی ہوگا۔ اور آں حضور کا تعلق جیسے کہ اوپر ذکر آچکا ہے، جسی نسبی دونوں لحاظ سے اہل بیت کرام کو ہی حاصل ہے اور فقط جسی لحاظ سے کامل طور پر حضرات صحابہ کرام کو حاصل ہے جس کے اعلیٰ ترین منظر حضرات خلفائے ثلاثہ علیہم الرضوان ہیں۔

پہلی قسم کے اولین مسدق سیدنا علیؑ، حسین شریفینؑ اور جناب فاطمہؑ ہیں۔ ان کی اولاد سے ہر دور میں اس قدر علماء و عرفاء پیدا ہوتے رہے ہیں کہ ان کے اسماء گرامی کی فہرست تیار کرنا ممکن نہیں۔ بہر حال علم و فضل، جود و سخا، شجاعت و جلالت، شریعت و طریقت یعنی مجملہ فضائل و کمالات میں ان کی اولاد ہمیشہ سرآمد روزگار رہی اور بفضلہ تعالیٰ رہے گی۔ اور اسی شجرہ شریفینہ کی آخری شاخ سید السادات حضرت امام مہدیؑ ہوں گے۔ اہل بیت کرام کے انساب پاک اور فضائل پر معالم العترۃ النبویہ

اور کتاب الانساب از علامہ سمنانی اور دیگر علمائے اہل سنت کی تصانیف موجود ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مقدمہ
"انبار الاخبار" میں فرماتے ہیں :-

ظاہر از اہل بیت نور بنی ہجو در ماہ نور خورشید است

از ازل تا ابد بود ظاہر زانکہ ایں نور، نور جاوید است

یعنی اہل بیت کرام سے آں حضور کا نور یوں ظاہر ہو رہا ہے جیسے سورج کا نور چاند سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ نور

تا ابد اسی طرح ظاہر ہوتا رہے گا، کیونکہ یہ ابدی اور سرمدی ہے۔

دوسری قسم یعنی صحابہ کرام خصوصاً خلفائے ثلاثہ علیہم الرضوان کی اولاد کے متعلق کتب سیر، اسماء الرجال والنساب کے مطالعہ
سے اظہر من الشمس ہے کہ اہل بیت کرام کے بعد جس قدر ارباب کمال ان کی اولاد سے ہوئے ہیں، دوسرے خاندانوں میں ان کا
عشر عشر بھی نہیں پایا جاتا۔ مثلاً مثنیٰ نمونہ از خردار سے، حضرت صدیق اکبرؓ کی اولاد سے تا بعین میں حضرت قاسمؓ اپنے وقت
کی ایک نہایت ہی ممتاز شخصیت تھے، جنہیں امام بخاریؒ نے اپنے زمانے کے فاضل ترین حضرات میں شمار کیا ہے۔ قرظ وسطی
میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ اور حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ اور متاخرین میں مجدد طریقت حضرت کلیم اللہ
جہان آبادیؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ، حضرت شیخ عبد اللہ شطاریؒ سیر سلسلہ شطاریہ بہت بڑے بزرگان
میں سے ہوئے ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی اولاد سے قرظ اولیٰ میں حضرت سلطان ابراہیم ادھم بلخیؒ متعدد سلسلوں کے پیشوا تھے۔
اور قرظ وسطیٰ میں اور متاخرین میں حضرت شیخ کبیر فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، حضرت صوفی حمید الدین ناگوریؒ، حضرت شیخ نجم الدین گبرئیؒ
حضرت خواجہ نصیر الدین مسعود چراغ دہلویؒ، قطب العالم حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ، امام ربانی حضرت شیخ احمد مجدد
الف ثانی، حضرت شیخ سلیم چشتیؒ اور ہندوستان کا مشہور عالم خاندان ولی اللہیؒ اور علمائے خیر آبادیؒ ہوئے ہیں۔
حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد سے پانی پت میں مشہور زمانہ ولی حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء اور مشہور محقق جناب قاضی
شہار اللہ پانی پتیؒ گزرے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے نغمات الانس مولانا جامیؒ، "انبار الاخبار" شیخ عبدالحق محدث دہلوی، طبقات کبریٰ
از امام شعرانیؒ اور تذکرہ علمائے ہند وغیرہ کتب دیکھی جا سکتی ہیں۔

نسب بحیثیت عمومی کا شرف

بعض لوگ فقط حسب یعنی ذاتی کمالات کو ہی شرف و کمال کا موجب سمجھتے ہیں اور نسب یعنی خاندانی شرافت کی فضیلت
کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ حالانکہ نسب کا شرف دیگر مذاہب میں بالعموم اور اسلام میں بالخصوص قابل احترام ہے۔ نسب
سے ہی نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔ خلافت و امامت کے لیے اسلام میں قریشی ہونے کی تخصیص بھی شرف نسب کے باعث
ہے۔ اسلاف و آباء کی شرافت اولاد کے لیے دنیا و آخرت ہر دو میں مسلمہ طور پر عبرت کا باعث ہے اور اقوام عالم میں نسب
کا احترام ایک امر مسلم ہے۔ خود قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے اس کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً :-

۱۔ سورہ کہف کی ۸۲ ویں آیت میں دو تمیم بچوں کی دیوار کا جس کے نیچے ان کا مال مدفون تھا، اللہ تعالیٰ کا حضرات
موسیٰ و خضر علیہما السلام کے ذریعے بلا اجرت تعمیر کرانے کا ذکر ہے، اس کا خیر میں اللہ تعالیٰ کی جو عنایت اور رحمت کا فرما

تھی، اُس کا باعث قرآن مجید نے وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا (اور اُن کا باپ نیک آدمی تھا) بیان فرمایا ہے۔ علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں اُس صالح شخص کو اُن بچوں کی ساتویں یا سوویں پشت کا ایک جدِ بزرگ تحریر فرمایا ہے۔ گویا باپ دادا کے نیک اور شریف ہونے کا فائدہ اولاد کو پہنچا اور اسی شرافتِ نسب کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے بچوں کا لحاظ و احترام فرمایا۔

امام ابن ابی شیبہ اور امام احمد اور ابن ابی حاتم نے حضرت خیرؓ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ خوش خبری اور مبارک ہو مومن کی اولاد کے لیے کہ وہ اس کی برکت سے اُس کے بعد محفوظ و مأمون رہیں گے۔ پھر حضرت خیرؓ نے اس کی تائید میں سورہ کہف کی مندرجہ بالا آیت پڑھی۔

اسی طرح روح المعانی میں امام عبد بن حمید اور ابن المنذر کے ذریعے حضرت وہبؓ سے نقل ہے کہ حضرت امام حسنؓ نے ایک خارجی سے دریافت فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے، سورہ کہف کے تمیموں کا مال اللہ تعالیٰ نے کیوں محفوظ رکھا؟ اُس نے کہا کہ باپ کی صالحیت اور نیکی کے باعث۔ آپ نے فرمایا: بخدا، میرے باپؓ اور جدِ اکرمؓ کی صالحیت اُن کے باپ کی صالحیت سے بدرجہا بہتر تھی۔

۲۔ سورہ طور آیت ۲۱ میں تحریر ہے :-

اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے بھی
ایمان لائے میں اُن کی پیروی کی تو ہم (آخرت میں) اُن
کی اولاد کو اُن ہی کے ساتھ ملا دیں گے اور اُن کے اپنے
اعمالِ صالحہ کے انعامات میں سے بھی کوئی کمی نہ کریں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ
بِإِيمَانٍ الْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا
آلَتُهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ۔

اس آیت کی تفسیر کے تحت بھی علامہ آلوسی نے کئی محدثین اور مفسرین کے حوالوں سے حضرت ابن عباسؓ کی زبانی تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کو بہشت میں اُس کے ہمراہ اُسی درجہ و مقام میں رکھیں گے تاکہ اُس مومن کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔

گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرفِ نسب ہی کا احترام اور لحاظ ہے۔

۳۔ اسی مضمون کی تائید میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ العزیز نے قرآن مجید کا جو حوالہ پیش فرمایا تھا، عدیم المثال ہے بلقان کی ایک مجلس میں کسی نے آپ سے سوال کیا: کیا سید بنی فاطمہؓ کی تعظیم کے لیے نص میں کوئی ثبوت موجود ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ نسب کا شرف قرآن کریم سے ثابت ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی :-

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ
الْعَبِيدِ۔ (سورہ الزخرف آیت ۸۱)

یا رسول اللہ (ان عسیایوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر
اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اُس
کی عبادت کرتا۔

گویا اللہ تعالیٰ کے فرزند کی عبادت اُس کے نسب کی وجہ سے ہوتی۔

یہاں یہ عرض کرنا مناسب نہ ہو گا کہ جو لوگ نسب کے شرف کو تسلیم نہیں کرتے، وہ بالعموم اس آیت سے استدلال

کرتے ہیں :-

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔

بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

صاحبِ رُوح المعانی اس آیت کی تفسیر میں علامہ منادی و علامہ ابن حجر کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ نہ تو یہ آیت شرفِ نسب کے خلاف ہے اور نہ وہ احادیث ہی اس مضمون کے منافی ہیں جن میں نسب پر فخر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ البتہ منہود و یہود کی طرح نسب کی وجہ سے لوگوں پر تکبر کرنا اور کسی کو اپنے برابر نہ سمجھتے ہوئے ذلیل و حقیر خیال کرنا صحیح نہیں بطورِ تحدیثِ نعمت نسب ذاتی کے شرف کا اظہار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسمعیل سے کنانہ کو منتخب فرمایا۔ پھر قریش کو کنانہ سے اور بنی ہاشم کو قریش سے اور مجھے بنی ہاشم سے چُن لیا۔ علامہ آلوسی نے تمام مخالف اقوال کا جواب دے کر آخر میں فیصلہ فرمایا ہے: وَ بِالْجُمْلَةِ شَرَفُ النَّسَبِ مِمَّا اغْتَبِرَ جَاهِلِيَّةً وَ اسْلَامًا۔ یعنی خلاصہ بحث یہ ہے کہ نسب کا شرف جاہلیت اور اسلام دونوں میں معتبر تسلیم کیا گیا ہے۔

النبی کے نسبِ طاہر کا شرف

اب تک تو مطلق نسب کا ذکر تھا۔ اب آنحضرت کے نسبِ پاک پر کتاب و سنت اور علمائے اُمت کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے:-

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، وہ جنت کے باغوں میں ہوں گے۔ ان کے لیے ان کے پروردگار کے یہاں وہ سب کچھ ہے، جس کی وہ خواہش کریں گے یہ بڑے فضل و بزرگی کی بات ہے۔ یہی وہ چیز ہے، جس کی اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں کو خوشخبری دیتا ہے جنہوں نے ایمان لاکر نیک کام کیے۔ کہہ دیجیے، میں تم سے اس چیز کا کوئی اجر نہیں مانگتا، بخیر اہل قرابت کی دوستی کے۔

۱۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ، لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ، ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ، ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى۔

(سورۃ شوری: ۲۲-۲۳)

علامہ صادقی نے حاشیہ جلالین میں تحریر فرمایا ہے کہ یہاں استثنا منقطع ہے یعنی میں تم سے تبلیغ کے صلے میں کوئی اجر نہیں مانگتا۔ ہاں، اس قدر چاہتا ہوں کہ تم میرے اہل قرابت سے محبت رکھو۔ صاحبِ رُوح المعانی نے بھی ابن جبیر، ہرمی اور عمر بن شعیب جیسے اکابر تابعین سے اس آیت کی یہی تفسیر نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے اہل بیت رسول کی محبت کا واجب ہونا مراد ہے۔ علامہ سیوطی نے بھی ”در منثور“ میں کئی محدثین کے حوالے سے حضرت ابن عباس کی روایت نقل کی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کے وہ کون اہل قرابت ہیں جن کی محبت واجب کی گئی ہے؟ تو اہل حضور نے ان چار حضرات یعنی حضرت علیؑ، سیدہ فاطمہ الزہراؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کا ذکر فرمایا، چونکہ اُس وقت حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ کے اولاد

کہ ان سے دُنیا میں کوئی خطا سرزد نہ ہوگی یا یہ کہ کسی شرعی حد یعنی سزا کے مستثنیٰ ہوں گے۔ بلکہ دُنیا میں احکامِ شریعت کے یہ بھی اسی طرح پابند ہوں گے جیسے عام لوگ۔ چوری، زنا، شرابِ خوری وغیرہ میں باوجود ذلک فضلُ اللہِ یؤتیه من یشاء ہونے کے بھی حاکم سے اسی طرح شرعی سزا کے حق دار ہوں گے جس طرح دوسرے لوگ، مگر ان کا حشر منہضت پر ہوگا۔

(۳) النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ
وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ۔ (احزاب)

نبی کریم مسلمانوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ شفیق ہیں اور نبی کی ازواج ان کی مائیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بعض قربت والے، بعض دُوسروں سے اور دیگر مومنین و مہاجرین سے ان کے نزدیک تر ہیں۔

(۴) لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ
بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا
عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ج (آل عمران ۱۶۴)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان کیا، جو ان میں انہیں میں سے رسول بھیجا، جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت فرماتا ہے اور ان کا تزکیہ فرماتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

(۵) وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدِ وَهَاجَرُوا
وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنكُمْ
وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ
فِي كِتَابِ اللَّهِ۔ (انفال ۷۵)

اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کا سب سے زیادہ حصہ آلِ نبی کو عطا ہوا جو بلاشبہ شرفِ عظیم ہے۔ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور گھر چھوڑے اور تمہارے ساتھ ہو کر لڑے، سو وہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور اللہ کی کتاب میں بعض قربت والے بعض دُوسروں سے نزدیک تر ہیں۔

(۶) إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ
وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ۔ (النحل ۹۰)

اس کی رُو سے اہل قربت کو آں حضرت کے زیادہ نزدیک ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا اور قربت والوں کو دینے کا حکم فرماتے ہیں۔

یہ حکم آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی ویسا ہی ہے جیسا عام افرادِ امت کے لیے۔ آں حضور نے اپنے قربت داروں کو مالی میراث نہیں دی بلکہ ایتاءِ ذی القربیٰ کے حکم عامہ کی تعمیل میں امامت، ولایت اور امت کی ہدایت اور امت کی طرف سے دائمی احترام کی باطنی میراث تفویض فرمائی ہے۔

(۷) وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ
أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا
لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ (الفرقان ۷۴)

اور وہ (فلاح یافتہ) لوگ جو دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری ازواج اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔

یہ دعا سب سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہوئی اور ہمیشہ تلاوت قرآن پاک کے دوران بعد میں بھی آپ پڑھتے رہے۔ آپ امام المتقین ہیں اور ساداتِ بنی فاطمہؑ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔

(۸) حاکم سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: دَعَدَنِي رَبِّي فِي أَهْلِ بَيْتِي مِنْ أَتَرٍ

میرے پروردگار نے میرے اہل بیت کے معاملے

مِنْهُمْ بِالْتَّوْحِيدِ وَلِيٍّ بِالْبَلَاغِ أَنْ
لَا يَعْذِبَهُمْ۔
میں مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ اُن میں سے جو کوئی اُس
کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کرے گا، اُسے
عذاب نہیں فرمائے گا۔

(۹) طبرانی، حاکم اور ابویعلیٰ کی طرف سے روایت ہے کہ آنحضرت نے سیدہ فاطمہؓ کا نام لے کر فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہؓ عقیقہ ہے۔
فَحَرَّمَهَا اللَّهُ وَذُرِّيَّتَهَا عَلَى النَّارِ۔
اللہ تعالیٰ نے اُسے اور اُس کی اولاد کو آگ پر حرام
کر دیا ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے نسب کے متعلق گراماتی ثبوت

حضرت قبلہ عالم کی تحریر سے، جو ابتدائے باب میں درج ہو چکی ہے، واضح ہوتا ہے کہ آپؐ نے مکمل تحقیق کے بعد اپنے آپ کو اس نسل پاک سے منسوب فرمایا ہے اور اپنے حسبِ یعنی کمالاتِ کسبیتہ کا ذکر بہ اندازِ کسرِ نفسی فرمایا ہے۔ آئندہ صفحات کے مطالعہ سے یہ امر باریہ ثبوت کو پہنچ جائے گا کہ آنجنابؐ کی ذاتِ گرامی حقیقتاً صفاتِ بنی فاطمہؓ کی حامل تھی اور اس شعر کا صحیح مصداق تھی۔

سید کے بُود کہ ہویدا شود ازو
خلق محمدی، کرم مرتضیٰ علیؑ

جب عنایتِ الہی سے حضرت قبلہ عالمؑ کے دادا بزرگوار کے والدِ محترم حضرت پیر سید روشن دینؑ اور اُن کے چھوٹے بھائی پیر سید رسول شاہؑ کو اس نواح کی باطنی ولایت عطا ہوئی اور وہ اپنے وطن ساڈھورہ شریف حال ضلع انبالہ (بھارت) سے نقل مکانی کر کے گولڑہ شریف میں آباد ہوئے تو اپنے ذاتی کمالاتِ جذب و سلوک کے باعث خاصہ عام میں مقبول ہو کر مرجعِ خلافت بن گئے اور ہر کس و ناکس حصولِ فیض کی خاطر کشاں کشاں آکر اپنا مقصد حاصل کرنے لگا۔ یہ صورتِ حال نواحی بستیوں کے سادات کو، جو اکثر و بیشتر شیعہ تھے، پسند نہ آئی اور اُنہوں نے اس نو وارد خاندان کی وقعت لوگوں کی نظروں میں کم کرنے کی خاطر ان کے نسب پر اعتراضات شروع کر دیئے۔ اس دوران میں حسن ابدال کے گیلانی سادات کو جو مجرہ شاہِ مقیم ضلع ساہی وال سے آکر وہاں آباد ہوئے تھے۔ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ یہ حضرات اُن ہی کے خاندان سے ہیں۔ نیز چونکہ ہر مقام پر جنابِ غوثِ الاعظمؑ کے تصرفِ باطنی نے بھی دستگیری فرمائی۔ اس لیے ماسدین کو سوائے شرمندگی کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

یہ بنو فاطمہؓ کی ٹوپی ہے

ایک نواحی گاؤں جس کا نام ضبطِ تحریر میں لانا مناسب نہیں، کے سادات نے حضرت پیر سید روشن دینؑ کو اُن کے ایک نیاز مند گولڑہ رئیس کے ذریعے بہت اصرار سے اپنے ہاں کسی تقریب پر دعوت دی اور بر مجلسِ مناسب انداز میں آپؐ کے شجرہ نسب کے متعلق بحث چھیڑ دی۔ آپؐ نے فرمایا، اس موقع پر ایسا تذکرہ آدابِ مہمان نوازی کے خلاف ہے البتہ کسی روز میرے یہاں تشریف لا کر آپ صاجان شجر سے اور سندت دیکھ کر اطمینان کر سکتے ہیں مگر وہ لوگ چونکہ آپؐ کے خلاف ناموافق فضا پیدا کرنے پر تلمے ہونے لگے تھے، اس لیے نہ مانے اور کہنے لگے کہ یہاں کسی نو وارد کو اُس وقت

تک سید کھلانے کا حق نہیں پہنچتا جب تک وہ مصدقہ شجروں کے ذریعے مقامی سادات میں اپنی سیادت تسلیم نہ کرالے۔ آپ نے اپنے ہمراہی گولڑہ رئیس کے ذریعے بھی انہیں سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ خاموش نہ ہوئے بلکہ ان میں سے کسی زبان دراز نے یہاں تک کہہ دیا کہ کاٹھ دی گئی نہیں تے سید سنی نہیں۔ یعنی لکڑی کی بندیا نہیں ہو سکتی اور سید اہل سنت و الجماعت نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک قدرے متغیر ہوا اور آپ نے ایک جلالی کیفیت میں اپنے سر مبارک سے ٹوپی اتار کر مجلس کے فرش پر رکھ دی اور تمام مدعیان سیادت کو جو نامناسب باتیں کر رہے تھے، مخاطب کر کے فرمایا کہ فقیر کا شجرہ سیادت اس ٹوپی میں ہے، جس کسی کو نجیب الطرفین سید ہونے کا دعویٰ ہو، وہ اس ٹوپی کو اٹھا کر اوپر بن کر دکھائے۔ یہ الفاظ سن کر دوسرے فریق کا ایک سرکردہ بزرگ بڑے طمطراق سے اٹھا اور ٹوپی کو اٹھانے کی کوشش کی، مگر لاکھ جتن کے باوجود اسے ہلا تک نہ سکا۔ حضرت نے باوا زبند فرمایا۔ یہ بنی فاطمہ کی ٹوپی ہے اور چودہ طبق پڑ بھاری ہے۔ آپ کے الفاظ اور فریق مخالف کی عاجزی دیکھ کر حاضرین مجلس سناٹے میں آگئے اور دوسرے فریق کے چہروں پر ہوا تیاں اڑنے لگیں۔ بالآخر ان لوگوں نے عاجزی اور معذرت کی تو آپ نے فرمایا اچھا، اٹھا لو۔ اس پر ان حضرت نے بصد احترام کلاہ مبارک کو اٹھایا اور بوسہ دے کر آپ کے پیش کیا۔ بھری محفل میں یہ کرامت دیکھ کر لوگ ادھر سے منقطع ہو کر اس طرف پلٹ پڑے۔ آج کل ان صاحبان کا پیری مریدی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور فقط کاشت کاری اور ملازمت پر دار و مدار ہے۔ ان کے خاندان کی ایک شاخ حضرت قبلہ عالم کے حلقہ ارادت میں شامل ہے۔

تائید و تصدیق غوثیہ رضی

دوسرا واقعہ حضرت قبلہ عالم کے والد بزرگوار حضرت پیر سید نذر دین شاہ کو پیش آیا تھا۔ ایک مرتبہ آپ موضع سالگراں علاقہ کہوٹہ ضلع راولپنڈی میں، جو ایک پہاڑی علاقہ ہے، اپنے ایک ارادت مند چودھری فتح محمد گوجر کے یہاں رونق افروز تھے کہ اس گاؤں کے رہنے والے ایک اور عقیدت مند نے بہت سے حاضرین کی موجودگی میں عرض کی کہ فلاں شخص ہم سے بحث کرتا رہا ہے کہ تمہارے پیر سید نہیں ہیں۔ حضرت نے فرمایا کیا کہتا ہے، میں سید نہیں؟ اور آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ پھر سامنے دیکھ کر فرمایا: سنو، میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ وہ سامنے حضرت غوث الاعظم اپنے تخت پر جلوہ فگن فرما رہے ہیں کہ کہ دو، میرے سید ہونے کی دلیل یہ ہے کہ میرے ارادت مند چودھری فتح محمد گوجر اس وقت تک صاحب اولاد نہیں ہے، اسی سال اللہ تعالیٰ ایک فرزند عطا فرمائیں گے، جو شکم مادر سے سش ماہ کا پیدا ہوگا۔ چنانچہ جس طرح آپ نے فرمایا تھا، اسی طرح ظہور پذیر ہوا۔ چودھری فتح محمد گوجر کی عمر اس وقت پچاس سال کے لگ بھگ تھی اور وہ اولاد سے قریباً بائیس ہو چکا تھا۔ اس کا یہ فرزند چودھری محمد بخش حضرت پیر سید نذر دین شاہ کی زندہ کرامت کے طور پر طبعی کو پہنچا اور حضرت قبلہ عالم کے حلقہ ارادت میں شامل ہوا۔ اس کا فرزند چودھری غلام حسن گوجر حضرت قبلہ عالم کے خلف الصدق اور سجادہ نشین سیدنا غلام محی الدین المعروف جناب بابو جی مدظلہ کا ارادت مند ہے اور اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے۔

کرامتِ جاریہ

حضرت قبلہ عالم کی سیادتِ نسبی کی تصدیق و تائید میں مندرجہ بالا دونوں واقعات کرامتِ فقر کی قسم سے ہیں۔ ایک تیسرے واقعے کا تعلق کرامتِ علم سے ہے۔ اور چونکہ اس نے ایک کتابی مسئلے اور دائمی علمی معیار کی صورت اختیار کر لی ہے اس لیے اسے ایک کرامتِ جاریہ کہا جاسکتا ہے :-

جن لوگوں نے حضرت قبلہ عالم کی تصانیف اور فتاویٰ کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ان میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے بعض متشددانہ نظریات پر تنقید کی گئی ہے۔ اس سے اہل حدیث کے ایک گروہ نے ناراض ہو کر مناظرہ مباحث کی بنیاد ڈالی اور ۱۳۲۵ھ یعنی ۱۹۰۸-۹ء میں راولپنڈی کے ایک مولوی عبد الاحد خان پوری کو سامنے لا کر حضرت قبلہ عالم پر دس علمی سوالات شائع کیے اور اعلان کیا کہ جوابات کی صورت میں حضرت قبلہ عالم کو بھی ان کی جماعت پر سوالات کرنے کا حق ہوگا۔ چنانچہ حضرت نے اپنی تصنیف "فتوحات الصمدیہ" میں ان دس سوالوں کے جواب باصواب دے کر اپنی طرف سے ان پر بارہ سوالات شائع کر کے یہ پیش گوئی بھی فرمادی کہ وہ لوگ ان کے جوابات نہیں دے سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آج نصف صدی ہونے کو آئی، مگر اس جماعت کی طرف سے کسی ایک سوال کا بھی جواب نہیں دیا جاسکا۔

اس واقعہ سے حضرت کے سیادتِ نسب کا پہلو اس طرح نکلتا ہے کہ آپ نے ان بارہ سوالات کے وقت اپنے احباب حضرت مولانا محمد غازی اور مفتی غلام مرتضیٰ وغیرہ سے فرمادیا تھا کہ ان سوالات کا تعلق بنی فاطمہ کے صدری علوم سے ہے اور ان کے جواب دینے کے لیے جواب دینے والے کا علوم رسمیت پر مکمل عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ سید بنی فاطمہ ہونا بھی اشد ضروری ہے۔ ان سوالات کی تفصیل اس کتاب کے باب تصانیف میں دی گئی ہے۔ بعد میں حضرت قبلہ عالم قدس سرف کے اپنے مخطوطات میں ان سوالات کے بعض دقیق نکات کی کہیں کہیں عقده کشائی ہوتی رہی ہے۔

وادبی حرم کارویائے صادقہ

سفر مدینہ شریف کے دوران ایک مرتبہ آپ کا قافلہ وادبی حرم میں شب باش ہوا۔ بدوؤں کے محلے اور قافلے والوں کے خوف و ہراس اور اضطراب کے باعث حضرت قبلہ عالم نمازِ عشاء کی استدائی سنتیں ادا نہ کر سکے تو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی حضور نے ارشاد فرمایا کہ آل رسول کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیے۔ گویا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں آپ کے آل رسول ہونے کی تصدیق فرمائی اور جس خواب میں آن جناب کی زیارت ہو، وہ حسب فرمان نبوی "مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ بِالْكَلِّ حَقٍّ" اور صحیح ہوتا ہے۔ چنانچہ بعد میں ایک موقع پر جب حضرت سید ابراہیم گیلانی بغداد شریف سے راولپنڈی تشریف لائے تو کسی مخلص نے حضرت قبلہ عالم سے اپنے شجراتِ نسب ان سے تصدیق کرا لینے کے لیے عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ شجر سے وغیرہ تو پہلے ہی تصدیق شدہ موجود ہیں، مگر ان شجروں کے علاوہ میرے پاس ایک ایسی قوی دلیل ہے جس کے بعد اطمینان کے لیے کسی مزید ثبوت کی حاجت نہیں اور اس سے آپ کا اشارہ مندرجہ بالا روایات صادقہ کی طرف تھا۔ اس ضمن میں آپ کی مفصل تحریر باب چہارم میں درج کی گئی ہے۔

ایک جن کی شہادت

حسب آیات قرآنیہ:-

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ الْعَرَبِيَّاتِكُمْ
رُسُلٌ مِّنكُمْ (سورة الانعام ۱۳۱)
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ
(سورة الذریت ۵۶)

اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس
تم میں ہی سے رسول نہیں آئے تھے؟
اور میں نے جنوں اور انسانوں کو جو بنایا ہے تو صرف
اپنی بندگی کے لیے۔

جنات و انسان کا علیحدہ علیحدہ مخلوق ہونا ثابت ہے۔ جنات کی عمریں بھی طویل ہوتی ہیں۔ جناب بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ضلع کیمبل پور کے مولوی شاہ ولی کی اہلیہ کو آسب کی شکایت تھی جب کسی اور جگہ علاج وغیرہ سے افادہ نہ ہوا تو اسے حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں گولڑہ شریف لے آئے۔ آپ مریضہ کی طرف متوجہ ہوئے تو جن حاضر ہو کر بولنے لگا اور کہا کہ وہ دربارِ غوثیہ بغداد شریف کا خادم ہے اور ایک مرتبہ جناب غوث الاعظم کی معیت میں گولڑہ شریف بھی آچکا ہے۔ حضرت قبلہ عالم نے اس کا ثبوت مانگا تو کہنے لگا کہ ایک دفعہ آپ بعارضہ پیش پیش بیمار تھے اور علاج سے افادہ نہیں ہو رہا تھا۔ خدام پریشان تھے اور آپ کی چار پائی حضرت اجی صاحب کے مزار شریف کے قریب درخت سرس کے نیچے تھی۔ محمد خان خادم آپ کے پاؤں دبا رہا تھا کہ جناب غوث پاک شریف لائے اور چار پائی کے سر ہانے کھڑے ہو کر فرمایا کہ علاج کراؤ، انشاء اللہ صحت ہوگی۔ میں اس وقت حاضر تھا۔ جناب غوث پاک نے مجھے فرمایا ہوا ہے کہ یہاں میری اولاد رہتی ہے اور جب کبھی ادھر سے گزروں تو یہاں سے ہو جایا کروں۔ حضرت قبلہ عالم نے اس واقعہ کی تصدیق فرمائی۔

لے اجی پھواری زبان میں باپ کو کہتے ہیں۔ حضرت قبلہ عالم کے والد ماجد مراد ہیں۔

دوسری فصل

فضائل اہل بیت کرام نبی ﷺ

فضائل اہل بیت پر اکابرین امت کی کتب

حضرات اہل بیت کرام کی شان میں اکابرین امت محمدیہ نے ضخیم کتب تحریر کی ہیں اور اس قسم کی تحریرات کا سلسلہ بفضلہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی تعریف و تحقیقت ان جناب ہی کی منقبت و تعریف ہے اور ان حضرات کے ذکر خیر کو اللہ تعالیٰ نے حسب ارشاد قرآنی ذَرَفْنَا لَكَ ذِكْرَكَ وہ رفعت عطا فرمائی ہے، جس کا احاطہ علم انسانی اور زور قلم انسانی سے باہر ہے۔ لہذا یہ سلسلہ توصیف و تعریف کبھی ختم ہونے کا نہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ جاری رہے گا اور بالخصوص اس لیے بھی کہ تمام قرآن پاک ان جناب کی تعریف و توصیف سے بھر پڑا ہے اور بمصدق :-

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا
تَسْلِيمًا۔ (الاحزاب ۵۶)

اللہ تعالیٰ خود اور اس کے فرشتے بھی نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بھی آنحضرت پر درود سلام بھیجنے کا تاکید فرماتے ہیں۔

مولوی عبید اللہ امرتسری نے اپنی کتاب "اربع المطالب" کے آغاز میں ان مشہور علمائے امت کی ایک طویل فہرست دی ہے، جنہوں نے اہل بیت نبی کے فضائل پر مستقل کتب تحریر کی ہیں۔ ان میں سے بعض مشاہیر کے اسماء گرامی مع ان کی تصانیف کے درج ذیل کیے جاتے ہیں :-

مکتب	مصنفین
المناقب	حضرت امام احمد بن حنبلؒ
الخصائص	حضرت امام نسائیؒ
منقبة المطہرین	حضرت حافظ الحدیث ابو نعیم اصفہانیؒ
جواہر العتدین	حضرت امام ابی الحسن علی بن عبد اللہ سمودیؒ
ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ	علامہ محب طبریؒ
الفصول المهمہ فی معرفۃ الائمة	علامہ نور الدین ابن صباغ مالکیؒ
مؤدۃ العتدین	عالم ربانی سید علی ہمدانیؒ

علامہ سلیمان حنفی بلخی	ینایح المودۃ
علامہ محمد بن علی صبان مصری	اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفیٰ و اہل بیتہ الطاہرین
علامہ یوسف سبط ابن جوزی	تذکرۃ خواص الامۃ فی احوال الابرار
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی	مناقب امۃ اثنا عشر
امام حاکم صاحب مستدرک	فضائل فاطمۃ الزہرا علیہا السلام
امام ابی اسحق اسفرائینی	نور العین فی مشہد الحسین
امام جلال الدین سیوطی	احیاء المیت بفضل اہل بیت
حضرت مولانا عبد الرحمن جامی	شواہد النبوت
علامہ رشید الدین خان دہلوی	انفتح البیسن فی فضائل اہل بیت سید المرسلین
ملا محمد تبیین سہالوی	وسیلۃ النجات فی فضائل المحضات
علامہ مومن مصری	نور الابصار فی مناقب النبی وآلہ المنحار علیہم السلام
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	سیر الشہادین
حافظ الحدیث محمد ابن احمد ذہبی	فتح المطالب
سید عبدالرحمن اجہوری شافعی	رسالہ فضائل اہل بیت
علامہ عبدالرؤف مناوی	کتاب الصفوة بمناقب اہل بیت النبوة
علامہ ابن انصر	معالم العترۃ النبویۃ
علامہ ابن حجر عسقلانی	صواعق محسرة

ان علی خرابن کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اہل بیت رسول کس شان کے مالک ہیں۔ نیز تاریخ اسلام اور بزرگان دین کے احوال سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ کمالات محمدیہ کا جو خصوصی ظہور آپ کی پاک و طیب اولاد کے بعض کاہلین سے ہوا ہے، اُس کی مثال دیگر اکابرین امت میں کہیں نظر نہیں آتی، کیونکہ ان حضرات کو کمالات کسبیتہ کے علاوہ جو فضائل بطور ورثہ وہی طور پر عطا ہوئے ہیں، اُن میں یہ اپنی مثال آپ ہیں۔ اور یہ فضائل درحقیقت وہی فضائل و کمالات محمدیہ ہیں، جو اس پاک خاندان میں نسلی طور پر اور بطریق وراثت جلوہ گر ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ کیونکہ جیسے کہ پہلے عرض ہو چکا ہے، انبیاء علیہم السلام کی وراثت یہی جوہر فضل و کمال ہے نہ کہ مال و منال دنیوی۔

اسی وجہ سے حضرت قبلہ عالم نے اپنے ملفوظات و تحریرات میں وضاحت فرمائی ہے کہ چونکہ فضائل اہل بیت کرامؑ موبوبی ہیں، اس لیے کوئی شخص ریاضات و مجاہدات سے، خون نبوی کی تاثیر و فیوض و برکات کو نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ جو کچھ بھی حضرات اہل بیت کرام کو اس طور پر عطا ہوا وہ اُن کی کوشش کا نہیں بلکہ محض عنایت ازلٰی کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ آیہ تطہیر سے ثابت ہے۔ اور طالب جب تک اس مقام پر نہ پہنچے، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کے ذوق و شوق سے روشناس نہیں ہو سکتا۔ ان حضرات کی رفعت شان کے متعلق کچھ ارباب بصیرت و کشف و شہود اور قلندران ایسی ہی بتلا سکتے ہیں۔

فضائل اہل بیت پر بعض اکابرین کے ارشادات

”بخاری“ شریف میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے۔ اُرْقَبُوا مُحَمَّدًا فِيْ اَهْلِ بَيْتِهِ رَاىَ مُسْلِمًا نُو اِبْنِيْ كَرِيْمٍ كَيْ اَهْلِ بَيْتِهِ كَيْ مُعَالَمِيْ فِيْ اَنْ حَضْرَتِ كَالْحَاظِ وَ اِحْتِرَامِ لِمُحَوَّرِ كَهْوٍ) نيز فرمایا کہ ”مجھے اپنی قرابت سے آں حضرت کی قرابت زیادہ عزیز ہے۔“

”شفاء“ مصنفہ قاضی عیاضؒ میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ حضرت حسینؓ کو محبت و احترام سے اپنے کندھوں پر اٹھایا کرتے تھے۔

”ابن عساکر“ میں اور تاریخ اسلام مؤلفہ شاہ معین الدین احمد ندوی میں تحریر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ جنسب رسالت مآب کے تمام متعلقین کا پاس و لحاظ اپنی اولاد سے زیادہ کرتے تھے۔ جب وظائف مقرر کرنا چاہے تو اکابر صحابہ کی رائے مٹی کہ بحیثیت امیر المؤمنین آپ مقدم رکھے جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور آنحضرتؐ کے ساتھ قرب و بعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کیے۔ چنانچہ سب سے پہلے بنی ہاشم اور ان میں سے حضرت عسلی و حضرت عباسؓ کو مقرر کیا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہ کی تھیں۔ اور اگرچہ حسین علیہما السلام ان میں سے نہ تھے مگر آں حضرت کی ذریت کے تعلق سے ان کی تنخواہیں بھی بدری صحابہ کے برابر مقرر کیں۔ آں حضرت کے غلام حضرت زیدؓ کے صاحبزادے اُسامہؓ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے جو ذی قدر صحابی تھے، زیادہ مقرر کی۔ ان ہر دو معاملات میں حضرت عبداللہؓ نے عذر کیا تو فرمایا کہ حسین شریفینؓ کی والدہ ماجدہ عیسیٰ والدہ، ان کے باپ جیسا باپ اور ان کے نانا جیسا نانا لاؤ اور پھر مہسری کا دعویٰ کرو۔ حضرت اُسامہؓ کے معاملے میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسامہؓ کو تجھ سے اور اُسامہؓ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

”نور الابصار“ میں تحریر ہے کہ حضرت امام حسنؓ کے پوتے حضرت عبداللہؓ کسی کام سے خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے تو خلیفہ نے عرض کیا کہ اگر آپ حضرات کو کوئی کام ہو تو مجھے رقعہ لکھ بھیجا کیجئے۔ مجھے خدا اور رسولؐ سے شرم آتی ہے کہ آپ میرے پاس کوئی حاجت لے کر آئیں۔

”مدارج“ میں تحریر ہے کہ حضرت امام مالکؓ بن انسؓ کو جب عباسی خلیفہ کے حکم سے کوڑے لگائے گئے تو انہوں نے ہوش میں آتے ہی فرمایا، لوگو! گواہ رہنا کہ میں نے اس ظلم کو معاف کیا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ روزِ حشر میری وجہ سے آنحضرتؐ کے چچا کی اولاد کا کوئی فرد مستوجبِ باز پرس ہو۔“

”تاریخ الخلفاء“ اور ”سیرۃ النعمان“ میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو خلیفہ منصور عباسی نے بدیں وجہ قید میں ڈال کر زہر دلوایا تھا کہ انہوں نے حضرت سید محمد نفس زکیہؒ حسنی کے حق میں عباسیوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ اور چار ہزار دینار بطور امداد روانہ فرما کے عریضہ تحریر کیا تھا کہ اگر کچھ لوگوں کی امانتیں میرے پاس قابل واپسی نہ ہوتیں، تو ضعیف العمر ہونے کے باوجود بامید شہادت خود جہاد میں شریک ہوتا۔ اُس وقت آپ کی عمر تقریباً اسی برس کی تھی۔

سید سلیمان ندوی نے ”حیات مالکؓ“ میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالکؓ نے بھی ایسا ہی فتویٰ دیا تھا۔ حضرت امام شافعیؒ کی حُب اہل بیت کے واقعات ضرب المثل بن چکے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مخالفین نے

آپ پر رخص یعنی شیعہ ہونے تک کی تمہمت لگائی۔ "رُوحُ الْمَعَانِي" اور "تَحْفِةُ اَشَارِ عَشْرِيَّةٍ" وغیرہ کتب میں آپ کے یہ اشعار تحریر ہیں:-

يَا رَاكِبًا قَفَّ بِالْمُحَصَّبِ مِنْ مِثْنِي وَاهْتَفَّ بِسَاكِنِ خَيْفَهَا وَالتَّاهِضِ
سَحْرًا اِذَا فَاضَ الْحَجِيْبُ اِلَى مِثْنِي فَيَضَا كَمُلْتَطِيْرِ الْفُرَاتِ الْفَايِضِ
اِنْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ اِلِ مُحَمَّدٍ فَلَيْسَ شَهْدِ الثَّقَلَيْنِ اِنِّي رَا فِضِ
ترجمہ:- اے شتر سوار! محصب میں کہ حد و دہنی میں سے ہے، ٹھہر جا اور اُس وادی میں بنے والوں اور وہاں سے اُٹھ کر جانے والوں سے پکار کر کہہ دے اور اُن حاجیوں سے بھی کہہ دے، جو علی الصبح دریا فرات کی طرح موج در موج مہنی میں وارد ہوتے ہیں کہ اگر آل محمد کی محبت کا نام رخص ہے تو جن و انس گواہ رہیں کہ میں یقیناً رافضی ہوں۔

صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہی جو کچھ اہل سنت والجماعت کا اصحاب کرام کے متعلق مسکات ہے میں اُس سے تجاوز کو بھی دین نہیں سمجھتا اور اُن کے احترام کو بھی حسب ارشاد نبوی ضروری سمجھتا ہوں۔ اکثر لوگ صحابہ اہل بیت کرام کے معاملے میں افراط و تفریط میں پڑ گئے ہیں، مگر حق بردو کے بین بین ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل نے المناقب میں اہل بیت کی فضیلت میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ تاریخ الخلفاء میں اُن کا یہ قول تحریر ہے کہ جس قدر احادیث حضرت علی کی شان میں ہیں، کسی اور صحابی کی شان میں نہیں۔ "صواعق محرقة" میں ہے کہ امام احمد بن حنبل کسی سید زادے کو دیکھ پاتے تو فوراً تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں آیت تطہیر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام سادات بنو فاطمہ اور حضرت سلمان فارسی کی طرح اور لوگ بھی جو اہل بیت میں شمار کیے گئے ہیں، سب بضمن حکم مغفرت اس آیت میں داخل ہیں۔ وہ طاہر و مطہر ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی اُس عنایتِ خصوصی کا نتیجہ ہے جو اُن حضرت کے حال پر ہے کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ اُن حضرات کی مذمت کرے جن کی پاکیزگی کی اور بُرائی سے تحفظ کی خود اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے۔ فضیل و کرم اُن کے کسی عمل خیر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ محض عنایت ربانی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پہ چاہتا ہے، اپنا فضل کرتا ہے۔

امام عبدالوہاب شمرانی لطائف المنن میں حضرت شیخ اکبر کے مندرجہ بالا ارشاد کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیخ نے فضائل اہل بیت کرام میں یہ دو اشعار خوب کہے ہیں:-

فَلَا تَعْدِلْ بِأَهْلِ الْبَيْتِ خَلْفًا فَأَهْلُ الْبَيْتِ هُمْ أَهْلُ السِّيَادَةِ
فَبُغْضِهِمْ مِنَ الْإِنْسَانِ خُسْرٌ حَقِيقَتِي وَحُبُّهُمْ عِبَادَةٌ ۵

ترجمہ:- اہل بیت نبی کے برابر کسی کو مت سمجھو، کیونکہ وہ اہل سیادت ہیں۔ اُن کا بغض انسان کے لیے حقیقی خسارہ ہے اور اُن کی محبت عبادت ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ میں اولادِ رسول کی تعظیم و تکریم کو لازم سمجھتا ہوں۔ خواہ اُن کے اعمال کیسے ہی ہوں۔ کیونکہ بُرے اعمال کی وجہ سے شرفِ نسب میں کمی نہیں ہوتی۔

حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بیوہ سیدہ کی نکایت پر انہوں نے

مندرجہ ذیل رباعی سلطان علاؤ الدین خلجی کو لکھ کر بھیجی تھی :-

سادات افضل اندو بود و صف شاں جلی

بر فعل شاں نظر ممکن اے حسد ز جاملی

اولادِ مُرضئے و جگر گوشہ نبی

الصَّالِحُونَ لِلَّهِ وَالطَّالِحُونَ رِنِي

امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت نبی کو درود و سلام، طہارت و پاکیزگی، حرمت صدقہ اور وجوب محبت میں آں جناب کے ساتھ شامل فرمایا ہے اور یہ صرف اُن ہی کی خصوصیت ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی "اخبار الاخیار" کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"جب خاتم نبوت کی خلافت حضرت علیؑ کی ذات گرامی تک پہنچی، تو اس شجرِ علم و ولایت سے درختِ طوبیٰ

کی مانند بے شمار شاخیں پھوٹیں، جن کے کمالات ہر جانب سایہ فگن ہوئے اور ساری دُنیا حضرت علیؑ کے نورِ جمال

ولایت سے روشن ہو گئی۔ بالخصوص رسول اللہ کی اولادِ عالیٰ نے ان کے حکم وراثتِ حقیقی اور مناسبتِ ذاتی ولایت کا

پورا پورا حصہ اور فیض حاصل کیا اور اپنی عصمتِ ذاتی کی بنا پر ولایتِ معنوی کا علم بلند کرتے ہوئے ظاہری حکومت

دوسروں کے لیے چھوڑ دی۔ خاندانِ نبوت سے نورِ ولایت نہ تو کبھی منقطع ہوا نہ ہوگا اور آسمانِ ولایت نے بغیر ان اقطاب

کے کبھی قرار نہیں پکڑا۔ ان ہی میں سے اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا، قطبِ الاقطابِ عالم، غوثِ بنی آدم اور مرجعِ جن و

انس بنا کر مشرق و مغرب میں مشہور و معروف کر دیا اور حضرت سید عبد القادر جیلانی کو دینِ اسلام کا دوبارہ زندہ

کرنے والا بنایا۔ اگرچہ جمالِ محمدی تمام آل میں تابان و درخشاں ہے، مگر محمدی الدین سید عبد القادر جیلانی میں اس کا

کچھ اور ہی رنگ ہے جو حقیقتاً جمالِ احمدی اور کمالِ محمدی کا منظرِ اتم ہے۔"

حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوباتِ شریف دفتر سوم مکتوب ۱۲۳ میں تحریر فرمایا ہے جس کا خلاصہ

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے کے دو راستے ہیں۔ پہلا راستہ قربِ نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور یہی اصل الاصل ہے اور اس

راستے کے واصلان انبیاء علیہم السلام ہیں اور اُن کے اصحاب اور تمام امتوں میں سے جن کو بھی وہ اس ذریعہ دولت سے

نوازا جائیں اُن میں شامل ہیں۔ دوسرا راستہ قربِ ولایت کا ہے جس کے ذریعے اقطاب، اوتاد، ابدال، بنجاب و عام اولیاء واصل

باللہ ہوتے ہیں۔ "راہِ سلوک" اسی کو کہتے ہیں۔ اس راستے کے واصلین کے پیشوا اور اُن کے فیض کا منبع حضرت علی المرتضیٰ ہیں

اور حضرت سیدہ فاطمہ و حضراتِ حسین رضی اللہ عنہم اس معیت میں اُن کے ساتھ شامل ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت

سرکارِ علیؑ قبل از ظہور وجودِ عنصری بھی اس مقام پر فائز تھے اور اس راہ کے واصلین آپؑ ہی کی روحانیت کے توسط و واسطے سے

منزلِ مقصود تک پہنچتے رہے۔ آپؑ کے بعد یہ منصب عالی علی الترتیب حسین کریمین کو تفویض ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے ائمہ

اہل بیت کرام اس مقام پر فائز ہوئے۔ ان سے ماسوا جن کو بھی مذکورہ مقامات عطا ہوئے ان ہی حضرات علیہم السلام کے واسطے سے

ہوئے۔ حتیٰ کہ حضرت غوث الاعظم کا دور آنے پر یہ منصب عظیم یعنی قطبیتِ کبریٰ آپؑ کی ذات سے منحصر کر دیا گیا۔ اب جس

کسی کو بھی اس راستے سے فیض و برکات حاصل ہوتی ہیں، ان جناب کے توسط سے ہی ہوتی ہیں۔

اس کے بعد حضرت مجددِ الف ثانی نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ مجھے بھی حضرت غوثِ اعظم کی نیابت کے طور پر

یہ مقام حاصل ہوا ہے۔

علامہ آکوسی بغدادی نے تفسیر روح المعانی میں آیہ تطہیر کی تشریح کے ضمن میں لکھا ہے کہ اسی تطہیر الہی کا نتیجہ ہے

کہ اخلاق، اعمال اور فرائض کے لحاظ سے اہل بیت کرام ہر دور میں دوسروں سے پیش نظر آتے ہیں۔ اُس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ان کے اعمال مقبول ہیں اور ان پر آثارِ جمیلہ کا مترتب ہونا یقینی امر ہے۔ یہ ان کی ایسی خصوصیت ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ اسی لیے ارباب کشف نے تصریح فرمائی ہے کہ ہر دور میں قطب اسی خاندان سے ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی لمعات "المعالم الوضیہ" وغیرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مقامِ جذب و ولایت کے فاتح اول سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور سیدۃ النساء حضرت حنین کریمین اس مقام میں آپ کے ساتھ شامل ہیں بقیۃ ائمہ اہل بیت بھی اسی نسبت کے اقاب ہیں اور سیدنا غوث الاعظم کی اس مقام میں ایک خصوصی شان ہے۔

علامہ اقبال نے جناب سیدۃ النساء کی شان میں کیا خوب کہا ہے :-

مریم ازیک نسبتِ صلیٰ عزیز بائہ نسبتِ حضرت زہرا عزیز
نورِ چشمِ رحمۃ اللعالمین آلِ امامِ اولین و آخرین
بانوئے آں تاجدارِ ہل آتی مرخصے، مشکل کشا، شیرِ خدا

مادرِ آں فلفلہ سالارِ عشق
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق

حدیثِ ختمِ غدیر

متذکرہ بالا اقوال کی تائید حدیثِ ختمِ غدیر میں کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِيَ مَوْلَاہُ۔ اَللّٰهُمَّ وَاِلَی مَن
وَالَاہُ وَعَادِی مَن عَادَاہُ۔ (جس کا میں محبوب ہوں، یہ علی بھی اُس کا محبوب ہے۔ انہی جو اُس کے ساتھ محبت رکھتے
تو بھی اُس کے ساتھ محبت رکھ اور جو اُس کے ساتھ عداوت رکھتے، تو بھی اُس کے ساتھ عداوت رکھ) اور حدیثِ شریفہ
اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔ (میں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہے) سے ہوتی ہے۔ ان احادیث
میں آنحضرت نے حضرت علیؑ کو کائنات کا مولا اور اپنے علومِ مقدسہ کے شہر کا دروازہ قرار دیا ہے۔ علامہ سناوی شرح
جامع صغیر میں لفظ مولا کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولا اُسے کہتے ہیں جو لازمِ ولایت اور اُس پر ہمیشہ قائم رہنے
والا ہو۔ دیگر احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ نسائی "اور مسند احمد" میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ
سے ہوں اور میرے بعد وہ ہر مومن کا ولی ہے۔ تمام سلاسلِ صوفیائے کرام اور متخصیص علمائے عظام کا اتفاق ہے کہ یہاں
ولایت سے مراد ولایتِ باطنیہ ہے جس کا بلا فصل یعنی مسلسل ہونا لازمی امر ہے۔ بعض حضرات ان احادیث کو ضعیف شمار
کرتے ہیں، مگر وہ غلطی پر ہیں، کیونکہ ثقہ محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ اسی طرح وہ صاحبان بھی غلطی پر ہیں جو ان کو خلافتِ ظاہرہ
کے تسلسل اور بلا فصل ہونے کی دلیل تصور کرتے ہیں۔ اس مسئلے کی تفصیل ازالۃ الغمائم مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
اور رسالہ فخر الحسن مصنفہ حضرت مولانا فخر الدین چشتی نظامی کی شرح القول المستحسن میں موجود ہے۔ یہ شرح مولانا حسن الزمان
محدث حیدرآبادی خلیفہ حضرت خواجہ محمد علی چشتی سلیمانی خیرآبادی نے تحریر کی ہے۔ اور اس میں سلسلہ چشتیہ کے سرگروہ
حضرت خواجہ حسن بصری کے حضرت سیدنا علیؑ سے براہِ راست نسبت و استفاضہ کو قوی دلیل سے ثابت کیا گیا ہے جس سے
خلافتِ باطنیہ جناب رسول کریم کے بعد حضرت علیؑ اور ان کے بعد ان کے توطے دیگر حضرات تک اکثر سلاسل میں ثابت ہے

اس رسالہ کے اقباسات حاشیہ "نبراس" بحث خلافت میں بھی موجود ہیں۔

مقام ولایت کے مرکزِ اعلیٰ علیؑ

مذکورہ بالا حوالہ جات سے واضح ہے کہ جس طرح مقام نبوت کے مرکزِ اعلیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اسی طرح مقام ولایت کے مرکزِ اعلیٰ سیدنا علیؑ ہیں۔ آیہ کریمہ :-

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور علم سے دوں پھر تمہارے پاس پیغمبر آئے، جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو، جو تمہارے پاس ہے تو اُس پر ایمان لے آنا اور اُس کی مدد کرنا۔

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ تَوْجَّاءَ كُرْسِيِّ رَسُولٍ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَوْ تَوَمَّنْتُمْ بِهِ وَلَئِنَّكُمْ لَفِي غَمٍّ (آل عمران - ۸۱)

اور حدیث شریف :-

میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ ابھی رُوح اور جسم کے درمیان تھے۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَأَدْمُ مَرِيئِنِ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ -

کی تشریح میں امام سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں اور حضرت شیخ اکبرؒ نے فتوحات مکیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ حقیقتِ کلیہ اور تجلی اول میں قبولِ فیض کے لحاظ سے تمام حقائق سے قریب تر حقیقتِ محمدیہ ہے اور اس کے بعد سیدنا علیؑ کی حقیقت ہے۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکرؓ سے مرفوعاً روایت فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں رُوح پھونکی، تو انہیں عرشِ معلیٰ کی دائیں جانب پانچ انوار رکوع و سجود میں مصروف نظر آئے۔ آپ کے استفسار پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد کے پانچ افراد ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے، تو میں جنت، دوزخ، عرش، کرسی، آسمان، زمین، فرشتے، انسان، جن وغیرہ کو پیدا نہ کرتا۔ جب تمہیں کوئی حاجت پیش آئے، تو ان کے وسیلے سے سوال کرنا۔ (ارجح المطالب جلد ۴، صفحہ ۴۶۱)

اس حدیث کو امام ابوالقاسم رافعیؒ وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔ صاحب ارجح المطالب نے امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے فرزند عبداللہؒ اور علامہ ابن عساکر اور محبت طبری وغیرہ علمائے کرام کی کتب کے حوالے سے اس مضمون کی اور بھی کئی احادیث کو نقل کیا ہے، جن میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میں "اور علیؑ" ایک ہی نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی اپنی تفسیر عزیزی میں ان کلمات کی تفسیر لکھتے ہوئے، جن کے توکل سے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔ مذکورہ بالا احادیث کے ہم معنی روایات نقل فرماتی ہیں۔ لیکن یہ خیال ہے کہ جیسے "شرح العقائد" نبراس میں تحریر ہے حضرت علیؑ کے یہ فضائل مسئلہ فضیلتِ شیخین کے منافی نہیں ہیں۔ ان سے حضرات شیخین کی فضیلت میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔

نسبتِ اویسیؑ

مُدرجہ بالا حقائق سے حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرہ العزیز کے سابقہ طفولہ گرامی کی تصدیق ہوتی ہے اور اویسی قلندروں سے اہل بیتؑ کی شان دریافت کرنے کے متعلق جو آپؑ نے فرمایا ہے، اُس میں الفاظ "اویسی قلندروں" میں اپنے متعلق بھی اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ اصطلاح صوفیہ میں اویسی اُن حضرات کو کہتے ہیں، جو باطنی طور پر اُن حضرات یا دیگر ارواحِ کاملین سے براہِ راست تربیت پائیں۔ اور یہ امر ثابت شدہ ہے کہ حضرت قبلہ عالم کو علاوہ اُس فیض کے جو ظاہری طور پر شلخِ طریقت کی توجہات عالیہ سے حاصل ہوا، براہِ راست امام الاولیاء سرکارِ علیؑ اور سیدنا غوث الاعظمؑ کی توجہات گرامی سے بھی کمالاتِ خصوصی عطا ہوئے، جن کا اظہار آپؑ نے متعدد مقامات پر فرمایا ہے۔ اسی ضمن میں ایک فارسی غزل میں آپؑ کا یہ شعر قابلِ ملاحظہ ہے۔

تایافتہ ام خبر سے از بابِ علومِ دل ولدادہ بہم سر آں شہِ حیدرِ کرام

مہر ہے ساری علیؑ دی

ایک اور پنجابی نعت میں ارشاد فرمایا ہے :-

مہر ہے ساری علیؑ دی، شک نہ رہا اک ذرہ

تاہیں ادہ پتیاں دِ سداں سائوں ماہی والیاں ٹاہلیاں

دوسرے مصرعے کی تشریح آپؑ نے ایک مقام پر نفسُ الرحمنؑ اور حضراتِ الاسماءؑ کے ساتھ فرمائی ہے۔ اسی نعت

میں حضرت سیدنا غوث الاعظمؑ کے فیوض و برکات کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے۔

ہے جو تنزیہ میں تشبیہ جمع حق مشہود ہے

کرم کیستا غوثِ اعظمؑ اپنے سردیاں والیاں

فی الحقیقت تربیت اور استفاضہ کے معاملے میں حضرت قبلہ عالم کی ذات گرامی میں تمام تر وہی نقشہ نظر آتا ہے جو آپؑ

کے جدِ امجد، سرکارِ بغدادؑ کے متعلق کتبِ سیر میں مرقوم ہے۔ حضرت غوثِ الاعظمؑ نے بھی اپنے ارشاد :-

وَجَدْتَنِي رَسُولُ اللَّهِ فِي الْأَصْلِ رَبِّي

کے مطابق باوجود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست مستفیض ہونے کے حسبِ قاعدہ طریقت، اپنے وقت

کے متعدد اہل باطن حضرات سے فرقہٴ خلافت حاصل فرمایا تھا۔ لہذا حضرت قبلہ عالم کا بمصدق الْوَلَدُ سِرًّا لِأَبِيهِ اپنے

جدِ بزرگوار کے نقش قدم پر ہونا ثابت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ ہمدانیؒ میں لفظ "نسبتِ اویسیہ" فرماتے ہیں :-

مزید برآں بلبِ مصطفویہ میں بالعموم اور اس زمانے میں بالخصوص ان دو بزرگان یعنی سیدنا علیؑ و سیدنا

عبد القادر جیلانیؒ سے بڑھ کر اور کوئی بزرگ فرقہ عادات و کرامات کے ضمن میں مشہور نہیں ہے اور یہ امر اس بات

کا تقضی ہے کہ سابق جب عالمِ غیب کی طرف توجہ کرے تو اُسے ان ہر دو بزرگان میں سے کسی نہ کسی صورت

میں متشکل دیکھے۔

تیسری فصل

آپ کے کرامتیں

مولائے کائنات جناب علیؑ

اس خاندانِ ذی شان کے اسلافِ کرامت نے ہر دور میں باطل کے خلاف نبردِ آزارہ کر اسلام کی سرِ بھندی کے لیے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ سب سے پہلے سیدنا علیؑ مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمات کا تاریخی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب تقریباً تمام غزوات میں شریک رہ کر ایسے کارنامے نمایاں انجام دیئے جو تاریخِ اسلام میں ہمیشہ ہمیشہ سنہری حروف میں لکھے جاتے رہیں گے۔ صرف غزوہ تبوک میں آنحضرتؐ نے آپؑ کو مدینہ میں اپنا نائب بنا کر چھوڑا تو آپؑ مغموم ہوئے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اَمَا تَرْضَىٰ اَنْ تَكُوْنَ مِثْنِي بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوسَىٰ (کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں میرے ساتھ وہ نسبت ہو جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰ کے ساتھ تھی؟)

جنگِ بدر میں کفار کے ستر مقتولین میں سے اکیس (۲۱)، صرف آپؑ کی تلوار کا شکار ہوئے۔ اُس وقت آپؑ کی عمر شریف صرف ستر برس کی تھی۔ جنگِ احد کے بائیس (۲۳) مقتولوں میں سے سات (۷) آپؑ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ جنگِ احزاب میں، جب عمرو ابن عبدود، جو عرب میں ایک ہزار پہلوانوں کا مقابل سمجھا جاتا تھا، آپؑ کے ہاتھ سے کیفر کردار کو پہنچا تو آنحضرتؐ نے فرمایا: علیؑ کی یہ ضرب اُس کے تمام دوسرے اعمال پر سبقت لے گئی ہے۔ اُس زمانے کے دستور کے خلاف آپؑ مقتول کے اسلحہ و پارچات پر تصرف نہیں فرماتے تھے۔ اس پر عمرو کی بہن نے ایک مرتبہ میں کہا کہ بھائی! میں تیری لاش پر ابر بہار کی طرح روتی، مگر یہ دیکھ کر میرے آنسو خشک ہو گئے کہ تو ایک مردِ شجاع کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔

میدانِ جنگ میں جو شخص بھی اس شیرِ خدا کے مقابل ہوا، قتل ہوا۔ کسی فارسی شاعر نے کہا ہے

ز شد فضیلتی بروز کار زارش زبیر ایل و ضرب ذوالفقارش

صرف دو مقابل بچ نکلے تھے۔ ایک اپنی پشت برہنہ کر کے بھاگا تھا اور آپؑ نے ٹسکا کر منہ پھیر لیا اور دوسرے نے آپؑ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا، جس سے آپؑ نے تلوار نیام میں کر لی کہ مبادا عمل فی بسبیل اللہ میں اس ذاتی رنج و غصہ کی وجہ سے عمل آجائے۔ جہادِ بالسیف کے علاوہ اشاعتِ علومِ نبویہ، تبلیغِ دین اور ہدایتِ خلق کے معاملہ میں مساعی کا جو ظہور آں جنابؑ کی ذاتِ گرامی سے ہوا، اُس پر خود صحابہ کرامؓ، ائمہ تابعینؒ اور تمام سلاسل کے اولیائے عظام کے اقوال شاہد ہیں۔ مسندِ امام احمدؒ میں ہے کہ حضرت عمرؓ با ایں جلالتِ شان فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ایسی مشکل سے پناہ دیں، جس کے حل کے لیے

ابوالحسن یعنی حضرت علیؑ نہ ہوں۔“

حسینؑ کریمین

مولائے مشکل کُشا کے بعد آپ کے دونوں فرزند ان ارجمند حسینؑ کریمین کی دینی خدمات اور اشاعتِ طریقیہ نبویہ پر تمام اُمت کا اتفاق ہے۔ سیدنا امام حسنؑ کا ظاہری خلافت سے دستبردار ہو کر، حسبِ پیشگوئی آلِ حضرت، اُمتِ مُسلّمہ کو خانہ جنگی سے بچالینا ایک عظیم کارنامہ ہے اور جنابِ امام حسینؑ کا یزید شقی کے خلاف آوازِ حق بلند کر کے حدودِ شریعیہ کے تحفظ کے لیے سب کچھ قربان کر دینا اپنی مثال آپ ہے۔

غریبِ سادہ و رنگیں ہے استمانِ حرم نہایت اس کی حسینؑ، ابتدا ہے اسمعیلؑ (اقبال)

حسینؑ کریمین کی اولادِ امجاد

حسینؑ کریمین کی اولادِ گرامی بھی اشاعتِ حق اور ازالہِ باطل میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتی رہی۔ سیدنا امام حسینؑ کے پوتے جنابِ یزید شہیدؑ نے بھی مروانیوں کی غیر شرعی حکومت کے خلاف جہاد کرتے ہوئے میدانِ کربلا کا نقشہ از سرِ نو پیش کیا۔ حضرتِ امام حسنؑ کے فرزند جنابِ حسنؑ مثنیٰ جو میدانِ کربلا میں زخمی ہوئے تھے اور جنہیں اسما بنتِ حکیم سندازبی نے سفارش کر کے ابنِ زیاد ملعون سے چھڑایا تھا، کے پوتے سید محمد نفسُ الزکیّہ، سید ابراہیمؑ اور سید یحییٰ زاہدؑ نے منصور عباسی وغیرہ کے دورِ حکومت میں آوازِ حق بلند کی اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ علوئی شان کی یاد تازہ ہو گئی۔

علیؑ کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ جس گھر کا ہر اک بچہ جہاں پیدا ہوا شیر خد معلوم ہوتا ہے

یہ سلسلہ امر ہے کہ عالمِ اسلام کی دینی، دنیوی، اخلاقی، معاشرتی، ذہنی اور روحانی استدار اپنے قیام و بقا میں اسی گھرانے کی مرہونِ منت ہیں۔ اہل سنت و الجماعت کے چاروں فقہی ائمہ، اہل بیتِ کرام کے شاگرد اور خوشہ چین ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ حضرتِ امام جعفر صادقؑ کے اور امام شافعیؒ امام موسیٰ کاظمؑ کے تربیت یافتہ ہیں۔ اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ نے امام شافعیؒ کا شاگرد ہو کر بالواسطہ اسی خاندانِ پاک کا شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ حدیث، فقہ، تفسیر، سیرت، تعبیر، ہندسہ، بلاغت و طب وغیرہ علوم کے اکابر علماء اسی گھرانے کے ارادت مند اور فیض یافتہ تھے جیسا کہ معتزلہ بھی پنج البلاغہ کے ثبوت پر اصحابِ علیؑ ہونے کے دعوے دار تھے۔ الغرض رُوحانیت کے سارے سلسلے اور طریقے اسی دریا کی نہریں ہیں۔ نقشبندیہ سلسلہ حضرتِ امام جعفر صادقؑ کے واسطے سے اُن کے جدِ مادری حضرتِ صدیقِ اکبرؑ سے مُسلک ہے اور دیگر سلاسلِ قادریہ، چشتیہ، شروزیہ، اویسیہ، رفاعیہ، مولویہ، شاذلیہ، شطاریہ اور بندگیہ وغیرہ سب کے سب براہِ راست امیر المؤمنین سیدنا علیؑ ابنِ ابی طالب سے متعلق ہیں۔

غوثُ الثقلین رض

حضرتِ علیؑ کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے جنابِ غوثِ پاک، پیرانِ پیر، دستگیر، سیدنا محی الدین ابی محمد عبد العتاد

جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی دن کے سلسلے میں وہ بطل جلیل اور رہبر عظیم ہیں، جن کے دستِ برکت نے دینِ اسلام کو ایک مثالی شکل میں مریض پاکر حیات نو بخشی اور چار دانگ عالم میں محی الدین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ طہار، محمد بن اور اکابرِ سلف کی ایک کثیر تعداد نے آپ کے فضائل اور مناقب میں ضخیم کتب تحریر کی ہیں۔ ان میں سے مسندِ درجہ ذیل یہاں عربی زبان میں دستیاب ہو سکتی ہیں اور بعض کے اردو اور فارسی ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں:-

۱۔ نور الناظر فی اخبار شیخ عبد القادر، از علامہ ابو بکر عبد اللہ تمیمی عراقی

۲۔ بیجۃ الاسرار، از علامہ نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف شطنونی

۳۔ راس المفاخر فی مناقب ایضاً عبد العتاد، از امام عبد اللہ ابن السعد الیافعی الشافعی

۴۔ دُرُ البواہر فی مناقب ایضاً عبد القادر، از علامہ سراج الدین ابو حفص عمر ابن علی

۵۔ روضۃ الناظر فی مناقب ایضاً عبد العتاد، از علامہ مجد الدین فیروز آبادی مصنف قاموس اللغات

۶۔ الروض الزاہر فی مناقب ایضاً عبد العتاد، از علامہ ابوالعباس احمد قسطلانی

۷۔ نزہۃ المناظر الفاتر فی مناقب ایضاً عبد القادر، از علامہ علی بن سلطان محمد قاری محنفی صاحب مرقاہ شرح الشکوۃ

حضرت غوث الاعظم دُنیا کے تمام اولیاء اللہ کے سردار اور نبوت کے بعد ولایت کے اُس مقامِ اقصیٰ پر فائز ہیں، جہاں اور کسی کو رسائی نصیب نہیں ہوتی۔ آں جناب کی ولادت ۱۱۴۷ھ میں ہوئی۔ اکانوے برس کی عمر پائی اور ۵۶۲ھ میں وصال ہوا۔ ولادت کی تاریخ لفظ عاشق سے اور عمر شریف لفظ کمال سے نکلتی ہے۔ اسی طرح بن وصال کے الفاظ بحساب اسجد معشوق الہی ہیں۔ لہذا کیا خوب کہا ہے

سینش کابل "و عاشق تولد" و صاشس داں "و معشوق الہی"

پیدائش کے وقت عالمِ اسلام کی حالت

تاریخ کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ جناب غوث الاعظم کی پیدائش سے قبل دُنیا نے اسلام پر زوال و انحطاطِ عمومی کا دور شروع ہو چکا تھا۔ اگرچہ بظاہر اسلامی سلطنتوں کے اقدار کا سلسلہ اُندلس سے لے کر ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا مگر اندرونی طور پر حالات نہایت خراب و ناگفتہ بہ تھے۔ دُنیا نے اسلام کی مرکزی طاقت یعنی خلافت بغداد بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اور باقی ہر طرف طوائف الملوک کا دور دورہ تھا۔ سیاسی و معاشرتی لحاظ سے ہر جگہ انتشار تھا۔ علامہ شبلی نعمانی نے سید سلیمان ندوی نے اپنی تاریخی کتابوں اور علامہ ابن جوزی نے "المنظم" میں اُس وقت کے اسلامی ممالک کے جو حالات تحریر کیے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ بدکاری، فسق و فجور، سیاسی اُتبری اور اخلاقی انحطاط انتہا کو پہنچ چکے تھے۔

اُندلس میں امیر عبد الرحمن اموی کی قائم کردہ حکومت کی مرکزی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ یورپ کی عیسائی حکومتیں موقع کی تاک میں تھیں کہ مسلمانوں کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کریں۔

مصر میں سلطنتِ باطنیہ عبیدیہ جسے علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں دولتِ خبیثہ کے نام سے پکارا ہے احماد اور بے دینی کے نظریات پھیلا رہی تھی۔ اُس کے ارباب اختیار نے جس قدر اسلامی اقدار کو نقصان پہنچایا، اُس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد وہ لوگ عراق و حجاز پر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ گویا مسیحی دنیا کی متحدہ قوتِ اسلام کو مٹانے پر تلی ہوئی تھی۔

مشرقِ وسطیٰ میں دولتِ عباسیہ کا وجود برائے نام ہوتا جا رہا تھا اور سلجوقی و دیگر ماتحت سلاطین خانہ جنگیوں میں مبتلا تھے جس سلطان کی طاقت بڑھ جاتی، بغداد میں اسی کا خطبہ شروع ہو جاتا۔

افغانستان و ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں سلطان محمود غزنوی کے جانشینوں کا زوال شروع ہو چکا تھا اور ہندو راجے ہمارے اپنے سابقہ شکستوں اور ذلتوں کا انتقام لینے کے لیے صلاح مشورے کر رہے تھے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کی اخلاقی حالت بھی گر چکی تھی طبقہٴ اُمراء عیش و عشرت میں مبتلا تھا۔ مشرقِ وسطیٰ کے ایک اوسط درجے کے رئیس ابن مردان کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اُس کی حرم سرائے میں صرف گانے بجانے والی لونڈیوں کی تعداد پانچ صد کے قریب تھی اور بقول امام یافعی قرطبہ کے ایک امیر معتمد نامی کے ہاں ایسی آٹھ صد عورتیں تھیں ہسپانیہ کے نقاب پوش سلاطین کے دور میں اسلامی پردہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ مردوں نے نقاب پہننا شروع کر دیا تھا اور عورتیں کھلے منہ پھرتی تھیں۔ بدکاری و شراب نوشی عام تھی عوام کا تو ذکر ہی کیا، اُمراء، سلاطین اور علماء تک وجاہت پرستی اور دنیوی عیش کا شکار تھے۔

مذہبی اور روحانی صورت حال اس سے بھی بدتر تھی۔ قرامطہ اور باطنیہ نیز اہلِ رخص و اعتزال و علمائے سور کے فتنوں اور لاتعداد پید ہو جانے والے دیگر فرقوں نے اسلام کے مرکزی شہر بغداد تک میں اُدھم مچا رکھا تھا۔ ہر روز بے شمار مشائخ، علماء، اُمراء اور دیگر سرکردہ مسلمان فرقہ باطنیہ کی سازشوں اور خنجہ خون آشام کا شکار ہو رہے تھے۔ مشہور زمانہ سلجوقی وزیر نizam الملک طوسی اور اُس کے بعد ۳۸۵ھ میں سلجوق فرماں روا ملک شاہ بھی ان خدانام ترس قاتلین کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ یونانی فلسفہ الگ اسلامی عقائد و نظریات کی جڑیں کھوکھلی کر رہا تھا اور علمائے اسلام اس سے متاثر ہو کر دین سے بدتر بیچ ڈور ہوتے جا رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسٹر گبن و دیگر یورپین مؤرخوں نے اس زمانے کو دنیائے اسلام کا ایک تاریک دور شمار کیا ہے۔

امام غزالی "احیاء العلوم" میں اس زمانے کے علماء کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ہر وقت شیعہ، سُنی، جنسلی اور اشعری مناظرات میں مصروف رہتے تھے۔ گالی گلوچ اور کشت و خون تک نوبت پہنچا ایک معمولی بات تھی۔ اور کچھ نہ ہو تو صدر نشینی پر ہی جھگڑا کھڑا ہو جاتا تھا۔ معاشرے کا یہی وہ سیاسی اور روحانی ادب ارتقا تھا، جسے آنحضرتؐ نے مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ خطرناک قرار دیا تھا۔ صحاح "بیتہ میں با الفاظ مختلفہ یہ حدیث شریف تحریر ہے: "خدا کی قسم، غربت و افلاس کا تھما سے متعلق مجھے کوئی خوف نہیں، بلکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تم پر دنیا کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور پھر جیسے تم سے پہلی امتوں میں مقابلے کا بازار گرم ہوا، اُسی حالت میں تم بھی مبتلا ہو جاؤ گے۔ یعنی اس حالت میں اغیار نہیں بلکہ خود مسلمان ہی مسلمانوں کو ختم کرنے کے ذریعے ہو جائیں گے۔"

اسی روحانی ادب کے متعلق فیض الباری "تعلیقات بخاری" میں بھی علامہ انور شاہ کشمیری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: پانچویں صدی کے قریب میری امت پر آفت کی ایک چکی چلے گی۔ اگر اس سے یہ بچ نکلی تو پھر کچھ مدت کے لیے اسے استقامت حاصل ہو جائے گی۔

چنانچہ ان حالات میں ایک ایسی ہی روحانی قوت کی ضرورت تھی جو تمام طاغوتی طاقتوں کو مغلوب کر کے اپنے

عالم گیر اثر کے باعث بنی نوع انسان کو از سر نو دین اسلام پر قائم کرے اور دین کی تقویت و غلبہ کا موجب ہو۔ جس کی نظر میں تمام کائنات رانی کے ایک دانے کے برابر ہو جس کا علم علوم الہیہ کا اور جس کی طاقت قادر جمعی کی قدرت کا مظہر ہو جو سلطان الوقت اور بموجب تصریحات اکابرین دین متصرف علی الاطلاق ہو، جو نوع انسانی کو مادیت کی ذلتوں، نفس پرستیوں اور اخلاقی پستیوں سے نکال کر روحانی بلندیوں اور اخلاقی استواریوں سے روشناس کرائے۔ ان کمالات و تصرفات روحانی کا حامل امت مرحومہ کا یہی بطل جلیل اور مردِ عظیم تھا، جسے قیامت تک دنیا پیران پیر، غوث الاعظم اور محمدی الدین کے مبارک ناموں سے پکارتی رہے گی۔

بے شک کلید قسبل در مدعہ ہو تم
اولادِ حسن ص سبطِ رسولِ حسدِ ابو تم

یہ اسی مبارک و کریم النفس انسان کامل کی برکت تھی کہ نہ صرف دین اسلام سنبھل گیا اور مسلمانوں کے اندرونی و بیرونی حالات اصلاح پذیر ہونا شروع ہو گئے بلکہ ان میں اُس فتنہ عظیم سے نبرد آزما ہو کر ایمان سلامت لے نکلنے کی صلاحیت و حوصلہ بھی پیدا ہو گیا جو کہ آں جناب کے وصال کے تقریباً نصف صدی بعد تازی طوفان و غارت گرمی کی صورت میں قیامتِ صغریٰ بن کر نمودار ہوا اور دنیا سے اسلام پر ٹوٹا۔

حضرت غوث الاعظم نے اپنے ان خداداد کمالات کا بطورِ تحدیثِ نعمت قصیدہ غوثیہ میں ذکر فرمایا ہے حضرت شاہ ولی اللہ بھی ہمعات میں اس کے متعلق فرماتے ہیں :-

” اصل نسبت حضرت غوث الاعظم نسبتِ اولیہ است بامرِ جے از برکاتِ نسبتِ بکینہ بایں معنی کہ
ایں کس مراد و محبوب نقطہ کہ با ذار ذاتِ الہیہ است در شخصِ اکبر، در ضمنِ حُبِ نفوسِ فلکیہ ملازِ اعلیٰ و اروحِ کمل
گردد۔ و از راہِ ایں حُبِ سیلانِ کند بر دئے تجلی از تجلیاتِ الہیہ کہ جامع است میانِ ابداع و خلق و تدبیر و تدلی۔ و
ظاہر شود اُنسے و برکتے کہ انتہا ندارد۔ دریں صورتِ قصدِ ایں کمال و توجہِ بیاں کردہ باشد یا نہ۔ گویا امرے
منظم بغیر ارادہ و سے ظہور می کند۔ ازینجا است کہ حضرت غوث الاعظم نے تغافر و کلماتِ کبریائیہ منظم شدہ اند و
تسخیرِ عالم از ایشاں ظاہری شد۔“ (مجموعہ ۱۶)

ترجمہ :- حضرت غوث الاعظم کی اصل نسبت نسبتِ اولیہ ہے جس میں نسبتِ بکینہ کی برکات بایں معنی شامل ہیں کہ یہ شخص ذاتِ الہیہ کی ذال کے نقطے کی طرح شخصِ اکبر میں اروحِ کابلہ و ملازِ اعلیٰ کے نفوسِ فلکیہ کی محبت میں محبوب و مراد بن جاتا ہے اور اس مقامِ محبوبیت کے ذریعے اُس کے ارادہ و توجہ کے بغیر تجلیاتِ الہی میں سے وہ تجلی جو ابداع، خلق، تدبیر و تدلی کی جامع ہے، اُس پر ظہور کرتی ہے، جس کے باعث ایسے اُنس و برکات کا ظہور ہوتا ہے، جن کی انتہا نہیں۔ گویا انتظامی امور کائنات خود بخود ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اسی وجہ سے حضرت غوث الاعظم نے کلماتِ فخریہ فرمائے ہیں اور ان سے تسخیرِ عالم کا ظہور ہوا ہے۔“

اس کی تائید بخاری شریف کی حدیثِ قدسی سے ہوتی ہے جو مشکوٰۃ شریف باب ذکر اللہ و التقرب الیہ میں مذکور ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے بلاشبہ میں اُس سے لڑائی کا اعلان کرتا ہوں۔ اور میرے تقرب کے لیے فرائض سے بڑھ کر کوئی چیز بندہ کے لیے نہیں۔ اور ہمیشہ میرا بندہ فرائض کے علاوہ

نوافل عبادات سے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرتا ہوں۔ اور جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اُس کی سمع ہو جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے۔ اور میں اُس کی بصر ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور میں اُس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اُس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو ضرور دیتا ہوں، اگر میری پناہ چاہے تو ضرور اُسے پناہ دیتا ہوں۔“

غوث الاعظم کی تشریف آوری بغداد

حضرت غوث الاعظم ۴۸۹ھ میں بغداد تشریف لائے اور آپ کے ورود بغداد کے ساتھ ہی روحانیت کا کچھ ایسا معنوی دور چلا کہ عراق میں بڑے بڑے وجاہت پسند علماء اور اُمراء میں روحانی انقلاب نمودار ہونا شروع ہو گیا۔ لوگ دین کی طرف زیادہ راغب ہو گئے۔ علماء جو وجاہت ذاتی کے لیے باہم دست و گریبان رہتے تھے، عبادات و ریاضات میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوششوں میں لگ گئے۔ امام غزالی جن کا ظاہری طور پر تو حضرت غوث الاعظم سے استفادہ ثابت نہیں، آپ کی تشریف آوری بغداد سے کچھ عرصہ پہلے صدارت نظامیہ پر متمکن تھے اور علمی شان و شوکت کے ساتھ قیمتی چُغھے اور جمائیں زیب تن کر کے نظامیہ بغداد کی صدارت پر جلوہ گر ہو کر تھے۔ حضرت غوث الاعظم کی محض تشریف آوری کے روحانی اثر سے ظاہری وجاہت ترک کر کے طریقت و سلوک کی طرف متوجہ ہو گئے اور بقیہ عمر وجہ دہریت کے خلاف جہاد میں بسر کی۔

شیعہ، سُنی اور صلیبی، اشعری تنازعات ختم ہو گئے۔ سلجوقیوں کی خانہ جنگی بھی، جس میں مسلمانوں کا بے شمار اتلاف جان ہو رہا تھا، بتدریج بند ہو گئی۔

حضرت غوث الاعظم کے مسند ارشاد پر تشریف فرما ہوتے ہی آپ کے خلفاء و شاگرد مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ اور آپ کی تعلیم کے مطابق تبلیغ و احیائے دین کے مبارک مشن کو اس خوش اسلوبی سے سرانجام دیا کہ ہر ملک میں عوام و خواص اللہ کے رنگ میں رنگے جانے لگے اور آپ کی ذات گرامی کا پیران پیر اور غوث الاعظم کے القاب گرامی سے چار دانگ عالم میں شہرہ ہو گیا۔

آپ کے روحانی تصرفات

آپ کے مبارک دور میں عراق و عرب کی مُتذکرہ بالا اصلاحی صورت میں آپ کے ساتھ آپ کے خلیفہ حضرت عبد القادر اور اُن کے بعد اُن کے بھتیجے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سُہروردی اور اُن کے خلیفہ حضرت شیخ سعدی شیرازی کی مساعی جمیلہ کو بھی دخل تھا۔

اندلس میں حضرت عماد بن یاسر اندلسی جو حضرت عبد القادر متذکرہ صدر کے خلیفہ تھے اور حضرت ابو الدین مغربی و حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے ارشاد و تبلیغ اور کشف و کرامات کے باعث موحّدین کی سلطنت معرض وجود میں آئی، جس کی وجہ سے اُس نواح میں آئندہ کئی صدیوں کے لیے اسلام کو استحکام نصیب ہو گیا۔ حضرت عماد بن یاسر کے خلیفہ حضرت نجم الدین کبریٰ تھے، جن کے سلسلہ ارادت سے حضرت شمس الدین تبریزی، شیخ بہاؤ الدین (والد حضرت مولیناروم) اور مولینا فخر الدین رازی جیسے سرآمد روزگار ظاہر ہوئے۔

(حضرت قبلہ عالم گولرودی قدس سرہ العزیز کے سلسلہ ہائے طریقت میں سے ایک قادری سلسلہ تو حضرت شیخ عبد القادر کے

واسطے اور دوسرا قادریہ جدیہ سلسلہ آپس کے جدا جدا حضرت میراں شاہ قادر قیص و جناب غوث پاک کے منجھلے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالرزاق کے واسطے سے جو حضرت قبلہ عالم کے جدا اعلیٰ بھی ہیں، حضرت غوث الاعظم سے جاتا ہے۔ گویا حضرت قبلہ عالم جسمانی و روحانی ہر دو طور پر حضرت سرکار بغداد کی اولاد ہیں (

مصر کی حکومتِ باطنیہ بھی آپس ہی کے وقت میں زوال پذیر ہو کر بالآخر ۱۵۶۱ء میں، یعنی آپس کے وصال کے بعد پانچ سال کے اندر اندر صفحہ ہستی سے حرفِ فطرت کی طرح مٹ گئی اور اُس کی جگہ سلطان نور الدین زنگی اور پھر سلطان صلاح الدین ایوبی بساطِ حکومت پر نمودار ہوئے، جنہوں نے مرکزی خلافت سے تعلق جوڑ کر اپنی سلطنتوں کو وحدتِ اسلامی میں منسلک کرتے ہوئے عباسی خلیفہ کا نام خطبے میں پڑھوانا شروع کیا اور پھر اپنے اپنے وقت میں یورپ کی متحدہ صلیبی طاقت کو کئی لڑائیوں میں کمر توڑ شکستیں دے کر بیت المقدس کو آزاد کرایا۔ امام یافعی اور ابن اثیر نے اپنی کتب تاریخ میں ان دیندار حکمرانوں کی تعریف میں نہایت شرح و بسط سے تحریر کیا ہے۔

ان ہی ایام میں غزنویوں کی تباہ شدہ سلطنت کی جگہ غوری خاندان نے ہندوستان میں ایک نئی اور وسیع تر اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی جس میں حضرت غوث الاعظم کے قریبی عزیز و فیض یافتہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیری کا بھی ہاتھ تھا۔ بعد میں آپس کے خلفاء و شاگردوں اور مشائخِ چشت اہل بہشت اور مشائخِ شہروردیہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا، شاہ صدر الدین عارف، ابوالفتح شاہ رکن عالم طمانی، سید جلال الدین بخاری اوجی، مخدوم ہبسانیاں جہاں گشت اوجی و جناب لعل شہباز قلندر سندھی وغیرہ بزرگان نے اس برصغیر میں دور و نزدیک اپنی ان تھک مساعی سے لوگوں کو دولتِ اسلام سے سرفراز فرمایا۔

گویا حضرت غوث الاعظم اور آپس کے بلا واسطہ و بالواسطہ فیض یافتگان کی کوششوں سے نہ صرف دینِ اسلام میں نئی زندگی نمودار ہوئی بلکہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اُس کی روحانی قوتِ دفاع اس حد تک بیدار و استوار ہو گئی کہ جب ساتویں صدی کے آغاز میں یعنی ۶۱۵ء میں تاتاریوں کی قیامت خیز طغمار سے نصف صدی یعنی ۶۵۶ء تک اسلامی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بچ گئی تو ظاہری حالات کے تقاضوں اور عام توقعات کے برعکس، اسلام کا چراغ گل ہونے کی بجائے نہ صرف روشن رہا، بلکہ صرف پچیس سال کے اندر اندر یعنی ۶۸۰ء تک خود ان غارت گروں کو اپنا حلقہ بگوش بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ سچ ہے ۷

چراغِ را کہ ایزد برفِ روزد کے کوٹفِ زندریشش بسوزد

اور یہ معرکہ کسی شاہی لشکر یا دنیوی طاقت سے سر نہیں ہوا، بلکہ اسی سلطان الوجود، قلب الوقت، خلیفۃ اللہ فی الارض و ارض کتاب و نائب رسول، المتصرف فی الوجود علی التعمیق، منظر اسمائے الہی، غوث الاعظم و بقیہ کے روحانی تصرف کا اعجاز تھا کہ دشمنانِ اسلام نے اسلام قبول کر کے اس کی وہ خدمات انجام دیں کہ باید و شاید۔

تاتاریوں کا قبولِ اسلام

تاتاریوں کے قبولِ اسلام کا واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ تاتاریوں کے غلبے کے بعد سلسلہ عالیہ قادریہ کے ایک خراسانی بزرگ اشارہ فیسی کے تحت بلاکو خان کے بیٹے تگودار خان کے پاس پہنچے۔

وہ شکار سے واپس آ رہا تھا اور اپنے محل کے دروازے پر اس درویش کو دیکھ کر بانڈاز تمسخر و تحارت کہنے لگا کہ "اے درویش! تمہاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی دم؟" آپ نے جو ابنا فرمایا کہ "میں بھی اپنے مالک کا کتا ہوں۔ اگر میں اپنی جاں نثاری و وفاداری سے اُسے خوش کر پاؤں تو میری داڑھی کے بال اچھے ہیں، ورنہ آپ کے کتے کی دم اچھی ہے جو آپ کی فرمان برداری کرتا ہے اور آپ کے لیے شکار کی خدمت انجام دیتا ہے۔" تگودارخان پر اس انداز گفتگو کا بہت اثر ہوا اور اُس نے آپ کو اپنا مہمان رکھ کر آپ کی تعلیم و تبلیغ کے زیر اثر درپردہ اسلام قبول کر لیا، مگر اُسے اس خیال سے ظاہر نہ کیا کہ ناسازگار بی حالات کے پیش نظر کہیں اپنی قوم کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے بعد ازاں اُن کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ کچھ عرصہ بعد تشریف لائے گا تاکہ میں اس دوران اپنی قوم کو ذہنی طور پر یہ نیا مذہب قبول کرنے کے لیے تیار کر سکوں۔ وہ درویش واپس وطن تشریف لے گئے، مگر چونکہ وقت پورا ہو گیا تھا اس لیے بعض اہل داعی اہل کو لبیک کہہ گئے۔ بمصدق ہرچہ پدرتوانست، پسرتم گند "کچھ عرصے بعد اُن کے صاحب زادے باپ کی جگہ حسب وصیت تگودارخان کے پاس پہنچے تو اُس نے کہا کہ باقی سرداران قوم تو قریباً مائل ہو گئے ہیں، مگر ایک سردار جس کے پیچھے کافی جمعیت ہے، آمادہ نہیں ہو رہا ہے۔ حضرت نے تگودارخان کے مشورے سے اُسے بلوایا اور تبلیغ فرمائی، مگر اُس نے کہا، میں ایک سپاہی ہوں، جس کی ساری عمر جنگ میں گزری ہے۔ میں صرف طاقت میں ایمان رکھتا ہوں، اگر آپ میرے پہلوان کو کشتی میں پھاڑیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ یہ بات سُن کر آپ نے تگودارخان کے منع کرنے کے باوجود اُس سردار کا چیلنج منظور کر لیا اور مقابلے کے لیے تاریخ و وقت کا تعین کر کے اجتماع ناظرین کے خیال سے اعلان عام کر دیا۔ تگودارخان نے بہتیرا کہا کہ ایک تاتاری نوجوان پہلوان سے ایک سن رسیدہ و کمزور جسم درویش کا مقابلہ نا انصافی اور قتل عمد کے مترادف ہے، مگر مخالف سردار نے کہا کہ یہ مقابلہ ہو کر رہے گا۔ اذل تو اس لیے کہ اس درویش کے قتل سے اس قوم کے دوسرے دخل درمحتوات کرنے والوں کو عبرت ہوگی اور دُوم اس لیے کہ خانِ اعظم یعنی تگودارخان آئندہ اس قوم کے چلتے پھرتے لوگوں کی باتوں کو درخورِ اعتناء نہ سمجھا کریں گے۔

پاسا مل گتے کعبہ کو صنم خانے سے

چنانچہ مقررہ دن ہزار ہا مخلوق کی موجودگی میں مقابلہ ہوا۔ حضرت نے جانتے ہی ایک طمانچہ اس زور کا اُس تاتاری پہلوان کے منہ پر رسید کیا کہ اُس کی کھوپڑی ٹوٹ گئی اور لوگوں میں شور مچ گیا۔ سب لوگ حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے! انہیں کیا معلوم کہ یہ منہی قسم کا درویش کس کا پہلوان تھا؟

بری خاک میں ہے اگر شر تو خیال فقر و عنف سا نہ کر

کہ جہاں میں نابان شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدریٰ

چنانچہ اُس کا یہ اثر ہوا کہ نہ صرف اُس سردار نے حسب وعدہ میدان میں نکل کر آپ کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کیا، بلکہ اکثر حاضرین بھی اسلام لے آئے اور تگودارخان نے بھی اپنے اسلام کا اظہار کر کے اپنا نام احمد رکھا۔ تاریخ میں اُس کا یہی نام (۱۲۸۲ء تا ۱۲۸۳ء) تحریر ہے۔ اپنے دورِ اقدار میں اُس نے سلاطینِ مصر سے بھی تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی لیکن تاتاری جرنیلوں نے بالعموم اُس کے اسلام لانے کو پسند نہ کیا اور بغاوت کی احمد

باوجود مقابلہ کے کامیاب نہ ہو سکا اور شہید ہوا۔ مورخین نے اس واقعہ کو قدرت کی ایک عجیب ستم ظریفی قرار دیا ہے کہ باپ یعنی بلاکو خان تو اسلام اور عرب تہذیب کو تباہ کرے اور بیٹا، یعنی احمد (تگودار خان) اسی تہذیب اور اسلام کے تحفظ کے لیے اپنی جان قربان کر دے۔

اگرچہ اس واقعہ سے تاتاریوں میں اشاعتِ اسلام کی رفتار قدرے سُست پڑ گئی، مگر چونکہ دوسری طرف بلاکو خان کا ایک چچا زاد بھائی ”برک“ (۱۲۵۶ء تا ۱۲۶۶ء) بھی حضرت شیخ شمس الدین بانوری کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کر چکا تھا اور پھر احمد یعنی تگودار خان کے بھتیجے کے بیٹے غزن محمد (۱۲۹۵ء تا ۱۳۰۴ء) نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس لیے وسط ایشیا کی تاتاری حکومت، تاتاری اسلامی حکومت میں بدل گئی۔ اس غزن محمد کے خلاف بھی اُس کے جرنیلوں نے تبدیل مذہب کے باعث بغاوت کی، مگر وہ سب کو شکست دے کر غالب آنے میں کامیاب ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً تمام تاتاری قبائل اسلام لے آئے۔

ہر بنائے گنہ کا اباداں گنہند
اول آں بنیاد را ویراں گنہند

ایک وہ وقت تھا کہ تاتاری کفار کے ابتدائی حملے کے وقت سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ نے بقول مشہور یہ کہہ کر اپنا گھوڑا لوٹا لیا تھا کہ اُسے ملائکہ اور اولیاء اللہ کی ارواح چنگیزی لشکر کے سروں پر سایہ فگن یہ کہتی نظر آتی ہیں: **آيْتُهُمُ الْكُفْرَةَ أَقْتُلُوا الْفَجْرَةَ** (اے کافرو! ان فاجروں کو قتل کرو) جس کے نتیجے میں لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں کا خون بہا۔ اور ایک وقت یہ آیا کہ ایک تنہا درویش نے اپنی قوتِ یُد اللہی کا مظاہرہ کر کے لاتعداد تاتاریوں کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ گویا ہر دو صورتوں میں مشیتِ ایزدی، حسبِ تقاضائے وقت و احوال اسی تجسلی کی شانِ تدبیر کا فرما تھی۔ سچ ہے عہدِ ازماست کہ برماست۔ آیاتِ ذیل:-

بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا
جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا
مَا بِأَنْفُسِهِمْ (رعد: ۱۱)

اور تیرا رب ہرگز ایسا نہیں ہے جو بستیوں کو زبردستی
ہلاک کر دے اور وہاں کے لوگ نیک ہوں۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ
وَأَهْلِهَا مُصْبِحُونَ (ہود: ۱۱۷)

کیا ان لوگوں پر جو زمین کے وارث ہوئے ہیں،
وہاں کے لوگوں کے ہلاک ہونے کے بعد یہ ظاہر
نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں، تو انہیں ان کے گناہوں
کے سبب سے پکڑ لیں۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ
بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَهُمْ
بِذُنُوبِهِمْ۔

اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب
وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے اور اُس کی پکڑ سخت

وَكَذَٰلِكَ أَخَذَ رَبُّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ
وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذًا أَلِيمٌ

تکلیف دہ ہے۔

شَدِيدٌ (ہود: ۱۰۲)

اسی کو ثابت کرتی ہیں کہ جب کوئی قوم اپنی بد اعمالیوں کے باعث صراطِ مستقیم سے ہٹ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ہلاک کر کے اُس کی جگہ کوئی دوسری قوم دین کی خدمت کے لیے لاکھڑا کرتے ہیں۔

جب احيائے دین کے ظہورِ کامل کا وقت آتا ہے تو غلاموں سے سلاطین تک پاکیزہ زندگی کے نمونے بن جاتے ہیں۔ سلطانِ قطب الدین ایبک ارکانِ دین کی پابندی کے ساتھ ساتھ غریب پروری و مسکین نوازی کے سبب لکھ و آتما مشہور ہوتا ہے۔ سلطان شمس الدین التمش جنابِ قطب الدین بختیار کاکئی کے حسبِ وصیت اُن کی نمازِ جنازہ پڑھا کر عصر کی سنتوں اور تہجد کے نوافل کا ہمیشہ ادا کرنے والا اور جنسی پاکیزگی کا مرقع ثابت ہوتا ہے اور سلطان ناصر الدین محمود سرکاری خزانے کو سپک کی امانت سمجھتے ہوئے کتابتِ قرآن کو اپنا اور اپنے اہل خانہ کا ذریعہٴ معاش بناتا ہے۔ اُمراء و سلاطین تبلیغِ اسلام میں خواجہ بہاؤ الدین نقشبند، خواجہ غریب نواز، حضرت گنج شکر اور غوث بہاؤ الحق کے احکام کی خدام خانہ زاد کی طرح تعمیل کرتے ہیں اور ان خدمات کے صلے میں ہندو چین جیسے کفرستانوں کے تحت و تاج سات سات اور آٹھ آٹھ سو سال کے لیے اپنے خاندانوں کے لیے وقف کرا لیتے ہیں۔

غوث الاعظمؒ کے کوائفِ زندگی

صاحبِ بہجتہ الاسرار حضرت غوث الاعظمؒ کی ولادت باسعادت رمضان ۷۱۴ھ کی چاند رات بمقامِ قصبہ جیال علاقہ جیل ہونا تحریر کرتے ہیں جیل طبرستان سے کچھ آگے بحیرہٴ انخضر کے قریب کے علاقے کا نام ہے۔ آپ والد کی طرف سے حسنیٰ اور والدہ کی طرف سے حسینیٰ یعنی نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت سید ابوصالحؒ ولیٰ کامل تھے۔ اور جنگ و جہاد سے بہت اُنس رکھنے کی وجہ سے جنگی دوست "مشہور تھے۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے نانا بزرگوار سید عبد اللہ صومعی بھی جیلان کے مشہور مشائخ دروہا میں سے تھے۔

کہتے ہیں کہ عنفوانِ شباب میں سید ابوصالحؒ بہ سلسلہٴ ریاضات ایک دریا کے کنارے جا رہے تھے۔ اور کئی روز سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ دریا کے کنارے پر ایک سیب پڑا ہوا دیکھا تو بسم اللہ کہہ کر کھالیا۔ کھانے کے بعد خیال پیدا ہوا کہ یہ نہیں کس کا سیب تھا جو میں نے بلا اجازت کھالیا ہے۔ اس لیے پریشانی کے عالم میں دریا کے ساتھ ساتھ سیب کے مالک کی تلاش میں چل پڑے تاکہ اُس سے اجازت حاصل کریں چند فرلانگ کی مسافت کے بعد دریا کے کنارے سیبوں کا ایک باغ نظر آیا جس کے درختوں سے پکے ہوئے سیب پانی پر لٹکے ہوئے تھے۔ سید ابوصالحؒ سمجھ گئے کہ وہ سیب ان ہی درختوں کا تھا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ یہ باغ سید عبد اللہ صومعی کا ہے۔ لہذا اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر بصد اُوب بلا اجازت سیب کھالینے کے لیے معافی کے خواستگار ہوئے۔ سید عبد اللہؒ چونکہ خود خاصانِ خدایں سے تھے، سمجھ گئے کہ نیک و ہونہار نوجوان ہے۔ چنانچہ کچھ عرصے کے لیے باغ کی رکھوالی کی شرط پیش کر کے کہا کہ اتنا عرصہ یہ خدمت انجام دو۔ اس کے بعد معافی کے متعلق غور کیا جائے گا۔ آپ نے رضائے الہی کی خاطر یہ خدمت منظور کر کے نہایت دیانتداری سے وقتِ معین تک اسے انجام دیا اور پھر حاضر خدمت ہو کر معافی کے طلب گار ہوئے۔ سید عبد اللہؒ نے فرمایا، ایک شرط اور باقی ہے، وہ یہ کہ میری ایک لڑکی آنکھوں سے اندھی، کانوں سے بہری، ہاتھوں سے بُنجی اور پاؤں سے لنگڑی ہے۔ اُسے نکاح میں قبول کرو تو بلا اجازت سیب کھانے کی معافی دے دی جائے گی۔ حضرت ابوصالحؒ نے قبول کیا۔ اور بعد نکاح جب اپنی بیوی کو اُن تمام ظاہری عیوب سے مُبرا ہونے کے ساتھ ساتھ حُسنِ ظاہری سے بھی مُتصف پایا تو خیال گزرا کہ یہ کوئی اور لڑکی ہے اور غلطی کے خیال سے بحال پریشان گھر سے باہر نکل آئے۔ حضرت عبد اللہؒ نے فراستِ باطنی سے

پریشانی خاطر کا سبب معلوم کر کے کہا کہ اے بیٹے! یہی تمہاری بیوی ہے اور میں نے اس کی جو صفات تم سے بیان کی تھیں وہ سب صحیح تھیں۔ یہ اندھی ہے کہ آج تک کسی غیر محرم پر اس کی نظر نہیں پڑی۔ یہ بہری ہے کہ کبھی خلاف حق بات نہیں سنی۔ نیز کبھی خلاف شرع کام نہ کرنے اور گھر سے باہر قدم نہ رکھنے کی وجہ سے نجی اور لنگڑی بھی ہے۔ حضرت ابو صالحؓ بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ حضرت غوث الاعظمؒ ان دو پاکباز ہستیوں کی اولاد تھے۔ آپ کی پیدائش کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ اُم الخیر سیدہ فاطمہؓ کی عمر شریف ساٹھ سال بیان کی جاتی ہے۔ آپ کی مادر زاد ولی کامل تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے ولی ہونے کا علم اُس وقت سے ہو گیا تھا، جب کم سنی میں مکتب کو جاتے ہوئے اپنے آگے پیچھے فرشتوں کو دیکھتا تھا۔ جو میرے ساتھ چلتے، میری حفاظت کرتے اور مکتب پہنچنے پر لڑکوں کو کہتے کہ اللہ کے ولی کو بیٹھنے کے لیے جگہ دو۔

آپ کے والد و نانا بزرگوار کا انتقال آپ کی کم سنی میں ہی ہو گیا تھا، اس لیے آپ کی سرپرستی اور تعلیم و تربیت کا اہتمام سرسبز آپ کی والدہ ماجدہ کے ذمے رہا۔ ایام طفولیت میں کبھی بچوں کے ساتھ کھیلنے کے خیال سے باہر نکلتے تو آواز آتی "إِلَى يَا مُبَارَكُ! اے برکت والے! میری طرف آ" آپ سم کر والدہ محترمہ کی گود میں جا بیٹھتے اور کھیل کا خیال ترک کر دیتے۔

جو ان ہوئے تو ایک مرتبہ بیل لے کر ہل چلانے کے ارادے سے اپنی زمین کی طرف جا رہے تھے کہ بیل نے مڑ کر دیکھا اور بزبان انسان کہا "مَا لِهَذَا خُلِقْتَ وَلَا بِهَذَا أُمِرْتَ" یعنی اے عبد القادر! آپ کو اس لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے اور نہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ گھبرا کر واپس آگئے۔ مکان کی چھت پر چڑھے تو دیکھا کہ حاجیوں کا ایک قافلہ بیت اللہ شریف کو جا رہا ہے۔ اتر کر والدہ ماجدہ کی خدمت میں عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو تحصیل علوم اور زیارت بزرگان سے فیضیاب ہونے کے لیے بغداد چلا جاؤں۔ آپ کی عمر اُس وقت اٹھارہ سال کے قریب تھی اور والدہ ماجدہ کی اٹھتر سال۔ وہ باچشم پرچم اتنی دینار، جو جناب غوث الاعظمؒ کے والد بزرگوار نے ترکے میں چھوڑے تھے، نکال لائیں، چالیس دینار غوث الاعظمؒ کے پیرا میں سی دیئے اور چالیس اُن کے چھوٹے بھائی کے لیے رکھ لیے۔ پھر اُن سے ہمیشہ سچ بولنے کا عہد لے کر انہیں خدا کے سپرد کیا اور کہا کہ اب قیامت کے روز ملاقات ہوگی۔

اتناے راہ جب قافلہ ہمدان سے آگے نکلا تو ڈاکوؤں کے گروہ نے اُسے ٹوٹ لیا۔ ایک ڈاکو نے حضرت غوث الاعظمؒ سے پوچھا کہ لڑکے! تیرے پاس بھی کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں، چالیس دینار ہیں۔ ڈاکو کو یقین نہ آیا اور مذاق سمجھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے ڈاکو نے بھی آکر یہی سوال کیا اور وہی جواب سُن کر اپنے سردار سے سرسری طور پر اس کا ذکر کیا۔ سردار نے آپ کو بلوا کر پوچھا تو آپ نے اُسے بھی سچ بتا دیا اور پیرا میں چاک کرنے پر چالیس دینار برآمد ہو گئے۔ اس پر ڈاکوؤں کا سردار احمد بدوی سخت متعجب ہو کر بولا کہ لڑکے! تمہیں معلوم ہے، ہم رہزن ہیں جو مسافروں کا مال لوٹتے ہیں۔ پھر تم نے ہم پر ان دیناروں کا بھید کیوں ظاہر کر دیا۔ جسے تم نہایت آسانی سے خفیہ رکھ سکتے تھے۔ غوث الاعظمؒ نے فرمایا، میں نے وقت رخصت اپنی ضعیف والدہ سے سچ بولنے کا اہتمام کیا تھا، اس لیے چالیس دیناروں کی خاطر خلاف عہد کیوں کرتا۔ سردار پر رقت طاری ہو گئی اور وہ بہت رو دیا اور کہنے لگا۔ اے بچے! تجھے اپنی ماں کے ساتھ عہد کا اتنا پاس ہے اور حیف ہے

مجھ پر جو اتنے سالوں سے اپنے خالق کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پس پشت ڈالے ہوئے ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور آپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اُس کے رُفتار نے بھی اُس کی موافقت کی کہ راہزنی میں تو ہمارا سردار تھا تو توبہ میں بھی تو ہی ہمارا دستاورد رہ۔ اور تمام لوٹا ہوا مال قافلہ والوں کو واپس کر دیا۔ بہجتہ الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تائب گروہ کو واصلین باللہ میں سے کیا۔

بعد ازیں بیچ کر مشیت ایزدی کے تحت فقر و فاقہ، مجاہدات و ریاضات شاقہ اور تحصیلِ علم میں جس قدر مشقت آپ نے برداشت کی، اُس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ چالیس اشرفیاں تو چند روز میں ہم درس طلبہ و مساکین کی ضروریات پر خرچ ہو گئی تھیں۔ عرصہ دراز تک یہ حالت رہی کہ قوتِ لایوت کے لیے دجلہ کے کنارے نکل جاتے اور گری پڑی سبزی ترکاری اٹھا کر شکم پُرپی کرتے۔ ایک مرتبہ بیس روز تک کچھ نہ مل سکا تو کسریٰ کے محلات کے کھنڈروں کی طرف نکل گئے تاکہ کوئی مباح چیز مل سکے۔ وہاں دیکھا کہ ستر ادا لیا اللہ اسی طلب میں پھرتے تھے۔ اُن کے لیے رکاوٹ بننے کے خیال سے واپس آگئے تو ایک آشنا جو آپ ہی کی تلاش میں تھا، بلا اور سونے کا ایک ٹکڑا دیا کہ والدہ محترمہ نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور اُس سے ایوانِ کسریٰ کے کھنڈروں میں واپس جا کر اُن مردانِ خدا اور دیگر فقراء کی بھی خدمت کی اور شام تک سب کا سب راہِ خدا میں خرچ کر دیا۔

بعد ازاں کے قریب ایک ویرانے میں پُرانا بُرج تھا۔ اس بُرج میں آپ نے گیارہ برس تک شب و روز عبادت و ریاضت کی، جس کی وجہ سے اُس بُرج کا نام بُرجِ عمی پڑ گیا۔ آپ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ میں نے اپنے پروردگار سے عہد کیا کہ میں اُس وقت تک کچھ نہ کھاؤں پیوں گا جب تک کوئی دوسرا مجھے میرے مُنہ میں نُعمہ دے کر نہ کھلائے گا۔ متواتر چالیس روز بغیر کھائے پئے گزر گئے۔ چالیس دن کے بعد ایک شخص آیا اور کھانا میرے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ بھوک کی شدت کی وجہ سے میرے نفس نے چاہا کہ کھانا کھالے، لیکن میں نے اُس کی طرف مُطلق توجہ نہ کی اور نفس "الجوع! الجوع!" یعنی ہائے بھوک! ہائے بھوک! پکارتا رہا۔ اسی اثناء میں حضرت شیخ ابو سعید مخزومی ادھر سے گزرے اور فرست باطنی سے اُس شور پر آگاہ ہو کر قریب تشریف لائے اور مجھ سے پوچھا اے عبد اللہ! اور یہ شور کیسا ہے؟ میں نے کہا، یہ اضطرابِ نفس ہے، مگر رُوحِ یادِ الہی میں مطمئن ہے۔ انہوں نے فرمایا: میرے غریب خانے پر چلو اور یہ کہہ کر چلے گئے۔ میں نے دل میں کہا، جب تک یہاں سے کوئی خود نہ لے جائے گا، اُس وقت تک نہ جاؤں گا۔ ابھی اسی خیال میں تھا کہ حضرت علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے حضرت ابو سعید کے مکان پر لے گئے۔ جہاں دروازے میں شیخ ابو سعید کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا، عبد اللہ! کیا میرا کھانا کافی نہ تھا کہ حضرت علیہ السلام کے کہنے کی ضرورت پڑی؟ یہ کہہ کر مجھے گھر میں لے گئے اور اپنے ہاتھ سے میرے مُنہ میں نُعمہ ڈال کر کھانا کھلایا۔

عشقِ فارغِ کردار دنیا و مافیہا مراما

اس دورانِ دنیوی اور شیطانی طاقتیں بھی غافل نہیں رہی تھیں ایک اتنا متذکرہ بالا کھنڈروں میں دنیا اپنی مثالی

صورت میں آراستہ و پیراستہ ہو کر اپنی تمام تر دکھیوں اور دلربائیوں کے ساتھ آپ کے سامنے آئی اور یادِ الہی سے غافل کرنا چاہا، مگر آپ نے اپنے جدِ اعلیٰ مولائے کائنات سیدنا علی کریم اللہ وجہ الکریم کی سنت کی پیروی میں فرمایا، مجھ سے دُور رہ کہ میں تجھے تین طلاق دے چکا ہوں۔ جب تابد ایزدی سے وہ بے نیل مرام واپس لوٹ گئی تو آپ نے بطورِ تحدیثِ نعمت فرمایا۔

عشقِ فارغِ کرد از دنیا و ما فیہا مرا کے تو اند بُرد از رہ عشوہ دُنیا مرا

ایک دفعہ ابلیس آپ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ نے مجھے اور میرے اتباع کو بہت تکلیف دی ہے اس لیے میں آیا ہوں کہ آپ کی خدمت اور تابعداری میں رہوں ابھی وہ بات کر ہی رہا تھا کہ ایک ہاتھ غیب سے نمودار ہوا اور اُسے زمین میں دھنسا دیا۔

مُدعی آنے لگا راز کی اِس محصل میں غیب کے ہاتھ نے جھٹ سینے میں اس کے مارا

ایک دوسرے موقع پر وہ نیزہ آتشیں سے مسلح ہو کر آیا تو غیب سے ایک شمشیر برہنہ آپ کے ہاتھ میں آگئی، جسے دیکھتے ہی وہ بھاگ گیا۔

اسی طرح ایک رات جب کہ آپ عراق کے ایک بے آب و گیاہ صحرا میں مصروفِ عبادت تھے آپ کو ایک روشنی نظر آئی، جس نے تمام آسمان کو منور کر دیا اور اُس میں سے آواز آئی "اے عبد العتاد! میں تیرا پروردگار ہوں اور تیری عبادت سے راضی ہو کر تجھے اپنی عبادت کی تکلیف سے آزاد کرتا ہوں۔" حضرت غوثِ الاعظم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ظاہری و باطنی علوم میں نگاہ کی تو کہیں اِس صورت کا جواز نظر نہ آیا اور میں نے خیال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود اِس علومِ مرتبت کے عمر بھر عبادت کے مُکلف و پابند رہے۔ اُن کو عبادت کی تکلیف سے مُعافی نہ ملی تو اور کوئی کیونکر اِس سے آزاد ہو سکتا ہے۔ اِس لیے میں نے لاسوں پڑھا تو شیطان اصلی صورت میں سامنے آکر کہنے لگا، "میں نے اِس مقام پر بہتیرے عبادت گزاروں کو گمراہ کیا، مگر اے عبد العتاد! آپ اپنے علم کے زور سے بچ نکلے۔" میں نے پھر لاسوں پڑھا اور کہا، دُور ہو مرود! میں اپنے علم کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی تائید اور فضل و کرم سے محفوظ رہا ہوں۔ اِس پر وہ سر پٹنے لگا کہ آج میں آپ سے قطعاً مایوس ہوا۔ آئندہ آپ پر وقت ضائع کرنا بے سود ہے۔ میں نے کہا، میں تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں کرتا اور ہمیشہ تمہارے مکر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا رہوں گا۔

مُحی الدین

سیدنا غوثِ الاعظم ۲۸۹ھ ہجری میں خلیفہ مستظہر باللہ عباسی کے عہد میں بغداد تشریف لائے۔ اور تیس سال کی مدت میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکی و مدنی زمانہ تبلیغ کا عرصہ ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی ظاہری و باطنی ہر طرح کی تکمیل فرما کر مُحی الدین کے لقب سے ملقب فرما کر مسندِ ارشادِ عنایت فرمائی۔ بہشتِ الاسرار میں تحریر ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اپنے مشہور خلائق لقب "مُحی الدین" کے متعلق یہ وصاحت فرمائی کہ ۱۱۵ھ ہجری میں ایک جمعہ کے روز میں سفر سے پابریہ بغداد کی طرف واپس آ رہا تھا

کہ ایک نہایت ہی لاعلم اور نحیف بیمار پر میرا گزر ہوا۔ اُس نے کہا السلام علیک یا عبد اللہ! میں نے سلام کا جواب دیا۔ کہنے لگا، مجھے اٹھاؤ۔ میں نے اٹھا کر بٹھلادیا تو اچانک اُس کا چہرہ بازو نلق اور جسم موٹا تازہ ہو گیا۔ میں حیران ہوا تو کہنے لگا، تعجب کی بات نہیں۔ میں آپ کے جد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہوں، جو مُردہ ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے مجھے نئی زندگی عطا فرمائی ہے۔ آپ مُنحی الدین ہیں۔ پُچھا پوچھا جب میں جامع مسجد کی حدود میں داخل ہوا تو ایک شخص نے اپنا جوتا اُتار کر مجھے پہننے کو دیا، اور نیا سیدی مُحی الدین کے الفاظ سے مخاطب کیا۔ نماز جمعہ تمام ہوئی تو لوگ دوڑتے ہوئے میری طرف آئے اور نیا مُحی الدین یا مُحی الدین پکارتے ہوئے میرے ہاتھوں کو بوسے دینے لگے۔ حالاں کہ اس سے پہلے کبھی کسی نے مجھے اس نام سے نہیں پکارا تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں کہ اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے، ایمان باطنی اعتقاد کا۔ اور دین ان ہر دو کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ گویا دین وہ جامع نظام ہے جو بنی نوع انسان کے عقائد و اعمال، ظاہر و باطن، صورت و معنی، روحانیت و جسمانیت پر مشتمل ہے۔ ایسے نظام کا احیاء نبی مُرسل یا اُس کے کابل ترین نائب کے بغیر ممکن نہیں۔ اگرچہ آل حضرت نے ہر صدی کے سرے پر ایسی ہستیوں کی نشان دہی فرمائی ہے، جن سے تجدید دین کا فریضہ انجام پذیر ہوتا ہے، مگر تجدید اور احیاء میں ایک نمایاں فرق ہے۔ مجددین کی فرست میں ابتداء سے لے کر اس وقت تک بہت سے حضرات کے اسمائے گرامی پائے جاتے ہیں، مگر مُحی الدین کا لقب کسی اور کو عطا نہیں ہوا۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ امر پائیہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ احیائے دین کا اہم ترین فریضہ حقیقتہً جناب غوث الاعظم کی ذاتِ گرامی قدر ہی سے پایہ تکمیل کو پہنچا اور یہ عظیم الشان لقب صرف آپ ہی کے وجودِ مسعود پر صادق آتا ہے۔

آپ کی مجالس و عطا

سیدنا غوث الاعظم ہفتے میں قریباً تین بار مجالس و عطا منعقد فرماتے تھے۔ و عطا کیا ہوتا تھا، علم و حکمت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہوتا تھا، لوگوں پر وجدانی کیفیات طاری ہو جاتی تھیں۔ بعض اپنے گریبان چاک کر لیتے اور کپڑے پھاڑ لیتے تھے اور بعض بیوش ہو جاتے تھے۔ کئی مرتبہ لوگ بحالتِ بے ہوشی واصل بحق ہو جاتے۔ آپ کی مجالس میں علاوہ رجال الغیب، جنات، ملائکہ اور ارواحِ طیبہ کے، عام سامعین کی تعداد ستر ستر ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ اور آپ کی آواز دُور و نزدیک نیٹھے ہوئے سب لوگ یکساں سنتے۔ اُس دور کے اکثر نامور مشائخ بالالتزام ان مجالس میں حاضری دیتے تھے آپ سے بکثرت خوارق و کرامات کا ظہور ہوتا تھا۔ آپ کی مجالس کا انعقاد بغداد میں ہوتا، مگر آپ کے بعض اولیاء اللہ یعنی حضرت شیخ عبد الرحمن طفوسوخی اور شیخ عدنی بن مسافر وغیرہم اپنے اپنے شہروں میں اسی وقت پر اپنے اپنے ارادت مندوں اور شاگردوں کے ہمراہ دائرے بنا کر بیٹھ جاتے اور نہ صرف حضرت غوث الاعظم کے مواعظ سنا کرتے بلکہ انہیں قلمبند بھی کرتے۔ پھر جب کبھی بغداد آنے کا موقع ملتا، اور آپ کی مجلس میں قلمبند شدہ تحریرات کے ساتھ موازنہ کرتے تو سر مُو فرق نہ پایا جاتا۔

ایک مرتبہ آپؐ وعظ فرما رہے تھے کہ بحالتِ کیف آپؐ کی دستارِ مبارک کا ایک بیچ کھل گیا۔ یہ دیکھ کر تمام حاضرین مجلس نے بہ پاسِ ادب اپنے سروں سے عمامے اُتار کر آپؐ کے منبر کے نیچے پھینک دیئے۔ جب وعظ ختم ہونے پر آپؐ کے محکم سے سب لوگوں نے اپنی اپنی دستاریں اٹھالیں تو ایک زمانہ سر بند پڑا رہ گیا۔ لوگوں کو حیران دیکھ کر آپؐ نے فرمایا کہ اصفہان میں ہماری ایک عارفہ بہن رہتی ہیں، جنہوں نے جوشِ عقیدت میں اپنا سر بند اُتار کر پھینک دیا ہے۔ آپؐ نے وہ سر بند اپنے دوٹوں مبارک پر رکھا۔ جہاں سے وہ فوراً غائب ہو گیا۔

موازنہ عقل و عشق

آج راڈار اور ٹیلی ویژن کے زمانے میں ان حقائق سے کچھ دُہی لوگ انکار کر سکتے ہیں جو رُوحانیت سے سرسبز نا آشنا ہوں۔ دُورِ حاضر کا سب سے بڑا سائنسدان آئن سٹائن کہہ گیا ہے کہ میں نے ریڈیو دُور بین کے ذریعے ایک ایسا کمکشاں تو دیکھ لیا ہے جو زمین سے دو کروڑ نواری سال کے فاصلے پر ہے، یعنی روشنی جو فی سیکنڈ ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل طے کر جاتی ہے، وہاں دو کروڑ سال میں پہنچے گی، لیکن جہاں تک کائنات کی سرحدیں معلوم کرنے کا تعلق ہے۔ اگر میری عمر ایک بلین یعنی دس لاکھ سال بھی ہو جائے، تو بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس اس نُورِ ازل سے منور سراجِ مُنیر حضرت غوثُ الاعظمؒ اس کائنات کے متعلق قصیدہٴ غوثیہ میں فرماتے ہیں :-

نَظَرْتُ إِلَى بِلَادِ اللَّهِ جَمْعًا كَخَزْدَلَةٍ عَلَى حُكْمِ اتِّصَالِ

(اللہ تعالیٰ کے تمام بلادِ میری نظریں اس طرح ہیں جیسے بتھیل پر ایک راہی کا دانہ)

اس سے مادیت اور رُوحانیت کا اور عقلِ نارسا اور عشقِ کامگار کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ

غریب نواز فرماتے ہیں :-

حسابِ عمرِ صد عاشقِ بشارتِ بگذرد یک دم حسابِ یک دم عاشقِ بصدِ محشر نمی گنجد

یعنی حشر کے دن سوئس دنوں کی عمروں کا حساب طرفہٴ العین میں ختم ہو جائے گا، مگر عاشق کی زندگی کے ایک لمحے کا حساب سو حشر بھی بپا ہوں تو ختم نہیں ہو سکے گا۔

اقلم و ولایت کی شہنشاہی کا فرمان

حضرت غوثُ الاعظمؒ کی کرامات کی کثرت پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے، مگر آپؐ کی سب سے بڑی کرامت، جس کی بدولت آپؐ دُنیا سے ولایت کے شہنشاہ مانے گئے، یہ ہے کہ ایک مرتبہ محلہٴ حلبہ میں اپنے مہمان خانے میں وعظ فرماتے ہوئے آپؐ پر حالتِ کشفی طاری ہوئی اور آپؐ نے فرمایا :-

قَدَّحِي هَذَا عَلَى رَقَبَةِ كُلِّ ذَلِي اللَّهِ

(میرا یہ قدم ہر ذلی اللہ کی گردن پر ہے۔)

اس مجلس میں عراق کے سب اکابر مشائخ موجود تھے۔ سب نے یہ ارشادِ گرامی سُن کر اپنی گردنیں خم

کر دیں۔ اور تمام کڑواہ آرض پر جہاں جہاں کوئی قُلب، ابدال یا ولی تھا، ہر ایک نے آپؐ کے یہ الفاظ سُن کر گردن جھکا دی اور عارفِ کامل شیخ علی بن ابونصر الہیتی نے جو مجلس میں حاضر تھے، اُٹھ کر آپؐ کا قدم مبارک اپنی گردن پر رکھ لیا۔ بعد میں انہوں نے اپنے ارادت مندوں کے استفسار پر بتلایا کہ سید عبدالعتاد نے یہ بات از خود نہیں کہی بلکہ اسے کہنے کا انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔

خواجہ غریب نوازِ چشتی کا سر جھکانا

حضرت خواجہ مُعین الدین چشتی اجمیری اُن دنوں خراسان کے پہاڑوں میں مجاہدات و ریاضات میں مشغول تھے۔ آپؐ نے بھی رُوحانی طور پر جناب غوث الاعظمؒ کا مندرجہ بالا ارشادِ گرامی سُن کر اپنی گردن اس قدر خم کی کہ پشانی زمین کو چھونے لگ گئی، اور عرض کی: "قَدْ مَاكَ عَلَي رَاسِي وَعَيْنِي رَأَيْتُكَ" کے دونوں قدم میرے سر اور آنکھوں پر ہوں" حضرت غوث الاعظمؒ نے اس اظہارِ نیاز سے متاثر ہو کر مجلس میں فرمایا کہ سید غیاث الدین کے صاحبزادے نے گردن جھکانے میں سبقت کی ہے جس کے باعث عنقریب ولایتِ ہند سے سرفراز کیے جائیں گے۔

شیخ صنعان کا انکار و توبہ

اصفہان کے ایک ولی اللہ شیخ صنعانؒ جناب غوث الاعظمؒ کے ہم عصر تھے۔ دریائے جلم و عرفان کے زبردست شناور تھے اور کرامات و خوارق اُن سے بکثرت سرزد ہوتے تھے۔ غوث الاعظمؒ کا مذکورہ بالا فرمان رُوحانی طور پر انہوں نے بھی سُنا، مگر آں جنابؒ کا مرتبہ کمال پہچاننے میں ٹھوکر کھا جانے کے باعث گردن خم کرنے میں مُتامل ہوئے، جس پر اسی وقت اُن کی ولایت و بصیرت سلب ہو گئی اور تہی دامن ہو جانے کی وجہ سے ایمان بھی خطرے میں پڑ گیا، بالآخر اُن کے ایک ارادت مند کی عاجزی و خدمت گزاری کے باعث جناب غوث الاعظمؒ نے مُتوجہ ہو کر انہیں کفر سے بچالیا۔ اور توبہ کرنے پر منصب بحال ہوا۔ (اقتباس الانوار)

اس فرمان کا مفہوم

جناب غوث الاعظمؒ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ان الفاظ کے متعلق یہ تو سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ بحکمِ الہی کہے گئے تھے، مگر وسعتِ فرمان کے معاملہ میں موجودہ دور کے بعض حضرات نے اختلاف کیا ہے، اُن کا خیال ہے کہ آپؐ کا یہ فرمان صرف اولیائے وقت کے ساتھ مخصوص تھا، کیونکہ اولیائے متقدمین میں حضراتِ صحابہ کرامؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ اور اولیائے امتِ اخیرین میں حضرت امام مہدیؑ بھی شامل ہیں۔ لیکن اکثریت اور اکابرین کی رائے یہ ہے کہ اس قول کے تحت آپؐ کے زمانہ کے اولیائے حاضر و غائب کے علاوہ، تمام اولیائے متقدمین و متاخرین بھی آتے ہیں۔ اور اولیاء سے مراد وہ ولی اللہ ہیں جو اصحابؓ و ائمہ اہل بیتؑ وغیرہ کے مختص ناموں سے منسوب نہیں۔

تصرفات بعد از وصال

آپ کے فیوض و برکات کا سلسلہ آپ کے وصال کے بعد بھی بدستور جاری ہے اور بفضلِ تعالیٰ ہمیشہ جاری رہے گا جیسا کہ فضائل اہل بیت کرام کے ضمن میں پہلے ذکر ہو چکا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مقام جذب و ولایت کا فاتح اول قرار دیتے ہوئے جناب سیدۃ النساء، حسین شریفین و بقیۃ ائمہ اہل بیت کرام کو اسی نسبت کے اقطاب بیان فرما کر سیدنا غوث الاعظم کی اس مقام میں ایک خصوصی شان تحریر کی ہے۔ نیز اپنی کتاب ہمعات کے سہمہ امیں لکھا ہے :-

”و در اولیائے اُمت و اصحاب طُرق اقولے، کیسکہ بعد تمام راہ جذب باگد و جُوہ، بہ اصل این نسبت (اویسیہ) میل کردہ است و در آں جا بوجہ اتم قدم زدہ است، حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی اندو لہذا کُفّۃ اند کہ ایشان در قبر خود مثل احیا تصرف می کنند۔“

”اور اُمت کے اولیائے عظام میں سے راہ جذب کی تکمیل کے بعد جس شخص نے کامل و مکمل طور پر اس نسبت اویسیہ کی اصل کی طرف رجوع کر کے وہاں کامل استقامت سے قدم رکھا ہے وہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ہیں۔ اور اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ آں جناب اپنی قبر شریف میں زندوں کی طرح تصرف فرماتے ہیں۔“

حضرت شاہ ولی اللہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں: حق تعالیٰ نے آں جناب کو وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ دُور و نزدیک ہر جگہ کیساں تصرف فرماتے ہیں آپ اپنے ہم عصر اور بعد میں آنے والے تمام اولیائے کرام کے لیے حصولِ ولایت اور وصولِ فیض کا وسیلہ کبریٰ اور واسطہ عظمیٰ ہیں۔

شیخ عبداللہ بلخی نے اپنی کتاب خوارق الاحباب فی معرفۃ الاقطاب میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت غوث الاعظم نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ڈیڑھ سو سال بعد بخارا میں ایک درویش بہاؤ الدین نامی پیدا ہوگا، جو ہم سے ایک خاص نعمت کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ جب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند نے میدان سلوک میں قدم رکھا تو حضرت جنس کے اشارے پر حضرت غوث الاعظم کی رُوحانیت کی طرف متوجہ ہو کر النیاث، النیاث، یا محبوب سبحانی پکارتے ہوئے سو گئے اور خواب میں آں جناب کے فیوض و برکات سے سرفراز ہوئے۔

اسی طرح فضائل اہل بیت کرام کے ضمن میں حضرت مجدد الف ثانی کے ایک مکتوب کا حوالہ بھی آچکا ہے جس میں ائمہ اہل بیت کرام کے بعد منصبِ قطبیت کبریٰ کا حضرت غوث الاعظم کی ذات گرامی سے مختص ہونا بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

”وصولِ فیوض و برکات دریں راہ بہر کہ باشد از اقطاب و بخارا تو توسط شریف او مفہوم می شود، چہ این مرکز غیر اُورائے ستر نہ شدہ۔ ازیں جاست کہ فرمودے

أَقَلَّتْ شَمْسُ الْأَدْلِيْنِ وَ شَمْسُنَا أَبَدًا عَلٰی أُنْفِ الْعُلٰی لَا تَعْرَبُ
”اس راہ میں برکات و فیوض کا حصول، اقطاب و بخارا کو جو بھی ہوں، آپ ہی کے توسل سے

ہوتا ہے، کیونکہ یہ مرکزی حیثیت آپؐ کے بغیر کسی دوسرے کو میسر نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے آپؐ نے اس شعر میں فرمایا ہے کہ

”انگلوں کے آفتاب غروب ہو گئے، مگر ہمارا آفتاب بلندی کے افق پر ہمیشہ چمکتا رہے گا، اور کبھی غروب نہ ہوگا، یعنی مجھ سے پہلے حضرات کے لیے دائرہ ولایت کا مرکز ہونے کا شرف وقت معین کے لیے تھا، مگر میرے لیے یہ مقام ابدی و سرمدی ہے۔“

”روح المعانی“ میں حضرت مجددؑ سے نقل ہے کہ قطبیت کبریٰ کا مقام حضرت امام مہدیؑ تک جناب غوث الاعظمؑ کی ذات بابرکت کے ساتھ منحصر ہے۔

حضرت شیخ محمد اکرم چشتی صابری، قدوسی، اقباس الانوار میں آں جنابؑ کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-
”جس کسی کو ظاہری باطنی فیض حاصل ہوا، سیدنا غوث الاعظمؑ کی وساطت سے ہی ہوا۔ خواہ اُسے معلوم ہو یا نہ ہو۔ کوئی دلی آپؑ کی مہر کے بغیر منظور اور معتبر نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ نے آپؑ کو وہ مقام عطا فرمایا ہے کہ تمام تصرفات کی باگ ڈور آپؑ کے ہاتھ میں دے دی ہے، جسے چاہیں، کسی منصب ولایت پر مقرر فرمادیں، جسے چاہیں، ایک آن میں معزول فرمادیں۔“

نیز تحریر فرماتے ہیں کہ اس فقیر کو متعدد ثقہ روایات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ اجمیریؒ پیشوائے سلسلہ چشتیہ حسب ارشاد نبویؐ، سیدنا غوث الاعظمؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ عرصہ فیض حاصل کرتے رہے اور آپؑ نے ”شغل بہ گوشہ“ اور ”حرز سیفی“ بھی آنجنابؑ سے حاصل کیا۔ ان ہر دو حضراتؑ کی ملاقات اور خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے غوث الاعظمؑ سے استفادہ کے ثبوت پر کتاب ”فوز المطلب“ مصنفہ مولیٰ سنا برہان الدین خان، بھی قابل دید ہے۔

حضرت غوث الاعظمؑ و اکابرین اُمت

حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ نے حضرت غوث الاعظمؑ کی شان میں مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں: آپؑ حسب تصریح ”تختہ الابرار“ از مرزا آفتاب بیگ چشتی سلیمانی جناب غوث الاعظمؑ کے رشتے میں خالہ زاد بھائی ہیں :-

یا غوثِ مُعَظَّم، نُورِ هُدَى، مُنْتَابِ رِئِی، مُخْتَارِ خُدا
سُلْطَانِ دُو عَالَم، قَلْبِ عَلِی، حِیْرَانِ زُجَلَالَتِ اَرْضِ دُسا
دَرِ صَدَقِ بَمِ صِدِّیقِ دِشِی، دَرِ عَدْلِ عَدَالَتِ چو عُمَرِیؓ
اَسے کَانَ حِیَا عُمَثَانَ نَشِی، مَانِدِ عَلِیؑ بِاِجُودِ دُسا
دَرِ بَرَمِ نَبِی، عَالِی شَانِی، سَتَا عِیُوبِ مُرِیْدَانِی
دَرِ مُلْکِ دِلَایِیْتِ سُلْطَانِی، اَسے مِیْعِ فَضْلِ دُجُودِ دُسا

چوں پائے نبی شد تاج سرت تاج ہمہ عالم شد قدمت
 اقطاب جہاں در پیش درت افتادہ چو پیش شاہ گدا
 گرداد مسیح بہ مردہ رواں، دادی تو بدین محمد جان
 ہمہ عالم محی الدین گویاں، بر حسن و جمالت گشتہ فدا
 حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کا کی مندرجہ ذیل میں حضرت غوث الاعظم کو مخاطب کرتے ہیں :-

قبلہ اہل صفا، حضرت غوث اہتتینؒ
 دستگیر ہمہ جا، حضرت غوث اہتتینؒ
 خاک پائے تو بود روشنی اہل نظر
 دیدہ را بخش ضیاء حضرت غوث الثقلینؒ
 بے نواختہ دلم، نیست کے آنکہ دھند
 حستہ را جز تو دوا، حضرت غوث الثقلینؒ
 حضرتت کعبہ حاجات ہمہ خلقان است
 حاجتم ساز روا، حضرت غوث الثقلینؒ

مردہ دل گشتہ ام و نام تو محی الدین است
 مردہ را زینہ نما، حضرت غوث اہتتینؒ

اسی طرح کتب معتبرہ سے حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت سید احمد رفاعی، خواجہ
 ابو یوسف ہمدانی نقشبندی اور کئی دیگر پیشوایان سلسلہ ہائے طریقت کا انتخاب سے استفاضہ ثابت ہے۔
 حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ آپ کی شان میں فرماتے ہیں :-

”شیخ عبد القادر بادشاہ طریقی اور تمام عالم وجود میں صاحب تصرف تھے۔ کرامات و
 خوارق عادت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک دوامی ید طولی عطا فرمایا تھا“ (ترجمہ)
 حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :-

غوث اعظمؒ دلیل راہ یقین
 بہ یقین رہبہ اکابر دین
 دوست در جملہ اولیاء ممتاز
 چوں سمیہ در انبیا ممتاز

نیز اخبار الاخیار میں رقمطراز ہیں :-

”اللہ تعالیٰ نے غوث الاعظم کو قطبیت کبریٰ اور ولایت عظمیٰ کا مرتبہ عطا فرمایا۔ فرشتوں سے لے
 کر زمینی مخلوق تک آپ کے کمال، جلال اور جمال کا شہرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بخشش کے خزانوں کی کنجیاں
 اور جسمانی تصرفات کے لوازم و اسباب آپ کے اختیار و اقتدار میں دے دیئے تھے اور تمام اولیاء اللہ
 کو آپ کا مطیع و فرمانبردار بنا دیا تھا۔ غرضیکہ تمام اولیائے وقت، حاضر و غائب، قریب و بعید، ظاہر و باطن
 سب کے سب آپ کے فرمانبردار و اطاعت گزار تھے اور آپ تمام اولیاء کے سردار و سالار تھے۔ کیونکہ

۳۹۹
 ۳۰۸
 ۲۱۵
 ۲۱۱
 ۲۰۳
 ۲۰۲
 ۲۰۱
 ۱۹۳
 ۱۹۲
 ۱۹۱
 ۱۹۰
 ۱۸۹
 ۱۸۸
 ۱۸۷
 ۱۸۶
 ۱۸۵
 ۱۸۴
 ۱۸۳
 ۱۸۲
 ۱۸۱
 ۱۸۰
 ۱۷۹
 ۱۷۸
 ۱۷۷
 ۱۷۶
 ۱۷۵
 ۱۷۴
 ۱۷۳
 ۱۷۲
 ۱۷۱
 ۱۷۰
 ۱۶۹
 ۱۶۸
 ۱۶۷
 ۱۶۶
 ۱۶۵
 ۱۶۴
 ۱۶۳
 ۱۶۲
 ۱۶۱
 ۱۶۰
 ۱۵۹
 ۱۵۸
 ۱۵۷
 ۱۵۶
 ۱۵۵
 ۱۵۴
 ۱۵۳
 ۱۵۲
 ۱۵۱
 ۱۵۰
 ۱۴۹
 ۱۴۸
 ۱۴۷
 ۱۴۶
 ۱۴۵
 ۱۴۴
 ۱۴۳
 ۱۴۲
 ۱۴۱
 ۱۴۰
 ۱۳۹
 ۱۳۸
 ۱۳۷
 ۱۳۶
 ۱۳۵
 ۱۳۴
 ۱۳۳
 ۱۳۲
 ۱۳۱
 ۱۳۰
 ۱۲۹
 ۱۲۸
 ۱۲۷
 ۱۲۶
 ۱۲۵
 ۱۲۴
 ۱۲۳
 ۱۲۲
 ۱۲۱
 ۱۲۰
 ۱۱۹
 ۱۱۸
 ۱۱۷
 ۱۱۶
 ۱۱۵
 ۱۱۴
 ۱۱۳
 ۱۱۲
 ۱۱۱
 ۱۱۰
 ۱۰۹
 ۱۰۸
 ۱۰۷
 ۱۰۶
 ۱۰۵
 ۱۰۴
 ۱۰۳
 ۱۰۲
 ۱۰۱
 ۱۰۰
 ۹۹
 ۹۸
 ۹۷
 ۹۶
 ۹۵
 ۹۴
 ۹۳
 ۹۲
 ۹۱
 ۹۰
 ۸۹
 ۸۸
 ۸۷
 ۸۶
 ۸۵
 ۸۴
 ۸۳
 ۸۲
 ۸۱
 ۸۰
 ۷۹
 ۷۸
 ۷۷
 ۷۶
 ۷۵
 ۷۴
 ۷۳
 ۷۲
 ۷۱
 ۷۰
 ۶۹
 ۶۸
 ۶۷
 ۶۶
 ۶۵
 ۶۴
 ۶۳
 ۶۲
 ۶۱
 ۶۰
 ۵۹
 ۵۸
 ۵۷
 ۵۶
 ۵۵
 ۵۴
 ۵۳
 ۵۲
 ۵۱
 ۵۰
 ۴۹
 ۴۸
 ۴۷
 ۴۶
 ۴۵
 ۴۴
 ۴۳
 ۴۲
 ۴۱
 ۴۰
 ۳۹
 ۳۸
 ۳۷
 ۳۶
 ۳۵
 ۳۴
 ۳۳
 ۳۲
 ۳۱
 ۳۰
 ۲۹
 ۲۸
 ۲۷
 ۲۶
 ۲۵
 ۲۴
 ۲۳
 ۲۲
 ۲۱
 ۲۰
 ۱۹
 ۱۸
 ۱۷
 ۱۶
 ۱۵
 ۱۴
 ۱۳
 ۱۲
 ۱۱
 ۱۰
 ۹
 ۸
 ۷
 ۶
 ۵
 ۴
 ۳
 ۲
 ۱

دوران مطالعہ حضرت کے قلمی نوٹ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین و الصلوة والسلام علی خاتم النبیین و رحمۃ للعالمین و اهل بیتہ و من تبعہ علیہم السلام
 و اصحابہ الطہارہ و الذین استوفوا حیاة الیوم الہدیین ابجد رسالہ الورد قادریہ نور علی الخلق
 جو کہ حق یقین متعقدین مسلمہ عقایدہ کو لے کر خود اور اس نبی اکرم کو عواماً بوجہ شرف شہادت ذکر کرتے
 مقام رمضان لکھنا بیسیں مفید و موجب خیر و برکت ثابت ہے۔ اس پر جوئی العقیقہ لکھنا فیما
 کہیں نہ ہو جب کہ سرخی اولیاد فی الاضواء لکھنا عینیہ سیدنا عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہما
 کا ذکر خیر ہے اس میں مذکور ہے کہ عیب نسیں خاتم الولاہیۃ المدنیہ شیخ ابکر مدنی لکھنا اولیاد نور حیات کا
 باب ۲۷ پر لکھتے ہیں (در ہنرمند رضی اللہ عنہم رجل واحد وقد کون امرأۃ فی کل زمان آیتہ (روح القادر
 فوق جادہ۔ یہ لکھنا علی کلا شئ سوا لکھنا مستجمع مقدم کثیر العویس یحق یقول حق
 و حکم عدلہ کان صاحب ہذا المقام شیخنا سید عبدالقادر الجیلانی بعد اذ کانت ہ العولم والاسما لہ یحق
 علی الخلق کان کثیر الشان) ~~یہ لکھنا ہر شے پر~~ سیدنا عبدالقادر رضی اللہ عنہما
 نیز حق سچا نہ دیکھا کہ ہر شے پر غالب و مقرب ہے تو ہر شے پر آیتہ (روح القادر فوق جادہ)
 لکھنا اس کا باب ۲۷ پر لکھتے ہیں کہ لکھنا اولیاد نور حیات میں قائم ہونے والے افراد
 (سیرا) عبدالقادر رضی اللہ عنہما اصحاب میں لکھنا جگہ شان سیدنا عینیہ ناساتے کہ محمد بن قائم اولیاد نور حیات
 اولیاد ازاد کے ہر مرد اور عورت کے غمزہ کا مانند عارضہ ثریا میں جگہ لکھنا ہر جگہ لکھنا
 حسین رضی اللہ عنہم جن کو بزرگوں نے دیکھا کہ ہر شے کا علم ہے نہ اپنا اور نہ غیر کا
 جب عینیہ سیرا عبدالقادر رضی اللہ عنہما لکھنا کہ لکھنا خاتم غمزہ لکھنا کہ لکھنا لکھنا

کے دائرہ سے خارج ہیں تو ہر ایک شے کو دیکھنا کہ لکھنا ہر شے کا علم ہے نہ اپنا اور نہ غیر کا
 آپ کا حق کیا ہوگا دلہر علم منصف جادہ و ہر شے کا علم دہنا اولیاد نور حیات لکھنا ذرا لکھنا

در لکھنا اولیاد نور حیات لکھنا
 کہ لکھنا ہر شے کا علم دہنا
 علی کلا شئ
 شاہ جلال و اجیر کا حلقہ بگوش
 از گراہ نام خورشید ۱۳ صفر

آپ قلب الوقت، سلطان الوجود، امام الصّٰدِقِین، مُجْتَبِی العارِفِین، رُوح معرفت، قَلْب الحقیقت، خلیفۃ اللہ فی الدنیا
 وارث کتاب اللہ، نایب رسول اللہ، الوجود البحت، النور العرف، سلطان الطریق اور متصرف فی الوجود علی الحقیق ہیں۔
 حضرت امام عبد اللہ یافعی فرماتے ہیں کہ جناب غوث الاعظم کی کرامات درجہ تو اترا کو پہنچی ہوئی ہیں۔
 حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری عرض گزار ہیں :-

من آدم به پیش تو سلطان عاشقان ذات تو هست قبلہ ایمان عاشقان
 در ہر دو کون جز تو کے نیست دستگیر دستم بگجید از کرم اے جان عاشقان
 حضرت شاہ ابوالمعالی کا ارشاد ہے :-

گر کے واللہ بے علم از می عرفانی است از طفیل شاہ عبد الفتاویٰ در گیلانی است
 حضرت مولانا الحاج محمد ابد اللہ مہاجر مکی کا ارشاد ہے :-

حداوند! بحق شاہ جیلانی محی الدین و غوث و قطبِ دُوران
 بکن خالی مرا از ہر خیالے ولیکن آں کہ زو پیدا است حالے

رسالہ انوارِ قادریہ پر حضرت قبلہ عالم کی تقریظ

اسی ضمن میں حضرت قبلہ عالم گولڑوی نے کتاب انوارِ قادریہ کو پڑھ کر اپنے تاثرات قلمبند فرمائے ہیں، جو مکتوبات
 شریف موسومہ ”مہرِ چشتیہ“ اور فتاویٰ مہریت سے یہاں نقل کیے جاتے ہیں :-

”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اَوْلَا وَاٰخِرًا وَاَصْلًا وَالسَّلَامُ مِنْهُ بِاطْنًا عَلَيْهِ وَ
 ظَاهِرًا وَاَعْلَى اَهْلِ بَيْتِهِ وَاَعْتَرِيهِ الطَّهْرَيْنِ وَاَصْحَابِهِ طَرَا وَاَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ
 بِاِحْسَانٍ اِلَى يَوْمِ الدِّينِ -“

آقا بعد رسالہ انوارِ قادریہ میرے ملاحظہ سے گزرا۔ علاوہ حُسن مضامین کے بوجہ ذکرِ ساداتِ کرام،
 علیہم الرضوان، طرزِ بیان و عبارت عام فہم کی رُو سے بھی ناظرین اہل اسلام کے لیے عموماً و معتقدین و شائقین
 سلسلہ قادریہ کے لیے خصوصاً میری ناقص رائے میں مفید عام و موجب خیر و برکت ثابت ہوا ہے جَزَى الْمُصَنِّفَ
 رَبُّهُ عَنْ نَاطِرِيهَا۔ چونکہ رسالہ ہذا بوجہ اشمال بر ذکرِ آلِ محمدر شہود ذات و مُنْبَغِ بِصِبْغَاتِ صِفَاتِ ،
 اَلْ قَائِلِ قَدْ مَنَى هِذِهِ عَلٰى رَقْبَةِ كُلِّ وَاِلٰى اللّٰهِ۔ اَل مَبْرَا اَزِ التَّفَاتِ بِاَسْوٰى اللّٰهِ اَلْ غُوثِ اَلْ اِيْمَانِ
 اَرْضِ وَاَسْمَارِ، اَلْ وَاِثِ عُلُوْمِ جَدِيَّةِ فَاَوْحٰى اِلٰى عِبْدِهِ مَا اَوْحٰى۔ اَلْ مَرْكَزِ وَا نَقْطَةِ حُبِّيَّةِ دَاوْرَةِ وَاِجْوَادِ،
 مَجْذُوبِ رَبَّانِي، اِمَامِ الثَّقَلَيْنِ، محی الدین سیدنا عبد العادِ جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اِس قَابِلِ نِهْنِ كَبْحِ دِكْرِ مَسْأَلِ
 اَوْرِ مَصْنَفَاتِ كِي مَانْدِ صِرْفِ مَعْمُولِي تَقْرِیظِ پْر اِكْتَفَا كِيَا جَايے۔ لَهْذَا تَمِنَا وَا تَبْرَا كَا فَا وَا نَدِ قَلَامِ دُرِّ غُرِّ ذِيْلِ سِ
 مَعْلٰى وَا مَوْشِحِ كَرْنَا اِس كَا غَيْرِ مَنَاسِبِ مَعْلُومِ نِهْنِ جُوْتَا۔

فائدہ: آپ کا سچا اور پاک فرمانِ ذیل کہ تیرے قدم میرا رولی کی گردن پر ہے۔ از قبیل شطیحات نہیں،
 جیسا کہ کم ظرف لوگ کم حوصلگی کی وجہ سے ایسے دعاوی کیا کرتے ہیں بلکہ بوجہ تعامُّ صودا استقامت و تمکین میں

ماثور ہونے کے ایسا فرمایا گیا ہے۔ بوجہ متعددہ:-

(۱) اگر یہ فرمان امر خداوندی کی تعمیل نہ ہوتا بلکہ معاذ اللہ کم حوصلگی کے باعث صادر ہوتا، جیسا کہ بعض متصوفین موجودہ زمانہ کا خیال ہے تو پھر آں کا سرانجام غیر وغیرتیت، آں ناصب خیام وحدت واحدیت آں مرکز دائرہ پرکار وجود، آں مہبط تجلیات و انوار شہود، آں گونے از ہمہ بردہ در حق پرستی، آں قطب الوحدت خواجہ خواجگان معین الحق والدین حقیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بروقت صدور فرمان عالی سب سے پہلے سر تسلیم خم نہ فرماتے۔

(ب) بوجہ کمال اتباع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم، مثل قول علیہ السلام: اَنَا سَيِّدُ دُلْدِ آدَمَ وَبَيْدِ مَنِي

لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وغيرہ یہ فرمان صادر ہوا۔

(ج) آپ ایسے اقوال کے صدور کا منشاء قول ذیل سے بیان کرتے ہیں: وَمَا قُلْتُ قَوْلِي هَذَا إِلَّا

وَقَدْ قِيلَ لِي - یعنی میں ان خود ایسی بات نہیں کہتا ہوں، بلکہ منجانب اللہ ارشاد ہوتا ہے کہ ایسا کہو۔

(د) رئیس المکاشفین شیخ اکبر قدس سرہ فتوحات کے باب ۳۳ میں بعد ذکر اقسام اولیاء اللہ فرماتے ہیں:-

”وَمِنْهُمْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ رَجُلٌ وَاحِدٌ وَقَدْ تَكُونُ امْرَأَةً فِي كُلِّ زَمَانٍ آيَةٌ

رَوْهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ، لَهُ الْإِسْطِطَالَةُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ سِوَا اللَّهِ شُهُمٌ، شَجَاعٌ، مِقْدَامٌ، كَثِيرٌ

الدُّعْوَى بِحَقِّ يَقُولُ حَقًّا وَيَحْكُمُ مَعْدًا لَأَنَّ صَاحِبَ هَذَا الْمَقَامِ شَيْخُنَا عَبْدُ الْقَادِرِ

الْحَيْلِيُّ بَعْدًا إِذْ كَانَتْ لَهُ الصَّوْلَةُ وَالْإِسْطِطَالَةُ بِحَقِّ عَلَى الْخَلْقِ كَانَ كَبِيرَ الشَّانِ“

یعنی اولیاء میں سے ایک ولی ایسا ہوتا ہے کہ سوائے حق سبحانہ تعالیٰ کے ہر چیز پر غالب اور متصرف

رہتا ہے اور پُر زور دعاوی کرتا ہے، مگر اُس کا دعویٰ اور بول بالا سچا ہی ہوتا ہے۔ ایسا ہی حکم اُس کا عدل انصاف

سے ہوتا ہے۔ اس مقام کے صاحب بغداد میں عالی جناب ہمارے شیخ عبد القادر جلی گویا آیت دھوالقاهر

فَوْقَ عِبَادِهِ کے منظر تھے۔

اسی باب ۳۳ میں لکھتے ہیں کہ محمد اذانی المعروف ابن قاید افراد میں سے تھے۔ اولیائے افراد وہ ہوتے ہیں؛

جو حضرت علیہ السلام کی طرح دائرہ قلب سے خارج ہوں۔ عالیجناب غوث پاک قدس سرہ محمد اذانی مذکور کے بارے

میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ اولیائے افراد سے ہے اور یہ محمد اذانی غوث پاک کے اصحاب خدام میں سے تھے۔

حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصریح ہذا سے نتائج ذیل ثابت ہوئے:-

۱۔ عالی جناب نہ صرف مقام غوثیت کے مالک تھے، بلکہ اس سے بالاتر تھے۔

۲۔ آپ ہر شے پر سوائے خدائے عزوجل کے غالب و متصرف تھے۔

۳۔ ایسا شخص لاف زن و کم ظرف نہیں ہوتا بلکہ سچا اور صاحب تمکین ہوتا ہے۔

۴۔ ہر زمانے میں ایسا ولی ہونا چاہیے۔ وہ عبارت جس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے، اسی باب میں ہے، مگر

خوف طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کی گئی ہے۔

۵۔ حضرت شیخ کے زمانے میں اس تصرف کا مالک حسب تصریح شیخ رضی اللہ عنہ ایک ولی تھا مگر اسی

باب میں لکھتے ہیں کہ گو یہ ولی مقام دھوالقاهر فوق عبادہ میں ہے، لیکن شیخنا عبد القادر رضی اللہ

عنه میں علاوہ مقام ہذا کے اور وجوہ فضیلت بھی موجود تھے۔

چنانچہ سیدنا عبد القادر و سیدنا خواجہ نظام الدین ہر دو مقامِ محبوبیت میں شریک ہیں مگر حسب تصریح حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی، حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی دہلوی سیدنا عبد القادر سے مستفیض ہیں (ملاحظہ ہو نظام القلوب)۔ نیز محبوبیتِ قادریہ عالمگیر ہے اور محبوبیتِ نظامیہ کئی قطعاتِ ارض تک نہیں پہنچی۔ رہا لفظِ سُبْحَانِی وَ اِلٰہِی سُو مَقَامِ جَدْب و مَجْبُوْبِیْت سے جیسا تناسب کہ لَفْظِ سُبْحَانَ کو ہے لَفْظِ اِلٰہِ کُوْنِیْس۔ کَمَا قَالِ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کَیْلًا۔ اور نہ لَفْظِ اِلٰہِ ذَاتِ بَحْتِ پُرْدَال ہے بلکہ سُبْحَانَ کَرْتَبَہٗ ذَاتِ کَانَام ہے۔ (ملاحظہ ہوں فتوحات و شرواحِ نصوص)

حضرت مجدد الف ثانی دوسری جلد کے آخری مکتوب میں حضورِ غوثِ اعظمؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:-
”دُؤُولِ فِیُوضِ و بَرَکَاتِ دَرِیْ رَاہِ بِرَکَہٗ بَاشَدَا زِ اَقْطَابِ و نَجَابَتِ تَوَسِطِ شَرِیْفِ اُوْمَہُمُوْمِی شُوْد، چہ اِیْسِ مَرکَزِ غَیْرِ اُوْرَا مِیْسْرَہٗ شَدَا لِحِ

اس موقع پر برائے فائدہ مندرجہ ذیل سوالات و جوابات بھی درج کیے جاتے ہیں:-

سوال۔ لفظِ ولی اللہ اصحابِ کرام پر بھی بدلیل قولہ تعالیٰ اَللّٰہُ وِلٰی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ و سائر آیاتِ قرآنیہ بولا جاسکتا ہے، تو حسب قول مذکور چاہیے کہ آپؐ کا قدم اصحابِ کرام کی گردن پر بھی ہو۔ حالانکہ یہ امر مسلم ہے کہ کوئی ولی، خواہ کیسا ہی کامل ہو، صحابہ کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔

جواب۔ متاخرین کے عرف و محاورے میں ولی اللہ اسوائے صحابی پر بولا جاتا ہے۔

سوال۔ عبارتِ فتوحات ”مَسْوَْرَہٗ بِالْاِیْمَنِ لَہٗ اِلَّا سَبَطَالُہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ سِوَاللّٰہِ سے پایا جاتا ہے کہ اس ولی کا تصرف انبیاءِ علیہم السلام پر بھی ہوتا ہے۔

جواب۔ عالیجناب رضی اللہ عنہ کا زمانہ انبیاء کا زمانہ نہ تھا۔

سوال۔ لفظِ ”کُلِّ زَمَانٍ“ مندرجہ عبارتِ فتوحات ”مَسْوَْرَہٗ بِالْاِیْمَنِ“ سے پایا جاتا ہے کہ انبیاءِ علیہم السلام کے زمانے میں بھی ایسے ولی کا ہونا واقعی امر ہے اور نیز اسی باب میں قبل از عبارتِ مذکور حضرت شیخ تصریح فرماتے ہیں کہ بعد آنحضرتؐ چار انبیاء بہ اجسامِ زندہ ہیں۔

جواب۔ مفضول کا تصرف فاضل پر مثل تصرف جبرائیلؑ برآں حضرت واقعی اور مسلم شدہ امر ہے۔ کیونکہ بوجہ

تخالفِ فیما بین وجوہِ فضیلت، استبعاد مندرجہ سوال بخوبی مندفع ہو سکتا ہے۔ وہی آخری مکتوب شریف ملاحظہ

ہو۔ چنانچہ عالیجناب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خُضْنَا بِحَمْرِ الْعَرِیْقِ عَلٰی سَاحِلِہِ الْاَبْدِیَّآءِ۔ یعنی ہم ایسے

دریا میں ڈوبے ہیں، جس کے کنارے پر انبیاءِ علیہم السلام کو کھڑا ہونا نصیب نہیں ہوا۔ بحر و دریا سے مراد آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یعنی ہم کو بوجہ کمالِ اتباعِ ظاہری و باطنی، شریعت و طریقتِ ذاتِ پاکِ محمدیؐ میں کابل

فنا حاصل ہے۔ بخلاف سائر انبیاءِ علیہم السلام کہ وہ اپنی اپنی شرائع میں رنگین ہونے کے باعث اس فنا کابل

سے عاری ہیں۔

سوال۔ عیسیٰ ابن مریم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حسب احادیث صحیحہ بعد النزول شرع محمدی کے پابند

ہوں گے۔ لہذا کابل فنا کے مستحق ہوئے اور عالی جناب کے فرمان مذکور لَعْرِيقُ عَلٰی سَاحِلِهِ الْاَنْبِيَاءُ سے سمجھا جاتا ہے کہ کسی پیغمبر کو ذات محمدی میں فنا ظاہری و باطنی نہ ہوگی۔

جواب۔ فرمان مذکور کا مطلب یہ ہے کہ میرے قول ہذا سے پہلے کسی نبی کو بجز ذات محمدی میں فنا کا بل و اتباع شرع محمدی حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ لَعْرِيقُ عَلٰی سَاحِلِهِ الْاَنْبِيَاءُ پر ماضی معنی کا معنی دیتا ہے بنا بریں اگر بعد اس فرمان کے قُرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کو اتباع شرع محمدی میں اتباع کابل حاصل ہو تو مخالف قول مذکور نہ ہوگا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَدْلًا وَاٰخِرًا وَاَلصَّلٰوَةُ وَاَلتَّلَامُ عَلَيْهِ ظَاهِرًا وَاٰخِرًا وَاَبَاطِنًا۔ العبد المہر

محبت کا بندہ، علی کا نام لیوا، شاہ جیلان کا حلقہ بگوش از گولڑہ بقلم خود۔ ۱۸ صفر ۱۳۳۱ھ لے
القصة حضرت غوث بہاؤ الدین ملتانی نے جناب غوث الاعظم کی شان میں کیا خوب عرض کیا ہے :-

گویم ز کمال تو چہ غوثُ الثَّقَلینَا
سردر قدمت جملہ نہادند و بگفتند
مآجسز و حیران بماندیم بگرداب
لا مخلص الا بک باللہ لدینَا

ماتشہنہ چوماہی ہمہ در دشت فتادیم

اے ابر کرم بار تو بشتاب ایلنا

۱۔ ارباب علم و بصیرت سے مخفی نہیں کہ حضور غوث اعظم سیدنا شیخ محی الدین ابی محمد عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے فضائل و کمالات، حسب نسب و تصرفات و کرامات مشہور و متواتر ہیں۔ آپ کا ارشاد گرامی میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے۔ حضور کے معاصرین سے لے کر ہر زمانہ کے مشائخ عظام اور ان کے متوسلین علمائے کرام و عوام اہل اسلام کے نزدیک ایک مسلم حقیقت ہے اور آج تک کسی سلسلہ کے بزرگان دین سے اس کا انکار ثابت نہیں۔ جیسا کہ خاتم المفسرین حضرت السید علامہ محمود آوسی بغدادی مصنف روح المعانی نے اپنی کتاب الطراز المذہب میں اور حضرت السید علامہ محمد کی شیخ الجامعۃ الزیورہ (تیونس) نے اپنی کتاب السیف الربانی میں اور حضرت السید مولانا ابو ظفر ظہیر الدین قادری بغدادی نے اپنی کتاب فتح البین میں تفصیل فرمائی ہے۔ آپ کی سیرت پر مستند کتاب بجمہ الاسرار میں سند متصل کے ساتھ ان مشائخ کرام کے اقوال منقول ہیں جنہوں نے اس ارشاد گرامی سے پہلے پیش گوئی فرمائی تھی کہ آپ حکم الہی یہ ارشاد فرمائیں گے۔ اس کے علاوہ مجلس میں حاضر مشائخ اور دیگر بہت سے معاصرین اولیائے کرام کے اقوال بھی درج ہیں جنہوں نے اپنے اپنے مقام پر کشف و ابہام کے ذریعے اس ارشاد گرامی سے مطلع ہو کر گردنیں جھکا دیں۔ کتاب مذکور کے مصنف امام نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف (متوفی ۱۳۱۳ھ) جامعہ ازہر کے شیخ القراء تھے مشہور محدث اور نقاد مؤرخ امام ذہبی جو مصنف کے ہم عصر تھے اور اسی طرح محدث مشہور امام جزینی اور امام جلال الدین سیوطی، امام عبدالشہید سیوطی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی سب نے مصنف کے علمی فضل و کمال کی تعریف کی ہے۔ جیسا کہ الدولۃ المکیۃ مصنفہ مولانا احمد رضا خان بریلوی میں تفصیل مذکور ہے۔ اس کتاب کے علاوہ ہر دور کے علماء و مشائخ کی بے شمار تصانیف میں حضور کے اس ارشاد گرامی کے متعلق تفصیل موجود ہے حضرت کی تصنیف فتاویٰ مہریہ میں بھی تفصیل درج ہے۔

چوتھی فصل

حضرت قبلۂ عالم کے دیگر اجدادِ کرام

سید تاج الدین عبد الرزاق و سید جمال اللہ حیات المیر

حضرت قبلۂ عالم گوروی قدس سرہ العزیز، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، جناب غوث الاعظم کے منجملے بیٹے سید تاج الدین عبد الرزاق قدس سرہ العزیز کی اولادِ پاک میں سے ہیں۔ جن کا سلسلہ طریقت قادریہ، رزاقیہ شرق و غرب میں پھیلا ہوا ہے۔ سید عبد الرزاق اپنے وقت کے مشائخ کبار میں سے ہوئے ہیں۔ آپ مفتی عراق کے لقب سے مشہور تھے۔ منجملے صاحبزادے ہونے کے باوجود آسانہ عالیہ غوثیہ بغداد شریف کی سجادگی و تولیت کا شرف زیادہ تر آپ ہی کی اولاد کو حاصل ہا ہے آپ کے ایک فرزند سید جمال اللہ المعروف پیر حیات المیر زندہ پیر کو اپنے جسد بزرگوار حضرت غوث الاعظم کی دعا سے حیات جاوید حاصل ہوئی۔ وہ آنجناب یعنی غوث الاعظم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد ہی عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے تھے۔ جناب غوث الاعظم اپنے اس پوتے کے حال پر بے حد شفقت فرماتے تھے کتب خزینۃ الایمان تحفۃ القادریہ اور اقباس الانوار وغیرہ میں مذکور ہے کہ حضرت غوث الاعظم ان کو گود میں لے کر پیاڑ فرماتے اور کہتے، بیٹا! جب امام آخر الزمان، حضرت مہدی سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہنا۔ اصل عبارت ذیل ہے :-

”از سید جمال اللہ مدت عمرش پُرسیدند، فرمود کہ بدم رضی اللہ عنہ غوث الاعظم وقت جوش شوق الہی مرا

در بر کردہ می فرمودے کہ برادر مہدی و حضرت عیسیٰ علیہما السلام را از من سلام برسانی۔ او ہنوز زندہ است و در

نواح بسطام وغیرہ ممالک سیر می نماید“

کتاب تحفۃ الابرار میں انیس القادریہ وغیرہ کتب کے حوالہ سے تحریر ہے کہ سید جمال اللہ شکل و صورت میں حضرت غوث الاعظم سے بہت مشابہ تھے اور آپ کی دعا سے زندہ جاوید ہیں۔ سید مقیم شاہ سکنہ حجرہ شاہ مقیم ضلع ساہی وال اور سلطان بری لطیف، نور پور شاہاں ضلع راولپنڈی اور بہت سے دیگر اولیاء کرام کا آپ سے فیض حاصل کرنا بیان کیا جاتا ہے۔

سید ابوصالح طاہر نصر و سید علی بغدادی

سید ابوصالح حضرت سید عبد الرزاق کے دوسرے فرزند تھے۔ آپ مفتی عراق کے منصب جلیل پر فائز تھے۔ حضرت قبلۂ عالم آپ کے صاحبزادے سید علی بغدادی کی اولاد سے ہیں۔ تحفۃ الابرار میں ”تذکرۃ العابدین“ کے

حوالے سے تحریر ہے کہ آپ کی تصانیف میں سے "اسرار النقطہ"، "شرح فصوص الحکم"، "شرح قصیدہ خمیریہ" و "فارغیتہ" و "اوراد فحیمیہ" بڑے کشائش ظاہر و باطن اکیر اعظم کا حکم رکھتی ہیں۔

سید تاج الدین محمود و سید ابی الحیات

حضرت سید علی قادریؒ کی چوتھی پشت میں حضرت سید تاج الدین محمودؒ دست ادری رزاقیؒ نویں صدی ہجری میں سب سے پہلے سلسلہ عالیہ قادریہ رزاقیہ کا انعام الہی لے کر بنگال پہنچے۔ ان دنوں سلاطین بنگالہ کا پایہ تخت گورکھا۔ سلطان وقت فیروز شاہ نے آپ کی خانقاہ کے لیے جاگیر مقرر کی اور آپ کافی عرصہ تبلیغ فرمانے کے بعد اپنے صاحبزادے سید ابی الحیات کو اپنی جگہ مسند ارشاد پر چھوڑ کر واپس بغداد شریف چلے گئے۔ ان ایام میں سید شریف مکی کو بنگال کے ایک حصے کی حکمرانی حاصل ہوئی۔ چنانچہ وہ بھی اپنی پرہیزگاری اور خدمت دین کے باعث اس سلسلہ شریف کی ترویج میں مجدد و معاون ثابت ہوئے۔

حضرت میراں شاہ قادر قمیص

حضرت سید ابی الحیات، ہمایوں ابن بابر بادشاہ کے دور تک زندہ رہے۔ ان کی وفات پر ان کے صاحبزادے میراں شاہ قادر قمیص نے ان کا جانشین ہو کر نہ صرف بنگال میں بلکہ تمام برصغیر ہند میں عظیم شہرت حاصل کی جب ہمایوں بادشاہ اور شیر شاہ سوری کی جنگوں کی وجہ سے ملک میں بد امنی پھیلی تو آپ ارض مقدس بغداد شریف لے گئے۔ اور کئی سال بعد امن بحال ہونے پر واپس گنگوہ پہنچے۔ اس وقت یہاں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کے خلفائے عظام کا کافی شہرہ تھا۔ لطائف قدوسی میں لکھا ہے کہ قطب العالم شیخ عبدالقدوس نے بایں جلالت شان و کھولت عمری شہر سے باہر نکل کر حضرت مخدوم قمیص کا استقبال کیا اور کچھ عرصہ اپنے پاس مہمان رکھ کر سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے اوراد و وظائف مرحمت فرمائے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے مشائخ عظام میں سے تھے جو شہرت و عظمت اس سلسلہ شریف میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی، وہ صاحب سلسلہ حضرت سید علاؤ الدین علی احمد صابر کے علاوہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہو۔ حضرت گنگوہی کے خلفائے عظام میں شیخ جلال الدین تھانیسری، شیخ عبدالغفور اعظم پوری اور شیخ عبدالاحد سرہندی (حضرت مجدد الف ثانی کے والد بزرگوار) وغیرہ مشائخ کے اسمائے گرامی آتے ہیں آپ نے ہندوستان کے مختلف سیاسی انقلابات دیکھے اور خاندان لودھی سے مغلیہ دور تک رونق افروز عالم رہ کر ۹۴۵ھ میں ترانوے سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔

حضرت مخدوم قادر قمیص گنگوہ سے بنگال گئے۔ مگر وہاں حالات کو سازگار نہ پا کر موجودہ اضلاع انبالہ اور سہارنپور (بھارت) کے قصبہ شاہ ڈھور میں جو اب ساڈھورا کے نام سے مشہور ہے، سکونت اختیار فرمائی۔ ۹۸۳ھ میں جب مغل بادشاہ اکبر نے بہار کو فتح کیا تو حضرت مخدوم کو بنگالہ کے سلطان بایزید کے پاس سفیر بنا کے بھیجا۔ اسی زمانے میں بہار کا ایک ہندو راجہ اور اس کی رانی آپ کی رومانیّت سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ شاہان مغلیہ نے آپ کی خانقاہ کے لیے چھ گاون

نذر کیے ہوئے تھے جو انگریزی دور تک رہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں:-

شاہ قادر قمیص ابن سید ابی الحیات، حضرت شاہ عبد الرزاق بن حضرت غوث الاعظم کی اولاد سے ہیں۔ آپ پہلے بنگال میں ارشاد و تبلیغ فرماتے رہے، جہاں سے فقر و تخرود کے ساتھ آکر قصبہ سالورا خضر آباد میں مقیم ہوئے۔ وہاں سید نصر اللہ نے جو عالم دین باعمل، صاحب حال و متبع سنت بزرگان میں سے تھے، اپنی صاحبزادی کا عقد آپ سے کر دیا۔ جس وجہ سے آپ نے سالورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس علاقے کے آس پاس کے اکثر و بیشتر لوگ اور درویشوں کی ایک جماعت آپ کے عقیدت مند واردات مند ہوئے ہیں۔ شیخ عبد الرزاق المعروف شیخ بہلول آپ ہی کے خلیفہ تھے جو علم شریعت و طریقت میں کامل بزرگ ہوئے ہیں۔ شاہ قمیص نے بنگال میں وفات پائی۔ جہاں بادشاہ وقت نے ان کو کسی کام کے سلسلے میں روانہ کیا تھا۔ ۳۔ ذیقعدہ ۹۹۲ھ کو آپ کا جسد پاک بنگال سے لا کر سالورہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ جہاں ہر سال ۲ تا ۱۱ ربیع الثانی اجتماع خلافت ہوتا ہے۔

حضرت شاہ محمد فاضل قلندر

حضرت مخدوم قادر قمیص کے بعد آپ کے پوتے حضرت شاہ محمد فاضل قلندر بہت بڑی شہرت کے مالک اور سلسلہ عالیہ قادریہ قمیصیہ کے فروغ کا باعث ہوئے۔ ۹۔ رمضان المبارک ۱۰۴۲ھ کو انتقال فرما کر قلعہ ساڈھورہ کے قریب دفن ہوئے۔ یہ جگہ پہلے ”شاہ محمد فاضل کی گھائی“ اور بعد میں ”فاضل پور“ کے نام سے مشہور ہوئی۔

حضرت شاہ قادر قمیص کی اولاد میں سے ایک اور بزرگ سید صادق علی شاہ، حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی چشتی نظامی کے خلیفہ مجاز ہو کر دہلی سے بہار اور بنگالہ کی سیاحت فرماتے ہوئے لنکار سیلون، تشریف لے گئے اور تبلیغ دین فرماتے رہے۔ اسی جگہ انتقال فرمایا اور بمقام پولو ہانگ مدفون ہوئے۔ ان کے خلیفہ حضرت شاہ قیام الدین اصدق کا دفن موضع جمعہ اوان المعروف پیر بگیہ ضلع پٹنہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

ان چند حضرات کا ذکر خیر یہاں تبرکاً کر دیا گیا ہے۔ ورنہ سلسلہ عالیہ قادریہ قمیصیہ کے مشائخ کا تذکرہ بہت طویل ہے۔ زمانہ قریب میں حضرت شاہ قادر قمیص کی اولاد میں سے حضرت قبلہ عالم گولڑوی اور حضرت شاہ سلیمان پھولاروی (صوبہ بہار) ایسی مائے ناز ہستیاں گزری ہیں سلسلہ عالیہ قادریہ قمیصیہ کے مشائخ کی تفصیل تذکرۃ الابرار مصنفہ تقی حیدر قلندر کاکوروی میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حضرات پیر سید روشن دین شاہ و پیر سید رسول شاہ

مخدوم میراں شاہ قادر قمیص کی باہویوں پشت میں سے ایک صاحب حضرت سید عبد الرحمن نوری حج کے لیے گئے۔ واپسی پر بمقام بصرہ بقضائے الہی انتقال فرما گئے۔ اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے اوراد و وظائف کی کتابیں آپ کے ساتھ ہی دفن کر دی گئیں۔ آپ کے صاحبزادگان پیر سید روشن دین و سید رسول شاہ کو جب ساڈھورہ میں اس کی اطلاع ہوئی تو وہ پیدل روانہ ہو کر بصرہ پہنچے اور چھ ماہ تک اپنے والد ماجد کے مزار شریف پر مقیم رہے۔

قلی شجرہ نسب (مخازن النسب) میں لکھا ہے کہ ایک روز ادراد و وظائف کی کتابیں خود بخود قبر شریف سے باہر آئیں جنہیں لے کر یہ دونوں بھائی فریضہ حج ادا کرنے چلے گئے۔ واپسی پر بغداد شریف و بصرہ سے ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔ جہاں امیر کابل نے ایک علمی مناظرے میں بڑے صاحبزادے پیر سید روشن دین شاہ کے کمال سے متاثر ہو کر منصب قضا پیش کیا، مگر آپ نے قبول نہ کیا اور کابل سے وطن واپس ہوتے ہوئے سر زمین گولڑہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہ غالباً بارہویں صدی ہجری کے آخر کی بات ہے، جب کہ تختِ دہلی پر مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی متمکن تھا اور بنگال پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ہر طرف طوائف الملوک کا دور دورہ تھا۔ پنجاب پر سکھ قابض ہو رہے تھے اور مرہٹے اور انگریز دہلی پر نظریں لگائے بیٹھے تھے۔ ۱۷۶۰ء میں احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان پانی پت کی تیسری لڑائی کی وجہ سے اُس نواح میں بد امنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے ان ہردو حضرات نے پنجاب کے اس شمال مغربی گوشے کو جلتے امن اور اپنے مقاصد تبلیغ و ارشاد کے لیے موذوں خیال کرتے ہوئے ساڈھورہ سے اہل و عیال و خدام کو اسی جگہ بلوایا۔ حضرت پیر سید روشن دین، قبلہ عالم گولڑوی کے دادا حضرت پیر سید غلام شاہ کے والد بزرگوار تھے۔

گولڑہ

راولپنڈی سے گیارہ میل کے فاصلے پر کوہ مارگلا کے دامن میں ایک قصبے کا نام گولڑہ ہے، جو غالباً وہاں کے قدیمی باشندوں گولڑہ قوم کے باعث اس نام سے موسوم ہے۔ سلطنتِ خداداد پاکستان کا دار الخلافہ اسلام آباد اس قصبے کی شرقی حدود کے ساتھ واقع ہے۔ اُن دنوں یہ جگہ سکھوں کی عملداری میں سکھ قلعدار کا صدر مہتمم تھی۔ سکھوں کی تحصیل و قلعہ کے کھنڈرات و آثار اب تک موجود ہیں۔ آج کل یہاں ریلوے سٹیشن، تھانہ پولیس، ہسپتال، ڈاک خانہ، تارگھر، ٹیلیفون آفس وغیرہ بن چکے ہیں اور راولپنڈی و اسلام آباد سے ٹچتے سڑکوں کے ذریعے بلا ہوا ہے۔ جن پر سرکاری موٹربیس، مسافروں اور زائرین کی آمد و رفت کا ذریعہ ہیں۔ یہ عروج اس قصبے کو اللہ تعالیٰ نے دربارِ عالیہ غوثیہ مہری کی وجہ سے بخشا ہے، جو منبع برکات ہونے کے باعث مرجعِ خلافت ہے۔

پہلے اس علاقہ پر افغانوں کا قبضہ تھا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں احمد شاہ ابدالی کے انتقال پر رنجیت سنگھ نے، جو افغانوں کی طرف سے پنجاب کا صوبیدار تھا، خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اور پنجاب کے ساتھ اس علاقہ کو بھی اپنی عملداری میں شامل کر لیا۔ حضرت پیر سید روشن دین شاہ و پیر سید رسول شاہ کے مزارات آسانہ عالیہ کے شمال کی طرف ایک چار دیواری میں زیارت گاہِ خلق ہیں۔

سائیں علی محمد عرف مسکین شاہ پانی پتی

حضرت سائیں علی محمد عرف حضرت مسکین شاہ، پیر سید روشن دین شاہ و پیر سید رسول شاہ کے حُتم میں سے تھے، جو ہردو حضرات کے اہل و عیال کے ہمراہ ساڈھورہ سے نقل مکانی کر کے گولڑہ شریف آئے اور اسی جگہ اُن کی خدمت میں عمر گزار دی۔ حضرت پیر سید رسول شاہ سے خلافت پانی پتی اور اُن کے وصال کے بعد اُن کے کم سن فرزند و جانشین حضرت پیر فضل دین کی تربیت فرما کر اُن کے والد شریف کی روحانی امانت اُن کو پہنچائی۔ سائیں



درگاہ عالیہ گولڑہ شریف کا منظر



مزار مبارک حضرت سید روشن دین شاہ صاحب دینہ رسول شاہ صاحب



مرقد مبارک حضرت پیرنذر دین شاہ صاحب المعروف اجی صاحب (اندرونی منظر)



مزار مبارک حضرت پیرتید فضل دین شاہ صاحب (بیرونی منظر)



مزار مبارک حضرت پیرتید فضل دین شاہ صاحب (اندرونی منظر)

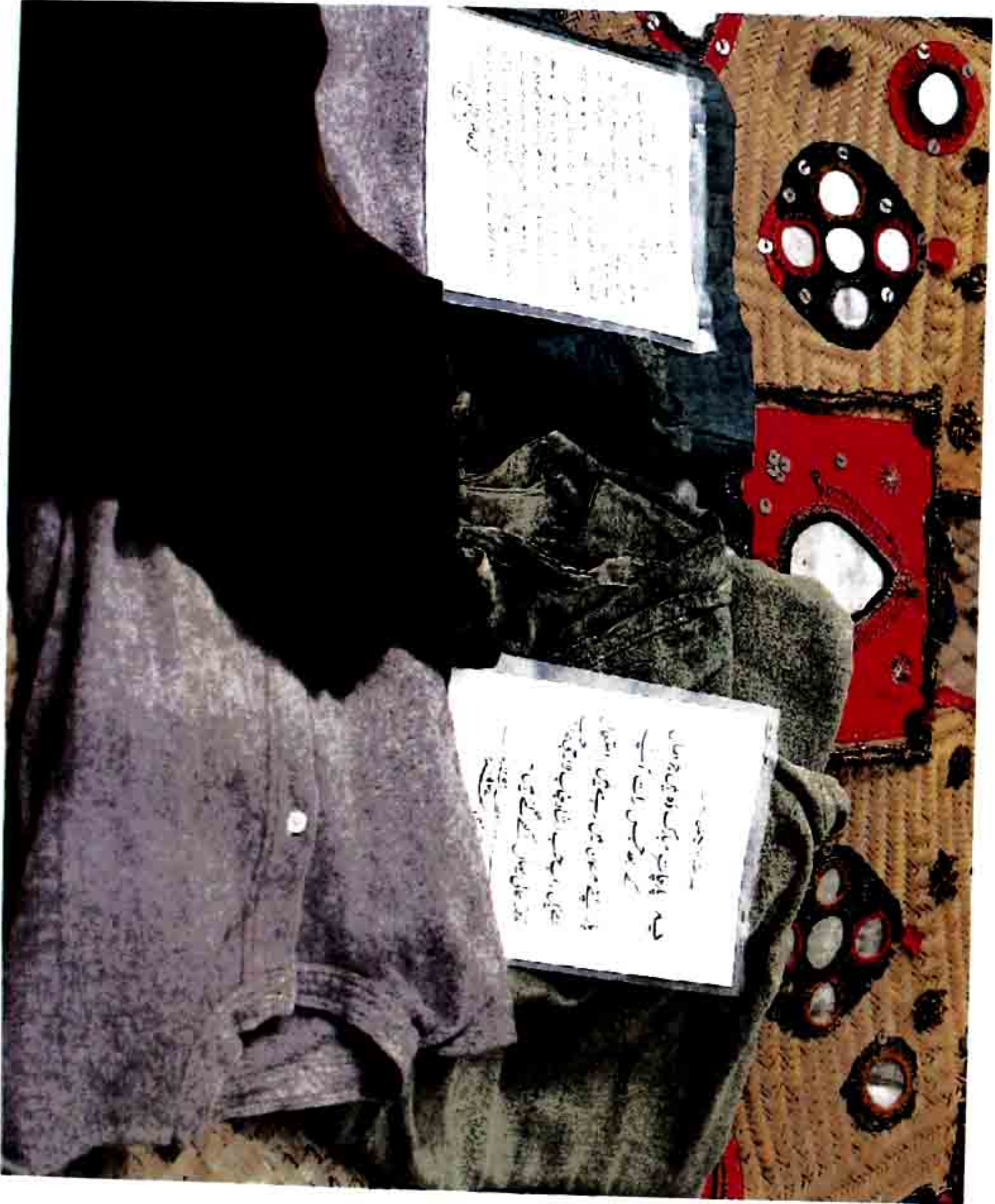


حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی رہائش گاہ ”عشق آباد“



پتھر کی سل جائے نماز کی شکل میں۔ جس پر حضرتؒ نے بیشتر راتیں عبادت میں گزاریں جو حضرت کی رہائش گاہ ”عشق آباد“ کے سامنے موجود ہے۔

تبرکات : حضرت کی قمیضیں اور واسکٹ وغیرہ





تبرکات : حضرتؐ کی قمیصیں اور واسکٹ وغیرہ

مسکین شاہ کی دو کرامتیں زباں زدِ خاص و عام ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس قدر غوشِ الحان قاری تھے کہ بل چلانے والوں کے بل اور گڈریوں کے جانور نماز فجر کے وقت اُن کی قرأت سن کر رُک جاتے تھے اور جب تک قرأت ختم نہ ہو جاتی ہانکنے پر بھی نہ چلتے تھے۔ چنانچہ جب وہ اس طرح کھڑے ہو جاتے تو لوگ اختتامِ قرأت تک اُن کو ہانکنے کی کوشش ہی نہ کرتے۔ دوسری یہ کہ سائیں صاحب کو حضرت غوث الاعظم سے نیاز و نسبت میں اس قدر استغراق تھا کہ قیام کی حالت میں اُن کے پیچھے کھڑے ہونے والے شخص کو اکثر حضرت غوث الاعظم کا روضہ پاک نظر آ جاتا۔

حضرت پیر سید میراں شاہ و حضرت پیر سید فضل دین شاہ

حضرت پیر سید روشن دین شاہ پہلے وصال فرما گئے تھے، حضرت پیر سید رسول شاہ کا بعد میں انتقال ہوا اور اُن کے دو خورد سال صاحبزادے پیر سید میراں شاہ اور پیر سید فضل دین شاہ رہ گئے، جن کی پرورش و تربیت، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، سائیں علی محمد عرف مسکین شاہ کے ذریعہ عمل میں آئی۔ سید میراں شاہ اگرچہ پابند شریعت تھے، مگر بوجہ غلبہ سکر و کیف قلندرانہ وضع رکھتے تھے۔ "ملفوظاتِ طبقات" حضرت قبلہ عالم میں بروایت آپ کے والد ماجد حضرت پیر سید نذر دین المعروف اجی صاحب تحریر ہے کہ ایک مرتبہ بچپن میں حضرت اجی صاحب پیر سید میراں شاہ صاحب کی انگلی پکڑے جا رہے تھے۔ جب اُس جگہ سے گزرے، جہاں اب حضرت قبلہ عالم کی حرم سرائے ہے اور اُس زمانے میں قوم سہام کے مکانات تھے تو ایک سہام نے، جسے اپنی قوم کے سکھوں کی عملداری میں صاحبِ قلم و قانون ہونے کا ناز تھا، اپنے مکان کی مُرمت کے سلسلے میں پیر صاحب سے کوئی ناگوار سی بات کی تو جو ابا آپ نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو، اس جگہ پر ہم میں سے ہی کسی کے مکانات نہیں گئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ان کی ایک اور کرامت کے متعلق حضرت قبلہ عالم فرماتے تھے کہ ایک رات اُن کی گھوڑی رستی تڑا کر ایک زمیندار کے کھیت میں جا نکلی، جس نے اُسے پکڑ کر درخت کے ساتھ اس طرح باندھ دیا کہ اُس کا منہ اوپر کو اٹھا رہے اور وہ کچھ کھاپی نہ سکے۔ اگلے روز تلاش کے دوران پیر سید میراں شاہ کے ایک خادم نے گھوڑی کو اس تکلیف دہ حالت میں پا کر اُس زمیندار سے کہا کہ اگر غلطی سے گھوڑی تمہارے کھیت میں جا نکلی تھی تو زیادہ سے زیادہ اُسے آوارہ قرار دے کر سرکاری پھانک میں داخل کرادیا ہوتا۔ ہم جُرمِمانہ ادا کر کے چھڑوا لاتے۔ اس طرح اس بے زبان جانور کو تکلیف میں ڈالنا مناسب نہیں تھا، لیکن اُس نادان شخص نے لا پرواہی سے سنی اُن سنی کر دی۔ خادم نے واپس آ کر یہ ماجرا پیر صاحب سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اُسے جا کر کہہ دو، تم نے ہماری گھوڑی کا منہ باندھا ہے ہم نے تمہاری گھوڑی کی بچہ دانی باندھ دی ہے۔ لہذا یہ شخص بے اولاد ہی فوت ہوا۔

پیر سید میراں شاہ کو حضرت قبلہ عالم سے کمال درجہ محبت تھی۔ اکثر اپنے پاس بٹھلائے رکھتے۔ "ملفوظاتِ مہرین" میں حضرت قبلہ عالم کی زبانی تحریر ہے کہ جس شام پیر سید میراں شاہ کا وصال ہوا اُس روز صبح کے وقت مجھے فرمایا کہ اپنے چھوٹے ماموں صاحب (حضرت پیر فضل دین) سے جا کر کہہ دینا کہ آج ہم ایک لمبے سفر پر جانے والے ہیں۔ میں کم عمر تھا، اس لیے پیغام دینا یاد نہ رہا۔ جب شام کو بغیر کسی ظاہر تکلیف کے فوت ہو گئے تب معلوم ہوا کہ "لمبے سفر" سے

مرا سفر آخرت تھا حضرت پیر فضل دین صاحب حضرت قبلہ عالم کے والد بزرگوار کے ماٹوں تھے اور آپ بھی انہیں ماٹوں کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت پیر سید فضل دین ایک بلند مقام، صاحب کشف و کرامات اور مرجع خلافت بزرگ تھے۔ آپ کی دعا، دم اور تعویذات تیرہ ہدف تھے۔ حل مشکلات اور افادہ ظاہری و باطنی کے لیے دور و نزدیک سے آنے والی خلق حسدا کا آپ کی خانقاہ میں ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ جس میں بلا امتیاز مذہب و ملت ہر قسم اور ہر طبقے کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ آپ کا شغل پاسِ انفاس تھا اور زیادہ تر اسی وظیفے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور اپنے مسودات میں لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت قبلہ عالم کو فرماتے سنا ہے کہ حضرت پیر فضل دین کے دادا بزرگوار نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بیٹے سید رسول شاہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دینا۔ چنانچہ جب پیر سید فضل دین کچھ بڑے ہوئے تو اُس جگہ جا کر بیٹھ گئے جہاں اب اُن کا مزار ہے اور وہیں عمر گزار دی۔ جناب امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے خواب میں عرض کی کہ مجھے وہی کلمہ پڑھا دیجیے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو پڑھایا تھا تو آپ نے فرمایا، کہو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ بقول شیخ الجامعہ حضرت قبلہ عالم یہ بھی فرماتے تھے کہ سائیں علی محمد عرف مسکین شاہ نے پیر سید فضل دین سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لنگر کے لیے سو سو روپے یومیہ مقرر فرماتے ہیں۔ اگر اس سے زیادہ ہو گیا تو تمہاری قسمت۔ اس سے کم نہ ہوگا۔ چنانچہ اس نواح میں آپ کا لنگر مشہور تھا۔

ایک روز حضرت قبلہ عالم نے آپ کے تصرفات و صفاتی باطن کے ضمن میں فرمایا کہ میں جب سفر حج سے واپس آیا تو حضرت پیر سید فضل دین نے میرے ایام سفر کی کئی ایک باتوں کا خود مجھ سے ذکر فرمایا اور کہا کہ ایک روز میں نے دیکھا تو تم جہاز میں قبلہ رو بیٹھے فلاں وظیفہ پڑھ رہے تھے۔

حضرت پیر سید فضل دین نے مجرد و مرمض زندگی بسر فرمائی۔ آپ کا وصال ایک سو آٹھ برس کی عمر میں ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ یعنی ۱۸۹۲ء میں ہوا۔ آپ کا مزار شریف حضرت قبلہ عالم کی خانقاہ کے شمال مغرب میں مرکز زیارت و احترام ہے۔ سلسلہ طریقت قادریہ جدیدہ میں حضرت قبلہ عالم کو آپ سے بیعت و خلافت حاصل ہے اور حضرت قبلہ عالم آپ کے وصال سے گیارہ برس قبل مسند ارشاد پر متمکن ہو چکے تھے۔ اُس زمانہ میں آپ کی وجہ سے حضرت پیر فضل دین صاحب کو لوگ بڑے پیر صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت پیر سید نذر دین عرف حضرت اجی صاحب

حضرت پیر سید روشن دین شاہ کے صاحبزادے پیر سید غلام شاہ کی شادی اپنے چچا پیر سید رسول شاہ کی صاحبزادی اور پیر سید فضل دین شاہ کی ہم شیرہ سے ہوئی تھی۔ اس رشتے سے پیر سید نذر دین شاہ تولد ہوئے جو حضرت قبلہ عالم کے والد بزرگوار تھے۔ چونکہ پونٹھواری زبان میں والد کو اجی کہتے ہیں، اس لیے قبلہ عالم کے والد بزرگوار ہونے کی نسبت سے آپ حضرت اجی صاحب کے نام نامی سے مشہور خلائق ہوئے۔ آپ کی ولادت ۳۵-۱۲۳۴ھ یعنی ۱۸۱۵ء میں مقام گولڑہ شریف ہوئی۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ اور آپ کے عین عالم شباب میں جب کہ جنوز سکھوں کی عملداری تھی۔ ایک ایسا واقعہ رونما ہوا، جس سے گیسوانی سادات کے اس گھرانے کو خاص

شہرت نصیب ہوئی۔

حضرت قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اداہل عمر میں حضرت اجی صاحب شب و روز عبادت الہی اور مطالعہ کتب کے سلسلے میں اپنی آبائی مسجد میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اس مسجد کے قریب ہی سکھوں کا محلہ تھا، جہاں سکھ قلعہ دار کی ایک رشتہ دار لڑکی بد چلنی کے الزام میں حاملہ پائی گئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مقامی مخالف نے جو قلعہ دار کا مُتعمد تھا اور اس نوار د شریف خاندان کی عظمت اور روز افزوں اثر و رسوخ کی وجہ سے حسد کرتا تھا حضرت اجی صاحب کو متہم کیا۔ جس پر قلعہ دار نے کسی اور ثبوت کے بغیر آپ کو گرفتار کر کے زندہ جلا دینے کا حکم دے دیا۔ اس الزام و سزا کے حکم کے خلاف قرب و جوار کے مسلمانوں کے وفد سکھ سردار کے پیش ہوئے تو اُس نے کہا کہ سجادہ نشین صاحب خود آکر یقین دلائیں کہ لڑکا بے گناہ ہے۔ سجادگی پر اُس وقت حضرت اجی صاحب کے ماتوں حضرت پیر سید فضل دین رونق افروز تھے۔ آپ نے جانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ اُسے کہہ دو، اسے جلا ڈالے۔ اگر یہ گنہگار ہے تو ہمارے لیے اس کا جل جانا ہی بہتر ہے۔

تاریخ سزا سے ایک دن پہلے مواضع میرا بادیہ و میرا کو وغیرہ کے مسلمانوں نے اجتماع کر کے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر بڑے پیر صاحب نے اطراف و جوانب میں پیغام بھجو کر اطلاع کرادی کہ جو کوئی ایسا قدم اٹھائے گا، اُس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا۔ چنانچہ لوگ رُک گئے۔

سزا والے دن علی الصباح ہی ہزاروں کی تعداد میں مردوزن قلعے کے باہر جمع ہو گئے۔ اس قلعے کے کھنڈرات شہر سے مغرب کی جانب کچھ دور ندی کے کنارے اب تک موجود ہیں۔ عورتوں نے آہ و بکا کرتے ہوئے اپنے زیورات کا ڈھیر لگا دیا کہ ہمارے پیر زادے کو ان کے ساتھ تول کر جُرمانہ وصول کر لو اور اُنہیں رہا کر دو، مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اُس زمانے کے دستور کے مطابق عبرت عامہ کے لیے سزائے موت شائع عام پر دی جاتی تھی۔ اس لیے ایک کھلی جگہ لکڑیاں چُن کر چتیا کی گئی اور فوج نے اُسے گھیرے میں لے لیا۔

زندہ جلائے کی کوشش ناکام

یہ بُدھ یعنی چہار شنبہ کا دن تھا۔ اُس رات اجی صاحب کو حضرت غوث الاعظم کی زیارت نصیب ہوئی، جنہوں نے فرمایا کہ چتا پر جانے سے پہلے غسل کر کے، گھر میں جو نیا لباس موجود ہے، پہن کر دو نفل منسا زاد اکر لینا۔ چنانچہ سکھ سپاہیوں نے آخری خواہش کی تکمیل میں غسل کے لیے پانی بھی دیا اور گھر سے لباس بھی منگوا دیا، جو آپ نے پہن کر نماز دو گانہ ادا فرمائی اور چتا پر جا کر بیٹھ گئے۔ لکڑیوں پر تیل ڈال کر آگ لگانے کی کوشش کی گئی، مگر لاکھ جتن کے باوجود آگ نہ لگی۔ یہ دیکھ کر الزام لگانے والے شخص نے کہا کہ سپاہی پیروں سے بل گئے ہیں۔ اس لیے دانستہ میرا پھیری کر رہے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں، آگ کیسے نہیں لگتی۔ یہ کہہ کر اُس نے حضرت کے کپڑوں اور لمبے لمبے گھونگھریلے بالوں پر کافی تیل ڈالا اور ایک برتن میں خشک بنولے ڈال کر جلائے اور جب شعلے بلند ہونے لگے، تو اُس برتن کو آپ کے تیل میں ترتر بالوں کے نیچے رکھ دیا۔ مگر شعلے پکتے رہے اور اُن کی حرکت سے حضرت کے بال لہراتے رہے، لیکن اُنہوں نے آگ کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ آخر اُس نے جلتے ہوئے بنولوں کو آپ کے تیل میں شرابور کپڑوں پر

اُلٹ دیا۔ لیکن وہ بغیر کسی قسم کا اثر کیے ہوئے لکڑیوں پر جا گرے اور بچھ گئے۔

یہ دیکھ کر لوگوں میں آپ کی بے گناہی کا غوغا اٹھا اور قلعہ دار نے حکم دیا کہ مخبر کو گرفتار کر کے اسی چٹا پر جلا دیا جائے۔ اور خود گلے میں کپڑا ڈال کر دست بستہ حضرت سے معافی کا خواستگار ہوا کہ آپ واقعی بے گناہ ہیں۔ میں نے اس بُرے آدمی کے کہنے میں آکر آپ پر ناحق ظلم کیا۔

قبلہ عالم فرماتے تھے کہ اُس روز حضرت پیر سید فضل دین صبح سے ہی اپنے حجرے میں بغداد شریف کی طرف مُنہ کر کے کھڑے تھے اور بار بار آدمی بھیج کر اجی صاحب کی خبر منگواتے تھے۔ جب آپ نے سنا کہ مخبر کو گرفتار کر لیا گیا ہے تو آدمی دوڑایا کہ نذر دین شاہ سے کہو، اس شخص کو مُعاف کرادے۔ لیکن اُس شخص کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت اجی صاحب نے سیکھ سردار سے کہہ دیا تھا کہ میں اُس وقت تک چتا سے نہیں اُتروں گا جب تک اس شخص یعنی میرے خلاف الزام لگانے والے کو معافی نہ دے دی جائے گی۔

آناں کہ بجائے مابدی ہا کر دند گردست رسد بسز نکوئی نکم

حضرت اجی صاحب کے اُن تیل سے بھیگے ہوئے کپڑوں کے ساتھ لوگوں نے فلاف کعبہ کا سا سٹوک کیا اور عالم شوق و وارفتگی میں تبرک اُن کے چلیٹے کر کے ہمراہ لے گئے۔ خدا کی شان کہ اس واقعہ کے جلد ہی بعد یعنی ۱۸۴۸ء میں سکھوں کی عملداری کا تختہ بھی اُلٹ گیا اور پنجاب پر انگریزوں کی حکومت ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد تمام عمر حضرت اجی صاحب کا بڑھکی رات کو تہجد کے وقت غسل کا معمول رہا اور آپ اسی کو بطورِ وظیفہ حل مشکلات بتلایا کرتے تھے۔

ایک مجذوب کی کارکردگی

سائیں مجبی نام ایک مجذوب، جو اس خاندان کے دامن گرفتہ تھے، اس واقعہ کے دوسرے روز پہاڑ سے اتر کر حضرت پیر فضل دین کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے۔ سب لوگ آپ کو مبارک باد دے رہے ہیں لیکن مجھے کوئی شاباش نہیں کہتا اور نہ میرے ہاتھوں کو مہندی لگاتا ہے، حالاں کہ یہ دیکھیے، صاحبزادے کی آگ بجھاتے بجھاتے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ وہ شخص ایک صاحب کشف و کرامت بزرگ تھا۔ موضع خان پور میں راجہ جہاں داد کے والد کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی اور وہ اس مجذوب کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ سائیں مجبی کُنویں کے بہتے ہوئے پانی کو ہاتھوں سے اُچھال اُچھال کر کھیت میں ڈال رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا، سائیں کیا کر رہے ہو، تو جواب دیا، فلاں راجہ کے گھر لو ڈال گا رہا ہوں، اس کے کچھ عرصے بعد راجہ جہاں اُدیپا ہوا۔ بعد یہ راجہ صاحب کابل کے سفیر بن گئے تھے۔ اُن کی تقرری سے کچھ عرصہ پہلے سائیں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ دیکھو میرا گھوڑا کتنا تیز ہے، کابل کی دیواریں پھاند رہا ہے۔ جب پنجاب پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا، تو ایک روز یہ سائیں، حضرت پیر سید فضل دین کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے پیر جی! اب ٹوپ والے آگئے ہیں، ہم یہاں سے چلے۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گئے اور انہیں پھر کسی نے نہ دیکھا۔

حضرت اجی صاحب نے اپنے بلند اقبال اور قطب مدار نورِ نظر یعنی حضرت قبلہ عالم کے عروج کا زمانہ اپنی آنکھوں

سے دیکھا۔ آپ از رہ انکسار اس آگ والے واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب تمہارے پر (یعنی قبلہ عالم) کی کرامت تھی، جو اُس وقت میری صُلب میں تھا۔ اُس کی وجہ سے مجھ میں عشقِ الہی کی ایک آگ بھڑکتی رہتی تھی۔ اتوں کو نوافل پڑھ کر جب تھک جاتا تو کُنوؤں سے پانی نکال کر قصبے کی تمام مساجد کے سقاوے بھر آتا۔ مگر نیند پاس نہ پھسکتی تھی اور نہ کسی گل قرار آتا تھا۔ جب تمہارے پیر کا نور اپنی والدہ کے بطن میں منتقل ہوا تو یہی کیفیت اُن کی والدہ کی ہو گئی۔ ساری ساری رات جائے نماز پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرتی رہتیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، حضرت اجی صاحب کی شادی حسن ابدال کے گیلانی سادات کے خاندان میں ہوئی تھی جو مجرہ شاہ مقیم ضلع ساہی وال کے مشہور بزرگ حضرت بہاؤ الدین عرف بہاول شیر قلندر گیلانی کی اولاد سے ہیں۔ حضرت بہاول شیر سیدنا غوث الاعظم کے صاحبزادے سید عبد الرزاق کی اولاد میں سے ہیں اور نویں صدی ہجری کے قریب بغداد شریف سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت قبلہ عالم والد اور والدہ دونوں طرف سے نجیب الطرفین گیلانی سید ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ پیر بہادر شاہ گیلانی کی دختر نیک اختر تھیں۔ شجرہ ہائے نسب آغاز باب میں دیئے جا چکے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت اجی صاحب سلسلہ طریقت قادریہ جدیدہ میں اپنے مائوں حضرت پیر سید فضل دین کے دستِ حق پرست پر بیعت تھے اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں اپنے نورِ نظر فرزند (حضرت قبلہ عالم) سے وظائف حاصل کیے تھے۔ آپ کے اپنے ارادت مندوں کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا۔ جن کی اولاد آج تک حصولِ قربِ الہی و حل مشکلات کے لیے آپ کے مزار شریف پر حاضری دیتی ہے۔ آپ کا مزار شریف مسجد کے متصل مدرسے کی وسیع عمارت کے اندر واقع ہے۔ آپ کی وصیت تھی کہ میری قبر پر روضہ نہ بنانا اور مجھے مسجد کے قریب دفن کرنا کہ اذان کی آواز آتی رہے۔ حضرت قبلہ عالم کا ارشاد ہے کہ اُن کو حضرت اجی صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اپنے اکلوتے فرزند حضرت سید غلام محی الدین المعروف بابو جی ادا م اللہ برکاتہ کی شادی خانہ آبادی کے موقع پر دعوتِ ولیمہ وسیع پیمانے پر دینا۔ چنانچہ حضرت قبلہ عالم نے اس کی پوری طرح تعمیل کی۔ حضرت اجی صاحب نے نوے سال کی عمر میں ۲۴ رجب ۱۳۲۴ھ یعنی ۱۹۰۵ء میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اُس وقت حضرت قبلہ عالم کے علاوہ دو صاحبزادے پیر سید محمود شاہ اور پیر سید ولایت شاہ اور ایک صاحبزادی تھیں۔ اور حضرت قبلہ عالم کی عمر شریف پچاس برس کے قریب تھی۔

حضرت اجی صاحب بلند اوصاف اور لطیف وارداتِ حال کے مالک تھے۔ آپ کی طبیعت میں غریب نوازی اور مظلوموں کی حمایت کا مادہ بدجہ آتم موجود تھا، کسی جاہل شخص کی زیادتی کی شکایت پہنچتی تو فوراً اُس کے خلاف کمزور شخص کے حق میں صف آرا ہو جاتے۔ آخری عمر تک سخاوت، شجاعت اور سپہ گری کے اوصاف آپ کی ذات شریف میں نمایاں رہے۔ آپ گھوڑے کی سواری کے بہت شائق تھے۔ اور ہمیشہ اچھے گھوڑے آپ کے زیرِ سواری رہے۔

باب دُوم

زمانہ طفولیت و کسبِ علم



حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ



مجدد العصر فاتح قادیانیت حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب بحالت استغراق

زمانہ طفولیت و کسبِ علم

ولادت

حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ قلم رمضان المبارک ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۸۵۹ء بروز سوموار پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان اپنی پہلی جنگِ آزادی کے خونیں دور سے، جسے انگریز مورخین نے غدرِ دہلی کا نام دیا ہے، گذر کر مکمل طور پر انگریزوں کے پنجے استبداد میں آچکا تھا۔ سلطنتِ مغلیہ ہمیشہ کے لیے دم توڑ چکی تھی۔ اور دینِ اسلام کی ہدایت و علم کے روشن چراغ انقلابِ زمانہ کے ہاتھوں یا تو گل ہو چکے تھے یا قید و بند کی صعوبتوں میں ایامِ حیات گزار رہے تھے، یا ترکِ وطن کر کے برصغیر سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکے تھے۔

حَبِّ فَرَمَانَ قُرْآنِي فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ (پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے) ہر ملک اور زمانہ میں ہماری شامتِ اعمال کے باعث تباہیوں اور بربادیوں کے تاریک دور کے بعد تجدید و احیاءِ دین کے لیے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسی بستیاں پیدا فرمادیتے رہے ہیں جن کی خدمات قومی سے سلفِ صالحین کی یادیں تازہ ہو جاتی رہی ہیں۔ چنانچہ جس وقت ایک غیر مسلم مغربی مادہ پرست قوم کے علم و اقدار و نظریات کا عنقریب مسلمانانِ ہند پر سوار ہو رہا تھا اور اس خطہ میں اسلامی شریعت و طریقت اور روحانیت کے لیے گونا گوں مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ اور اسلامی اقدار یکسر مٹتی نظر آتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ** (ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی یقیناً اس کی محافظت کرنے والے ہیں) کے مطابق ایسی پاک ہستیوں کو عالم و جود میں لانا پسند فرمایا جن کی علمی اور روحانی قوت سے نہ صرف اسلام مادہ پرستی کے مسموم اثرات سے محفوظ رہا۔ بلکہ مسلمانوں میں حیاتِ نو کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے جو بالآخر اس برصغیر میں مسلمانوں کی ایک آزاد حکومت کے منعمہ شہود پر آنے کا باعث ہوئے۔

شانِ مجددیت کی غمازِ تاریخائے ولادت و وصال

حضرت قبلہ عالم کی تاریخِ ہائے ولادت و وصال علمِ الاعداد کی رو سے مندرجہ ذیل الفاظ و جملوں سے اخذ ہوتی ہیں جو قطعات کی صورت میں درج ذیل ہیں:-

مجدد قرن الرابع عشر

۵ ۴ ۲ ۱ ھ

۱۔ مہر عالم چو گشت با زونق زو منور شدند مجملہ طبق
چوں تولد نمود ہاتف گفت ہست این مظہر حبیب حق

۱۲۷۵

چوں مہر علی آل غوث جلی شہ پیدا آمد زود صدا
این مظہر اسد اللہ باشد این مظہر محی الدین بادا

۱۲۷۵

خواجہ مہر علی عالی جناب جامع علم و عمل شرع و کتاب
مولد او مخزن عشق حق است سن رحلت شمس فضل بالحباب

۱۳۵۶

۱۲۷۵

امام حاکم، بیہقی و ابوداؤد نے روایت کی ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی مرقات الصعود عاشیہ
ابوداؤد میں ذکر کیا ہے کہ اتفق الحفظ علی تصحیحہ یعنی حفاظ حدیث اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں اور وہ
حدیث یہ ہے :-

عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ
عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ
لَهَا دِينَهَا
حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی
کے سرے پر ایسا شخص مبعوث فرمائیں گے جو اس کے
دین کی تجدید کرے گا۔

علامہ عبدالحی لکھنوی اپنے فتاویٰ جسد دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں راس مائتہ سنہ سے
مراد محدثین کے اتفاق سے صدی کا آخری حصہ ہے یعنی ایسی شخصیت کی ولادت صدی کے آخری حصہ میں ہونی چاہیے
اور اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ شخص علوم ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہو اور اس کے درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و
تبلیغ سے لوگوں کو نفع کثیر پہنچے۔ سنت کے زندہ کرنے میں اور بدعتوں کے ختم کرنے میں سرگرم ہو اور ایک صدی کے
اختتام اور دوسری کے آغاز میں اس کے علم کی شہرت اور اس سے لوگوں کو فائدہ معروف و مشہور ہو۔ لہذا اگر اس شخص
نے صدی کے آخر کو نہیں پایا اور اس سے اس زمانہ میں احیائے شریعت نہیں ہوا تو اس کا نام مجددین کی فہرست
میں نہیں آئے گا۔

راس مائتہ سنہ (صدی کے سرے پر) کی تشریح کے لیے حضرت قبلہ عالم کے زمانہ کو امت مسلمہ کی ان دو
عظیم اور معروف ترین شخصیتوں کے سن پیدائش و وصال کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے جن کے مجدد ہونے کو تمام عالم اسلام
تسلیم کرتا ہے۔

حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی ————— ولادت ۳۷۱ھ ، وصال ۵۶۲ھ

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ————— ولادت ۹۷۱ھ ، وصال ۱۰۳۲ھ

حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی ————— ولادت ۱۲۷۵ھ ، وصال ۱۳۵۶ھ

اس سے زائس مائتہ سنۃ (صدی کے سرے پر) کی شرط کی وضاحت تو ہو جاتی ہے۔ علم و عرفان۔ تصنیف و تالیف۔ احیائے شریعت اور بدعت و الحاد کے خاتمہ کی تفصیل آئندہ صفحات سے واضح ہو جائے گی۔ صدی کے آغاز یعنی ۱۳۰۰ھ کے شروع میں آپ علوم ظاہرہ و باطنہ، شریعت، طریقت اور روحانیت کے اُس مقام پر پہنچ چکے تھے جو اظہار الشمس ہے۔ آپ کو اسی سال اپنے شیخ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی سے خلافت عطا ہوئی۔ علمی شہرت کی یہ کیفیت تھی کہ اسلامی مدارس و مذاکرات میں کسی مقولہ کے ساتھ یہ کہہ دینا "قال علامہ گولڑوی" یعنی علامہ گولڑوی نے فرمایا اُس کے مستند ہونے کا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔ آنجناب کی ذات سے قادیانیت، نچریت، چکڑالویت اور متشدد وہابیت کے ساتھ ساتھ آل انڈیا کانگریس کی ہندوانہ اور کافرانہ سیاست کے خلاف اسلامیان ہند کی جو رہنمائی ہوئی وہ اب تاریخ کا جزو بن چکی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ قادیانیت کے مقابلہ میں صرف آپ ہی کی ذات گرامی تھی جسے ہندوستان کے تمام اسلامی فرقوں نے بلا اختلاف اپنا قائد تسلیم کیا تھا۔ اس کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ تھماجر کی نے بھی کئی سال قبل ازراہ کشف آپ کو مطلع فرمایا تھا کہ ہندو پنجاب کی سرزمین میں ایک زبردست فتنہ ظاہر ہو گا جس کا انسداد آپ کی ذات کے ساتھ مقدر ہے۔ اپنی کتاب "سیفِ چشتیانی" کے ابتدائی خطبہ میں حضرت قبلہ عالم نے ان الفاظ میں خود بھی ایک لطیف اشارہ فرمایا ہے کہ قادیانیت کے خلاف تبلیغی جہاد ایک مجددانہ کارنامہ ہے۔ وہ الفاظ ذیل ہیں :-

اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور حضرت محمد اُس کے بندے اور رسول، حبیب، خلیل اور خاتم النبیین ہیں۔ آپ اور آپ کی آل پر اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر بلند ترین صلوٰۃ اور اُس کے حکم کے برابر پاکیزہ ترین تسلیمات ہوں اور آپ کے اصحاب پر بھی جنہوں نے آپ کو جگہ دی اور آپ کی نصرت کی نیز قیامت صلوٰۃ و تسلیمات ہوں اُن سب حضرات پر جنہوں نے اخلاص کے ساتھ اُن کی پیروی کی بالخصوص آنجناب کے دین مبین کے مجددین پر جو متنبی قادیان کو ہزیمت دینے والے اور اُس کے مذہب کی شہ رگ کاٹنے والے ہیں۔

وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَهُ الْعَالَمِينَ وَأَشْهَدُ
أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَحَبِيبُهُ وَخَلِيلُهُ
خَاتَمُ النَّبِيِّينَ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ مِنَ الصَّلَاةِ
أَسْنَاهَا عَدَدَ عَلَيْهِ وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَرْكَهَا
مِلَّةَ حَلِيمِهِ وَعَلَىٰ صَنْجِبِهِ الَّذِينَ أَوْ وَنَصْرُوهُ
وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ
سَيِّمًا مُّجَدِّدِي دِينِي دِينِهِ الْمَتِينِ الْهَارِمِينَ
الْمُتَنَبِّيِّ الْقَادِيَانِيِّ فَالْقَاطِعِينَ عَنِ مِلَّتِهِ
الْوَتِينِ

چودھویں صدی کا مجدد بسم اللہ کا ہم عدد

ابجد کی رو سے سیدنا مہر علی شاہ کے اعداد ۸۶ نکلتے ہیں جو بسم اللہ الرحمن الرحیم کے اعداد بھی ہیں۔ نیز آنجناب کے تذکرہ بالا اسم گرامی سے اگر بطریق جفر، حروف ی۔ الف اور ہ کو جو مکرر آتے ہیں حذف کر دیا جائے تو ۷۰، راست سوتر، اعداد رہ جاتے ہیں۔ جو مجدد قرن رابع عشر (چودھویں صدی کا مجدد) کے حروف مکرر ہ۔ د۔ ر۔ ع حذف کرنے کے بعد کے حروف کے اعداد ہیں۔

آمد آمد کی نوید

حضرت قبلۃ عالم کی ولادت باسعادت کے متعلق آپ کے خاندان میں پہلے سے ہی بشارتیں ملی آتی تھیں۔ بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ آپ کے والدین شریفین اور حضرت پیر سید فضل دین جو حضرت قبلۃ عالم کے والد ماجد کے مانوں اور حضرت کے شیخ طریقت بھی تھے اور اُس وقت اس خاندان شریف قادریہ کی مسند ارشاد پر بھی جلوہ لگن تھے۔ اس امر پر مطلع تھے کہ اس گھر میں ایک نورانی چراغ روشن ہونے والا ہے۔ نیز آپ کی ولادت سے چند روز پیشتر ایک عمر رسیدہ مجذوب خانقاہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے اور عنقریب پیدا ہونے والے مقبول خدا کی زیارت کا ذکر کرتے تھے چنانچہ جب حضرت تولد ہوئے تو یہ مجذوب حرم سرائے کی ڈیوڑھی میں پہنچے اور آپ کو باہر مگوا کر ہاتھ پاؤں چومے اور رخصت ہو گئے۔ سچ ہے مقبولان خدا بنتے نہیں بنائے جاتے ہیں۔

اسے معلوم نہیں یہ کیا ہونے والا ہے

حضرت قبلۃ عالم ابھی چار سال کی عمر کو نہ پہنچے تھے اور عربی کا پہلا قاعدہ پڑھتے تھے کہ ایک روز گرمی کے موسم میں بڑے پیر صاحب یعنی حضرت پیر سید فضل دین نماز ظہر کی تیاری کے سلسلہ میں باہر تشریف لے گئے تو آپ کو خانقاہ سے باہر والی جھاڑیوں میں قاعدہ لیے سوتے پایا۔ جگہ سایہ دار نہ تھی اور زمین تمازت آفتاب سے تپ رہی تھی۔ بڑے پیر صاحب نے اُسی وقت اپنے چھاتے سے ان پر سایہ کیا اور اٹھوا کر گھر بھوانے کے لیے خادم کو بلا بھیجا۔ جب تک خادم نہ آیا آپ سایہ کیے کھڑے رہے اور نہ فرمایا یہ ابھی معلوم ہے اسے معلوم نہیں کہ ایک روز یہ کیا ہونے والا ہے۔

بچپن میں عشقِ الہی کی سرگرمیاں

حضرت قبلۃ عالم فرمایا کرتے تھے کہ بچپن میں مجھے آبادی سے ایک گونہ وحشت اور ویرانوں میں جی گئے کا احساس ہوتا تھا میں ابھی اتنا چھوٹا تھا کہ گھر کے دروازوں کی اندروالی درمیانی زنجیر تک میرا ہاتھ نہ پہنچتا تھا اور میں بغیر کسی چیز پر کھڑے ہونے اُسے کھول نہ سکتا تھا۔ اس لیے شام کے وقت ایک چٹو کو دھکیل کر دروازہ کے قریب رکھ دیتا اور رات کو جب والدین سو جاتے تو اُس چٹو پر چڑھ کر زنجیر کھول کر باہر نکل جاتا اور رات کا بیشتر حصہ سامنے والے پہاڑی نالہ کے کھڈوں اور جھاڑیوں میں گزارتا۔ کسی ساتھ والے جنگل میں پھر رہتا۔ جب ذرا بڑا ہوا تو اس وحشت کے ساتھ ساتھ طبیعت میں گرمی اور جدت اس قدر زیادہ ہو جاتی کہ سخت سردی کے ایام میں بھی بعض اوقات نالہ کے ٹھنڈے پانی میں غسل کرتا اور سب سے یعنی جھے ہوئے پانی کے ٹکڑوں کو جسم پر پلا کرتا۔ کبھی کافی رات گئے مطالعہ سے فارغ ہو کر کمرہ سے باہر نکلتا تو موسم سرما کی سرد پہاڑی ہوا کے جھونکوں سے ایسی تسکین ہوتی جیسے گرمیوں میں کسی تیشہ کا کام کو آبِ ٹنک سے ہوتی ہے۔

سات برس کی عمر میں بحالتِ خواب ابلیس سے قوت آزمائی

”سیفِ چشتیائی“ اور ”طفوغاتِ طیبات“ میں درج ہے کہ سات برس کی عمر میں آپ کی خواب میں شیطان سے قوت آزمائی ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ خواب میں شیطان نے مجھے کہا کہ آؤ میرے ساتھ کشتی لڑو جب میں اُسے گرانے کے قریب ہوتا تو دل میں خوشی پیدا ہوتی کہ میں غالب آ رہا ہوں مگر اچانک رُخ بدل جاتا اور جب وہ مجھے گرا لینے کے قریب ہوتا تو تائیدِ الہی سے میری زبان پر لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ جاری ہو جاتا اور وہ مغلوب ہونے لگتا۔ تین چار مرتبہ اسی طرح ہوا اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی مدد سے میں اُسے گرانے میں کامیاب ہو گیا۔

ابتداءِ تعلیم

آپ کو شہرِ آن کریم پڑھنے کے لیے خانقاہ کے درس میں اور اردو فارسی کے لیے مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ عمر اتنی کم تھی کہ خادم اٹھا کر آپ کو لے جاتا اور واپس لاتا۔ مدرسہ کے طلباء نے راولپنڈی جا کر امتحان دیا۔ آپ کو جمعہ چوکیدار اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے گیا۔ امتحان انگریز تھا۔ اُس نے سب سے پہلے آپ پر ہی سوال کیا کہ بایں کا مصدر کیسا ہے آپ نے صحیح جواب دیا۔ امتحان نے ساری جماعت کو یہ کہہ کر پاس کر دیا کہ جب اس قدر کم سن بچہ ایسا صحیح جواب دے رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس استاد کی تعلیم اچھی ہے اور پوری جماعت لائق ہے۔

قرآنِ ناظرہ پڑھ کر حفظ ہو گیا

حافظہ کی یہ حالت تھی کہ قرآن مجید کا روزانہ سبق آپ زبانی یاد کر کے یعنی حفظ کر کے سُنا دیا کرتے تھے جب قرآن مجید ختم کیا تو اُس وقت سارا قرآن آپ کو بلا ارادہ حفظ ہو چکا تھا۔ عربی، فارسی اور صرف و نحو کی تعلیم کے لیے بڑے پیر صاحب نے علاقہ پھلی (ہزارہ) کے مولوی غلام محی الدین کو مقرر فرمایا تھا۔ جنہوں نے آپ کو کافیہ تک تعلیم دی۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک روز اُستاد صاحب نے پوچھا کہ مطالعہ کر کے آتے ہو یا نہیں؟، مجھے اُس وقت تک لفظ مطالعہ کا صحیح مطلب معلوم نہیں تھا۔ میں سمجھا مطالعہ زبانی یاد کرنے کو کہتے ہیں اس لیے اگلے روز تمام سبق زبانی سُنا دیا تو اُستاد صاحب کی حیرانی کی انتہا نہ رہی۔

مادر زادو ولایت پر کریم خورده کتاب کی شہادت

ایک مرتبہ مولوی غلام محی الدین صاحب نے زیر سبق کتاب ”قطر النداء“ کے ایک ایسے حصہ کی عبارت یاد کرنے کی ہدایت کی جو کریم خورده ہونے کی وجہ سے پڑھی نہیں جاسکتی تھی جب آپ نے عذر کیا کہ جو مضمون کتاب میں موجود ہی نہیں اسے کیسے یاد کیا جاسکتا ہے تو مولوی صاحب نے غالباً آپ کے مادر زاد ولی ہونے کی شہرت کی تصدیق کی غرض سے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ اگر کل یہ عبارت یاد نہ ہوئی تو سزا ملے گی۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں آبادی سے باہر ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر

مطالعہ وغیرہ کیا کرتا تھا۔ میں نے وہاں بیٹھ کر کتاب کے کرم خوردہ حصہ کو سمجھنے کی کوشش کی مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر سر اٹھا کر کہا: یا اللہ، تجھے تو معلوم ہے کہ یہ عبارت کیا ہے۔ اگر تو مجھے بتائے تو میں اُستاد کی سزا سے بچ جاؤں گا۔ یہ کہنا تھا کہ اچانک درخت کے پتوں میں ایک سبزی مائل عبارت نمودار ہوئی جسے میں نے حفظ کر لیا۔ تو وہ غائب ہو گئی۔ میں نے اسی وقت جا کر وہ عبارت اُستاد صاحب کو سُنادی۔ انہوں نے کچھ شبہ کا اظہار کیا تو میں نے کچھ افشائے بغیر کہا کہ مجھے اس کے صحیح ہونے میں اس قدر یقین ہے کہ اگر اس کتاب کا مصنف بھی قبر سے نکل کر آجائے اور کہے کہ یہ غلط ہے تو میں مانوں گا۔ چنانچہ اُستاد صاحب اس کی صحت کے لیے اسی روز راولپنڈی گئے اور ایک مکمل نسخہ سے میری بتلائی ہوئی عبارت کو صحیح پا کر واپس آکر بصد حیرانی اُس کی صحت کا اعتراف کیا۔

موضع بھوئی کے رس میں داخلہ

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد مولوی غلام محی الدین نے بڑے پیر صاحب اور حضرت اجی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے صاحبزادہ کو ایسا ذہن رسا اور اعلیٰ دماغ عطا فرمایا ہے کہ ہر سبق حفظ سُنادنے کے علاوہ بعض اوقات ایسے دقیق سوالات کرتا ہے کہ ان کا جواب دینے سے اپنے آپ کو عاجز پاتا ہوں اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں اب اس کی تعلیم کا صحیح حق ادا نہیں کر سکتا۔ اسے کسی بڑے فاضل اُستاد کے پاس ہونا چاہیے۔ ان ہر دو حضرات کا خیال تھا کہ آپ کو صاحبزادگی کے ماحول سے دُور رہ کر تعلیم پانا چاہیے۔ خود آپ کو بھی باہر جا کر ایک عام طالب علم کی طرح حصول تعلیم کا شوق تھا۔ لہذا گولڑہ شریف میں نحو پڑھ کر اُسی کم سنی کی حالت میں موضع بھوئی علاقہ حسن ابدال جا کر فاضل اجل جناب مولینا محمد شفیع قریشی کے رس میں داخل ہو گئے۔ اس عمر میں بھی طبیعت کا رنگ یہ تھا کہ فرماتے ہیں اُس نواح میں تین مشہور درس جاری تھے۔ جب میں ان میں سے کسی ایک درس کو پسند کرنے کے خیال سے اُدھر جا رہا تھا تو راستہ میں ایک ٹیلہ کے پاس سے تینوں طرف راستے پھوٹتے تھے۔ میں نے اُس ٹیلہ پر چڑھ کر دیکھا تو ہر سبہ جوانب عورتوں نے کپڑے دھو کر دھوپ میں ڈالے ہوئے تھے۔ دو جانب کے کپڑوں کے رنگ مختلف تھے مگر بھوئی کی سمت والے کپڑے تمام کے تمام سفید تھے۔ جس سے میں نے یہ تاثر لیا کہ اُدھر اُجلا پن اور نورانیت زیادہ ہے۔ چنانچہ بھوئی کے درس میں آپ نے دو اڑھائی سال میں رسائل منطق قطبی تک اور نحو اور اصول کے درمیانہ اسباق کی تعلیم حاصل کی۔

بھوئی کا ایک طالب علمانہ مناظرہ

بھوئی میں آپ کا ایک طالب علمانہ مناظرہ بہت مشہور ہے۔ جس کی وجہ سے اس کم عمری میں بھی آپ کو اُس نواح میں بہت شہرت حاصل ہوئی۔ بھوئی کے قریبی گاؤں بجائیں میں ایک شخص فوت ہو گیا۔ اُس وقت کے دستور کے مطابق وراثت نے اردگرد کے معززین، عوام اور دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء کو ختم قرآن و ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں مدعو کیا۔ اس دوران میں بھوئی اور گرجھی افغانان کے طالب علموں میں کسی علمی مسد پر بحث چھڑ گئی۔ لوگ حلقہ باندھ کر سوال و جواب سُنانے لگ گئے۔ حضرت باہر تھے۔ جب وہاں پہنچے تو بوجہ کم سنی مجمع کے اندر جانے کا راستہ نہ ملا۔ ایک شخص سے کہا مجھے اٹھا کر لوگوں کے دائرہ کے اندر پہنچا دو۔ اُس نے کہا وہاں ڈاڑھیوں والے طلباء بحث کر رہے ہیں۔ تم بچے ہو کیا کر لو گے۔ آپ نے اصرار کیا

تو اُس نے اٹھا کر آپ کو مجمع کے اندر حلقہ مناظرہ میں کھڑا کر دیا۔ اُس وقت گڑھی افغاناں کے درس کے دو فارغ التحصیل طلبہ جو ہندوستان میں اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے گئے ہوئے تھے اور اُن دنوں تعطیلات پر آئے ہوئے تھے بھوئی کے طلبہ سے سوال و جواب کر رہے تھے اور اپنی فضیلت کے باعث اُن پر چھائے ہوئے تھے۔ حضرت نے پہنچتے ہی شافیہ کی عبارت — قال الخلیل الاشیاء افعالٌ وقال الفراء لفعاء — پڑھی اور سوال کیا کہ حسب قاعدہ قال کا مقولہ جملہ ہو کرتا ہے یہاں قال الفراء لفعاء میں قال کا مقولہ مفرد ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ مگر اُن میں سے کوئی اس کا جواب نہ دے سکا۔

اس کے بعد آپ نے اُن سے منطوق کا سوال کیا کہ تصدیق مرکب ہے یا بسیط؟ انہوں نے جواب دیا کہ امام رازی کے نزدیک مرکب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بقول امام رازی تصدیق مرکب ہے تو مقولات قبائینہ سے ترکیب کا اشکال وارد ہوتا ہے جن سے مرکب چیز محض اعتباری ہوتی ہے واقعی نہیں ہوتی۔ انہوں نے کہا کہ یہ جائز ہے۔ آپ نے کہا سند پیش کرو۔ انہوں نے قاضی مبارک کی عبارتیں نوک زبان پڑھا شروع کر دیں۔ جب وہ ایک عبارت ختم کرتے تو آپ کہتے اس سے رفع اشکال کیسے ہوا۔ اس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکتے اور کوئی دوسری عبارت پڑھ دیتے۔ آپ پھر وہی سوال دہراتے جب دو تین مرتبہ ایسا ہوا تو اساتذہ نے فیصلہ صادر کیا کہ آپ جیت گئے اور لوگوں نے مایاں بجا بنا شروع کر دیں۔ اس شکست پر گڑھی افغاناں کے لوگوں نے اپنے طالب علموں کو بہت شرمسار کیا جس پر وہ اس قدر طیش میں آئے کہ بھوئی میں افواہ پھیل گئی کہ گڑھی افغاناں کے طلبہ نے اس بچے کو رات کے وقت اٹھا لے جانے کی سازش کی ہے۔ چنانچہ کئی روز تک بھوئی والے آپ کی حفاظت کے لیے راتوں کو پہرہ دیتے رہے۔

عید گاہ ماغریب سال کوئے تو

آپ بھوئی کے درس سے فارغ التحصیل ہو کر گھر پہنچے تو عید الفطر کا موقعہ تھا۔ حضرت اجمیٰ صاحب کو سواری کا بہت شوق تھا۔ اور اکثر شاہسوار ایسے موقعوں پر نیزہ بازی کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ نماز کے بعد جب لوگ اکٹھے ہونا شروع ہوئے تو آپ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ عید کی خوشیوں کا منظر دیکھنا چاہتے ہو یا دوست سے ملاقات کی تدبیر کا خیال ہے۔ دل نے جواب دیا۔ دوست سے ملنے کی خواہش ہے۔ لہذا موضع انگہ علاقہ نوشہرا ضلع شاہ پور کے مشہور و معروف درس میں داخلہ کے خیال سے گھر سے نکل پڑا۔ وہاں میرا ایک بھوئی کا ہم مکتب فقیر نادر دین پہلے ہی داخل ہو چکا تھا وہ رات میں نے میکی ڈھوک کی مسجد میں بسر کی۔ صبح اُس مسجد کے امام مولوی محمد حسن اپنے صاحبزادے کو مسجد میں شرح جامی پڑھاتے رہے اور مجھے بھی شریک سبق ہونے کو کہا۔ مگر میں نے کہا کہ میرا ارادہ انگہ جانے کا ہے۔ لہذا رخصت ہوا۔

۱۔ جواب یہ ہے کہ اولاً یہاں قال بمعنی تلفظ آیا ہے اور جہاں قال بمعنی تلفظ آئے وہاں مقولہ مفرد ہوتا ہے (بحوالہ حواشی شرح جامی) ثانیاً یہاں مبتداء الاشیاء محذوف ہے بقریہ سابق۔ (مؤلف)

درس انگہ میں شمولیت

موضع انگہ علاقہ سون ضلع شاہ پور سرگودھا میں گولڑہ شریف سے تقریباً ایک سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ وہاں پہنچ کر فقیر نادر دین کے ذریعہ اُستاد صاحب مولوی سلطان محمود سے متعارف ہوئے۔ فقیر نادر دین حضرت سے عمر میں بڑا تھا۔ اور جب آپ ابتدائی کتب یعنی قطبی وغیرہ پڑھ چکے تھے تو فقیر نادر دین نے معقول کی تمام کتابیں ختم کر لی تھیں۔ مولوی سلطان محمود نے پوچھا کہ آپ کیا پڑھیں گے۔ تو فقیر نادر دین نے اُن کی کم عمری اور بھونٹی کے ایام تعلیم کے خیال سے کہا کہ انہیں معقول کا کوئی چھوٹا سا رسالہ شروع کرادیجئے۔ حضرت نے فقیر نادر دین سے پوچھا کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں۔ وہ اُس وقت صدر اے۔ یعنی شرح ہدایت الحکمت "مصنف صدر الدین شیرازی پڑھ رہا تھا اس لیے تعجب یا شائد طنز کے انداز میں بولا کہ کیا میرے ساتھ ہم سبق ہونے کا خیال ہے، میں تو صدر اے پڑھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں بھی صدر اے پڑھوں گا حضرت اُستاد کو تعجب تو ہوا مگر اس سبق کی شرکت کے دوسرے تیسرے روز ہی اُن پر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اس کتاب کو پڑھنے کی استعداد آپ میں فقیر نادر دین سے کہیں زیادہ ہے۔

ہم درس کا احساس کمتری

فقیر نادر دین پر آپ کی ذہانت اور قابلیت کے کمال کا احساس کچھ اس شدت سے غالب ہوا کہ احساس کمتری کا شکار ہو کر ڈارمی منڈوالی اور انگہ چھوڑ کر چلا گیا۔ بعد میں اُس نے رام پور کے مدرسہ عالیہ کے پرنسپل مولانا عبدالحق ابن مولانا فضل حق خیر آبادی سے معقول کی کتابوں کی تکمیل کی اور وہیں مدرسہ رام پور میں مُلازمت اختیار کر لی۔ پھر مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن میں ملازم ہو کر اعلیٰ عہدہ پر پہنچا اور وہیں انتقال کیا اُس نے اپنی یادگار اُردو کا ایک رسالہ چھوڑا ہے جو اثبات ہیولی اور اثبات جبل بیط پر لکھا تھا۔ حضرت خیر آبادی کی جو تقریریں ان مشکل مباحث پر ہوتی رہی تھیں، یہ رسالہ اُن ہی مضامین کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔

موروثی جود و ایثار کا مظاہرہ

انگہ میں حضرت کو جو خرچ گھر سے ماہوار پہنچتا تھا آپ اُسے نادار طلباء میں تقسیم فرمادیتے اور خود عموماً روزہ یا فاقہ سے رہتے۔ شدید اشتہا کی صورت میں طلباء کے جمع کردہ ٹکڑوں میں سے کچھ تن اول فرمالتے۔ آپ کے اس جود و سخا و ایثار اور ریاضت و مجاہدہ کو دیکھ کر وہاں کے لوگ اور طلباء آپ کے عقیدت مند ہو گئے۔ حضرت نے اس کم عمری کی حالت میں ہی ریاضات و مجاہدات کو اپنا معمول بنالیا تھا جس کے متعلق بہت سی روایات مشہور ہیں۔

تم قصیدہ پڑھو میں قصیدہ والے کو بلاتا ہوں

اس نواح میں قصیدہ غوثیہ شریف کے ایک عامل نے لوگوں میں اپنا اثر و رسوخ اوزو جاہت قائم کر رکھی تھی۔ یہاں تک کہ لوگ اسے دیکھتے ہی تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور دست بوسی کرتے تھے ایک روز وہ شخص انگہ کی مسجد میں آیا۔ سب لوگ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ مگر حضرت بیٹھے رہے۔ اُس نے چہیں ہو کر کہا۔ "اولا کے، کیا تو مجھے نہیں جانتا۔ پڑھوں قصیدہ؟ آپ

نے فرمایا تم قصیدہ پڑھو اور میں قصیدہ والے کو بلاتا ہوں۔ ان الفاظ سے عامل صاحب پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی۔ اور اُس نے معذرت کناں آپ کے پاؤں کو چھوا۔

ایک سیدب زدہ مسجد کو دارالوظائف قرار دینا

انگہ کی آبادی سے کچھ فاصلہ پر ایک یران مسجد آسب زدہ اور جنات کے مسکن کے طور پر مشہور تھی۔ اور کوئی شخص بھی شام کے بعد ادھر کا رخ نہ کرتا تھا۔ لیکن آپ ہمیشہ عشاء کی نماز کے بعد وہیں جا کر وظائف میں مصروف ہو جاتے۔ بعد ازاں واپس آکر مطالعہ اسباق و کتب میں مہمک رہتے۔ فرماتے تھے اُس مسجد میں جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں بعض وظائف باواز بند پڑھا کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ لوگ بے آرام نہ ہوں۔

جُرات و رحمِ دلی کا مظاہرہ

ایک دفعہ آپ کے استاد محترم کے صلہ جرنے کے پاؤں میں ورم آگیا۔ جس پر باندھنے کے لیے ارنڈ کے پتوں کی ضرورت تھی۔ آپ انگہ سے کچھ فاصلہ پر پہاڑیوں میں سے ارنڈ کے پتے اکٹھے کر کے ایک رُومال میں باندھ کر لارہے تھے کہ راستہ میں دو بھیڑیوں نے ایک گدھی کو گھیر کر گرایا۔ اُس کا بچہ بے چینی سے بجائے جان بچا کر بھاگ جانے کے اپنی ماں کے ارد گرد بھاگنے اور چکر کاٹنے لگ گیا۔ آپ نے دیکھا تو بے اختیار دوڑ کر وہاں جا پہنچے اور رُومال میں بندھے ہوئے پتے بھیڑیوں کے منہ پر گدھی کو چھڑانے کے لیے مارنے لگ گئے۔ چند کسان کچھ فاصلہ پر بل چلا رہے تھے۔ انہوں نے چلا کر آپ کو روکنا چاہا اور جلد ہی بھاگ کر وہاں پہنچ بھی گئے مگر اس اثناء میں بھیڑیے گدھی کو معمولی زخمی کر کے بھاگ گئے تھے۔ کسانوں نے آپ کو کہا کہ جب درندہ شکار پر ہو تو اُس کے اور اُس کے شکار میں مداخلت کرنے کی کبھی غلطی نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس سے وہ انسان پر بھی حملہ کرنے سے نہیں چوکتا اور پھر آپ تو ابھی بالکل بچے ہیں۔ آپ نے کہا مجھ سے گدھی کے بچے کی حالت نہیں دیکھی گئی جو ماں کی محبت میں اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر بے قراری سے اُس کے ارد گرد ہی بھاگتا رہا۔ اس کے بعد آپ گدھی اور اُس کے بچے کو بانک کر بخاٹت گاؤں میں لے آئے۔ اگلے روز جمعہ تھا اور مولانا سلطان محمود نے وعظ کے دوران اپنے کم عمر شاگرد کی خداترسی، جسم، اشیاء و جرات کا تذکرہ کیا جو کافی عرصہ زبان زد عام و خاص رہا۔

خلوت میں جلوت

حضرت کی طبع مبارک پر ابتداء سے ہی عشقِ الہی کا رنگ غالب تھا۔ سماع آگ پر تیل کا کام کرتا تھا۔ آپ خود بھی نہایت خوش آواز تھے اور خوش آوازی سے اثر پذیر بھی بے حد ہوتے تھے۔ آپ کی عام گفتگو بھی اس قدر شیریں اور دردا انگیز ہوا کرتی تھی کہ سننے والوں کے دلوں میں کیفیت کے طوفان اُٹھاتے تھے۔ اُن ایام میں آپ اکثر جنگل اور ویرانوں کو نکل جاتے اور باواز بند عشقیہ اور درد انگیز اشعار پڑھا کرتے آپ کے ہم درس طلباء اور گاؤں کے باقی لوگ بھی بالخصوص انگہ کے مہر دار میاں علی اکبر آپ کی لاعلمی میں ایسے مواقع سے لطف اندوز ہونے کے ہمیشہ مشتاق و منتظر رہتے۔

ایک عابدہ مانی کی پیشین گوئی

ایک دفعہ جمعہ کی رات کو ایک کمرہ میں خفیہ طور پر قوالی کا اہتمام کیا گیا اور آپ نے بھی اس میں حصہ لیا۔ اگلے روز استاد صاحب کے پاس شکایت ہو گئی جنہوں نے باقی طلباء کو تو ذرا سختی سے زبرد تو بیخ کی مگر حضرت کو نرم انداز میں سمجھایا۔ مسجد کے قریب ہی ایک عابدہ مانی رہتی تھیں جو حضرت سلطان باہو کی حضوری سے مشرف تھیں انہوں نے سُن کر کہا کہ آج تو حافظ سلطان محمد اس سید زادے کو ٹوک رہے ہیں، کل جب ان کے مقام اور مرتبے سے آگاہ ہوں گے تو اس کے پاؤں چومیں گے یہ نہایت ہی صاحب کمال بچہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اور ہر لمحہ اس کے مراتب بلند سے بلند تر ہو رہے ہیں خدا کی شان اس پیش گوئی کا ظہور اس طرح ہوا کہ جب آپ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی سے مجاز ہوئے تو ایک مرتبہ عرس سیال شریف کے موقع پر مولینا سلطان محمود نے آپ کو انکھ چلنے کی دعوت دی۔ چنانچہ عرس کے بعد آپ گھوڑے پر سوار استاد صاحب کے ہمراہ انگر روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک مہتمم پر استاد صاحب اپنے گھوڑے سے اترے، اور پیادہ پا ہو کر حضرت کے گھوڑے کے آگے دوڑنے لگے اور آپ کو تاکید اسوار رہنے کا حکم دیا کہ اگر اس کے خلاف کیا تو جنت گدی کے خلاف تصور کروں گا۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں سخت شرمندہ تھا مگر درویش برجان درویش تعمیل حکم کی۔ آخر کچھ فاصلہ اسی طرح طے کرنے کے بعد حضرت کے استاد گھوڑے پر سوار ہو گئے اور فرمایا کہ ایک دفعہ اثنائے سفر سیال شریف اس مقام پر یہی مسافت آپ نے میرے گھوڑے کے آگے دوڑ کر طے کی تھی جس کا میرے دل پر سخت بوجھ تھا اور میں اسے بے ادبی محسوس کرتا رہا۔ الحمد للہ کہ آج اس کی تلافی ہو گئی۔

پھر انکھ پسینہ کر استاد صاحب نے احادیث صحاح ستہ کی تمام کتب کے چیدہ چیدہ حصے سنا کر حضرت سے اجازت حدیث حاصل کی اور آپ کے حسب ارشاد تازیت حدیث شریف ہی پڑھاتے رہے اور منطق و عقول کی تدریس ترک کر دی۔

تعلیم و تعلم میں انہماک

حضرت کو تعلیم و تعلم میں اس قدر انہماک تھا کہ اپنی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ چھوٹے درجہ کے طلباء کو تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ موسم سرما کی طویل راتیں عشا کی نماز کے بعد مطالعہ میں ہی گذرتیں حتیٰ کہ اسی حالت میں صبح کی اذان ہو جاتی۔ رفتہ رفتہ آپ کے پاس پڑھنے والے طلباء کی اتنی کثرت ہو گئی کہ آپ نے انکھ کا قیام ترک کر کے شکر کوٹ میں رہائش اختیار فرمائی۔ دن کے وقت انکھ میں اپنی تعلیم حاصل کرتے اور شام کو شکر کوٹ جا کر طلباء کو درس دیتے۔

بلانے والے کو سلیقہ ہو تو اہل برنخ جواب دیتے ہیں

حافظ غلام احمد سکنہ پنجہ تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ چک نمبر ۷۷ ضلع سرگودھا میں رونق افروز تھے کہ مسئلہ سماع موتی پر ذکر چھڑ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بلانے والے کو بلانے کا سلیقہ ہو تو اہل برنخ ضرور سنتے ہیں۔ انکھ کے ایام طالب علمی میں میں یا شیخ عبدالقادر جیلانی پکارتا تھا تو تیسری پکار پر جواب آتا تھا کہ میں نے سُن لیا ہے تم اپنا کام شروع کرو۔ حضرت کی ایک تحریر سے اس لفظ سلیقہ کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ پکارنے والے کو اہل برنخ سے خصوصی

نسبت ہونا چاہیے۔

ایک قادری فقیر کے محبت بھرے جملہ کا حضرت پر اثر

حضرت نے اپنی تصنیف لطیف اعلا کلمۃ اللہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جن دنوں میں بطور طالب علم انگہ میں مقیم تھا۔ ایک عمر رسیدہ اور مسافر بزرگ شکر کوٹ میں رہا کرتے تھے۔ آپ کا نام بابا نور مابی مشہور تھا۔ قادریہ سلسلہ میں حضرت شیخ محمود علی والے کے دست حق پرست پران کی بیعت تھی۔ ہر مہینہ کی گیارہویں کو ایک بکر ایاذ نبیہ خود پال کر جناب غوث الاعظم کے ختم شریف کے لیے ذبح کیا کرتے تھے اور ساتھ ہی حلوہ و روٹیاں پکا کر فقرا میں تقسیم کرتے۔ اس نیاز مند خادم الاولیاء کو خاص اصرار اور اہتمام کے ساتھ شریک دعوت فرماتے اور میرے حال پر حد سے زیادہ مہربانی کی نظر رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ بغیر میری استماعا کے مجھے شغل پاس انفاس کی اجازت فرمائی۔ ایک روز میں شکر کوٹ سے انگہ جا رہا تھا کہ راستہ میں دُور سے میں نے انہیں اُس دُنبے کو چراتے اور اُس کے ساتھ کھیلے دکھا جسے وہ گیارہویں شریف کے ختم کے لیے پال رہے تھے۔ باوجود سفید ریش بزرگ ہونے کے ازراہ محبت و فرط شوق کبھی اُسے کندھے پر اٹھاتے اور کبھی زمین پر کھڑا کر دیتے۔ میں نے قریب جا کر سنا تو کہہ رہے تھے، اویسے محبوب یا لیلیا۔ اس جملہ میں محبت و شوق کا ایک ایسا طوفان تھا کہ دل بے حد متاثر ہوا اور خیال آیا کہ تحصیل علم سے فارغ ہو کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر کتابوں کے مطالعہ میں وقت بسر کروں گا اور تدریس وغیرہ نہ کروں گا جب ذرا آگے ہو کر اُن سے ملنے کے لیے بڑھا تو مجھے دیکھ کر فرمانے لگے۔ پیر صاحب، جو شخص علم پڑھ کر تعلیم نہیں دیتا وہ ایسا ہے جیسے درخت بے ثمر۔ یہ بات کر کے پھر اُس دُنبے کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ اُن کو حضرت غوث الاعظم کے ساتھ قوی رابطہ تھا۔

استاد محترم کی معیت میں سیال شریف کی حاضری

حضرت کے استاد مولانا سلطان محمود انگوئی کی بیعت حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی چشتی، نظامی، فخری سلیمانی قدس سے تھی وہ سال میں کئی بار سیال شریف ضلع سرگودھا اپنے پیرومرشد کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ سیال شریف انگہ سے بائیس کوس کے فاصلہ پر دریائے جہلم کے شرقی کنارے پر واقع ہے۔ راستہ میں کئی مقامات پر قیام کرتے اور درس تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ حضرت قبلہ عالم ہمیشہ استاد صاحب کے ساتھ جاتے تھے اور حضرت اعلیٰ سیالوی بھی آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ آخر حضرت نے سلسلہ چشتیہ میں ان ہی سے بیعت کی جس کا مفصل ذکر اپنے موقع پر آئندہ ابواب میں آئے گا۔

بہ بند و ستال داد خواہم لگام

تقریباً اڑھائی سال انگوئی میں تسلیم حاصل کرنے کے بعد جب آپ واپس لوٹے تو درس نظامی سے صرف فلسفہ معقول، ریاضی اور فقہ کی آخری کتب اور حدیث شریف میں صحاح ستہ اور تفسیر میں بیضاوی وغیرہ باقی رہ گئی تھیں۔ ان کتابوں کی تعلیم کے لیے اُن دنوں عام طور پر طلباء بہارستان کے مدارس کا رخ کرتے تھے۔ آپ نے آئندہ تسلیم کے سلسلہ میں ایک روز سکندر نامہ سے فال لی تو یہ شعر نکلا۔

ہم ملکِ ایرانِ راشد متام بہ ہندوستان داد خواہم لگام
چنانچہ غالباً ۱۲۹۰ھ کے قریب یعنی فقط پندرہ سال کی عمر میں آپ ہندوستان روانہ ہو گئے۔

مولینا احمد حسن محدث کانپوری سے ملاقات

سب سے پہلے آپ کانپور میں مولینا احمد حسن محدث کے پاس پہنچے وہ سفر حج کے لیے تیار بیٹھے تھے، فرمایا، میاں صاحب زادے میں آج سے آٹھویں روز حج پر روانہ ہو رہا ہوں، اس عرصہ میں دو چار سبق اگر پڑھ بھی لو گے تو اس سے کیا ہوگا۔ چنانچہ آپ وہاں سے لوٹ کر علی گڑھ مولینا موصوف کے استاد حضرت مولینا لطف اللہ کے درس میں داخل ہو گئے۔

کافی عرصہ بعد جب قبلہ عالم کے علمی و روحانی کمالات کی شہرت ہوئی تو مولینا احمد حسن بہت متاثر ہوئے کہ کاش آپ کو ایک آدھ سبق ہی پڑھا دیا ہوتا۔ آپ کی تصانیف ملاحظہ کر کے، بالخصوص قادیانی معرکہ کے بعد جب حضرت کے علم و کمال کا چار دانگ شہرہ ہوا تو مولینا نے اس حسرت کی تلافی اس طرح کی کہ پیرانہ سالی میں محض آپ کی زیارت کے لیے پاک پن شریف کا سفر اختیار کیا۔ حضرت کی خدمت میں رہنے والے دو علمائے کرام جناب مولینا محمد غازی و جناب قاری عبد الرحمن جو نپوری حضرت مولینا احمد حسن کے شاگرد تھے۔ چنانچہ ان حضرات کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعہ مولینا نے حضرت سے ملاقات کی تقریب پیدا کی اور ایک سال جب آپ عرس حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ العزیز پر پاک پن شریف میں تھے مولینا احمد حسن بھی وہاں پہنچ گئے۔ اور جس وقت حضرت قبلہ عالم مزار شریف کی زیارت کے بعد خانقاہ معلیٰ کے شمالی دروازہ کی سیڑھیاں چڑھ کر کھلی جگہ پہنچے تو مولینا حضرت کے سامنے آکر اچانک ان کے قدموں کی طرف جھک پڑے۔ حضرت دیوان سید محمد صاحب سجادہ نشین پاک پن شریف اور علماء و فقہاء کا ایک جم غفیر حضرت کی معیت میں تھا۔ علاوہ ازیں عوام کا ازدحام حضرت کے پیچھے پیچھے تھا۔ کسی نے حضرت کے کان میں کہہ دیا کہ یہ مولینا احمد حسن کانپوری ہیں۔ آپ نے فوراً مولینا کو اٹھایا اور بغل گیر ہوئے۔ پھر ساتھ لے جا کر اپنی جائے قیام موتی محل کے نزدیک ان کی رہائش کا انتظام فرمایا۔ مولینا ہر روز صبح آپ کے پاس آتے اور مودبانہ دروازہ کے باہر ہی بیٹھ جاتے۔ حضرت فوراً اٹھ کر انہیں اندر لے آتے اور اپنے برابر مصیٰ پر بٹھلانا چاہتے۔ مگر مولینا یہ پاس ادب معذرت کرتے تو آپ خود بھی مصیٰ بٹھا کر ان کے برابر بیٹھ جاتے۔ دیر تک علمی اور روحانی گفتگو کا سلسلہ رہتا۔ ایک روز مولینا نے کہا: قبلہ میری تصنیف کی عادت نہیں، جہاں دل مانتا ہے، وہیں سر جھکاتا ہوں، میں تو آپ کی دید کو عبادت سمجھ کر حاضر ہوا ہوں۔ مجھے حسرت ہے کہ کاش میں آپ کو ایک سبق ہی پڑھا دیتا۔ اس لیے نہیں کہ آپ کے اساتذہ میں شمار ہوتا بلکہ اس لیے کہ آپ کی دعاؤں میں شمولیت سے مشرف ہو جاتا۔ لیکن انوس مجھے کیا خبر تھی کہ آپ ایک روز کیا ہونے والے ہیں۔“

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ میں نے کسی معمر بزرگ کو ایسی نورانی اور جاذب نظر شکل و شبابت کا نہیں دیکھا جیسے حضرت مولینا احمد حسن کانپوری تھے۔ شفاف گدھی رنگ، کشیدہ قامت، سفید ریش اور اعلیٰ درجہ کی نطافت پسندی گفتگو کے وقت گویا منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ اس شانِ علم پر اخلاص و انکسار سجدہ۔ آپ کے نیاز کا ذکر فرماتے ہوئے جناب بابو جی کی طبیعت پر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا کہ مولینا نے مکہ معظمہ میں اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی کے مزار پر چھ ماہ قیام کیا اور ہر روز اپنی ریش مبارک سے مزار کو صاف کیا کرتے تھے۔ سبحان اللہ، اپنے وقت کے استاد اکمل کی

اپنے شیخ کے ساتھ یہ نسبت، نیاز اور عقیدت، آج کل کے علماء و زعماء کے لیے مقام عبرت و نصیحت ہے۔
 ۵۔ یکمیا پیدا کن از مشیت گلے بوسہ زن بر آستان کاٹے اقبال

ہندوستان کے دینی علوم کے مراکز

حضرت قبلہ عالم جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ۱۲۹۰ھ میں ہندوستان تشریف لے گئے تھے۔ ان دنوں وہاں لکھنؤ، دیوبند، رام پور، کانپور، علی گڑھ، دہلی اور سہارن پور میں بڑے بڑے علمی مراکز قائم تھے۔ لکھنؤ میں مولانا عبدالحی متوفی ۱۳۰۲ھ مرجع خلاق تھے جن کی ذات محتاج تعارف نہیں دیوبند میں مدرسہ کا افتتاح ۱۲۸۳ھ میں ہو چکا تھا اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی زیر سرپرستی یہ مدرسہ کافی ترقی کر رہا تھا۔ ان ایام میں وہاں مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی خلیفہ مولوی ملوک علی صاحب مدرس اعلیٰ تھے جو اجیر شریف میں بھی مدرس رہ چکے تھے۔ مولوی ملوک علی موصوف، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، مولوی ذوالفقار علی صاحب اور مولوی محمد قاسم نانوتوی وغیرہ علمائے دیوبند کے اُستاد تھے۔ رام پور میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے فرزند مولانا عبدالحی مدرسہ عالیہ نواب صاحب کے پرنسپل تھے۔ ان کے حواشی یعنی نوٹ، کتب ہائے معقول قاضی وغیرہ پر قابل دید ہیں۔

کانپور میں مولانا احمد حسن مسند آرائے تدریس تھے جو کہ اُستاد اکل مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے معقول کی مشہور کتاب حمد اللہ اور مثنوی مولینا روم کے حواشی سے آپ کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مُرید خاص تھے اور اگرچہ علمائے دیوبند کو بھی حضرت حاجی صاحب سے شرف بیعت حاصل تھا۔ اور اس لحاظ سے مولانا احمد حسن کے پیر بھائی تھے لیکن بعض مسائل میں مولینا کو ان سے اختلاف رہا جس پر حاجی صاحب نے مکہ شریف سے ایک رسالہ ہفت مسئلہ بطور محاکمہ تحریر فرمایا کہ بھیجا جو مسائل اختلافیہ میں قول فیصل کا حکم رکھتا ہے اور علمائے کرام کے لیے حجت ہے مسئلہ امکان نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں مولینا فضل حق خیر آبادی اور مولینا احمد حسن نے سائل لکھے ہیں جن میں مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کی پرزور تردید کی ہے علمائے خیر آبادیہ و اسماعیلیہ کے اس اختلاف پر حضرت قبلہ علم کا تبصرہ باب تصنیفات میں آئے گا۔

اُستاد اکل مولینا لطف اللہ علی گڑھی المتوفی ۱۳۳۲ھ

علی گڑھ میں مولینا لطف اللہ کی ذات گرامی شہرہ آفاق تھی۔ آپ مفتی عنایت احمد کے شاگردِ رشید تھے جو مولینا بزرگ علی علی گڑھی متوفی ۱۲۶۲ھ اور مولینا شاہ محمد اسحاق دہلوی متوفی ۱۲۶۲ھ کے مشہور شاگرد تھے۔ مولینا شاہ محمد اسحاق حضرت مولینا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے اور جانشین تھے۔ مفتی صاحب کافی عرصہ علی گڑھ میں اپنے اُستاد مولینا بزرگ علی کے مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے۔ اور اسی زمانہ میں مولینا لطف اللہ آپ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے مفتی صاحب بعد میں حکومت کی طرف سے بعدہ مُنصف مقرر ہو گئے تھے اور آپ نے مولینا لطف اللہ کو اپنا سررشتہ دار مقرر فرمایا۔ اس دوران میں تحریک آزادی ہند شروع ہوئی اور مفتی صاحب نے انگریز حکومت کے خلاف خان بہادر خان روسلکھنڈی کا ساتھ دے کر جہاد میں حصہ لیا اور انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا۔ اس پر انگریزوں نے ۱۸۵۶ء میں خدر کے

دیگر مجاہدین کے ساتھ آپ کو بھی بطور سزا جزا زندان میں عر قید کے لیے ملک بدر کر دیا۔ جہاں آپ نے بغیر مطالعہ و حوالہ جاتا کتب محض یادداشت سے چھ کتابیں تصنیف فرمائیں جو تفصیل ذیل ہیں :-

(۱) علم الصیغہ - (۲) وظیفہ کریمہ - (۳) نجمتہ بہار - (۴) احادیث الحبیب المتبرکہ - (۵) ترجمہ تقویم البلدان، اور (۶) تواریخ حبیب اللہ۔ جن میں سے "ترجمہ تقویم البلدان" ایک انگریز افسر کو بہت پسند آیا اور یہی بات بظاہر آپ کی رہائی کا سبب ہوئی۔ آپ کی ہندوستان میں مراجعت پر آپ کے شاگرد مولانا لطف اللہ نے یہ تاریخی رُباعی لکھ کر پیش خدمت کی ہے

چوں بفضلِ حنا لقی ارض و سما اوستادم شد ز قیدِ عنم رہا
بہر تاریخِ خلاص آل جناب بر نوشتم ان استاذی نجبا

۱۲۷۷ھ

ہندوستان آکر آپ نے کانپور میں مدرسہ فیض عام قائم کیا۔ ۱۲۷۹ھ میں بارادہ حج روانہ ہوئے۔ جدہ کے قریب جہاز ایک پہاڑی سے ٹکرا کر غرق ہو گیا جس میں یہ علم کا آفتاب بھی غروب ہو گیا۔ آپ ایک اعلیٰ پیمانہ کے مصنف و مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے مدبر اور مجاہد بھی تھے۔ حج پر روانہ ہونے کے وقت اپنے شاگرد مولانا لطف اللہ کو اپنا جانشین مقرر فرما گئے جنہوں نے ابتداءً کانپور اور پھر علی گڑھ میں علوم دینیہ کی اشاعت کے سلسلہ میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ ہندوستان کی علمی دنیا نے ان کا اُستاد العلماء کے خطاب سے اعتراف کیا۔ اُس دور کے نامور علمائے دین میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جس نے اُستاد العلماء کے گلشنِ علم سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ اُس وقت مولانا کی شاگردی فضل و کمال کی سب سے اعلیٰ اور بلند ترین سند شمار ہوتی تھی۔ مولوی عبدالحق دہلوی مصنف تفسیر حسانی، مولانا عبدالغنی کانپوری، مولانا شاہ محمد علی رحمانی مونگیری، مولانا احمد حسن کانپوری اور حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی جیسی برگزیدہ بستیاں آپ کے شاگردان میں سے ہیں۔ حیاتِ شیخ الہند مصنف سید اصغر حسین شاہ دیوبندی میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ جامع العلوم کانپور کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر علمائے دیوبند کے مشہور پیشوا مولانا محمود الحسن دیوبندی تقریر کر رہے تھے کہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی جلسہ میں تشریف لائے۔ مولانا محمود الحسن نے آپ کو دیکھتے ہی بنشاد ادب و احترام تقریر ختم کر دی۔ اسی طرح علمائے بریلوی کے مشہور پیشوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی آپ کا سید احترام فرماتے تھے۔ مولانا سید محمود شاہ حال راولپنڈی جو مدت تک مولانا لطف اللہ کے مدرسہ علی گڑھ میں مدرس رہ چکے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی فتویٰ کے سلسلہ میں مولانا احمد رضا خاں اور مولانا لطف اللہ کے درمیان قدرے شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی مگر بعد میں صلح و صفائی ہو گئی اور دوستانہ مراسم قائم رہے۔ مولانا لطف اللہ کے اکثر فارغ التحصیل شاگرد مولانا احمد رضا خاں کے کہنے پر ان کے مدرسہ میں بطور مدرس بھی ملازم ہوتے رہے جیسا کہ حیاتِ اعلیٰ حضرت بریلوی میں تحریر ہے۔

بہر حال ہندوستان کے مدارس علمیہ میں سے علی گڑھ کا انتخاب حضرت قبلہ عالم کے مسلکِ اعتدال کا مظہر ہے۔ حضرت مولانا لطف اللہ علمائے ربانیین کا نمونہ اور زبدِ تقویٰ اور خدا پرستی کا مجسمہ تھے۔ طبیعت بے حد مرخاں مرخج پائی تھی۔ علمائے ہم عصر کے ساتھ بعض فردی مسائل میں اختلاف ہونے کے باوجود ان کے خلاف تعصب اور تشدد کا کبھی اظہار نہ فرمایا۔ آپ کی مقبولیت کے لیے یہی سند کافی ہے کہ بریلوی اور دیوبندی ہر طبقہ کے علماء کے دل میں آپ کا بے حد

احترام تھا۔ آپ کی سادگی اور پرہیزگاری کا ایک واقعہ حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ ایک موقع پر کسی شادی کی تقریب میں آپ مستورات کے ہمراہ ہلی میں سوار ہو کر سفر فرما رہے تھے کہ راستے میں راہزنوں نے گھیر لیا۔ آپ نے پوچھا، بھئی جان چاہیے یا مال؟ انہوں نے جواب دیا، مال۔ آپ نے کہا اچھا مستورات کے پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے الگ کھڑے رہو میں خود ہی سب زیورات اُتروا کر تمہارے حوالے کر دیتا ہوں۔ چنانچہ جب ڈاکو سب کچھ لے کر چل دیے تو ایک پختی نے ماں سے کہا، اماں، دیکھو، میں نے یہ زیور بچا لیا ہے۔ جوہی مولینا کے کان میں یہ آواز پہنچی، فرمایا، افسوس، تم نے مجھے اپنے وعدہ میں جھوٹا کر دیا۔ اور اسی وقت وہ زیور لے کر ڈاکوؤں کے پیچھے دوڑے اور پکارتے جاتے تھے کہ ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ وہ ڈرے کہ شاید انہیں کوئی مدد پہنچ گئی ہے اس لیے اور تیز تیز چلنے لگے لیکن مولینا کو اکیلا دیکھ کر بالآخر ٹھہر گئے۔ مولینا نے پہنچ کر ہانپتے ہوئے لڑکی کا زیور پیش کر کے معذرت کی کہ بھئی میری لاعلمی میں یہ زیور رہ گیا تھا۔ اور اس طرح وعدہ خلافی ہو گئی ہے۔ ڈاکوؤں پر اس سادگی اور راست بازی کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ تمام ٹوٹا ہوا مال اُن کو واپس کر دیا۔

ان ہی پاک منش بزرگانِ دین کے انفاسِ قدسیہ کی برکت تھی کہ ایسے نازک دور میں جب کہ حکومتِ برطانیہ اور اُس کے ہواخواہ ہندوستان میں علومِ اسلامیہ کو ختم کرنے کی ٹھان چکے تھے، مدارسِ اسلامیہ کا وجود باقی رہا اور علومِ دین کے سرچشمے جاری رہے۔ حضرت مولینا اور آپ کے اساتذہ کرام کے حالات پر کتابِ اُستاذ العلماء مؤلفہ نواب حبیب الرحمن خان شردوانی اور تذکرہ مشاہیرِ کوری مؤلفہ مولوی محمد علی حیدر قابل دید ہیں۔

علی گڑھ کے درس میں تحصیلِ علم

علی گڑھ میں حضرت نے قریباً اڑھائی برس تعلیم حاصل کی اور اپنی قابلیت، بلند اخلاقی اور مثالی کردار کے باعث مولینا لطف اللہ اور دیگر اساتذہ کرام و ہم مکتبوں میں جو مقبولیت و توقیر آپ کو حاصل ہوئی اُس کے چند ایک واقعات درج ذیل ہیں۔

یورپی امتحان کا اعترافِ کمال

جناب مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پور نے اپنے مسودات میں تحریر کیا ہے کہ میں نے حضرت قبلہ عالم کی زبانی سنا تھا کہ اُس زمانہ میں سرسید احمد خاں نے خیال کیا کہ مدارسِ عربیہ کی اصلاح کی جائے اور جس مدرسہ کی تعلیم ناقص ہو اُسے بند کر کے اُس کا چندہ و آمدنی علی گڑھ کالج کے مصرف میں لائی جائے۔ چنانچہ انہوں نے مولینا لطف اللہ سے کہا کہ آپ اپنے مدرسہ کا سالانہ امتحان دلویا کریں۔ تاکہ ایک تو سال بھر کی تعلیم کا اندازہ ہو سکے، دوسرا امتحان کے خیال سے طلباء کو زیادہ محنت کرنے کی رغبت ہو۔ چونکہ اکثر طلباء پنجابی اور پٹھان تھے جو اچھی طرح لکھائی نہ جانتے تھے، اس لیے مولینا اس بارہ میں قدرے متامل ہوئے۔ حضرت قبلہ عالم نے کہا آپ فکر نہ کریں ہم تقریری یا تحریری ہر قسم کے امتحان کے لیے تیار ہیں حضرت خوش نویس تھے اور مشہور خوشنویس منشی غلام احمد سکنہ کھسکی سے باقاعدہ مشق کی ہوئی تھی۔ منشی غلام احمد تمام مروجہ خطوط سے واقف تھے اور ان پر عبور رکھتے تھے۔ یہ اپنی آخر عمر میں مجذوب ہو گئے تھے حضرت نے ان کی گذراوقات کے لیے وظیفہ مقرر فرما رکھا تھا اور آخر وقت تک ان کی خبر گیری فرماتے رہے تھے۔ حضرت کے اس فرمانے پر مولینا لطف اللہ بہت خوش ہوئے اور طلباء کا امتحان دلوانا منظور فرمایا۔ سرسید نے اپنے طور پر ایک یورپ کے رہنے والے عالم و فاضل کو امتحان لینے

کے لیے بلوایا تھا۔ مولینا نے امتحان سے ایک روز قبل آزمائشی طور پر خود طلباء کا امتحان لیا اور صل کے لیے اقلیدس کا پرچہ دیا۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں نے اقلیدس کی شکل مسئلہ کا پہلے وہ جواب تحریر کیا جو اقلیدس میں دیا ہوا ہے۔ پھر اُس پر اپنی طرف سے اشکالات و اعتراضات کیے اور شکل مسئلہ پر اپنا حل تحریر کیا۔ مولینا نے میرے جوابات کو بے حد پسند فرمایا اور انہیں ایک لفافہ میں بند کر کے ممتحن صاحب کے پاس بھیج دیا۔ اگلی صبح تمام طلباء اُبلے کپڑے پہنے، کاغذ قلم دوات لیے صاف بنا کر ممتحن صاحب کے انتظار میں بیٹھے رہے مگر وہ تشریف نہ لائے جب بہت دیر ہو گئی تو سرسید کو اطلاع دی گئی۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ ممتحن صاحب رات کو بغیر بتائے چلے گئے ہیں اور پیغام چھوڑ گئے ہیں کہ جو طلباء اقلیدس پر اعتراض کر سکتے ہیں، مجھ میں اُن کا امتحان لینے کی اہلیت نہیں بلکہ اپنی بسکی کا اندیشہ ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ مولینا یہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور مجھے بہت دعائیں دیں کہ تم نے ہمارے مدرسہ کو بچا لیا اور نہ سرسید اسے ختم کر دیتے۔

ایک مجذوب کا اظہارِ حیرت

حضرت فرماتے تھے کہ ایک روز میں اپنی باری پر بدایہ شریف کا سبق لینے مولینا کے کمرہ کی جانب جا رہا تھا چونکہ مطالعہ کا موقع نہ ملا تھا اس لیے جاتے ہوئے سر پر گچھی بھی لپیٹا جاتا تھا اور کتاب کھول کر مطالعہ بھی کرتا جاتا تھا۔ مسجد میں عرض کے کنارے ایک مجذوب پڑا رہتا تھا۔ اُس نے باواز بلند پکار کر کہا پیر جی، مرغینانی نے اس کتاب کو اٹھارہ سال میں لکھا ہے اور آپ چلتے چلتے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ (مرغینانی سے اُن کی مراد مصنف بدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی تھا)

طالبِ علمی میں جو دو کرم اور ریاضت و مجاہدہ کی شان

علیگڑھ آنے پر بڑے پیر صاحب نے حضرت قبلہ عالم کے لیے ساٹھ روپے ماہوار وظیفہ مقرر فرمایا تھا جو ماہ بسا وقت معینہ پر پہنچا رہتا۔ مگر حضرت اس رستم کو طلباء میں تقسیم فرما دیا کرتے اور خود اکثر روزہ یا فاقہ سے رہتے۔ آپ کے ہم جماعتوں میں سے کئی طلباء شہر کی مساجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور جمعرات کو بہت سا کھانا لاکر آپ کی خدمت میں پیش کرتے۔ آپ اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہتے کہ لے کھالے۔ مگر ہفتہ بھر کا فاقہ زدہ کھاتا تو کیا کھاتا۔ چند نعتیں تادل فرما کر سب کچھ واپس کر دیتے۔

مولینا عبد اللہ ٹونکی سے ایک طالبِ علمانہ بحث

مولانا شیخ الجامعہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت کے قیام علیگڑھ میں ایک خاص واقعہ پیش آیا جو میں نے خود آپ کی زبانی سنا۔ حافظ عبد القدوس سکندری مکھڑ ضلع کیمبل پور، صرف دسویں کے بڑے ماہر تھے اور تمام درسی کتابیں اُن کو یاد تھیں۔ اہل علم کی تعلیم پنجاب میں اور باقی تمام علوم کی تحصیل مولینا لطف اللہ علیگڑھی سے کی تھی۔ وہ سال دو سال کے بعد ہمیشہ حضرت مولینا کی زیارت کو علی گڑھ آتے اور کئی کئی ماہ وہاں قیام فرماتے۔ اتفاقاً حافظ صاحب کی موجودگی میں مولینا عبد اللہ ٹونکی بھی جو مولینا کے شاگرد تھے اور مدرسہ فیتھوری دہلی کے اول مدرس تھے، حضرت مولینا کی زیارت کو آئے۔ مولینا عبد اللہ کے حافظ عبد القدوس سے بھی تعلقات تھے۔ حافظ صاحب نے حضرت قبلہ عالم سے کہا پیر جی، یہ مولوی عبد اللہ اپنے علم پر بہت نازاں ہیں۔ ان سے کچھ

علمی گفتگو ہو جائے تو خوب رہے گی۔ چنانچہ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ مولینا لطف اللہ سے جماعت کو سبق پڑھانے کے دوران جب کہ مولینا ٹونکی بھی حاضر تھے کسی لڑکے نے کوئی سوال پوچھا۔ مولینا عبد اللہ نے اپنے استاد محترم کی اجازت کے بغیر پیش دستی کر کے اسے جواب دیا۔ حضرت قبلہ عالم کو استاد عالی پر ان کی یہ سبقت ناگوار گذری۔ آپ نے استاد محترم کی طرف دیکھا اور ان کے چہرے سے اشارہ پا کر، علم نحو کی زیر سبق کتاب کا فیہ کی ابتدائی عبارت اَلْحَلِمَةُ لَفْظٌ دُضِعَ بِمَعْنَى مُفْرَدٍ کے متعلق مولینا عبد اللہ ٹونکی سے سوال کیا کہ مفرد کو مجرور پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مولوی عبد اللہ صاحب نے جواب دیا جائز ہے۔ حضرت نے اعتراض کیا کہ جس وقت کسی فعل کا تعلق کسی اسم موصوف سے ہو تو اتنا صاف حالت تعلق کے وقت ہوتا ہے۔ یہاں لِمَعْنَى کا تعلق دُضِعَ سے ہے اور بتقدیر جبر معنی موصوف ہوگا۔ پس لازم آئے گا کہ معنی کا افراد بحالت دُضِعَ ہو حالانکہ دُضِعَ افراد و ترکیب کا سبب ہے اور مسبب سبب کے بعد ہوتا ہے۔

مولینا عبد اللہ نے فرمایا کہ آپ نے اعتراض میں غلطی کی ہے، آپ کو کہنا چاہیے تھا کہ اتنا صاف تعلق سے قبل ہوتا ہے نہ کہ حالت تعلق میں۔ حضرت نے فرمایا کہ جَاءَ فِي الرَّجُلِ الرَّكْبِ مِثْلُ رَكُوبٍ مِثْلِيٍّ سے پہلے نہیں ہوگا بلکہ محلی اور رکوب کی معارنت ہے۔ مولینا عبد اللہ نے کہا کہ شرح جامی میں تو قبل الوضع کا لفظ موجود ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ مولوی عبد الحکیم سیالکوٹی نے حاشیہ عبد النور میں لکھا ہے کہ قبل الوضع کا لفظ سہو من الناسخ ہے اور صحیح نسخہ میں مع الوضع ہے۔

یہاں مولوی عبد اللہ صاحب خاموش ہو گئے۔ یہ دیکھ کر جناب مولینا لطف اللہ نے کتاب بند کر کے سبق ختم کر دیا اور حضرت کی تقریر سے بہت خوش ہوئے۔ حافظ عبد القدوس نے اپنی خوشی کا اظہار عجیب عجیب طریقوں سے کیا۔ جس کا علم ہونے پر مولوی عبد اللہ صاحب بہت طیش میں آئے اور اگلے روز مدرسہ میں آ کر حضرت کے ساتھ مناظرہ کا چیلنج دینے لگے۔ مگر حافظ عبد القدوس کے سمجھانے سے مرعوب ہو کر لوٹ گئے۔

پھر ایک زمانہ آیا کہ یہی مولینا عبد اللہ ٹونکی حضرت کی تصانیف پڑھ کر عرش عرش کرتے تھے۔ اور جب لاہور میں قادیانی معرکہ کے وقت حضرت نے علمائے اہل سنت و اہل حدیث کے سامنے قادیانی مسلک کی جانب سے ان پر امتحاناً سوالات کر کے ان کے جوابات بھی دیئے تو مولوی عبد الجبار غزنوی اور مولینا عبد اللہ ٹونکی نے بیک زبان دیگر علماء کے ہمراہ اعلان کیا کہ قادیانی مذہب کا آپ کے دلائل و جوابات سے بہتر جواب ممکن ہی نہیں۔ جناب بابو جی قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مولوی عبد اللہ ٹونکی نے انگریز حکومت میں بنکوں کے سود کے بعض حالات میں جائز ہونے پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ جسے لاہور کے سفر کے دوران حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں پیش کر کے رائے تحریر فرمانے کی عرض کی تھی۔ حضرت نے انہیں تخلیہ میں سمجھایا کہ میری رائے اس موقف کے خلاف ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اپنی رائے تبدیل کر کے رسالہ واپس لے لیا اور آئندہ حضرت کے موقف کے مطابق رہے۔

طالب علمی میں رشک انگیز تدریس

مدرسہ علی گڑھ میں حضرت کا بہت شہرہ ہو گیا تھا۔ استاد صاحبان اور طلبا سب ہی آپ کی ذہانت اور نکتہ رسی کے قائل اور معترف تھے۔ طلباء کا رجوع آپ کی طرف اس قدر ہوا کہ یہاں بھی آپ کو اپنا ایک علیحدہ درس قائم کرنا پڑا۔ ایک پٹھان طالب علم محمود نامی بھی اپنی قابلیت کی وجہ سے مشہور تھا۔ اور کچھ طالب علموں کو درس دیا کرتا تھا۔ لیکن حضرت

کے کمال کے پیش نظر اکثر طلباء یکے بعد دیگرے محمود صاحب کو چھوڑ کر آپ کے درس میں آنے لگے۔ حتیٰ کہ محمود صاحب کے پاس صرف ایک طالب علم رہ گیا جسے اُس نے کہا کہ اگر تم نے بھی مجھے چھوڑ کر پیر کے پاس سبق شروع کر دیا تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

ایک روز یہ طالب علم حضرت کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں آپ کے پاس پڑھنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے اپنے درس میں آنے کی اجازت بھی دیں۔ اور محمود صاحب سے میری حفاظت بھی کریں۔ آپ نے فرمایا۔ بے شک آجاؤ، میں پڑھاؤں گا بھی اور انشاء اللہ تمہاری حفاظت بھی کروں گا۔ چنانچہ وہ آگیا۔ ایک رات محمود نے مسجد کے اندر سے گنڈی لگالی اور اُس طالب علم کے سینہ پر چڑھ کر اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانا چاہا تو طالب علم نے شور مچا کر حضرت کو مدد کے لئے پکارا۔ آپ نے بڑی شکل سے گنڈی کھلوائی اور اُس پٹھان کو نیچے پٹخ کر، اُس کے سینہ پر سوار ہو کر اُس سے عہد لیا کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

ذہنی اور روحانی قوتی کے ساتھ جسمانی طاقت

اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ ذہنی اور روحانی قوتوں کے ساتھ ساتھ حضرت کو جسمانی قوتوں سے بھی نوازا تھا۔ گو آپ کا بیشتر وقت تحصیل علم اور عبادت الہی میں بسر ہوتا تھا۔ اور شاید گھوڑے کی سواری کے علاوہ عمر بھر کسی دوسری ورزش کا اہتمام نہ ہو سکا لیکن آپ کی صحت اور اعصاب باقاعدہ ورزش کرنے والوں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ حتیٰ کہ ساٹھ برس کی عمر تک آپ کے بازوؤں پر چٹکی نہیں لی جاسکتی تھی۔

جناب بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک عقیدت مند پہلوان نے کشتی میں فتح و کامیابی کے لئے دُعا کی استدعا کی تو فرمایا ذرا پاؤں تو دابو، دیکھیں تم میں کتنا زور ہے۔ اُس نے تھوڑی دیر تک پوری قوت سے آپ کے پاؤں دابے اور پھر اُس کا سینہ پھوٹ نکلا مگر آپ خاموش بیٹھے رہے۔ آخر مسکرا کر فرمانے لگے بس اسی بل بوتے پر پہلوانی کرتے ہو۔ حالانکہ وہ بہت مضبوط جسم اور طاقتور انسان تھا۔

علی گڑھ میں تقسیم سے فارغ ہو کر آپ نے کوئی سند وغیرہ حاصل نہ کی کیونکہ مدارس اسلامیہ میں عام طور پر صرف سند حدیث کو کافی سمجھا جاتا تھا۔ جس کے حصول کے لئے آپ بالاحسن سہارن پور میں مولینا احمد علی محمد ث کے درس میں جا کر داخل ہو گئے۔

مولینا لطف اللہ سے ملاقات کے لیے دوبارہ سفر ہند و حصولِ سندت

حضرت کے مسند ارشاد پر متمکن ہونے کے کافی عرصہ بعد آنجناب کے فرزند ارجمند حضرت بابو جی مدظلہ العالی ہندوستان میں گئے اور اپنے والد ماجد کے اُستادِ محترم مولینا لطف اللہ کی زیارت کے لئے علی گڑھ بھی حاضر ہوئے۔ آپ کے ہمراہ لنگر عالیہ کے خادم میاں عبداللہ اور چاندی نامی خدمت گار بھی تھے۔ آپ نے انہیں منع فرمایا کہ گولڑہ کا ذکر نہ کرنا۔ چنانچہ مولینا کی خدمت میں حاضری ہوئی اور کچھ بدیہ پیش کر کے دُعا کے لئے استدعا کی تو آپ نے پوچھا۔ کہاں سے آئے ہو؟ جناب بابو جی نے عرض کی کہ راولپنڈی کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے وہاں سے حاضر ہوا ہوں۔ اس دوران میاں عبداللہ کے مُنہ سے خیر ادا دی طور پر گولڑہ شریف کا نام نکل گیا۔ حضرت مولینا باوجود ضعیف العمری کے بھانپ گئے اور فرمایا۔ اچھا، وہاں

تو ہمارے ایک عزیز رہتے ہیں، تم ان کے فرزند تو نہیں ہو؟ جواب میں جی ہاں عرض کرنے پر بحیثیت سے پیش آئے اور فرمایا تم ہمارے عزیز کے عزیز ہو۔ اس کے بعد عجیب سے شکوہ آمیز اُداس لہجہ میں فرمایا کہ انہوں نے تو ہمیں بھلا ہی دیا۔ جناب بابو جی فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا میری طبیعت پر بہت اثر ہوا۔ اور واپس آتے ہی حضرت کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو آپ نے بھی بہت محسوس فرمایا۔ اور کچھ عرصہ بعد بہت سے تحائف لے کر علیگڑھ اُستاد محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت مولانا لطف اللہ اُس وقت ہندوستان میں اُستاد اُلک تھے اور آپ کے شاگردوں کا سلسلہ ملک کے طول و عرض میں پھیلا ہوا تھا۔ حضرت قبلہ عالم کے درو و علیگڑھ کا سُن کر بے شمار علمائے کرام جمع ہو گئے۔ اور کئی روز تک علوم و معارف کی مجالس گرم رہیں! فسوس ان شاندار علمی صحبتوں کی رُو داکسی نے محفوظ نہ کی۔ اور نہ ان مجالس کے شرکاء میں سے اس وقت کوئی زندہ ہے جس کی زبانی یادداشت سے ہی کوئی بات معلوم ہو سکتی۔ جناب بابو جی مدظلہ اس سفر میں ہمراہ نہ تھے اس لئے وہ بھی اس موضوع پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکتے بہر حال آپ کے اس قیام علیگڑھ سے آپ کے علمی و عرفانی کمالات کا شہر ہندوستان کے طول و عرض میں ہو گیا۔ مولانا سید محمود شاہ جو ان ایام میں وہاں مدرس تھے رخصتوں پر اپنے وطن پشاور آئے ہوئے تھے وہ کہتے ہیں کہ جب میں واپس ڈیوٹی پر پہنچا تو ہر جگہ صبح و شام حضرت قبلہ عالم کا ذکر خیر ہی سُننے میں آیا اور مولانا لطف اللہ صاحب اور دیگر علمائے کرام آپ کی علمی و عرفانی صلاحیتوں اور معلومات کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اُس وقت سے میرے دل میں حضرت کی عقیدت پیدا ہو گئی۔ اور اگرچہ میں ایک سخت خیال انسان تھا یہ عقیدت مجھے کشاں کشاں آستانہ عالیہ گولڑہ شریف پر لے آئی۔ مگر فسوس کہ مجھے یہ حاضری اُس وقت نصیب ہوئی جب حضرت قبلہ عالم اس دارِ فانی سے رحلت فرما چکے تھے۔

مولانا لطف اللہ کی طرف سے عطیہ سندات

حضرت قبلہ عالم کے اس سفر کی اہم یادگار یہ ہے کہ مولانا لطف اللہ صاحب نے حضرت قبلہ عالم کو قرآن مجید، کتب احادیث صحاح ستہ وغیرہ اور بعض خصوصی احادیث کی سندات عطا فرمائیں جو اس وقت تک تبرکات عالیہ میں محفوظ ہیں۔ یہاں تبرکات بعض اکتسابات درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اجازت نامہ کتب حدیث صحاح ستہ وغیرہ | اس اجازت نامہ میں خطبہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں :-

وبعد فيقول خادم المحدثين المهديين
لطف الله ابن اسد الله اذني اجزت الاخ
الاعزال مولوى الفاضل سيد محمد مهر على شاه
سلمه الله تعالى برواية كتب الصحاح وغيرها
كما اجازني بها عمدة المحدثين الشيخ الاجل
مولينا آل احمد بن محمد امام ابن نعمه الله
الفلوارى البهارى

حمد و صلوة کے بعد محدثین مہدیین کا خادم لطف اللہ
بن اسد اللہ کہتا ہے کہ میں کتب احادیث صحاح ستہ وغیرہ
کی روایت کی اجازت برادر عزیز مولوی فاضل سید محمد مهر علی
شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ کو دیتا ہوں جس طرح عمدة المحدثین شیخ
اجل مولینا آل احمد بن محمد امام ابن نعمت اللہ ہیسواروی
بہاری نے مجھے کتب مذکورہ کی روایت کی اجازت
فرمائی۔

اس کے بعد سند میں تمام کتب کے ختین تک سلسلہ اسناد کو ذکر فرمایا ہے۔

۲۔ اجازت نامہ مشکوٰۃ شریف | یہ اجازت نامہ مولانا مفتی عنایت اللہ کا کوروی کی سند متصل کے ساتھ مصنف کتاب علامہ خطیب تک پہنچتا ہے۔ اس کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں :-

انی اجزت الاخ العزيز السعيد الفاضل اللورعي سيد محمد مهر على شاه افاض الله عليه مجال المن والاحسان للكتاب المذكور وفقه الله لتدريسه والاستفادة بانواره و اخردعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على جيبه سيد المرسلين محمد و آله واصحابه اجمعين

میں برادر سعید فاضل ذکی سید محمد مهر علی شاہ (جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی بہترین نعمات و احسان سے مستفیض فرمائے) کو اس کتاب مذکور کی اجازت دیتا ہوں اللہ تعالیٰ انہیں اس کی تدریس اور اس کے انوار سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ والحمد للہ رب العالمین اور صلوة و سلام اللہ تعالیٰ کے حبیب سید المرسلین محمد مصطفیٰ اور آپ کی تمام آل و اصحاب پر ہوں۔

۳۔ اجازت نامہ قرآن مجید، ترجمہ و تفسیر

ابا بعدی گوید محمد لطف اللہ بن محمد اسد اللہ غفر لہما کہ بعض سورہ قرآن مجید شہید از عزیز دل و جانم مولوی حاجی سید محمد مهر علی شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ و ایشاں را اجازت بہت کہ تعلیم حضرت قرآن مے کردہ باشند و امور موقوف علیہ قرآن را از رسائل و کتب ثقات تحقیق کردہ باشند و اس فقیر را سند و اجازت حضرت قرآن از خدمت حضرت مولیانقاری محمد عبدالرحمن غفر لہ پانی تہی حاصل شد و اشاں را از خدمت حضرت مولیانقاری محمد اسحاق صاحب قدس سرہ حاصل شدہ الی آخر سندہ

اس کے بعد محمد لطف اللہ ابن محمد اسد اللہ غفر لہما کہتا ہے کہ میں نے قرآن مجید کی بعض سورتیں اپنے دل و جان کے عزیز مولوی حاجی سید محمد مهر علی شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ سے سنی ہیں۔ انہیں اجازت ہے کہ حضرت قرآن کی تعلیم دیا کریں۔ اور جن امور پر قرآن مجید موقوف ہے ان کی تحقیق معتبر کتب و رسائل سے کرتے رہیں۔ اس فقیر کو قرآن مجید کی سند اور اجازت حضرت مولیانقاری عبدالرحمن صاحب پانی تہی غفر لہ سے حاصل ہوئی۔ انہیں حضرت مولیانقاری محمد اسحاق قدس سرہ سے ملی۔

۴۔ اجازت نامہ حدیث ضیافت الاسودین | یہ اجازت نامہ بھی اسی سابقہ سند کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک متصل ہے۔ اس حدیث کی اجازت آپ نے بعض علمائے کرام کو بھی عطا فرمائی۔ چنانچہ ایک اجازت نامہ حضرت شیخ الجامعہ مولیانقاری علامہ محمد گھوٹوی کے نام پر مکتوبات مطبوعہ میں موجود ہے۔ اس حدیث کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر راوی بیان کرتا ہے کہ مجھے اُساد نے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے پانی اور کھجور کی ضیافت سے بھی نوازا۔ پانی اور کھجور کو اہل عرب اسودین کہتے ہیں اور مسلمان کی ضیافت کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایک مومن کی ضیافت کی اُس نے گویا حضرت آدم کی ضیافت کی جس نے دو کی ضیافت کی۔ اُس نے گویا حضرت آدم و حوا کی ضیافت کی جس نے تین مومنوں کی ضیافت کی۔ اُس نے گویا حضرت جبرائیل، میکائیل و اسرافیل کی ضیافت کی۔ چار کی صورت میں تورات۔ انجیل۔ زبور اور قرآن پڑھنے کا ثواب حاصل کیا۔ پانچ کی صورت میں گویا پیدائش عالم سے قیامت تک پانچوں نمازیں باجماعت ادا کیں۔ چھ کی حالت میں گویا اولاد اسماعیل سے ساٹھ غلام آزاد کئے۔ سات کی صورت میں اُس پر جہنم کے ساتوں دروازے بند کئے گئے۔ آٹھ میں جنت کے آٹھوں دروازے اُس پر کھولے گئے۔ نو کی حالت میں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله صاحب العلمين والصلوة والسلام على رسول الله محمد وآله
واسمى احمد ابا بعد ويقول البديع الراجي رحمة الله عليه
احمد على المسماة ان مولوي منشاہ رجبی ہندوستان
گورہ ضلع راول پٹی قد عرض علی النصف الاول مع
من الصبح للبخاری ووالتر الصبح المسلم اللہ تعالیٰ
وانی قد عرضت اللکتابین علی الملکوم وولانا ام
مولوی محمد اسحق لدھلوی رحمہ اللہ کا وقد اجازت
ولما اجزی للمولوی منشاہ ان لشتغل بالکتابین وغیرہما
کتب الحدیث وبعلم المستفید بہا ما شرط المعبر
المعبر عند اهل الحدیث وبالمرجوہ الی الترویج واللہ اعلم
وعلیہ السلام واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین
سنة خمس وسموات بعد الف المائتين والاربعين
١٢٩٥

سند کتب الحدیث عنایت کردہ ۱۲۹۵ھ مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری (صفحہ ۸۴)

اللہ تعالیٰ اُس کے لئے تمام گنہگاروں کے عدد کے برابر نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔ دس مسلمانوں کی ضیافت کی صورت میں اللہ تعالیٰ اُس شخص کو ہمیشہ روزہ رکھنے والے، حج اور عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ثواب عطا فرماتا ہے۔

حدیث متذکرہ بالا کے بعض راویوں کے متعلق امام سخاوی وغیرہ محدثین نے اعتراضات کئے ہیں۔ مگر سند میں خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ محدث جیسی شخصیتوں کا پایا جانا اس کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

۵۔ **حدیث شریف مسلسل بالاولیٰ** | اس حدیث کی سند حضرت قاری عبدالرحمن پانی پتی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر راوی بیان کرتا ہے کہ یہ پہلی حدیث ہے جو اُس نے اپنے اُستاد محترم سے سنی ہے مضمون یہ ہے :-

الراحمون یرحمہم اللہ الرحمن تبارک
و تعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من
فی السماء
رحم کرنے والوں پر اللہ تبارک و تعالیٰ رحم فرماتے ہیں
زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والے تم پر رحم
کریں۔

۶۔ **سند رسالہ حدیث مولینا محمد سعید سنبل** | رسالہ مصنف مولینا محمد سعید ابن محمد سنبل حدیث کی مشہور کتابوں کی ہر پہلی حدیث کے متن اور ان کی اسناد پر مشتمل ہے عموماً کسی محدث سے بطور تبرک سند لینے کی صورت میں یہ رسالہ متداول ہے۔

۷۔ **سند حدیث مصافحہ** | اس حدیث کی روایت میں راویوں کی تعداد بہت کم ہے۔ کیونکہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جن صحابی قاضی شہورس نامی شامل ہے۔ اور جنات کی عمریں بہت طویل ہوتی ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہورس صحابی جو قوم جن سے تھا کو فرمایا کہ اے شہورس میرے ساتھ مصافحہ کر۔ کیونکہ جس نے مجھ سے مصافحہ کیا، یا میرے ساتھ مصافحہ کرنے والے سے مصافحہ کیا۔ اسی طرح سات واسطوں تک۔ وہ جنتی ہوگا۔ حدیث ضیافت و مصافحہ کی اجازت حضرت نے بہت سے حضرات کو عطا فرمائی۔ جن میں سے حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ حضرت دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف اور مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شمولیت درس حدیث بمقام سہارن پور

سہارن پور میں شیخ الحدیث مولینا احمد علی بن حدیث کے امام تصور کئے جاتے تھے۔ بخاری شریف پر آپ کے حواشی آپ کی علمیت و قابلیت کا بین ثبوت ہیں۔ آپ مولینا عبید الرحمن رجب العلوم لکھنوی اور شاہ عبدالقادر دہلوی کے شاگرد تھے۔ ۱۲۶ھ میں مکہ شریف جا کر خاندان ولی اللہی کے مشہور چشم و چراغ شاہ محمد اسحاق سے دوبارہ درس حدیث لے کر سند حاصل کی۔ کتاب انوار الاولیاء میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجری کے حالات میں تحریر ہے کہ جب مولینا احمد علی مکہ شریف میں حاجی صاحب سے ملے تو انہوں نے کہا کہ مولینا چونکہ میں نے آپ سے گلستان کے اسباق پڑھے ہیں اس لئے آپ میرے اُستاد ہیں۔ اگر محسوس نہ فرمائیں تو مشورۃ عرض کرتا ہوں کہ دوسروں کے مدارس میں ملازمت کرنے کی بجائے اپنا درس حدیث شروع کیجئے تو زیادہ مفید رہے گا۔ اس لئے واپس آکر مولینا نے سہارن پور میں حدیث شریف کی تعلیم و تدریس کا اپنے یہاں

الگ اہتمام فرمایا اور صد ہا علماء کو محدث بنا دیا۔ ہندوستان میں ہر طبقہ کے علماء میں سے اکثر کی سندِ حدیث آپ تک پہنچتی ہے۔ فنِ حدیث میں جہاں آپ دیوبندی علماء کے پیشوا مولوی محمود الحسن صاحب کے استاد ہیں وہاں خاندانِ غوثیہ کے چشم و چراغ حضرت قبلہ عالم گولڑوی اور مولینا سعید محمد علی شاہ مونگیری جیسی آفتابِ معرفت بستیاں بھی آپ سے مستفیض ہیں۔ حضرت مولینا احمد علی خود حنفی مسلک کے تھے مگر حلقہٴ درس وسیع ہونے کے باعث ہر کتبِ فکر کے طلباء اُس میں شامل ہو کر مستفیض ہوتے تھے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ جب مولینا احمد علی سہارن پوری کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے آپ کو اپنے درس میں داخل کرنے سے عذر کیا اور کہا کہ کتبِ حدیث کے تمام نسخے ختم ہو چکے ہیں۔ اس لیے آپ کسی دوسری جگہ جا کر حدیث پڑھیں۔ حضرت تیران جوئے اور دیگر طلباء بھی متعجب ہوئے کیونکہ اس قسم کا جواب مولینا کی عادت و معمول کے قطعاً خلاف تھا۔ تب جس پر معلوم ہوا کہ حضرت کے سہارن پور پہنچنے سے قبل علی گڑھ والے پٹھان طالبِ علم محمود نے انتقام لینے کی خاطر ایک خط مولینا کو لکھ دیا تھا کہ اس نام اور اس حلیہ کا ایک طالبِ علم آپ کے پاس حدیث پڑھنے آ رہا ہے۔ اسے حصولِ علم کا شوق کم اور طلباء و استاد کو تنگ کرنے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کا اشتیاق زیادہ ہے۔ لہذا اُس کا آپ کے درس میں داخلہ شر و فساد کا باعث ہوگا۔ اس اطلاع سے متاثر ہو کر مولینا نے حضرت کو اجازتِ ثنویت درس دینے سے اجتناب کیا۔ حضرت نے اس کی تردید کا تو کوئی اقدام نہ کیا البتہ مؤدبانہ اصرار سے مولینا سے سبق میں شامل ہونے کی اجازت حاصل کر لی۔ لیکن مولینا آپ کے سبق پڑھنے کی نوبت نہ آنے دیتے تھے کہ خود ہی بد دل ہو کر چلا جائے گا۔ آپ نے صبر و استقلال سے کام لیا اور آہستہ آہستہ سبق دوہرانے کے اوقات میں آپ کے اخلاقِ عالیہ اور ذہانت کا علم تمام طلباء کو ہو گیا جنہوں نے یہ کوائف حضرت مولینا کی خدمت میں عرض کر کے کہا کہ ایسے شخص کے خلاف ایسی شکایت سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ چنانچہ ایک روز آپ کے سبق پڑھنے کی نوبت بھی آئی تو مولینا آپ کی قابلیت دیکھ کر دنگ رہ گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ شکایت واقعی بے جا تھی۔ اس کے بعد وہ حضرت کے حال پر بے حد توجہ فرماتے رہے اور اسباق میں آپ کے ساتھ امتیازی سلوک فرماتے تھے۔ چونکہ حضرت دریافت فرماتے اُس کا بہت زیادہ خیال فرماتے۔ حتیٰ کہ بتدریج مولینا کو حضرت سے بید محبت و شفقت پیدا ہو گئی۔

حدیث قوموا الی سید کھڑ پر بحث

حضرت فرماتے تھے کہ مولینا احمد علی کے درس میں ہم دو طالبِ علم مولینا وصی احمد علی بھتی اور میں حنفی المذہب تھے۔ باقی اکثر و بیشتر طلباء غیر متد تھے۔ درس کے دوران اکثر اختلافی مسائل پر بحث چھڑ جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیشہ حنفی مذہب کی فوقیت ہی ثابت ہوتی۔ غیر متد میری موجودگی کو اپنی شکست سمجھتے تھے۔ ایک روز حدیث قوموا الی سید کھڑ پر بحث چلی کہ قیام حضرت سعد کی تعظیم کے لئے تھا یا ان کے زخمی ہونے کی وجہ سے امداد اور اعانت کی غرض سے تھا۔ بخاری شریف کی حدیث

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی قریظہ سعد بن معاذ کے حکم پر آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو بلوایا۔ وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے جب مسجد کے قریب پہنچے تو آنحضرت نے انصار سے فرمایا، اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال نزل اہل قریظہ علی حکم سعد ابن معاذ فاسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتی عنی حملاً فلما دنی من المسجد قال للانصار قوموا الی سید کھڑ۔

حضرت اُساد نے قیام مامورہ کو برائے تعظیم قرار دیا۔ مخالفین نے اعتراض کیا کہ اس کا کوئی قرینہ نہیں۔ حضرت سعد زہبی تھے اور قیام کا امر انہیں سواری سے اُتار کر لانے کے لئے تھا۔ اُساد صاحب نے میری طرف دیکھا تو میں نے عرض کی کہ قَوْمُوا جمع ہے اور زہبی ہونے کی وجہ سے امداد کی حاجت ایک شخص کے قیام سے بھی پوری ہو سکتی تھی۔ سب انصار کو کھڑے ہونے کا حکم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم برائے تعظیم تھا۔ علاوہ ازیں قاعدہ ہے کہ اگر مشتق پر حکم کیا جائے تو مشتق منہ علت حکم ہوتا ہے۔ جیسا کہ کتاب متحرک الاصابع میں تحریک اصابع کی علت کتاب کا مبداء اشتقاق کتابت ہوگی۔ کتب مسلم بلاغت و اصول میں مسند مذکور ہے۔ اس کی مثال السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا اَيْدِيَهُمَا اور الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ میں قطع اور جلد کی علت سرقہ اور زنا ہے، لہذا قَوْمُوا اِلَى سَيِّدِكُمْ میں قَوْمُوا یعنی کھڑے ہونے کی علت سیند کا مبداء اشتقاق سیادت یعنی سرداری قرار پائے گی پس ثابت ہوا کہ کھڑے ہونے کا حکم بغرض تعظیم تھا۔

غرض اس قسم کے کئی واقعات ہوئے جس پر غیر متعلقہ طلباء سخت پریشان ہوئے۔ آخر آپ نے اُن سے عہد لیا کہ آئندہ ائمہ مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہ اور حضرت غوث الاعظم اور حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری کی شان میں قطعاً کوئی نازیبا لفظ منہ سے نہیں نکالیں گے۔

امین بالجہر بر منظر

غیر متعلقین کے ایک بڑے مولوی سہان پورا آئے جن کے ساتھ حضرت کا بلند آواز سے امین کہنے کے متعلق مکالمہ ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ بلند آواز سے امین کہنے کے حق میں سب قوی دلیل کیا ہے۔ تو انہوں نے ترمذی کی حدیث جَهَرَ بِهَا صَوْتُهُ کا حوالہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ شعبہ کی روایت خَفَضَ بِهَا صَوْتُهُ بھی ترمذی میں موجود ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کی امام ترمذی نے تضعیف کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس تضعیف کی امام ابن حجر نے تلخیص الجہیر میں تردید کی ہے۔ نیز یہ روایت دوام یا اکثریت پر دلالت نہیں کرتی جس سے اس کا سنت ہونا ثابت ہو۔ یہ تو محض ایک واقعہ ہے جس سے زیادہ سے زیادہ جواز نکلتا ہے جو متنازع فیہ نہیں۔ آیۃ اذْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ط (اپنے رب کو عاجزی اور چپکے سے پکارو) بھی آہستہ پڑھنے کی متقاضی ہے۔ اس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

ایک مجذوبہ کی والہانہ صدا

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ سہان پور میں مسجد کے سامنے ایک مجذوبہ چھوٹی سی جھونپڑی میں بڑی رستی تھی جس نے ذوق و شوق کے عالم میں ایک روز چلا کر صد لگانے :-

ع میری ٹوٹی چھوٹی جھونپڑیا میں کبھی جی چاہے تو آپا رہے

آپ فرماتے تھے کہ اس صد میں کچھ ایسی کیفیات و درد پہاں تھے، کہ کئی روز تک بے خودی کا

غلبہ رہا۔ سچ ہے :-

کہ صحبت بادل غم دید الفت بیشتر گیرد

چراغے را کہ دُورے بست در سر زود تر گیرد

اثنائے رس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات

فرمایا جب ہم حدیث پڑھتے تھے تو کبھی کبھی حدیث والے "صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی کرم فرماتے تھے کیوں ہو جب حدیث شریف کے ہر طالب صادق پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص توجہ مبذول فرماتے ہیں تو اپنے نورِ نظر اور نعتِ جگر پر کیوں عنایات مبذول نہ فرماتے ہونگے۔

میلے تماشوں سے نفرت

فرماتے تھے ایک مرتبہ والسرائے ہند کی آمد کے سلسلہ میں سہارنپور میں کئی روز تک جلسے تماشے ہوتے رہے۔ لوگ دُور دُور سے دیکھنے آتے تھے مگر میری طبیعت اس طرف متوجہ نہ ہوتی تھی۔ آخری رات مدرسہ کے قریب ہی آتشبازی کا پروگرام تھا۔ میں اپنے بالاخانے والی کھڑکی میں اپنی مستقل نشست سے اگر صرف ایک بالشت ہی آگے سرکاتا تو سب کچھ بخوبی دیکھ سکتا تھا مگر اس طرف طبیعت نے کوئی میلان یا رغبت محسوس نہ کی۔ اس لئے اپنی پُرانی مستقل نشست پر ہی بیٹھا رہا اور کسی طرف توجہ نہ ہوئی۔ البتہ قوالی اور سماع میں بہت جی لگتا تھا۔ گلی میں ایک خوش آواز سرائینہ رہا کرتا تھا۔ کبھی فرصت میں اُس کے پاس جا کر حسب حال شعر و اشعار سن کر دل بہلا لیا کرتا تھا۔

تحصیلِ علوم کے بعد مراجعتِ وطن

حضرت کے اس قسم کے حالات سے آگاہ ہو کر مولانا احمد علیؒ نے محسوس کیا کہ یہ طالب علم ایک مہتممانہ بصیرت کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ عشقِ انہی کے بھی ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے علومِ ظاہری و باطنی رسمیت و رسمیت کے ساتھ ساتھ شریعت و طریقت کی خدمت بھی لینے والے ہیں۔ اس لئے اسے زیادہ دیر تک روکنا دین کی خدمت کے منافی ہے۔ چنانچہ ایک روز اپنا نام اپنے دولت کدہ پر حضرت کی دعوت کی اور پھر سندِ حدیث پُر دکر کے فرمایا کہ آپ کو مزید پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ وطن تشریف لے جائیے اور دین کی خدمت کیجئے۔

حضرت نے بخاری شریف اور مسلم شریف کی تعلیم لی تھی اس لئے سند بھی ان ہی مضامین کے متعلق تھی۔ اس پر سال ۱۲۹۵ھ تحریر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے تقریباً بیس برس کی عمر میں علومِ رسمیت کی تکمیل کر کے وطن کو مراجعت فرمائی تھی۔ اس کے دو سال بعد یعنی ۱۲۹۶ھ میں حضرت مولانا احمد علیؒ کا انتقال ہو گیا۔ گویا حضرت اُن کے آخری دور کے شاگردوں میں سے تھے۔ اسی طرح آپ نے مولانا لطف اللہ سے بھی اُن کے آخری دور میں تکمیلِ علوم کی تھی اور شیخِ طریقت حضرت خواجہ شمس الدین ستیا لوی سے بھی خلافت اُن کے آخری دور میں ہی حاصل کی تھی۔ یہ امر مسلم ہے کہ اس عالم اسباب و تحصیل میں صاحبِ فن اپنے آخری دور میں ترقی و کمال کے انتہائی عروج پر ہوتا ہے۔ اور طویل تجربہ و مشاہدہ کے باعث اپنے فن کی تعلیم و تدریس کے لئے موزوں و مناسب ترین حالت میں ہوتا ہے۔

باب سوم

زمانہ درس و تدریس

۱۲۹۵ھ تا ۱۳۰۰ھ

۱۸۶۶ء تا ۱۸۸۲ء

زمانہ درس و تدریس

مراجعت وطن، اجرائے درس و شادی خانہ آبادی

قبل ازیں ذکر آچکا ہے کہ حضرت پیر سید فضل دین شاہ گیلانی المعروف بڑے پیر صاحب نے جو حضرت قبلہ عالم کے والد بزرگوار حضرت اجی صاحب کے مائول اور سلسلہ عالیہ جدیہ میں حضرت قبلہ عالم کے شیخ طریقت بھی تھے ۱۳۱۱ھ یعنی ۱۸۹۳ء میں اور خود حضرت اجی صاحب پیر سید نذر دین شاہ گیلانی نے ۱۳۲۳ھ یعنی ۱۹۰۵ء میں انتقال فرمایا۔ چنانچہ ۱۲۹۵ھ یعنی ۱۸۷۸ء میں جب آپ فارغ التحصیل ہو کر واپس وطن تشریف لائے تو ہر دو بزرگان بقید حیات تھے اور ان کے زیر سایہ حضرت قبلہ عالم بہت م کے معاشی و دیگر تفکرات سے آزاد رہتے ہوئے درس و تدریس اور ریاضات و مجاہدات میں مصروف رہے۔ ان ہی ایام میں آپ کی شادی خانہ آبادی اپنے ننھیال میں سید چراغ علی شاہ کی دختر نیک اختر سے بمقام حسن ابدال ہوئی۔ حضرت کی نانی صاحبہ، حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری اوجی کی اولاد میں سے تھیں۔ صاحب تحفہ نے منظر جلالی وغیرہ کتب کے حوالہ سے حضرت مخدوم جہانیاں کے متعلق لکھا ہے کہ جب آپ روضہ اقدس سرکار دہو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو مدنیہ عالیہ کے بعض سادات کرام نے آپ سے سید ہونے کی سدا مگی آپ نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر عرض کی: السلام علیک یا جدی تو روضہ اقدس سے آواز آئی و علیک السلام یا ولدی جسے سن کر معترضین دم بخود رہ گئے اور آپ کی شرافت و سیادت کے قائل ہو کر بجد تعظیم و تکریم بجالائے۔

تدریس و تسلیم میں خصوصی شان

حضرت قبلہ عالم حصول تعلیم کے بعد وطن واپس پہنچتے ہی بمصدق فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم انما بعثت معلما (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں) جہد تن تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ابتدا میں پچاس کے قریب طلباء آپ سے علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان میں مولوی دوست محمد سکند بھوپڑ تحصیل چکوال، سید ممتاز علی شاہ سکند ریاست پونچھ، مولوی فقیر محمد سکند راجر تحصیل فتح جنگ اور مولوی حضرت پیر سکند کھنگر ضلع ہزارہ آپ سے اعلیٰ درجات کی انتہائی کتب خود پڑھتے تھے اور ابتدائی و چھوٹی جماعتوں کی کتابیں مہتمدی طلباء کو پڑھایا کرتے تھے۔ یہ درس حضرت کی آبان مسجد واقع قصبہ گولڑہ میں شروع کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت میں وہ تمام اوصاف جمع فرمادیے تھے جو ایک اعلیٰ ترین معلم میں ہونے چاہئیں کیفیت گو کی سلاست و جامعیت کے ساتھ ساتھ اہم و تفہیم کا انداز کچھ ایسا دل نشین تھا کہ کم سے کم استعداد کا طالب علم بھی مطلب بخوبی سمجھ لیتا تھا آپ کے اکثر ہم عصر علمائے کرام کو جب کبھی آپ کو درس دیتے سُننے کا اتفاق ہوا تو حیران ہو کر مہیاختہ

داد دیئے بغیر نہ رکھے۔ نالائق سے نالائق اور بے ذوق سے بے ذوق طالب علم پر بھی اگر نگہ شفقت اور نظر توجہ فرماتے تو وہ علم کی دولت سے مالا مال ہو جاتا بولیںنا احمد دین سکھ بھونی جو علاقہ چھبھ ہزارہ کے مشہور علماء اور مدرسین میں سے تھے؛ بچپن میں آپ کی خدمت میں لائے گئے۔ اور ان کے والد بزرگوار نے انہیں نہایت کمزور ذہن خیال کرتے ہوئے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ میں چاہتا ہوں یہ عالم بن جائے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ ذہین فرزندوں کو تو خود منتخب کر لیا اور اسے میرے پاس لائے ہو۔ اچھا، اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں گے۔ خدا کی شان دیکھیے کہ وہی بچہ آپ کی نظر کرم سے ایک متوجہ عالم ہوا۔

اسی طرح مولوی محرم علی چشتی لاہوری کے فرزند مولوی قائم علی چشتی کا واقعہ ہے۔ ان کو بھی ان کے والد بزرگوار نے حضرت کی خدمت میں پیش کر کے عرض کی کہ یہ نہایت کند ذہن بچہ ہے۔ آپ نے فرمایا یہ فاضل ہے۔ چنانچہ آپ کی نظر فیض اثر سے یہی اُس کا نام پڑ گیا اور وہ فارغ التحصیل ہو کر فاضل لاہوری کے نام سے مشہور ہوا۔ اگرچہ حضرت قبلہ عالم سے فیض ہونے والے علماء کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے اپنے ابتدائی دور میں علوم ظاہرہ کی تدریس میں کافی محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔ اور اگرچہ حجاز مقدس سے واپسی پر علوم رسمیت کی تدریس بہت حد تک مولینا محمد غازی نے سنبھال لی تھی مگر پھر بھی کتب تصوف کے ساتھ ساتھ علوم رسمیت کی تعلیم میں بھی آپ برابر ہاتھ بٹاتے رہے حتیٰ کہ زمانہ استغراق تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

مسجدِ ضرار کے مسئلہ پر حضرت کا موقف

اس زمانہ میں قطبال ضلع کیسل پور میں ایک مسجد کو مسجدِ ضرار کہنے کے متعلق علمائے نواح میں ایک مناظرہ ہوا۔ دونوں جانب سے پچیس پچیس علماء تھے۔ آپ بھی وہاں تشریف لے گئے اور آپ کے مقابلہ میں موضع سکھری علاقہ پنڈی گھیب کے ایک مشہور مناظر کو لایا گیا۔ میدان مناظرہ میں پہنچنے سے پیشتر ملاقات پر آپ نے اُس سے دریافت فرمایا کہ مسجد زیر بحث کے متعلق آپ کے پاس اُسے مسجدِ ضرار قرار دینے کی علتِ تامہ کیا ہے۔ اُس نے مسجدِ ضرار کے متعلق نازل شدہ آیت تلاوت کر کے تفریقاً بین المؤمنین کا ذکر کیا۔

اور بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے مسجد بنائی ہے کہ
 وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا
 وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِصَادًا لِّمَنْ
 حَارَبَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ۝
 (سورۃ توبہ - ۱۰۷)

آپ نے فرمایا کہ علتِ تامہ محض تفریق نہیں بلکہ اس میں چار چیزیں ضراراً، کفراً، تفریقاً بین المؤمنین اور اصاداً لمن حارب اللہ ورسولہ شامل ہیں۔ ان میں سے ایک یا دو علت ناقصہ ہیں جن پر حکم مترتب نہیں ہو سکتا۔

اس سے وہ صاحب کچھ اس قدر متاثر و مرعوب ہوئے کہ عین وقت مناظرہ پر آپ کے ساتھ بحث سے گریز کرتے ہوئے اور کسی جانب سے بھی مناظرہ میں شریک ہوئے بغیر واپس چلے گئے۔ اس مسئلہ میں حضرت کا موقف یہ تھا کہ کسی بھی مسلمان کی بنا کردہ مسجد پر منافعتین کی تعمیر کردہ مسجد کا حکم عائد کرنا درست نہیں ہے۔

مفقول کی مشہور کتاب "قاضی مبارک" کی تدریس پر علماء کا اظہارِ حیرت

اسی مناظرہ کے سلسلہ میں مولوی محمد عالم سکنہ چنبہ پنڈت تحصیل بری پور بھی قطبال میں آئے ہوئے تھے۔ وہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ان اضلاع میں قاضی مبارک جو منطق کی اعلیٰ ترین کتاب ہے، کا درس دینے والا، ان سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت نے ان کی موجودگی میں اس کتاب کا ایک سبق کسی کو پڑھایا جسے سن کر وہ مجو حیرت ہو گئے اور کہنے لگے کہ آج سے قاضی مبارک پڑھانا آپ کا حق ہے۔ آئندہ جو طالب علم مجھ سے یہ کتاب پڑھنے آئے گا۔ میں اُسے آپ کی خدمت میں روانہ کر دوں گا۔

ایک نواحی گاؤں میں شیعوں سے مناظرہ

آپ کو ہندوستان سے واپس تشریف لائے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ آپ کی علمی شہرت کے پیش نظر اس نواح کے مقامی علماء میں سے اکثر آپ سے حسد کرنے لگ گئے۔ آپ کی تو ابھی پورے طور پر ریش مبارک بھی نہیں بھونی تھی مگر درس و تدریس میں نکتہ سنجی کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے معمر علماء مجو حیرت ہو جاتے تھے۔ طلباء اور سمجھ دار سامعین عیش عیش کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کئی علماء کے درس غیب آباد ہو گئے جو ان کے حسد و عناد کا باعث بنے۔ اللہ تعالیٰ کو چو نکہ آپ کا ارشاد ظاہر کرنا مقصود تھا اس لئے ہر سلسلہ میں آپ کی فوقیت اور برتری کے اظہار کے اسباب پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ انہی ایام میں ایک قریبی گاؤں کے مناظرہ کے واقعات شیخ الجامعہ مولیٰ سنا غلام محمد نے بطریق ذیل تحریر کیے ہیں :-

بھیکہ ایک چھوٹا سا گاؤں گوڑہ تشریف کے قریب واقع ہے جہاں اکثر حسینی سادات جو مذہباً شیعہ ہیں رہتے ہیں انہوں نے راولپنڈی میں متعین ایک متعصب شیعہ افسر کی امداد سے حضرت کو منظرہ کا پیسج دیا۔ جو آپ نے منظور فرمایا اور امتام مناظرہ پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے لکھنؤ کے ایک مجتہد کو بلوایا ہوا تھا۔ موضوع بحث باغ فدک مقرر ہوا۔ شیعہ مجتہد نے پہلے تقریر کے دعویٰ کیا کہ فدک جناب شیعہ کا حق تھا۔ در حضرت صدیق نے اس کو نظر روک لیا تھا اور جناب سنیہ کو نہ دیا لہذا ظالم خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت نے جواباً کہا کہ فدک پر حضرت سیدہ علیہا و علیٰ ابیہا و علیٰ زوجہا و اولادہا الصلوٰۃ والسلام کے استحقاق کی کوئی دلیل پیش کیجئے۔ محض ادعا کافی نہیں، کیونکہ صرف دعویٰ کی صورت میں تو دوسری جانب سے بھی خلاف دعویٰ ہو سکتا ہے۔

اس پر مجتہد صاحب نے آیہ و رثہ پڑھی :-

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے ضمن میں تم کو وصیت فرماتے ہیں۔ مردوں کے لئے دو عورتوں کی مانند حصہ ہے۔ اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے دو تہائی چھوٹی ہوئی چیز کی ہے۔ اور اگر عورت ایک ہو تو اس

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ
حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ
فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً
فَلَهَا النِّصْفُ (پارہ ۴ - نسہ - آیت ۱۱)

کے واسطے آدھا ہے۔

آپ نے جواب دیا کہ بے شک ایسی صورت میں جب کہ جناب سیدہ اپنے والد شریف صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اہلی وارث ہوئیں تو اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ میں سے نصف حصہ کی مالک ہوتیں۔ لیکن جس صورت میں باپ نے کوئی ترکہ ہی نہ چھوڑا ہو تو نصف کہاں سے ملے گا۔ دوسرے یہ کہ فدک کا ترکہ ہونا کس دلیل سے ثابت ہے۔

مجتہد صاحب نے کہا کہ قرآن پاک سے ثابت ہے کہ فدک اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کا تھا۔ اور یہ آیت پڑھی :-
 وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا آوَدَّ
 جَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَا
 لَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ
 وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الحشر ۶)

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت کے ساتھ ہی جو آگے آتی ہے اس پر بھی غور فرمائیے :-
 مَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ
 فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
 وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَىٰ لَا يَكُونَ
 دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (الحشر ۶)

اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک نہ تھا اور فے کا مال ملک ہوتا بھی نہیں۔ اگر بالفرض ایسا مان بھی لیا جائے تو حدیث شریف :-

مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورِثُ مَا تَرَكَنَا
 صَدَقَةٌ

اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کو وقف کر دیا تھا۔ اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ آپ نے وقف نہیں فرمایا تو حضرت سیدہ کا حق نصف فدک ہوتا نہ کہ سارا جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے۔

مجتہد صاحب نے کہا کہ یہ حدیث نص قرآن کے خلاف ہے اور یہ آیت پڑھی :-

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ (پارہ ۱۹ - نمل ۱۶)

آپ نے جواب دیا کہ یہاں وراثت دینی مراد ہے۔ انہوں نے پوچھا اس تخصیص کی دلیل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی بہت سی اولاد تھی۔ باقی اولاد کو محروم کر کے صرف ایک کو وارث بنانا پیغمبر کی شان کے خلاف ہے۔ لہذا تخصیص کا قرینہ سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی تخصیص سے نیز مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورِثُ مَا تَرَكَنَا کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء کا وارث غیر نبی نہیں ہو سکتا۔ اگر نبی کا وارث نبی ہو تو اس حدیث کے خلاف نہیں اور اس کی دلیل مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ سے ملتی ہے۔ لہذا یہ آیت حدیث شریف کی تائید کرتی ہے نہ کہ تردید۔

دوران مناظرہ اپنے جدِ امجد کی روحانی توجہ

مولانا شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ حضرت فرماتے تھے کہ اس مناظرہ کے دوران تقریر کرتے ہوئے مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی شخص کا ہاتھ میرے کندھے پر ہے۔ اور وہ کسی وقت سرگوشی کے طور پر میرے کان میں بھی کچھ کہہ دیتا ہے۔ مگر جب میں ادھر ادھر سر پھراتا تو کوئی دکھائی نہ دیتا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ آپ میرے جدِ امجد زبداۃ الکاملین، عمدة الواصلین حضرت پیر سید روشن دین تھے جو روحانی طور پر میری امداد فرما رہے تھے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت کے کمال علمی اور حاضر دماغی کا ایسا سکہ بیٹھا کہ پوٹھو وار، کھانری، چھچھو اور ہزارہ کے کل علماء آپ کے معترف ہو گئے۔ مسئلہ فدک مندرجہ بالا کی مزید تفصیل حضرت کے فتاویٰ اور ملفوظات میں موجود ہے۔ وہاں سے ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ریاست سوات کا سفر

ان ایام میں ریاست سوات کی جانب آپ نے حضرت اخوند صاحب کے سلسلہ طریقت میں سے کسی خلیفہ صاحب کا کافی چرچا سنا۔ اور معلوم ہوا کہ وہاں کے علماء رحمۃ اور نسوار کو حرام کہتے ہیں۔ اور ان کے استعمال کرنے والوں کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ چونکہ اُمتِ مسلمہ پر یہ ایک ناجائز تشدد تھا اس لئے آپ نے ادھر کا سفر اختیار فرمایا۔ فرماتے تھے کہ اس سفر میں خورد و نوش کے سلسلہ میں صرف مکی کی روٹی ملتی رہی اور کوئی اناج نہ مل سکا۔ ادھر دستور تھا کہ بندو اور سیکھ لوگ بال رکھتے اور شوار پہنتے تھے۔ اور مسلمان سرمنڈوا کر تہ بند یعنی چادر پہنتے تھے۔ حضرت کے سر پر گھونگھریا لے بال تھے اور شلوار بھی پہن رکھی تھی۔ اس لئے جب آپ خلیفہ صاحب کی مسجد میں داخل ہونے لگے تو ایک مسلمان نے غلط فہمی کے باعث آپ کو ٹوکا کہ یہ مسجد ہے۔ آپ نے فرمایا۔ الحمد للہ کہ ہم مسجد میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس پر وہ سمجھ گیا کہ آپ مسلمان ہیں اور خاموش ہو گیا۔ آپ سیدھے ان خلیفہ صاحب کے حجرہ کی طرف گئے۔ دروازہ بند تھا اور کافی لوگ بیٹھے دروازہ کے کھلنے اور خلیفہ صاحب کے باہر آنے کی انتظار کر رہے تھے۔ ان لوگوں میں کچھ علماء بھی تھے جو اس آیت کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔

بے شک جو لوگ کافر ہو گئے ان کے حق میں برابر ہے کہ خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ
أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ
عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ طَوَّعَ عَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ
غِشَاوَةً ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

(بقرہ ۶-۷)

ان کی بحث کا حاصل یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کے دلوں پر مہر لگا دی تو ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے اور ان کے لئے عذابِ عظیم کیوں ہے حضرت فرماتے تھے کہ چونکہ ان لوگوں کی علمیت معمولی تھی اور فقہ حنفیہ کی چند جزئیات سے زیادہ نہ جانتے تھے اس لئے کسی خاص نتیجہ پر پہنچ رہے تھے۔ آخر آپ نے مسئلہ جبر و قدر پر حقیقتاً تقریر فرمائی۔ جسے سن کر نہ صرف ان لوگوں کی سمجھ میں یہ مسئلہ آگیا۔ بلکہ وہ بہت خوش ہوئے اور خلیفہ صاحب بھی یہ باتیں سن کر حجرہ سے باہر آگئے اور آپ سے ملے۔

ملاقات پر معلوم ہوا کہ خلیفہ صاحب کو بھی علم و عرفان میں کوئی خاص کمال حاصل نہ تھا۔ آپ نے خلیفہ صاحب سے محنت و نسوار کے فتاویٰ کے متعلق ذکر فرمایا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں خود تو عالم نہیں ہوں اور نہ ایسے فتاویٰ دے سکتا ہوں البتہ یہاں کے علماء جو فتویٰ دے دیتے ہیں، میں اُس پر اس علاقہ میں عمل کرواتا ہوں۔ یہ بات سُن کر حضرت اس مسئلہ کے متعلق علماء کی طرف متوجہ ہوئے جنہوں نے اپنے خیال کی تائید میں دلائل پیش کئے۔ آپ نے اُن کے دلائل کی کمزوری کو اُن پر واضح کیا جس سے متاثر ہو کر وہ سب اپنی غلطی کو تسلیم کر گئے اور لکھ دیا کہ ہمارا فتویٰ محنت نوشی اور نسوار کشی کے متعلق صحیح نہیں جسے ہم واپس لیتے ہیں۔

جمعہ کا روز آیا تو خلیفہ صاحب نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نماز جمعہ پڑھائیں آپ نے جمعہ کے خطبہ میں اُس فتویٰ کی واپسی کا بھی اعلان فرما دیا۔ افسوس اُس وقت اُن علمی مباحث کو ضبطِ تحریر میں لانے والا کوئی نہیں تھا۔ ورنہ تحقیق کنندگان کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوتی۔ بہر حال یہ امر واضح ہے کہ آپ محنت نوشی وغیرہ کو حرام اور مُوجبِ کفر و فسق قرار نہیں دیتے تھے۔ البتہ مُنہ سے بدبو آنے کی صورت میں کراہت کا حکم ضرور فرمایا کرتے تھے۔ جیسے کہ پیاز و لہسن کے متعلق کتبِ شرع میں مذکور ہے۔

خلیفہ صاحب کا عجیب واقعہ اور حضرت کی تلقین

حضرت فرماتے تھے کہ خلیفہ صاحب جس بیمار پر نظر ڈالتے تھے اللہ تعالیٰ اُسے شفا دے دیتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ نعمت آپ کو کہاں سے اور کیسے حاصل ہوئی۔ تو انہوں نے بتلایا کہ ایک مرتبہ ہم بہت سے لوگ قافلہ کی صورت میں جناب غوث الاعظم کے روضہ پاک کی زیارت کے لئے بغداد شریف گئے۔ وہاں روزانہ زیارت سے مشرف ہوتے ایک رات ایسا اتفاق ہوا کہ جب مجاورینِ روضہ شریف نے دروازہ بند کرنے سے قبل سب کو باہر جانے کی آواز دی، تو باقی لوگ تو باہر نکل گئے مگر میں نے نہ سنا اور وہیں کھڑا رہا۔ مجھے ایک سمت ہونے کے باعث کوئی دیکھ بھی نہ سکا اور باہر سے دروازہ مقفل کر کے سب لوگ رخصت ہو گئے۔ بعد میں پتہ چلنے پر میں سخت حیران ہوا۔ مگر نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کے مصداق تمام رات حیران پریشان کھڑا ہی رہا۔ بہ پاسِ ادب بیٹھ بھی نہ سکتا تھا اور تھکاوٹ کی زیادتی کے باعث کھڑا بھی نہ رہا جاتا تھا۔ اس کے باوجود میں نے بارگاہِ غوثیہ کے ادب و احترام کے باعث بیٹھنے کی جرات نہ کی۔ تہجد کا وقت ہوگا کہ کسی نے دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھے اور زور سے دبا کر مجھے بٹھلا دیا۔ صبح کو جب روضہ شریف کے کھلنے پر باہر نکلا تو مجھ میں یہ کیفیت پیدا ہو چکی تھی کہ جس بیمار پر نظر ڈالتا اللہ تعالیٰ اُسے شفا عطا فرمادیتے تھے۔

حضرت قبلہ عالم نے دریافت فرمایا کہ اس کیفیت میں پہلی حالت سے ضرور کچھ کمی واقع ہو گئی ہوگی۔ تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ اللہ کرنا سیکھئے ورنہ ایک وقت آئے گا کہ یہ کیفیت بالکل جاتی رہے گی۔ اُس وقت کفِ افسوس نلنے سے بہتر ہے کہ ابھی سے اس کا تدارک کیا جائے چنانچہ آپ نے اُن کو مناسب اُردو و وظائف کی تلقین فرمائی۔ بہر حال آپ کے اس سفر سے نہ صرف اُس علاقہ میں فروعی مسائل میں تشدد کم ہو گیا بلکہ عام خیر و برکت کے علاوہ خلیفہ صاحب کی روحانی تربیت بھی ہوئی۔

اعلیٰ حضرت سیالوی سے بیعت

انگلیزوں میں حصول تعلیم کے دوران اپنے اُستاد جناب حافظ سلطان محمود کی معیت میں آپ کو کسی مرتبہ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا جناب خواجہ صاحب بھی حضرت پر حشمت شفقت فرماتے تھے۔ چنانچہ ہندوستان سے جب آپ فارغ التحصیل ہو کر واپس پہنچے تو سیال شریف حاضر ہو کر سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت خواجہ صاحب سیالوی کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے جیسا کہ پہلے عرض ہو چکا ہے سلسلہ عالیہ قادریہ جدیدہ میں آپ اپنے خاندان میں ہی بیعت تھے۔

شیخ کے حضور میں مسالک وحدت الوجود و شہود پر تقریر

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ مجھے ابتداء ہی سے جبرائیل علیہ السلام کے مثل بشری کے واقعہ سے وحدت وجود کی جانب ذوق گواہی دیتا تھا۔ اور اس مسلک پر وحدت الشہود والوں کے اعتراضات و دلائل بھی میسرے پیش نظر تھے۔ آخر مشائخ عظام اور اپنے شیخ طریقت کے روحانی تصرف سے اسی عالم گیر مسلک یعنی وحدت الوجود پر ہی طبیعت پختہ ہو گئی۔ اس سلسلہ میں فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سیالوی کی خدمت میں حاضری کے دوران وحدت الشہود پر بات چل نکلی تو اولاً میں نے وحدت الشہود پر تقریر کی۔ اور وحدت الوجود کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت علاؤ الدولہ سمانی قدس سرہما کے اشکالات و اعتراضات پیش کیے۔ حضرت اعلیٰ سیالوی نہایت غور سے سُننے رہے مگر قدرے متعجب نظر آتے تھے۔ کیونکہ یہ مسلک آپ کے اور ہمارے مشائخ کے خلاف تھا۔ لیکن جب میں نے وحدت الوجود پر ان تمام اعتراضات کے جواب دینے شروع کیے تو خواجہ صاحب بے حد مسرور ہوئے اور بار بار فرماتے تھے واہ شاہ صاحب واہ! پھر مجھے فتوحات مکیہ کے مطالعہ کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ آپ کی توجہ سے اس مسئلہ کے ہمیشہ ازبشتہ اسرار مجھ پر منکشف ہوتے چلے گئے۔

اپنے شیخ کی توجہ کے متعلق آپ کے تاثرات

اس کے بعد فتوحات مکیہ ہمیشہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ العزیز کے مطالعہ میں رہی اور زمانہ ارشاد میں آپ نے سالہا سال فتوحات اور فضوص الحکم کا درس دیا۔ اپنی تصنیف لطیف تحقیق الحق میں آپ وحدت الوجود کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں :-

”گویا سیدی و سندی، روحی و روحی حضرت خواجہ شمس الدین رضی اللہ عنہم الان در بیان این از واقعات
معنی کلمہ طیبہ متوجہ نشسته اند۔ ع

ہست مجلس بر آن است کہ بود

یعنی اس کتاب کی تالیف کے دوران کلمہ طیبہ کے وحدت الوجود پر مؤثر روز کی تشریح کے وقت آپ کو اپنے شیخ حضرت اعلیٰ سیالوی کے وصال کے پندرہ سال بعد ان کی معیت و حضور میں اور توجہ اسی طرح میسر تھی جس طرح مندرجہ

بالا تفریق کے دوران اُن کی حیات میں بقیہ سیال شریف حاصل تھی۔ اور پندرہ برس کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں۔ اس
شاہباز لامکانی کو تو عرفان کی منازل طے کرنے کے دوران صبح ازل بھی گل کی ہی بات معلوم ہوتی ہے۔ جیسے کہ خود فرماتے ہیں۔
کُن فیکون تاں گل دی گل ہے ساں اگے پریت لگائی

توں میں حرف نشان نہ آجا بدوں دتی میم گوہی

اچھے وی اساتوں اوہ پئے سد سے پیلے بوئے کابی

مہر علی شاہ رل تاہیں بیٹھے جدوں سکت ہاں توں آہی

اور یہی وہ عارف و کامل بستیاں ہی تو ہیں جن کی شان میں حضرت شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے :-

اَلست ازل ہچاں شاں بگوشش بفریادت اوبلی در خروش

(ان کے دل کے کانوں میں آج بھی اَلست بربگوشش کی ازلی صدا گونج رہی

ہے اور وہ آج بھی بسلی بسلی کی فریاد میں سرشار و بے خود ہیں)

ظاہر ہے کہ عالم سلوک کی یہ منازل درس و تدریس اور مطالعہ کتب سے نہیں بلکہ مردانِ خدا کی نگہ کرم سے ہی حاصل ہوتی ہیں

چونکہ اس مسئلہ کا تعلق ذوق اور حال سے ہے اس لئے اگر مردانِ خدا کی روحانی شفقت و تربیت حالِ مسیر نہ ہو تو عقلِ جزوی

کے لئے اس کا حصول محال ہے۔ کیونکہ ہر مرحلہ پر ایسے ایسے مشکل نکات و مقامات آتے ہیں کہ علم ظاہر و قال کے ذریعہ اُن

سوالات کا حل ہو ہی نہیں سکتا۔ اس ضمن میں شہسوارِ میدانِ علم و عرفان حضرت مولینا نے روم فرماتے ہیں :-

قال را بگذار و مردِ حال شو پیش مردِ کاملے پامال شو

ترجمہ۔ محض گفتگو کو چھوڑ کر حال کی کیفیت پیدا کر۔ اور یہ تجھے اسی وقت نصیب ہوگی جب تو اپنے آپ کو کسی مردِ

کامل کے قدموں میں ڈال دے گا۔

اسی طرح حضرت مولینا جامیؒ کا ارشاد ہے :-

رستن ازیں پردہ کہ بر جان تست بے مدد پیر نہ امکان تست

ترجمہ :- اس حجاب و پردہ سے رہائی حاصل کرنا جو کہ تیری جان پر پڑا ہوا ہے۔ بغیر پیر کی امداد کے تیرے لئے

ممکن نہیں ہے۔

سیال شریف میں وحدت الوجود پر ایک عالم سے گفتگو

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی اپنی ایک تقریر جو آپ نے سیال شریف کے ایک بڑے عالم کے سامنے مسلک

وحدت الوجود کے خلاف امتحان لائی تھی اور انہیں لاجواب کر دیا تھا، یہاں درج کی جاتی ہے۔ اس سے اُس روایت کی بھی

تردید ہو جائے گی جو بعض حلقوں میں پائی جاتی ہے کہ حضرت نے سیال شریف کے ایک خلیفہ صاحب سے فتوحات

مکیہ کا درس لے کر مسلک وحدت الوجود اختیار فرمایا تھا۔

یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ایک پُرانے ہم مکتب و ہم جماعت مولوی سید احمد، علم معقول

میں قابلیت کا بڑا دعویٰ رکھتے تھے۔ لیکن جب کبھی حضرت کے ساتھ بحث و مباحث کا موقع آتا تو اُس دعویٰ پر قائم

نہ رہ سکتے۔ اُن دنوں موضع بلف کا درس علم معقول کی تعلیم کے لئے بہت مشہور تھا۔ ایک مرتبہ یہ سید احمد صاحب اس درس کا ذکر کر کے حضرت سے کہنے لگے کہ میں وہاں جا کر قاضی مبارک مع منہیات پڑھوں گا اور پھر اگر آپ کے ساتھ بحث کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ بلف تو بجائے خود رہا۔ تم اگر آسمان پر بھی چلے جاؤ تو بھی کچھ نہ کر سکو گے کیونکہ تم میں معقولی بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

ایک دفعہ سیال شریف میں حاضری پر آپ کو معلوم ہوا کہ یہ مولوی سید احمد وہیں درویشوں میں مقیم ہیں۔ مگر نماز وغیرہ فرائض ترک کر چکے ہیں حضرت نے ملاقات پر انہیں فرمایا۔ ہم نے سنا ہے کہ تم میں سے انسانیت رخصت ہو چکی ہے۔ اور صرف حیوانیت باقی رہ گئی ہے۔ اُس نے کہا کہ میں آپ کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ میری طرح تعلیم و تدبیریں ترک کر کے ذکر جہر اختیار کریں۔ کیونکہ تعلیم وغیرہ میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فرمایا کہ قطع نظر تمہاری اس ظاہری حالت کے ترک تعلیم و تعلم سے اگر تم نے کوئی خاص فائدہ حاصل کیا ہے تو مجھے بتاؤ۔ تاکہ اُسے پیش نظر رکھ کر میں بھی تمہاری نصیحت پر غور کر سکوں۔ مجھے تو تم میں سوائے اس کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ کہ تمام رات ذکر جہر کرنے کے باعث تمہیں قدر سے رقت قلبی تو حاصل ہو گئی ہے مگر اسے عرفان نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ جسے عرفان حاصل ہو جائے وہ اشباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تارک ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس پر مولوی سید احمد حضرت کو مولوی صاحب جام پوری کے حجرہ میں لے گئے جو ذکر و شاغل ہونے کے علاوہ بہت بڑے عالم بھی تھے۔ اور اُن سے کہا کہ پیر صاحب وحدت الوجود کے منکر ہیں انہیں قائل کر دیجئے۔ چنانچہ حضرت قبلہ عالم نے اُن کے سامنے وحدت الوجود کے مسلک پر حسب ذیل اعتراض کیا اور فرمایا کہ چونکہ مسئلہ وحدت الوجود حضرات اولیائے کاملین اور محققین کے مشہودات میں سے ہے اس لئے میں اس کا منکر تو نہیں مگر اپنے اور اس شخص یعنی مولوی سید احمد کے حال کے پیش نظر ازراہ تحقیق یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ہمارے مشائخ کرام حقیقت اشیا کے منکر تھے (معاذ اللہ) کیونکہ حقائق اشیا کا مسئلہ ہمارے اعتقادی مسلمات میں سے ہے۔ کیا یہ چیز کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے امر مسلم نہیں؟ پھر زید کو جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو مذہب و جود یہ کی رُو سے عذاب کس کو ہوگا۔ اُس کی حقیقت کو یا تعین کو؟ اُس کی حقیقت تو عین حق ہے جو مُعَذَّب نہیں۔ اب اگر تعین کو عذاب ہوگا تو میں پوچھتا ہوں کہ تعین امر عدمی ہے یا وجودی؟ اگر عدمی ہے تو اُس کا وجود ہی نہیں کیونکہ امر عدمی کا وجود محض اعتباری ہے۔ امر عدمی کو انتزاع کے بعد وجود ملتا ہے نہ کہ انتزاع سے قبل۔ اور اگر تعین وجودی ہے تو وجود عین ذات حق سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ مولوی صاحب جام پوری نے اس تقریر سے مبہوت و متحیر ہو کر سکوت اختیار کیا اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ اس اعتراض کا جواب مفصل طور پر کتاب تحقیق الحق مؤلفہ ۱۳۱۵ھ میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے دیا ہے۔

خلافت ارشاد اور تربیت میں امتیازی سلوک

حضرت اعلیٰ سیالوی قدس سترہ العزیز نے حضرت کے علمی اور عرفانی کمالات کے پیش نظر اپنے وسال سے کچھ عرصہ پہلے آپ کو تمام اشغال و وظائف کی اجازت عامہ اور بیعت و ارشاد کا منصب عطا فرمادیا تھا۔ اور عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ آنجناب کے آخری خلیفہ ہیں۔ یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت اعلیٰ سیالوی کی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پر خاص نظر عنایت تھی۔ اور آنجناب نے حضرت کی دوسرے مخلصین سے علیحدہ اور جداگانہ رنگ

میں تربیت فرمائی جس کی تائید میں کئی واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ علاقہ چمچھ ضلع انہک کے ایک سید صاحب حضرت اعلیٰ سیالوی کے اراد مند تھے۔ ان کی مقبولیت دیکھ کر بعض چھاچی علماء نے ان کے ذکر جہر اور قوالی سُننے کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ سید صاحب نے عرس شریف کے موقع پر اس امر کی شکایت حضرت اعلیٰ سیالوی سے کی تو آنجناب نے چند دیگر علماء کو ان کی معاونت اور مخالفین کی مدافعت پر تیار کیا لیکن میاں سید محمد پوٹھواری کو حضرت کے پاس بھیج کر تاکید فرما دیا کہ آپ اس جھگڑے میں نہ آئیے گا اور الگ رہیے گا۔ اسی طرح حضرت اعلیٰ سیالوی نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو سیال شریف خاص میں بھی لوگوں کو بیعت کرنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ اور اپنے لباس، وضع قطع کو بھی تبدیل کرنے سے منع فرمایا تھا۔ حالانکہ آپ کے دیگر ارادت مند آپ کی پیروی میں سنتِ شیخ سمجھتے ہوئے سر کے بال کٹواتے اور ٹوپی و تہ بند یعنی چادر پہنتے تھے۔ اور سیال شریف خاص میں کسی کو بیعت کرنا خلافِ ادب قرار دیتے تھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے بال لمبے اور گھنگھریالے تھے۔ نیز آپ کلاہ دستار و شلوار پہنتے تھے حضرت اعلیٰ سیالوی نے ہزارہ کے ایک جید عالم مولوی سید احمد مرحوم کو سیال شریف میں ہی سب سے پہلے حضرت سے حکمنا بیعت کروایا تھا۔ ان کے فرزند حافظ منظور حسین صاحب بہاولپوری بھی حضرت کے مخلص مرید ہیں۔

حضرت ثانی سیالوی کی خاص عنایات

حضرت اعلیٰ سیالوی قدس سترہ العزیز کے پوتے جناب صاحبزادہ محمد سعد اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد بزرگوار حضرت خواجہ محمد دین المعروف حضرت ثانی صاحب سیالوی کا حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے بہت گہرا تعلق تھا۔ اور بہت محبت بھرے خطوط تحریر فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ناسازی طبع کے باعث عرس سیال شریف کی حاضری سے معذوری کا عریضہ لکھ بھیجا جس وقت یہ خط سیال شریف پہنچا، اُس وقت قوالی ہو رہی تھی اور قوال شعر پڑھ رہے تھے۔ پیت کا وعدہ کر کے پانے پیت نبھانا چھوڑ دیا، مہر کی اٹھیاں پھیر لیں دم دم کا آنا چھوڑ دیا حضرت ثانی صاحب خط پڑھ کر غمگین ہو گئے اور قوالوں کو فرمایا کہ دوسرے مصرعہ کی جگہ پر پڑھیں۔

ع مہر نے اٹھیاں پھیر لیں دم دم کا آنا چھوڑ دیا

قوال ابھی یہ شعر پڑھ رہے تھے کہ اطلاع ملی کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ دریا کے تپن پر پہنچ چکے ہیں حضرت فرماتے تھے کہ عریضہ روانہ کرنے کے بعد معامیرے دل میں خیال آیا کہ سیال شریف جانا چاہیے چنانچہ اسی وقت تیار ہو کر روانہ ہو پڑا ایک مرتبہ حضرت اعلیٰ سیالوی کے عرس پر سیال شریف میں بعض حضرات نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پر اعتراضات کیے کہ آپ یہاں اپنے پیر کے مسکن پر لوگوں کو بیعت کرتے ہیں۔ بال نہیں کٹواتے مجلس سماع میں قوالوں کو خود اٹھ کر عطیہ نہیں دیتے۔ اور لباس میں بھی اپنی وضع اختیار کر رکھی ہے۔ یہ مستام امور ہمارے مشائخ کے معمول کے خلاف ہیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ تو خاموشی سے سُنتے رہے اور کچھ نہ بولے لیکن حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی طرف سے اعتراضات کے جواب دیئے اور قدر سے جذبہ کے ساتھ فرمایا کہ معتز نہیں کو غالباً معلوم نہیں کہ جس وقت حضرت اعلیٰ سیالوی نے پیر صاحب کو خلافت عطا فرمائی تھی تو خود اپنی موجودگی میں یہاں سیال شریف میں ایک ہزاروی شاہ صاحب کو ان سے بیعت کروایا تھا۔ اور آپ کے گھنگھریالے خوبصورت بال دیکھ کر ارشاد فرمایا تھا کہ شاہ جی آپ کے بال بہت خوبصورت ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کے بال ہوں اُسے ان کا خیال رکھنا چاہیے نیز حضرت اعلیٰ قدس سترہ نے فرمایا تھا کہ شاہ

جی، اچھا لباس رکھا کرو۔ میں نے تو طالبِ علمی کے زمانہ سے ہی اپنی سہولت کے لیے بال کٹوانے شروع کر دیئے تھے اور نیلا تہبند اور ٹوپی پہنتا تھا، اسے سنت نہ سمجھنا۔ لہذا ان معاملات میں شاہ جی اپنے شیخ کے ارشاد کی تعمیل کر رہے ہیں۔ باقی رہا توالوں کو خود اٹھ کر عطیہ نہ دینے کا معاملہ، تو یہ سوال اُس سے کیا جاسکتا ہے جو روپیہ پیسہ اپنے پاس رکھتا ہو۔ اور ان امور کی طرف توجہ رکھتا ہو۔ شاہ صاحب ایسے فلاح عن الدنیا ہیں کہ انہیں خبر ہی نہیں ہوتی کہ کتنی رقم آئی اور کس نے دی۔ یہ نذر بردار خدام ہی کے ذمہ ہے کہ مجالس میں عطیہ دے دیا کریں۔

حضرت اعلیٰ سیالوی کے فیوض و برکات و بعض مشہور خلفاء کا ذکر خیر

حضرت اعلیٰ خواجہ شمس الدین سیالوی تبحرِ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے پایہ کے شیخِ طریقت بھی تھے حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ اپنے شیخ کی شان میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخِ علمِ طریقت کے مجتہد اور مجدد تھے آپ حضرت خواجہ خواجگان محمد سلیمان تونسوی چشتی نظامی فخری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفائے عظام میں سے ہوئے ہیں اس خطہ زمین میں آپ کے دریائے سخاوت کا فیض ضربِ المثل بن چکا ہے۔ آپ کے ارادتمندوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے اور سلسلہ خلفاء بھی بہت طویل ہے۔ صاحبِ انوارِ شمسیہ نے پینتیس حضرات کے اسمائے گرامی تحریر کئے ہیں۔ اور ان میں حضرت اعلیٰ سیالوی کے تین صاحب زادگان، حضرت ثانی خواجہ محمد دین، خواجہ فضل دین اور خواجہ شعاع الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے ذکرِ خصوصی کے بعد لکھا ہے :-

یہ پانچ خلفائے عظام بہ نسبت دیگر خلفائے زمان زیادہ ترفیض رسان عالمیان اور برگزیدہ فضلاء جہان ہیں۔ کرامت و عظمت پناہ حضرت علامِ حید شاہ ساکن جلال پور شریف، عوارف و فضائل دستگاہ حضرت مہر علی شاہ ساکن گولڑہ شریف، قدوۃ العاشقین مولوی فضل دین ساکن چاچر تحصیل شاہ پور زبدۃ السالکین مولوی معتمد دین ساکن مردلہ والا تحصیل بھیرہ، برگزیدہ صادقین مولوی محمد امین ساکن چکوڑی ضلع گجرات۔ مگر ان میں سے جناب شاہ صاحب جلالپوری اور حضرت پیر صاحب گولڑوی کرامات اور کمالات میں مستثنیٰ ہیں اور خلافت کی ہدایت اور افادت کے لیے مقتدا ہیں۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت جس قدر حضرت اعلیٰ سیالوی نے اپنے وقت میں کی اُس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۴ھ یعنی ۱۸۰۳ء میں بمقام سیال شریف ہوئی اور وصال ۲۴ صفر ۱۲۸۳ھ یعنی ۱۸۸۳ء میں باسی مقام پر ہی ہوا۔ آپ کے حالات زندگی میں مرآۃ العاشقین اور انوارِ شمسیہ خاص طور پر مشہور ہیں۔

اقتباس از کتاب انوارِ شمسیہ

انوارِ شمسیہ مؤلفہ ۱۳۳۴ھ کے مؤلف مولوی امیر بخش خوشابی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ کے پیر بھائی اور حضرت ثانی صاحب سیالوی کے منظورِ نظر خدام میں سے تھے حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ کی شان میں مندرجہ ذیل اشعار

موزوں فرمائے تھے جو اس کتاب میں درج ہیں :-

دستگیر بے کسان و عاجزاں	مقدائے سالکان و کالان
دارتِ حسینِ فخرِ اصفیاء	قرۃ العینین سرور انبیاء
نازنین بارگاہِ مرتضیٰ	زینتِ سجادہ کلِ چشتیا
افضلے شہبازِ اوجِ منزلت	کاملے خواصِ بحیرِ معرفت
حضرتِ مہر علی شاہ ولی	معدنِ علمِ نخی و رسمِ حلی
شد چو مقناطیس در جذبِ لال	از کمالش گشت شورے در جہاں
سرورانِ دہر حُمدِ امِ درش	فاضلانِ دیں غلامِ درگمش
گشت روشن عالم از انوارِ او	جن و انس طالبِ دیدارِ او
مثلِ جدِ خویش شاہِ دستگیر	در کمالات و کرامت بے نظیر
گشت ہر اطرافِ عالم را محیط	فیضِ او چوں منتشر شد در بیط
گشتہ اند در پیشِ علمش شرمسار	غیر مذہب کجرواں از ہر دیار
بیرہ گردیدے جہاں از گمراہاں	گر نبودے ذاتِ او در ایں زماں
مے رسد بادِ دستگیرے محی دین	نسبِ او از پشتِ بستِ مہارین

از طفیلِ حرمتِ خیر البشر
بادیتِ امنِ حقائقِ تاحشر

باب چہارم

زمانہ جذب و سیاحت

۱۳۰۰ء تا ۱۳۰۶ء

۱۸۸۲-۸۳ء تا ۱۸۸۹-۹۰ء

زمانہ جذب و سیاحت

حضرت کی اپنے شیخ سے عقیدت

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اپنے شیخ کریم کے ساتھ بے حد عقیدت اور کمال درجہ کی محبت تھی۔ لفظوں طیبات میں آپ کا ارشاد بدیں مضمون درج ہے :-

ہمارے خواجہ شمس الحق والدین کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو بھی محبت سے آیا اُسے اُس کی استعداد سے زیادہ فیوض و برکات سے نوازا۔ جس کسی نے آپ کو ایک بار دیکھا اُسے دوبارہ دیکھنے کی ہمیشہ حسرت رہی۔ ۱۳۰۷ھ میں حج بیت اللہ شریف کے موقع پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی خود بخود میری طرف متوجہ ہوئے اور باطنی نعمت دینا چاہی۔ لیکن میرے دل میں خیال گذرا کہ جو رُخ انور ہم نے دیکھا ہے جہاں میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔ آخر ان کے اصرار پر عرض کی کہ اگرچہ ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے لیکن چونکہ آپ بخوشی عنایت فرما رہے ہیں۔ لہذا آپ کا شکر گزار ہوں۔ تاہم اس عنایت کو اپنے شیخ طریقت کی طرف سے سمجھتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے سلسلہ طریقت چشتیہ صابریہ عنایت فرمایا۔“

حضرت حاجی صاحب کے واقعہ کی تفصیل اسی باب میں آگے درج ہے۔

طلب مزید کیلئے بیابانوں میں خلوت کاراڑ

حضرت اعلیٰ سیالوی کی زندگی میں حضرت قبلہ عالم کی توجہ زیادہ تر مقامی درس و تدریس، ریاضات و عبادات اور وقتاً فوقتاً سیال شریف کی حاضری اور استفادہ پر رہی۔ ۱۳۱۷ھ میں حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کا وصال آپ کے سمنہ شوق کے لیے بازیاز اور انتہائی بے قراری کا باعث ہوا۔ ہمت عالیہ کی تشنگی ابھی فرو نہیں ہوئی تھی اس لیے اس باب فقر کے حسب معمول طلب مزید کے لیے علوم رسمیہ کی تعلیم و تدریس کو خیر باد کہہ کر جہاں گردی اور صحرا نوردی اختیار فرماتے ہوئے اپنے جد امجد حضرت غوث الاعظم کی سنت کو پورا کیا۔ کیونکہ آنجناب بھی علوم ظاہرہ کی تکمیل کے بعد سالہا سال تک عراق کے بیابانوں میں شاغل بخدا رہتے ہوئے کسی ایک مہم پر قرار پذیر نہ ہوئے تھے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی عمر اُس وقت پچیس برس کی تھی۔

بزرگان دین کے معمول صحراوردی کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتدائے حال میں کیسوی کے لیے انہیں خلوت کی ضرورت ہوتی ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فارحرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے ان ایام میں لوگوں سے زیادہ میل جول ان کے حال میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔ اور جب تکمیل کے بعد مشاہدہ دوام اور مقام محمود تکمیل پر فائز ہو جاتے ہیں تو خلوت سے جلوت کی طرف رجوع فرماتے ہوئے ہدایتِ خلق میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت ان کو جلوت میں خلوت اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

خلوت میں ہوشیق تصور، نقص کمال عشق یہی ہے

تنہائی کے معنی یہ ہیں، سب میں رہ کر تنہا ہو جا

اس وقت یہ سب میں ہوتے ہوئے، سب میں رہتے ہوئے بھی سب سے الگ ہوتے ہیں۔

وصالِ شیخ کے بعد آپ کی حالت

حضرت اعلیٰ سیالوی کے وصال کے بعد آپ کے سفر و سیاحت کے اکثر حالات آپ کے منظم خط و کتابت ملک سلطان مسعود ٹوانہ نے حضرت کے پرانے شاگرد اور سفر و حضر کے مصاحب جناب مولوی محبوب عالم کی زبانی قلمبند کیے تھے۔ اور کچھ واقعات جناب مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور نے بھی اپنے مسودات میں تحریر کیے ہیں۔ مولوی محبوب عالم قریباً بارہ سال کی عمر میں حضرت کے درس میں شامل ہوئے تھے۔ اور پھر ساری عمر حضرت کی خدمت میں بسر کر کے بالآخر اسی جگہ فوت ہو کر دفن ہوئے۔ ان کے والد حضرت مولوی عصمت اللہ خان ہزاروی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پیر طریقت تھے۔ انہوں نے اپنے اس لڑکے کی تعلیم و تدریس کا خاص طور پر انتظام کیا تھا مگر اس صاحبزادہ نے، موضع گڑھی افغاناں علاقہ حسن ابدال میں ایک عرس کے موقع پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو دیکھ کر کچھ ایسی کشش محسوس کی کہ ذہنی طور پر تمام علاقہ دنیوی سے بے تعلق ہو کر آپ کی سرپرستی میں رہنے کو ترجیح دی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اُس روز حضرت نے سفید شلوار اور سفید قمیص پہن رکھی تھی۔ سر پر دستار بھی سفید ہی تھی اور لمبے گھنگھریالے بال۔ ریش مبارک ابھی اچھی طرح گھنی نہیں ہوئی تھی۔ آپ ٹہل رہے تھے اور پاس سے گزرتے ہوئے دو تین مرتبہ غور سے آپ نے میری طرف دیکھا۔ آنکھوں میں ذوق الست کی مستی تھی یا جنود مجنذہ والی ازلی کشش کہ دل بے ساختہ مسخو ہو کر آپ کی طرف کھینچا چلا گیا۔ یہاں تک کہ چند روز بعد ہی گھر سے بھاگ کر گولڑہ شریف حاضر ہونے پر مجبور ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ سیال شریف گئے ہوئے ہیں لہذا واپس چلا گیا۔ دوبارہ جب آنے لگا تو بڑے بھائی نے تعاقب کر کے راستہ میں آن پکڑا۔ مگر میں نے منت سماجت کر کے کہا کہ والد صاحب بعید حیات ہیں۔ ان کی تبادلی اور جائداد تمہیں مبارک ہو میں نے اپنے حصہ کی جائداد بھی تمہیں بخشی۔ مجھے جانے دو۔ میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ بھائی نے میری باتیں سن کر چھوڑ دیا اور میں گولڑہ شریف حاضر ہو گیا۔ میرے پہنچنے سے تھوڑا عرصہ ہی قبل حضرت اعلیٰ سیالوی کا وصال ہوا تھا۔ اور حضرت اپنے شیخ کے فراق میں عجیب سہم و اندوہ کی کیفیت میں مبتلا تھے۔ نماز ادا کرتے وقت یا دطائف پڑھتے وقت یا باتیں کرتے ہوئے، حتیٰ کہ اٹھتے بیٹھتے آپ پر گریہ طاری رہتا۔ اس صورت حال کے پیش نظر درس و تدریس کا کام بڑے بڑے شاگردوں نے سنبھال لیا تھا۔ چنانچہ کچھ عرصہ ہی حالت رہی۔ اور پھر سفروں کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ آپ کئی کئی مہینے متواتر غائب رہتے اور پتہ

نہ چلتا کہ کہاں ہیں کبھی اچانک واپس آجاتے اور مختصر قیام کے بعد پھر کہیں روانہ ہو جاتے کبھی تنہا ہوتے اور کبھی کسی کو ساتھ لے لیتے۔ کسی جگہ زیادہ قیام فرماتے اور کہیں کم۔ اولاً یہ سلسلہ لاہور اور پنجاب کے دیگر شہروں تک محدود رہا مگر پھر ہندوستان کی طرف رخ فرمایا اور حضرت خواجہ بزرگ غریب نواز اجمیری کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ جہاں سے کسی اشارہ فیہی کے تحت واپس تشریف لاکر حجاز مقدس کا سفر اختیار فرمایا۔ اور جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربار گنہگار سے صوم و تکلیف کے مرتبہ عالی پر فائز المرام ہو کر بالآخر ۱۳۰ھ میں دولت خانہ پر واپس آکر مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔ بعض سفروں کے معلوم شدہ حالات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مجاہدات کنار راوی

سب سے پہلے ایک طالب علم فیض عالم نامی کو ہمراہ لے کر حضرت نے گولڑہ شریف سے لاہور کا سفر اختیار کیا۔ ایک آدھ روز اپنے پر بھائی حافظ محمد دین سکند کو چھٹیکیداران، کشمیری بازار کے پاس رہ کر بالآخر راوی کے کنارے جہاں ان دنوں گھنا جنگل ہو کر رہا تھا، جا ٹھہرے کبھی تیسرے چوتھے روز شہر میں کچھ وقت کے لیے چلے جاتے دن کو روزہ اور رات کو قیام ہوتا۔ تمام وقت پاس انفاس، ذکر جہر اور عبادت و ریاضت میں بسر ہوتا۔ کئی کئی دن کے بعد بیدار پر کچھ تسناول فرمایا۔ ورنہ محض ذکر الہی پر بسر اوقات فرماتے تھے۔ البتہ ذوق شوق، سوز و گداز اور درد کی روحانی غذا کی طلب رہتی۔ سنہری مسجد کے نیچے ستاروں، ربابوں اور سازنگیوں کی ایک دوکان تھی۔ شہر میں آتے تو کبھی کبھی وہاں ضرور جا بیٹھتے۔ کبھی کو چھٹیکیداران کی مسجد میں رات گزارتے۔ جب آپ کے علم و فضل کا پھر چاہنا شروع ہوا اور علماء کی آمد و رفت شروع ہو گئی تو ان کے پاس خاطر سے شیخ الہی بخش کتب فروش کی دوکان پر تشریف لانے لگے۔ سازندوں کی دوکان پر ایک روز ایک خوش رو نوجوان کرم دین نامی پر جو ستار نواز بھی تھا آپ کی نظر پڑی تو اس نے کچھ ایسی شش محسوس کی کہ اپنی مصروفیات کا خیال ترک کر کے آپ کی طرف لوٹا اور بولا فقیر، یہ لاہور ہے، دلی نہیں کہ غدر پڑ جائے۔ آپ نے مسکرا کر کبیل اٹھایا اور مسجد میں چلے گئے۔ دیکھا تو کرم دین بھی پیچھے پیچھے تھا۔ آپ نے فرمایا لاہو اپنی جگہ کیوں نہ قائم رہا پیچھے پیچھے کیوں چلا آیا۔ کرم دین نے معذرت کر کے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور حلقہ ذاکرین میں شامل ہو کر نیک بختوں میں سے ہوا۔

حافظ محمد دین کا ایک آشنا خلیفہ نور دین نان فروش بھی آپ کا عقیدت مند اور شیدائی تھا اور کبھی کبھی دودھ اور نان لے کر راوی کے کنارے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ جنگل میں آپ کی تلاش کے لیے آپ کا طالب علم فیض عالم یا حافظ محمد دین یا خلیفہ نور دین ذکر جہر کی آواز پر کان لگاتے اور آواز سے سمت کا تعین کر کے آپ کے پاس پہنچ جاتے۔ فیض عالم کو آپ کبھی راوی کے کنارے یا شہر کی کسی مسجد میں، جہاں بھی موقع ملتا، سبق پڑھا دیا کرتے۔ جمعہ کے روز کپڑے دھواتے، غسل فرماتے اور بالعموم مسجد وزیر خان میں نماز جمعہ ادا فرمایا کرتے۔

شیخ الہی بخش کتب فروش بھی بہت عقیدت مند تھا۔ اس کی دوکان کے قریب ایک مسجد تھی جس کے امام حکیم فضل احمد بھی آپ سے بیعت ہو گئے تھے۔ وہ بھی کبھی خود اور کبھی اپنے ایتیم بھتیجے شیر محمد کے ذریعے آپ کی خدمت میں کھانا پہنچا کرتے تھے۔ شیر محمد ان دنوں بانی سکول کا طالب علم تھا۔ ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے متعلق اپنے چچا

سے کہنے لگا کہ یہ فقیر تو کابل کا کوئی جاٹو سس معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے اسے خواہ مخواہ ولی بنا رکھا ہے۔ یہ سن کر حکیم صاحب سخت ناراض ہوئے اور اُسے کہا کہ ابھی پیر صاحب کی خدمت میں کھانے جاؤ اور ان بے ادبانہ الفاظ کی اُن سے معافی مانگو۔ شیر محمد غصے کے عالم میں دریائے راوی پر پہنچا۔ دل میں گھر سے بھاگ جانے یا دریا میں ڈوب مرنے کے خیالات موجزن تھے جب حضرت کے پاس پہنچا تو آپ نے خلاف معمول متوجہ ہو کر دلجوئی فرمائی اور پھر اپنے اوراد و اشغال میں مصروف ہو گئے۔ اتفاق سے اُس وقت شیر محمد کا ہاتھ حضرت کے کبل سے چھو لیا تو اُس پر کچھ ایسی رقت طاری ہوئی کہ بہت دیر تک بے اختیار روتا رہا۔ جب قدم سے سنبھلا تو دل کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ پھر آپ کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ اور اُس وقت تک نہ اٹھا جب تک کہ آپ سے بیعت نہ ہو لیا۔

خان بہادر مولوی شیر محمد اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ گلگت

آگے چل کر یہی لڑکا افضل ایزدی دینی و دنیوی عروج حاصل کر کے خان بہادر مولوی شیر محمد اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ گلگت ہوا۔ گورنمنٹ سے اپنی احسن خدمات کے صلہ میں تین پشت کی پیش حاصل کر کے گولڑہ شریف میں سکونت اختیار کی اور حضرت سے بعض کتب کا درس لینے کے ساتھ ساتھ مرتے دم تک حضرت کی خط و کتابت کے انتظام کی خدمت سرانجام دی۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء تک گولڑہ شریف میں قیام رہا۔ ۱۹۲۶ء میں انہوں نے انتقال کیا اور یہیں دفن ہوئے۔ حضرت اپنی آخری تصنیف "تصنیف مابین سنی و شیعہ" ان ہی سے لکھواری ہے تھے جو ان کے انتقال کے باعث نامام رہی۔

خان بہادر مرحوم بیان کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ لاہور میں سخت بیمار ہو گیا۔ غلبہ مرض کے باعث نینچنے کی اُمید نہ رہی۔ خواب میں دیکھا کہ ملک الموت نے جان قبض کر لی ہے اور تجھ پر تکفین و تدفین کے بعد نکیرین سوال و جواب کے لیے آئے ہیں۔ میں نے سوالات کے جواب صحیح عرض کر دیئے۔ جب پوچھا گیا "مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ" (ان سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تم کیا کہتے ہو)۔ تو سامنے سنگ مرمر کی ایک بلند دیوار میں ایک دریا کھل گیا۔ اور اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما نظر آئے۔ میں نے عالم دارگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے عرض کی۔ اے اللہ کے محبوب! میں جانتا ہوں کہ آپ خدا نہیں ہیں اور آپ کی شریعت میں غیر خدا کو سجدہ روا نہیں مگر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں آپ کے حضور سبر سجدہ ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں نے سر زمین پر رکھ دیا۔ جب اٹھایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں سے فرمایا ہے تھے کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا، اسے واپس لے جاؤ۔ ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو عزیز واقارب میری چار پائی کے گرد ماتم کر رہے تھے۔ اگلے روز گولڑہ شریف میں جناب غوث الاعظم کے عرس مبارک کی آخری مجلس تھی چونکہ اصل مرض غائب ہو چکا تھا اس لیے باوجود شدید نقاہت کے دو آدمیوں کی امداد سے اسی شام بدریغ ریل گاڑی روانہ ہو کر صبح گولڑہ شریف حاضر ہو گیا۔ مجلس شریف پڑانے مہمان خانہ میں منعقد تھی۔ اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ بصدشان رعنائی رونق افروز مفضل تھے۔ باوجود اس طویل علالت اور شدید نقاہت کے لنگر شریف کے چاول گوشت تمام مہمانوں کے ساتھ خوب سیر ہو کر کھائے مگر کوئی گرانی نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے چند ہی روز میں مکمل طور پر صحت یاب ہو کر بھلا چنگا ہو گیا۔

فتوحاتِ مکینہ کا بالاستیعاب مطالعہ

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو آپ کے شیخ طریقت نے فتوحاتِ مکینہ مصنفہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے مطالعہ کی تاکید فرمائی تھی۔ چنانچہ آپ نے شیخ الہی بخش کتب فروش لاہور کے ذریعہ اس کتاب کی جستجو فرمائی تو معلوم ہوا کہ تمام شہر لاہور میں اس کا صرف ایک ہی نسخہ ہے جو خواجہ کریم بخش سوداگر چرم کے پاس ہے اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے آزمائش کی ہے کہ بڑے بڑے مولوی بھی اس کتاب کی عبارت تک صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ اس لیے اگر کوئی صاحب اس کتاب کا صرف ایک صفحہ درست پڑھ کر مطلب بیان کر دیں تو وہ روزانہ چند گھنٹے میرے مکان پر آکر اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت تشریف لے گئے اور کئی صفحات مع مطلب کے پڑھ کر انہیں سنائے۔ وہ اس قدر خوش ہوئے کہ کتاب آپ کے حوالے کر دی کہ بہ اطمینان پڑھ کر واپس کر دیجئے گا۔ آپ نے تسلی و اطمینان سے اس کا مکمل طور پر مطالعہ فرمایا اور پھر کتاب فارغ ہونے پر نوٹ مادی۔

تدریس کی پیشکش

ایک روز آپ لاہور کی ایک مسجد میں مشغول و طائف تھے کہ کسی دینی مدرسہ کے دو طالب علموں نے وہاں آکر اپنا سبق دہرانا شروع کر دیا۔ ایک طالب علم نے کافیہ کی یہ عبارت پڑھی :-
 الْمَرْفُوعَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ مَرْفُوعٌ وَهُوَ اسْمٌ هُوَ عَلَامَةٌ فَاعِلٍ بِرِشْتَمَلٍ هُوَ۔ اِن مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا وِجْهٌ لِّهٖ مُرْفَعٌ
 سے ایک چیز فاعل ہے۔

ان طالب علموں نے فَمِنْهُ الْفَاعِلُ کے مَن کو بعضیہ قرار دیا۔ حضرت کے گوش مبارک پر یہ آواز پڑی، تو آپ نے فرمایا کہ یہاں مَن کو بعضیہ تم خود کہہ رہے ہو یا تمہارے اُستادِ محترم نے اس طرح پڑھایا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں پڑھایا ہی اسی طرح گیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ افسوس نہ تم سمجھے اور نہ تمہارے اُستادِ محترم، انہوں نے پوچھا یہاں مَن تبعضیہ نہیں تو کیا ہے، فرمایا تمہارے اُستاد ہوتے تو بات کرتا۔ وہ لڑکے اسی وقت اپنے اُستاد کو بلا لائے، جنہوں نے آتے ہی پوچھا۔ میاں کیا آپ نے مَن بعضیہ کو غلط کہا ہے؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ اُستاد صاحب نے وجہ پوچھی تو فرمایا مَن تبعضیہ کا مدخول کل ذوالابحاض ہوتا ہے اور یہاں ضمیر مفرد ہے کل نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کیونکہ ضمیروں کا معنی ان کا مرجع ہی ہوا کرتا ہے اور یہاں مرجع مرفوع ہے جو کہ المرفوعات سے معلوم ہو رہا ہے اور وہ کُلّی ہے حضرت نے فرمایا بے شک وہ کُلّی ہے مگر مَن کا مدخول کُلّ ہوا کرتا ہے نہ کُلّی۔ کُلّ اور کُلّی کے درمیان فرق بتین موجود ہے یعنی مَن بعضیہ کا مدخول کُلّ ذوالابحاض ہوتا ہے نہ کہ کُلّی ذوالافراد۔

مولوی صاحب اس مسئلہ پر تو خاموش ہو گئے مگر شاگردوں کے سامنے اپنی برتری ظاہر کرنے کے لیے مناظرہ گفتگو شروع کر دی اور پوچھا اُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ میں ہُحُو کی حیثیت کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا یہ ضمیر فصل ہے مولوی صاحب نے دوسرا سوال کیا کہ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا اِذَاكَ اللهُ کے

سوا اور معبود ہوتے تو کائنات تباہ ہو جاتی، میں لفظ الہیۃ جمع ہے اور جمع کے اقل افراد تین ہوتے ہیں تو اس آیت کریمہ سے تین یا تین سے زیادہ معبودوں کی نفی تو ہو گئی مگر دو کی نفی تو نہ ہوئی۔ پھر یہ آیت مثبت توحید کیوں کر ہوئی؟

آپ نے جواب دیا کہ قضیہ شرطیہ مذکورہ میں ثبوت توحید کی مدار ترتیب تالی یعنی کلام کے آخری حصہ لفسداتاً پر ہے۔ اور ترتیب تالی جس طرح تین یا زائد پر ہوتا ہے اسی طرح دو پر بھی ہوتا ہے۔ پس لزوم فساد جس طرح تین یا زائد سے ہوتا ہے اسی طرح دو سے بھی ہوگا۔ لہذا استدلال تام ہے۔

حضرت نے یہ جواب دے کر مولوی صاحب سے فرمایا۔ اب آپ فرمائیں کہ اثبات توحید کے لیے یہاں اقل درجہ الہین (دو معبودوں) کا ذکر چھوڑ کر جمع لانے میں کیا حکمت ہے۔ اس پر مولوی صاحب لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔

اگلے روز مدرسہ کے صدر اور اراکین نے مولوی صاحب کے ہمراہ آکر حضرت کو مدرسہ کی صدارت اساتذہ کے منصب کی پیش کش کی مگر آپ نے معذوری کا اظہار فرمایا۔

ایک مرتبہ آپ لاہور کی کسی مسجد میں تسبیح پڑھ رہے تھے کہ امام مسجد مولوی غلام اللہ جو قصور کے رہنے والے تھے کچھ دیر تک آپ کو معترضانہ انداز سے دیکھتے رہے اور پھر آپ کی درویشانہ وضع اور طرز عبادت یعنی تسبیح خوانی وغیرہ پر سوالات شروع کر دیئے۔ جب جوابات تسلی بخش ملے اور کوئی بات نہ بن سکی تو کہا کہ صدر کی مشناتہ بالکفر کی تقریر کیجئے۔

اب صدر اعلم طبعی کی کتاب ہے اور اسے مضمون زیر بحث یعنی تسبیح و تہلیل سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ نیز مشناتہ بالکفر علماء کے نزدیک اس کتاب کا ایک معرکہ الآرام مقام ہے لیکن حضرت نے بغیر کہہ تامل کے ایسی آسان اور سہل تقریر فرمائی کہ مولوی صاحب دم بخود رہ گئے۔ بالآخر کہنے لگے کہ رب العزت کے دربار میں باز پرس کے لیے تیار رہئے۔ حضرت نے پوچھا یہ کیوں، تو کہنے لگے کہ جو شخص سینے میں علم کا دریا لیے پھر تاہو اور خلق خدا کو سیراب نہ کرے اس سے کیونکر باز پرس نہ ہوگی۔

ادھر تو مولوی صاحب درس نہ دینے اور وعظ نہ کرنے پر معترض تھے ادھر بادہ کشان عشق و محبت کا تقاضا مینے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ایک روز میں لاہور کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا اور ایک مجذوب میرے پاس خاموش بیٹھا تھا جب میں کتاب میں ہی مہمک رہا تو وہ یہ رُباعی باواز بلند پڑھتے ہوئے چلا گیا جس کے سننے سے کئی روز تک طبیعت پر کیفیت طاری رہی ہے

خون نابہ دل خور کہ شرابے بہ ازیں نیست
دنداں بہ جگر زن کہ کبابے بہ ازیں نیست
درکنز و ہدایہ نتواں یافت حصارا
در صفحہ دل ہیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

شاہی مسجد لاہور کے حجروں میں قیام

سالہ میں حضرت چند روز کے لیے گولڑہ شریف آئے اور مختصر قیام کے بعد پھر واپس لاہور چلے گئے۔

اس مرتبہ شاہی مسجد کے مجروحوں میں مقیم ہوئے۔ مولوی محمد اسماعیل امام مسجد گولڑہ شریف، مولوی فقیر اللہ نور المعروف بکے والا ساکن تناولی ضلع ہزارہ اور قاضی فیض عالم سکند کینٹی مرزا تحصیل گوجران وغیرہ تحصیل علم کے سلسلہ میں آپ کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے علاوہ دیگر ممتاز امی طالبان علم بھی آپ سے درس حاصل کرتے تھے۔ مولوی محبوب عالم جو ابھی ابتدائی کتب پڑھتے تھے گولڑہ شریف میں ہی رہے۔ حضرت شاہی مسجد میں اعلیٰ کتب کا درس دیتے تھے اور جب جی میں آتا راوی کے جنگل میں یاد الہی میں جا مصروف ہوتے۔ اس جگہ پہلے طالبان علم کو کھانے کی بہت تکلیف ہوتی۔ کئی کئی وقت فاقہ رہتا۔ مگر اس کے باوجود ان لوگوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ ایک روز مولوی محمد اسماعیل نے عرض کی، حضرت! آپ کو تو اللہ اللہ کرنے کی وجہ سے روحانی تغذیہ کی فراوانی کے باعث جسمانی غذا کی ضرورت کم محسوس ہوتی ہے۔ لیکن ہم نفسانی لوگ بغیر غذا جسمانی کیسے وقت گزار سکتے ہیں۔ آپ نے متعجب ہو کر دریافت فرمایا کہ کیا آپ لوگوں کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا۔ انہوں نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ خاموش ہو گئے۔ مگر اسی روز سے لوگوں نے خود بخود ہر قسم کا کھانا باذرا لانا شروع کر دیا۔ کھانا بھی اچھی قسم کا یعنی گوشت روٹی، پلاؤ، زردہ وغیرہ ہوا کرتا۔ اور آئندہ اس ضمن میں طلباء کو کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی۔

آپ کا ایک عاشق المشہور فقیر سواتی

ایک شخص جسے مولوی کاغانی کہہ کر پکارتے تھے محض اچھی خوراک کے خیال سے حضرت کے درس میں آیا کرتا تھا۔ اُس نے ایک روز اپنے ایک آشنا صوفی پٹھان سے حضرت کے کمالات کی تعریف کی۔ یہ پٹھان صوفی کشمیری بازار کی ایک مسجد میں رہا کرتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ آج کل کوئی فقیر نہیں ہے۔ البتہ صرف سوات والے بزرگ فقیر ہیں۔ اسی رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہی مسجد کے تالاب پر وضو کر رہے ہیں۔ اور یہ یعنی صوفی پٹھان آپ کی شکل مبارک دیکھ کر بہت متاثر ہوتے ہیں اور بیعت کے لیے عرض کرتے ہیں۔ مگر حضرت جواب میں فرماتے ہیں کہ میں تو فقیر نہیں، کسی فقیر کے پاس جاؤ۔ اس سے قبل ان صوفی صاحب نے حضرت کو نہیں دیکھا تھا۔ اگلی صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت کو خواب میں نظر آنے والی شکل میں ہی تالاب پر وضو کرتے پایا۔ انہوں نے بجد مست اثر ہو کر بیعت کے لیے استدعا کی تو حضرت نے وہی جواب دیا کہ میں تو فقیر نہیں، کسی فقیر کے پاس جاؤ۔ اُس روز تو یہ واپس چلے گئے۔ لیکن دوسرے روز دردمند دل اور اشک آلود آنکھوں کے ساتھ حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ افسوس کہ ان حضرت یعنی پٹھان صوفی صاحب کا نام کہیں تحریر نہیں ہے۔ ان کے دیکھنے والوں میں سے جو حال حال شخصیتیں اس وقت رہ گئی ہیں ان کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ یہ فقیر صاحب سواتی کے نام سے مشہور تھے حضرت قبلہ عالم قدس سرف کے ارادتمندوں میں سے یہ صاحب ایک خاص مقام و انداز کے حامل ہوئے ہیں۔ حضرت نے دریائے راوی پر انہیں کوئی اسم پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی، جسے پڑھنے پر یہ اسی جگہ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور بے ہوش ہو گئے۔ آپ نے ان پر پانی ڈلوایا اور ہوش میں آنے پر ان سے وہی اسم پاک پڑھوایا تو پھر وہی کیفیت ہوئی۔ کئی سال بعد جب حضرت گولڑہ شریف تشریف لاکر مسند ارشاد پر متمکن ہوئے تو کچھ عرصہ تک یہ صاحب لاہور سے آکر حاضری دیتے رہے مگر سال میں دو چار مرتبہ سے زیادہ بار دیکھنے کی تاب نہ لاسکتے تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی وجد میں آجاتے۔ پاس بیٹھنے تک کی بہت

ذمعی۔ بالآخر لاہور سے ترک سکونت کر کے گولڑہ شریف آگئے۔ حضرت نے آستانہ عالیہ سے مغرب کی طرف کچھ فاصلہ پر موجودہ تھانہ پولیس کے قریب والی مسجد میں قیام کا حکم دیا۔ آہستہ آہستہ حاضری ناممکن ہوتی گئی۔ بالآخر یہ حالت ہو گئی کہ حضرت تو بجائے خود رہے ان کے خدام خاص کو دیکھنے پر بھی وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس لیے حضرت نے خدام کو فقیر صاحب کی طرف جانے سے منع فرمادیا۔ ایک روز دھوبی حضرت کے کپڑے لے کر مسجد کے پاس سے گزرا۔ یہ بچوں کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے، معلوم نہیں کہ کپڑوں پر نظر جاڑی یا پیراہن یوسف کی سرلیج التیر خوشبو نے مشام جان کو معطر کیا کہ اچانک فرش مسجد پر گر کر تڑپنے لگے۔ دائے ارمان اُس سوزِ محبت کے، جو نہ تو تاب وصل رہنے دے اور نہ طاقتِ جدائی۔ بمصدق ۷

من شمع جاں گدازم تو صبحِ دلکشانی
سوزم گرت نہ بسنم میرم چو رخِ منسانی
زدیکتِ ایں محنیم، دورِ آنچنساں کہ گفتم
نے تاب وصل دارم نے طاقتِ جدائی

جب ان فقیر صاحب کا آخری وقت آیا تو جناب قاری عبد الرحمن جو پوری نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ چلیے، بے چارہ تڑپ رہا ہے۔ جب تک آپ تشریف نہیں لے چلیں گے۔ جان نہیں دے گا۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔ چند لمبے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حضرت کو دیکھا جیسے خلاف معمول سکون آگیا ہو۔ پھر اچانک ایک لمبی سانس لی اور جانِ جان آفرین کے سپرد کر دی۔

ایک اور عاشقِ دیوانہ

حضرت کے جمالِ جاں نواز کا ایک اور عاشق بھی مجذوب ہو گیا تھا۔ یہ آپ کی مسجد کے باہر بڑا رہتا۔ اور پانچ وقت جب آپ نماز کے لیے آتے تو نظر اٹھا کر آپ کو دیکھ لیتا۔ اور کبھی کبھی آپ کے پیچھے سفر میں بھی جا پہنچتا۔ حضرت کے سال بھر میں دو ہی سفر مقرر تھے۔ ایک سیال شریف کا اور دوسرا پاک پتن شریف کا۔ ایک مرتبہ پاک پتن شریف میں خانقاہ معلیٰ کے شمالی دروازہ کی سیڑھیوں میں حضرت کی گذرگاہ پر پڑا ہوا تھا۔ جب حضرت کا معاذ ہام خلق کے وہاں سے گذر ہوا تو اٹھ بیٹھا اور کہا۔ پیر جی، ہمارا اعتقاد آپ پر سے اٹھ گیا ہے۔ حضرت نے ایک طویل آہ لے کر فرمایا۔ "میاں عا کرو کہ میرا اعتقاد تم پر سے نہ اٹھ جائے۔" اکثر اہلِ دل یہ بات سن کر بے اختیار رو دیئے کہ سلوک کا کتنا بڑا مسئلہ کس آسان لفظی سے حل فرمادیا ہے۔

افسوس یہ لوگ ظاہر نہیں کرتے تھے کہ آپ ان کو کیا دکھائی دیتے تھے اور درحقیقت کیا تھے۔ حال کی بات قال میں کیسے سمونی جا سکتی ہے۔ یہ کام ہم ہی ظاہر بینوں کو کرنا پڑتا ہے جو مادی استدراکی پابندیوں میں جکڑے ہوئے مؤرخ، مقنن یا مولوی بن کر رہ گئے ہیں۔ ان لوگوں کی لعائے الہی کے حسرت و ارمان میں رونے والی آنکھیں شاید اشکوں کی عینک سے شیخِ طریقت کے آئینہ جمال میں اُس حُسنِ حقیقی کا جلوہ دیکھ لیتی ہیں۔ جس کی نسبت خود حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ نے فرمایا ہے ۷

ایہ صورت ہے بے صورت تھیں، بے صورت ظاہر صورت تھیں
بے رنگ دے اس صورت تھیں، بوجِ وحدت پھٹیاں جد گھڑیاں

اور کسی اور صاحب نے بھی خوب کہا ہے۔ ع

تیری جیسے آشکار پر تو ذات کا فروغ

صلی اللہ علیٰ نورہ وسلم۔ قرآن کریم گواہ ہے کہ ان لوگوں کے دل کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہی ظاہری آنکھیں پر تو جمال حقیقی سے روشن تر ہو کر بشری قیود و حدود سے ورہی دیکھ لیتی ہوں۔ بہر حال اُس زمانہ میں حضرت کی دید برق جہاں سوز سے کسی طرح کم نہ تھی جو آنکھ آپ کے چہرہ مبارک پر پڑ جاتی ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہو جاتی خصوصاً نوجوان طبقہ پر آپ کی نظرِ کیمیا اثر کا نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ گھر بار چھوڑ دیتے۔ شادی بیاہ کی نسبتیں توڑ دیتے اور تمام علاقہ دنیوی سے قطع تعلق کرتے ہوئے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں مُبتلا ہو جاتے۔ آپ کے نیاز مندوں کو کہتے ہی ایسے حضرات کا حال معلوم ہے جو بچپن میں ہی اس نگہِ خدا آگاہ کے تیرنیم کش سے گھائل ہو کر، جاندا دیں اور گھر بار چھوڑ کر آپ کی خدمت میں تخرید کی زندگیاں بسر کر گئے۔

سفر مالیر کوٹلہ

لاہور میں کوئی سال بھر قیام فرمانے کے بعد جوش جنوں نے پھر زنجیرِ درکھٹکھٹائی۔ اور آپ سلسلہ درس و تدریس ترک فرما کر پھر راوی کے جنگل میں خلوت گزین ہو گئے۔ مگر جب پروانوں نے وہاں بھی چین سے نہ ٹکنے دیا تو تنہا مالیر کوٹلہ کے سفر پر نکل گئے۔

آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنوں پر درجہاں
رقص میں لیلیٰ رہی، لیلیٰ کے دیوانے رہے

کچھ عرصہ مالیر کوٹلہ میں قیام فرمایا۔ وہاں کے حالات کی تفصیل نہیں مل سکی۔ صرف ایک اضافی واقعہ جناب شیخ الجامعہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اُس جگہ حضرت کے ایک ارادت مند حافظ صاحب رہا کرتے تھے جو ایک رات کچھ وظائف ایک قبرستان میں جا کر پڑھنے لگے تو اچانک پتھر اور اینٹیں پڑنا شروع ہو گئیں۔ جیسے جیسے یہ وظیفہ پڑھتے خشت باری زیادہ ہوتی جاتی حتیٰ کہ ایک بڑا سا پتھر سر کے بالکل قریب سے گزرا جس سے گہرا کراہوں نے وظائف بند کر دیئے اور قصیدہ بُردہ شریف کا یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے پتھروں کا برسنا بند فرما دیا۔

هُوَ الْحَبِيبُ الَّذِي تَرَجَى شَفَاعَتُهُ

لِكُلِّ هَوَلٍ مِنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمٍ

(وہی اللہ کے ایسے حبیب ہیں کہ ان کی شفاعت کی اُمید

ہے ہر ایک خوف کے وقت جو آنے والے ہیں)

حضرت کا ایک دیوانہ فاضلِ میسر عالم کسی طرح یہاں کے متعلق بھی پتہ لگا کر آپ کے پاس مالیر کوٹلہ جا پہنچا جس پر بالآخر واپس گھر تشریف لے آئے۔

سفر ملتان

چند روز بعد پتہ ملتان تشریف لے گئے۔ رات کو محلہ قانیالیاں میں ایک تماشی صاحب کے یہاں قیام فرماتے۔

اوردن کے وقت حضرت غوث بہاؤ الحقؒ کے مزار پر انوار پر موجود رہتے۔ خود فرماتے تھے کہ ایک روز میں بوہڑ دروازہ سے نکل رہا تھا کہ مولوی نظم الدینؒ کہہ سستی چمکنگ سے اپنے شاگرد سید بہار شاہ سکنہ سداواں دور سے آتے نظر آئے۔ میں نے معلوم کیا کہ مولوی صاحب تو طلب دعا کے لیے آ رہے ہیں اور ان کا شاگرد کوئی علی سوال پوچھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ملاقات پر مولوی صاحب نے تو اپنے حسن خاتمہ کے لیے دعا کو کہا جو میں نے بصد معذرت کر دی۔ اور ان کے شاگرد نے پوچھا کہ ترکیب ذہنی اگر ترکیب خارجی کو مستلزم ہے تو لازم آئے گا کہ عقول مادی ہوں۔ کیونکہ عقل کی حد یہ بیان کی جاتی ہے کہ العقل جوہر مجرد عن المادة فی الذات والفعل اور جوہر جو درجہ لا بشرط شئی میں جنس ہے مرتبہ بشرط لا شئی میں مادہ ہوتا ہے۔ حضرت نے جواب دیا کہ مادہ صرف اجسام تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کی یعنی مادہ کی ایک قسم مجردات میں بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ مادہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ اُس نے دریافت کیا کہ ان قسموں کا کس کتاب میں ذکر ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ قاضی مبارکؒ کے حاشیہ منہیہ اور اُس کے حاشیہ ملاپشت میں۔ یہ سن کر وہ مطمئن اور خاموش ہو گیا۔

حضرت شیخ الجامعہ کے استاد گرامی مولانا جمال الدین گھوٹوی سے منقول ہے کہ ایک روز انہیں طمان میں حضرت کی زیارت کا اتفاق ہوا۔ دوپہر کے وقت حضرت نے اپنے حجرے کا دروازہ کھولا۔ باہر تشریف لاکر تھوڑی دیر باتیں کہیں پھر ان سے فرمایا کہ اجازت دیجئے اور پھر حجرہ میں تشریف لے گئے۔ ان دنوں حضرت کو خلوت پسند تھی اور لوگوں سے گونہ دشت ہوتی تھی۔

ایک دن مولانا سلطان محمود سکنہ ٹھٹھی حمزہ نے طمان آکر استاد صاحب گھوٹوی سے کہا کہ حضرت پیر صاحب کی زیارت کا شوق ہے۔ چنانچہ تلاش گناں ایک جگہ پہنچے تو دیکھا کہ آپ تنہا تشریف فرما ہیں اور آنکھوں سے اشک رواں ہیں۔ انہیں آمادہ کر آسو پونچھے اور مصافحہ کیا۔ یہ لوگ بیٹھ گئے۔ آپ نے کچھ دیر خاموش رہ کر یہ رباعی پڑھی اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

خون نابدل خور کہ شرابے بہ ازیں نیست
دندان جب گزن کہ کتابے بہ ازیں نیست
در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را
در صفحہ دل ہیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

حضرت نے اپنے ایک آشنا حکیم بہر بخش کو فرمایا کہ یہاں محلہ قاضیاں میں میری کافی شہرت ہو گئی ہے کسی دوسری جگہ مکان کا انتظام کر دیں۔ انہوں نے حرم دروازہ کے اندر ایک مکان کرایہ پر لے دیا۔ یہاں ایسی تنہائی تھی کہ بفتوں کسی آدمی کا منہ تک دیکھنا نہ ملتا۔ اس مکان کے قریب ایک شخص رہتا تھا۔ اُس نے رات کو کبھی بار جاگ کر آپ کو بحالت نماز وقیم دیکھا اور کافی عرصہ تک اسی طرح دیکھتا رہا تو آپ کا بے حد عقیدت مند ہو گیا ایک دن حاضر ہو کر عاجزانہ گزارش کی کہ میری لڑکیاں جوان ہیں کہیں سے اُن کے رشتہ کے سلسلہ میں کوئی پیغام نہیں آتا۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مہربانی فرمادیں۔ اور مجھے اس فرض سے باحسن سبکدوش فرمادیں۔ حضرت نے دعا کی اور دو تین ماہ کے اندر اندر حسب خواہش بچیوں کی شادی سے اللہ تعالیٰ کے کرم سے فارغ ہو گیا۔

سفید مرغ نے مدفونہ دولت کی نشاندہی کی

جب اس محلہ میں بھی شہرت ہو گئی تو آپ نے محلہ حسین آکاہی میں جا کر مکان لیا۔ وہاں بھی ایک مندرجہ بالا قسم کے

شخص نے حاضر خدمت ہو کر بغیر کچھ کہے سنے خاموشی سے شب و روز آپ کی خدمت شروع کر دی۔ اُس شخص کی لڑکیاں جوان تھیں مگر غربت و ناداری کے باعث کہیں رشتے نہ ہوتے تھے۔ آپ نے نور فرست اُس کی پریشانی کا حال معلوم کر کے ایک روز اُسے فرمایا کہ ایک سفید مرغ لاؤ۔ اُس نے ایسا ہی کیا تو شام کے قریب اُسے مرغ سمیت ہم لے کر وضہ غوث بہاؤ الحق کے مغربی دروازہ کی طرف لے گئے۔ مرغ کے گلے میں ایک تعویذ ڈالا اور اُسے چھوڑ دیا مرغ نے تھوڑا فاصلہ چل کر ایک جگہ کو اپنی چونچ سے کھودا۔ حضرت نے اُس شخص کو وہ جگہ کھودنے کو کہا تو تھوڑی سی گہرائی میں ہی روپوں کا دھنسا ملا۔ آپ نے اُسے کہا کہ جس قدر ضرورت ہے لے لو۔ اُس شخص نے روپوں سے جھولی بھری تو آپ نے گڑھے کو بند کر دیا اور واپس تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب حضرت ملتان سے مظفر گڑھ جا چکے تھے اُس شخص نے دوبارہ اُسی جگہ پہنچ کر قسمت آزمائی کرنا چاہی تو وہاں سے سانپ نکل آیا اور وہ ناکام واپس لوٹا۔

حکیم مہر بخش کے فرزند اپنے والد صاحب کی زبانی روایت کرتے تھے کہ ابستدائے حضرت کی یہ کیفیت تھی کہ سر پر پول بندھا رہتا تھا۔ اور جہاں بچے پتنگ اڑا رہے ہوتے، اُس جگہ دیر تک کھڑے آسمان کی طرف ٹھٹھکی لگائے دیکھتے رہتے اور آنکھوں سے اشک رواں رہتے۔

رشتہ درگرم انگذ دوست می بردہر جا کہ خاطر خواہ اوست

کھانے پینے کی طرف توجہ نہ تھی۔ کبھی حکیم صاحب آپ کی رغبت کے پیش نظر بھیریا بکری کی زبان کا گوشت پکوا کر پیش کرتے تو بہت اصرار کے بعد تھوڑا سا تن اول فرمائیے۔ حکیم صاحب کے ایک چچا بزرگوار بہت بڑے عالم اور صاحب ارشاد بزرگ تھے۔ اُن کے ساتھ تجلیہ میں علم و فقر کی گفتگو رہتی۔ وہ فرمایا کرتے کہ انہیں عام فقراء کے زمرہ میں شمار نہ کرنا۔ یہ بہت زبردست عالم اور بہت ہی بڑے پائے کے ولی اللہ ہیں جو جذب و سلوک کی منازل طے کر رہے ہیں اور عنقریب فلکِ ولایت پر آفتاب بن کر چمکنے والے ہیں حکیم صاحب کہتے تھے کہ ملتان کے لوگ بالعموم جان گئے تھے کہ حضرت کس پایہ و شان کے بزرگ ہیں۔ اور آپ کے قیام ملتان کے آخری دنوں میں لوگ اس کثرت سے آپ کی طرف رجوع کرنے لگ گئے تھے کہ آپ اپنے حجرہ میں چھپ چھپا کر آتے اور اندر داخل ہو کر اُسے باہر سے مقفل کر دیتے۔ بکثرت اشخاص دُعا کے لیے حاضر ہوتے اور ہم سے سفارش کے طلبگار ہوتے۔ آپ کی دُعا اور نگہ التفات حل مشکلات وغیرہ میں تیر بہدف شمار ہوتی تھی۔

ایک روز حکیم مہر بخش آپ کو کمرہ میں بند کر کے آپ کے ارشاد کے مطابق دروازہ باہر سے مقفل کر کے کسی کام کے سلسلہ میں حضرت حافظ محمد جمال کی خانقاہ شریف کی جانب چلے گئے۔ وہاں ایک مجذوبہ مانی پڑی رہتی تھیں حکیم صاحب کو پاس بلا کر ملتان کی زبان میں کہنے لگیں۔ "وے بالا، اول جیون جو گے کول اندر کیوں ڈھک آیدیں، اوندی دل نوجھی تھیندی ہو سی" حکیم صاحب نے کہا۔ مانی میں کیا کروں، وہ خود مجھے کہتے ہیں کہ باہر سے تالا لگا دو۔ مجذوبہ بولیں۔ "نان وے نان، اینویں نہ کیا کر، شہزادہ وی شہزادہ" یعنی یہ شہنشاہوں کا فرزند ہے اسے معمولی انسان نہ سمجھنا، مبادا اندر مقفل ہو کر بیٹھنے سے ان کا دل اُداس ہو جائے۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کے مزار پاک کی کشش

حضرت قدس سرہ فرماتے تھے کہ پہلی بار جب ہم ملتان گئے تو پاک دروازہ سے گذرتے وقت اچانک میرا رخ کسی غیبی طاقت نے ایک خانقاہ شریف کی طرف پھیر دیا۔ سامنے ایک بڑی وادوچی ڈیوڑھی تھی اور آگے دالان تھا جہاں ایک مولوی صاحب غیر متددوں کی تردید میں تقریر کر رہے تھے مگر دلائل ایسے بوسے اور بے سرو پاتھے کہ حیرت ہوتی تھی کہ سامعین سب کے سب غیر مقلد کیوں نہیں ہو جاتے۔ مگر اُس اندرونی کشش نے ہمیں وہاں زیادہ دیر رکنے نہ دیا۔ کچھ آگے بڑھے تو حضرت جمال الدین موسیٰ پاک شہید کا مزار پاک نظر پڑا۔ جو معلوم ہوا کہ گیلانی النسب ہیں اور یہ اپنے ہی گھرانے اور خاندان کی کشش تھی جو کھینچنے لیے جا رہی تھی۔ حضرت ممدوح نے مزار پاک میں سے فرمایا کہ قرابت کا یہ طریق نہیں ہے کہ نزدیک رہتے ہوئے بھی ملاقات نہ کی جائے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے پیر طریقت اور حضرت مخدوم عبدالعتاد رٹانی اوجھی اور حضرت سیدنا عبد الوہاب بن سیدنا غوث الاعظم جیلانی کی اولاد پاک سے ہیں۔ یہ خاندان بڑھیر پاک دہند میں گیلانی سادات کے مشہور خانوادوں میں سے ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کے حالات اخبار الاخیار میں مفصل بیان فرمائے ہیں۔ یہ خاندان سب سے پہلے ریاست بہاولپور کے شہر آفتاب شہر اوج میں وارد ہوا تھا اور بعد میں بہاول پور کے دوسرے شہروں اور ضلع ملتان میں سکونت پذیر ہوا۔ حضرت مخدوم موسیٰ پاک شہید کی خانقاہ شریف ملتان شہر میں دربار پیران پیر کے نام سے مشہور عام ہے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت قبلہ عالم قدس سرہ پاک پن شریف جاتے ہوئے عام طور پر ملتان اتر کر مزار شریف حضرت موسیٰ پاک شہید کی زیارت کیا کرتے تھے اور آنجناب کے سجادہ نشین، قدوة السالکین حضرت مخدوم صدر الدین شاہ گیلانی کے ساتھ حضرت کے تعلقات بید مجاہد تھے۔ اسی خاندان کے ایک مشہور فرد سید میاں شاہ رئیس اعظم بہاولپور، حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے بیعت ہیں۔

حاجی امام بخش ملتان سوداگر چرم بیان کرتے تھے کہ اُن کے محلہ میں ایک مجذوبہ مائی موران نامی نیم برہنہ حالت میں پھرا کرتی تھیں۔ ایک روز کپڑا مانگ کر جسم ڈھانپنے کی تگ و دو میں مصروف ہو گئیں کہ مرد آ رہا ہے۔ گویا پہلے کوئی مرد انہیں نظر نہ آتا تھا۔ اور لوگ اُن کی نظروں میں عام جانوروں کی طرح تھے۔ سچ ہے طَالِبُ الدُّنْيَا مَحْنُكْتُ، طَالِبُ الْعُقْبَى مُؤَنَّتْ طَالِبُ الْمَوْلَى مَذْكُورٌ كَمَا كَرِهَ دِيرٌ بَعْدَ اِيكٍ درویش مجذوب صورت اُس کے پاس آیا۔ اور دونوں باتیں کرتے رہے جب وہ جانے لگا تو لوگ اُسے بزرگ سمجھ کر ساتھ چلنے لگے۔ لیکن اُس نے سختی سے ڈانٹا اور لوگوں کو روک دیا۔ کئی اشخاص نے مختلف قسم کے سوالات بھی پوچھے مگر اُس نے کسی کا جواب نہ دیا۔ البتہ ایک شخص نے جب یہ پوچھا کہ گولڑہ والے پیر صاحب جو یہاں آتے رہتے ہیں، صحیح فقیر ہیں یا نہیں۔ تو فوراً پلٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا: گولڑہ والے پیر صاحب اولیاء کے سرتاج ہیں۔“

ڈیرہ غازی نجاں کا ایک نانگافیر

جناب شیخ ابوالعصبہ کے مسودات میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ڈیرہ غازی خاں میں ایک نانگافیر سے ملاقات ہوئی۔ آپ فرماتے تھے کہ وہ فقیر بڑا صاحب کشف تھا اور واقعات کونیہ کی اطلاع پہلے دے دیا کرتا

تھا۔ میرے متعلق اُس نے کئی پیشین گوئیاں کیں جو پوری ہو رہی ہیں۔ اور اُس کے مکاشفات ہمیشہ درست ثابت ہوتے رہے ہیں۔ ڈیرہ غازیخان سے طمان آتے وقت وہ میرے ساتھ ہولیا۔ غازی گھاٹ سے مسم جہاز میں سوار ہو کر دریائے سندھ کو عبور کر رہے تھے کہ ایک عورت کافی فاصلہ پر دودھ کا برتن لیے مشک پر تیرتی نظر آئی۔ میری توجہ ایک لمحہ کے لیے اُدھر ہو گئی اور خیال آیا کہ یہ عورت اپنے کام میں کیسی باہمت ہے۔ معاوہہ نانگا فقیر تالی بجا کر کہنے لگا: وہ تارٹوٹ گئی۔ تارٹوٹ گئی۔ یعنی تمہاری توجہ ذکرِ الہی کے شغل سے ہٹ کر اس عورت کے کام کی طرف مبذول ہو گئی ہے۔ پھر وہ جہاز میں ہی کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں گتھی میں لے جائیں گے۔ اور مجھے پیدل چلائیں گے۔ بابا، تم اُس کے لاڈلے جو ہوئے۔ تاہم ریل گاڑی میں اکٹھا سفر کریں گے۔ میں نے کہا نہیں دونوں اکٹھے گتھی میں چلیں گے۔ میرے پاس کرایہ دینے کو رقم ہے۔ وہ بولا پیسے تو میرے پاس بھی ہیں۔ مگر خدا کی مرضی یہی ہے کہ میں پیدل چلوں۔ حضرت فرماتے تھے کہ جہاز سے اتر کر میں نے ایک اچھا سا تانگہ دیکھا اور اُس میں سوار ہو کر اُس فقیر سے کہا کہ میرے برابر اگلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔ میں یہ بات ابھی کہہ ہی رہا تھا کہ ایک شخص جلدی سے آکر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور وہ جگہ روک لی۔ وہ پچھلی سیٹ کی طرف پٹا تو دو اور آدمی لپک کر اُس سے پہلے سوار ہو کر وہاں بیٹھ گئے اور تانگہ میں سواریاں پوری ہو گئیں۔ پھر وہ جس تانگے یا گتھی کی طرف جاتا۔ اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی سواریوں سے بھر جاتا۔ اور چونکہ اُس روز وہاں تھمیلدار آیا ہوا تھا اس لیے کوچان قانون شکنی کے خوف سے چار سے زیادہ سواریاں نہ بٹھلاتے تھے چپن پنچہ اُس فقیر کو پیدل ہی چلنا پڑا۔ جب کئی میل کا سفر طے کرنے کے بعد یہ تانگوں کی سواریاں ریلوے اسٹیشن غازی گھاٹ پہنچیں تو ریل گاڑی کی روانگی کا وقت ہو چکا تھا اور وہ تیار کھڑی تھی۔ مجھے خیال گذرا کہ اب یہاں اُس فقیر کا کشف ضرور غلط ثابت ہوگا۔ لیکن گاڑی نہ چلی اور کھڑی رہی۔ معلوم ہوا کہ انجن میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ کوئی دو گھنٹہ بعد وہ فقیر ریلوے اسٹیشن پر پہنچا اور سیدھا میرے ڈبے میں چلا آیا۔ اور جیسے ہی اُس نے گاڑی میں قدم رکھا گاڑی چل دی۔

حضرت فرماتے تھے کہ میں نے اُس فقیر سے پوچھا کہ یہ نعمت تم نے کہاں سے پائی کیونکہ تمہارے کسب کا نتیجہ تو معلوم نہیں ہوتی۔ اُس نے جواب دیا کہ میں پولیس میں سپاہی تھا۔ ایک مرتبہ ہم دو سپاہی ایک گرفتار شدہ مجرم کو حراست میں لیے جا رہے تھے کہ اثنائے راہ ایک قبرستان آیا جہاں ایک شکستہ سی قبر پر وہ ملزم دُعا مانگنے کے لیے رُکائیں نے کہا کہ جیسی قبر کی حالت ہے ویسی ہی قبر والے کی ہوگی۔ کیوں وقت ضائع کر رہے ہو، جلدی چلو۔ رات کو خواب میں ایک بزرگ صورت شخص نظر آئے۔ اور مجھے حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں لے گئے۔ میری سفارش کی اور میرے لیے دُعا کرائی۔ پھر مجھ سے کہا کہ میاں ہماری قبر تو ٹوٹی پھوٹی سہی مگر تمہارا کام تو بنا دیا۔ صبح کے وقت جب جاگا تو صاحب کشف تھا۔ ملازمت سے استعفیٰ دے کر آزاد ہو گیا۔

مولانا محبت النسی سابق صدر مدرس جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف کہتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ایک روز سبق پڑھانے کے دوران اس فقیر کے مزید کچھ حالات بیان فرماتے ہوئے کہا تھا کہ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ آخری عمر میں گولڑہ آکر آپ سے ملوں گا۔ ابھی تک وہ نہیں آیا۔ اس وقت میری عمر ستر سال سے اوپر ہے معلوم ہوتا ہے وہ ابھی تک زندہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔ کیونکہ میں نے اُس کی کوئی بات غلط نہیں پائی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اُس روز حضرت نے ہمیں آخری سبق دیا تھا اور اس کے دو تین ماہ بعد آپ عالم استغراق میں چلے گئے تھے۔ آپ کی باتوں سے

معلوم ہوتا تھا کہ اُس فقیر کے کئی ایک دیگر کاشفات بھی آپ کو اپنے متعلق معلوم تھے جن کا ذکر آپ مناسب خیال نہ فرماتے تھے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا مسلک تھا کہ اپنے حال یا کاشفات عالیہ کو پردہ انھیں رکھتے تھے اور کسی قسم کا دعویٰ کرنے سے اجتناب فرماتے تھے۔ آپ سے بے شمار خوارق کا ظہور ہوا۔ لیکن آپ نے صرف انہی چیزوں کو ظاہر فرمایا جن کے لیے کوئی شرعی نجات یا اشد ضروری وجہ اظہار ہوتی مثلاً قادیانی معرکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کشفی ارشاد یا وادی حرم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت کے بیعت کے اہتمام کی بالخصوص تاکید نیز باشیخ عبد القادر جیلانی شیدا اللہ کے متعلق اپنے مشاہدہ کا اظہار اسی قسم سے ہے۔ ندائے غائبانہ اور استمداد اولیاء اللہ کے سوال پر پامٹر غلام حمید کے خط کے جواب میں اپنی استمداد کے متعلق مندرجہ ذیل ارشاد تھوڑے عرصہ کی بات ہے کہ ایک عقیدت مند نے تقریباً بارہ یا ساڑھے بارہ بجے دن بارگاہِ غوثیہ بعد شادویہ میں مضطربانہ فریاد کی تھی جس کا اثر یہ ہوا کہ اُسی وقت شملہ سے مار ضلع کیمبل پور میں پہنچا کہ محمد حسین کو پھانسی نہ دی جائے۔ حالانکہ پھانسی کا حکم قطعی منظور سی سار حکام ہو چکا تھا۔ اور پھانسی دینے کو تیار تھے۔ یہی اسی ضمن میں آتا ہے۔

ایسے ہی دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پن شریف کی طرف بوقت ملاقات انفات نہ فرمانے کے متعلق بطور معذرت آپ کا یہ فرمانا کہ جب آپ آئے تھے تو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر تشریف فرما تھے اور گفتگو ہو رہی تھی اس لیے میں آپ کی طرف متوجہ نہ ہو سکا، یہی اسی قسم سے ہے۔ اس کا مفصل ذکر آئندہ ابواب میں آئے گا۔

فقیر صاحب نون کے دعویٰ کا جواب

اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ میرزا عظیم خان گولڑہ آپ کا معتقد تھا۔ آپ بھی ابستار سے اُس پر مہربانی فرماتے تھے۔ اُسے خود سیال شریف لے جا کر حضرت اعلیٰ سیالوی قدس سترہ سے بیعت کرایا کیونکہ خود بیعت کرنے سے اُس کے ساتھ تلبکلفی میں فرق آتا تھا۔ اُس نے اپنے خسر کی وفات پر اپنی بیوی کی طرف سے موضع جو دھ کی زرعی اراضی کے متعلق حق وراثت کا دعویٰ کیا۔ مگر یہ دعویٰ ناکامیاب رہا اور جائیداد اُس کی بیوی کو ملنے کی بجائے متوفی کے وارثان بازگشت کو منتقل ہو گئی۔ اور پہلی دو عدالتوں میں سے ایلیس بھی خارج ہو گئیں۔ موضع نون میں ایک فقیر صاحب رہتے تھے جن سے متوفی کے وارثان بازگشت کو عقیدت تھی۔ انہوں نے حضرت پیر فضل دین کی خدمت میں معین م بھجوا یا کہ چھوٹے پیر صاحب یعنی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ عظیم خان کے حق میں بہت کوشش کر رہے ہیں۔ اُن سے کہہ دیجئے کہ میں نے لوح محفوظ میں دیکھ لیا ہے یہ جائیداد عظیم خان کو نہیں مل سکتی۔ میرے ارادت مندوں کے پاس ہی رہے گی اس لیے آپ ناحق تکلیف نہ اٹھائیں۔ بڑے پیر صاحب نے اس پیغام لانے والے شخص کو حضرت کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے فرمایا فقیر صاحب سے بعد سلام کہئے گا کہ آپ تو لوح محفوظ کی تحریر پڑھ سکتے ہیں۔ میں آنکھیں بند کروں تو اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن ایک بات یاد رکھیے گا کہ جب تک یہ ساری جائیداد عظیم خان کو نہ مل جائے گی، میں اپنے اللہ کا دامن نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ چیف کورٹ میں جا کر عظیم خان کی اپیل منظور ہو گئی اور اُس جائیداد پر آج تک اُس کے وارثان قابض ہیں۔

مٹان میں قیام کے دوران آپ گا بے گا بے ایک چائے فروش کی دکان پر جایا کرتے تو وہ چائے سے تواضع کرتا۔ ایک روز آپ وہاں چائے پی رہے تھے کہ دوکاندار کے لڑکے کے دل میں خیال گذرا کہ یہ فقیر میرے باپ کی خوش امتقادی کے باعث آج تک کوئی دس پندرہ روپے کی چائے مفت پی چکا ہوگا۔ حضرت نے اس کے دل کے خیال سے آگاہ ہو کر اُسے بلایا اور ایک تعویذ لکھ دیا کہ پُرانے قلعے میں جاؤ اور جو گڑھ صاحب سے پہلے سامنے آئے اُس میں یہ تعویذ ڈال دو۔ اور وہاں سے جو کچھ ملے اُسے اٹھا لینا۔ چنانچہ اُس لڑکے کو اسی طرح کرنے پر کپڑے کی ایک پوٹلی ملی جس میں اڑتالیس روپے بندھے تھے اس کے بعد آپ دوکان پر کبھی تشریف نہ لے گئے۔

اُن ہی ایام کے ایک اور دلچسپ واقعہ کے متعلق آپ فرماتے تھے کہ مجھے دودھ مضم نہیں ہوتا تھا پیتا تو فوراً قے ہو جاتی تھی اور کئی روز تک بیمار بھی رہتا۔ ایک روز دریائے سندھ عبور کیا تو ایک شخص مسافروں کے نام دریافت کر تا ملا۔ میں نے نام بتایا تو مجھے یہ کہہ کر ساتھ لے گیا کہ میں طبیب ہوں اور کئی روز سے آپ کا منظر ہوں۔ مجھے جناب غوث الاعظم نے خواب میں فرمایا تھا کہ میری اولاد میں سے اس نام کا ایک شخص آ رہا ہے اُسے دودھ مضم نہیں ہوتا۔ آپ اُس کا علاج کریں چنانچہ اس نے مجھے دوا دی جس سے دُہ شکایت رفع ہو گئی۔

مجاہدِ مظفر گڑھ

جب مٹان میں زیادہ شہرت ہو گئی تو آپ مظفر گڑھ چلے گئے۔ اور بستی چمن کے قریب ایک کنوئیں پر قیام فرمایا قاضی فیض عالم طالب علم بھی ہمراہ تھا۔ مگر گرمی کی تاب نہ لا کر واپس چلا گیا۔ اُس کنوئیں کا مالک بیوی بچوں سمیت وہیں رہتا تھا اسی اثنا میں رمضان شریف کا مہینہ آ گیا اور اُس شخص نے حضرت کے آرام کی خاطر ایسا انتظام کیا کہ دن کے وقت آپ کی چارپائی رتوں سے باندھ کر کنوئیں میں لٹکا دیتا اور عصر کے وقت باہر نکال لیتا۔ اس طریقہ سے آپ شدت گرمی کے وقت قدرے آرام میں رہتے۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ اس شخص پر ہندو ساہوکاروں کا سودی قرضہ تھا جس میں کنواں گروی تھا جب وہ رستم دا نہ کر سکا تو ہندوؤں نے اُسے بے دخل کرنا چاہا۔ صورت حال سے آگاہ ہو کر حضرت نے اُسے لو بے کا ایک ٹکڑا لانے کو کہا! اور جب وہ لے آیا تو اپنی چادر میں لپیٹ کر اُسے دیا اور کہا کہ کل صبح اسے کھولنا۔ رات کے وقت حضرت وہاں سے خاموشی کے ساتھ رخصت ہو گئے۔ صبح کو جب اُس نے چادر کھول کر دیکھا تو لوہا سونا بن چکا تھا۔ اُس سے اُس نے اپنا تمام قرضہ وغیرہ ادا کیا اور کنواں واکذار کر لیا۔ شیخ الجامعہ نے آگے لکھا ہے کہ مجھے یاد ہے کہ جب پہلی مرتبہ نواب عبداللہ خان کی استمداد پر حضرت خان گڑھ تشریف لے جا رہے تھے تو بستی چمن کے بالمقابل پہنچ کر گاڑی ٹھہرائی اور اتر کر اُس کنوئیں کی طرف گئے۔ لوگ حیران تھے کہ کیا معاملہ ہے کنوئیں کا مالک فوت ہو چکا تھا۔ اُس کا لڑکا بھی تقریباً بڑھا ہو چکا تھا۔ آپ نے پوچھا مجھے پہچانتے ہو۔ اُس نے عرض کیا کہ نہیں۔ اُس شخص کی بیوہ کنوئیں کے قریب بیٹھی تھی۔ آپ نے اُس سے بھی یہی پوچھا۔ اُس نے کہا کیوں نہیں پہچانتی۔ آپ ایک مدت یہاں رہے۔ رمضان شریف میں چارپائی پر بٹھا کر آپ کو کنوئیں میں لٹکا دیا کرتے تھے۔ بھلا آپ بھی کوئی بھولنے والی شخصیت ہیں حضرت بہت محظوظ ہوئے۔ غالباً پچاس روپے اُسے عطا فرمائے اور فرمایا کوئی اور کام کاج ہو تو کہو۔ پھر نواب عبداللہ خان کو اُن کی ہمیشہ خبر گیری کی تاکید فرمائی۔

حضرت خواجہ غریب نواز کے آستانہ پر اشارہ غیبی

ملتان مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازیخان کے اضلاع کی سیاحت کے بعد آپ اجمیر شریف حاضر ہوئے۔ ایک روز مزار شریف پر مراقب تھے کہ آواز آئی۔ جو کچھ معین الدین کے پاس ہے تمہارے پاس بھی ہے، اسے گھر بیٹھ کر کھاؤ۔ پہلے آپ کو خطرہ گذرا کہ شاید شیطانی آواز ہے مگر فرماتے تھے کہ غور کیا تو آواز بے کیف تھی اس لیے یقین ہو گیا کہ فرمان الہی ہے چنانچہ گھر واپس لوٹ آیا۔

مجاہدات حسن ابدال

کچھ عرصہ بعد آپ پھر نکلے مگر اس مرتبہ زیادہ دور نہیں گئے۔ اور حسن ابدال میں گوردوارہ پنجہ صاحب کی شرفی مسجد کی چلہ گاہ میں کچھ عرصہ مشغول رہے۔ فرماتے تھے کہ ایک روز چلہ گاہ میں ایک بہت بڑا سانپ آکر میرے ارد گرد چکر لگانے لگا۔ لیکن جب میں اُس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا تو خود بخود چلا گیا۔

اس واقعہ کی مناسبت سے حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمیشہ صاحبہ گولڑہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی زیارت کو اُن کی جائے قیام پر حاضر ہوئے تو آپ دروازے بند کیے مگر بے میں اکیلے کچھ لکھ رہے تھے ہمیشہ صاحبہ نے کواڑ کی درزیوں سے دیکھا کہ ایک بہت بڑا سانپ آپ کے سامنے موجود ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد پھین پھیلا کر کھڑا ہو جاتا ہے مگر جب آپ اپنا قلم اُس کے سر پر رکھ دیتے ہیں تو وہ بیٹھ جاتا ہے معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ عرض کرنا چاہتا ہو اور آپ اُسے انتظار کرنے کا حکم فرماتے ہوں ہمیشہ صاحبہ یہ کیفیت دیکھ کر کچھ خوفزدہ ہوئیں۔ اور حضرت نے آہٹ پا کر سانپ کو اشارہ سے رخصت کیا اور ان کو اندر بلا لیا۔ شیخ سعدی نے کیا خوب کہا ہے۔

تو ہم گردن از حکم داور پیچ
کہ گردن نہ چپہ زد حکم تو پیچ

اس کے بعد حسن ابدال کے قریب ایک پہاڑی نالے کی وادی میں جا بجا خلوت نشینی اختیار فرمائی۔ ایک مرتبہ ریل گاڑی میں گزرتے ہوئے بابو جی سے فرمایا کہ اس نالے میں کوئی ایسی بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے جہاں میری نشست نہ رہی ہو۔

سفر حج سار

۱۳۰۶ھ میں ایک روز اچانک حجاز مقدس کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ مولینا محبوب عالم فرماتے تھے کہ لاہور کے ایک صاحب ایت اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ شوقیہ اور فراقیہ اشعار شائع کیے تھے جو حضرت کی نظر سے گزے۔ آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ اچانک اٹھ کر ریلوے اسٹیشن کی طرف چلے گئے اور مجھے کہلا بھیجا کہ میرے وظائف و لوازمات سفر اسٹیشن پر پہنچا دو۔ جب میں سب ضروری چیزیں لے کر پہنچا تو آپ نے لاہور کا ٹکٹ لیا اور مجھ سے فرمایا کہ سفر طویل ہے شام تک کسی سے ذکر نہ کرنا۔ گاڑی چلی تو میں بے اختیار رو دیا۔ گھر میں کسی کو خبر نہ تھی اور نہ کسی درویش یا طالب علم کو یہی پتہ چلا کہ آپ سفر پر جا رہے ہیں۔ چند روز کے بعد آپ کا خط موصول ہوا

کہ بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ کا قصد ہے۔ لاہور پہنچ کر اپنے دیرینہ عقیدت مند اور پیر بھائی حافظ محمد دین سے فرمایا کہ حج کا ارادہ ہے۔ انہوں نے اسی روز اپنی اہلیہ کے زیورات رہن رکھے اور ہر کابی کا شرف حاصل کیا۔ بمبئی سے جہاز پر سوار ہوئے جو کراچی اور کامران ہوتا ہوا جسدہ پہنچا۔ بمبئی میں ایک پراسرار شخصیت سے چند روز ملاقات رہی۔ وہ آپ کی روانگی اور جہاز میں سوار ہونے کے وقت بمبئی میں ہی رہ گئے تھے مگر جب جہاز کراچی پہنچا تو پہلے ہی بندرگاہ پر موجود تھے۔ حافظ محمد دین نے ازراہ تعجب اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اس قسم کے سوالات پوچھنے سے منع فرمادیا۔

دُرُودِ مُسْتَعَاثِ پَرِ گُفْتِ گُو

جہاز میں ایک صاحب دُرُودِ مُسْتَعَاثِ پڑھ رہے تھے جس میں ایک فقرہ الْمُسْتَعَاثِ اِلَى حَضْرَتِ اللّٰهِ تَعَالَى الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَار بَارَا آتا ہے۔ یہ دُرُودِ شَرِيفِ اَكْثَرِ بَزْرِكَانَ دِيْنِ اَوْ رِخْصُوْصًا حَضْرَتِ قَبْلَةِ عَالَمِ قَدَسِ سِرَّةِ اَوْرَانِ كَيْ تَوْتَبَلِيْنَ كَيْ مَعْمُوْلَاتِ سِيَّ سِيَّ۔ اِيَّ فَرَمَا كَرْتِي تِي تِي كِي اِيَّ كَابِرْ كَرْنَا مَنَدَنَ كَرْنَا چاہیے۔ كِيونكِي اِيَّ مِي عَجِيْبِ وَ غَرِيْبِ تَاثِيْرَاتِ هِيْنَ۔ اِكْرَجِي اِيَّ كِي مَوْلِي كِي مَعْمُوْلَاتِ اِيَّ نَوَاحِ مِي طَبْعِ شَدِيْدِي نَسُوْلِ مِي كُوْنِي ذِكْرِ نِيْسِ هِيْ لِيكِنِ حَضْرَتِ شَيْخِ الْجَامِعَةِ نِي اِيْنِي مَسُوْدَاتِ مِي لِكْهَاتِي هِي كِي ۱۳۵۵ھ مِي مَجْهِي رَجَبِ هِنْدِي كِي دَكَانِ وَاقِعِ مَدِيْنَةِ عَالِيِيهِ پَرِ اِيَّ كَا اِيَّ نَسْخَةُ مَطْبُوْعَةِ قَسْطَنْطِيْنِيِيهِ دِيكْهِيْنِي كَا اِتْفَاقِ هُوَ اَوْرَانِ مِي تَرْتِيْبِ دِهْنَدِي كَا نَامِ سَيِّدِ اَحْمَدِ كَبِيْرِ رَفَاعِي تَحْرِيْرِي تَحَا جُو مَشَاهِيْرِي عِرَاقِ مِي سِي سُوْنِي مِي اَوْرِ حَضْرَتِ غُوْثِ الْاَعْظَمِ كِي مَعْمُوْلَاتِ اَوْرَانِ سِي مَسْتَفِيْضِ تِي۔ اِيَّ كِي مَطْفُوْعَاتِ كَا مَجْمُوْعَةُ الْبُرْهَانَ الْمُوْنِيْدِي كِي نَامِ سِي مَوْسُوْمِ هِي كِي اَوْرِ دُرُودِ تَرْجَمِي مَوْلِي اَشْرَفِ عَلِي صَاحِبِ تَهَانُوِي كِي مَوْلِي اَشْرَفِ عَلِي صَاحِبِ تَهَانُوِي نِي سِي كِي لِي كِي اَوْرِ مَوْلِي اَشْرَفِ عَلِي صَاحِبِ تَهَانُوِي نِي سِي كِي تَقْرِيْبِ تَحْرِيْرِي كِي هِي۔ اِكْرِ دُرُودِ مُسْتَعَاثِ شَرِيفِ حَضْرَتِ اَحْمَدِ رَفَاعِي كِي تَرْتِيْبِ هِي تُو نَدَائِي غَا بَا نَزْدِي كِي جَوَازِ پَرِ اِيَّ كِي اَوْرِ بِيْتِ بُرْسِي بَزْرِكِ كَامَلِ مِي دِيْلِ بِنِ جَاتَا هِي كِي دِلَايْتِ پَرِ تَامِ اِهْلِ اِسْلَامِ كَا اِتْفَاقِ هِي۔ بِيْرِ حَالِ جِهَازِ مِي اِيَّ كِي مَكْرَانِي عَالَمِ نِي نَدَائِي غَا بَا نَزْدِي پَرِ اِعْتِرَاضِ كِيَا۔ نِظَامِ الْمَشَايِخِ دَبْلِي كِي مَطَابِقِ جِنِ وَ نِظِيْفِي خَوَانِ حَضْرَتِ پَرِ اِعْتِرَاضِ كِيَا كِيَا تَحَا۔ وَهُ خَوَاجِهُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ مَجْهَوْرِي (بِهَرَارِي) تِي۔ اِنْهَوْنِ نِي حَضْرَتِ قَبْلَةِ عَالَمِ قَدَسِ سِرَّةِ كِي خِدْمَتِ مِي حَاضِرِ هُو كَرِ دِيَا فِت كِيَا تُو اِيَّ نِي فَرَمَا كِي جَائِزِ هِي كِي جَبِ مَكْرَانِي مَوْلِي صَاحِبِ كُو مَعْلُوْمِ هُوَ اَوْرَانِ نِي اِيَّ سِي اِيَّ كِي جَوَازِ مِي ثَبُوْتِ مَانْگَا اِيَّ نِي فَرَمَا يَاحَدِيْثِ بُخَارِي۔ وَهُ كَهْنِي لِكِي حَاجِي رَحْمَتِ اللّٰهِ مَهَاجِرِ كِي مِيْسِ بَرِسِ سِي بُخَارِي شَرِيفِ كَا دَرَسِ دِي سِي مِي اَوْرِ اِيْسِي نَدَائِي غَا بَا نَزْدِي كُو نَا جَائِزِ قَرَارِ دِيْتِي مِي اِيَّ نِي فَرَمَا كِي حَاجِي صَاحِبِ مِي هِمَارِي طَرَحِ هِي اِيَّ كِي اِنْسَانِ هِي مَوْلِي صَاحِبِ نِي كَمَا كِيَا اُنْ كِي سَامِنِي اِيَّ يِي فِقْرِي كِي دِيں كِي۔ فَرَمَا يَا هَاں كِهِي دُوں كَا۔

اُن دِنُوں حَاجِي رَحْمَتِ اللّٰهِ مَهَاجِرِ كِي مَدْرَسِي صَوْلَتِيِي كِي صَدَارَتِ پَرِ مَكْلَمِنِ تِي اَوْرِ يِي اِيَّ كِي عُمُرِ شَرِيفِ كَا اَخْرِي سَالِ تَحَا كِيونكِي اِيَّ سِي هِي عِيْنِي ۱۳۰۸ھ مِي اِيَّ كَا وَصَالِ هُو كِيَا۔ جِهَازِ مِي حَضْرَتِ كِي دُرُودِ مُسْتَعَاثِ شَرِيفِ پَرِ كُفْتِ گُو كَرْنِي وَ اَلِي مَوْلِي صَاحِبِ مَدْرَسِي صَوْلَتِيِي كِي طَالِبِ عِلْمِ تِي اَوْرِ وَطَنِ سِي تَعْطِيْلَاتِ كَرَارِنِي كِي بَعْدِ وَاپَسِ جَارِ هِي تِي۔ اِنْهَوْنِ نِي مَكْتَبِ شَرِيفِ پِهَنچِ كَرِ جَابِ حَاجِي صَاحِبِ سِي اِيَّ كِي كُفْتِ گُو كَا ذِكْرِ كِيَا تُو اِنْهَوْنِ نِي كَمَا كِي اِيَّ كِي بَاتِ هِي۔ وَهُ صَاحِبِ مِيں تُو اِنْهَوْنِ لِي آيِي كَا۔ اُنْ كِي دَلَالِ مِيں كِي مَكْرِ حَاجِي صَاحِبِ كِي نَابِ مَدْرَسِ جَابِ مَوْلِي نَا مَحْمَدِ غَازِي جُو شَسِ مِيں آگِي۔ اَوْرَانِ نِي

حضرت کے علم کا امتحان لینے اور آپ کو لاجواب کرنے کے خیال سے کئی کتابوں سے مشکل اور ادق علمی سوالات جمع کرنے شروع کر دیئے۔

استاذ العلماء مولانا محمد غازی کی حضرت سے پہلی ملاقات

مولانا محمد غازی موچی کڑی علاقہ انک کے نیک پیمان تھے۔ مولانا احمد حسن کانپوری نے قسیم حاصل کی اور مکہ شریف میں حاجی رحمت اللہ صاحب سے علم حدیث کی تکمیل کر کے وہیں مدرسہ صولتیہ میں مدرس ہو گئے۔ آپ تمام علوم متداولہ میں تبحر رکھتے تھے۔ خصوصاً علم تجوید و قرأت میں مہارت تامہ تھی۔ جب حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے ملاقات ہوئی تو محبت و شوق میں اس قدر از خود رفتہ ہو گئے کہ مدرسہ صولتیہ کی تدریس سے استعفی ہو کر گولڑہ شریف آگئے اور باقی عمر اسی جگہ درس و تدریس اور فتاویٰ نویسی میں گزار دی۔ حضرت اجی صاحب کے پہلو میں دفن ہیں۔ رد و ہایت میں مجالہ آپ کی تحریری یادگار ہے۔

حضرت بابو جی مدظلہ کے بڑے صاحبزادے شاہ غلام معین الدین المعروف جناب اللہ جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ جناب استاذ محمد غازی فرماتے تھے کہ ابتداءً جب مکہ معظمہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی تشریف آوری اور علمی شہرت کا پھر چاہا۔ ایک پنجابی سید بڑا عالم و فاضل اس سال حج کے لیے آیا ہے۔ اور اس مکرانی طالب علم سے درود مستغاث پر جہاز میں گفتگو کا حال بھی معلوم ہوا۔ تو انہیں دیکھنے کا بید اشتیاق پیدا ہوا۔ ساتھ ہی ایک دوسرے بنگالی مولوی سے مل کر میں نے کچھ مشکل علمی سوالات جمع کیے کہ آپ سے پوچھیں گے۔ اور کافی تلاش کے بعد خواجہ عبدالرحمن چھوڑوی (ہزاروی) کی وساطت سے ہم نے آپ کو بیت اللہ شریف کے سامنے مراقب پایا۔ جب قریب گئے تو آپ نے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا لیکن آپ پر کچھ ایسی حالت طاری تھی کہ جو نہی ہماری نظر پڑی، رقت طاری ہو گئی اور بحث مباحثہ کا خیال دل سے جاتا رہا۔ میں شرم کے مارے اپنے ہمراہی بنگالی مولوی سے آنسو پھپھاتا تھا کہ کیا کہے گا۔ کس شیخی سے آیا تھا اور کیسے رو رہا ہے۔ مگر جب میں نے بالآخر اس کی طرف دیکھا تو وہ بھی رو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت نے ہم سے حال دریافت فرمایا مگر مجھ سے بات نہ ہو سکتی تھی۔ آخر کار میں نے آپ سے مدرسہ صولتیہ میں اپنی جائے رہائش پر قیام کے لیے عرض کی۔ آپ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی صاحب میرے لیے ہی جگہ اچھی ہے لیکن میرے بہت اصرار پر فرمایا اچھا وہیں ٹھہراؤں گا۔ وہاں قصائے حاجت وغیرہ کے لیے سہولت ہوگی۔ یہاں پر پاس ادب بہت دور جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ساتھ مدرسہ میں تشریف لے آئے۔

مولانا محمد غازی فرماتے تھے کہ ان دنوں حضرت پر کچھ ایسی کیفیت طاری رہتی تھی کہ آپ پر نظر پڑتے ہی رقت طاری ہو جاتی۔ عموماً حرم شریف میں بیت اللہ کے بالمقابل یاد خدا میں مستغرق رہتے۔ بہت کم گفتگو فرماتے اور جب کچھ کہتے تو اس میں بلا کی جاذبیت اور کشش ہوتی۔ جب آپ واپس ہونے لگے تو فرمایا۔ مولوی صاحب آپ کی والدہ صاحبہ کا تعاضد ہے۔ کہ آپ واپس وطن تشریف لے چلیں۔ میں نے عرض کی کہ فن قرأت میں کچھ اسباق ایک مغربی قاری صاحب سے لینے ابھی باقی ہیں۔ سند لے کر انشاء اللہ حاضر ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا، مولوی صاحب کیا ہوا۔ ابراہام نہ پڑھا ابراہیم پڑھ لیا۔ بس اتنا ہی فرمانا تھا کہ میرے دل کی کیفیت بدل گئی اور میں فوراً تیار ہو گیا۔ مغربی استاد محترم نے میرے ارادے کو دیکھ کر فرمایا اچھا میں پڑھتا جاتا ہوں۔ آپ سُننے جائیں تاکہ اس طرح فن قرأت کی تکمیل ہو جائے۔ لہذا اس طور سے تکمیل کی۔

مولینا حاجی رحمت اللہ سے ملاقات

مدرسہ صولتیہ میں قیام کے دوران ایک روز مولینا رحمت اللہ صاحب نے آپ سے ملاقات پر پوچھا کہ جہاز میں مسئلہ ندائے غائبانہ پر آپ کی کسی شخص سے گفتگو ہوئی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہوئی تھی اور جو الفاظ آپ نے کہے تھے بطور معذرت کہا کہ آپ کے متعلق میں نے یہ الفاظ بھی کہے تھے مولینا نے دریافت کیا کہ اس سلسلہ میں آپ کا مسلک کیا ہے۔ فرمایا میں جازر سمجھتا ہوں۔ مولینا نے دلیل طلب کرتے ہوئے کہا کہ "یا رسول اللہ" کی ندا حاضر و ناظر ہونے کی متقاضی ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر نہیں ہیں اور نہ ہر ایک کے ناظر ہیں۔ حضرت نے جواب دیا کہ بخاری شریف میں متفق علیہ حدیث ہے کہ نکیرین مردہ سے چند سوالات کرتے ہیں جن میں ایک سوال یہ ہوتا ہے۔ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ رَمَّمِ اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کیا اعتقاد رکھتے تھے، ہذا موضوع ہے محسوس مبصر قریب کے لیے اور الرجل موضوع ہے مذکر مفرد کے لیے جو بنی آدم سے ہو۔ لہذا وہاں قبریں محسوس مبصر قریب مرد کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کیونکہ جب تک کسی لفظ کے وضعی معنی ہو سکیں، غیر وضعی معانی لینا خلاف اصل ہے۔ اور جب ایک ہی وقت میں کثیر التعداد مخلوق مرتی ہے اور حسب مضمون حدیث مذکور، ہر جگہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک وقت موجود ہونا ثابت ہوا تو کیا بعید ہے کہ روئے زمین پر ہر جگہ آپ حاضر ہوں۔

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ حاجی رحمت اللہ صاحب گرویدہ ہو گئے اور فرمایا کہ یہ تو علم لدنی ہے۔ ہم سالہا سال سے بخاری شریف کی یہ حدیث درس میں پڑھا رہے ہیں لیکن ان معانی کی طرف کبھی ذہن ہی نہیں گیا جو آپ نے استنباط کیے ہیں۔ حضرت حاجی رحمت اللہ چونکہ ایک محقق اور منصف مزاج عالم تھے اس لیے شرعی دلیل سے ندائے غائبانہ کی معقول وجہ سمجھیں آجانے پر فوراً اپنے سابقہ مسلک کو تبدیل فرمایا۔ اس مسئلہ حاضر و ناظر کے متعلق باب مکتوبات و موقوفات میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا ایک مفصل مکتوب بھی قابل دید ہے۔ آپ کی کتاب اعلیٰ کلمۃ اللہ کے آخر میں بھی ندائے غائبانہ اور علم غیب وغیرہ مسائل پر مکمل تحقیق موجود ہے۔

دجال کے طوافِ کعبہ کی توجیہ

اس گفتگو کے بعد حضرت مولینا حاجی رحمت اللہ نے ایک اور حدیث کی تاویل دریافت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کو طواف کرتے دیکھا جو دونوں دود و آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر طواف کر رہے تھے لیکن ایک دوسری حدیث شریف میں ہے کہ دجال کعبہ شریف میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ علماء نے اس کی مختلف تاویلیں کی ہیں لیکن کسی تاویل سے تسلی نہیں ہوتی۔ آپ کے نزدیک ان دونوں احادیث میں مطابقت کی کیا صورت ہے؟ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فرمایا کہ پہلی حدیث میں لفظ "یطوف" آیا ہے، کعبہ شریف کا ذکر نہیں ہے۔ ہر شخص حضرت باری تعالیٰ عز اسمہ کے کسی کسی اسم صفاتی کا منظر ہوتا ہے اور دوسرا اسم اس اسم کے معاون اور ماتحت ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسم بادی کے منظر ہیں اور اس اسم کے دو معاون اسماء کی معاونت سے اس اسم کا طواف کر رہے ہیں۔ اور دجال اسم مُضَل کا منظر ہے اور اس اسم کے ماتحت اسماء کی مدد سے اس اسم کا طواف کر رہا ہے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ

کی اس تاویل کا ماخذ فتوحاتِ مکہ تھا اور مولینا کو یہ وضاحت بہت پسند آئی۔

یہی سوال ۱۳۳۴ھ میں مولوی حبیب اللہ صاحب امرتسری نے اپنے ایک عریضہ میں حضرت سے دریافت کیا تھا۔ اُن کا خط اور آپ کا جواب مہرِ پشتیہ کے صفحات ۳۲۸ تا ۳۴۹ پر درج ہیں۔ اُس جگہ سوال ہی تحریر ہے کہ بروئے حادثہ صحیحہ دجال کا مکہ معظمہ میں داخلہ حرام ہے۔ پھر وہ کعبۃ اللہ کا طواف کیسے کر سکتا ہے۔ حضرت کے جواب کا اختصار یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسح اور دجال دونوں کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خیال منفصل اور عالم رویا میں عالم شہادت کے محالات، ممکنات نظر آتے ہیں۔ اور اسی طرح مجردات مجسم ہو کر نظر آتے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کا بروزِ حشر ایک صورت میں جلوہ گر ہونے پر مومنین کا انکار کرنا اور دوسری صورت میں متجلی ہونے پر اقرار، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بصورتِ لبس یعنی دودھ مشابہ فرمانا اسی قسم سے ہیں۔ ہر شخص اپنے خیالات اور اعمادات و اعمال میں اپنے مرکز استعداد ذاتی کے ارد گرد گھومتا رہتا ہے یعنی اُن اسمائے الہیہ کے دائرہ سے باہر نہیں جاسکتا کہ جن اسماء کے لیے اُس کا عین ثابت، فیضِ قدس میں بغیر تخیلِ جبلِ مظهر قرار دیا گیا ہے۔ صدیق کا عین ثابت ہادی اور ابو جہل کا عین ثابت مُضِل کے احاطہ سے باہر نہیں جاسکتا۔ اسی طرح عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا عین ثابت اور دجال کا بھی۔

حدیث کا مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہہ فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم اور دجال دونوں اپنے اپنے بیت اللہ اسمانی کا طواف کر رہے ہیں۔ ایک یَہْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ کے اظہار میں اور دوسرا یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ کے اسباب میں سرگرم کمر بستہ ہے۔ ہادی اور مُضِلُّ کا موصوف چونکہ ذاتِ واحدہ ہے۔ لہذا عالمِ رویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی بیت اللہ مشہود ہوا۔

دوسری حدیث جس میں دجال کی عدم رسائی بیت اللہ کا ذکر ہے وہ بھی صحیح ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ حسبِ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دجال کو عالم شہادت میں بیت اللہ تک رسائی نہ ہوگی۔

مولینا رحمت اللہ کے حضرت کے متعلق تاثرات

مولینا رحمت اللہ نے حضرت سے بیعت کی استمداع بھی کی تھی۔ مگر حضرت نے مولینا کی عمر اور علم و فضل کا لحاظ فرماتے ہوئے بیعت لینے سے تو عذر فرمایا البتہ وظائف اور اوارادِ تلقین فرمادئے۔ مولینا کے شاگرد قاری عبداللہ آبادی کے ایک خط میں تحریر ہے کہ مولینا کے وصال کے وقت میں موجود تھا۔ وہ اپنی بیماری کے دوران فرماتے تھے کہ گولڑہ جانے کو جی چاہتا ہے اور وصال سے تھوڑی دیر قبل فرمایا کہ میری آنکھوں کے سامنے پیر صاحب کا وہ سبز رومال پھر رہا ہے۔ مستری حبیب اللہ لاہوری اور حضرت کے شاگرد قاضی فیض عالم بھی اُس وقت مولینا رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں موجود تھے۔ اور ان باتوں کی تصدیق کرتے تھے۔ مولینا کے قدرے مفصل حالات اسی کتاب کے باب معاصرین میں درج ہیں۔

قاری عبداللہ مکی کی حضرت سے ارادت

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کے کئی خاندان ترک وطن کر کے ہندوستان سے چلے گئے تھے۔ جناب بابو جی مظفر کے پوتے حضرت شاہ غلام انیسیر الدین کے اُستاد قاری محبوب علی لکھنوی حالِ خطیب جامع مسجد آستانہ عالمیہ

گوڑہ شریف بیان کرتے ہیں کہ اُن کے اُستاد جناب قاری عبد الرحمن الہ آبادی اپنے خاندان کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے والد ہجرت کر کے جب ہندوستان سے مکہ شریف گئے تو اُن کے چار فرزند اور کنبہ کے بہت سے دیگر افراد بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ ترکوں کی حکومت تھی۔ چھ ماہ تک معاشی تنگی کے باعث، حکومتِ ترکیہ کے نگر سے جو انہوں نے حرم شریف کے قریب قائم کر رکھا تھا، ایک وقت کا کھانا حاصل کرتے رہے۔ دوسرے وقت آب زمزم کے فقط ایک ایک پیالہ پر گذرتے تھے۔ اسی اثنا میں مولانا رحمت اللہ نے بنگال کی ایک محنت رہ خاتون، صولت النساء کی مدد سے مدرسہ صولتیہ کی بنیاد رکھی۔ جس کا مقصد ہندی طلباء کو تجوید اور قرأت کی تعلیم دینا تھا کیونکہ ہندوستان میں اُس وقت ان فنونِ عالیہ کی کمی تھی۔ اس ضمن میں مصر کے قاری شیخ ابراہیم سعد بن علی کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ اس مدرسہ میں سے سب سے پہلے قاری عبد الرحمن کے بڑے بھائی قاری عبد اللہ قرأت اور تجوید میں فارغ التحصیل ہوئے جو بعد میں ان سنون کے اُستاد اکل مانے گئے اور ہندوستان و دیگر ممالک کے بے شمار قراران سے مستفیض ہوئے۔ مولوی شرف علی صاحب تھانوی قرآن مجید کی سند میں ان کے متعلق اُستاد اکل، اسناد الجمل کے الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔ ۱۳۰ھ میں جب حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرہ حجاز مقدس گئے اور مولانا رحمت اللہ سے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے گفتگو کے بعد مولانا نے حضرت سے بیعت کی خواہش کا اظہار کیا تو اُس وقت مولانا کی حیثیت مکہ شریف کے ممتاز علماء میں سے تھی۔ آپ ممالکِ اسلامیہ کے تمام مشہور بزرگانِ دین کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ گو ابھی تک کہیں بیعت نہ کی تھی۔ مولانا فرماتے تھے کہ بعض حضرات علم ظاہر رکھتے ہیں مگر علم باطن سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔ اور بعض علم باطن رکھتے ہیں اور علم ظاہر میں نامکمل ہوتے ہیں۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ذات میں انہوں نے دونوں کمالات مشاہدہ فرما کر اس قدر عقیدت اور نیاز کا اظہار کیا کہ تمام علمائے حرمین شریفین پر بالعموم اور مدرسہ صولتیہ کے اساتذہ اور اربابِ علوم پر بالخصوص اس کا بے حد اثر ہوا۔ اُن ایام میں قاری عبد اللہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ ابوسعید دہلوی خلیفہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں نقشبندی مجددی ایک کرسی پر تشریف فرما ہیں اور دوسری کرسی پر حضرت قبلہ عالم گولڑوی رونق افروز ہیں۔ قاری صاحب کو حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی طرف ایک باطنی کشش محسوس ہوئی اور آپ نے قاری صاحب کو گلے سے لگا لیا۔ اس خواب کے بعد قاری عبد اللہ نے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے بیعت کر لی۔ اور اپنے فرزند قاری احمد کو بھی بیعت کرایا۔ قاری عبد اللہ اور اُن کے فرزند قاری احمد کی حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ذاتِ گرامی سے عقیدت و نیاز کا اظہار و اندازہ ان دونوں حضرات کے منقولہ ذیل خطوط سے ہوتا ہے جو انہوں نے مکہ معظمہ سے آپ کی خدمت میں تحریر کئے تھے۔

قاری عبد اللہ کا مکتوب

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من مكة المكرمة

من لا نبى بعده من المدرسة الصولتية

ان ابھی مایہدی من هذه المشاعر الحرمية وازھی مایئدی من هذه المآثر المکیة سلام معبق بارج نسا عم البيت الحرام و محفون ببركات زمزم والمقام نخص به قطب الاقطاب وغوث الانجاب اُستاد الطريقة الچشتیه الجامع بین العلوم الحقیقیة والشرعیة

مشرق شمس الارشاد مطلع بد ورا لمداد صفوة مناہل الورد شيخ المشائخ والعباد شيخنا
 وقد وتنا و ملا ذنا و عمد تنا مرشدنا و مقتدانا و امانا و مولانا متعنا الله بطول حياته و افاض
 علينا من بركاته و نفعنا بصالح دعواته و عمناب عظيم توجهاته آمين
 غبّ تقبيل الايادي الكرام و اهداء عاطر التحية و الاكرام و بث لونا عجم استواقي الى ذلك المقام
 ابدى اولاً كثير البحث و السؤال - عن جنابكم الذي في الخير لا زال - نرجو الله الكريم ذا النوال
 ان تكونوا جميعاً في نعمة الكمال و ان تفضلتم عن المحب المخلص بالسؤال فهو و من يلوذ به
 ببركة دعائكم في الطيب بال - و الحمد لله على كل حال و ثانياً لا يخفاكم انه في اثناء هذه السنة
 عقد امير مكة مجلساً خاصاً مركباً من المفاتيح الاربعة و اعيان علماء المسجد الحرام لاجل امتحان
 من رام ان ينتظم في سلك المدرسين بالمسجد الحرام فيمتحن في ستة فنون و من اراد وظيفة
 محلولة من الوظائف الخمسة عشر فيمتحن في اثني عشر فناً فتقدم محاسيبكم انجالي احمد و حامد
 فادى احمد امتحان الوظيفة ففاز في الامتحان ببركة ادعية المشائخ و حسن توجهاتكم فجاز احمد
 للمرة الاولى و نال الوظيفة و نال شهادة تامة مهوراً بمهر الامير و رئيس العلماء و المفاتيح و اعيان
 علماء المسجد و اجازة بالوعظ و التدريس من المشيخة العالية مهوراً بمهر القاضي و الرئيس و الفنون
 التي ادى احمد الامتحان فيها النحو و الصرف و المنطق و المعاني و البيان و البديع و الفقه و الحديث
 و اصولهما و الكلام و التفسير في البيضاوي و اما حامد فادى في النحو و الصرف و المعاني و البيان
 و البديع و الكلام و نال ملازمة التدريس هذا و المامول من جنابكم ان تمنوا على محسوبكم
 احمد بما استمنعه من جنابكم الكريم من البيعة و الاجازة العامة المطلقة الشاملة للايراد و الاذكار
 و غير ذلك لتجتمع له نسبته المحسوبية و المرادية و التلميذية و نرجو الدعوات الصالحات لي و انجالي
 و المسلمين و المسلمات في سائر الاوقات في الخلوات و الجلوات هذا و جزيل سلامي على من يلوذ بكم
 من الاخوان و المحبين -
 داعيكم المخلص عبد الله قارى
 حرر في ۱۱ ذال حجة سنة ۱۳۳۳هـ

ترجمہ مکتوب گرامی ذیل ہے -

مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ

۱۱ ذی الحج ۱۳۳۳ھ

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده

مشاعر حرم کاپر بہار بدیہ اور ماثر کئیہ کاپر رونق شہد، کعبۃ اللہ کی پاکیزہ خوشبو سے معطر اور زمزم و ممتا ابراہیم کی برکات
 سے متبرک سلام مخصوص بخدمت قطب الاقطاب و غوث الانجاب اُستادِ طریقتِ حشمتیہ اور جامع علوم حقیقیہ و شرعیہ
 اقطاب ایشاد کا مشرق اور ماہتاب امداد کا مطلع، واردین کے لیے چشمہ صافی، شیخ المشائخ و العباد، ہمارے شیخ و
 پیشوا، جائے پناہ، قدوہ و مرشد و امام و مولیٰ، اللہ تعالیٰ آپ کی عمر و راز سے ہمیں متمتع فرمائے اور آپ کی برکات کا ہم پر فیضان
 فرمائے، آپ کی عمدہ دعاؤں سے ہمیں نفع بخشے اور آپ کی توجہات عالیہ ہمارے لیے عام فرمائے۔ آمین دست بوسی

اور ہدیہ سلام و احترام پیش کرتے ہوئے اور اس مقدس مہتمم کے لیے دلی و فوراً اشتیاق کے اظہار کے بعد سب سے پہلے آنجناب کی خیریت کا طالب و سائل ہوں۔ خداوند کریم سے امید ہے کہ آپ سب حضرات نعمت کمال سے سرفراز ہوں گے اور اس محبتِ مخلص کی خیریت کے بارے میں اگر آپ سوال فرمائیں تو جواباً بالذات یہ ہے کہ یہ مخلص اور اس کے تمام متعلقین خیریت سے ہیں اور عمدہ حال میں ہیں۔ اور ہر حال میں اللہ کے لیے حمد ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آنجناب پر مخفی نہ رہے کہ اس سال کے دوران امیر مکہ نے ایک مجلس خاص منعقد کی تھی جس میں مذاہب اربعہ کے مفتی اور مسجد حرام کے اکابر علماء شریک تھے تاکہ مسجد حرام میں مدرس بننے کے امیدوار افراد سے چھ فنون کا امتحان لیا جائے اور مقررہ پندرہ وظائف کے امیدواروں سے بارہ فنون کا امتحان لیا جائے۔ آپ کے خادم عزیزین احمد و حامد نے اس میں حصہ لیا۔ احمد نے وظیفہ کا امتحان دیا اور مشائخ کی دعاؤں و آپ کی توجہ سے اول نمبر پر امتحان پاس کیا اور اُسے سند ملی جس پر امیر مکہ، مذاہب اربعہ کے مفتی اور اکابر علماء کی ٹہریں لگی ہوئی ہیں۔ اُسے وعظ و تدریس کی اجازت بھی ملی ہے۔ جس پر امیر مکہ اور رئیس العلماء کی ٹہریں لگی ہوئی ہیں۔ احمد نے حسب ذیل فنون کا امتحان دیا۔ (۱) صرف (۲) نحو (۳) معانی (۴) بیان (۵) بدیع (۶) فقہ و اصول فقہ (۷) حدیث و اصول حدیث (۸) تفسیر (بضیاء و غیرہ)۔ حامد نے صرف نحو، معانی، بیان، بدیع اور علم کلام کا امتحان دیا۔ اور ملازمت تدریس حاصل کی۔ آنجناب سے دلی آرزو ہے کہ اپنے منسوب احمد پر احسان کریں۔ اور جو کچھ اُس نے طلب کیا ہے از قسم بیعت و اجازت عامہ برائے اذکار و اوراد وغیرہ اُسے عطا کریں تاکہ اُسے نسبت محسوبیت و مریدیت و تلمذ حاصل ہو جائے۔ میرے لیے، میری اولاد کے لیے، تمام مسلمان مردوں، عورتوں کے لیے تمام اوقات میں دُعا ئے خیر فرمائیں۔ آپ کے متعلقین و محبتین کے لیے میرے دلی سلام۔ آپ کا مخلص دُعا گو عبد اللہ قاری

قاری احمد کا مکتوب

۷۸۶
۹۲

الحمد لله عزّ شأنه

علو الاسرار الربانية اشارة الد قائق الرحمانية الجامع بين علمي الباطن والظاهر وارث
الجد كابر اعن كابر مرشد السالكين الى اقوم طريقي ومربي المریدين بد قائق اسرار التوفيق
مركز دائرة الارشاد مطلع بدور الامداد صفوة مناهل الورد شيخ المشائخ والعباد معدن
السلوك والحقيقة حضرت اُستاذ الطريقة عمر الله الوقت بحياته وافاض علينا سجال هباته
وعمنا ببركاته امين۔

غيب تقبيل الايادي الكرام ولثم مواطئ الارجل والاقدام واداء واجب التحية والسلام
مع كمال التبجيل والاحترام فان شوقى الى ذلك المقام لا تكا وتحصيه الا قلام فهو كشوق الظمان
للشراب والارض المحملة للسحاب وهذا التشبيه وتمثيل وتقريب وتخيل والافتوقى اليه
يفوت التوصيف ويتجاوز التعريف وهذا قول مسلم الثبوت لا يحتاج الى تنقيح ولا تحرير نعوت
هذا والمعروض الى حضرتكم العلية ان تمنوا على المحسوب البيعة والاجازة العامة في العلوم

العقلية والنقلية اجازة مطلقة شاملة للاذكار والاحزاب وتحسنوا الى بيان بعض الورد التي تحسنونها التتم الى النسب الثلاث اذ ليس يخفاكم انتسابي الى حضرتكم العلية واضافتي اليكم بالحسوبة فان رأي المولى ان تكون هذه الاضافة معنوية ليست في تقدير الانفصال وضم اليها نسبتى المريضية والتلميذية لتكون نسبة تامة مقررة للحال كما حققت امانا لئلا كمال التحقيق فهو بذالك اجدر وحقيق وان رأي المولى الاعراض عن هذا المقال وقال لكل علم رجال تادب القلم وكف لسانه وقال رحم الله امرء عرف قدره ومكانه والمرجوان لا تخرجونا من خاطركم الشريف عند الدعوات الصالحات في الخلوات والجلوات وفي سائر الاوقات فانا فقراء الى ذلك والله اعلم بما هنالك هذا وفي الختام جزيل السلام على من هو اهل المقام لا سيما سيادى انجالكم الكرام لا زالوا ملحوظين بعين الملك العلام ودمتم فوق ما رمتهم آمين -

محسوبكم ودا عيكم

حرره في ۱۱ ذى الحجة المبارك ۱۳۳۳هـ

احمد بن عبد الله القارى

ترجمہ :-

الحمد لله عزّ شأنه

بخدمت عالم اسرار ربّانی وواقف اشارات ووقائق رحمانی، علم ظاہر وباطن کے جامع اور نسلاً بعد نسل شرف و بزرگی کے وارث، سالکین کو سبیل اقوم کی طرف رہنمائی کرنے والے، مریدین کی توفیق کے دقیق اسرار کے ساتھ تربیت فرمانے والے، دائرہ ارشاد کے مرکز اور بدویر امداد کے مطلع منور، وارد ہونے والوں کے لیے چشمہ صافی، شیخ المشائخ، معدن سلوک و حقیقت، حضرت اُستادِ طریقت، اللہ تعالیٰ زمان کو آپ کی حیاتِ طیبہ سے آباد رکھے۔ اور آپ کے خم ہائے بخشش سے ہم پر افاضہ فرمائے اور آپ کی برکتیں ہمارے لیے عام فرمادے۔ دست و قدم بوسی اور انتہائی تعظیم و احترام سے بدیہ سلام پیش کرنے کے بعد عرضِ خدمت یہ ہے کہ اس مقامِ مقدس کی طرف و فوری شوق کو قلب بند نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے پیاسے کو پانی کا شوق اور قحط زدہ زمین کو بارانِ کرم کا شوق ہوتا ہے ایسا ہی مجھے شوق ہے بلکہ یہ تو محض ایک تشبیہ و تمثیل اور تمثیلی چیز ہے میرا دلی شوق ہر توصیف سے زائد اور ہر تعریف سے متجاوز ہے۔ یہ ایک مُسلم الثبوت بات ہے جس کے لیے زیادہ تنقیح کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد خدمتِ عالی میں گذارش یہ ہے کہ آپ اپنے اس محسوب و منسوب پر احسان فرماتے ہوئے علومِ عقلیہ و نقلیہ و دیگر اورداد و اذکار کی اجازت عامہ عطا فرمادیں اور بعض ایسے اورداد بھی عطا فرمائیں جو آپ کو پسند ہوں تاکہ مجھے آپ سے تینوں نسبتیں حاصل ہو جائیں۔ آنجناب پر مخفی نہیں کہ بندہ کو آپ سے شرفِ محسوبیت و منسوبیت حاصل ہے پس اگر مولائے نعمت اس اضافتِ معنویہ کو ناقابلِ انقطاع بناتے ہوئے نسبتِ مریدی و نسبتِ شاگردی پر مزید اضافہ بھی فرمادیں تاکہ نسبتِ پختہ اور تامہ حاصل ہو جائے جیسا کہ میری آرزو ہے۔ تو یہ بات آنجناب کے شایانِ شان ہے اور اگر (خدا نخواستہ) آقا و مولا اس گفتگو سے یہ فرماتے ہوئے اعراض کریں کہ ہر علم کے لیے مخصوص مرد ہوتے ہیں تو پھر قلم ادب اختیار کرے گا اور زبان روک لی جائے گی اور یہی سمجھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اُس انسان پر رحم فرمائے جس نے اپنی قدر و منزلت کو پہچان لیا۔ پوری امید ہے کہ خلوت و جلوت اور تمام اوقات میں دعواتِ صالحہ کرتے وقت ہمیں اپنے ذہل سے

فراموش نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ ہم آپ کی دُعاؤں کے سخت محتاج ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اخیر میں تمام حاضرین بہت مہم کو سلام خصوصاً آنجناب کی کریم اولاد پر خدا کرے ہمیشہ خداوندِ علام الغیوب کی نظرِ شفقت ہے اور امید سے زیادہ عمر دراز نصیب ہو۔ آمین۔

۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

آپ کا فسُوب و طالب دُعا:

احمد بن عبداللہ القاری،

قاری احمد کے حق میں حضرت کی سندِ علوم

چنانچہ ان ہی مکتوبات کے پیش نظر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے قاری احمد کے نام مندرجہ ذیل سزا رسال فرمائی۔
الحمد لله القديم الذي لا يزال ولعيززل العليم الذي لا يبجل المحليم الذي لا يعجل الجواد الذي لا يبخل المتعزز بجلال وحدانيته المهترز بجمال رحمانيته المتحورز بكمال فردانيته واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله المرتدي برداء فغار (كنت نبيا وادم بين الماء والطين) المهتدي الى فضاء اسرار (فعلمت علم الاولين والآخرين) سابع لبح (فكان قاب قوسين أو أدنى) سائح فبح (وإن إلى ربك الرجعى وإن إلى ربك المنتهى) صلى الله عليه وعلى آله واصحابه والذين اتبعوهم باحسان وسلم تسليما كثيرا لا تعد ولا تحصى سيما على سيدى شباب اهل الجنة الحسن والحسين وذريتهما خصوصا على سيدنا الشيخ محى الدين ابى محمد عبد القادر الجيلانى و على سيدنا الشيخ معين الدين حسن سنجرى ثورا جميرى۔

اقابعد فقد وصل الى بعض تحريرات مخلصى فى الله مولوى احمد بن محبى لله عبد الله القارى المكى الماتريدى الحنفى المقيم فى مدرسة الصلوتيه فوجدته بفضل الله وكرمه فائقا فى المنقولات بارعا فى المعقولات فاجزته اجازة عامة لتدريس العلوم كلها ما اجازنى بعض مشائخى اجازة عامة وايضا اجزته واوصيه بالمواظبة على التقوى واتباع السنة سيرا وعلانية والمدائمة على الصلوة على النبى صلى الله عليه وسلم بصيغة اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك وسلم مائة مرة وذكر الله تعالى الله الصمد الله الصمد الله الصمد كذا مائة مرة دبر كل صلوة والسلام خير ختام۔

العبد

الملتبجى والمشتكى الى الله المدعوب بهر على شاه عفى عنه

رابع جمادى الاولى ۱۳۳۲ھ

ترجمہ۔ سب تعریف خدائے قدیم کے لیے ہے جو ازل سے ابد تک لازوال ہے۔ ایسا علم والا جو کبھی بے خبر

نہیں رہتا۔ ایسا علم والا جو جلدی نہیں کرتا۔ ایسا بخشش والا جو نخل نہیں کرتا۔ وہ ذات جو جلال و حدانیت کے ساتھ غالب جمال رحمانیت کے ساتھ نازاں اور کمالِ فزائیت کے ساتھ منفرد ہے۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے مقرب بندہ و رسول ہیں جو کُنْتُ نَبِيًّا وَاَدَّ اَدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ (میں نبی تھا حالانکہ حضرت آدم پانی اور مٹی میں تھے) کے فخر کی چادر اوڑھنے والے ہیں اور فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِينَ وَالْاٰخِرِينَ (میں نے اولین و آخرین کے علوم جان لیے) کے اسرار کی فضا میں راہ پانے والے ہیں۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْفَىٰ رِيسٍ دُوْكَانٍ کے معنی دار پر ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ قریب کے سمندر میں غوطہ زن اور اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرَّجْعِي وَ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی (بے شک تیرے رب کی طرف ہی بازگشت ہے اور تیرے رب کی طرف ہی انجام کار ہے) کی شاہراہ کے سیرکنندہ ہیں۔ آپ پر اور آپ کے آل و اصحاب پر اُن گنت اور بے حد صلوة و سلام ہوں، جنہوں نے اخلاص کے ساتھ آپ کی پیروی کی خصوصاً جنت کے نوجوانوں کے ہر دو سردار حضرت حسن و حضرت حسین اور اُن کی اولاد و امجاد علی الخصوص سیدنا شیخ ابی محمد عبدالعزیز اور اجمیلانی اور سیدنا شیخ معین الدین حسن سجری اجمیری پر۔

بعد ازیں مجھے مخلصی فی اللہ مولوی احمد بن محبتی اللہ قاری عبد اللہ کی ماتریدی حنفی مقیم مدرسہ صولتیہ کی بعض تحریریں پہنچیں۔ خدا کے فضل و کرم سے میں نے اُسے علوم منقولات و معقولات میں فائق اور ماہر پایا اور اُسے تمام علوم کی تدریس کے لیے اجازت عامہ دیتا ہوں جیسے مجھے میرے بعض مشائخ نے اجازت عامہ عطا فرمائی اور اُنہیں ظاہر و باطن میں تقویٰ و اتباع سنت کے ساتھ اور درود شریف اللہم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم اور اللہ الصمد سوسو بار ہر نماز کے بعد علی الدوام پڑھنے کی وصیت کرتا ہوں۔ والسلام خیر ختام

قاری عبد الرحمن آلہ آبادی و قاری عبد الرحمن جو پوری کی حضرت ارادت و عقیدت

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی توجہ و برکت سے قاری احمد شریف مکہ کے زمانہ میں تمام حجاز کے قاضی القضاة مقرر ہوئے اور اُن کے بھائی قاری عبد الرحمن طائف میں قاضی ہوئے۔ سعودی حکومت کے دور میں جب کُنْبہ کے باقی افراد واپس ہندوستان آگئے تو قاری احمد وہیں رہے اور جدہ میں قاضی مقرر ہوئے۔ قاری عبد اللہ کے چھوٹے بھائی قاری عبد الرحمن نے بھی مدرسہ صولتیہ میں تعلیم پائی اور وہاں سے واپس ہندوستان آکر کانپور میں کچھ عرصہ قیام فرمایا جہاں مولینا احمد حسن کانپوری کے فرزند ان ودیگر مشہور طلباء نے آپ سے علم تجوید و قرأت حاصل کیا اور بعد میں دیوبند، سہارن پور، لکھنؤ وغیرہ کے مدارس میں تجوید کے مشہور اساتذہ ہوئے۔ گویا ہندوستان کے اکثر قراء اسی خاندان کے خوشہ چین ہیں۔ قاری عبد الرحمن نے علم تجوید پر ایک کتاب فوائد مکتبیہ تحریر فرمائی جو اس فن میں بہت ہی مشہور و مقبول ہے۔ قاری صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں ابتداء میں ایک آزاد منشا انسان تھا۔ اور اگرچہ میرے بڑے بھائی قاری عبد اللہ اور مدرسہ صولتیہ کے بہت سے دیگر مدرسین و طلباء نے مکہ شریف میں حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سترہ کے دست مبارک پر بیعت کر لی تھی مگر میں حلقہ ارادت میں داخل نہ ہوا۔ ابتداء میں مولینا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا جو ہندوستان کے مشاہیر علماء اور عرفا میں سے ہوئے ہیں۔ پھر کچھ عرصہ اس خیال میں بھی مبتلا رہا کہ اگر کہیں سے نسخہ کیسیا

ہاتھ لگ جائے تو ایک مدرسہ اپنے ذاتی خرچ پر قائم کروں۔ اس مقصد سے ایک کیمیاگر کی کافی عرصہ تک خدمت کی اور کامیابی کے کچھ آثار بھی پیدا ہوئے۔ مگر ایک روز خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرہ آخستہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں اور پاس ہی سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں کہ عبد الرحمن سے کہہ دو اگر سونے چاندی کی ضرورت ہے تو یہ موجود ہے۔ مگر میری شفاعت کی اُمید نہ رکھے۔ چنانچہ اس خواب کے بعد وہ تمام شوقِ نفرت سے بدل گیا اور کیمیا کا خیال دل سے دور ہو گیا۔ ساتھ ہی حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے عقیدت میں بھی اضافہ ہو گیا۔ مگر پھر بھی وساوس اور خطراتِ بیعت ہونے سے مانع رہے۔ ایک روز پھر خواب میں دیکھا کہ حضرت اپنے مکان پر ٹہل رہے ہیں اور مجھے مخاطب فرما کر میرے ایک ایک شک اور اعتراض کا ازالہ فرماتے ہیں۔ بیدار ہوا تو دل تمام وساوس سے پاک تھا۔ اس کے بعد جب گولڑہ شریف حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تو ایک صبح حضرت نے طلب فرمایا۔ دیکھا تو آپ اسی طرح ٹہل رہے تھے جیسے خواب میں نظر آئے تھے۔ میرے سامنے ہوتے ہی آپ نے مجھے مخاطب فرما کر وہ تمام شکوک و شبہات رفع فرمادیئے جس کے بعد میں بیعت سے مشرف ہوا۔

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ قاری عبداللہ کی وفات پر جب قاری عبدالرحمن مکہ شریف گئے۔ تو اراکین مدرسہ صولتیہ نے ان کو وہاں سکونت اختیار کرنے پر مجبور کیا مگر خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ہندوستان واپس جاؤ۔ تمہاری وہاں ضرورت ہے۔ بابو جی فرماتے ہیں کہ قاری عبدالرحمن پہلے حضراتِ مشائخ کرام سے اس قدر عقیدت نہ رکھتے تھے مگر بعد میں تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ میں نے بارہا اصرار کیا کہ یہاں گولڑہ شریف میں رہ کر لوگوں کو مستفید فرمائیں لیکن ہر بار یہی جواب دیتے تھے کہ شیخ کے مقام پر رہنا بہت مشکل کام ہے لہذا مجھے معذور تصور فرمائیں۔ قاری محبوب علی فرماتے ہیں کہ ذکر اور یادِ الہی کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سینہ پر ایک پھوڑے کا ڈاکٹر سے اپریشن کراتے وقت بیباختہ ام ذات اللہ منہ سے نکالا جس میں کچھ ایسی شش تھی کہ بعد میں ڈاکٹر نے بارہا آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ قاری صاحب ایک مرتبہ پھر اسی طرح اللہ کا نام لے دیجئے۔ مجھے اس سے ایک خاص کیفیت حاصل ہوئی تھی۔

واضح ہو کہ یہ قاری عبدالرحمن الہ آبادی، جناب قاری عبدالرحمن جوپوری خطیبِ مفتی آستانہ عالیہ گولڑہ شریف کے علاوہ ایک دوسرے صاحب ہیں۔ قاری عبدالرحمن جوپوری بھی مدرسہ صولتیہ میں کچھ عرصہ مقیم رہے تھے۔ اور مولانا رحمت اللہ اور قاری عبداللہ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے ابتداً ہندوستان میں مولانا احمد حسن کانپوری سے تعلیم حاصل کی تھی اور فرماتے تھے کہ ایک دفعہ بیعت کے لیے حضرت شاہ وارث علی کی خدمت میں حاضر ہوا جو ہندوستان کے مشہور بزرگانِ دین سے ہوئے ہیں۔ تو آپ نے بذریعہ کشف معلوم کر کے فرمایا کہ عبدالرحمن تمہارا حصہ ایک دوسرے صاحب کے پاس ہے اور ایک مسواک بھی تبرکاً عطا فرمائی۔ آخر جب حضرت قبلہ عالم قدس سرہ مکہ شریف گئے تو قاری عبدالرحمن جوپوری آپ کے کمالات دیکھ کر کچھ ایسے گردیدہ ہوئے کہ مدرسہ سے استعفیٰ دے کر گولڑہ شریف میں سکونت اختیار کی اور آخر وقت تک یہیں رہے۔ حضرت بابو جی مدظلہ العالی نے آپ ہی سے فرین تجوید کی مشق فرمائی۔ راقم الحروف کے استاد قاری غلام محمد پشاور ہی ان ہی کے شاگرد تھے۔ جو اپنے استاد کی وفات کے بعد آستانہ عالیہ گولڑہ شریف پر خطیبِ مفتی رہے۔ قاری عبدالرحمن جوپوری موصوف کے فتاویٰ ان کی علمی شان کے بین شاہد ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے درس میں حضرت کی تقریر و حاجی صاحب کی طرف سے عطا کیے گئے صابریہ

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ ایک روز مولوی محمد غازی کے ہمراہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر ہوئے۔ حاجی صاحب اس وقت مثنوی مولیٰ سنار روم کا سبق دے رہے تھے۔ اثنائے سبق ایک ایسا شعر آیا جس میں آرزوئے وصل کی شدت کا اظہار تھا جناب لالہ جی صاحبزادہ غلام معین الدین مدظلہ العالی اپنے سفر نامہ مالک عربیہ روم ۱۹۴۹ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک معمر سید بزرگ انہیں بلے تھے جو اس واقعہ کے وقت درس میں حاضر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ شعر یہ تھا

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

ایک شاگرد نے سوال کیا کہ مولینائے روم تو وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ جہاں دُوی کا تصور ہی نہیں۔ پھر یہ وصل کی تنازعہ معنی دارد؟ حضرت حاجی صاحب نے جواب میں کچھ فرمایا مگر دریافت کرنے والے کی تسلی نہ ہوئی اور اُس نے پھر سوال کو دہرایا۔ حضرت قبلہ عالم نے عرض کیا کہ یہ طالب علم اپنے سوال کا مفہوم پوری طرح ادا نہیں کر پارہا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں اس کے سوال کا منشاء عرض کروں۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کیا مضائقہ ہے؟ جب حضرت نے سوال کی وضاحت فرمائی کہ وصل ایک امراضانی ہے جو دُوی کا متقاضی ہے۔ حالانکہ وحدت الوجود اس کے منافی ہے تو حضرت حاجی صاحب کی طبیعت بھرائی اور فرمایا کہ اچھا اب اس کا جواب بھی آپ ہی بیان فرمائیں۔

حضرت نے عرض کیا وصل کے معنی ہستی ہو مگر کو مٹانا ہے۔ غیرت کی نفی نفس الامر میں ہے اور حقیقت میں محبوب حقیقی کے بغیر کوئی غیر موجود نہیں۔ مگر وہم کے غلبہ سے تغافل پیدا ہو گیا ہے اور وہ اُس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک فنا کے کامل حاصل نہیں ہوتی۔ طلب اور عشق کے تمام منازل میں ایک وہی غیرت باقی رہتی ہے۔ اس لیے فراق بھی ہوتا ہے اور وصال کی طلب بھی ہوتی ہے۔

میں بھی تک تھا کہ تیری جلوہ پیرائی نہ تھی جو نمودِ حق سے مٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں
حضرت نے اپنی جوابی تقریر کو خواجہ حافظ، مولینائے روم اور دیگر عرفا کے کلام از قلم
تو مباحث اصل اکمال این است و بس زود روگم شو وصال این است و بس

اور حضرت شیخ اکبر کے برجستہ ارشادات سے مزیں و مضع کر کے کچھ ایسے پر کیف انداز میں ادا فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ وجد میں آگے اور آپ کو بے حد رقت ہوئی۔ کچھ دیر کے بعد جب طبیعت سنبھلی تو مکہ کے اندر تشریف لے گئے اور اپنا سلسلہ چشتیہ صابریہ لاکر حضرت کو عنایت فرمایا اور کہا کہ اگرچہ آپ کو اس کی حاجت نہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ کی وجہ سے شمالی ہند میں میرے سلسلہ کی بھی ترویج ہو۔ حضرت فرماتے تھے میں نے عرض کیا آپ کی عنایت کا شکریہ مجھے طواف کعبہ کی طرف قلبی توجہ نہیں ہوتی۔ اگر ہو سکے تو اس قدر مہربانی فرمائیں کہ خدا کرے یہ ہو جائے۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا میں بھی تقریباً تیس سال سے ایسی ہی کیفیت میں مبتلا ہوں۔ جناب بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ دورانِ درس ایک دفعہ حضرت نے اس کیفیت کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ جس شخص کا مطمح نظر ذات ہو وہ آثار و افعال اور صفات کی طرف

توجہ نہیں ہوتا ہے۔

عشق آل شعلہ است کہ چوں بر فروخت ہر چیز معشوق باقی مجسّم سوخت

حضرت فرماتے تھے کہ جب میں عرب شریف سے واپس آیا تو ایک مدت کے بعد دیوان سید محمد تجاہد نشین پاک پن شریف کے تعانہ پر سلسلہ چشتیہ صابریہ کے وظائف انہیں تلقین کیے۔ اُس وقت حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس عطیہ کی حکمت معلوم ہوئی۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ عرب شریف کے قیام کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ مجھے اسی جگہ رہائش اختیار کر لینے کا خیال پیدا ہو گیا۔ مگر حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ پنجاب میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا جس کا سدباب صرف آپ کی ذات سے متعلق ہے۔ اگر اُس وقت آپ محض اپنے گھر میں خاموش ہی بیٹھے رہے تو بھی علمائے عصر کے عقائد محفوظ رہیں گے اور وہ فتنہ زور نہ پکڑ سکے گا۔ جیسا کہ آپ کی تصانیف و ملفوظات سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ پر بعد میں انکشاف ہوا کہ اس فتنہ سے مراد قادیانیت تھی۔

حضرت حاجی صاحب کی ان عنایات پر ان کے بعض متوسلین کا ردِ عمل

جناب بابو جی کا ارشاد ہے کہ حضرت فرماتے تھے جب میں حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس وقت ہندوستان کے چار مشہور علماء بھی حاضر درس تھے۔ میری تقریر اور حضرت حاجی صاحب کی جوابی مہربانی کو انہوں نے کچھ محسوس کیا اور مجھ سے ایک منطقی سوال پوچھا میں نے کہا۔ میاں یہاں تو ایک باخدا انسان کی مجلس ہے۔ یہاں سے کچھ حاصل کرنا چاہیے۔ یہ مناظرہ کا مقام نہیں۔ اگر آپ حضرات کو مناظرہ کا اتنا ہی شوق ہے تو فلاں محترم پر آکر مجھ سے گفتگو کیجئے گا اور اگر میرے پاس آنا مناسب نہ سمجھیں تو میں خود آپ کے مقام پر حاضر ہو جاؤں گا۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی اور آپ کا مسلک

حضرت حاجی امداد اللہ ۱۲۲۳ھ ہجری یعنی ۱۸۰۸-۹ء عیسوی میں بمقام قصبہ نانوتہ ضلع سہارن پور پیدا ہوئے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں انگریز حکومت کے خلاف ہندوستان میں جہاد میں حصہ لیا۔ ۱۲۷۶ھ یعنی ۱۸۵۹-۶۰ء میں ہندوستان سے ہجرت فرما کر مکہ معظمہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں ۱۳۱۷ھ یعنی ۱۸۹۹-۱۹۰۰ء میں رحلت فرما کر اپنے دیرینہ رفیق اور دینی و سیاسی معاون حاجی رحمت اللہ مہاجر کی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ بلادِ عرب میں شیخ العرب والجم کے لقب سے موسوم تھے۔ دیوبندی مکتب فکر کے اکثر و بیشتر علماء کو آپ سے ارادت ہے۔ گو بعض مسائل میں انہیں حاجی صاحب سے اختلاف بھی رہا۔ مگر مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا لطف اللہ علیگرھی، مولانا محمد حسین الہ آبادی اور بہت سے دیگر آپ کے متوسلین علمائے کرام آپ کے مسلک کے پوری طرح پابند رہے۔ مسئلہ وحدت الوجود میں حاجی صاحب کا مسلک امداد المشاق کے مندرجہ ذیل الفاظ سے واضح ہوتا ہے :-

یہ مسئلہ (وحدت الوجود) حق و صحیح مطابق للواقع ہے۔ اس مسئلہ میں کچھ شک و شبہ نہیں۔ معتقد علیہ تمامی مشائخ کا ہے مگر قال و اقرار نہیں، البتہ حال و تصدیق ہے یعنی اس مسئلہ میں تعین اور تصدیق قلبی کافی ہے اور استدار اس کا لازم اور افشا ناجائز ہے۔ کیونکہ اسباب ثبوت اس مسئلہ کے کچھ نذک ہیں، بلکہ مجتہدین

کہ فہم عوام بلکہ فہم علمائے ظاہر میں کہ اصطلاح عرفا سے عاری ہیں نہیں آتے تو الفاظ میں کہنا اور دوسرے کو سمجھنا کب ممکن ہے۔

فتوحاتِ مکہ کے حصول میں تائیدِ غیبی

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ فرماتے تھے کہ مکہ معظمہ میں کتاب فتوحاتِ مکہ کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ ایک کتب فروش نے اس کی قیمت چالیس ریال بتائی جو میرے پاس نہ تھے۔ اسی خیال میں بیٹھا تھا کہ ایک اجنبی افغان نے حرم شریف میں آکر چالیس ریال پیش کیے۔ وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ اس وقت میرے دل میں خود بخود خیال پیدا ہوا ہے کہ یہ رستم آپ کو پیش کر دوں۔ چنانچہ اُس کے اصرار پر وہ چالیس ریال قبول کر لیے اور اشارہ غیبی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے جا کر کتاب خرید لی جو ہمیشہ زیر مطالعہ رہی۔

حضرت کے رئیس الحجاج ہونے کے متعلق ایک بزرگ کا کشفی مشاہدہ

جس سال آپ حج پر گئے تھے اسی سال حضرت سیدعل شاہ نقشبندی دندہ شاہ بلاول ضلع کیمیل پورج کے لیے گئے تھے۔ جناب مولانا محمد غازی اور سید چان شاہ جابوی نے اُن کو کہتے سنا کہ میں نے بیت اللہ شریف اور پھر عرفات میں بھی مراقبہ کر کے معلوم کرنا چاہا کہ اس سال اولیائے حاضرین میں سے رئیس الحجاج کا منصب جلیلہ کسے عطا ہوا ہے تو حرم شریف میں میں نے خانہ کعبہ کو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے گرد طواف کرتے دیکھا اور عرفات میں لوگوں کے حج آپ کے ہی توسل سے بارگاہِ الہی میں پیش ہو کر مقبول ہوتے نظر آئے۔ اس لیے سمجھ گیا کہ اس سال آپ ہی اس باطنی منصبِ عالی پر فائز المرام ہیں۔ جناب بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ان ہی سیدعل شاہ کے خاندان میں سے ایک صاحبِ سخت سبب ہونے اور چونکہ اس گھرانے کو مندرجہ بالا واقعہ کی بنا پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے عقیدت تھی اس لیے وہ گولڑہ شریف میں دُعائے صحت کے لیے آئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا بخشی۔ اُن کی زبانی بھی میاں عبداللہ وغیرہ حُمدِ تام لنگر شریف نے اُس مراقبہ کا ذکر سنا تھا۔

بیت اللہ شریف اور دیارِ صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کے وقت ایک عام مسلمان کے ذوق و شوق کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ ہی بیان میں نہیں آسکتی تو اولیاء اللہ کی کیفیات کا اندازہ کون لگا سکتا ہے! البتہ کبھی کبھی یہ حضرات مأمور من اللہ ہو کر یا وارداتِ قلبی کے تحت مصلحتاً اپنے جمالِ حال کے کسی گوشہ سے خود ہی پردہ اٹھا دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت کے عشق و نیاز کی ایک معمولی جھلک آپ کی اس مشہور و مقبول نعت میں بھی پائی جاتی ہے جو آج تک ہر تراں دی و دھیری اے کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے اور جس کا ایک مصرعہ کہتے مہر علی کہتے تیری شاگستاخ اکتیں کہتے جاڑیاں بھی ہے۔

حضرت نے اس غزل میں اُس کیفیت کا نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو وادیِ حرم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پر انوار سے مشرف ہونے پر رونما ہوئی تھی۔ اس واقعہ کے متعلق آپ کے کاغذات میں سے آپ کی ایک قلمی تحریر بھی دستیاب ہوئی ہے جو یہاں درج کی جاتی ہے۔

حق قان چکانین در صید النب نماید ^ع من ندانم باده ام یا باده را پیمانم
عاشق شوریدم یا عاشقی یا جانانم

مبتلائے حرم جان گویمت یا جان جان
شوق موی در طور آورد نار طوراً
اصطلاح شوق بسیار است و من دیوانم
در بند شمع آتش میزند پروانه ام
چشم اورا سرمه ام یا زلف اورا شانه ام
تا ترا بشناختم جانان ز خود بجایانم

الغیر

نخستین باده کا ندر جام کردند
سویرا شد در امکان صورت حق
مزا بخش عکس آن کفام کردند
بان صورت جان را رام کردند
مکارم را بان اتمام کردند
مراجع ازل در کام کردند
حریفان مستی از من وام کردند
ما مشهود خاص دعایم کردند
باتمام فنا اکرام کردند
نمود آغاز و نیز انجام کردند
چو غلظیدم ز مستیها بهر سو
حقیقت را که مستور اند نظر بود
بس آنکه موج دریا باز آردید
امین رمزی دقیق با تو گویم
اللهم صل وسلم وبارک دا اما علی سیرنا قد واکبر واصبر

اسرار و صفات البیہ ۱۲ منہ

سوارہ دی بگوشتمی و ما ہونہ از شوق
نہایت روی بخارم سمند تو ام

حضرت کے دست مبارک سے لکھی ہوئی دو غزلیں (صفحہ ۱۳۱)

وادی حمر کے واقعہ کے متعلق حضرت قبلہ عالم کی قلمی تحریر

چنانچہ در سفر مدینہ طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بمقام حمر وادی یا فاطمہ وادی ازیں مکینہ ترین اُمتِ مرحومہ، بیعتِ اضطراب از قطع الطرق سنتِ عشر متروک گشت۔ مخلصی فی اللہ و محبتی للہ مکرمی جناب مولوی محمد غازی صاحب دیریں سفر مبارک شغلِ تعلیم و تعلم کہ در مدرسہ مکرمی مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم و مغفور بمکہ معظمہ زادہ اللہ تعالیٰ فرمود، ترک فرمودہ محض برائے خدمتِ ایں بیسیج بنا برحسب ظن شریف رفاقت بخشید۔ بیعتِ رفاقت بکراہ قافلہ نجواب رفقہ۔ چہ مے نمیم کہ سرورِ عالم فدائے روحی صلی اللہ علیہ وسلم در جعبہ عربی سیاہ فام از جمال باکمال جہاں آرا، حیاتِ دیگر بخشیدند۔ در حالتیکہ مسجد سے دو زانو مراقب نشسته بودم نزدیک تر بایں عاصی شدہ مے فرمایند کہ آلِ رسولؐ را نباید کہ ترکِ سنتِ کند و ہر دو ساقِ مبارک را کہ لطیف تر از حریر بودند بدو دست خود کمر گرفته گریاں و نالہ کنان مے گفتم الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ از بے استقامتی و مدہوشی عرض نمودم کہ حضورؐ کدام کس اند۔ در جواب ہماں جملہ مذکورہ بالا (آلِ رسولؐ را نباید کہ ترکِ سنتِ کند) فرمودند۔ ہمیں طور سے باز تکرار سوال و جواب بوقوع آمد۔ نوبت سوم در قلبِ حزن چنیں رخت بند کہ از ندائے تو بلفظ یا رسول اللہ منع نے فرمایند اگر کسے دیگر از اہل اللہ بودے بگفتے کہ مرار رسول اللہ گو۔ والحمد للہ علی ذالک۔ از خوبی و حسن آں جمال باکمال و از مستی و ذوق و تخیر فالصنہ آں وقت مبارک لسانِ تقریر و تحریر گنگ است و لال۔ البتہ ابیاتِ ذیل جُرمہ ازاں بادہ بکام، و نفعہ ازاں نافذ بشامِ عشاقاں چکانیدن و میدان انبے نسایدہ

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام	عاشق شوریدہ ام یا عشق یا جانانہ ام
مبتلائے حیرتم جاں گوشت یا جانِ جاں	اصطلاح شوق بسیار است و من دیوانہ ام
شوقِ موسیٰ در ظہور آورد نارِ طور را	در نہاد شمعِ آتش مے زند پروانہ ام
با جمالِ ذائشِ حسنِ دگر در کار شد	چشمِ اورا سرمہ ام یا زلفِ اورا شانہ ام

غافل از خود ماند از صورت چو پر شد آئینہ
تا رابست ناختم جانان ز خود بیگانہ ام

ایضاً

مخستیں بادہ کا نہر جام کردند	مزا بخش عکس آں گلشن ام کردند
ہویدا شد در امکان صورتِ حق	باں صورتِ جہاں را رام کردند
ہے بانست تفصیلے ازاں رُوئے	مکارم را باں اتمام کردند

۱۔ تضاد و تدریس ۲۔ لے اسما و صفات
۳۔ قال صل اللہ علیہ وسلم بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

شراب وحدت از مخمات غیب مرا صبح ازل در کام کردند
 چو غلیظ دم زمستی با بہر سو حریفان مستی از من وام کردند
 حقیقت را کہ مستور از نظر بود بس مشہود خاص وعام کردند
 پس آنکہ موج دریا باز گردید با تمام فن اکرام کردند

ایس رمزے دیتے با تو گویم
 بخود آغا ز وہم انجام کردند

اللہم صل وسلم وبارک دائماً علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ
 ۵ سورۃ بگذشتی وما ہنوز از شوق
 نہادہ روتے بخاک ہم سمند تو ایم

ترجمہ تحریرِ ملخص

چنانچہ مدینہ عالیہ کے سفر میں بیعت م وادیِ حرا ڈاکوؤں کے حملہ کی پریشانی کی وجہ سے مجبوراً
 عشر کی سنتیں مجھ سے رہ گئیں۔ مخلصی فی اللہ مولوی محمد غازی، مدرسہ صولتیہ میں شغلِ تعلیم و تدریس چھوڑ کر حسنِ ظن کی بنا پر
 بغرض خدمت اس مقدس سفر میں میرے شریک ہوئے تھے۔ ان رفقاء کی معیت میں میں قافلہ کے ایک طرف سو گیا۔ کیا دیکھا ہوں
 کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ عربی جبہ زیب تن فرمائے تشریف لا کر اپنے جمالِ باکمال سے مجھے نئی زندگی عطا فرماتے ہیں۔ ایسا معلوم
 ہوا کہ میں ایک مسجد میں بحالتِ مراقبہ دو زانو بیٹھا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب تشریف لا کر ارشاد فرمایا کہ آلِ رسول کو سنت
 ترک نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے اس حالت میں آنجناب کی ہر دوپٹہ کیوں کو جو ریشم سے بھی زیادہ لطیف تھیں اپنے دونوں
 ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کر نالہ و فغاں کرتے ہوئے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا شروع کیا اور عالمِ مدہوشی
 میں روتے ہوئے عرض کی کہ حضور کون ہیں؟ جواب میں وہی ارشاد ہوا کہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیے۔ تین بار
 یہی سوال و جواب ہوتے رہے۔ تیسری بار میرے دل میں ڈالا گیا کہ جب آپ ندائے یا رسول اللہ سے منع نہیں فرما رہے تو ظاہر
 ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں! اگر کوئی اور بزرگ ہوتے تو اس کلمہ سے منع فرماتے۔ اس حسن و جمالِ باکمال کے متعلق کیا کہوں! اس
 ذوق و مستی و فیضانِ کرم کے بیان سے زبان عاجز ہے اور تحریر رنگِ ابلتہ بادہ خوارانِ عشق و محبت کے حلق میں ان ابیات
 سے ایک جڑے اور اس نافرمانی سے ایک نغمہ ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی یہ تحریر اور ابیات اس وقت کی سعادتِ غلطی کی کیفیات سے کسی قدر نقاب کشائی کرتے
 ہیں! اور واضح ہوتا ہے کہ آپ وصال کے مراتبِ علیا اور فنا و بقا کے مقاماتِ جلیلہ سے مشرف ہو چکے ہوئے تھے جو اہل اللہ کا
 انتہائے مقصود ہے۔ ان کیفیات کا انعکاس آپ کی اس مشہور پنجابی نعت میں کسی حد تک پایا جاتا ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے
 اور جو آپ نے اس موقع پر وادیِ حرا اور مدینہ منورہ کے درمیان موزوں فرمائی تھی۔ ان ہی کرامات و عنایات کے متعلق ذکر کرتے
 ہوئے آپ اپنی کتاب فتوحاتِ صدیہ میں ضمن جواب سوالِ خپسم تحریر فرماتے ہیں: "اس گروہِ پاک میں سے اب بھی وہ لوگ
 ملتے ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی حسب التفادات مدینہ طیبہ سے رخصت ہوتے وقت یا کسی اور وقت میں ان انعامات سے
 متاز و مشرف فرماتے ہیں کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت۔"

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی طبیعت میں تواضع اور اخلاص اور اخلاص اور اخلاص تھا۔ اس قسم کے واقعات کو شاذ و نادر ہی ظاہر فرماتے تھے اور وہ بھی کسی خاص مصلحت کے تحت چنانچہ اس واقعہ کا اظہار بھی غالباً اپنے امثال اور تابعین کی تلقین کے لیے فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ اس میں اپنی ذات والا صفات پر بھی حرف گیری کا ایک پہلو نکلتا تھا ورنہ ان انعامات بے کراں کا جو اس دربارِ گوہر بار سے مرحمت ہوئے یا ان نوازشات بے پایاں کا جو خانہ خلاق جہاں میں ہوئیں ایک شہرہ تک بھی کیس ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اور یہاں پر آپ ہی کا وہ قول پیش نظر آتا ہے کہ میں فقیر اُسے کہتا ہوں جو فقر کے سات دریا پی جائے اور ڈکار تک نہ لے۔

مستذکرہ بالانعت شریف کی عالم گیر اثر انگیزی اب محتاج بیان نہیں رہی۔ پنجابی کلام سے لطف اندوز ہونے والی ہزاروں محفلوں میں یہ ہمیشہ پڑھی جاتی ہے۔ اور لوگوں کی فرمائش کے پیش نظر بار بار ریڈیو پر بھی آتی رہتی ہے جب کبھی یہ نعت پڑھی جا رہی ہو تو شدت شوق و فراق سے ہر آنکھ اشکبار ہوتی ہے۔ اور کیفیات کا نور و سرور سامعین کے قلوب میں موجزن ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جن دنوں علامہ اقبال میکلوڈ روڈ پر رہتے تھے۔ شام کے دُھند لکوں میں کوئی شخص اس نعت کا پہلا شعر

لج بسک مہتراں دی ودھیری اے کیوں مڑی اُداس گھیری اے

لُوں لُوں چ شوق چگیری اے، اُج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں

ترجمہ سے کہتا جا رہا تھا۔ علامہ نے اپنے ملازم کو دوڑا کر اُس گزرنے والے کو بلوا کر ساری نعت سنی جب مقطع سے

سُبْحَانَ اللَّهِ مَا أَجْمَلْتَ مَا أَحْسَنْتَ مَا أَكْمَلْتَ

کہتے مہر علی کہتے تیری شاہ گستاخ اکھیں کہتے جاڑیاں

میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا نام سنا تو کہا کہ اب معلوم ہوا کہ اس کلام میں اتنا بے پناہ درد و اثر کیوں ہے نعت شریف باب نہم آپ کے منظوم کلام میں، کتاب ہذا میں درج ہے۔

اس کٹھن سفر میں شانِ استغناء و ایثار و کرم

جناب مولانا محمد غازی فرماتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ میری استدعا پر ازراہ عنایت میرے مکان پر تشریف فرما ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آپ کے پاس فقط ایک قمیص ہے جو اس طویل سفر میں مسلسل زیر استعمال رہنے کی وجہ سے عرق آلود ہو چکی ہے چنانچہ ایک دن میں نے عرض کی کہ غسل فرما کر میری نئی قمیص پہن لیں تاکہ میں وہ قمیص دھو ڈالوں۔ آپ نے فرمایا اچھا، مگر غسل کے بعد دیکھا تو وہی پُرانی اور بغیر دُھلی قمیص زیب تن فرمائے ہوئے ہیں۔ مجھے سخت صدمہ ہوا اور زیر لب اظہارِ شکوہ کرتا ہوا چل پڑا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا: مولوی صاحب، واپس آؤ، واپس آؤ۔ میں واپس گیا تو فرمانے لگے کہ مولوی صاحب، اگرچہ میرے مذہب میں دُوتی شرک ہے مگر میں نے یہ خیال کیا تھا کہ یہ قمیص مولوی صاحب کی ہے۔ اچھا اب آپ کی قمیص پہن لیتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے میری قمیص پہن لی اور اپنی قمیص مجھے مرحمت فرمائی۔ حضرت کی یہ قمیص مولانا محمد غازی نے تبرکاً اپنے پاس رکھ لی تھی جو ان کی وفات کے بعد ان کے ورثاء سے حاصل کر کے حضرت کے تبرکات میں رکھ دی گئی ہے۔

مولانا مرحوم جو مدینہ عالیہ کے سفر میں حضرت کے شریک تھے فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ قافلے میں پیدل سفر کرنے والی ایک خاتون نے تھکاوٹ سے تنگ آکر بوجہ کم ہمتی و بے صبری کچھ غیر شرعی الفاظ استعمال کرنے شروع کیے حضرت نے اُس کی حالت دیکھ کر فرمایا۔ اس بے چاری کا ایمان خطرے میں ہے میری سواری پر اسے سوار کرادو میں پیدل چلوں گا تاکہ اُس کی تکلیف و پریشانی رفع ہو جائے۔ مولانا فرماتے تھے کہ قافلہ کے لوگ عموماً بدوؤں اور لٹیروں سے خطرہ کے وقت آپ کے قریب جمع ہو جاتے اور کہتے کہ ہمیں اس شخص کے قریب میں اطمینان اور تسکین قلب محسوس ہوتی ہے چنانچہ آپ بھی اُن کی پریشانی کے پیش نظر اپنے اُوراد و اشغال میں ہمہ وقت مصروفیت کے باوجود اُن کی دلجوئی کو مقدم رکھتے۔

عرب شریف سے واپسی پر آپ کا استقرار

عرب شریف سے واپسی پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ صفت مہتمم تکمیل پر ایسے ممکن ہوئے کہ پھر بہت کم سفر اختیار فرمایا۔ پہلے سیال شریف کے عرس پر اور پھر کچھ عرصہ بعد پاک پن شریف کے عرس پر سفر فرماتے کسی خاص دینی مقصد کے پیش نظر کوئی اور سفر بھی اختیار فرمالتے تھے۔ مثلاً پیران کلیر، علی گڑھ اور مرزائے قادیان کے ساتھ مناظرے کیلئے لاہور کے سفروں کا تذکرہ آئندہ مناسب مقامات پر آئے گا۔

ریاست بھوپال کا سفر

۱۹۰۴ء میں حضرت نے ریاست بھوپال کا سفر فرمایا جس کا ذکر جناب بابو جی مدظلہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ معلوم ہوا کہ حضرت کسی سفر کا ارادہ تو رکھتے ہیں مگر ہمیں ساتھ لے جانا نہیں چاہتے۔ کئی طریقوں سے ہمرکابی کی استدعا کی مگر نامنظور ہوئی۔ آخر میں نے عرض کی کہ آپ سفر تو زمین پر ہی فرمائیں گے۔ اور سوار بھی ریل گاڑی میں ہی ہونگے اس لیے جب بھی آپ تشریف لے جانے لگیں گے ہم بھی ساتھ ہوں گے۔ یہ سن کر آپ نے بتم فرمایا اور ہماری اجازت بخشی اور بالآخر تیساری ہو گئی۔ مولوی محبوب عالم منشی عبد الجبار کرم الہی برادر سیٹھی فضل الہی پشاوری۔ قائم علی المعروف فاضل لاہوری وغیرہ ہمراہ تھے۔ اسٹیشن پر مولوی محبوب عالم کو علیحدگی میں بھوپال کے متعلق فرمایا۔ راستہ میں ایک یوم لاہور کی ایک سرائے میں قیام فرمایا اور کسی کو اطلاع نہ کی۔ شام کو وہاں سے سوار ہو کر دوسرے روز نون بجے رات بھوپال پہنچے۔ شہر سے باہر ایک تالاب کے قریب رہائش کا ارادہ فرمایا۔ تانگے والوں نے اُس جگہ سے تقریباً تین فرلانگ کے فاصلہ پر اُتار دینا چاہا لیکن ایک گونگے شخص کے آموچہ ہونے اور اشاروں اشاروں میں تانگہ والوں کو مجبور کرنے پر بالآخر انہوں نے ہمیں اصل جگہ تک پہنچا دیا۔ وہ گونگا شخص ایک غیبی امداد کی صورت میں آخر تک بازار سے سودا سلف تک لانے میں ہمارا اُمد و معاون رہا۔

حضرت نے کسی مکان کے کرایہ پر لینے کا فرمایا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید فرمائی کہ کسی کو نہ بتلایا جائے کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ چنانچہ تالاب کے قریب والی ایک چھوٹی سی کچی مسجد میں سامان رکھ کر مکان کی تلاش میں نکلے۔ قریب ہی ایک مکان نظر آیا۔ اور میں نے خیال کیا کہ اگر یہ مکان مل جاتا تو کیا ہی اچھا رہتا۔ اسی خیال میں تھا کہ مالک مکان جو کوئی فوجی افسر معلوم ہوتا تھا آگیا اور ہمیں دیکھ کر پوچھا کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں۔ پہلے تو ساتھیوں نے حضرت کے

حسب ارشاد کچھ نہ بتلایا لیکن آخر لالہ کرم الہی نے کچھ بیان کر ہی دیا جس پر وہ بہت خوش ہو اور مکان کی گنجیاں حوالے کر کے کہنے لگیں میں ایک رسالہ میں ملازم ہوں اور رخصت پر آیا تھا۔ اب واپس جا رہا ہوں۔ یہ میرا ملازم ہے اور مکان آپ کے حوالے ہے۔ جتنے روز چاہیں بغیر کسی کرایہ کے قیام فرمائیں۔ ہم بہت خوش ہوئے۔ حضرت نے نچلے حصہ میں رہائش رکھی اور ہمیں اوپر والے حصہ میں ٹھہرنے کو فرمایا۔

آپ علی الصبح تالاب کے قریب والے جنگل میں تشریف لے جاتے اور دیر سے واپس لوٹتے۔ پھر فاضل کو اور مجھے سبق پڑھاتے۔ ہم ان دنوں مسائل نحو پڑھتے تھے۔ اُس مسجد میں بھی ایک سفید ریش ممبر عالم چند طلباء کو پڑھاتے تھے ایک روز انہوں نے حضرت غوث الاعظم اور حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہما کے متعلق کوئی ذکر کیا تو آپ نے اُس کا صحیح مطلب اُن کو سمجھایا جس پر وہ ممبر عالم بہت خوش ہوئے۔

ہر روز جنگل سے واپسی پر تھوڑی دیر کے لیے آپ ایک حکیم صاحب کے پاس تشریف رکھتے۔ اُن سے تعارف کی صورت ایک مولوی صاحب کے ذریعہ ہوتی تھی جو گولڑہ آیا کرتے اور حضرت سے حکیم صاحب کا اور حکیم صاحب کے پاس حضرت کا ذکر خیر کیا کرتے تھے۔ نیز وہ اس جنگل کے متعلق کہا کرتے کہ عجیب خلوت کا مقام ہے۔ اتفاقاً مسجد والے عالم بھی ان ہی حکیم صاحب کے کرایہ دار تھے۔ چنانچہ ایک روز حضرت کو حکیم صاحب کے پاس بیٹھا دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور چائے لاکر پیش کی اور کہا کہ مجھے عرصہ سے ایک بات کی سمجھ نہیں آرہی ہے اور اشکال لاحق ہے کئی حضرات سے دریافت بھی کیا مگر اطمینان نہیں ہو سکا۔ آپ کو دیکھ کر میرا دل شہادت دیتا ہے کہ آپ اُسے ضرور حل فرمادیں گے۔ وہ بات یہ ہے کہ اکثر ایسے بزرگان دین گزرے ہیں جن کے باخدا ہونے میں تو قطعاً کلام نہیں مگر انہوں نے تمام عمر کلمہ طیبہ کی بجائے فقط اہم ذات ہی کو ذکر کے لیے اختیار کیا۔ اور مکمل کلمہ شریف کو جو افضل الذکر ہے معمول نہ بنایا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا میرے ناقص خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرات ایسے مقام پر فائز تھے کہ اس قدر فراق کو گوارا نہ کر سکتے تھے جو محبوب کے نام سے پہلے تین چار الفاظ ادا کرنے تک صبر میں لاحق ہوتا ہے۔ اس لیے اول ہی اُس کے نام کو وردِ زبان بنایا۔ آپ نے اس پر مزید چند عرفان کے اقوال پیش فرمائے جس سے مولوی صاحب پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور باصرہ تمام بعیت ہوئے۔ پھر عرض کی کہ مجھ سے وعدہ فرمائیں کہ میرا جنازہ آپ پڑھائیں گے۔ آپ نے فرمایا خدا جانے کسے پہلے جانا ہوگا۔ فاصلہ بھی کافی ہے میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ بخیر فرمائے۔ اس کے شدید اصرار پر فرمایا۔ مشیت الہی میں ہوگا تو دیکھا جائے گا۔

اس عرصہ میں رفتہ رفتہ شہرت ہو گئی۔ نواب صاحب بھوپال کے ایک رشتہ دار نواب حاضر خدمت ہو کر متمس ہوئے کہ میرا لڑکا بیمار ہے آپ غریب خانہ پر چل کر دم فرمائیں۔ آپ نے وہاں جانے سے معذرت چاہی اور وہیں دُعا سے صحت فرمائی مگر نواب صاحب بدستور آپ کے تشریف لے چلنے پر مُصر رہے۔ بالآخر آپ نے فرمایا کہ فقط اس کام کے لیے جانا تو مشکل ہے البتہ یہاں سے روانگی کے وقت آپ کے ہاں سے ہوتا جاؤں گا۔ چنانچہ اس کے بعد مولوی محبوب عالم سے فرمایا کہ اب یہاں لوگوں نے بے ذوقی پیدا کر دی ہے رخصت ہونا چاہیے۔ تیاری ہونے پر حسب وعدہ آپ نواب صاحب متذکرہ بالا کے ہاں تشریف لے گئے اور کھڑے کھڑے بچے کو دم فرمایا۔ بگیات نے چاندی سے بھرا ہوا ایک طشت نذر گزارا۔ اُس میں کوئی خاص قسم کی خوشبوئیات بھی رکھی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ اسے میرے قریب نہ لانا خوشبوئیات کی تیزی سے مجھے نزلہ ہو

جائے گا اور وہ قبول بھی نہ فرمایا اور رخصت ہو گئے۔ اُن نواب صاحب نے بہت الحاح کی کہ اپنا پتہ تو بتادیں مگر آپ نے مانے جب تا نگہ پر سوار ہو کر روانہ ہو پڑے تو وہ نواب صاحب تیچھے دوڑنے لگے۔ آخر آپ نے مولوی محبوب عالم کو فرمایا کہ کاغذ کے پُزہ پر لکھ کر دے دو ورنہ یہ نہیں چھوڑیں گے۔ لہذا ایسا ہی کیا گیا۔ ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر راستہ دہلی واپس ہوئے حضرت صاحبزادہ محمود صاحبؒ تو نسوی کے ایک خط سے جو حضرت کو بھوپال میں بلا اور جو جناب بابو جی مدظلہ کی لائبریری میں موجود ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کا قیام مولوی خیر اللہ کے مکان میں نزد مسجد مدار المہام، ہری گھاٹ بھوپال ہوا تھا۔

اس سفر کے چند دن بعد خادم تعویذات مولوی شیر دل نے عرض کی کہ ایک لڑکے پر جن کا اثر ہے اور وہ کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔ فرمایا لے آؤ۔ وہ آکر کہنے لگا کہ آپ نے بھوپال کے جنگل میں جو وعدہ فرمایا تھا اُسے پورا فرمائیں۔ آپ نے کہا صبر کرو تمہارا کام ہو جائے گا۔ کافی دیر تک اُس کے ساتھ گفتگو ہوتی رہی اور پھر وہ رخصت ہو گیا۔

باب پنجم

مستدرکات

۱۳۰۶ هـ تا ۱۳۵۴ هـ

۱۸۸۹ء — ۱۹۳۶ء

پہلی فصل محمدؐ از شواہد

سند اکابر

سابقہ چار ابواب میں واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ مقبول اور منفرد تخلیق اور کُلّ یومِ ہُوَ فِی سُنَانِ کے یہ مظہرِ صادق کس طرح علم و فکر کی تربیت میں کامل و مکمل ہو کر بیت اللہ شریف اور دربارِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں حاضر ہوئے وہاں فیوض و برکات سے دامن مژد بھرے اور قبلہ عالم اور قطب ارشاد کی خلعتِ فاخرہ سے سرفراز ہو کر اپنے پیرانِ عظام اور اجدادِ کرام کی مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے۔

اس بلند مرتبہ مسند شریف پر زمانہ ماضی میں جہاں تک بھی نگاہ دوڑائیں اکابر اولیاء اللہ اور اپنے اپنے وقت کے قبلہ گاہ عالم ہی جلوہ فرما دکھائی دیں گے۔ شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی۔ غوثِ زمان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی۔ قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی۔ فخر جہاں حضرت مولانا فخر الدین دہلوی۔ قطب دوران حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی اور فانی فی اللہ، باقی باللہ حضرت خواجہ کلیم اللہ جہاں آبادی بلکہ اور اوپر حضرت چراغ دہلوی سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی سلطان الزاہدین حضرت گنج شکر، بُرہانِ چشتیہ و شہیدِ محبت حضرت خواجہ قطب الدین نجاتیاریا کی اور خواجہ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سپہ اسلام کے وہ درخشندہ ستارے تھے جن کی ضیا پاشی سے کروڑوں گمراہانِ بادیہ ضلالت نے ہدایت پائی۔ قبیلے کے قبیلے اور علاقے ظلمتِ کفر سے نکل کر نورِ اسلام سے منور ہوئے۔ (حضرت کے مشائخ کرام سلسلہ چشتیہ و قادریہ کے شجرات کتاب ہذا کے باب نہم ارشادات میں درج ہیں) ان حضرات نے اپنی تمام عمریں تدریسِ علومِ دینیہ اور تزکیہٴ نفوسِ بشریہ میں بسر فرمادیں۔ جاہلوں کو عالم بنایا۔ اور عالموں کو واصل باللہ کیا۔ اربابِ سیف نے ان سے عدالت کا سبق لیا اور اصحابِ قلم نے زورِ قلم حاصل کیا چور اور راہزن ولی اللہ بنے۔ کسانِ ہل چلاتے تسبیح پڑھنے لگا۔ اور مزدور عورتیں چکی پیتے، آٹا کوندتے ذکرِ جبر کرنے لگیں۔ ان نفوسِ قدسیہ نے اس برصغیر میں عرفانِ الہی اور عشقِ رسول اللہ کے دریا بہا دیے۔ اور ایک عالم کو صبغۃ اللہ میں رنگ دیا۔

دہلی، بہاول پور، سنگھڑ اور کچھی بار کے بعد ارشاد و تبلیغ کا یہ سجادہ جو تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں کے آغاز میں کوہستان پوٹھوہار کے دامن میں آراستہ ہوا اپنی نصف صدی کی نمایاں اور بعض صورتوں میں عظیم المثل و لاثانی خدمات کی بدولت تاریخِ اسلام میں بلا خوفِ تردید، مسندِ تجدید سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جیسے کتاب ہذا کے باب دوم کی ابتدا میں عرض کی جا چکی ہے حضرت کی ذات گرائی میں وہ جملہ شرائط و صفات جو ایک مجددِ وقت میں ہونا چاہئیں کما حقہ موجود تھیں۔ تعلیمِ اسلام کے جو موضوعات حضرت کے تجدیدانہ رنگ سے خاص طور پر متاثر ہوئے وہ مختصر یہاں بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل آگے مختلف ابواب میں آئیگی۔

تردید مزائیت

آنجناب نے ایک لادینی حکومت کی الحاد پر ورضائیں ایک مدعی نبوت کے خلاف کامیاب مسلمی اور لسانی جہاد کیا جی کہ اس محاذ پر مسلمانوں کے تمام فرقوں کی جانب سے متفقہ طور پر آپ ہی قائد تسلیم کیے گئے اور آپ کی تصانیف تردید مزائیت میں بے نظیر شاہکار قرار دی گئیں۔ ان تصانیف کو مشعل راہ بن کر، تقریر و تحریروں کے مجاہدین کا ایک محکمہ غیر کمربتہ ہو کر میدان میں اُتر آیا۔ اور ان کی مساعی فی سبیل اللہ کی بدولت آج دُنیا سے اسلام کا ایک عام انسان بھی ختم رسالت کی قادیانی تاویل کو کفر سمجھتا ہے اور قادیانیت اس ملک میں ایک علیحدہ، بے اثر اور لاتعلق اقلیت بن کر رہ گئی ہے۔

انسدادِ چکر الویت

حضرت کے زمانہ میں قادیانیت کے علاوہ افراط و تفریط کی شکار اور بھی کئی مذہبی اور سیاسی تحریکیں ابھرنے لگیں مگر آپ کے وجود مسعود کے باعث پروان نہ چڑھ سکیں۔ مولوی عبداللہ چکر الوی نے حدیث کی محبت سے انکار کرتے ہوئے ایک نیا فرقہ اہل قرآن کھڑا کر دیا۔ اس کے مقابلہ میں آپ نے علم حدیث کی تدریس پر زور دے کر جابجا دورہ حدیث کے درس جاری کرائے۔ چنانچہ ضلع ہزارہ کی مشہور درس گاہ بغہ میں آپ کے مخلص شاگرد مولینا عثمان نے اُس نواح میں پہلی مرتبہ درس حدیث شروع کیا۔ انگریز علاقہ سون میں آپ کے اُستاد مولینا سلطان محمود خود حضرت سے سند لے کر درس حدیث پر کمر بستہ ہو گئے۔ اسی طرح مولینا حافظ مہر محمد شیخ الحدیث جامعہ فحیمہ اچھرہ لاہور اور مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاولپور بھی حضرت کے حسب فرمان تدریس حدیث پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔

ردِ نچریت

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے نچریت کی تردید میں بھی جو ملک میں انگریزی تعلیم و تربیت کے باعث فروغ پا رہی تھی۔ مولوی محترم علی چشتی لاہوری اور قاضی سراج الدین ایڈووکیٹ راولپنڈی جیسے مخلصین کے ذریعہ ایک عرصہ تک کتابی اور اخباری تو سلسلے تعلیمی مضامین شائع کرائے۔ تاہم سرسید احمد خاں کے مخالف علماء کے ان نظریات کو بھی تا واجب قرار دیا کہ انگریزی پڑھنا حرام ہے۔ اور برطانوی ہند دارالحرب ہے جہاں مجمعہ کی نماز جائز نہیں حضرت نے شہروں میں نماز جمعہ کو واجب کہا اور کئی مقامات پر بالخصوص صوبہ سرحد میں از سر نو مجمعہ کی نماز جاری کرائی۔ البتہ برطانیہ کی ایسی ملازمت کو جس میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اقدام لازم آتا ہو، ناجائز قرار دیا۔ اور اس امر کا اعلان آپ اُس زمانہ میں فرماتے رہے جب کہ پہلی جنگ عظیم زوروں پر تھی اور انگریزوں کا ستارہ عروج پر تھا۔

انگریزی تعلیم پر حضرت کا مسلک اور دینی مدارس میں لچپی

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو دینی مدارس کی بعت اور قیام کا ہمیشہ خیال رہا۔ انگریزی سکولوں کے مروجہ نصاب کے

عیوب کے متعلق آپ کے خیالات کا پتہ بعض مکتوبات سے ملتا ہے۔ انگریزی کو بطور زبان پڑھنے اور سیکھنے پر آپ کو اعتراض نہ تھا بلکہ حکومت برطانیہ کے عہد میں دنیوی کاروبار اور مفاد کے لیے اسے ضروری سمجھتے تھے۔ مگر نظر مبارک اس خط سے بھی بیگانہ نہ تھی کہ انگریزی ادب میں ایسا مواد بھرا ہوا ہے جو مذہب اور قومی یک جہتی کے لیے باعث نقصان ہوتا ہے۔ اس لیے کوشش فرماتے تھے کہ اسلامی علوم بھی ساتھ ساتھ ضرور پڑھائے جائیں تاکہ اسلامی شعور اور کردار میں تنزل نہ آنے پائے۔ ایسی مغربی لادینی تہذیب کی آپ نے تادم سے مذمت فرمائی جو اسلام سے بیگانہ کر دے اور عقل محض کی کورانہ تقلید کا پابند بنا دے۔ اور اس مسلک کے پیش نظر اپنے خاندان میں بچوں کو انگریزی تعلیم نہ دلوائی۔

مغربی علوم کی نسبت صاحبزادہ سر عبد القیوم کے ایک فقرے کا جواب اور پیشین گوئی

۱۸۹۶ء میں جب راولپنڈی صدر میں اسلامیہ ہائی سکول کی بنیاد رکھی گئی اور چندہ کی کمی کے باعث کام رک گیا تو قاضی سراج دین اور سیٹھ ماموں جی آدم جی صاحبان کی درخواست پر آپ جلسہ میں شریک ہوئے اور تقریر فرمائی جس پر روپیہ کی اس قدر بارش ہوئی کہ تمام ضروریات پوری ہو گئیں۔ لیکن جب اسلامیہ کالج پشاور کی تعمیر اور ترقی کے لیے صاحبزادہ عبد القیوم نے (جو ابھی نرس نہیں ہوئے تھے) آپ کو لے جانا چاہا تو آپ نے پسند نہ فرمایا۔ اور جب وہ بذریعہ عرائض مقرر ہوئے تو لکھا کہ میں یہیں سے ڈعا کرتا ہوں۔ اس پر صاحبزادہ عبد القیوم نے پھر لکھا کہ دیگر اقوام ہم مسلمانوں سے علم حاصل کر کے بہرہ ور ہو چکی ہیں مگر ہم خود اپنے بزرگوں کا ورثہ ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں۔ حضرت نے جواب میں فرمایا:-

آپ کے اس فقرہ پر تعجب ہوا۔ مَخْدُومًا! اللہ اور رسول کے نزدیک علم معتد بہ علوم شریعہ و ادیان ہیں یعنی علوم الہیہ، اور وہ بفضلہ تعالیٰ اپنے خدام سمیت محفوظ و مصون ہیں۔ ہمارے نزدیک تا حال دیگر اقوام ان علوم سے بے بہرہ ہیں پس آپ کے اس فقرہ بالا کی صحت بالکل صورت پذیر نہیں ہوتی۔ البتہ ہمارے ہاتھ سے ان علوم پاک کا نکل جانا اس صورت میں صحیح ہو جائے گا کہ اب بحسب کلمۃ خیر اُرید بہا ستر ترقی اسلام کے نام سے کام لیا جائے فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ اس کے لیے صحیح عنوان ترقی اسلام نہیں، ترقی اسباب معیشت ہے اور وہ بھی غیر شرعی اسباب سے عکس نہند نام رنگی کا فورہ اس کے بعد ماوشا سے جو زندہ رہے گا دیکھ لے گا کہ اس طرز تعلیم کا اثر احکام شرعیہ، صوم و صلوة وغیرہ کو پس پشت ڈالنے اور ظاہری اعزاز و شکم پروری کے بغیر کچھ نہ ہوگا۔ مگر جسے اللہ محفوظ رکھے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ۔ (ترجمہ)

دینی مدارس کی ترقی میں آپ کی دل چسپی اور خوشنودی کا اندازہ ان خطبات اور پیغامات سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے بعض اوقات ان اداروں کے افتتاحی اور ہنگامی اجلاس میں تشریف لے جا کر دیئے یا لکھ کر بھجوائے۔ اس ضمن میں زیارت شریف ضلع پشاور کے درس حنفیہ کے افتتاحی اجلاس اور انجمن نعمانیہ لاہور کے سالانہ جلسہ (دسمبر ۱۹۱۲ء) کے خطبات خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ لاہور کے جلسہ میں حضرت کی شرکت کی اطلاع پاکر لوگ دُور دُور سے آئے تھے۔ تقریر کے بعد اس قدر چندہ جمع ہوا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ روپوں اور اشرفیوں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔

یوں تو حضرت کا ہر ارشاد و معتقدین کے لیے اہم ہوتا تھا اور اکثر قبلہ بند کر لیا جاتا تھا مگر انجمن نعمانیہ لاہور کا یہ خطبہ اس قدر بلیغ تھا کہ انجمن کے متم مولوی محرم علی صاحب چشتی اور دیگر علماء نے حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہو کر اس کی تفصیلات کو از سر نو قبلہ بند کیا۔ یہ خطبہ نہر چشتیہ اور ملفوظات طبقات دونوں میں درج ہے۔ اور کتاب ہذا کے باب ملفوظات میں بھی اس کی نقل کر

دی گئی ہے۔

بریلوی اور دیوبندی

دیوبندی، بریلوی اور دیگر اسلامی مکاتب فکر کے اختلافی مسائل پر آپ اپنا مسلک تحریر و تقریر اور تالیفات کے ذریعہ برابر واضح فرماتے رہے۔ اگرچہ فروعی مسائل میں اختلاف کی بنا پر ان کی باہمی کشمکش آپ کو ناپسند رہی۔ تاہم فریقین کی حق بات کو ہمیشہ سراہا۔ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کے متعلق فرماتے تھے کہ ان کے متبحر عالم اور خادم اسلام ہونے میں کلام نہیں۔ مگر بعض اجماعی مسائل میں رعایت توحید کے زعم میں تشدد اختیار کر گئے ہیں اور حضرات اہل اللہ خصوصاً حضرت شیخ ابراہیم سمرقندی کے مسلک توحید و جود کو غلط طور پر پیش کر کے ایک بڑی مثال قائم کی ہے۔ گویا اگر ہزاروں سے ایک پہلو بھی موافق موجود ہوتا تو مخالف کی نیت پر شبہ کرنے سے منع فرماتے۔ حضرت نے امکان کذب باری تعالیٰ کو محال۔ علم غیب عطائی اور سماع موتی کو برحق اور ندائے یارسول اللہ، زیارت قبور، توسل و استمداد انبیاء و اولیاء علیہم السلام اور ایصالِ ثواب کو جائز قرار دیا۔ معبودانِ باطلہ اور اصنام کے متعلق نازل شدہ آیات کو انبیاء و اولیاء علیہم السلام پر منطبق کرنے کو تحریف و تخریب سے تعبیر نہ کرنا۔ مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان کے استدلال کی تردید فرمائی۔

وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ كِي صَحیح تفسیر

وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ کے معانی میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی جیسے عالم کو بھی شبہ ہو گیا تھا کہ نیاز میں ذبح ہونے والے جانور پر اگر کسی وقت بھی اصحابِ نیاز یعنی انبیاء و اولیاء کا نام لے لیا گیا۔ تو ذبیحہ حرام ہوگا۔ مگر حضرت نے اعلاء کلمۃ اللہ تصنیف فرما کر قرآن و حدیث اور فقہ و لغت سے ثابت فرمادیا کہ اس آیت شریف کی مراد صرف اسی ذبیحہ سے ہوگی جس پر چھری چلاتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کی بجائے غیر اللہ کا نام پکارا جائے گا یا غرض ایصالِ ثواب اور کھانے کھلانے کی بجائے، محض غیر اللہ کے لیے خون گرانے کی ہوگی، جیسے کہ بعض ممالک میں بادشاہوں کی عظیم کے سلسلہ میں رسوم ہیں یا اہل ہنود میں بھوک کا طریقہ رائج ہے۔

غیر مقلدین

طاعون زدہ آبادی سے دوسری آبادی کی طرف موت سے فرار کی نیت سے نقل مکانی کو حضرت نے گناہ کہا۔ لیکن علاج کے لیے کھلے میدانوں اور باغوں میں چلے جانے کو مباح فرمایا۔ اس پر غیر مقلدین کے ساتھ تحریری مناظرات چل نکلیں مگر میدانِ بفضلہ آپ کے ہاتھ رہا۔ اور تمام امت میں آپ ہی کا فتویٰ جاری ہوا۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی اس فتویٰ میں آپ کی تائید کی۔

علم الکلام کے اختلافی مسائل میں آپ کا مسلک

صفات باری تعالیٰ اور علم کلام کے بعض دیگر اہم مسائل میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اختلاف پر حضرت نے عموماً صوفیائے

تحقیقِ علیہم الرضوان کے مسلک کی روشنی میں تشدد اور تعصب کی جگہ وسعتِ نظری سے کام لیتے ہوئے وہی راہ اختیار فرمائی جو کتاب و سنت سے زیادہ اقرب ہے۔ چنانچہ مسئلہ کلامِ باری تعالیٰ اور خلف و عید اور امکانِ نظیر وغیرہ کے متعلق "الفتوحات القماریہ" اور "عجالتہ" میں تفصیل موجود ہے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

حضرت نے اربابِ وحدت الشہود اور وحدت الوجود کے درمیان یہ کہہ کر ربط اور تعلق پیدا فرمایا کہ وحدت الشہود ابتدائے سلوک اور نفسِ ایمان ہے اور وحدت الوجود انتہائے مقام اور کمالِ ایمان ہے۔ اس مقام کے لیے نہ تو اہم سابقہ ہی مکلف تھیں اور نہ جمہورِ امت مرحومہ محمدیہ ہی ہیں۔ یہ انحصارِ الخواص کا مشاہدہ اور حال ہے، قال نہیں۔ مولانا صوفی عبدالرحمن صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب "کلمۃ الحق" میں جمہور کو بھی عقیدہ وحدت الوجود کے لیے مکلف و پابند کہہ دیا تھا۔ حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ نے اپنی ایک نادر تصنیف "تحقیق الحق فی کلمۃ الحق" میں محققانہ بحث فرما کر اس موقف کی تردید کی اور صوفی صاحب کو غلبہٴ حال کی وجہ سے معذور قرار دیا۔

مسئلہ خلافت و فضیلت

خلافتِ خلفائے اربعہ کی حقانیت کو آپ نے دلائلِ قاہرہ سے ثابت فرمایا لیکن فضائلِ صحابہ کرامؓ اور اہلبیتِ عظامؓ میں تشدد اور تعصب ناگوار رہا۔ خصوصاً ایک شخصیت کی ایسی فضیلت جس سے دوسرے کی توہین لازم آئے آپ کو سخت ناپسند رہی۔

لعن یرید

یرید اور اُس کے حواریوں پر لعنت بھیجنے کو ناجائز قرار نہیں دیا مگر فرمایا بے سود امر ہے۔ اس کی بجائے آلِ رسولؐ پر درود پڑھنا بہتر ہے۔ حضرت کو اپنے مشائخِ عظام کی طرح اہل بیتِ کرام سے کمالِ محبت تھی۔ آپ کے منظوم کلام میں ایک مرتبہ بھی ملتا ہے۔

تہد میں رفعِ سبابہ کی سنت کا احیاء

آپ نے بعض مکاتیبِ فکر کے خلاف تہد میں رفعِ سبابہ کو سنتِ زائدہ قرار دیا جس کے عمل سے تو ثواب ہوتا ہے مگر ترک پر گناہ نہیں۔ اس بارہ میں علمائے سیال شریف میں اختلاف تھا حضرت ثانی سیالوی نے آپ کو حکم قرار دیا اور آپ نے فریقین کے دلائلِ سماعت فرما کر یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا۔

اوقاتِ مسنونہ نماز کی پابندی اور وظائف کی تصحیح و ترتیب

بعض حضراتِ چشتیہ، نمازِ فجر میں تاخیر کے قائل تھے حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ نے اورادِ خاندانِ چشتیہ کی ترتیب

کی بنا پر ثابت فرمایا کہ متقدمین سلسلہ اس نماز کو اول وقت میں ادا فرماتے تھے۔ اسی طرح آپ نے قادر یہ اور چشتیہ سلاسل کے وظائف میں بعض مندرجات کی اصلاح اور تصحیح فرما کر چہل کاف وغیرہ معمولات مشایخ میں بھی بعض بن العوامی اغلاط کی نشاندہی فرمائی۔ مجموعہ وظائف میں چہل کاف کا ترجمہ آپ ہی کے نتیجہ فکر کامرہون ہے۔ بالکل کے لیے ترتیب اور ادوا اشغال میں بھی آپ ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔

تحریک خلافت

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت اور کانگریسی جمعیت العلماء ہند کی برپا کردہ تحریک خلافت و ہجرت سے اختلاف کرتے ہوئے ان کی تردید فرمائی۔ آپ کا ارشاد تھا کہ خلافت راشدہ حقہ صرف میں برس قائم رہی۔ بعد میں سلطنت اور ملوکیت کا دور دورہ ہو گیا تھا۔ اگر خلافت اسلامیہ کو جاریہ قرار دیا جائے تو زید علیہ السلام سے بھی خلیفہ برحق ماننا پڑے گا۔ البتہ ترکوں کے محاربات طرابلس و بلقان میں گھر کے زیورات اور لنگر کے گھوڑے تک چندہ میں دے دیئے تھے۔ کانگریس اور خلافت کمیٹی کے گٹھ جوڑ کے ایام میں جن مسلمان کانگریسی اور خلافتی اخبارات نے آپ کے خلاف لکھا وہ آخر کار ایک ایک کر کے کانگریس کے مخالف محاذ پر آ گئے۔

شاہی دربار دہلی میں شمولیت سے انکار

۱۹۱۱ء میں دہلی میں منعقد ہونے والے برطانوی شاہی دربار میں شمولیت کی دعوت سے انکار پر انگریز حکومت نے آپ کو اپنا مخالف سمجھ کر ایذا رسانی کی جانب میلان کیا مگر کچھ بگاڑ نہ سکی۔ بعد ازاں حکومت نے سینکڑوں مرتبہ اراضی بطور جاگیر دینا چاہی مگر حضرت نے قبول نہ فرمائی۔

سیاست سے پرہیز

آپ نے کبھی سیاست میں حصہ نہ لیا۔ بعض مخلصین نے اسمبلیوں کے انتخاب میں امداد حاصل کرنے کی کوشش کی مگر آپ نے ہمیشہ یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ اس وقت ان چیزوں کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لہذا میں ان کاموں میں دخل دینا پسند نہیں کرتا۔ البتہ جس وقت جسٹس دیپنگھ نے ملعون راجپال شام رسل کو اپیل پر ہائیکورٹ میں بری کیا اور مسلمانوں میں مہجان پیدا ہوا تو آپ نے والسرائے ہند کو بذریعہ تارشید احتجاج فرماتے ہوئے لکھا کہ مسلمان قوم ہزار اختلافات کے باوجود ناموس رسول کے محاذ پر یک جان ہو کر لڑے گی اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی۔

۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج لاہور کی بازیابی کے لیے حضرت پیرجماعت علی شاہ علی پوری کی صدارت میں تحریک چلی اور راولپنڈی میں جلسہ منعقد ہوا تو حضرت بابو جی مدظلہ العالی کو بھی دعوت شرکت دی گئی۔ حضرت کے زمانہ استغراق کے ابتدائی ایام تھے حضرت بابو جی نے متوجہ کر کے حضرت علی پوری کا پیغام سنایا تو فرمایا: زمانہ بہت نازک ہے۔ ایمان کوئی سلامت لے جائے گا۔ پنجابی مجاورہ میں لفظ کوئی کو دراز کر کے ادا فرمایا یعنی شاذ اور کوئی کوئی۔ پھر فرمایا

کوئی قدم ایسا نہ اٹھانا جو واپس لینا پڑے۔ نہ تو لوگوں سے اس قدر علیحدگی اختیار کرنا کہ نشانہ بنالیں اور نہ ایسا اختلاط کرنا کہ اپنا شغل بھی ترک ہو جائے۔ چنانچہ حضرت بابو جی شریک جلسہ نہ ہوئے۔

قبول عام کی خلعت

اللہ تعالیٰ نے حضرت کو قبول عام اور محبوبیت کی جو خلعت عطا فرمائی تھی اس کی مثالیں دیکھنے میں کم آتی ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ جہاں کہیں بھی آپ تشریف فرما ہوتے آپ کے وجود سے بڑھ کر دلکش اور جاذب نظر کوئی اور چیز وہاں معلوم نہ ہوتی تھی۔ سفر میں جب لوگ دست بوسی اور مصافحہ کے لیے اڑدھام کرتے تو مخلصین کو آپ کے گرد ہاتھ پکڑ کر حلقہ بنا کر پڑتا کہ جو ہم خلق سے تکلیف نہ ہو جو مصافحہ نہ کر پاتے وہ دامن پاک ہی کو چھو لینے میں سعادت سمجھتے۔ قبل از وقت اطلاع ہونے کی صورت میں ریلوے اسٹیشنوں اور سڑکوں پر لوگ کئی کئی گھنٹے پہلے جمع ہو جاتے۔ سفر میں آپ کی ریل گاڑی ان ہی وجوہات کے باعث اکثر لیٹ ہو جاتی۔ جب ۲۲ اگست ۱۹۰۷ء کو قادیانی مناظرہ کے لیے آپ لاہور تشریف لے گئے تو معلوم ہوتا تھا کہ سارا شہر استقبال کے لیے نکل کھڑا ہوا ہے۔ اس خداداد مقبولیت کے احاطہ میں اگر انبیاء اور مخالفین بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے قرآن مجید فرماتا ہے:-

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا۔ (مریم - ۹۶)

کے لیے ضرور اللہ الرحمن (لوگوں کے دلوں میں) محبت و الفت پیدا کر دیں گے۔

حضرت کی ذات گرامی اس آیت شریف کا صحیح مصداق تھی۔ اللہ جل شانہ اپنی حکمت بالغہ کی رُو سے اولیائے مستورین کو اپنے ظل عافیت اور سر جمیل میں پوشیدہ و پنہاں رکھتے ہیں اور اولیائے مشہورین کو مرجع خلائق بنا دیتے ہیں۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی شان و شہرت کا انداز مجددین اور مجتہدین امت کی طرح تھا کہ عوام و خواص، فضلا و فقرا اور امراء کے علاوہ اپنے پیر زادگان کے بھی آپ مرجع ہوئے جن میں سے بعض نے بیعت کی۔ اور اکثر نے ویسے ہی استفادہ کیا جس کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔

دوسری فصل

تعمیر مرکز اور طالبین حق کا اجتماع

طبع عالی میں مہمان کی رعایت کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔ لطفوظات شریف میں آیا ہے کہ آپ فرماتے تھے جب مجھے اس امر یعنی تلقین سلوک پر مامور فرمایا گیا تو میں نے بارگاہ رب العزت میں التجا کی تھی کہ الہی تو اپنے جن بندوں کو میری طرف راہنمائی فرمائے، اُن کے آرام اور جمعیت کی کفالت بھی خود ہی فرما، کیونکہ میرے پاس نہ تو فرصت ہے اور نہ مقدر۔

بعض سابقوں الاولوں

چنانچہ جب حج سے واپس آکر دعوت حق شروع کی تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہر بات کا انصرام اپنی قدرت کا طے سے خود ہی فرمادیا۔ باکمال لوگ مختلف اطراف سے بکھنچے چلے آئے اور عمر بھر کے لیے وابستہ دامن ہو گئے۔ مولینا محمد غازی مدرسہ صولتیہ مکہ شریف سے مستغنی ہو کر آگئے اور جامعہ غوثیہ گولڑہ کے شیخ الجامعہ کا منصب سنبھال لیا۔ تفسیر و حدیث اور کتب تصوف کی تعلیم حضرت خود دیتے تھے۔ اور بعض اساتذہ کو بڑی کتابوں کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ جناب قاری عبد الرحمن جو پوری ہندوستان سے آکر فتویٰ نویسی، امامت نماز، درس تجوید اور خط و کتابت پر مامور ہوئے۔ فن قرأت کی تعلیم اس علاقہ میں سب سے پہلے ان ہی اُستادِ مکرم کے ذریعہ جاری ہوئی۔ مولوی ولی احمد (بانڈی)، مولوی میر عبد اللہ (مکھن) سید چان شاہ (جابہ)، مولوی محبوب عالم (بزارہ)۔ اُن سابقوں الاولوں میں سے ہیں جو اس دربارِ علم و فقر میں سب سے پہلے حاضر ہوئے اور مسجد، مدرسہ اور لنگر کے کاروبار میں لگ گئے۔ ان حضرات نے شاگردوں سمیت پتھر اور مٹی گارہ اٹھا اٹھا کر مسجد اور مکانات کی تعمیر کردانی اور سخت پتھری زمین میں ایک کافی گہرا مدور کنواں کھودنے میں بھی ہاتھ بٹایا۔

ابستدار میں ایک کوٹھڑی حضرت کی رہائش کے لیے، ایک لنگر شریف کے سامان رکھنے کے لیے، اور دو بڑے کمرے درویشوں اور مہمانوں کے لیے تعمیر ہوئے پھر کچھ اور کوٹھڑیاں طالب علموں اور اُن کے اُستادوں کے لیے بنائی گئیں۔ اور اس طرح یہ پتھر اور مٹی گارے کا فقیر خانہ، بڑے پیر صاحب یعنی حضرت پیر فضل دین کے لنگر شریف اور خانقاہِ معلّے سے کچھ فاصلہ پر ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ ۱۸۹۶-۹۷ء میں پختہ اور شاندار مسجد تیار ہوئی۔ جس کی تعمیر میں حرم سرانے کے پردہ نشینوں تک نے رات کی تاریکیوں میں پانی بھر بھر کر حصّہ لیا۔ جناب بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ میری عمر اُس وقت چھ سات سال کی تھی۔ اور میں بھی پانی کا ایک چھوٹا سا برتن بھر بھر کر لایا کرتا تھا۔ یہ مسجد حال ہی میں دو منزلہ تعمیر کرائی گئی ہے جس کے بائیں جانب ایک بلند مینار عجیب شان کا منظر ہے۔ بعد میں ۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۷ء کے درمیان پشاور کے دو مجلس سلٹی برادران حاجی میاں کریم بخش اور حاجی میاں عبد الرحیم کے زیر اہتمام ایک شاندار مہمان سرانے



جامع مسجد گولڑہ شریف (اندرونی منظر)



چنگا گاہ غوث زمان لہوریں دولت بخشید
 علامہ غوث علی شاہ صاحب
 و میرات لکھنؤ قلمیہ علیہ السلام غوث زمان لکھنؤ
 و خیر القلوب علیہ السلام غوث زمان لکھنؤ
 انوار غوث علی شاہ صاحب غوث زمان لکھنؤ

چنگا گاہ غوث زمان مجدد دین و ملت حضور خواجہ سیدنا پیر میر علی شاہ صاحب

اور مدرسہ اور کتب خانہ کی خوش نمائندہ عمارات تعمیر ہوئیں۔ مہمان خانہ میں چالیس کے قریب ہوادار اور بلند و بالا کمرے ہال، گیلریاں، برآمدے اور بالائے اور ایک گشادہ مجلس خانہ بنایا گیا۔ مگر مرد آیام میں یہ وسیع عمارت بھی زائرین کی روز افزوں کثرت کے پیش نظر ناکافی ثابت ہوئی۔ چنانچہ اب تک جناب بابو جی مدظلہ تین اور مہمان خانے اور کئی دو منزلہ عمارتیں بنوا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بہت بڑا مجلس خانہ حال ہی میں تعمیر ہوا ہے جس کا طویل ایک سو بیس فٹ اور عرض اتنی فٹ ہے اور ابھی یہ سلسلہ تعمیر بدستور جاری ہے۔ اخبارات کے اندازہ کے مطابق اس وقت حضرت غوث الاعظمؒ کے سالانہ عرس مبارک کے موقع پر گولڑہ شریف میں ایک لاکھ کے قریب زائرین کا اجتماع ہوتا ہے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو بچپن میں ایک مجذوب نے بڑے پیر صاحب کی جائے رہائش میں کھڑے ہو کر بعض درختوں کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ ایک روز اس جگہ تک آپ کا محلہ ہوگا۔ چنانچہ اب تعمیرات کا سلسلہ اس ممتام کے قریب پہنچ گیا ہے۔

بعض مشہور خطیب اور ادیب رشتہ اخلاص میں منسلک

انہی ابتدائی آیام میں ملک کے بعض مشہور خطیب اور نامور ادیب حضرت کے رشتہ اخلاص میں منسلک ہوئے اور آپ کی تلقین اور تربیت سے مہذب ہو کر مسلک اہل سنت کی اشاعت پر کمر بستہ ہو گئے۔ ان میں سے حضرت مولانا محمد چراغ سکسہ چکوڑی شریف، جناب مفتی غلام مرتضیٰ سکسہ میانی ضلع سرگودھا صدر مدرس انجمن نعمانیہ لاہور، مولوی احمد دین سکسہ درابی تحصیل چکوال، خان بہادر مولوی محرم علی چشتی مدیر اخبار رفیق ہند لاہور، خان بہادر قاضی سراج الدین ایڈووکیٹ مدیو چوڑھویں صدی راولپنڈی اور جناب قاضی قدرت اللہ سکسہ قاضی خیل پشاور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات نے برصغیر ہند میں اور دوسرے ممالک میں بھی وہابیوں، چکرالویوں، مرزائیوں، رافضیوں اور اس عصر کے مغرب زدہ نچریوں اور دسروں کی کئی جدید تحریکوں اور اہل حق پران کے کتابی اور خطابی حملوں کا کامیاب مقابلہ کیا۔ آگے چل کر اس فہرست میں بے شمار اہل علم، اہل قلم اور اہل بیان حضرات کا اضافہ ہوا جن میں سے بعض کے کارہائے نمایاں کا کچھ ذکر اس کتاب میں مناسب مقامات پر آئے گا۔

اہل سلوک میں دوسرے کئی پرزادہ صاحبان کے علاوہ حضرت کے اپنے مشائخ کرام کے کئی صاحبزادے آپ کے سلسلہ بیعت یا حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے جن میں سے حضرت دیوان غیاث الدین اجمیری، حضرت دیوان سید محمد پاک پتن شریف اور حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کے اسماء گرامی خاص طور پر مشہور ہیں۔ حضرت خواجہ حسن نظامی مدیر اور مصنف بھی تھے اور ان کے افادات کا سلسلہ ہندوستان سے باہر بھی یعنی برما اور ملائیمک پھیلا ہوا تھا۔

حضرت کی ابتدائی نشست گاہ

اس ابتدائی زمانہ میں حضرت کی نشست چکر کی ایک مصلہ مناسل پر ہو کر تھی جو اس پُرانی عمارت کے سامنے درختوں کے سایہ میں رکھی ہوئی تھی۔ نماز فجر اور وظائف سے فارغ ہو کر مسجد سے آکر آپ اسی پر تشریف رکھتے۔ ارد گرد چپٹائیوں کا فرش بچھ جایا کرتا۔ علما، درویش اور مہمان حسب حاجت استفادہ کرتے۔ کوئی تعویذ لے رہا ہے اور کوئی دم کروا رہا ہے۔ کوئی دُعا

کا طلبگار ہے اور کوئی وظیفہ پوچھ رہا ہے۔ اور کوئی آپ کے طفوٹات قلم بند کر رہا ہے یہیں مجلس ذکر منعقد ہوتی یا کبھی کبھی قوالی ہو جاتی یہیں آپ نے مناظرہ کرنے والوں کو مسائل زیر بحث پر تقریریں لکھوائیں۔ اسی مقام پر ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں آپ کی پہلی مہتمم بالشان تصنیف تحقیق الحق "قلم بند ہوئی اور قادیانی مذہب پر ۱۹۰۲ء میں شمس الہدایت" اور ۱۹۰۲ء میں سیفِ چشتیانی منقذہ شہود پر آئیں۔ اسی جگہ مشائخِ طریقت اور اساتذہ مدارس نے آنجناب سے معنوی مولینائے روم اور حضرت شیخ اکبر کی فتوحاتِ مکہ اور فضوںِ حکم کا درس لیا۔ آج اسی مقام کے گرد و پیش اپنی پرانی درس گاہ اور شیخ کریم کے انفاس قدسیہ کی گذرگاہ میں ان تلامذہ کرام میں سے کئی حضرات مدفون ہو کر ابدی نیند سو رہے ہیں۔

تازمینا زوئے نام و نشانِ خواہد بود سرِ خاک رہ پیرِ معناںِ خواہد بود
بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود سالہا سجد صاحبِ نظراںِ خواہد بود

مراقبہ ذکر و فکر کی کیفیت

راتیں اسی پتھر کی سل پر مراقبہ میں گذر جاتیں۔ جناب مولوی محبوب عالم بیان کرتے تھے کہ حضرت جس پہلو پر بیٹھ جاتے صبح صادق تک اسی پہلو بیٹھے رہتے۔ ذرہ برابر حرکت نہ کرتے۔ موسم سرما کی طویل اور برفانی راتیں صرف ایک کبل میں گزار دیتے۔ صبح کے وقت کبل پر برف جمی ہوتی جسے اٹھ کر بھاڑ دیتے۔

بہت عرصہ بعد ایک روز درویشوں سے فرمایا کہ تم لوگ مراقبہ و ذکر میں بار بار پہلو بدلتے ہو ہم اپنے زمانہ میں دو زانو بیٹھتے تھے تو عشاء سے تہجد اور فجر سے ظہر اسی حالت میں کرتے۔ اس پر کسی نے اعترافِ مجز کے طور پر عرض کی قطب مدار کی استقامت بے چارے سیاروں کو کہاں نصیب؟

عشقِ الہی کی حرارت و جدت اس قدر تھی کہ رات کو وادی کے منجد تالاب میں غسل فرماتے اور برف بٹا ہٹا کر غوطہ لگاتے تھے۔ گویا یہ

قطرہٴ خونِ دلِ جامی بہ دریا افکنند سینہ بریاں، دل تپاں، مابہی ز آب آید بڑوں
ان ایام میں عموماً عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرماتے۔ کثرتِ مراقبہ اور مسلسل دو زانو نشست کے باعث ایک موقع پر رانیں بے سکت ہو گئی تھیں اور چپنا پھر ناڈ شوار ہو گیا تھا طیب نے ماش اور عصر کی نماز کے بعد گھوڑے کی سواری تجویز کی جس سے بالآخر افاقہ ہوا۔

شانِ تربیت

اس زمانہ میں عرفان کی پیاسی رُو میں دُور دُور سے آکر اس چشمہٴ فیضانِ الہی سے سیراب ہوئیں۔ اُن دنوں تلاشِ حق میں آنے والوں کی مُرادیں عجیب شان و انداز سے پوری ہوئیں۔ کوئی در ماندہ راہِ خدا پہلی نظری میں منزل سے ہم کنار ہوا اور کسی کی عرصہٴ دراز کی منزل دو یوم میں طے ہو گئی۔

وادیِ عشق بسے دُور و دراز است ولے طے شود جادہٴ صد سالہ بہ آہے گا ہے
طی منازل میں طالب کی اپنی استعداد کے ساتھ ساتھ شیخ کی ہمت و حوصلہ پر بہت کچھ منحصر ہوتا ہے۔ اگر شیخ کامل و اکمل

ہو اور چاہے تو طالب کاسالوں کا راستہ لمحوں میں طے ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے دو واقعات مختصراً جناب مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور کے مسودات میں سے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

فقیر محمد امیر کوٹ اٹل

حضرت محمد امیر کوٹ اٹل ضلع ڈیرہ اسماعیل خان ایک باکمال درویش تھے۔ آپ اصل ضلع جہلم کے رہنے والے تھے مگر علم حاصل کرنے کے لیے ڈیرہ اسماعیل خان گئے اور وہیں موسیٰ زئی شریف میں عمدۃ الواصلین خواجہ محمد عثمان نقشبندی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ آہستہ آہستہ اس قدر روحانی ترقی کی کہ سلسلہ نقشبندیہ میں اپنے شیخ کے خلیفہ ہو کر حلقہ ارشاد کو دور دور تک پھیلانے میں کامیاب ہوئے۔ آخر ایک ایسے مقام پر پہنچے جو ان کے شیخ کے مسلک کے خلاف تھا۔ یعنی مقام وحدت الوجود کے انواران کے قلب پر وارد ہونے لگے۔ شیخ نے پہلے تو یقین اور دعائے اصلاح کی کوشش کی اور پھر بالآخر انہیں گمراہ قرار دے دیا۔ یہ غریب اپنی قلبی کیفیت سے بے حد مجبور تھے۔ اور کوئی صورت اس مقام کو طے کرنے کی نہ پا کر تلاش مقصود میں نکل کھڑے ہوئے۔ بہت دور دور تک جستجو کی مگر کس کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں:-

ایک دفعہ فقیر صاحب نے کہیں سے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا چرچا سنا اور گولڑہ شریف جا پہنچے۔ وہاں ان دنوں بڑے پیر صاحب یعنی حضرت پیر فضل دین رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت تھی۔ لہذا پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر حرف مدعا پیش نہ کیا۔ وہاں سے سیدھے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت قبلہ عالم قدس سرہ درخت کے نیچے بیٹھے حضرت اجی صاحب کے ساتھ مصروف گفتگو تھے۔ آپ کے ہاتھ میں کتاب کشکول کلیمی تھی جو آپ نے ان کی طرف بڑھادی اُسے کھول کر پڑھتے ہی ان کا عقدہ جل ہو گیا وہ نہایت مظلوم ہو کر آپ کی خدمت میں بیٹھ گئے اور بیعت کی استدعا کی حضرت نے فرمایا تمہارا کام ہو گیا اب بیعت کی کیا ضرورت ہے۔ آخر اصرار در اصرار پر حضرت نے بیعت فرمایا۔ اور ادوا اشغال کی تلقین فرمائی اور تاکید کی کہ اپنے مرشد کے حق میں کبھی بے ادبی سرزد نہ ہو۔ سال میں ایک مرتبہ ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیا کرو اور ان کے وصال کے بعد ان کے عرس پر حاضری کو لازم سمجھو۔

فقیر صاحب رخصت ہو کر گھر چلے گئے۔ کچھ آزمائش اور ابتلا کا شکار بھی ہونا پڑا۔ عقیدت مند سب بے اعتقاد ہو گئے اور پہلے پیر صاحب بھی سخت ناراض ہوئے۔ کامل ایک سال کے بعد حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے بیعت اور ارشاد کی اجازت بخشی اور اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ ان کا حلقہ ارشاد پہلے سے بھی کئی گنا زیادہ وسیع ہو گیا۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی معیت میں پاک پتن شریف جایا کرتے تھے جہاں فقیر صاحب اور ان کے مرشدین بہت رات رات رہے جاگ جاتے اور ایسی لطیف آوازیں ذکر جہر کرتے کہ سننے والوں پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔ فقیر صاحب کے دو عزیز اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے جوانی گرامی نامے جو فقیر صاحب کے علوم مرتبت کی کچھ پردہ کشائی کرتے ہیں مکتوبات طیبات سے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

ترجمہ عرضیہ منجانب فقیر صاحب

عرض بلب ادب اینکہ سالک تجلی آفانی اور تجلی انفسی سے عبور کر گیا ہے۔ اب اس کے بعد تشبیہ اور تزیین

کے درمیان جمع ہے یعنی وجودِ سالک ہے اور صفات اُس کے وجود سے ظاہر ہو رہی ہیں لیکن انہیں قرار نہیں۔ اگر وجود کو مد نظر رکھتا ہے تو صفات کا لحاظ نہیں رہتا۔ اگر صفات پر نظر رکھے تو وجود کا لحاظ ہاتھ سے جاتا ہے۔ اب سالک وجود پر نظر رکھے یا صفات پر؟ جیسے ارشاد ہو تمہیل کی جائے۔ راقم فقیر از کوٹ اٹل

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا جواب

۱۔ رو نظر درجہ کن جو را میں

تا کہ باشی عارف سر یقیں

طالب حق مخلصی فی اللہ فقیر صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

بجواب سوال ارقام ہے کہ اس مشاہدہ میں نظر وجود پر رکھنی چاہیے نہ کہ صفات پر۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آں

طالب حق کو مشہور ذاتی و دایمی عطا فرمائیں۔ البعد دُعا گو و دُعا جو

مہر علی شاہ بقلم خود

عرضہ ۲ فقیر صاحب زبان اُردو

طالب صادق نے عالم امر سے عروج کیا۔ اُس جگہ تک کہ اُس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اور خیال کرتا ہے کہ جس مقام پر میں آیا ہوں۔ اُس پر کوئی نہیں آیا پھر نزول اُس کا ہوا اس قدر کہ بت نیچے آیا اور محض عبدیت میں آ رہا۔ اُس وقت خالی ہو گیا پھر اُس وقت حال اور موجد اُس کے شرع شریف کے خادم ہوئے۔ اس میں آں غریب نواز تحریر سے مشرف فرمائیں جو مناسب نصیحت طالب کے ہو۔

حضرت کا جوابی مکتوب گرامی

حالت مسطورہ مُرسلہ الحمد للہ والمنة مستوجب حمد و شکر باری عز اسمہ ہے۔ صرف یہ خیال کہ جس عروج پر میں پہنچا ہوں کوئی نہیں پہنچا، زعمی ہے واقعی نہیں۔ گو اس قسم کے خیالات پہلے بھی اہل اللہ سے سرزد ہوئے ہیں مثلاً ع۔ آنجا کہ من رسیدم امکان نیست کس را۔ اور اس خیال کے لیے وجہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہر ایک مخلوق کے لیے ایک وجہ اور تعلق خاص بجناب باری عز اسمہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے لیے نہیں۔ لکما قال الشیخ الاکبر فی مواضع عدیدہ من الفتوحات وغیرہ من العارفين۔ اس بنا پر آپ کا خیال مذکورہ بالا صحیح ہو سکتا ہے۔

بابا غلام فرید ٹالوی

کچھ ایسی قسم کا واقعہ ایک اور درویش کامل بابا غلام فرید ٹالوی کا بھی ہے۔ یہ عمار تھے۔ اور پہلی بیعت تلونڈی شریف کے ایک بزرگ حضرت مولوی محمد عبداللہ چشتی سے کی تھی۔ لیکن وسعت استعداد و بلند پروازی کے باعث جب پہلے

آسمان تربیت کی پہنائیاں ختم ہونے کو آئیں تو اپنے شیخ سے تحریری اجازت نامہ لے کر، دیگر فضاؤں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنے شیخ سے تجلی دائمی ابدی کے حصول کی درخواست کی۔ یہ وہ عالی مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے محدود و محدود خواص کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کا تعلق صفات و تشبیہ سے بالاتر تہذیب اور ذات سے ہے۔ اس کے متعلق حضرت شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جس کو تجلی ذاتی حاصل ہوئی وہ اور کمالوں سے مستغنی ہو گیا کیونکہ وہی اصل ہے۔ مگر یہ درجہ محض فضل الہی سے محض ہے، کسی نہیں بلکہ اس کے سب مقامات اختصاصی اور وہی ہیں۔ بدیں وجہ حضرت مولوی عبداللہ نے فرمایا کہ اے عزیز! یہ چیز تو ہمیں خود بھی حاصل نہیں۔ بابا غلام فرید نے عرض کی کہ کسی اور بزرگ کی طرف رجوع کی اجازت دے کر سفارش لکھ دیجئے تاکہ پہلی بیعت کے خیال سے انکار نہ کر دیں۔ چنانچہ اُس شیخ کریم نے اجازت نامہ لکھ دیا اور زبانی فرمایا کہ بابا، اگر نعمت کہیں سے ہاتھ آئے تو ہمیں بھی بتانا تاکہ ہم بھی محروم نہ رہیں۔

فقر حقیقی کی بے نفسی و بے عرضی

اس واقعہ میں فقر حقیقی کی بے نفسی اور طلب صادق کی کتنی اچھی مثال موجود ہے۔ حضرت سائیں توکل علی شاہ ناباوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر مرید کی استعداد پیر کی دسترس سے بٹھ جائے تو پیر کو اُسے آزاد کر دینا چاہیے تاکہ جہاں سے فیض مل سکے حاصل کر لے کیونکہ مقصد اور اصل غرض تو قربِ مولیٰ ہی ہے خواہ کہیں سے حاصل ہو۔ ہاں اگر پیر کا دست تصرف دراز ہو تو مرید کسی دوسری طرف متوجہ ہونے کا مجاز نہیں ہے۔

شیخ الجامعہ بہاولپور می لکھتے ہیں :-

بابا غلام فرید کے پیر حضرت مولوی عبداللہ میرے اُستاد الاستاد تھے اور خود اس پانیہ کے بزرگ تھے کہ ان کی پیدائش سے قبل غوثِ زمان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق اپنے خلیفہ حضرت مولانا سید حسین علی شاہ لکھنوی کو وصیت فرمائی کہ تمہارے پاس محمد عبداللہ نامی ایک طالب علم آئے گا۔ اُس کی تربیت میں سعی بلیغ سے کام لینا کہ عالم ارواح میں وہ ہمارا مرید ہے مگر اس جہان سے ہم اُس کی ولادت سے قبل رخصت ہو جائیں گے۔ آگے لکھتے ہیں کہ :-

مولانا سید حسین علی کی بیعت حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے اس طرح ہوئی تھی کہ ایک مرتبہ حضرت تونسوی کے خلیفہ اول حضرت سید محمد علی شاہ خیر آبادی، لکھنؤ گئے تو کسی نے مولانا سید حسین علی سے کہا کہ شاہ صاحب فصوص الحکم کا درس دیتے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ وہ تو جاہل ہیں، فصوص کو کیا جانتے ہوں گے۔ نیز قوالی کے متعلق بھی اعتراض کیا۔ اور حقیقیات صحیح تھی کہ سید محمد علی شاہ باوجود ظاہری علوم کی تکمیل نہ فرمانے کے فصوص الحکم جیسی ادق کتب تصوف کی تدریس فرماتے تھے جب یہ باتیں حضرت سید محمد علی شاہ خیر آبادی کے گوش گزار ہوئیں تو انہوں نے فرمایا کہ آج عصر کی نماز سید حسین علی شاہ کی مسجد میں ادا کریں گے۔ سید حسین علی شاہ ان دنوں حدیث شریف کا درس دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے پیچھے عصر کی نماز پڑھ کر حضرت سید محمد علی شاہ نے ان سے مصافحہ کیا اور فرمایا۔ آپ جیسے عالم باعمل کے ہاتھ میں میرا ہاتھ آ گیا ہے اب مغفرت کی امید ہو گئی ہے۔ یہ الفاظ کہہ کر سید صاحب تو تشریف لے گئے مگر سید حسین علی شاہ پر رقت طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد سنبھلے اور سید محمد علی شاہ خیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی استدعا کی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کی برات تو نہ تشریف میں ہے۔

تونسہ شریف کا نام سنتے ہی اس قدر شوق کا غلبہ ہوا کہ اسی روز روانہ ہو گئے۔

اگر خدا سے ملنا ہے تو گولڑہ جاؤ

بابا غلام فرید کے متعلق آگے چل کر شیخ الجامعہ لکھتے ہیں :-

غرض بابا غلام فرید بہت پھرے اور عمر کا ایک حصہ تلاش حق کے لیے جہاں نور دی میں گزار دیا، مگر مقصود نہ ملا۔ مایوس ہو کر خود کشی کے خیالات کا غلبہ ہوا۔ ایک تولد سم الفار یعنی سکھیا خریدی مگر کچھ تردد پیدا ہوا اور پھر تلاش شروع کر دی۔ بابا موصوف کہتے تھے کہ سفر کے دوران ایک شہر کی مسجد میں رات کو سونے کا قصد کر رہا تھا کہ ایک دوسرا مسافر بھی وہیں آ نکلا۔ طلب مولیٰ کی باتیں شروع ہو گئیں۔ کہنے لگا، اگر خدا کو ملنا ہے تو گولڑہ جاؤ۔ گولڑہ کا نام میرے لیے مقناطیس بن گیا۔ رات بھر اسی فکر میں سیندھی نہ آئی اور صبح اٹھتے ہی پتہ پوچھ کر روانہ ہو گیا۔ جب گاڑی سے اتر کر چلا تو ایک جگہ بارش کے پانی کی توجہ سے کچھ مہور ہوا تھا۔ وہاں سے کچھ ٹمنہ پر ملا اور اس میت کذاتی سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں مسجد میں جا حاضر ہوا۔ کئی مہینے پہلے لاہور میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں چلے کے خاتمہ پر خواب میں دیکھا تھا کہ میرے مقدمہ کی مسل داتا صاحب نے ایک سیاہ گیسوؤں والے خوش پوش بزرگ کے سپرد کر دی ہے جو کہ ان کے پاس ہی بیٹھے ہیں۔ اسی خواب کے باعث زہر خوری سے رُک گیا تھا۔ اب دیکھا تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ذات شریف میں وہی بزرگ میرے سامنے موجود ہیں اور ویسا ہی لباس زیب تن ہے۔ حضرت نے حال پوچھا تو میں نے پیر کا اجازت نامہ اور سکھیا کی ڈلی دونوں نکال کر سامنے رکھ دیے۔ اور عرض کی کہ آپ پر سب حال روشن ہے۔ خدا سے ملا دیجیے۔ حضرت نے فرمایا اب آرام کرو، ظہر کے بعد بات کریں گے۔ چنانچہ بعد نماز ظہر شہوت کے درخت کے نیچے بوا کر تھلیہ میں وظائف ارشاد فرمائے اور ایک بھر پور نظر کے ساتھ مجھ سے آنکھیں ملائیں۔ نظر کا پڑنا تھا کہ آتش شوق کا شعلہ بھٹک اٹھا اور میں رات بھر حنیفیت اور چلا تار رہا۔

چالیس روز کی بجائے ویوم میں ہی تکمیل کار

شیخ الجامعہ فرماتے ہیں کہ اگلے روز بابا غلام فرید پیش ہوا تو حضرت کی خدمت میں عرض کی گئی کہ اس درویش کا بُرا حال ہے۔ آپ نے فرمایا: بابا، میں نے کہا تھا کہ چند روز صبر اور تحمل سے وظائف کا ورد کرو، اگر ایسے ہی بے تاب ہو تو کیا چالیس دن کا روزہ رکھ لو گے؟

بابا کہتا تھا کہ میں نے سوچا مگر تو ویسے ہی رہا ہوں۔ اس طرح جلد چھپکارا ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی رات چالیس روز کا روزہ رکھ لیا۔ دو دن رات گزر گئے۔ لیکن مجھے نہ بھوک معلوم ہوتی تھی نہ پیاس۔ آتش شوق نے کسی چیز کا ہوش ہی باقی نہ رہنے دیا تھا۔ تیسرے روز حضرت نے بوا بھیجا اور فرمایا: بابا، مبارک ہو تمہارا کام ہو گیا۔ اب اس چیز کی حفاظت کرنا یہ کہہ کر اپنے سامنے میرا روزہ افطار کروادیا۔ اگرچہ میری خواہش یہی تھی کہ میں چالیس روز ہی کا روزہ پورا کروں۔

اس کے بعد بابا غلام فرید پر ایک عرصہ تک اللہ تعالیٰ کا بہت فضل و کرم رہا۔ وہ شرک پر چلتے ہوئے بھی سر اور منہ پر چادر ڈالے رہتے اور آنکھیں بند کیے ذکر جاری رکھتے۔ گویا انہیں راستہ دیکھنے اور نشیب و فراز سے بچنے کے

لیے ظاہری بصارت کی ضرورت نہ رہی تھی۔ حضرت کی مجلس میں جو تیوں والی جگہ پر کمال عجز و نیاز چادر اوڑھے مراقب بیٹھے رہتے۔ ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے مشنوی شریف مولینا روم کے درس کے دوران تجدید امثال پر تقریر فرماتے ہوئے بابا غلام فرید کی طرف اشارہ کر کے باقی طلباء کو فرمایا کہ اس مضمون کی سمجھ تو کچھ اس شخص کو آئے گی جو تمہارے پیچھے منہ سر پیٹے بیٹھا ہے۔ مگر تم بھی غور سے سُنو۔

حضرت بابو جی مدظلہ جو اُس درس میں موجود تھے فرماتے ہیں کہ اثنائے تقریر بابا صاحب نے بے ساختہ اور دلہانہ انداز میں اُٹھتے ہوئے کچھ عجیب طور پر دیکھا، مگر حضرت کا اشارہ پا کر بیٹھ گئے اور خاموش رہے۔ بعد میں جناب بابو جی کے اصرار پر صرف اس قدر ظاہر کیا کہ انہوں نے اثنائے درس حضرت کی مجلس میں دودھ تقسیم ہوتے دیکھا۔ نیز مشاہدہ کیا کہ ایک صورت سے متعدد صورتیں بن کر نکل رہی ہیں۔ جناب بابو جی مدظلہ نے تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ دودھ علم و عرفان کی مثالی شکل ہے اور ایک صورت سے متعدد صورتوں کا ظاہر ہونا وحدت سے کثرت کے ظہور کا مشاہدہ ہے۔

سفر حج کے مکاشفات

حضرت سے اجازت لے کر بابا غلام فرید حج کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے ایک وظیفہ تعلقین فرمایا کہ کعبہ شریف اور روضۂ اطہر کے سامنے بیٹھ کر پڑھنا۔ واپسی حج پر سیدھے گولڑہ شریف پہنچے اور مجلس شریف میں حاضر ہوتے ہی اپنی بڑی سی گوردہ سپوری گپڑی اُتار کر حضرت کے قدموں میں پھینکی اور دھاڑیں مار کر روتے ہوئے عرض کی کہ جب ہر جگہ آپ ہی آپ ہیں۔ یہاں بھی اور وہاں بھی۔ تو مجھ بوڑھے مسکین کو اپنی شانیں دکھلانے کے لیے اس قدر طول و طویل سفر کرنا کیوں ہلاک کرتے ہیں۔ بعد میں بعض مخلصین کے دریافت کرنے پر بیان کیا کہ لوگ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے مگر میرا دل چاہتا تھا کہ کعبہ والا نظر آئے تو اُس کا طواف کروں۔ ناگہاں ایک ہاتھ کعبہ شریف سے نمودار ہوا جسے دیکھتے ہی دل پر ایک دلہانہ اور جنون کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور میں بخود دم توالا ہو کر طواف کرنے لگ گیا۔ پھر مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر کے سامنے مراقب بیٹھا تھا کہ اچانک حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سامنے آ موجود ہوئے اور استلام علیکم کہہ کر دریافت فرمایا کہ کوئی تکلیف تو نہیں؟

شیخ کی غیرت

بابا غلام فرید دلوں کے خطرات سے آگاہ ہو جاتے تھے اور واقعات کو نیکہ کی خبریں بھی دیتے تھے لیکن سلوک کے ان ادنیٰ و ابتدائی امور پر زبان اُس وقت کھلی جب اصل نعمت اور امت مہم میں تنزل واقع ہو گیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ چند روز کے لیے ایک مکار صوفی کی صحبت میں رہے جو دعویٰ کرتا تھا کہ میں حضرت غوث الاعظم کا حضور ہی ہوں۔ یہ اپنے پہلے شیخ حضرت مولوی عبداللہ کی اجازت نامہ کے عادی تھے مگر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی طبیعت اپنی عالی مقامی اور وسیع تصرف کے باعث سید غیور واقع ہوئی تھی۔ آپ کا تربیت یافتہ اگر ذرہ بھر بھی کسی دوسری جانب متوجہ ہوتا تو کفران نعمت کے مصداق فوراً رجعت پڑتی تھی اور سب کچھ کھو بیٹھتا تھا۔ چنانچہ ان کا اہم توجہ کرنا تھا کہ وہ نعمت عالیہ سلب ہو گئی۔ بابا گرتے پڑتے۔ روتے دھوتے گولڑہ شریف پہنچے۔ بہت کچھ عاجزی کی اور سفارشیں بھی کروائیں مگر حضرت نے

توجہ نہ فرمائی۔ بالآخر حضرت بابو جی مدظلہ کی مسلسل گزارشات پر اتنا ضرور ہوا کہ صرف گولڑہ شریف کی حدود میں وہ پرانی کیفیت عود کر آتی۔ حضرت فرماتے تھے کہ اب تسلی و دلا سے دے کر اس کے ساتھ وقت گزاری کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس نعمت سے نوازا تھا جو سلطان العارفین حضرت بابو بٹھائی جیسے اولیائے کبار کو چالیس چالیس سال لک کے دروازہ پر پہرہ دینے کے بعد نصیب ہوئی تھی۔ لیکن اس نے اس کی قدر نہیں کی۔ آخر فرمایا کہ اسے کہ دو منظر رہتے ہوئے امید میں وقت گزارے کیونکہ اب اس مقام پر کوئی وظیفہ یا مجاہدہ کام نہیں آتا۔ ویسے دیگر کم تر مقامات یعنی صحبت ارواح و ملائکہ کی قسم کی نوازشات سے بابا سر فرما رہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت

حضرت بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ موسم گرما میں عین دوپہر کے وقت بابا غلام فرید میری مٹھیک پر آئے اور کہا کہ حضرت نے مجھے اسی وقت پیدل راولپنڈی جانے کا حکم دیا ہے۔ میں نے کہا ٹھنڈے وقت چلے جانا۔ مگر وہ کہنے لگے کہ ابھی جانے کا حکم ہوا ہے۔ میں نے کہا میں گھوڑا منگوا دیتا ہوں اس پر چلے جانا۔ مگر وہ نہ مانے۔ میں نے کہہ دیا کہ ریل گاڑی پر چلے جائے تو وہ بھی نہ لیا کہ پیدل جانے کا حکم ہے۔ چنانچہ میرے اصرار کے باوجود اسی وقت چلے گئے۔ بعد میں جب ملاقات ہوئی تو بتایا کہ موضع میرا بادین ہے میں نے ایک شخص کو دکھا کہ کھیتوں میں کھڑا مجھے اپنی طرف بٹارہا ہے میں نے ان کے پاس پہنچ کر سلام کیا۔ انہوں نے کچھ دیر میرے ساتھ باتیں کیں مثنوی مولانا روم کے کچھ اشعار فرما کر ان کے مطابق عمل کرنے کو کہا۔ پھر اچانک غائب ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے سال پڑ بابا غلام فرید تیسرے روز گولڑہ شریف پہنچے اور اس دریافت پر کہ ان کو بٹالہ میں کیسے اطلاع ہوئی۔ کہا کہ پہلے تو کچھ پتہ نہیں چلا۔ کل عصر کے وقت میں نے نظر اٹھائی تو اس میدان میں بے شمار لوگ کھڑے پائے اور فضا آسمانی میں اس سے بھی زیادہ مخلوق نظر آئی جو سب منتظر دکھائی دیتے تھے چنانچہ میں اسی وقت چل پڑا۔ یہ حضرت کی نماز جنازہ کا وقت تھا جس کا نظارہ بابا نے بٹالہ میں کیا۔

قاضی فیض عالم

حضرت کے ایک اور دیرینہ خادم و شاگرد قاضی فیض عالم بھی کسی اور طرف سے حصول فیض کے خیال سے نعمت سلب کر دیا بیٹھے تھے۔ قاضی صاحب کے گاؤں میں ان کے ایک استاد جو ان کے رشتہ دار بھی تھے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مجاز تھے۔ انہوں نے قاضی فیض عالم کو گولڑہ شریف سے جہاں تحصیل علم کے ساتھ ساتھ حصول فقر میں بھی مصروف تھے بلوایا اور کہا کہ میں اولاد سے محروم ہوں اور بوڑھا ہو گیا ہوں۔ تم میری گدی سنبھال لو۔ تمہارے شیخ تو وہی رہیں گے مگر میرے بتلائے ہوئے وظائف بھی پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ پہلے وظیفہ پر ہی رجعت پڑی اور سب کچھ گنوا بیٹھے۔ پھر مدت تک حاضری کی توفیق نہ ہوئی حالانکہ جاتے وقت حضرت نے اشارہ فرمایا کہ وطن میں زیادہ جی نہ لگانا اور جلد واپس آجانا۔ قاضی فیض عالم دو برس بعد واپس آئے تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فرمایا۔ سنا ہے تمہاری طرف بہت بارش ہوئی ہے اور بڑی بہار ہے۔ قاضی صاحب نے بھی اشارے کی زبان میں جو اباعرض کی کہ بہار آئی ہوگی۔ ہمارا تو چمن اجڑ گیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اب مشکل سے ہی ہرا ہوگا۔ بعد میں یہ درویش بیٹھ کر رو دیا کرتا تھا کہ مجھے یہ کمال حاصل ہو گیا تھا کہ راہ چلتے میں زیر زمین حشرات الارض کی تسبیح تک سنا کرتا تھا۔ اور وحوش و طیور، غرض ہر جاندار کے اشغال اور اراکات پر آگاہی ہو جاتی تھی۔

تیسری فصل

سماع اور غنا پر حضرت کا مسلک اور آپ کی زندگی کے چند واقعات

سماع اور غنا کا مطلب اور آدابِ حال کا مسلک

خوش الحانی اور سُری آوازیں گانے کو غنا کہتے ہیں اور سماع سے مراد اُس کلام کو سُنانا ہے جو خوش الحانی سے گایا جائے۔ غنا کی دو قسمیں ہیں، ایک بالمرامیر یعنی آلات موسیقی کے ہمراہ گانا، دوسرا بلامرامیر یعنی بغیر اُن آلات کی رفاقت کے گانا۔ موسیقی کا جو اثر انسانی فطرت پر ہوتا ہے وہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس کے زیر اثر جہاں ایک طرف انسان وجدان کی ارفع منازل تک جا پہنچتا ہے وہاں دوسری جانب گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی ڈوب سکتا ہے۔ اس لیے سماع کی حرمت یا جواز مختلف مکاتبِ فکرِ اسلامیہ میں ایک متنازعہ مسئلہ رہا ہے۔ اور اس پر متعدد اکابرِ علمائے کرام نے اپنی اپنی تصانیف میں اظہارِ خیال فرمایا ہے مثلاً احیاء العلوم وکیمیائے سعادت از امام غزالی، کشف المحجوب از حضرت داتا گنج بخش، قرع الاسماع ومدارج النبوة از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصباح الہدایۃ از مولانا محمود کاشانی، ایضاح الدلالات فی سماع الآلات از علامہ عبدالغنی نابلسی وغیرہ وغیرہ ان تصانیف میں صوفیائے کرام کے آدابِ سماع پر طویل بحث موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غنا و مرامیر فی نفسہ حرام نہیں بلکہ عوارضِ محرمہ کی وجہ سے حرام اور اُن سے مُبرا ہونے کی صورت میں مُباح ہیں۔ مزید بتایا گیا ہے کہ سماع کے چار اقسام ہیں۔ اور ہر قسم کے لیے علیحدہ حکم ہے۔

اول:- کفار کی بغنی، صغیر اور دستک زنی، یہ بحوالہ آیات قرآنیہ "وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ" اور "مَا كَانَ صَلَواتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مَكَاةً وَتَصْدِيَةً" جو حق سے اعراض و انکار کی وجہ سے کُفر ہے۔
دوم:- فساق کی غنائے شہوت پرستی اور شراب نوشی فسق اور حرام ہے۔

سوم:- عامۃ المسلمین کے گانے اور سرود جو شادی، میلہ، عید یا ایسی دیگر تقریبات پر بجائے جائیں وہ تفریحِ مباح کا حکم رکھتے ہیں بشرطیکہ اُن میں فحش اور دلآزارانہ عنصر نہ ہو اور عورتوں مردوں کا اختلاط اور غیر شرعی امور نہ ہوں۔
چہارم:- اللہ والوں کی مجالسِ سماع و غنا، جو تسخّن ہیں کیونکہ موجب ترقی ذوق و شوقِ الہی ہیں۔

حضراتِ چشتیہ کا مسلک

حضراتِ چشت اہل بہشت نے بھی قریباً ایک درجن صحیح احادیث کی بنا پر قرونِ مبارکہ ثلاثہ کے سماع کو ثابت کیا اور اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے بھی سماع کو انہی چار اقسام پر منقسم فرمایا ہے۔

اقتباس الاولار میں ہے کہ جناب خواجہ غریب نواز مبعین الدین اجمیری کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکلی نے جناب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی طور پر سماع بالمعنا میری اجانت حاصل کی تھی کیونکہ اہل بندہ بلحاظ طبع و تہذیب کی طرف رغبت تھے۔ چنانچہ ان کے سامنے اسلام کی پیش کش انہی کے انداز میں کرنے سے بہت سرعت سے کامیابی ہوئی۔

حضرت کا مسلک

حضرت کا تعلق چونکہ سلسلہ چشتیہ سے تھا اس لیے آپ غنا اور سماع کو جائز اور مباح سمجھتے تھے۔ جیسا کہ پہلے ابواب میں بیان ہو چکا ہے آپ کو بچپن ہی سے قوالی مرغوب تھی۔ ابتدائی تعلیم کے دوران آپ جنگل میں جا کر خود بھی پُر سوز اشعار پڑھا کرتے تھے۔ آپ کی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ابتدائی ایام میں مزار میر کے ساتھ اور آخری ایام میں بلا مزار مہر قوالی سنی ہے۔ بلا مزار میر سماع کے متعلق یہ توجیہ بیان کی جا سکتی ہے کہ اولیاء اللہ جب فنا کے کامل اور مشاہدہ کے اعلیٰ مقامات پر سرفراز ہو جاتے ہیں تو انہیں ان فروعات کی حاجت نہیں رہتی۔ وہاں تو حسنات الابرار بھی سنیات المقربین بن کر رہ جاتی ہیں۔ اگرچہ بعض مشائخ اپنے ارادت مندوں کے استفادہ اور تربیت کے لیے اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں۔

حضرت نے سماع کے متعلق اپنا مسلک ایک مکتوب میں حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کے ان اشعار میں بیان فرمایا ہے :-

سماع اے برادر بگویم کہ چسپیت مگر مستمع را بدائم کہ کیست

گراز بروج معنی بود طیبہ او فرشتہ فرد ماند از سیر او

وگر مرد لہو است و بازی و لاغ قوی تر شود لہوش اندر دماغ

یعنی صاحب ذوق کے لیے تو سماع مفید ہے۔ وہ اُسے عشق کی اُن بندیوں تک پہنچا دیتا ہے کہ فرشتے بھی اُس سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ مگر صاحب لہو و لعب کے لیے مضر ہے اور شہوت پرستی کو اُس کے دل و دماغ میں قوی تر کرتا ہے۔ اب حضرت کی زندگی سے چند ایسے واقعات جن کا تعلق سماع اور قوالی سے ہے، ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

انینگلو انڈین ریلوے گارڈ پر سماع کا اثر

رات کا وقت تھا۔ ریل گاڑی جنڈ بسال لائن پر ویران پہاڑیوں میں سے گزر رہی تھی۔ حضرت کا قوال نعت جمال حضرت کی فرمائش پر پنجابی کے یہ اشعار چیتی گوری راگنی میں گارہا تھا :-

دیکھو نی کی کر گیا ماہی دڑی نے کے ہو گیا لاہی

راے سہیو دیکھو میرے پی نے میرے ساتھ کیا کیا، وہ میرا دل لے کر چلتا بنا

ماہی دے سینہڑے میسکوں کوکاں، کوک سناواں کیسوں

(میں اپنے پی کو اپنا پیمانہ کیسے پہنچاؤں اور اپنی فریاد کسے سناؤں)

ہسڈیاں گل وچ پنے گئی پھاہی دیکھو نی کی کر گیا ماہی

(وہ مجھ ہستی کھستی کے گلے میں پھنسا ڈال گیا۔ اے سکھو دیکھو میرے پی نے میرے ساتھ کیا کیا)

گاڑی کا انینگلو انڈین گارڈ اجازت لے کر آپ کے ڈبے میں بیٹھ گیا تھا۔ قوالی سناتا رہا۔ پنجابی کلام کا مطلب تو نہ سمجھ سکا مگر حضرت کی کیفیت کے روحانی اثر سے بخود بخود روتا رہا اور کہنے لگا۔ جی چاہتا ہے انسان سب کچھ چھوڑ کر پیر صاحب

کے قدموں میں زندگی گزار دے۔“

اجمیر شریف کے قوال کا واقعہ

اجمیر شریف کے ایک قوال نے ایک موقع پر مشہور عربی نعت

الصُّبْحُ بَدَا مِنْ طُلُوعِهِ وَاللَّيْلُ دَخِيَ مِنْ وَفْرَتِهِ

سنائی تو حضرت نے اُسے قسمتی مچنے کبیل اور قالین بخش دیئے اور جب کمرہ میں ان سے بہتر کوئی چیز باقی نہ رہی تو اسے طبل کے گھوڑوں تک نوبت جا پہنچی۔ کہتے ہیں کہ اُس روز آپ پر ایسی وجدانی کیفیت طاری ہوئی کہ ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو کر بالکل سُکر کی سی حالت پیدا ہو گئی تھی۔

ہندو جوگی کا قبولِ اسلام

موضع پنڈی سید پور، تھانہ جلال پور شریف ضلع جہلم کا ایک ہندو جوگی، لدھارام نامی، سدھ پور کے مہتمم اور حاضر خدمت ہوا اور قوالی سناتا رہا۔ پھر سوال کیا کہ یہ سب تو رنگ ہے، بے رنگ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا تم نے عقلمندی کی بات کہی ہے۔ میں بتاتا ہوں کہ رنگ بے رنگ کیا ہے۔ پھر آپ نے ہندی زبان کا یہ کبت پڑھا۔

حد پٹے تے اولیار، بے حد پٹے تو پیر

حد، بے حد دو ہیں لنگھے، اُس کا نام فقیر

جوگی یہ پراسرار کلام سن کر پہلے رو پڑا۔ پھر کہنے لگا، حد، سجدہ دونوں پھلانگ جائے تو حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا غلام ہو جائے۔ اور کچھ عرصہ بعد اپنے کسی چیلوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ حضرت نے اُسے قبولِ اسلام کے بعد درود شریف کا وظیفہ بتلایا۔

اپ کی وجدانی کیفیات کے بعض واقعات

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی وجدانی کیفیات بالعموم سجدہ عبودیت کی معراج المؤمنین پر منتج ہوتی تھیں۔ اور یہ سجدے اکثر اوقات اپنی طوالت میں سحر تک جا پہنچتے تھے۔ اعراض اور دیگر مجالس کی قوالی میں رقت، حالت سُکر اور قیام کی بھی روایتیں ملتی ہیں۔ لیکن جوں جوں فنائے کامل اور مشاہدہ کے اعلیٰ ترین مقامات قریب سے قریب تر جوتے گئے۔ وجد کی کیفیت میں سکون پیدا ہوتا گیا۔ آخری ایام میں وجد کی علامت یہ رہ گئی تھی کہ داہنے ہاتھ کو حرکت میں لاکر ایک دو بار جھٹک دیا کرتے اور اُس روز اکثر ایسا ہوتا کہ جو شخص مصافحہ کرتا یا بیعت سے مشرف ہوتا اُس پر رقت طاری ہو جاتی۔ ایک بار پاک پن شریف میں وجدانی کیفیت طاری ہو کر کئی روز تک قائم رہی جتنی کہ واپسی کے دوران لاہور میں بھی جس کسی نے مصافحہ کر کے ہاتھ چھوا بے اختیار روتا رہا۔ اس وجد کے چشم دید حالات یہ بیان کیے جاتے ہیں کہ آپ کی جائے قیام مونی محل میں صبح کے وقت مجلس قوالی منعقد ہوتی۔ حافظ کے مندرجہ ذیل شعر پر وجد کے آثار نمایاں ہوتے۔

شب تاریک و نیم موج و گردابے خمیں حایل کجاہ انت حال ما شبک ساران سا جہا

قوال صاحبان نے اس شعر کی تکرار کے ساتھ ساتھ اس کا یہ پنجابی ترجمہ بھی دہرایا۔

رات اندھیری گھٹن گھیری دریا ٹھاٹھاں مارے

اوہ کی جان سارا ساڈا جیڑھے رہن کنارے

حضرت بحالت وجد اٹھ کھڑے ہوئے اور مجلس میں ایک کھرام برپا ہو گیا۔ اس عمارت کے دوسرے کمروں اور گیلریوں میں جو حضرات مقیم تھے وہ بھی اپنی اپنی جگہ پر ٹپنے لگ گئے۔ قاری عبد الرحمن جو پوری و مولوی محبوب عالم نے حضرت کی کمرقم رکھی تھی۔ اور خود بھی نالہ و فریاد گناں تھے۔ پشاور کے حاجی عبد الکریم سیٹھی چھتے چلاتے ہال کمرے کے کبھی اس سرے پر جاتے اور کبھی اس سرے پر، ان کے بعض پشاور میں ساتھی، ساتھ والے کمرے میں بستروں کے ڈھیر پر پڑے تھے وہ وہیں ٹوٹنے لگے۔ پھر یہ لہر بسرت تمام محلے کی دیگر عمارت تک جا پہنچی۔ جو بھی شور سن کر موتی محل کی طرف رخ کرتا بے اختیار گریہ و زاری کرنے لگ جاتا حضرت دیوان سید محمد تجاودہ نشین پاک پتن شریف اپنے کمرہ سے باہر نکل آئے اور دریافت حال کے لیے ایک خادم کو بھیجا لیکن وہ بھی وجد کرنے لگ گیا۔ دیوان صاحب فرماتے تھے کہ اس روز واقعی پاک پتن کے درود یوار حرکت میں معلوم ہوتے تھے جس سے مجھے ان کتابی روایات کا خیال آیا کہ قطب وقت کے وجد میں آنے پر ہر شے پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جناب غوث الاعظم کے متعلق "اقتباس الانوار" وغیرہ کتب میں تحریر ہے کہ جس رات آپ نے حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری کی میسزبانی میں مجلس سماع منعقد کرائی اور حضرت غریب نواز پر وجد طاری ہوا تو یہ ناغوث الاعظم نے ہتھائے مبارک زمین میں گاڑ کر مضبوطی سے تھام لیا کہ قطب وقت وجد میں ہے مبادا زمین میں زلزلہ آجائے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو ایک مرتبہ پاک پتن شریف میں چکی کا دورہ ہوا۔ اور باوجود علاج کے کوئی افادہ نہ ہوا۔ تقریباً ایک ماہ تک یہی کیفیت رہی۔ آخر دیوان صاحب سے مشکل اجازت لے کر واپس روانہ ہوئے۔ اساتے سفر نواب دکان قصور کے اصرار پر ان کے ہاں قیام فرمایا۔ جہاں انہوں نے جناب بابو جی مدظلہ کے ایما پر حضرت بابا بٹھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے قوالوں کو بلوا کر بدیں خیال قوالی شروع کرادی کہ شاید حضرت کی طبع مبارک ادھر متوجہ ہو کر قدسے سنبھل جائے۔ ان ایام میں آپ نے سماع ترک کیا ہوا تھا جب قوال حاضر ہوئے تو فرمایا، یہ کیا ہے۔ نواب زادہ فتح باز خان نے عرض کی۔ غریب نواز، لوگ کیسے جانیں گے کہ یہاں کوئی چشتی بزرگ بھی تشریف لائے ہیں۔ اور قوالوں کو اشارہ کیا کہ اپنا کام شروع کریں۔ میان دھنا پلمبی خود ایک صاحب دل انسان تھا جو قوالی کرتے ہوئے وجد میں آجاتا تھا۔ نواب زادہ فتح باز خان نے روپوں کی ایک تھیلی حضرت کے پنگ پراٹ دی اور آپ روپے اٹھا کر قوالوں کو دیتے رہے جب بابا بٹھے شاہ کی یہ کافی شروع ہوئی۔

میں نانہہ مرادو اعشق دیوانہ شوہ نال پتیاں لایاں نی

تو آپ پر وجدانی آثار نمایاں ہوئے اور چکی بند ہو گئی۔ کوئی دو بجے رات تک قوالی ہوتی رہی۔ میان دھنا پلمبی کی انگلیوں سے خون بننے لگا۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میں نے قوالی سننا ترک کر رکھا تھا۔ مگر آج رات اس سے مجھے دد فائدے ہوئے۔ ایک یہ کہ میری بیماری دھواں بن کر میری ناک کی راہ سے خارج ہو گئی اور دوسرے فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد حضرت بٹھے شاہ اور ان کے شیخ حضرت شاہ عنایت سفید لباس میں تشریف لائے اور زیارت سے ممنون فرمایا۔ اس روز آپ قصور میں بابا بٹھے شاہ کے مزار پر اور لاہور آکر حضرت شاہ عنایت کے مزار پر زیارت و فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لے گئے۔ بعد ازاں جب اس بیماری کے متعلق حضرت صاحبزادہ محمود تونسوی کا عیادت نلک آیا تو جواب میں حضرت نے یہ شعر ارشاد فرمایا۔

آنا یہ جھکیوں کا مجھے بے سبب نہیں
بھولے سے اُس نے یاد کیا جو عجب نہیں

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ گاہے گاہے تخلیہ میں شغلِ سماع کر لیا کرتے تھے۔ روزِ عام طور پر وظائف و اشغال کی کثرت اور زائرین کے ارشاد و افادہ کی مصروفیت کے باعث اس کی فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ ان اشغال میں روزانہ پندرہ سے اٹھارہ ہزار تک اہم ذات کا ورد اور اکثر اوقات کتابوں کی درس و تدریس بھی شامل ہوتے تھے۔ ذوقِ عالی کا انداز فقط رسمی سماعِ حُسنِ صوت اور رنگِ سخن ہی کا پاس نہ تھا، بلکہ اکثر روزمرہ کی باتوں میں سے محض کوئی نکتہ یا لفظ ہی عشقِ سرمدی کے ساز کو چھٹینے کے لیے مضرب کا کام کر جاتا اور آپ کی طبیعت پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی، جس کا مظاہرہ مختلف صورتوں میں ہوتا۔

جب آپ کے اکلوتے صاحبزادہ کی پیدائش پر ایک خادم نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اچانک عرض کی حضرت مبارک ہو! تو آپ نے اپنے دائمی شغل سے لفظ مبارک کی کیفیت میں چونک کر فرمایا: "خیر مبارک۔ کیا بوا! خادم نے عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرزندِ ارجمند عطا فرمایا ہے۔ آپ نے الحمد للہ کہہ کر آہِ سرمد کے ساتھ فرمایا کہ تمہارے اس مبارک کے لفظ سے میں سمجھا تھا کہ مجھے خدا مل گیا ہے۔"

۱۹۲۰ء کا ذکر ہے ایک روز عصر کے بعد مسجد سے مہمانِ رخصت ہو رہے تھے کہ کسی نے موت کا ذکر کیا۔ آپ پر کیفیت طاری ہو گئی۔ ایک بسی ٹھنڈی سانس لی اور حسرت بھرے لہجے میں فرمایا: "ابھی یہ نعمت کہاں۔"

ع شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

قصبہ گولڑہ میں ایک رات شادی کے موقع پر لڑکیوں نے پنجابی زبان میں گیت گاتے ہوئے یہ شعر پڑھا ہے

اُچی ڈھکی گھر سامنے میری ڈاٹھے نال پریت

نال توڑی، نال توڑساں، نال توڑن دی ریت

گرمیوں کا موسم تھا۔ آپ بالاخانہ کی چھت پر شغل و ذکرِ الہی میں محو تھے کہ یہ شعر سن کر وجد ہو گیا۔ شادی والے گھر میں خبر پہنچی تو لڑکیاں رات گئے تک اسی شعری تکرار کرتی رہیں۔ جب آپ نے دُعا دے کر منع فرما بھیجا تو انہوں نے گانا بند کیا۔

جناب بابو جی قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت کا سماع کوئی باقاعدہ اور مُعاد طریق پر نہ تھا کبھی اتفاق سے کہیں کوئی شعر سننے میں آجاتا اور جب دانی کیفیت پیدا ہو جاتی تو حافظ نور محمد وغیرہ تو الان حاضر کو ارشاد فرما کر اُس شعری تکرار کراتے، یہاں تک کہ کبھی کبھی یہ سلسلہ کئی کئی روز تک جاری رہتا۔ ایک مرتبہ مندرجہ ذیل شعر پر آپ کو متواتر تین دن تک کیفیت رہی ۷

نہ محلِ گفت گو ہے نہ ممت ہم جستجو ہے

دلِ بے نوانے میرے جہاں چھاؤنی ہے چھانی

ایک دفعہ رحمانی باغ علاقہ سرگودھا میں بارش کے لیے دُعا کی، اس دعا پر قوالوں کو ایک خاص انداز میں غزل سنانے کو فرمایا۔ مطلع یہ تھا ۷

ترک من آے مہ عندم رُوئے تو

جملہ ترکان جہاں بند وئے تو

مقطع تک پہنچتے پہنچتے بادل آنے شروع ہو گئے! اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بارش ہو گئی۔ اس غزل کے دوران آپ

نے یہ شعر بھی پڑھنے کو فرمایا تھا۔

لیے پھرتی ہے بسل چونچ میں گل
شہیدِ ناز کی تربت کہاں ہے

ایک اور مرتبہ کا ذکر ہے کہ حافظ نور محمد قوال اجازت لے کر اپنے گاؤں جا رہا تھا۔ آپ بالاخانے کی چھت پر تشریف فرما تھے۔ فرمایا، جاتے ہوئے اُس ڈھوک کے پاس بُلندی پر کھڑے ہو کر فلاں دوہرا لاپتے جانا۔ وہ تو دو چار مرتبہ وہی دوہرا لاپ کر چلتا بنا۔ مگر یہاں آپ کو پہلے ہی بول پر جذب ہو گیا تھا اور اس حالت میں سخن پسندیہ و مطلوبہ کا تکرار نہ پا کر طبیعت میں ایسا انقباض ہوا کہ غشی کے قریب تک نوبت جا پہنچی۔ جب قدر سے افادہ ہوا تو خدام میں سے کسی نے کہہ دیا کہ حافظ بے مزا کر گیا ہے۔ آپ کی زبان مبارک سے نکل گیا کہ وہ بھی بے مزہ ہو گا۔ حافظ جب گاؤں پہنچا تو اُس کی بیوی اچانک مرض جنوں میں مبتلا ہو گئی۔ حاضر ہو کر کئی مرتبہ دعا کر داتا رہا مگر کوئی افادہ نہ ہوا۔ آخر مریضہ کو بوجہ غلبہ مرض رستوں سے باندھ کر گولڑہ شریف لے آیا۔ دو خورد سال بچے بھی روتے ہوئے ساتھ تھے۔ آپ کو دیکھ کر بے حد رحم آیا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مریضہ اسی وقت ہوش میں آ کر اپنے ننگے سر کو ہاتھوں سے ڈھانپنے اور اڑھنی مانگنے لگ گئی۔ اس کے بعد عمر بھر اُسے وہ تکلیف نہ ہوئی۔

یہی حافظ قوال بیان کرتا تھا کہ میرے ساتھ تار بجانے والے ہمراہی کی بصارت بعارضہ موتیسا بند جاتی رہی میں نے حضرت کی خدمت میں پیش کر کے دعا کی است دعا کی۔ آپ نے فرمایا اسے کہو کہ آج رات عشاء کی نماز کے بعد تار پڑھ کر کونسیہ بجا کر سناؤ۔ سردی کا موسم تھا عشاء کے بعد ہم دونوں، حضرت کے برابر والے کمرہ میں جا بیٹھے۔ اور راگ کونسیہ کا نہرا بجانا شروع کیا۔ آپ اپنے پلنگ پر تشریف فرما تھے اور حجرہ شریف کے دروازوں کے کواڑ بند کر دیا تھے۔ جب اس سرود غمگین اور فراق آمیز کا نالہ شب گیر عروج پر پہنچا تو اچانک ایسی آواز آئی جیسے کوئی چمپہ نیچے گری ہو۔ اور ساتھ ہی میرے ہمراہی کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اُس کے ہاتھوں میں ماسے خوشی کے رعشہ آگیا اور آہستہ سے بولا۔ حافظ مجھے دکھائی دینے لگ گیا ہے۔ میں نے تاکید کی کہ ساز کو بے سرنہ ہونے دینا اور خود کو اڑکی دراز سے جھانک کر اندر دیکھا تو آپ پلنگ کے برابر جائے نماز پر سجدہ میں پڑے تھے اور جیسے کہ اکثر وجد کے عالم میں آپ کو دیکھتے تھے، آپ کے گیسو مبارک بکھر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اندر سے ہی فرمایا کہ اب تم جاؤ۔

جناب دیوان غیاث الدین اجمیری کا واقعہ

ایک سال جناب دیوان غیاث الدین سجادہ نشین حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری مشائخِ چشت کی گدیوں کے دورہ پر نکلے اور نوبت بہ نوبت تونہ شریف سے سیال شریف اور پھر گولڑہ شریف آئے۔ حضرت ثانی سیالوی نے ان کی تشریف آوری سے قبل حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو مطلع فرما دیا تھا۔ ریل گاڑی، گولڑہ شریف اسٹیشن پر علی الصبح پہنچتی تھی۔ اور یہی وقت حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے اُوراد و اشغال کا ہوتا تھا۔ اس لیے آپ نے علمائے آستانہ غوثیہ گولڑہ شریف کو استقبال کے لیے روانہ فرمایا جو بعد اعزاز و اکرام دیوان صاحب کو ریلوے اسٹیشن سے لے آئے۔ دیوان صاحب جو اس سال اور نازک طبع تھے حضرت کے خود پیشوائی کے لیے نہ آنے کو محسوس کیا لیکن جب حضرت ظاہر سے فارغ ہو کر ملاقات کے لیے ان کے کمرہ میں گئے تو آپ کو دیکھتے ہی دیوان صاحب کی شکر رنجی ادب و احترام میں

بدل گئی۔ نیز آپ نے کچھ ایسے انداز میں خیر مقدم کے الفاظ ادا فرمائے اور دیرینہ تعلقات اور حضرت خواجہ غریب نواز کی عالم گیر نسبت کا ذکر کیا کہ دیوان صاحب کہنے لگے، مجھے آپ سے مل کر سب سے زیادہ خوشی ہوئی ہے الحمد للہ کہ اس سلسلہ عالیہ میں آپ جیسی ہستیاں بھی موجود ہیں۔

علمائے سرحد کے ساتھ سماع کے موضوع پر مناظرہ

دیوان صاحب گولڑہ شریف سے روانہ ہو کر گڑھی افغاناں علاقہ محسن ابدال میں چشتیہ سلیمانہ سلسلہ کے سجادہ نشین میاں عبداللہ کے ہاں سے ہو کر پشاور تشریف لے گئے۔ پشاور میں بالعموم مشائخ و علماء کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ سے تھا اور گرد و نواح میں بڑے بڑے فقہاء کے مراکز تھے۔ ان حضرات نے دیوان صاحب کو قوالی کے موضوع پر مناظرہ کا چیلنج دیا اور جواب نہ ملنے پر تشدد کی دھمکیاں دینے لگے۔ اُس زمانہ میں سرحدی علاقہ صحیح معنوں میں یاغستان و سرزمین بے آئین کا حکم رکھتا تھا۔ حضرت نے دیوان صاحب کے گولڑہ شریف سے روانگی کے وقت اُن کے عزم پشاور کا معسوم ہونے پر اشارہ و کنایہ یہ کہہ کر اُدھر جانے سے روکنے کی بھی کوشش کی تھی کہ پٹھان لوگ سادہ لوح ہوتے ہیں اور مشائخ کے ادب و احترام کی تفصیل سے آگاہ نہیں ہوتے لیکن دیوان صاحب کو جانے پر اصرار رہا۔ چنانچہ اب ان حالات میں جب دیوان صاحب نے حضرت کو اپنی امداد کے لیے بلوایا بھیجا تو پہلے تو آپ جانے کو تیار نہ ہوئے مگر جب انہوں نے دیکھا بھیجا کہ آپ کو ہندالوی کا واسطہ ضرور تشریف لائیے۔ میں تین روز سے علمائے سرحد کے زرخے میں گھرا ہوا ہوں تو آپ تشریف لے گئے۔

کفر و ایمان کی بحث

حضرت شیخ الجامعہ کی تحریر کے مطابق کوئی پچاس بڑے بڑے علمائے شاگردوں اور عقیدت مندوں کے ہمراہ کتابیں اٹھائے دس بجے صبح دیوان صاحب کی قیام گاہ پر آ جمع ہوئے۔ یہاں تک کہ وسیع دالان میں بھڑلگ گئی۔ علمائے نے کہا۔ غنا یعنی سماع حرام ہے۔ آپ اس کی اباحت یعنی جواز ثابت کیجئے۔ اور اپنے مسلک کی تائید میں سنت و نبی تا آخرا نیا اور فتاویٰ حمادیہ وغیرہ کی عبارات پیش کیں۔ جن سے غنا کی حرمت اور سننے والوں کا کفر ثابت ہوتا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر یہاں کفر و ایمان کی بحث ہے تو پہلے توحید پر جو اصل الاصول ہے۔ اپنا ایمان ثابت کیجئے۔ لیکن قرآن سے باہر نہ جائیے گا۔ البتہ احادیث سے دلائل دے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ بھی قرآن کریم کی تفسیر میں پیش کی جائیں۔ علمائے کرام نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ بیان کیا۔ حضرت نے تسنن میں اشاعرہ، ماتریدیہ، حنفیہ اور تشیع میں ابامیہ، زیدیہ و معتزلہ کے عقائد کو باری باری بیان فرما کر ہر ایک کی تردید فرمائی۔ جب آپ پہلے ایک مذہب کو اپنا کر اُس کی تائید میں دلائل دیتے تو سب کہتے یہی حق ہے لیکن جب اُس کی تردید فرماتے تو بول اٹھتے کہ واقعی یہ باطل ہے تین روز مسلسل یہی کیفیت رہی۔ چاشت سے ظہر تک مجلس رہتی اور آپ تقریر فرماتے رہتے۔ علوم ربانی کا ایک بحر توج و سیکل تھا جس میں خصم یعنی مخالف و معترض کی کشتی بے بس ہو کر ڈنوا ڈول رہ گئی تھی۔ ان لوگوں نے علمائے راہنہ کی خطابت کا اس قدر عظیم مظاہرہ پہلے کبھی نہ دیکھا اور نہ سنا تھا اس لیے مبہوت و حیرت زدہ ہو گئے تیسرے روز آپ نے علمائے سرحد سے سوال

کیا کہ اب فرمائیے آپ کا مذہب کیا ہے؟ عملہ قاضی خیل کے جیتے عالم مولوی قدرت اللہ بولے کہ اگر سچ پوچھیں تو ہمارا مذہب وہی ہوگا جو آپ اختیار فرمائیں گے حضرت ان کی بے بسی پر مسکرا دیئے اور فرمایا کہ اب جو مذہب اپنا کریں بیان کروں گا اُس کی تردید ناممکن ہوگی۔ پھر قرآن حکیم کی روشنی میں علمائے راسخین و اولیائے کاملین اہل سنت کے عقیدہ توحید کی وضاحت فرمائی۔ اشاعرہ، ماتریدیہ اور حنفی عقائد کے جزوی اختلافات کی توجیہات پیش کیں۔ اور حق کو ان کے بین بین قرار دیا۔ اس ضمن میں وحی، رسالت، اجماع، اجتہاد اور تقلید پر بھی بحث فرمائی۔ اور جب آخر میں غنا اور قوالی کے مسئلہ پر کچھ فرمانے لگے تو حاضرین میں سے ایک بہت بڑے فقیہ نے عرض کی کہ اس موضوع پر اب کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ آپ جیسا عالم ربانی اس کی اباحت اور جواز کا قائل ہے۔ اگرچہ اُس وقت حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی یہ معرکہ الآراء تقاریر محفوظ نہ کی جاسکیں مگر آپ کی تصنیف لطیف تحقیق الحق میں مسئلہ توحید کے وہ تمام پہلو واضح کر دیئے گئے ہیں جو وہاں زیر بحث آئے تھے۔ یہ کتاب اس معرکہ کے کچھ عرصہ بعد جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے صوفی عبدالرحمن لکھنوی کے رسالہ کلمۃ الحق کے جواب میں منصفہ شہود پر آتی تھی اس کا سن تالیف ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷-۹۸ء صیوی ہے۔

علماء کاسکوت اور دیوان صاحب کی رقت اور بیعت

مولینا محبوب عالم ہزاروی اور مولینا میر عبداللہ ساکن کٹمن جو اس معرکہ میں حضرت کے ہمراہ تھے بیان کرتے تھے کہ حضرت کی مفصل و مدلل تقاریر اور علمائے سرحد کے سکوت و بجز کی کیفیت دیکھ کر دیوان صاحب اجمیری پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور وہ بے ساختہ بار بار پکار اٹھتے تھے سُبْحَانَ اللَّهِ حضرت خواجہ غریب نواز کا نور میری امداد کے لیے آگیا ہے جب حضرت کی آخری تقریر ختم ہوئی تو علماء اٹھ اٹھ کر مصافحہ کرنے لگے۔ ایک صاحب نے بیعت کی استدعا کی تو دیوان صاحب نے فرمایا کہ سب سے پہلے میرا حق ہے کہ میں بیعت ہوں۔ اور بعد اصرار بر مجلس بیعت ہوئے جب مولینا قاضی قدرت اللہ نے بیعت کی تو حضرت نے فرمایا۔ قاضی صاحب، آج آپ مجھے ایک بڑا عالم سمجھ کر مجھ سے بیعت کر رہے ہیں۔ کل کوئی مجھ سے بھی بڑا عالم نظر آیا تو ان سے بیعت کی خواہش تو نہ ہوگی؟ انہوں نے عرض کی کہ آج تک کہیں بیعت نہیں کی تھی نہ اپنے سے کسی بڑے عالم پر کبھی نظر ہی تھی۔ میں افغانستان سے خراسان تک پھر انہوں کو گریہ کمال کہیں دکھائی نہیں دیا آپ کا علم لدنی ہے کسی نہیں۔ قاضی صاحب بہت بڑے مفتی اور واعظ تھے۔ سرحد و افغانستان کے علاقوں میں ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ کئی بار امیر

عبدالرحمن خان کی دعوت پر کابل بھی جا کر وعظ کیا۔ اُس نواح میں قاضی قدر کے نام سے مشہور تھے۔ اس کے بعد بیعت اور ارشاد کا یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ بخارا اور چینی ترکستان کے ساتھ تجارت کرنے والے

مشہور پشاور سیٹی اور ان کا سب خاندان اسی موقع پر حضرت سے بیعت ہوئے۔

شیخ الجائزہ لکھتے ہیں کہ حاجی صاحب خود ایک عالم دین تھے۔ اور اس منظر کے وقت حاضرین مجلس سے تھے۔

حضرت کے ایک مشہور نیاز مند مولوی گل فقیر پشاور کی طالب علمی کا زمانہ تھا۔ وہ بھی ان مجالس میں موجود تھے۔ اور یہیں انہوں نے

حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ یہی وہ معرکہ تھا جس نے سب سے پہلے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو سرحد

اور آزاد قبائل میں رُوشناس و متعارف کرایا۔ جہاں آج تک سینکڑوں علماء و اصفیاء اور ہزاروں عوام آپ کے

دامن سے وابستہ چلے آتے ہیں۔

پروری فصل

قادیانیت پر ایک مختصر تبصرہ

مذہب اسلام کے دو بنیادی اصول اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اعتقاد رکھنا ہیں۔ اسلام نے اگر بنی آدم کو بتایا کہ اصل مستحق عبادت کون و مکان کا پروردگار اور مالک و حاکم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے رسول ہیں۔ اور جو ضابطہ حیات آپ نے دنیا کے سامنے کتاب و وحی الہی کے ذریعہ پیش کیا وہی صحیح اور درست ہے اور انسانوں پر لازم ہے کہ اپنی فلاح کے لیے اُس پر عمل کریں۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے عروج ظاہری و باطنی کا راز ان دو بنیادی اصولوں پر عمل کرنے ہی میں مضمر تھا۔ مخالفین اسلام اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کو نیچا دکھانے کے لیے انہوں نے جو قدم اٹھائے ان میں سب سے پہلا انہی دو اصولوں کو ہٹ بنا دیا تھا۔ پہلے اصول کی مخالفت میں تو انہیں چنداں کامیابی حاصل نہ ہو سکی کیونکہ اس اصول کے متعلق تبلیغ اسلام کا اثر ہمہ گیر ہو چکا تھا اور انسانی ذہن اس حد تک نشوونما پا چکا تھا کہ معبودان باطلہ اور معبود حقیقی میں تمیز کر سکے۔ اُسے معبود حقیقی پر ایمان رکھنے سے ہٹا کر معبودان باطلہ کی طرف لانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اندر میں حالات مخالفین نے اپنی تمام تر کوششیں اس بات پر مرکوز کر دیں کہ اسلامی ایمان کے دوسرے ستون یعنی رسالت آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متزلزل کیا جائے اور جو والہانہ محبت اور عقیدت مسلمانوں کو آپ کی ذات مبارک سے تھی اُس میں جس طرح بھی ہو سکے کمی کی جائے۔ اُن کا یہ خیال بھی تھا کہ اس محاذ پر کامیابی سے انہیں اول الذکر اصول پر خود بخود کامرانی حاصل ہو جائے گی۔ کیونکہ دنیا کو اُس اصول سے متعارف آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نے ہی کر دیا تھا۔ اور آپ کی رسالت کے اصول سے متزلزل ہونا اور توحید کے اصول سے ہٹ جانا گویا لازم و ملزوم تھے۔ اس لیے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد کاذب نبیوں کی ایک کثیر جماعت نے جزیرہ عرب میں سر اٹھایا۔ مگر خلیفہ اول کے بروقت اور سخت اقدامات کی وجہ سے اُن سب کی سرکوبی ہوئی اور کوئی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اُس کے بعد اگرچہ انفرادی طور پر مدعیان نبوت پیدا ہوتے رہے مگر زمانہ پر کوئی معتدبہ اثر ڈالنے بغیر دنیا سے اٹھ جاتے رہے منظم طریقہ سے اس اصول پر مجاز آرائی قریباً مفقود رہی تا آنکہ تیرھویں صدی ہجری میں مسلمانوں کا ظاہری و باطنی تنزل تیزی سے شروع ہوا۔ اور اُس کے برعکس دوسرے عقائد والی قومیں مادی لحاظ سے ابھرنا شروع ہوئیں اور رفتہ رفتہ تمام دنیا پر چھا گئیں۔ اپنے اس ارتعاش کی وجہ سے انہیں اسلام کے اصولوں پر کاری ضرب لگانے کے مواقع میسر آ گئے کیونکہ مادی انحطاط کے ساتھ ساتھ مسلمان ذہنی انحطاط کا بھی شکار ہو چکے تھے اور مخالفین کو اپنے عزم میں کامیاب ہونے کا اس سے بہتر موقعہ نہیں مل سکتا تھا۔

مسلمانوں کے اس دور ابتلا میں سرزمین ہند میں حکومت برطانیہ کے زیر اثر اُس فتنہ نے سر اٹھایا جس کے سدباب کے سلسلہ میں حضرت امداد اللہ مہاجر گئی نے حضرت قبلہ عالم کو عرب شریف کی سکونت اختیار کرنے سے منع فرمایا تھا اور کہا تھا کہ اگر آپ اپنے وطن میں خاموش بھی بیٹھے رہے تو بھی علمائے اہل سنت مسلمانوں میں فتنہ پھیلنے سے محفوظ رہیں گے۔ اس کا ذکر باب چہارم میں

گزر چکا ہے)

یہاں پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُس فتنہ کے متعلق جو بعد میں قادیانیت اور مرزائیت کے نام سے مشہور ہوا، مختصر سا تبصرہ بدیہ ناظرین کیا جائے تاکہ اس بات کا صحیح اندازہ ہو سکے کہ اس فتنہ سے دنیائے اسلام کس درجہ کے ذہنی انتشار اور دینی تفرقہ کے خطرہ عظیم سے دوچار ہوئی، اُٹھائے وقت نے اس فتنہ کو فرو کرنے میں کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا، اور اس میں حضرت کا کردار کتنا اہم اور عظیم الشان تھا۔

یہ تحریک قادیانیت حکومت برطانیہ کی سرپرستی میں شروع ہوئی اور اس کا اصل مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو نشانہ بنا کر مسلمانوں کے دلوں سے آپ کی قدر و منزلت کو نکالنا اور دین اسلام کے ارشادات اور اُن کے مطالب میں اس طرح کا رد و بدل کرنا تھا کہ مخالفین کو اپنے عزائم کی تکمیل میں امداد مل سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کے بعد رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا تھا آپ مسئلہ طور پر اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے اور آپ کی شریعت اس دُنیا کے لیے خُدا کی آخری شریعت تھی۔ اس شریعت میں اتنی وسعت رکھی گئی تھی کہ قیامت تک کے لیے پیش آنے والے انسانی مسائل کا حل اُس میں موجود تھا۔ آپ کے آخری نبی ہونے کی خبر قرآن کریم میں نہایت وضاحت اور غیر مبہم الفاظ میں دی گئی ہے۔

محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (احزاب - ۴۰)

اور متعدد احادیث مبارکہ سے اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً صحیح مسلم میں بروایت سعد حدیث طویل کے ضمن میں مذکور ہے:-

فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ الْإِسْرَائِيلِيِّ لَأَنْبِيَا بَعْدِي

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت علیؑ سے) فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میرے ساتھ ایسے ہو جیسے موسیٰ کے ساتھ ہارون۔ لیکن (نبوت کا لقب تمہیں نہیں مل سکتا) میرے بعد نبوت نہیں۔

مسلمانوں کے سارے مکاتیب فکر ختم نبوت کے مسئلہ پر اُس وقت تک کاملاً متفق تھے جب تک بانی قادیانیت نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس کی ابتدا بھی انہوں نے عجیب انداز میں کی۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کے سلسلے میں یہ ذکر ہے کہ اُن کو یہودیوں نے سولی پر چڑھا دیا اور یہ سمجھ لیا کہ وہ وفات پا گئے مگر وہ غلطی پر تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اُٹھالیا۔ یہ تذکرہ سورہ البقرہ میں ان الفاظ میں ہے:-

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

اور وہ کہتے ہیں ہم نے مسیح ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے نہیں قتل کیا اور نہ ہی صلیب چڑھایا مگر اُس کی شبیہ کو۔ اور جو اس میں اختلاف کرتے ہیں، وہ بھی بے خبر ہیں۔ اُن کے پاس سوائے ظن کے اور کوئی دلیل نہیں۔ انہوں نے ہرگز اُسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُسے اپنے پاس اُٹھالیا اور خدا غالب ہے حکمت والا۔

صحیح مسلم کی احادیثِ مقدسہ میں آثارِ قیامت کے بیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ارشادات موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت سے کچھ عرصہ پہلے دُنیا میں شرور و فسادات بے انتہا ہوں گے اور دجال نامی ایک شخص کا ظہور ہوگا جو اپنے جادو اور شیطانی قوتوں کی امداد سے ایک وسیع قطعہ زمین پر قبضہ کر لے گا اور ایمان رکھنے والوں پر دائرہ حیات تنگ کر دیگا۔ اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے مشرق میں سفید مینارہ کے قریب آسمان سے اتریں گے، اس حال میں کہ آپ کے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہوں گے۔ آپ آکر دجال کو قتل کریں گے اور دُنیا میں اسلام، ایمان اور امن کا بول بالا کریں گے۔ اور پھر سات سال یہاں زندہ رہنے کے بعد وفات پا کر مدینہ شریف میں حرمِ پاک میں دفن ہوں گے۔ آپ کے ظہور سے پہلے بنی فاطمہؑ میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام محمد ہوگا اور لقب مہدی۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے وقت اُن کا استقبال کرے گا اور پہلی نمازیہ دونوں حضرات بل کر پڑھیں گے۔ اُس میں وہ عیسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں دُنیا کو کفر و الجاد کے اثرات سے پاک کرنے میں امداد دے گا۔

چونکہ ان احادیثِ مبارکہ میں صحیح سال کا تعین نہیں ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کئی ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا مگر قبل اس کے کہ وہ کسی عیسیٰ کا استقبال کرتے وہ خود اس دُنیا سے اٹھ جاتے رہے۔ بانی قادیانیت نے ان مدعیان سے ذرا مختلف طریقہ اختیار کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے علمائے سلف کے اس عقیدہ کو غلط بتایا کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور وہی پھر زمین پر واپس آئیں گے۔ اُن کے نظریہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ میں ہی انتقال فرما گئے تھے اور قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والا شخص محض مثیلِ مسیح ہوگا۔ اس نظریہ کی اشاعت کے ساتھ ہی اسی مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ کر کے خود کو مسیح موعود قرار دے دیا۔ اس ابتداء سے وہ ظلی نبوت کی طرف بڑھے اور بالآخر اپنے اصلی نبی ہونے کا اعلان کر کے اُمتِ مسلمہ کے اس اعتقاد پر ضرب لگائی جس سے وہ تیرہ سو سال سے مکلف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اب مرزا صاحب کے اس ارتقائے روحانی اور اُن کی تعلیمات کی تفصیل اجمالاً دی جاتی ہے۔

بانی قادیانیت اور اُن کی ابتدائی زندگی

تحریر قادیانیت کے بانی کا نام مرزا غلام احمد تھا۔ وہ برٹش انڈیا میں صوبہ پنجاب کے ضلع گورداسپور کے موضع قادیان میں ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام غلام مرتضیٰ تھا جو سمرقندی مغل گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا پیشہ طبابت اور زمیندار تھا۔ مرزا غلام احمد علومِ مروجہ عربی، فارسی اور طب کی تحصیل سے فارغ ہو کر ۱۸۶۴ء میں ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں بطور اہل مدد قریباً چار سال ملازمت کرتے رہے۔ بعد ملازمت چھوڑ کر اپنے والدِ محترم کا ہاتھ بنانا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ مذہبی کتب کا مطالعہ بھی جاری رکھا اور مذہبی مناظرات وغیرہ میں حصہ لیتے رہے۔ جہاں تک معلوم ہو سکا ہے اُن کے آبا و اجداد حنفی المذہب مسلمان تھے اور خود مرزا صاحب بھی اپنی اوائل زندگی میں اُنہی کے قدم بہ قدم چلتے رہے ۱۸۶۹ء میں اُنہوں نے ایک اشتہار شائع کیا کہ میں ایک کتاب براہین احمدیہ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں جو پچاس جلدوں پر مشتمل ہوگی اور جس میں اسلام کی حقانیت اور دیگر مذاہب کی تردید میں قوی اور محکم عقلی دلائل پیش کیے جائیں گے مسلمانوں نے اس کتاب کی اشاعت کے لیے کثیر تعداد میں پیشگی قیمت بھیج کر معاونت کی لیکن ۱۸۷۰ء سے ۱۸۷۲ء تک مرزا صاحب نے اس کتاب کی صرف چار جلدیں شائع کر کے دعوے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں

بذریعہ الہام اشاعت دین پر مامور فرمایا ہے اور وہ اس صدی کے محمد میں۔ اس لیے اس کتاب کی مزید اشاعت بند کی جاتی ہے۔

۱۸۸۶ء میں مرزا صاحب نے اپنی دوسری کتاب "سرمہ چشم آریہ" تصنیف کی اور ہوشیار پور میں آریہ سماجیوں کے ساتھ مناظرہ بھی کیا۔ اس طرح ایک مناظرہ اسلام اور مدعی الہام کی حیثیت سے شہرت حاصل کر کے انہوں نے اپنے گرد عقیدت مندوں کا ایک گروہ پیدا کیا جس میں حکیم نور دین شاہی طبیب ریاست جموں و کشمیر جیسے بارسوخ مشیر و معاون شامل تھے۔

مرزا صاحب کے ابتدائی عقائد

اس وقت تک مرزا صاحب کے عقائد وہی تھے جو ایک صحیح العقیدہ سنی مسلمان کے ہونے چاہئیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے بھی اسی قدر قائل تھے جیسے دیگر مسلمان۔ اپنے اشتہاری اعلان مورخہ ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء (مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم) میں انہوں نے لکھا:-

"میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں۔ اور جیسا کہ اہل سنت جماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو ماننا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں۔ اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت آدم مصطفیٰ اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی..... اس میری تحریر پر شخص گواہ رہے۔"

اسی طرح اپنے مکتوب عربی بنام مشائخ ہند مندرجہ انجام آتم میں تحریر فرماتے ہیں:-

میرا اعتقاد یہ ہے کہ میرا کوئی دین بجز اسلام کے نہیں اور میں کوئی کتاب بجز قرآن کے نہیں رکھتا اور میرا کوئی پیغمبر بجز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں جو خاتم النبیین ہیں جن پر خدا نے بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل کی ہیں اور ان کے دشمنوں پر لعنت بھیجی ہے۔ گواہ رہ کہ میرا تم تک قرآن شریف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جو چشمہ حق و معرفت ہے، کی میں پیروی کرتا ہوں اور تمام باتوں کو قبول کرتا ہوں جو کہ اُس خیر القرون میں باجماع صحابہ صحیح قرار پائی ہیں۔ نہ ان پر کوئی زیادتی کرتا ہوں نہ کمی۔ اور اسی اعتقاد پر میں زندہ رہوں گا اور اسی پر میرا خاتمہ اور انجام ہو گا۔ اور جو شخص ذرہ بھر بھی شریعت محمدیہ میں کمی بیشی کرے یا کسی اجماعی عقیدے کا انکار کرے اُس پر خدا اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔" (ترجمہ)

ان آیات میں مرزا صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی اور نزول کے عقیدہ پر بھی ایمان رکھتے تھے جس پر براہین احمدیہ جلد چہارم میں ان کے یہ الفاظ شاہد ہیں:-

یہ آیت هُوَ الَّذِي ارْسَلَنَا بِالْحَقِّ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (فتح - ۲۸) اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دے کر اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے، سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشین گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا۔ اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ

اس دُنیا میں تشریف لائیں گے تو اُن کے ہاتھ سے دین اسلام جمع آفاق واقعات میں پھیل جائے گا.....“

اُس دور کے مسلمانوں کی ذہنی کیفیت

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد اپنی سیاسی بالادستی کھودینے کی وجہ سے مسلمان سخت ذہنی پریشانی اور مایوسی کا شکار ہو چکے تھے اور اپنے اس اضمحلال سے پھینکارا حاصل کرنے کے لیے ہر طرف منتظر آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کب کوئی مردِ خدا آئے گا کہ انہیں اس ابتلا سے نجات دلائے۔ اُس دور کے مسلمان دانشور بھی اسی قوم کے درد سے بے چین و بے قرار تھے مگر انہیں دوہری دُشواری کا سامنا تھا۔ ایک طرف تو انقلابِ زمانہ نے اُن سے دُنوی حکومت اور جاہ و جلال چھین لیا تھا۔ دوسری طرف یورپ کا مادی انقلاب، جو انگریزوں کی وساطت سے ہندوستان پہنچ چکا تھا، اُن کی دینی اقدار کو پامال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُن کے خیال میں مادی انقلاب کو اپنانے کے بغیر ان دونوں محاذوں پر مخالف طاقتوں سے نبرد آزما ہونا ممکن نہیں تھا۔ اسی خیال کے زیر اثر سرسید احمد خان نے ایک نئی تحریک شروع کی جس کا مقصد مسلمانوں کو مغربیت کی نئی اقدار سے آشنا کرانا اور انگریزی تعلیم و فنون میں مہارت حاصل کرانا تھا۔ اُن کی اس تحریک کا مدار ملک کے نئے انگریز حاکم کو اپنانے کے خیال سے مصلحتاً یا ارادۃً، زیادہ تر نچریت پر تھا۔

مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ

اس تذبذب اور اضطراب کے زمانہ میں مسلمانوں کے ذہن پر جو نفسیاتی کیفیت طاری تھی مرزا صاحب کو اُن کے رفیقِ حکیم نوردین نے اُس سے فائدہ اٹھانے کا مشورہ دیا۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر وہ خود کو مثیلِ مسیح کا لبادہ اوڑھ کر قوم کے سامنے پیش کریں تو ساری قوم دل و جان سے اُن کا خیر مقدم کرے گی اور وہ اسی ملت کے لیے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے سکیں گے۔ مرزا صاحب نے اپنے مکتوبِ محررہ ۲۴ - جنوری ۱۸۹۱ء (مکتوباتِ احمدیہ) میں حکیم نوردین کو ان الفاظ میں جواب دیا:۔

”جو کچھ آں مخدوم نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر مشقی حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر الگ مثیلِ مسیح کا دعویٰ کیا جائے تو اس میں کیا بوج ہے۔ درحقیقت اس عاجز کو مثیلِ مسیح بننے کی کچھ حاجت نہیں۔ یہ بندہ چاہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے عاجز اور مطیع بندوں میں داخل کرے ہم ابتلا سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے۔ خدائے تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف ابتلا کو ہی رکھا ہے۔“

اس جواب کے تھوڑا ہی عرصہ بعد مرزا صاحب نے حکیم نوردین کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ کیا جیسا کہ اُن کے اشتهار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم ”مؤلف میر قاسم علی قادیانی سے ظاہر ہے۔

مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تنازع کا قابل ہوں بلکہ مجھے تو فقط مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ ہے جس طرح محدثیت نبوت سے مشابہ ہے ایسا ہی میری رُوحانی حالت مسیح ابن مریم کی رُوحانی حالت سے مشابہت رکھتی ہے۔“

اسی طرح ازالۃ الادہام میں تحریر فرماتے ہیں:-

”اس عاجز نے جو مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اُس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں..... میں

نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں..... میں مثیل مسیح ہوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات و اخلاق وغیرہ خدائے تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں۔“

مثیل مسیح سے مسیح موعود

مرزا صاحب اپنے اس دعوے مثیل مسیح پر زیادہ عرصہ قائم نہ رہے بلکہ اُس سے ایک قدم آگے بڑھے اور سب سے پہلے اپنی تین تصنیفات فتح الاسلام، توضیح مرام اور ازالہ اوہام میں حیات مسیح کے عقیدہ کو غلط بنا کر وفات مسیح کا اعلان کیا اور پھر اپنے مسیح موعود اور مہدی مہمود ہونے کا اعلان ان الفاظ میں کیا:-

”مسلمانوں اور عیسائیوں کا کسی قدر اختلاف کے ساتھ یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اسی عنصری موجود سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور وہ کسی زمانہ میں آسمان سے اتریں گے۔ میں اس خیال کا غلط ہونا اپنے اسی رسالہ میں لکھ چکا ہوں۔“
(توضیح مرام)

”اگر تم ایماندار ہو تو شکر کرو اور شکر کے سجدے بجالو کہ وہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے آبا گزر گئے۔ اور بے شمار رُوحیں اُس کے شوق میں ہی سفر کر گئیں۔ وہ وقت تم نے پایا..... میں اس کو بار بار بیان کروں گا اور اس کے اظہار سے رُک نہیں سکتا کہ میں وہی ہوں جو وقت پر اصلاح خلق کے لیے بھیجا گیا تادم کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے۔ میں اسی طرح بھیجا گیا ہوں جس طرح وہ شخص بعد حکیم اللہ مرد خدائے بھیجا گیا تھا جس کی رُوح ہیروڈیس کے عہد حکومت میں بہت تکلیف کے بعد آسمان پر اٹھائی گئی۔ سو جب دوسرا حکیم اللہ جو حقیقت میں سب سے پہلا اور سید الانبیاء ہے دوسرے فرعونوں کی سرکوبی کے لیے آیا جس کے حق میں ہے۔ اِنَّا ارْسَلْنَا نَبِيًّا رَسُوْلًا مِّمَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْ فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا)۔ تو اُس کو بھی جو اپنی کارروائیوں میں حکیم اول کا مثیل مگر تیرے میں اُس سے بزرگ تر تھا ایک مثیل المسیح کا وعدہ دیا گیا اور وہ مثیل المسیح قوت اور طبع اور خاصیت مسیح ابن مریم کی پا کر اسی زمانہ کی مانند اور اسی مدت کے قریب قریب جو حکیم اول کے زمانہ سے مسیح ابن مریم کے زمانہ تک تھی یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اُترا اور وہ اترنا روحانی طور پر تھا جیسا کہ مکمل لوگوں کا صعود کے بعد خلق اللہ کی اصلاح کے لیے نزول ہوتا ہے۔ اور سب باتوں میں اسی زمانہ کے ہم شکل زمانہ میں اُترا جو مسیح ابن مریم کے اترنے کا زمانہ تھا تا سمجھنے والوں کے لیے نشان ہو۔“
(فتح الاسلام)

”اور یہی عیسیٰ ہے جس کی انتظار تھی اور الہامی عبارات میں مریم اور عیسیٰ سے میں ہی مراد ہوں میری نسبت ہی کہا گیا کہ ہم اُس کو نشان بنا دیں گے اور نیز کہا گیا کہ یہ وہی عیسیٰ بن مریم ہے جو آنے والا تھا جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔ اور یہی حق ہے اور آنے والا یہی ہے اور شک محض نافی ہے۔“ (کشتی نوح)
”مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افراتفرات لایا گیا ہے کہ اُس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے۔“ (اشہار ایک فطلی کا ازالہ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم)

”میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدائے تعالیٰ کی تمام پاک کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔“ (تحفہ گولڈویہ)

مشابہت مسیح کے دلائل

مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے اپنی مشابہتِ تاتر کے جو ثبوت پیش کیے ہیں ذرا ان کی شانِ دلالت بھی ملاحظہ ہو:-

یہ عاجز جو حضرت عیسیٰ بن مریم کے رنگ میں بھیجا گیا ہے، بہت سے امور میں حضرت عیسیٰ سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جیسے عیسیٰ کی پیدائش میں ایک ندرت تھی، اس عاجز کی پیدائش میں بھی ایک ندرت ہے اور وہ یہ کہ میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ اور یہ امر انسانی پیدائش میں نادرات سے ہے کیونکہ اکثر ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے (تحفہ گولڈویہ)

اس اُمت کے مسیح موعود کے لیے ایک اور مشابہت حضرت عیسیٰ سے ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح پورے طور پر بنی اسرائیل نہ تھے بلکہ صرف ماں کی وجہ سے اسرائیلی کہلاتے تھے۔ ایسا ہی اس عاجز کی بعض دادیاں سادات میں سے تھیں۔ اور حضرت عیسیٰ کے لیے خدائے جو یہ پسند کیا کہ کوئی حضرت مسیح کا باپ نہ تھا۔ اس میں یہ بھید تھا کہ خدائے تعالیٰ بنی اسرائیل کی کثرت گناہوں کی وجہ سے ان پر سخت ناراض تھا۔

(مرزا صاحب کا لکچر مقام سیالکوٹ)

”سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابن مریم ہے جس نے عیسیٰ بن مریم کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے شیخ کو والدِ روحانی نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا۔ تب خدائے تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا اور تربیت کی کنار میں لے لیا اور اپنے بندے کا نام ابن مریم رکھا۔ پس مثالی طور پر بھی عیسیٰ ابن مریم ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی والدِ روحانی ہے۔ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسلِ اربع میں سے کسی سلسلے میں یہ داخل ہے؟ پھر اگر یہ ابن مریم نہیں تو کون ہے؟ (ازالہ اوہام)

”چودھویں خصوصیتِ یسوع مسیح میں یہ تھی کہ وہ باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل میں سے نہ تھا۔ مگر باپ سے نہ ہونے کا آخری نتیجہ تھا جو موسیٰ کے بعد چودھویں صدی میں ہوا۔ ایسا ہی میں بھی خاندانِ قریش میں سے نہیں ہوں اور چودھویں صدی میں مبعوث ہوا ہوں اور سب سے آخر ہوں۔“ (تذکرۃ الشہادتین مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

احادیثِ نزولِ مسیح کی تاویل

ان اعلانات کے بعد احادیثِ نزولِ مسیح کے مختلف پہلوؤں کو اپنی ذات پر درست ثابت کرنے کے لیے مرزا صاحب نے استعارہ اور تاویل سے کام لیا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، ”مسیح کی احادیث کے مطابق یسوع موعود کی تشریف آوری ان حالات میں ہونی تھی۔

۱۔ نزولہ و مکانہ بالشام بئبد مشق حضرت عیسیٰ کا نزول ملک شام یعنی دمشق میں شرقی

منارہ پر ہوگا۔

عِنْدَ الْمَنَارَةِ الشَّرْقِيَّةِ

نزول کے وقت دوزر دزنک کی چادریں پہن رکھی ہوں گی۔

۲ - عَلَيْهِ ثُوبَانِ مُصْرَانِ

۳ - مسلمانوں کا امام اُن سے نماز پڑھانے کی درخواست کرے گا تو فرمائیں گے اِمَّا صُكْرٌ مِّنْكُمْ (تمہارا امام نماز تم میں سے ہے) اور صحیح اور متواتر احادیث سے واضح ہے کہ یہ امام حضرت مہدی علیہ السلام ہوں گے، جو بنی فاطمہ میں سے ہوں گے۔

مرزا صاحب نے ان شرائط کی تکمیل اپنی ذات کے متعلق ان الفاظ میں کی :-

۱۔ دمشق کے لفظ کی تاویل میں مجھ پر منجانب اللہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصبہ کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزیدی بطح اور یزید پلیدی کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں۔ اور اپنے نفسِ آمارہ کے حکموں کے ایسے مطیع ہیں کہ مقدسوں اور پاکوں کا خون بھی اُن کی نظر میں سہل اور آسان ہے۔۔۔ اور کیونکہ طبیعوں کو بیماریوں کی طرف آنا چاہیے۔ اس لیے ضرور تھا کہ مسیح ایسے ہی لوگوں میں نازل ہو۔ پس مسیح کا دمشق میں اُترنا صاف دلالت کرتا ہے کہ کوئی مثیلِ مسیح جو حسینؑ سے بھی بوجہ مشابہت ان دونوں بزرگوں کے مماثلت رکھتا ہو، یزیدیوں کی تبنیہ اور طرمز کرنے کے لیے جو مثیلِ یہودی ہیں اُترے گا۔“ (ازالہ ادہام)

”دمشق اور قادیان ایک ہی عرض بلد میں واقع ہیں اور منارۃ الشَّرْقِيَّة سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادیان جو دمشق کے شرق میں واقع ہے، منارۃ المسیح وہاں واقع ہوگا“ مرزا صاحب نے ایک منارہ کی بنیاد بھی رکھی مگر اس کی تکمیل سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔ البتہ شام اور پنجاب کا اختلاف رفع نہ کر سکے کسی جگہ بھی اس امر کا ثبوت نہیں ملتا کہ قادیان کے بارشندگان نے کبھی کسی مقدس اور پاک یا مثیلِ حسینؑ ہستی کے قتل کا ارتکاب کیا ہو یا خود مرزا صاحب ہی پر قاتلانہ حملہ کیا ہو۔ آگے چل کر مرزا صاحب اپنی مسجد کو مسجدِ اقصیٰ کا اور اپنی ذات کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدیں الفاظ مثیل ظاہر کرتے ہیں :-

”جیسا کہ سیرِ مکانی کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام سے بیت المقدس تک پہنچا دیا تھا ایسا ہی سیرِ زمانی کے لحاظ سے آنجناب کو شوکتِ اسلام کے زمانہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا، برکاتِ اسلامی کے زمانہ تک جو مسیح موعود کا زمانہ ہے پہنچا دیا۔ پس اس پہلو کی رُو سے اسلام کے انتہائی زمانہ تک جو آنحضرت کا سیرِ کشفی ہے مسجدِ اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے، جو قادیان میں واقع ہے۔“ (تذکرہ مجموعہ وحی مقدس)

۲ - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوزر و چادروں کے متعلق فرماتے ہیں :-

”میں ایک دائم المریض آدمی ہوں۔ اور وہ دو چادریں جن کے متعلق حدیثوں میں ذکر آیا ہے کہ ان دو چادروں میں مسیح نازل ہو گا وہ دوزر و چادریں میرے شامل حال ہیں۔ جن کی تعبیر علم تعبیر الرویاء کی رُو سے دو بیماریاں ہیں۔ سو ایک چادر میرے اوپر کے حصے میں ہے کہ ہمیشہ سر درد اور دورانِ سر اور کئی خواب اور تشخِخِ دل کی بیماری دورہ کرتی ہے۔ اور دوسری چادر جو میرے نیچے کے بدن میں ہے وہ بیماری ذیابیطس ہے کہ ایک مدت سے دامن گیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یادِ دن کو پیشاب آتا ہے۔ اور اس قدر

کثرتِ پشاپ سے جس قدر عوارضِ مُصنّف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شاملِ حال ہیں۔ (ضمیمہ اربعین نمبر ۳۹۳)

۳۔ تیسری شرط کے متعلق مرزا صاحب نے اپنی کتاب "ایام الصلح" میں حضرت شیخ محمد اکرم حسینی صابری کی کتاب "اقتباس اللہ" میں سے "لَا مَهْدِيَّ إِلَّا عَيْسَىٰ" کی ایک روایت لی جسے نہ صرف امام زرقانی نے مردود روایت کیا ہے بلکہ خود کتاب متذکرہ کے مصنف بھی اس روایت کو تحریر کر کے فرماتے ہیں:-

"واین روایت بغایت ضعیف است زیرا کہ اکثر احادیث صحیحہ متواترہ از حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم وروید یافتہ کہ مہدی از بنی فاطمہ خواهد بود و عیسیٰ بہ اوقات مذکورہ نماز خواهد گزارد و جمیع عارفان صاحب تکمیل بر این متفق اند"

مرزا صاحب نے "إِمَامُ مَكْرُومٌ" کی تاویل یہ کی کہ حضرت عیسیٰ مسلمانوں میں ہی اپنا روزی مثیل اختیار کر کے خود ہی امام بنیں گے اور حدیث کے اس مفہوم کی کوئی توجیہ پیش نہ کی کہ مسلمانوں کا امام صلح حضرت عیسیٰ سے نماز پڑھانے کی درخواست کرے گا تو آپ یہ کہہ کر انکار فرمائیں گے کہ "إِمَامُ مَكْرُومٌ" (تمہارا امام تم میں سے ہے) اسی طرح حضرت عیسیٰ اور امام مہدی کی تشریح آوری کے متعلق ان احادیث کی بقیہ مقتضیات یعنی قتلِ دجال، غلبہٴ اسلام، باطل دینوں کا خاتمہ، امام مہدی کا بنی فاطمہ سے ہونا اور کثرتِ مال کے جواب میں مرزا صاحب نے کہا کہ دجال سے عیسائی پادریوں کا گروہ مراد ہے جنہیں میں نے اپنی کتابوں میں بذریعہ دلائل قتل کر دیا ہے اور میری تعلیم سے میرے وقت میں یا آئندہ میری جماعت کے ذریعہ ایک روز وہ عالم گیر غلبہٴ اسلام ضرور نمودار ہوگا جس کا ان احادیث میں بطور پیش گوئی ذکر کیا گیا ہے۔ اور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خواب میں فرمایا ہے کہ تم میری بن سیت سے ہو۔ کیونکہ میرے خاندان میں ہماری ایک دادی سادات بنی فاطمہ سے تھی۔ اس کے ساتھ ہی مرزا صاحب کا اذعان تھا کہ اگر بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح ابن مریم کے نزول اور حضرت امام مہدی کی جُداگانہ شخصیت اور دجال کے ایک شخص ہونے اور بذریعہ تلوار حضرت مسیح کے ہاتھ سے قتل ہونے کا ذکر فرمایا ہے تو ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کشف کی تعبیر میں غلطی لگ گئی ہو۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ مستقبل کے واقعات کو بنی کا علم پوری طرح احاطہ کر لے چینا پنچہ "ازالہ اوہام" میں لکھتے ہیں:-

"اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آل حضرت پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کا ملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موجود منکشف نہ ہوئی ہو اور نہ دجال کے گدھے کی اصلی کیفیت کھلی ہو اور نہ یا جوج ماجوج کی عمیق تہ تک وحی الہی نے اطلاع دی ہو اور نہ ذابۃ الارض کی ماہیت کما ہی ظاہر فرمائی گئی ہو۔"

مسیح موعود سے نبوت تک

مرزا صاحب اپنے مسیح موعود ہونے کے دعوے پر قریباً دس سال قائم رہے اور پھر ختمِ نبوت کے معروف اسلامی نظریہ کو جس کے وہ خود بھی معتقد رہے تھے، غلط قرار دے کر نومبر ۱۹۰۱ء میں اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ اگست ۱۹۰۱ء میں ایک روز مرزا صاحب کے خطیب مولوی عبدالکریم نے جمعہ کے خطبہ میں انہیں نبی و رسول کہا۔ نماز کے بعد سید محمد احسن امر وہی قادیانی خطیب صاحب سے جھگڑتے رہے۔ انہوں نے اگلے جمعہ میں پھر یہی لفاظی

دُہرائے اور امر وہی صاحب کے تیور پہچان کر نماز کے بعد مرزا صاحب کا دامن پکڑ لیا اور کہا میں آپ کو نبی و رسول مانتا ہوں، اگر میں غلطی پر ہوں تو حضور مجھے درست فرمائیں۔ اس پر مرزا صاحب مڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: مولوی صاحب ہمارا بھی یہی مذہب اور دعویٰ ہے جو آپ نے بیان کیا ہے۔ یہ سن کر سید محمد احسن غصہ میں بھرے ہوئے واپس آگئے اور مسجد کے اوپر ٹہلنے لگ گئے جب مولوی عبد الکریم وہاں پہنچے تو سید صاحب اُن سے لڑنے لگے۔ آوازیں بلند ہوئیں تو مرزا صاحب مکان سے نکل آئے اور یہ آیت پڑھی۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ** (مسلمانو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)۔ (الفضل قادیان ۴ جنوری ۱۹۲۳ء و رسالہ فرقان قادیان بابت اکتوبر ۱۹۲۲ء)

مرزا صاحب ۱۸۹۱ء سے نبی کا لقب اختیار کرنے میں مذہب تھے۔ چنانچہ ”انجامِ آتم“ ۱۸۹۷ء میں لکھا تھا:۔
 ”الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا نامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے اُس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔“
 یعنی اس سے قبل خدا کا فرستادہ، ”نامور“ امین، ”مثیل مسیح“ ”مہدی معبود“ ”مسیح موعود“ کے القاب استعمال ہوئے تھے مگر نبی و رسول کہلانے میں مرزا صاحب کو تردد تھا۔ اُس روز خطیب صاحب کی عقیدت نے ختم نبوت کی فولادی دیوار کو بھی رستہ سے ہٹا دیا اور مرزا صاحب نے زبان و قلم سے بصراحت نبوت کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔

میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیوں کر انکار کر سکتا ہوں۔ اور جب کہ خود خدا تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیوں کر رد کر دوں یا کیوں کر اُس کے سوا کسی سے ڈروں“

(ایک غلطی کا ازالہ، نومبر ۱۹۰۱ء)

”خدا نے میرے ہزار ہا نشانوں سے میری وہ تائید کی ہے کہ بہت ہی کم نبی گذرے ہیں جن کی یہ تائید کی گئی۔۔۔ اور میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اسی نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے جو بتین لاکھ تک پہنچتے ہیں“

(تمتہ حقیقت الومی ۱۹۰۱ء)

ختم نبوت کے خلاف انوکھے استدلال

مرزا صاحب نے ”براہین احمدیہ جہدہ چہارم اور ازالہ اوہام اور حماۃ البشری“ وغیرہ کتابوں میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کو محال اور وعدہ الہی کے خلاف بتایا تھا۔ مگر جب اپنی نبوت کے اثبات کی ضرورت پیدا ہوئی تو اپنے سابقہ اقوال کی تردید میں ایسے استدلال لانے لگے جن سے اسلامی ذہن کبھی دوچار نہ ہوا تھا۔ چنانچہ ”براہین احمدیہ جہدہ پنجم“ ۱۹۰۵ء میں لکھتے ہیں:۔

”ایسا نبی کیا عزت اور کیا مرتبت اور کیا تاثیر اور کیا قوت قدسیہ اپنی ذات میں رکھتا ہے جس کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے صرف اندھے اور نابینا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ اپنے مکالمات اور مخاطبات سے اُن کی آنکھیں نہ

کھولے۔ یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے اور آئندہ قیامت تک اس کی کوئی بھی اُمید نہیں۔ صرف قصوں کی پوجا کرو۔ پس ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہِ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ جو کچھ ہیں جتھے ہیں۔ اور کوئی اگر اُس کی راہ میں جان بھی فدا کرے۔ اُس کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے۔ اور ہر ایک چیز پر اُس کو اختیار کرے تب بھی وہ اُس پر اپنی شناخت کا دروازہ نہیں کھولتا اور مکالمات اور مخاطبات سے اُس کو مشرف نہیں کرتا۔۔۔۔۔ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزاریسے مذہب سے اور کوئی نہ ہو گا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں کہ ایسا مذہب جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔“

ظلی نبی

اپنے اس دعوئے کے بعد مرزا صاحب کچھ عرصہ تک اپنے آپ کو ظلی نبی ظاہر کرتے رہے۔ اُن کے کہنے کے مطابق اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا تھا مگر نبوت صرف آپ کے فیضان سے ہی مل سکتی تھی نہ کہ براہِ راست جیسا کہ پہلے زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ اور خاتم النبیین کے معنی یہ تھے کہ آپ نبیوں کی مہر ہیں اور آپ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت کی تصدیق نہیں ہو سکتی تھی۔ یعنی آپ کے بعد ایسے انبیاء پیدا ہوں گے جن کی نبوت کی تصدیق آپ اپنی مہر سے فرمائیں گے۔ ان انبیاء کی نبوت کا معیار آپ کے نقش قدم پر چلنا اور آپ کی شریعت کو قائم کرنا ہو گا۔

مرزا صاحب کے صاحب زادے بشیر احمد صاحب نے اپنی تصنیف کلمۃ الفضل میں مرزا صاحب کی اس نبوت کو یوں بیان کیا ہے :-

”یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ظلی نبوت گھٹیا قسم کی نبوت ہے، یہ محض نفس کا ایک دھوکا ہے۔۔۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں بعض لوگ آپ کی (مرزا صاحب کی) نبوت کو ناقص نبوت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آپ (یعنی مرزا صاحب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑوز ہونے کی وجہ سے ظلی نبی تھے اور اس ظلی نبوت کا پایہ بہت بلند ہے۔“

ظلی نبوت سے مستقل اور صاحب شریعت نبی

کچھ عرصہ اسی طرح ظلی رہنے کے بعد مرزا صاحب آخر اُس منزل پر پہنچ گئے جس کے تصور سے کالمین بھی کانپتے تھے یعنی انہوں نے اپنے مستقل صاحب شریعت نبی اور خاتم النبیین ہونے کا دعوئے کر دیا اور اُن کے شدید قلم نے اُس ادب گاہ کو بھی پھلانگ جانے کی جسارت کی جس کے نزدیک پھٹکنے سے نہ صرف جبرئیل علیہ السلام کے پر جلتے تھے بلکہ مشائخِ عظام کو آزادی سے سانس تک لینے کی جرأت نہ تھی۔

ادب گاہمیت زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنسید و بازید آں جا

اپنی کتاب ایک غلطی کا ازالہ میں مرزا صاحب نے لکھا:-

”میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت ”وَأَخْرَيْنَ مِنْهُمْ لَعْنًا يُحِقُّ آيَاتِهِمْ“ بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔۔۔۔۔ پس جب کہ خدا نے تعالیٰ کے نزدیک حضرت مسیح موعود کا وجود خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے یعنی خدا کے دفتر میں حضرت مسیح موعود اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی دوتی یا معاشرت نہیں رکھتے بلکہ ایک ہی شان، ایک ہی مرتبہ، ایک ہی منصب اور ایک ہی نام رکھتے ہیں۔ گویا لفظوں میں باوجود دوتوں کے ایک ہی ہیں تو یہ کس قدر حق سے خراج ہو گا کہ حضرت مسیح موعود کے عین محمد ہونے سے انکار کریں۔“ الفصل ۱۶۹

اپنی تصنیف حقیقت الوحی میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی تھیں انہیں اپنی طرف منسوب کر کے اپنی ذات کو ان کا مصداق ظاہر کیا:-

کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے۔

۱۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي

يُحِبِّبْكُمْ اللَّهُ (آل عمران - ۳۱)

اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔

۲۔ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَبَدَّ إِلِكْ أُمِرْتُ وَأَنَا

أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (انعام ۱۶۴)

اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی مگر وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔

۳۔ وَمَا مِثَّتْ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَفِيٌّ

(الأنفال - ۱۷)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی۔

۴۔ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى

(بنی اسرائیل - ۱)

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر عالمین کے لیے رحمت بنا کر۔

۵۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

(انبیاء - ۱۰۷)

یہیں۔ قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں۔

۶۔ لَيْسَ هٗ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ إِنَّكَ لَمِنَ

الرُّسُلِينَ هٗ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (سورۃ النبیین ۴۱)

بے شک ہم نے آپ کو فتح میں عطا فرمائی ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادیں۔

۷۔ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا هٗ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ

مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (فتح - ۲۱)

خدا سے کر رہے ہیں اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غلبہ عطا فرمائے۔

۸۔ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ

اللَّهَ هٗ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (فتح - ۱۰)

وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غلبہ عطا فرمائے۔

۹۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ

وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

(فتح - ۲۸)

۱۰۔ شَرَدْنَا فَتَدَلَّى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ
أَوْ أَدْنَىٰ - (النجم - ۸-۹)

۱۱۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنَ الْبَعْدِ
اسْمُهُ أَحْمَدُ - (الصف - ۶)

۱۲۔ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا
عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا -
(الزمل - ۱۵)

۱۳۔ إِنَّا أَنْعَمْنَا عَلَىٰ الْكَوْثِرِ (کوثر - ۱)

ان غیر مانوس اور بعید از حقائق اقوال کی تلخی کو اسلامی فکر و نظر کے لحاظ سے کم کرنے کے لیے یہ عذر پیش کیا جاتا رہا کہ مرزا صاحب خود محمد و احمد ہیں۔ کوئی نبی اور علیحدہ شخصیت نہیں ہیں۔ اس انداز خیال کے چند نمونے درج ذیل ہیں :-

”وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے سرچشمے سے لیتا ہے اور نہ اپنے لیے بلکہ اسی کے جلال کے لیے۔ اسی لیے اُس کا نام آسمان پر محمد اور احمد ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ محمد کی نبوت آخر محمد ہی کو ملی مگر بروزی طور پر مگر نہ کسی اور کو۔“ (ایک غلطی کا ازالہ)

”اور جان لو کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ پانچویں ہزار میں مبعوث ہوئے، ایسا ہی مسیح موعود کی بروزی صورت اختیار کر کے چھٹے ہزار کے آخر میں مبعوث ہوئے۔ پس جس نے ان کا انکار کیا، اُس نے حق کا اور نص قرآن کا انکار کیا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانیت چھٹے ہزار کے اخیر میں یعنی ان دنوں میں بہ نسبت اُن سالوں کے اقویٰ اور اکل اور اشد ہے بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔“ (خطبہ الہامیہ)

”جیسے کہ مومن کے لیے دوسرے احکام الہی پر ایمان لانا فرض ہے۔ ایسا ہی اس بات پر بھی ایمان لانا فرض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعثت ہیں“ (تحفہ گولڈیہ)

”مَنْ فَرَّقَ بَيْنِي وَبَيْنَ الْمُصْطَفَىٰ مَا فَرَّقَنِي
وَمَا رَأَىٰ“
کیا اور دونوں کو الگ الگ سمجھا، اُس نے مجھے

شناخت کیا اور نہ پہچانا اور نہ ہی دیکھا نہ سمجھا“ (خطبہ الہامیہ)

پھر اسی کتاب (براہین احمدیہ) میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ
وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ اس وحی الہی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔“ (ایک غلطی کا ازالہ)

خجل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ میں خلی طور پر محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔ یعنی بہر حال محمد

صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہا اور نہ کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی معہ نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہو جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ بھلا اگر مجھے قبول نہیں کرتے تو یوں سمجھ لو کہ تمہاری حدیثوں میں لکھا ہے کہ مہدی موعود خلق اور خلق میں ہر رنگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا اور اس کا اسم آنجناب کے اسم کے مطابق ہوگا یعنی اُس کا نام محمد اور احمد ہوگا۔ اور اُس کی اہل بیت میں ہوگا۔“

حاشیہ۔ یہ بات میرے اجداد کی تاریخ سے ثابت ہے کہ ایک دادی ہماری شریف خاندان سادات سے اور بنی فاطمہ میں سے تھی۔ اس کی تصدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کی اور خواب میں مجھے فرمایا کہ سَلَمَانَ مِثْلًا أَهْلَ الْبَيْتِ عَلَى مَشْرَبِ الْحَسَنِ۔ میرا نام سلمان رکھا یعنی ذو سلم، اور سلم عربی میں صلح کو کہتے ہیں۔ یعنی مقدر ہے کہ دو صلح میرے ہاتھ پر ہوں گی۔ ایک اندرونی کہ جو اندرونی بغض اور شہنا کو دور کرے گی۔ دوسری بیرونی کہ جو بیرونی عدوت کے وجود کو پامال کر کے اور اسلام کی عظمت دکھا کر، غیر مذہب والوں کو اسلام کی طرف جھکا دے گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں جو سلمان آیا ہے۔ اُس سے بھی مراد ہوں در نہ اُس سلمان پر ذوالصلح کی پیش گوئی صادق نہیں آتی اور میں خدا سے وحی پا کر کہتا ہوں کہ میں بنی فارس میں سے ہوں اور بموجب اس حدیث کے جو کنز العمال میں درج ہے۔ بنی فارس بھی بنی اسرائیل اور اہل بیت میں سے ہیں۔ اور حضرت فاطمہؑ نے کشفی حالت میں اپنی ران پر میرا سر رکھا اور مجھے دکھایا کہ میں اس میں سے ہوں۔ چنانچہ یہ کشف براہین احمدیہ میں موجود ہے۔ (ایک غلطی کا ازالہ)

مرزا صاحب کی وحی

مستقل نبوت کا لبادہ اوڑھنے کے بعد یہ ضروری تھا کہ اُس کے دیگر لوازمات بھی سامنے لائے جاتے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ اُن پر وحی نازل ہوتی ہے۔ ”دربین“ جو مرزا صاحب کے کلام کا مجموعہ ہے، کے صفحہ ۲۸۷ پر اُن کی یہ نظم درج ہے:-

آنچہ من بشنوم ز وحی خدا
بمچوں قرآن مُنزہ اشش دافم
از خطا ہا ہمیں ست ایسانم
از وہان حُدا لے پاک و حید
بمچوں قرآن مُنزہ اشش دافم
از خطا ہا ہمیں ست ایسانم
از وہان حُدا لے پاک و حید
(بمچا یہ پاک کلام اللہ تعالیٰ کی پاک زبان سے نکلا ہوا ہے)

مرزا صاحب نے اپنی ایک اور کتاب ”ربعین نمبر ۴“ میں لکھا:-

”مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن پر۔“

ایک دوسری کتاب ”حقیقۃ الوحی“ میں لکھا:-

”میرے پاس ایبل آیا (اس جگہ ایبل خدائے تعالیٰ نے جبریل کا نام رکھا ہے اس لیے کہ بار بار

رجوع کرتا ہے۔ حاشیہ) اور اُس نے مجھے چُن لیا اور اپنی اُنٹلی کو گردش دی اور یہ اشارہ کیا کہ خدا کا وعدہ آگیا۔ پس مُبارک وہ جو اُس کو پاوے اور دیکھے " (ترجمہ) ... اور خدا کا کلام اس قدر مجھ پر نازل ہوا ہے کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جُزد سے کم نہیں ہوگا۔" (مرزا صاحب کے مجموعہ وحی و اہامات کو اُن کے پیر و اکتاب البین کے نام سے یاد کرتے ہیں)

مرزا صاحب کے اہامات

وحی سے کیس زیادہ اہامات تھے جو مرزا صاحب نے اپنے دعاوی کے ثبوت میں پیش کیے۔ اہامات کی اقسام اور اہامات پانے والوں کی کیفیات کے متعلق "ازالہ اوہام" میں لکھا ہے :-

اہامِ رحمانی بھی ہوتا ہے شیطانی بھی۔ اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دے کر کسی بات کے انکشاف کے لیے بطور استخارہ و استخبار وغیرہ کے توجہ کرتا ہے۔ خاص کر اس حالت میں کہ جب اُس کے دل میں یہ تمنا مخفی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی بُرا یا بھلا کلمہ بطور اہام مجھے معلوم ہو جائے تو شیطان اُس وقت اُس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اُس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔ یہ دخل کبھی انبسیار اور رسولوں کی وحی میں بھی ہو جاتا ہے مگر وہ بلا توقف نکالا جاتا ہے۔ میں نے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو ہر آواز کو جو اُنہیں آجائے اہام ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ اضعاف و اعلام ہی ہوتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جو آوازیں اُنہیں سُنانی دیتی ہیں وہ بناوٹی ہیں۔ نہیں، اُن کو آوازیں آتی ہوں گی۔ مگر ہم ہر آواز کو خدائے تعالیٰ کی آواز قرار نہیں دے سکتے۔ جب تک اُس کے ساتھ وہ انوار و برکات نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کے ساتھ ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ جب تک اندرونی نجاست اور گندگی دور نہ ہو اور تقویٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصل نہ ہو اور اُس درجہ اور مقام پر انسان نہ پہنچ جائے جو دُنیا ایک مرے ہوئے کپڑے سے بھی جھیر اور ذلیل نظر آنے لگے اور اللہ تعالیٰ ہی ہر فعل اور قول میں مقصود ہو۔ اس مقام پر قدم نہیں پڑ سکتا جہاں پہنچ کر انسان اپنے اللہ کی آواز سُنتا ہے۔"

(مرزا غلام احمد قادیانی کا ارشاد مندرجہ اخبار الحکم "۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

اور حقیقتہ الوحی میں لکھا ہے :-

آسمانی نشانوں سے حصہ لینے والے تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ اول وہ جو کوئی ہنر اپنے اندر نہیں رکھتے اور کوئی تعلق خُدا تعالیٰ سے ان کا نہیں ہوتا۔ صرف دماغی مناسبت کی وجہ سے اُن کو بعض سچی خوابیں آجاتی ہیں اور سچے کشف ظاہر ہوتے ہیں۔

پھر دوسرے قسم کے خواب بین یا ملہم وہ لوگ ہیں جن کو خُدا تعالیٰ سے کسی قدر تعلق ہے مگر کامل تعلق نہیں۔ پھر تیسری قسم کے ملہم و خواب بین وہ لوگ ہیں جو شہواتِ نفسانیہ کا چولا آتشِ محبتِ الہیہ میں جلا دیتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کے لیے تمنیٰ کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔

خُدا تعالیٰ نے مجھے اس تیسرے درجے میں داخل کر کے وہ نعمت بخشی ہے کہ جو میری کوشش سے

نہیں بلکہ شکمِ مادر میں ہی مجھے عطا کی گئی ہے۔“

مرزا صاحب کے اہامات اور عرفانِ الہی کے نمونے

اب یہاں مرزا صاحب کے چند اہامات، پیش گوئیاں، روایا اور کشف بیان کیے جاتے ہیں:-
مرزا صاحب نے اپنی کتاب تو بیخ مرام میں اُس ذاتِ پاک کے لیے جو لیس کَمَثَلِہ شیئی ہے، تہذیب اور اُس کی تشیل پیش کی ہے۔ دافع البلائیں اپنا ایک کشف بیان کرتے ہیں۔ بَايَعَنِي رَبِّي (میرے رب نے میرے ساتھ بیعت کی)

آپ کا ایک اہام ہے:- يَا شَمْسُ يَا قَمَرُ أَنْتَ مِثِّي وَأَنَا مِنْكَ۔ (اے سورج، اے چاند، تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں)

ایک دوسرا اہام ہے:- أَنْتَ مِثِّي بِمَنْزِلَةِ وِلْدِي (تو میرے لیے بیٹے کی طرح ہے)
ایک اور اہام ہے:- إِنِّي مَعَ الرَّسُولِ أُجِيبُ أَخْطَى وَأُصِيبُ (میں رسول کے ساتھ ہوں، جواب دیتا ہوں، خطاب بھی کرتا ہوں اور صواب بھی)

حقیقۃ الوحی میں اس نبج کے اور اہام بھی درج ہیں:-

۱۔ يُتِمُّ اسْمُكَ وَلَا يُتِمُّ اسْمِي
۲۔ إِنَّمَا مَرُّكَ إِذَا رَدَّتْ شَيْئًا إِنْ تَقُولَ
لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔

۳۔ أَنْتَ مِنْ مَاءٍ نَاوَهُمُ مِنْ فِثْلِ
۴۔ الْأَرْضُ وَالسَّمَاءُ مَعَكَ كَمَا هُوَ مَعِي

اس میں عربی دانی کا کمال بھی اظہر من الشمس ہے مگر مرزا صاحب کے ماننے والے تو یہی کہیں گے کہ یہ مرزا صاحب کی غلطیاں نہیں بلکہ اُن کے علم کی غلطیاں ہیں جس کی یہ زبان ہے۔ کیونکہ اَخْطَى وَأُصِيبُ یعنی خطاب بھی کرتا ہوں اور صواب بھی تو علم پہلے فرما ہی چکے ہیں۔

۵۔ اسْمِعْ وِلْدِي
۶۔ بِحَمْدِكَ اللَّهُ مِنْ عَرْشِهِ دَائِمًا إِلَيْكَ

۷۔ اور تو مجھ سے ایسا ہے جیسا میں ہی ظاہر ہو گیا یعنی تیرا ظہور بعینہ میرا ظہور ہے۔ (تذکرہ یعنی وحی مقدس)
۸۔ أَنَا بَشْرٌ كَبَعْلَاءِ مِظْهَرِ الْحَقِّ وَالْعَلِيِّ
كَانَ اللَّهُ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔

(استفتاء مصنفہ مرزا غلام احمد دہلوی)
حضرت مسیح موعود نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی ہے کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح

طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت میں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی قوت کا اظہار فرمایا۔

(ٹریکٹ نمبر ۳۴ - اسلامی قربانی مصنفہ قاضی یار محمد قادیانی)

مرزا صاحب خود بھی فرماتے ہیں :-

”مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفع کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرا دیا گیا۔ اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں۔ بذریعہ اس الہام کے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا۔“

(کشتی نوح، مصنفہ مرزا صاحب قادیانی)

”آئینہ کمالات“ میں کہتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا عین ہوں اور یقین کر لیا کہ میں واقعی اللہ ہوں اور پھر میں نے آسمان بنایا اور زمین بنائی۔

- ۱ - اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ میں نماز پڑھوں گا اور روزہ رکھوں گا۔ جاگتا ہوں اور سوتا ہوں۔ (البشری جلد دوم)
- ۲ - خدا نے فرمایا، میں بھی روزہ رکھوں گا اور افطار بھی کروں گا۔ (تبلیغ رسالت جلد دہم)
- ۳ - الہام ہوا، خدا قادیان میں نازل ہوگا۔ (البشری جلد اول)
- ۴ - سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (دفع البلاء)
- ۵ - الہام ہوا: تیری خبر قرآن و حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ (اعجاز احمدی)
- ۶ - اربعین نمبر ۴ میں بابو الہی بخش کے متعلق یہ الہام درج ہے :-

”بابو الہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے مگر خدا تعالیٰ تجھے اپنے انعامات دکھلائے گا جو متواتر ہوں گے۔ تجھ میں وہ حیض نہیں بلکہ وہ بچہ ہو گیا، ایسا بچہ جو بمنزلہ اطفال اللہ کے ہے۔“

۷ - میں نے دیکھا کہ میں ایک جنگل میں ہوں اور میرے ارد گرد بہت سے درندے، بندر اور سؤر وغیرہ ہیں اور اس سے استدلال یہ کیا کہ یہ احمدی جماعت کے لوگ ہیں۔

(بحوالہ قادیانی اخبار سپینام صلح - لاہور - اپریل ۱۹۳۴ء)

۸ - مرزا صاحب نے اپنا ایک رویا بیان کیا کہ میں نے دیکھا ایک بلی ہے اور گویا ایک کبوتر ہمارے پاس ہے۔ وہ اس پر حملہ کرتی ہے۔ بار بار ہٹانے سے باز نہیں آتی تو میں نے اس کی ناک کاٹ دی ہے اور خون بہ رہا ہے پھر بھی باز نہیں آتی تو میں نے اُسے گردن سے پکڑ کر اُس کا منہ زمین پر گرنا شروع کیا۔ بار بار گرنا تھا۔ پھر بھی سر اٹھاتی تھی تو آخر میں نے کہا کہ آؤ اسے پھانسی دیں۔ (مکاشفات مؤلفہ بابو منظور الہی قادیانی)

۹ - رویا میں دیکھا ہم ایک جگہ جا رہے ہیں۔ ایک ہاتھی دیکھا اُس سے بھاگے اور ایک کوڑھ میں چپے گئے۔ لوگ بھی بھاگے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ ہاتھی کہاں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کسی اور کوڑھ میں چلا گیا ہے، ہمارے نزدیک نہیں آیا۔ پھر نظارہ بدل گیا۔ گویا گھر بیٹھے ہیں۔ قلم پر میں نے دو نوک لگائے ہیں جو ولایت سے آئے ہیں۔ پھر میں کہتا ہوں یہ بھی

نامرہی نکلا۔ اس کے بعد الہام ہوا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ (تذکرہ یعنی وحی مقدس مجموعہ الہامات مرزا نظام احمد دہلی ص ۱۴۳)

۱۰۔ مرزا صاحب کو دوسری شادی کے لیے اخراجات کی ضرورت ہوئی۔ الہام ہوا:-
 ”ہرچہ باید نو عمر و بی را ہمہ سال کنم و آنچه در کار شما باشد عطائے آں کنم“
 چنانچہ ایک جگہ سے پانچ صد اور دوسری جگہ سے تین صد روپے قرض مل گئے۔ (حقیقۃ الوحی)

۱۱۔ مرزا صاحب نے مواہب الرحمن میں مولوی کرم دین سکنہ ضلع جہلم کو لٹیم اور کذاب لکھا تھا۔ حقیقۃ الوحی میں اس کی نسبت لکھتے ہیں:-

”مولوی کرم دین کے مقدمے میں جو گورداسپور میں ہوئے۔ کرم دین لٹیم اور کذاب کے معنی سنگین بیان کرتا تھا اور ہم ضعیف۔ اُن دنوں الہام ہوا۔ معنی دیگر نہ پسندیم ما

۱۲۔ رو یاد کیا کہ گویا ملکہ مظلمہ قصیرہ ہند سلہما اللہ تعالیٰ ہمارے گھر میں رونق افروز ہوئی ہیں... اور دو روز قیام فرمایا ہے۔
 (مکاشفات۔ مؤلفہ بابو منظور الہی قادیانی)

۱۳۔ تذکرہ یعنی وحی مقدس مجموعہ الہامات میں آپ کا رو یاد رج ہے کہ میں نے دیکھا کہ زار روس کا سونٹا میرے ہاتھ میں آ گیا ہے... غور سے دیکھا تو وہ بندوق ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بندوق ہے یا سونٹا... اور پھر دیکھا کہ خوارزم بادشاہ جو بوعلی سینا کے وقت میں تھا، اُس کی تیرکمان میرے ہاتھ میں ہے۔ بوعلی سینا میرے پاس کھڑا ہے اور اس تیرکمان سے ایک شیر کو بھی شکار کیا۔

(پروفیسر محمد الیاس برنی اپنی کتاب قادیانی مذہب میں رو یاد رج کر کے لکھتے ہیں کہ یہ تاریخ مرزا صاحب کی کشفی ہے ورنہ تاریخی لحاظ سے شیخ بوعلی سینا ۴۲۸ھ میں انتقال فرما چکے تھے اور خوارزم شاہی حکومت کے ساتوں کے ساتوں سلاطین کی حکمرانی کی کل مدت ۴۹۰ھ سے ۶۲۸ھ تک ہے یعنی بوعلی سینا خوارزم شاہی دور سے ۶۲ سال قبل ہی اس جہان فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔)

مرزا صاحب کی پیش گوئیاں

مرزا صاحب کے بہت سے الہامات پیش گوئیوں کی شکل میں ہیں جنہیں وہ اپنی صداقت کا معیار اور نشان قرار دیتے ہیں ان میں سے بعض پیش گوئیاں مرزا صاحب کی تاویلات اور اصل واقعات کے ساتھ بلا کم و کاست درج کی جاتی ہیں:-

۱۔ بذریعہ الہام الہی معلوم ہوا کہ میاں منظور محمد کے گھر میں یعنی محمدی بیگم کا ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے یہ نام بذریعہ الہام الہی معلوم ہوئے: بشیر الدولہ، عالم کباب، شادی خان، کلمۃ اللہ خان (البشری جلد دوم)

نوٹ منجانب مؤلف البشری۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہ پیش گوئی کب اور کس رنگ میں پوری ہوگی۔

گو حضرت اقدس نے اس کا قوہ محمدی بیگم کے ذریعے سے فرمایا تھا۔ مگر چونکہ وہ فوت ہو چکی ہیں اس لیے

اب تخصیص نام نہ رہی۔ بہر صورت یہ پیش گوئی مشابہات میں سے ہے۔ (البشری جلد دوم۔ مجموعہ

الہامات مرزا صاحب مؤلفہ بابو منظور الہی قادیانی لاہوری)

اس کے متعلق مرزا صاحب نے خود حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے کہ اس لڑکے کا نام بشیر الدولہ اس وجہ سے تھا کہ اس نے

ہماری ترقی سلسلہ کے لیے بشارت ہونا تھا۔ اور عالم کباب اس وجہ سے کہ اگر لوگ توبہ نہیں کریں گے تو بڑی بڑی آفتیں دُنیا میں آئیں گی۔ اور لکھتے ہیں کہ یہ لڑکا قیامت خیز زلزلہ کا پیش خیمہ تھا۔ مگر میں نے دُعا کی اور اس زلزلہ میں تاخیر ڈال دی گئی چنانچہ اہل لائی ۱۹۰۶ء کو لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی جو بشارت ہے کہ زلزلہ میں تاخیر ڈال دی ہے۔

۲۔ اپنی تفسیر اعجاز المسیح کی نسبت مرزا صاحب نے اہام شائع کیا:-

مَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَمَّرَ فَسَوْفَ يَدْرِي إِنَّهُ تَنَدَّمَ وَتَدَّ مَرَّ (جو شخص اس کا جواب لکھنے پر آمادہ ہوگا وہ شرمندہ ہوگا اور ہلاک ہوگا)

لیکن جب حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی کتاب سیفِ چشتیائی میں اس تفسیر پر ایک سو سے زیادہ اعتراضات نظر سے گزرے تو ایک شخص شہاب الدین نامی کے خط کا حوالہ دے کر لکھ دیا کہ یہ اعتراضات مولوی محمد حسین فیضی مدرس انجمن نعمانیہ لاہور نے قلم بند کیے تھے جو بڑی موت مر گیا۔ اور میری اہامی پیش گوئی پوری ہوئی۔

مگر مقدمہ فضل الدین بنام کرم الدین میں مرزا صاحب نے بطور گواہ جو حلفی بیان دیا یہ تھا:-

”اہام اتی مہین“ من اراد اہانتک (جو تیری اہانت کرے گا میں اُس کی اہانت کروں گا) کئی سال پہلے مجھ کو ہوا تھا یعنی مقدمات سے کئی سال پہلے۔ یہ پیش گوئی من قَامَ لِلْجَوَابِ تَنَمَّرَ فَسَوْفَ يَدْرِي إِنَّهُ تَنَدَّمَ وَتَدَّ مَرَّ، فیضی کی نسبت نہیں ہے۔

سوال۔ یہ دونوں اہام آپ کے سچے ہوتے کہ نہیں یعنی متعلق مولوی محمد حسین فیضی اور پیر مہر علی شاہ؟
جواب۔ پہلے میں نے قبل سراج الاخبار شائع ہونے کے خیال کیا تھا کہ یہ دونوں اہام سچے ہو گئے ہیں۔ مگر سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ یہ میری رائے غلط نکلی۔“

۳۔ جب مرزا صاحب کا لڑکا مبارک احمد فوت ہوا تو ساتھ ہی خدائے تعالیٰ نے یہ اہام کیا۔ انا نبشرك بغلامِ حلیم ینزل منزل المبارک یعنی ایک حلیم لڑکے کی ہم تجھے خوشخبری دیتے ہیں جو بمنزلہ مبارک احمد کے ہوگا (اشہار مرزا صاحب ۵۔ نومبر ۱۹۰۶ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم) لیکن اس کے بعد مرزا صاحب کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔

۴۔ ایک عمر رسیدہ عیسائی مناظر عبداللہ آتھم کے ساتھ مرزا صاحب نے مناظرہ کیا تھا۔ بعد مناظرہ ۵۔ جون ۱۸۹۳ء کو آپ نے اپنا ایک اہام شائع کر کے اعلان کیا کہ آتھم پندرہ ماہ کے اندر بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ بشرطیکہ اُس نے اسلام قبول نہ کر لیا اور لکھا کہ اگر یہ پیشین گوئی ٹھیک تو میں ہر ایک منرا کے لیے تیار ہوں۔

”مجھ کو ذلیل کیا جائے۔ رُو سیاہ کیا جائے۔ میرے گلے میں رستہ ڈال دیا جائے۔ مجھ کو پھانسی دی جائے۔“

لیکن وہ ضعیف آدمی پیش گوئی کی مدت الاختتام یعنی ۵۔ ستمبر ۱۸۹۴ء کے بعد بھی کئی سال تک زندہ رہا۔ اس لیے ابتداً مرزا صاحب نے یہ پوزیشن اختیار کی کہ وہ دل میں مسلمان ہو گیا ہے۔ مگر جب اُس نے امر تسرد وغیرہ میں جلسے کر کے اپنے دل میں مسلمان ہونے کی تردید کی تو مرزا صاحب نے یہ پہلو اختیار کیا کہ پیش گوئی کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ہاویہ سے مراد ذلت تھی جو اُسے کفر میں مبتلا ہونے کے باعث نصیب ہو رہی ہے۔

۵۔ مرزا صاحب نے ۱۸۸۶ء میں اپنے ماٹوں زاد بھائی مرزا احمد بیگ کی لڑکی محمدی بیگم کے ساتھ اپنے نکاح کی خواستگاری کی تھی۔ اُن کی عمر اُس وقت ۲۶ برس کی تھی۔ اور وہ لڑکی مشکل ۱۲ سال کی تھی۔ ۱۸۸۸ء میں اُنہوں نے اپنا اہام

شارع فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے زَوْجِنَا كَهْنًا۔ میں نے اسے تیری زوجہ بنا دیا ہے۔ باکرہ یا بیوہ ہو کر بہر حال تیری زوجیت میں آئے گی۔ اگر کہیں اور اس کا نکاح کیا گیا تو اس کا خاوند اڑھائی سال اور والد تین سال کے اندر فوت ہو جائیں گے۔ محمدی بیگم کے والد تو اس میعاد کے اندر فوت ہو گئے مگر وہ خود اور اس کا خاوند مرزا سلطان محمد خود مرزا صاحب کے بعد بھی بہت عرصہ تک زندہ رہے۔ مرزا صاحب اس پیش گوئی کے سلسلہ میں اس قدر آگے چلے گئے تھے کہ کوئی واپسی کا دروازہ یا راہ گریز نہ رہا تھا۔ اپنی کتاب انجام آتم ۱۸۹۷ء میں لکھتے ہیں:-

”میں اس پیش گوئی کو اپنے صدق اور کذب کا معیار ٹھہراتا ہوں۔ اور میں نے اس وقت تک یہ بات نہیں کہی جب تک مجھ کو اپنے رب کی طرف سے اس بات کی اطلاع نہیں دی گئی۔۔۔۔۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی داماد احمد بیگ کی موت تقدیر مبرم ہے۔ اس کا انتظار کرو۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجائے گی۔“

مرزا صاحب نے ستم بالائے ستم یہ کیا کہ اس نکاح کی پیش گوئی حدیث شریف سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ”اس پیش گوئی کی تصدیق کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے پیش گوئی فرمائی تھی کہ یتزوج دیولد لہ یعنی وہ مسیح موعود بیوی کرے گا اور صاحب اولاد ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ تزوج اور اولاد کا ذکر کرنا عام طور پر مقصود نہیں، کیونکہ عام طور پر ہر ایک شادی کرتا ہے اور اولاد ہوتی ہے۔ اس میں کچھ خوبی نہیں۔ بلکہ تزوج سے مراد وہ خاص تزوج ہے جو بطور نشان ہوگا۔ اور اولاد سے مراد وہ خاص اولاد ہے جس کی نسبت اس عاجز کی پیش گوئی موجود ہے۔“

(مرزا صاحب کا اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۸ء)

مرزا صاحب البتہ یہ بھول گئے کہ تزوج اور اولاد کے اس حدیث شریف میں ذکر کا خاص مقصود یہ تھا کہ حضرت مسیح ابن مریم نے رفیع آسمانی سے قبل نکاح نہیں کیا تھا۔ اس لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیاہ کریں گے اور آپ کی اولاد بھی ہوگی۔

حکیم نور الدین نے مرزا صاحب کے انتقال کے بعد ریویو آف ریویو ماہ جون۔ جولائی ۱۹۰۸ء میں اس پیش گوئی کی یہ تاویل کی کہ مرزا صاحب کی اولاد میں سے کوئی شخص محمدی بیگم کی اولاد میں سے کسی لڑکی سے نکاح کرے گا۔

۶۔ مرزا صاحب نے البرہیہ میں اپنی پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء کی تحریر کی ہے۔ ۱۶ مئی ۱۹۰۱ء کو گورداسپور کی عدالت میں حلفی بیان دیتے ہوئے بھی اپنی عمر ساٹھ سال کے قریب بتلائی۔ اور آپ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو فوت ہوئے۔ اس طرح آپ کی عمر ۶۸ یا ۶۹ برس ہوئی۔ لیکن مواہب الرحمن ”تذکرہ“ اربعین نمبر ۳ اور ضمیمہ گولڈویہ میں آپ کے اہامات کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

”تیری عمر اتنی برس ہوگی یا اس کے قریب یا چند برس زیادہ۔ اور تو اس قدر عمر پائے گا کہ ایک دور کی نسل کو دیکھ لے گا۔“

مرزا صاحب کے ایک سابق ارادت مند ڈاکٹر عبدالحکیم اسسٹنٹ سرجن ٹیالہ نے جو ۲۰ برس بعد مخالف محاذ میں چلے گئے تھے یہ پیش گوئی مشتہر کی کہ:-

”مجھے ۱۳ جولائی ۱۹۰۶ء کو الہام ہوا ہے کہ مرزا مسررف، کذاب اور عیار ہے۔ صادق کے سامنے شہرہ فنا ہو جائے گا۔ اور اس کی میعاد تین سال بتلائی گئی ہے۔“

اور پھر جولائی ۱۹۰۷ء میں اپنا ایک اور الہام شائع کیا کہ
”اللہ نے مرزا کی شوخیوں اور نافرمانیوں کی سزا میں ۳۳ سالہ میعاد میں سے جو ۱۱ جولائی ۱۹۰۹ء کو پوری ہوئی
تھی دس مہینے اور گیارہ دن اور کم کر دیئے ہیں۔ اور مجھے یکم جولائی ۱۹۰۷ء کو الہام فرمایا کہ مرزا آج سے چودہ
ماہ تک بسزائے موت ہادیہ میں گرایا جائے گا۔“

اس کے جواب میں مرزا صاحب نے اشتہارات بعنوان ”خدا سچے کا حامی ہو“ مورخہ ۱۶- اگست ۱۹۰۶ء اور بعنوان ”تبصرہ“
مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۶ء میں اپنے مندرجہ ذیل دو الہامات یکے بعد دیگرے شائع کیے:-

”خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔
ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ فرشتوں کی کھنچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے پر تو نے وقت کو نہ پہچانا، نہ دیکھا نہ
جانا۔ رَبِّ فَرِّقْ بَيْنَ صَادِقٍ وَكَاذِبٍ اَنْتَ تَرَى كُلَّ مْصْلِحٍ وَصَادِقٍ۔ یعنی اے میرے خدا
صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلا تو جانتا ہے کہ صادق اور مصلح کون ہے۔“ اور
”اپنے دشمن سے کہہ دے کہ خدا تجھ سے مواحتہ کرے گا اور تیری عمر کو بھی بڑھاؤں گا۔ یعنی دشمن
جو کہتا ہے کہ جولائی ۱۹۰۶ء سے چودہ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی دوسرے دشمن جو
پیش گوئی کرتے ہیں ان سب کو میں جھوٹا کروں گا۔“

بہر حال مرزا صاحب ان چودہ مہینوں کے اندر ہی فوت ہو گئے اور ڈاکٹر عبدالحکیم ان کے بعد برسوں بقید حیات
اور خوش و خرم رہے۔

۷۔ اسی طرح مرزا صاحب نے مولوی شام اللہ ام تسری کے خلاف بھی ۱۵ اپریل ۱۹۰۶ء کو اشتہار دے کر اللہ تعالیٰ کی جناب
میں ایک مضطرب دعا شائع کی تھی کہ اگر میں مُفسد و کذاب ہوں تو مولوی شام اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور اگر
مولوی شام اللہ ان تہمتوں میں جو وہ مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری
زندگی میں ان کو نابود کر... میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بد زبانی حد
سے گزر گئی ہے۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں، جن کا وجود دنیا کے لیے سخت خطرناک ہوتا
ہے وغیرہ وغیرہ

مرزا صاحب نے بحوالہ اخبار بدر مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۰۶ء اپنی اس دعا کے متعلق دعویٰ کیا تھا کہ شام اللہ کے متعلق جو کچھ
کہا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔“

پھر اس دعا کا نتیجہ تمام دنیا پر روشن ہے کہ مولوی شام اللہ ۱۵ مارچ ۱۹۲۸ء کو پاکستان میں آکر فوت ہوئے اور عمر بھر
قادیانیت کے خلاف تحریری اور قلمی جہاد میں مصروف رہے۔ حالانکہ مرزا صاحب نے جا بجا استجاب دعا کو اپنے لیے
بطور نشان پیش کیا اور حقیقت الوحی میں لکھا کہ ”مقبول کی اکثر دعائیں منظور ہوتی ہیں، بلکہ بڑا معجزہ ان کا استجاب دعا ہی ہے“
اور یہ شعر ان کا اسی ضمن میں ہے۔

زَاہِ زُمْرَةِ اَبْدَالِ بَايِدَتِ تَرْسِيْدِ عَلِي الْخُصُوْسِ اِگْرَ اَوْ مِيْسِرْ زَا بَا شَدْ
اگرچہ ان سب پیش گوئیوں کے متعلق مرزا صاحب کی جماعت کے پاس کوئی نہ کوئی تاویل موجود ہے۔ مگر بعض پیش گوئیاں
ایسی ہیں جن کے صحیح ہونے پر انہیں اصرار ہے۔ آریہ سماجی لیکچرار کی ہلاکت کی پیش گوئی مرزا صاحب نے کی تھی۔ کسی غمخیز مسلمان
نے اس طعن شاتم رسول کو قتل کر دیا۔ پولیس کی تفتیش میں مرزا صاحب پر قتل کی تحریک اور اعانت کا شبہ ہوا۔ اور آپ کی
خانہ تلاشی بھی ہوئی۔ ممکن ہے ان کا اس میں ہاتھ نہ ہو۔ اور کسی راسخ العقیدہ مسلمان نے ہی غازی علم دین کی طرح دَلَّكُمْ
فِي الْقِصَاصِ حَيَوَةٌ يَا اُوْدِي الْاَلْبَابِ (اور اے عمل مندو، تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے) کے فرمان پر
عمل کیا ہو۔

کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کے نشان کی صورت میں ماہ رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن لگا۔ لیکن اس امر کا کوئی ثبوت
نظر سے نہیں گزرا کہ مرزا صاحب نے اس کے متعلق کوئی پیشین گوئی کی تھی۔ ویسے اگر کوئی کی بھی ہوئی تو اس میں کوئی خصوصیت نہ
تھی۔ کیونکہ ان امور کا علم سالہا سال قبل عام نجومی اور ہیت دان بھی علم اور حساب سے حاصل کر لیتے ہیں اور جنسوں میں قبل از
وقت شائع کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر اس سے مقصود اُس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت امام مہدیؑ کے زمانہ
میں چاند گرہن کا ذکر ہے تو یہ امر سب پر واضح ہے کہ اُس میں رمضان شریف کی پہلی رات کو چاند گرہن کا ذکر ہے جسے لفظ ہلال
سے بالکل واضح کر دیا گیا ہے۔ اور ایسا گرہن واقعی نادرات میں سے ہے اور وہ مرزا صاحب کے وقت میں ظہور پذیر نہیں ہوا۔
کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے زلزلوں اور طاعون کے متعلق پیش گوئیاں کی تھیں اور وہ درست نکلیں۔ لیکن اس قسم کی
پیش گوئیوں کے متعلق مرزا صاحب کا اپنا ارشاد ملاحظہ فرمائیے گا۔

”اس درماندہ انسان (مسیح) کی پیش گوئیاں کیا تھیں صرف یہی کہ زلزلے آئیں گے۔ قحط پڑے گا۔ لڑائیاں
ہوں گی۔ پس اُن دلوں پر خدا کی لعنت جنہوں نے ایسی ایسی پیش گوئیاں اُس کی غذائی پر دلیل ٹھہرائیں۔ اور
ایک مردہ کو اپنا خدا بنا لیا۔ کیا ہمیشہ زلزلے نہیں آتے، کیا ہمیشہ قحط نہیں پڑتے۔ کیا کہیں نہ کہیں لڑائی کا سلسلہ
شروع نہیں رہتا۔ پس اس نادان اسرائیلی نے ان معمولی باتوں کا پیش گوئی کیوں نام رکھا؟“
(ضمیمہ انجام آتم۔ حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

الہامات کے متعلق حضرت قبلہ عالم کا فرمان

یہاں پر ضامن حضرت قبلہ عالم کا وہ بیان بھی درج کیا جاتا ہے جو آپ نے اپنی تصنیف سیفِ چشتیائی میں مرزا صاحب
کے الہامات کے متعلق تحریر فرمایا ہے :-

- ۱۔ الہاماتِ کاذبہ۔ جن کے مجھوٹے ہونے پر وہ خود ہی شاہد ہیں۔
- ۲۔ الہاماتِ کاذبہ۔ جن کو پورا نہ ہونے پر کاذب قرار دیا گیا۔
- ۳۔ الہاماتِ صیادیہ :- جن کا ابنِ صیاد کے الہام کی طرح اگر سر ہے تو پاؤں نہیں اور اگر پاؤں ہے تو سر نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے سورہ دُخَان کا خیال دل میں رکھ کر ابنِ صیاد سے فرمایا تھا، میں نے اپنے دل میں کوئی چیز چھپا رکھی ہے
بتاؤ کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ دُخ۔ فرمایا۔ خوار ہو، تو اپنی قدر سے ہرگز تجاوز نہ کرے گا۔

۴۔ الہاماتِ شیطانیہ النسیہ۔ جن کو کسی پڑھے ہوئے آدمی نے اس کے قلب میں ڈال دیا ہے۔

۵۔ الہاماتِ شیطانیہ جنیہ، اور

۶۔ الہاماتِ شیطانیہ معنویہ۔ ان کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فتوحاتِ مکیہ کی عبارت بدیں خلاصہ درج فرمائی ہے کہ شیطان جتنی اور انسی کے درمیان تیسرا شیطان معنوی پیدا ہو جاتا ہے کبھی شیطان انسان کے دل میں ایک خاص شخصی مضمون ڈال دیتا ہے مثلاً کہ تو مسیح موعود ہے۔ اور کبھی ایک امر عام قاعدہ کے مطابق ڈال کر وجوہِ فاسدہ اور استدلالاتِ کاسدہ کا دروازہ کھول دیتا ہے جن کو شیطان معنوی کہا جاتا ہے۔ مثلاً یہ استدلال کہ جس پر امورِ غیبیہ منکشف ہوں۔ وہ بصدق آیت فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَبِّ سُوِّلِ (اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا بجز اپنے رسول کے جس کو چاہے) نبی در رسول ہے چاہے جناب خاتم النبیین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ اور فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے الہاماتِ صیادیہ کا نام استدراج اور کراہی رکھا ہے۔ اور اس منزل میں لغزش سے بچنے کا یہ طریق فرمایا ہے کہ اگر اس منزل کا صاحب سارے تصرفات میں خدا کی نجابت سے اطلاع نہ پاسکے تو اتنا اہتمام اُس کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اپنے پیغمبر کی شرع کو جو اُس کے لیے بطور میزان مقرر کی گئی ہے ہرگز نہ چھوڑے تاکہ وہ میزان اُسے کراہی سے محفوظ رکھے۔ اور شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابن مدین رحمۃ اللہ علیہ کو بھی یہ شبہ واقع ہوا تھا اور اس الہام نے دھوکا دیا تھا کہ تو عیسیٰ بن مریم ہے۔ اور شیطان کے بہکانے کے متعلق حضرت شیخ اکبر کی کتاب فتوحاتِ مکیہ کی عبارت درج کر کے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ بطور خلاصہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو شیطان جتنی بہکانا چاہے تو کبھی ایک مضمون خاص شخصی اُس کے دل میں ڈال دیتا ہے اور کبھی مضمون عام پھر وہ شخص طرح طرح کے استنباط اور استدلالات اور تفقہ اور برہان زعمیہ نکالتا ہے۔ جن میں مشاقی کی وجہ سے شیطان بھی اُس کی شاگردی پر نازاں ہوتا ہے مضمون خاص مثلاً تو مسیح موعود ہے قادیانی صاحب سے پہلے بھی کئی ایک لوگوں پر ایسا ہو چکا ہے مگر ان لوگوں کو اپنے مشائخ کی ہدایت اور میزان شرعی کے التزام سے اللہ جل شانہ نے محفوظ فرمایا۔ کَمَا قَالَ سُبْحٰنَہٗ وَّتَعَالٰی، فِیْنَسِخُ اللّٰهُ مَا یُلَیْقِ الشَّیْطٰنُ۔

مرزا صاحب اور قرآن و حدیث

قطعی نبی بننے اور صاحبِ وحی و الہام ہونے کے دعوے کے بعد مرزا صاحب نے اپنی توجہ قرآن و حدیث کی طرف بڑھائی تاکہ ان میں اپنے مقصد کے حصول کے لیے ضروری رد و بدل کیا جاسکے۔ بقول ان کے خدانے مجھے مسیح موعود بنا کر بھیجا ہے اور مجھے بتلایا ہے کہ فلاں حدیث سچی ہے اور فلاں مجھوتی اور قرآن کے صیح معنوں سے مجھے اطلاع بخشی ہے“ (اربعین نمبر ۴) اور

جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اُس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کر دے۔“ (تخفہ گولڑویہ)

ان کے فرزند میاں محمود احمد صاحب اپنے ایک خطبہ میں اس موضوع پر یوں بیان فرماتے ہیں:-

”اب کوئی قرآن نہیں سوائے اُس قرآن کے جو مسیح موعود نے پیش کیا۔ اور کوئی حدیث نہیں سوائے

اُس حدیث کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں نظر آئے اور کوئی نبی نہیں سوائے اُس کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دکھائی دے.... اگر کوئی چاہے کہ آپ سے (یعنی مرزا صاحب سے) علیحدہ ہو کر کچھ دیکھ سکے تو اُسے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ ایسی صورت میں اگر قرآن کو بھی دیکھے گا تو اُس کے لیے یہودی مَنْ یَشَاءُ والا قرآن نہ ہوگا بلکہ یَضِلُّ مَنْ یَشَاءُ والا قرآن ہوگا.... حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے، حدیث کی کتابوں کی مثال تو مداری کے پتارے کی ہے۔ جس طرح مدار چاہتا ہے اُس میں سے نکال لیتا ہے اسی طرح اُن سے جو چاہو نکال لو۔“ (الفضل ۱۵۔ جولائی ۱۹۳۵ء)

مسلمانوں سے اسلام کے ہر اصول پر اختلاف

قرآن و حدیث کے مطالب کو بدل ڈالنے کے اس خود ساختہ اختیار کو مرزا صاحب نے مسلمانوں سے ہر مسئلہ پر اختلاف کھڑا کرنے کے لیے استعمال کیا۔ وہ نہ صرف اُمتِ محمدیہ کے مذہبی عقائد اور دینی نظریات ہی سے الگ ہوئے بلکہ اُس کی اکثر و بیشتر قومی اقدار اور ملی تقاضوں سے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔ اُن کے صاحبزادے مرزا محمود احمد نے اس کے متعلق اپنے ایک دوسرے خطبہ میں یوں بیان فرمایا:-

”حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا چند اور مسائل میں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرضیکہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں اُن سے اختلاف ہے۔“ (الفضل ۳۔ جولائی ۱۹۳۱ء)

اگر وہ تمام مسائل یہاں بیان کیے جائیں جن میں مرزا صاحب نے اُمتِ مسلمہ سے اختلاف کیا تو اُس کے لیے کئی جلدیں درکار ہوں گی۔ یہاں اُن میں سے صرف چند ایک بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی مختصر اُمرزا صاحب کے دلائل کے متعلق تشریح بھی دی جاتی ہے۔

نزولِ ملائکہ

مرزا صاحب نے فرشتوں کو ارواح کو اکب قرار دیا ہے۔ آیام الصلح میں تحقیق فرمایا کہ فرشتے اگر زمین پر نازل ہوں تو آسمان سے ستارے گر جائیں۔ اس کا استدلال ان آیات سے کرتے ہیں:-

۱۔ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلٰٓئِكًا لَّفِضٰی الْاَمْرُ شَرًّا لَا یَنْظُرُوْنَ۔ (الانعام ۸)

۲۔ قُلْ لَوْ کَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِکَةٌ یَّتَمَشُّوْنَ مُطْمَئِنِّتِیْنَ لَنَزَلْنَا عَلَیْهِمْ مِنَ السَّمٰوٰتِ مَلٰٓئِکًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۹۵)

حالانکہ ان آیات کا نفسِ مضمون مطلق نزولِ فرشتگان کے متعلق نہیں ہے بلکہ کفار کے محض اس اعتراض کا جواب ہے کہ

کسی فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا۔ مفصل پڑھنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ پہلی آیت کا مضمون یہ ہے :-
 وَكُنزْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرطَابٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ
 لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَقَالُوا
 لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ، وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكَ لَقُضِيَ الْأَمْرُ
 شَرًّا لَا يُنظَرُونَ ۝ (الانعام ۸۵۷)

اور اگر ہم تم پر کوئی کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب بھی اُتار دیتے اور لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے۔ تب بھی کافر یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے اور کہتے ہیں اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتار گیا۔ اور اگر ہم فرشتہ اُتارتے تو اب تک فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ پھر انہیں مہلت زد دی جاتی۔

اسی طرح دوسری آیت مضمون ذیل ہے :-

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَى
 إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۝ قُلْ لَوْ كَانَ
 فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَتَمَشَّوْنَ مَطْمَئِنِّينَ لَنزَلْنَا
 عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكَاتٍ رَسُولًا ۝
 (بنی اسرائیل ۹۳-۹۵)

اور لوگوں کو ایمان لانے سے جب کہ ان کے پاس ہدایت آ گئی۔ صرف اسی چیز نے روکا ہے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کہہ دو اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم آسمان سے ان پر فرشتہ ہی رسول بنا کر بھیجتے۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کا استدلال قرآن کے نفس مضمون سے بہت دور اور غیر صحیح ہے۔ اس کے باوجود
 "ازالہ اوہام" میں سورہ قدر - ۴

تَنْزَلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ
 كُلِّ أَمْرٍ ۝

اس میں فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر۔

کی تفسیر کرتے ہوئے نزول ملائکہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ نیز میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کی ڈائری "مندرجہ اخبار الفضل" ۱۰ اپریل ۱۹۲۲ء میں تحریر ہے :-

"میری عمر نو یا دس برس کی تھی۔ میں اور ایک اور طالب علم ہمارے گھر میں کھیل رہے تھے۔ وہیں ایک لٹاری میں ایک کتاب پڑی تھی۔ وہ ہمارے دادا صاحب کے وقت کی تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ اب جبریل نازل نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ میرے ابا پر تو نازل ہوتا ہے۔ ہم میں بحث ہو گئی۔ آخر ہم دونوں مرزا صاحب کے پاس گئے۔ اور اپنا اپنا بیان پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کتاب میں غلط لکھا ہے۔ جب سب ریل اب بھی آتا ہے۔"

"موہب الرحمن" میں مرزا صاحب لکھتے ہیں :-

"آمد نزد من جبریل علیہ السلام و مرابریزید و گردش داد انگشت خود را و اشارہ کرد حشد اثر از دشمنان نگاہ خواهد داشت"

گویا وقت وقت کی بات ہے۔ جس وقت جو دلیل مقصد کے مطابق نظر آئی استعمال کر لی۔ الزام تضاد و تبدیل اعتقاد

کی پرواہ نہیں۔

رُوحِ انسانی

بُروئے قرآن رُوحِ عالمِ امر سے ہے۔ اور عالمِ امر ان موجودات کا نام ہے جو جس اور خیال اور جہت اور مکان سے ماوریٰ ہیں۔ پھر حدیث شریف میں آیا ہے کہ:-

الْأَرْوَاحُ جُنُودٌ تُجَنَّدُ فَمَا تَعَارَفَتْ مِنْهَا ائْتَلَفَتْ وَ مَا تَنَافَرَتْ مِنْهَا اِخْتَلَفَتْ۔
 ارواحِ حقِ تعالیٰ کے مجتمع لشکر ہیں۔ اُس عالم میں جن کا باہم پیار تھا وہ یہاں بھی باہم پیار کرتے ہیں۔ اور جن کی باہم مخالفت تھی یہاں بھی مخالفت ہے۔

لیکن مرزا صاحب نے اپنی تقریر جلسہ مذاہب لاہور مورخہ ۲۷- دسمبر ۱۸۹۶ء میں انسانی رُوح کے متعلق تحریر کیا ہے:-
 ”ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ گندے زخموں میں ہزار ہا کیڑے پڑ جاتے ہیں سو یہی بات صحیح ہے کہ رُوح ایک لطیف لولہ ہے جو اس جرم کے اندر ہی پیدا ہو جاتا ہے جو جرم میں پرورش پاتا ہے اور جس کا خمیر ابتدا سے نطفہ میں موجود ہوتا ہے۔“

”یوم الدین“

وَمَسَّيْ زَمَانَ الْمَسِيحِ الْمَوْعُودِ يَوْمَ الدِّينِ لِأَنَّهُ
 يُحْيِي فِيهِ الدِّينَ۔
 اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کے زمانہ کا نام یوم الدین رکھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں دین کو زندہ کیا جائے گا۔

حالانکہ قرآن حکیم میں جا بجا یوم الدین کے معنی روزِ قیامت کے لیے گئے ہیں۔
 وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ
 (الانفطار ۱۳-۱۵)

۲۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝ نَعْرَمَا أَدْرَاكَ
 مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا
 وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۝ (الانفطار ۱۷ تا ۱۹)

اور تجھے کیا معلوم انصاف و فیصلہ و جزا کا دن کیا ہے پھر تجھے کیا خبر کہ جزا کا دن کیا ہے جس دن کوئی کسی کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ اور اُس دن اللہ ہی کا حکم ہوگا۔

جہادِ بالسیف

مرزا صاحب نے اُس زمانہ میں جب کہ عیسائی حکومتیں، خصوصاً انگلستان، فرانس اور روس، اسلامی سلطنتوں کو ترو بالا کر رہی تھیں، جہادِ بالسیف کو تمام مسلمانوں پر حرام قرار دیا اور اہل اسلام، احادیث کے حوالہ سے جس مہدی اور مسیح کے نظر تھے انہیں خوئی مہدی اور خوئی مسیح کہا۔ اس کے بعد مسلمانانِ عالم پر یہودی اور عیسائی حکومتوں کی طرف سے جو کچھ گزرا اور گزر رہا ہے اُسے مد نظر رکھتے ہوئے آج مرزا صاحب کی اپنی جماعت بھی اُن کے مندرجہ ذیل اشعار کو چنداں درخور اعتنا نہیں سمجھتی۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
 اب آگیا مسیح جو دین کا امام ہے
 اب آسماں سے نورِ خدا کا نزول ہے
 دین کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال
 دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
 اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے

دُشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد

منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اِعْتِقَاد (اعلان مرزا صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نم)

۱۹۲۹ء میں جب غازی علم دین نے راج پال شاتم رسول کو قتل کیا تو مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ قادیان نے اپنی تقریر میں اس فعل کی سخت مذمت کی اور کہا کہ کسی نبی کی توہین کے سلسلہ میں قتل جائز نہیں ہے۔ لیکن دو سال بعد ہی مئی ۱۹۳۱ء میں جب ان کا اپنا ایک مرید قاضی محمد علی نوشہروی، ایک مسلمان حاجی محمد حسین کے قتل کے باعث پھانسی کی سزا پا گیا، کیونکہ مقتول حاجی محمد حسین نے مرزا بشیر الدین کی توہین کرنے والے ایک شخص کی محض ضمانت دی تھی تو مرزا بشیر الدین محمود اور ان کے اخبار "الفضل" نے قاضی محمد علی کے اس فعل یعنی ارتکابِ قتل کو ایمانی غیرت قرار دیتے ہوئے اُس کی بہت تعریف کی اور دویا اور مکاشفات کے ذریعہ اُس کی اُخروی بشارات کا ذکر کیا۔

معراجِ جسمانی

مرزا غلام احمد ازالہ اوہام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراجِ جسمانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ معراج (معاذ اللہ) اس جسمِ کثیف سے نہ تھی بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف (یعنی مرزا صاحب) خود صاحبِ تجربہ ہے۔

احترامِ انبیاء

عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کئی طرح کے نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں اور مسلمانوں سے کہا ہے کہ میں عیسائی مناظرین کے مقابلے میں اُن کے یسوع مسیح کے متعلق بات کر رہا ہوں جو ایک معبودِ باطل اور فرضی شخصیت ہے لیکن جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نبی کے متعلق بات کرتے ہیں تو بھی اندازِ گفتگو کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتا۔ چنانچہ اپنی کتاب "دفع البلاء میں لکھتے ہیں :-

"یسوع کی راستبازی اپنے زمانہ میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی، بلکہ عیسیٰ نبی کو اُس پر ایک فضیلت تھی کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ اور کبھی یہ نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس پر عطر ملا تھا یا اپنے ہاتھوں یا سر کے بالوں سے اُس کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اُس کی خدمت کرتی تھی۔ اس وجہ سے خدا نے قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کا نام حضور رکھا مگر یسوع کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے بلع تھے"

اور ضمیرِ نزولِ یسوع میں لکھا ہے :-

"اور یہود تو حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں اور اُن کی پیشین گوئیوں کے بارے میں ایسے قوی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی اُن کے جواب دینے سے حیران ہیں، بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور حضرت عیسیٰ نبی ہیں کیونکہ قرآن نے اُن کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل اُن کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطالِ نبوت پر کئی دلیلیں قائم ہیں۔ ہائے کس کے آگے یہ ماتم لے جائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیشین گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں :-

انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیاں جھوٹی نکلنا عصمتِ انبیاء اور مقصدِ نبوت کے منافی ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو کوئی پیشین گوئی جھوٹی نہیں نکلی، البتہ مرزا صاحب کو کیا خبر تھی کہ اُن کے بعد اُن کی امت کو اسی قبیل کا ماتم کرنا پڑے گا۔ اگر ان کو یہ معلوم ہوتا تو ایسی بے سرو پا بات ہرگز تحریر نہ کرتے۔

چونکہ مرزا صاحب اپنی کتابوں میں حضرت یسوع اور اُن کی والدہ علیہما السلام کی شانِ پاک میں بہت سے نازیبا کلمات استعمال

کر چکے تھے۔ اس لیے بدیں احتمال کہ مبادا برطانوی ہند کی عیسائی حکومت اپنی مقدس ہستیوں کی توہین سے ناراض ہو کر مواخذہ پر آمادہ نہ ہو جائے، حسب ذیل اعتذار بعنوان حضور گورنمنٹ عالیہ کی خدمت میں ایک عاجزانہ درخواست تحریر کر کے پیش کیا۔

میں اس بات کا بھی اقراری ہوں کہ جبکہ بعض پادریوں اور عیسائی مشنریوں کی تحریر نہایت سخت ہو گئی... اور ان مؤلفین نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نفوذ باللہ ایسے الفاظ استعمال کیے... تو مجھے ان کتابوں اور اخباروں کے پڑھنے سے یہ اندیشہ دل میں پیدا ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں میں جو ایک جوش رکھنے والی قوم ہے ان کلمات کا کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو تب میں نے ان جوشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے صحیح اور پاک نیت سے یہی مناسب سمجھا کہ اس عام جوش کو دبانے کے لیے حکمت عملی ہی سب سے کہ ان تحریرات کا کسی قدر سختی سے جواب دیا جائے تا سریر الغضب انسانوں کے جوش فرو ہو جائیں اور ملک میں کوئی بے امنی پیدا نہ ہو۔

اس درخواست کی نقل ضمیمہ تریاق القلوب میں درج ہے۔

آل نبی کا احترام

مرزا صاحب نے اپنی تصنیفات اور اشتہارات میں جا بجا اپنے آپ کو آل نبی، وارث رسول اللہ، اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی بیٹا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سہمی میں آل محمد کے صلیبی اور خونی رشتہ کو جس طرح متعابلاً کم مرتبہ و کم پایہ دکھانا چاہا ہے اُس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔

”تریاق القلوب“ صفحہ ۹۹ پر آل محمد کے عنوان میں لکھتے ہیں :-

”سو اس قرینہ سے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی دنیوی رشتہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ آل سے مراد وہ لوگ ہیں جو فرزندوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مال کے وارث ٹھہرتے ہیں۔ بلکہ ہر جگہ آل کے لفظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی مراد ہے نہ دنیوی رشتہ جو ایک سفلی اور فانی امر ہے جو موت کے ساتھ ہی لا انساب بئینہم کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ نبی کا نفس کبھی اس بات پر راضی نہیں ہو سکتا کہ آل کے لفظ سے محض اس کی یہ غرض ہے کہ عام دنیا داروں کی طرح ایک سفلی اور فانی رشتہ کا لوگوں کو پیرو بنانا چاہیے... یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فرمائے کہ یہ دنیوی رشتے اسی دنیا تک ختم ہو جاتے ہیں اور قیامت میں انساب نہیں رہیں گے اور اس کا نبی ایک ادنیٰ سے رشتہ پر ہی زور دیتا رہے جو لڑکی کی اولاد ہے... اس قسم کی آل جو فدک جیسے نام کے باغ اور چند درختوں کے لیے لڑتے پھریں اور مشتعل ہو کر کبھی ابو بکر کو بڑا کہیں اور کبھی عمر کو“

لیکن جہاں مرزا صاحب کی اپنی اہل بیت اور فرزندوں کا سوال آجائے تو یہ اصول کارفرما نہیں رہتا۔ چنانچہ اپنے ایک الہام میں آیت تطہیر تلاوت فرما کر اپنے گھر والوں کو طاہر اور مطہر بنائے جانے اور اذہابِ رحس کی بشارت دیتے ہیں۔ اور جس ملازمہ لڑکی نے آپ کے معصوم بچے کو اٹھا رکھا تھا اُسے شاعر اللہ میں شمار کرنے کی روایت آپ کی جماعت کے مفتی صاحب کی زبانی بطریق ذیل ہے :-

”بجنت ہیں وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ مسیح موعود کی روحانی اولاد ہیں اور ہمیں مسیح موعود کی اولاد کی کیا پرواہ ہے۔ اگر وہ مسیح موعود کی روحانی اولاد ہو سکتے ہیں تو کیوں یہ بات مسیح موعود کی جسمانی اولاد کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان کے لیے دو باتیں جمع ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک خادمہ کو جس نے صاحبزادہ بشیر احمد کو اٹھایا ہوا تھا، کسی شخص نے کوئی کام کرنے کو کہا۔ اُس نے کہا میں ابھی یہ کام نہیں کر سکتی۔ اس پر اُس نے اُس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ حضرت مسیح موعود کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا میری یہ اولاد شعائر اللہ میں داخل ہے۔ اُس عورت کو جس نے پتہ اٹھایا ہوا تھا جس نے مارا ہے اُس نے شعائر اللہ کی بتک کی ہے۔ پس جو خدائے تعالیٰ کے نشانات ہوں اُن کی تعظیم کرنی چاہیے۔“

(تقریر، مفتی محمد صادق قادیاہنی بر موعودہ جلسہ لائے، مندرجہ اخبار الفضل)

(مورخہ ۸۔ جنوری ۱۹۲۲ء)

مرزا صاحب نزول المسیح میں لکھتے ہیں :-

”افسوس یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ قرآن نے تو امام حسینؑ کو اہلبیت کا حق بھی نہیں دیا بلکہ نام تک مذکور نہیں۔ ان سے تو زیادہ ہی اچھا رہا جس کا نام قرآن شریف میں موجود ہے۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا کہنا قرآن شریف کی نص صریح کے برخلاف ہے جو مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ سے سمجھا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت امام حسینؑ رجال میں سے تھے، عورتوں میں سے تو نہیں تھے۔ حق تو یہ ہے کہ اس آیت نے اُس تعلق کو جو امام حسینؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجہ پسر و دختر ہونے کے تھا نہایت ہی ناچیز کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ الفاظ لکھتے وقت آل عمران - ۶۱ آیت مُبَابِل میں :-

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاءَ كُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَ كُمْ
وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْهَلُ فَتَجْعَلُ لَعْنَتَ
اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ۝

تو کہہ دے آؤ ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں
اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں بلائیں
پھر سب التجا کریں اور اللہ کی لعنت اُن پر جو جھوٹے ہوں۔

ابْنَاءَنَا وَابْنَاءَ كُمْ، سُورَةُ طُورِ ۲۱ میں :-

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِّنْ شَيْءٍ مِّنْ كُلِّ
أَمْرٍ ۚ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنًا ۝

اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے ایمان میں اُن کی
پیروی کی۔ ہم اُن کے ساتھ اُن کی اولاد کو بھی (جنت میں) ملا
دیں گے اور اُن کے عمل میں سے بھی کچھ کم نہ کریں گے۔ ہر
شخص اپنے عمل کے ساتھ وابستہ ہے۔

ذُرِّيَّتَهُمْ کا مفہوم، اور سُورَةُ شُورَىٰ ۲۳ میں :-

کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگا بجز شہادتِ اہل
کی محبت کے۔

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۚ

مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ کے معانی اور جن صحیح حدیثوں میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسینؑ کو اپنا بیٹا کہا ہے

مرزا صاحب کے ذہن میں نہیں تھے ورنہ ایسی زبان درازی نہ کرتے۔

”دُزِئِیْنِ“ مجموعہ کلام مرزا صاحب میں تحریر ہے :-
 ”اے قومِ شیعہ، اس پر اصرار مت کرو کہ حسینؑ تمہارا منجی ہے کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک شخص ہے (یعنی مرزا صاحب) کہ اس حسینؑ سے بڑھ کر ہے۔“

کربلائیست سیرِ ہمد آئم صد حسینؑ است در گریبانم

مرزا صاحب کے صاحبزادہ نے خطبہ جمعہ میں اس شعر کی تشریح میں یہ الفاظ کہے :-

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

کربلائیست سیرِ ہمد آئم صد حسینؑ است در گریبانم

یعنی میرے گریبان میں سو حسینؑ ہیں۔ لوگ اس کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا، میں سو حسینؑ کے برابر ہوں۔ لیکن میں کہتا ہوں، اس سے بڑھ کر اس کا مفہوم یہ ہے کہ سو حسینؑ کی قربانی کے برابر میری ہر گھڑی کی قربانی ہے۔“

(خطبہ جمعہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان مندرجہ افضل قادیان ۲۶ جنوری ۱۹۲۶ء)

مرزا صاحب نے اعجاز احمدی میں جو ایک طویل عربی قصیدہ پر مشتمل ہے شیعہ مجتہد علامہ حائری کی کتاب کا جواب دیتے ہوئے شاید صرف شیعہ صاحبان کا دل دکھانے کی نیت سے حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی شان میں بہت زبان درازی کی ہے۔ اور اس امر کا مطلق خیال نہیں کیا کہ یہ صرف شیعہ حضرات کی ہی نہیں بلکہ درحقیقت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فلامی کا دعویٰ کرنے والے ہر شخص کی دل آزاری ہے۔ بادل ناخواستہ چند اشعار بطور نمونہ تحریر کیے جاتے ہیں :-

۱- وَشَتَّانَ مَا بَيْنِي وَبَيْنَ حُسَيْنِكُمْ فَإِنِّي أَعْيَدُكُمْ كُلَّ إِنِّ وَالنَّصْرُ

(اور میرے اور تمہارے حسینؑ کے درمیان بڑا فرق ہے کیونکہ مجھے تو ہر آن خدا کی تائید اور نصرت حاصل ہو رہی ہے)

۲- وَإِنِّي بِفَضْلِ اللَّهِ فِي حَجْرِ خَالِقِي أَرْبِي وَأَعْصَمُ مِنْ لِيَامٍ تَنْمَدُ وَ

(اور میں تو اللہ کے فضل سے اپنے خالق کی کنارِ عاطفت میں ہوں جو دشمنِ نسیم سے میری حفاظت فرماتا ہے)

۳- وَأَمَّا حُسَيْنٌ فَأَذْكَرُ وَأَدَشَّتْ كَرْبَلَاءُ إِلَى هَذِهِ الْأَيَّامِ تَبْكُونَ فَانظُرُوا

(اور رہا حسینؑ تو ذرا دشتِ کربلا کا واقعہ یاد کر لو جس پر آج تک آنسو بہا ہے میں پس خود ہی سوچو کتنا فرق ہے)

۴- طَلَبْتُمْ فَلَا حَاقِينَ قَيْتِيلَ بِحَيْبَةِ فَحَيْبُكُمْ رَبُّ غَيُورٌ مُبْرَرٌ

(تم نے اُس گشتہ نامردی سے (معاذ اللہ) فلاح طلب کی پس بلاک کرنے والے رب غیور نے تمہیں خرابِ خاطر کر ڈالا)

۵- فَإِنِّي قَيْتِيلُ الْحَيْبِ لَا كَيْنَ حُسَيْنِكُمْ قَيْتِيلُ الْعَدَا فَاَلْفَرُّقُ أَجَلِي وَأَظْهَرُ

(اور میں تو خدا کے تعالیٰ کی محبت کا گشتہ ہوں، لیکن تمہارا حسینؑ گشتہ اعدا ہے پس فرق ظاہر ہے)

اس کتاب کے اردو دیباچہ میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ”یہ الفاظ میرے نہیں۔ میرا ایمان ہے کہ کوئی شخص حضرت عیسیٰؑ اور امام حسینؑ جیسے پاکبازوں کی شان میں بے ادبی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن مبارک ہے وہ جو اس امر میں غور کرتا ہے کہ خدا کے تعالیٰ کی اس میں کیا حکمت تھی کہ اُس نے یہ الفاظ میری زبان پر جاری کر دیئے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے متعلق قادیانیوں کی زبان درازی

مرزا صاحب کی برادری کے ایک رکن حکیم محمد حسین قادیانی اپنی کتاب المہدی میں۔ اور ڈاکٹر شاہ نواز خان قادیانی ریویو آف ریٹریجر مئی ۱۹۲۰ء میں اس موضوع پر یوں رقمطراز ہیں:-

”مجھے اہل بیت مسیح موعود علیہ السلام سے خاص محبت اور عاشقانہ تعلق تھا۔ مجھے اس وقت بھی تمام خاندان مسیح موعود کے ساتھ دلی ارادت ہے اور میں ان سب کی کفش برداری اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ میرے ایک مُجتب تھے جو اس وقت مولوی فاضل بھی ہیں اور اہل بیت مسیح موعود کے خاص رکن رکین بھی ہیں۔ انہوں نے مجھے ایک دفعہ فرمایا کہ سچ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اتنی پیش گوئیاں نہیں جتنی کہ مسیح موعود کی ہیں۔ پھر انہوں نے اور بھی ایک ایسا ہی دُکھ دینے والا فقرہ بولا کہ ابو بکرؓ و عمرؓ کیا تھے۔ وہ تو حضرت غلام احمد کی جوتیوں کے تسمہ کھولنے کے بھی لائق نہ تھے۔ ان فقروں نے مجھے ایسا دُکھ دیا اور ان کے سُنانے سے مجھے ایسی تکلیف ہوئی کہ میری نظر میں جو توفیر اور عزت اہل بیت مسیح موعود میں سے ہونے کی ان کی نسبت تھی وہ سب جاتی رہی۔“

”حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذہنی ارتقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا۔... اس زمانہ میں تمدنی ترقی زیادہ ہوئی ہے۔ اور یہ جزوی فضیلت ہے جو مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حاصل ہے۔ نبی کریم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا، ورنہ قابلیت تھی۔“

مرزا صاحب کے اپنے ارشادات دربارہ ائمہ اہل بیت اور صحابہ کرام اس قدر ثقیل ہیں کہ انہیں مصلحتاً یہاں درج نہیں کیا جاتا۔

تمام اُمتِ محمدیہ پر کفر کا فتوے

مرزا صاحب کے بتدریج ارتقائے نبوت کی داستان مختصراً اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ احادیثِ مقدسہ کے مطابق مسیح موعود کے ظہور کے بعد تمام دُنیا کے انسانوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنا تھا جن میں عیسائی، یہودی اور تمام دیگر عقائد رکھنے والے انسان بھی شامل ہوں گے۔ مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس تھا۔ مرزا صاحب نے جب دیکھا کہ ان کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تعداد بہت کم ہے تو انہوں نے اپنے تمام زمانے والوں کو کافر قرار دے دیا۔ فرمایا:-

”خُدائے تعالیٰ نے میرے اوپر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔“ (ارشاد مرزا صاحب مندرجہ رسالہ الذکر الحکیم نمبر ۴)

جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خُدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔ (الہام مرزا صاحب تبلیغ رسالت جلد نہم)

”پس یاد رکھو کہ جیسا کہ خُدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کبھی نہ اور مکتب یا مترود کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ چاہیے کہ تمہارا دُسی امام جو جو تم میں سے ہو۔“ (الربعین نمبر ۳ ص ۳۳ حاشیہ)

اس موضوع پر اُن کے صاحبزادے میاں محمود احمد صاحب کا بیان بھی قابل ملاحظہ ہے :-
 ”کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام
 بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔“ (آئینہ صداقت)

اُن کے دوسرے صاحبزادے مرزا بشیر احمد کی خامہ فرسائی بھی ملاحظہ ہو :-
 ”ہر ایک شخص جو... محمد کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا، وہ نہ صرف کافر بلکہ لپکا کافر اور دائرہ اسلام
 سے خارج ہے۔“ (ریویو آف ریلیجز نمبر ۳ جلد ۱۴ ص ۱۱)

”حضرت (مرزا) صاحب نے اپنے بیٹے (فضل احمد) کا جنازہ محض اس لیے نہیں پڑھا کہ وہ غیر احمدی
 تھا۔“ (اخبار الفضل - ۱۵ دسمبر ۱۹۲۱ء)

قادیانیت کے پس پردہ کارفرما قوتیں

یہ اندازہ لگانا کہ مرزا صاحب کی تحریک کے پس پردہ کون سی اسلام دشمن طاقتیں کارفرما تھیں، مشکل نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ء
 کی جنگ آزادی کے بعد انگریز حکومت ہندوستانی مسلمانوں سے بدظن ہو چکی تھی، مگر مرزا صاحب اور اُن کی جماعت پر اُن کی
 خاص نظر عنایت تھی۔ مرزا صاحب نے دیگر مسلمان زعماء اور علماء کے خلاف مندرجہ ذیل قسم کی درخواستیں اور مہض نامے حکومت
 کو ارسال کیے جن سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کے خاص حاشیہ بردار تھے۔

”چونکہ قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے لیے ایسے ناقص مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات
 میں درج کیے جائیں جو درپردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دیتے ہیں... لہذا یہ نقشہ اس غرض
 کے لیے تجویز کیا گیا ہے کہ تا اس میں ان ناحق شناس لوگوں کے نام محفوظ رہیں جو ایسی باغیانہ سرشت کے آدمی
 ہیں... جن کے نہایت مخفی ارادے گورنمنٹ کے برخلاف ہیں... لیکن ہم گورنمنٹ میں بادب گذارش
 کرتے ہیں کہ ایسے نقشے ایک پولیسکل راز کی طرح اُس وقت تک ہمارے پاس محفوظ رہیں جب تک گورنمنٹ
 ہم سے طلب کرے۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہماری حکیم مزاج گورنمنٹ بھی ان نقشوں کو ایک ملکی راز کی
 طرح اپنے کسی دفتر میں محفوظ رکھے گی۔ ایسے لوگوں کے نام معر پتہ و نشان یہ ہیں :-“

(مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریر بعنوان قابل توجہ گورنمنٹ، مندرجہ تبلیغ رسالت، جلد پنجم)

اُدرج دیکھا کہ آزادی ملک اور حصول اقتدار کی دُور میں ہندو مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں، تو اپنی جماعت کے
 حق میں ہندوؤں کو ہموار کرنے کے لیے اُن کی پستکون اور برہمنیوں کی تعریف میں لکھنا اور لکچر دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ نومبر
 ۱۹۰۴ء میں سیالکوٹ کے مقام پر ایک لکچر میں ہندو پبلک کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :-

”اب واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے درحقیقت ایک ایسا قابل انسان تھا جس
 کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی۔ وہ اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا جس پر خدا کی طرف
 سے رُوح القدس اُترتا تھا... خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اُس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے سو یہ وعدہ میرے
 ظہور سے پورا ہوا۔ مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا کہ

”ہے کرشن رو در گوپال! تیری مہا گیتا میں لکھی گئی ہے۔“

برطانیہ کی اطاعت نصف الاسلام

اپنی کتاب شہادت القرآن میں حکومت برطانیہ کی اطاعت کو نصف الاسلام قرار دیتے ہوئے مرزا صاحب تریاق القلوب میں لکھتے ہیں :-

”میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اگر وہ ایکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ان کتابوں کو تمام ممالک عرب، مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں۔ اور مہدی عیسیٰ اور مسیح عیسیٰ کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دینے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں۔ ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔“

گویا اسلامی جہاد، دینی عصیت، قومی غیرت، محبت الوطنی اور اخوت اسلامی کی تفسیر مرزا صاحب بہ الفاظ بالابیان فرماتے ہیں۔ اُس زمانہ میں جب مصر انگریزوں کے زیر نگیں آچکا تھا اور بقیہ اسلامی ممالک اس قوم کے دندان آشکار ہو رہے تھے۔ اگر کوئی شخص مرزا صاحب کی اس تعلیم کو عیسائی حکومتوں کے لیے عالم اسلام میں کمزوری و انتشار پیدا کر کے اُن کے لیے فضا سازگار کرنے سے تعبیر کرے تو کیا غلط ہوگا؟ اس چیز کو امام منظر کے اسلامی پس منظر سے بھی ملاحظہ فرماتے ہوئے غور فرمائیے کہ کیا مہدی آخر الزمان کے تشریف لانے کا یہی مقصد تھا جو مرزا صاحب مہدی و مسیح بن کر پورا کر رہے تھے۔ یعنی تمام اسلامی دنیا برطانیہ کے زیر اقتدار آجائے اور تمام اُسے زمین پر کہیں بھی کوئی اسلامی حکومت قائم نہ رہے؟

قادیانیوں سے ہندوؤں کی توقعات

روح اسلامی کے خلاف ایسے ہی بیانات اور عندیات کی بنا پر ہندوؤں کو ہندوستان میں مسلمانوں کے انفرادی وجود اور علیحدہ قومیت سے انکار کرتے ہوئے، ایک مشترکہ قومیت کا دعویٰ کر کے، انگریز حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے سلسلہ میں قادیانیوں سے جو توقعات وابستہ ہو گئی تھیں، اُن کی ایک جھلک بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اخبار ہند سے ماہ نومبر ۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر شکر داس مہروبی، ایس۔ بی۔ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس۔ لاہور کا ایک مقالہ شائع ہوا تھا جسے خود قادیانی حضرات نے فخریہ طور پر ایک ٹریکٹ میں شائع کیا تھا۔ اُس کا خلاصہ درج ذیل ہے :-

”سب سے اہم سوال جو ملک کے سامنے درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے اندر کس طرح قومیت کا جذبہ پیدا کیا جائے... ہندوستانی مسلمان اپنے آپ کو ایک الگ قوم تصور کیے بیٹھے ہیں۔ اور وہ دن رات عرب کے ہی گیت گاتے ہیں۔ اگر ان کا بس چلے تو وہ ہندوستان کو بھی عرب کا نام دے دیں۔“

”اس مایوسی کے عالم میں ہندوستانی قوم پرستوں کو ایک ہی امید کی شمع دکھائی دیتی ہے اور وہ احمدیوں کی تحریک ہے جس قدر مسلمان احمدیت کی طرف راغب ہوں گے وہ قادیان کو اپنا مکہ تصور کرنے لگیں گے۔“

اور آخر میں محبت ہند اور قوم پرست بن جائیں گے مسلمانوں میں احمدیہ تحریک کی ترقی ہی عربی تہذیب اور پان اسلام ازم کا خاتمہ کر سکتی ہے... ایک مرزائی مسلمان کا عقیدہ ہے کہ :-

- ۱۔ خدا سے سب پر لوگوں کی رہبری کے لیے ایک انسان پیدا کرتا ہے جو اُس وقت کا نبی ہوتا ہے۔
- ۲۔ خدا نے عرب کے لوگوں میں اُن کی اخلاقی گراوٹ کے زمانہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا۔

۳۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد خدا کو ایک نبی کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس لیے مرزا صاحب کو بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی راہنمائی کریں۔

جس طرح ایک ہندو کے مسلمان ہوجانے پر اُس کی شردھا اور عقیدت رام، کرشن، ویدا اور گیتا سے اٹھ کر قرآن اور عرب کی بھومی میں منتقل ہوجاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی مسلمان احمدی بن جاتا ہے تو اُس کا زاویہ نگاہ بدل جاتا ہے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اُس کی عقیدت کم ہوتی چلی جاتی ہے علاوہ بریں جہاں اُس کی خلافت عرب اور ترکستان میں تھی۔ اب وہ خلافت قادیان میں آجاتی ہے اور مکہ، مدینہ اُس کے لیے روایتی مقامات مقدسہ رہ جاتے ہیں۔

کوئی بھی احمدی چاہے عرب، ترکستان، ایران یا دنیا کے کسی بھی گوشہ میں بیٹھا ہو، وہ روحانی ٹھکانے کے لیے قادیان کی طرف مُنہ کرتا ہے۔ قادیان کی سرزمین اُس کے لیے پنیہ بھومی (سرزمین نجات) ہے۔ ادا اسی میں ہندوستان کی فضیلت کا راز پنہاں ہے۔ ہر احمدی کے دل میں ہندوستان کے لیے پریم ہوگا کیونکہ قادیان ہندوستان میں ہے۔ مرزا جی بھی ہندوستانی تھے اور جتنے خلیفے اس کی رہبری کر رہے ہیں وہ سب ہندوستانی ہیں۔

”وہ زمانہ دور نہیں جب کہ احمدی برٹلایہ کہیں گے کہ صاحب ہم محمدی مسلمان نہیں ہم تو احمدی مسلمان ہیں۔ کوئی ان سے سوال کرے گا، کیا تم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کو مانتے ہو تو وہ جواب دیں گے ہم حضرت محمد، عیسیٰ، رام، کرشن، سب کو اپنے اپنے وقت کا نبی تصور کرتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہندو، عیسائی یا محمدی ہو گئے۔“

یہی وجہ ہے کہ مسلمان احمدیہ تحریک کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ احمدیت ہی عربی تہذیب اور اسلام کی دشمن ہے۔ خلافت تحریک میں بھی احمدیوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا۔ کیونکہ وہ خلافت کو بجائے ترکی یا عرب میں قائم کرنے کے قادیان میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات عام مسلمانوں کے لیے جو ہر وقت پان اسلام یا پان عربی سنگٹشن کے خواب دیکھتے ہیں کتنی ہی مایوس کن ہوگا ایک قوم پرست کے لیے باعث مسرت ہے :-

(مضمون ڈاکٹر شکر داس اخبار بند سے مارچ ۲۲- اپریل ۱۹۳۲ء)

چنانچہ ہندوؤں اور قادیانیوں میں باہم سلام و پیام کا سلسلہ جاری رہا اور مئی ۱۹۳۶ء میں پنڈت جواہر لعل نہرو صدر آل انڈیا سیشنل (ہندو) کانگریس کی لاہور میں آمد پر قادیانیوں اور اُن کی والٹیر کو رنے شاندار استقبال کیا۔ اور اس سلسلہ میں

علامہ اقبال کے مسلمانوں کو متنبہ کرنے پر پنڈت نہرو اور جناب علامہ کے درمیان اخباری اور کتابی مناظرے بھی ہوئے۔

مرزا صاحب کے عادی کا اُمتِ مسلمہ پر ردِ عمل

مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ وہ ایک ازلی ابدی عالمگیر ملت بیضا کا رکن ہے جس میں بے شمار انبیائے کرام مبعوث ہوئے اور جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ اُن کے دین میں چار چیزیں محبت ہیں۔ کتاب اللہ۔ حدیث نبوی، اجتہادِ سلف اور اجماعِ اُمت۔ جو بات ان چاروں کے میزان پر حق ثابت ہو اُن کے لیے وہی حق ہے اور جو باطل ہو وہ باطل۔ مرزا صاحب کی نبوت اس میزان پر حق ثابت نہیں ہوتی تھی اس لیے اسے ماننا مسلمان کے لیے ممکن نہیں تھا۔

مسلمان کو یہ بھی معلوم تھا کہ نبوت ایک بہت ہی نادر و اعلیٰ چیز ہے اور محض چند پیشین گوئیوں کی صداقت میزانِ ایمان نہیں ہو سکتی۔ نبوت کا دعوے کر دینا آسان ہے مگر اُس کے معیار پر پورا اترنا آسان نہیں خصوصاً جب دعوے اُس فخر انبیاء کے بروز ہونے کا ہو جس کی تعریف میں خدا خود در طبُّ اللسان ہے اور جس کے زہد و اتقا، ایثار و سخا، عبادات و مجاہدات، اہل خانہ اور عوام الناس کے ساتھ حسن سلوک اور زندگی کے دیگر حسین پہلوؤں کا بیان ۴۱ سو سال سے بھی مکمل نہیں ہو سکا۔ اُس ذاتِ عالی کے ساتھ مرزا صاحب کی زندگی کا موازنہ کرنا ہی گستاخی ہے۔

اس کے برعکس مرزا صاحب کا فرمان تھا کہ وحی الہی کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے اور وہ خود خدا کے رسول اور نبی ہیں۔ کتاب اللہ کے وہی معنی درست ہیں جنہیں وہ درست کہیں۔ حدیث نبوی کے جس حصہ کو وہ چاہیں لے لیں اور جسے چاہیں رد کر دیں۔ اجتہادِ سلف و خلف ختم ہے کیونکہ نبی (یعنی وہ خود) آگئے ہیں اور اجماعِ اُمت کے نام کی بھی کوئی چیز نہیں رہی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اُن سے کلام فرماتا ہے۔ اور انہیں اپنی کتاب کے صحیح مفہوم اور حدیث کے صحیح یا سناوئی ہونے پر مطلع کرتا ہے۔ اس حقیقت کے وہ خود شاہد ہیں۔ اور جو شخص اُن کی شہادت پر ایمان نہیں رکھتا اور اُن سے بیعت نہیں کرتا وہ خارج از اسلام ہے۔

مرزا صاحب کے ان فرمانوں کو مان لینے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اُمتِ خیر الرسل کا اپنا ایمان، اپنی ہستی اور اپنا وجود بالکل ختم ہو جاتا۔ اُس کے علوم و قوانین، تہذیب و تمدن، اقدار، تاریخی شخصیتیں، ثقافت اور اُس کا نظام و معاشرہ سب مٹ جاتے۔ اُس کی عقیدت اور فکر کام کر لیکر بدل جاتا۔ جناب ختمی مرتبت تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و قیادت کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ جاتی۔ قرآن کی تفسیر اور حدیث کی تاویل، فقہ اور اجماع کا استدلال اور استنباط اُس نہج پر چل نکلتے جو اسلامی روایت اور روایت اور اُمت کے احساسِ عمومی کے خلاف ہی نہیں بلکہ انسانیت کے احساسِ عمومی کے بھی برعکس ہوتا۔ نہ صرف یہ بلکہ اُمتِ اسلامیہ اس تحریکِ قادیانیت کی محسوس برطانوی حکومت کے سمندِ نازکیِ نچیر بن کے رہ جاتی۔

مرزا صاحب کا دعوے اس نوعیت کا تھا کہ اُس کا ساری اُمتِ مسلمہ پر ایک شدید ردِ عمل ہونا لازمی تھا۔ تمام کلمائے اسلام اور اہل دانش اُس کی مخالفت میں متفق ہو گئے اور قادیانیت کے مقابلہ میں یکجان ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنی تصانیف اور مواظب کے ذریعے عامۃ المسلمین کو اس قدر باخبر کر دیا کہ قادیانیت کی تبلیغ اس ملک میں بالکل بے اثر ہو کر رہ گئی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کو سرکارِ برطانیہ کی حفاظت اور سرپرستی حاصل نہ ہوتی تو اُن کا شرمی ڈہی ہوتا جو اُن سے قبل آنے والے ایسے ہی

مدعیان کا ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کی جماعت احرار، مولوی شہار اللہ صاحب امرتسری، مولوی ظفر علی خان مدیر اخبار زمیندار، جناب علامہ اقبال اور حضرت قبلہ عالم کے مخلصین مولوی محرم علی چشتی مدیر اخبار رفیق ہند لاہور اور تباہی سراج الدین مدیر اخبار چودھویں صدی زاہد پٹنہ نے خاص طور پر قابل ذکر کام کیا۔ خود حضرت قبلہ عالم کی ذات پاک سے قدرت نے جو کام لیا اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

مرزا صاحب کے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔ اولاً تو ان کے کلام میں جس کے نمونے اوپر ہدیہ نظرین کیے جا چکے ہیں، ابہام اور الجھاؤ اس قدر تھا کہ نہ تو اس سے وہ خود عمدہ براہوسکے اور نہ ان کے مخاطب۔ اپنے دعوے نبوت سے پہلے انہوں نے اپنی متعدد تحریروں میں اپنی طرح کے مدعیان کی تکذیب کی ہوتی تھی جب وہ خود مدعی بنے تو اپنی پہلی تحریروں کا جو از ڈھونڈنے میں انہوں نے ایسی ایسی قلابازیاں کھائیں جنہیں دیکھ کر کوئی صحیح الرائے انسان ان کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ ثانیاً مرزا صاحب کی اپنی جماعت میں ان کی زندگی ہی میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ ان کے کئی پیروؤں نے خود پیغمبر ہونے کا دعوے کر دیا۔ اور بعض لوگوں نے ان کی نبوت کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا۔ ان مخالفین نے ان کی زندگی کے ایسے ایسے گھناؤنے پہلو اجاگر کیے جو ان کے نبی ہونے کے دعوے کو باطل کرنے کے لیے کافی تھے ان کی تفصیل بیان کرنے کے لیے ایک پوری کتاب چاہیے۔ ریاست حیدرآباد کے پروفیسر محمد ایاس برنی نے اپنی کتاب قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ میں مرزا صاحب اور ان کے پیروؤں کی اپنی تحریروں سے ایسے اقتباسات شائع کیے ہیں جن سے مرزا صاحب کی زندگی کے تمام پہلو روز روشن کی طرح سامنے آجاتے ہیں اور ان کی اصل حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب حال ہی میں پاکستان میں بھی شائع ہو چکی ہے تبصرہ ہذا میں مرزائی کتب کے حوالہ جات اور اقتباسات کے لیے اسی کتاب کے پانچویں ایڈیشن شائع کردہ عمدۃ المطابع لکھنؤ ۱۳۵۵ھ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

قادیانی اور لاہوری پارٹی

افغانستان میں دو قادیانیوں پر حدارت جاری ہونے کے بعد عرصہ دراز تک ان لوگوں کو اسلامی ممالک کاٹخ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ اب بعض یورپین اور افریقی ممالک میں ان کے مبلغ کام کر رہے ہیں مگر وہاں بھی یہ اپنے آپ کو دین اسلام کا پیرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ظاہر کرتے ہیں۔ خود اپنے وطن میں یہ جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے جن میں سے ایک لاہوری پارٹی کہلاتی ہے اور دوسری قادیانی۔ لاہوری جماعت مرزا صاحب کو مجدد و اعظم مانتے ہوئے دہلی زبان میں ان کے ظلی نبی ہونے کا بھی اقرار کرتی ہے مگر مرزا صاحب کے زمانے والوں کو صرف گناہگار قرار دیتی ہے، کافر نہیں کہتی۔ اس کے برعکس قادیانی جماعت مرزا صاحب کو کامل اور مستقل صاحب شریعت و وحی نبی مانتی ہے اور ان کے نزدیک مرزا صاحب کی بیعت میں داخل نہ ہونے والا شخص کافر اور خارج از اسلام ہے۔ ان دنوں پارٹیوں میں کثرت سے باہمی قلبی مباحث ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا ایک چھوٹا سا نمونہ ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے دیا جاتا ہے۔

حقیقۃ النبوت میں مرزا صاحب کے فرزند میاں محمود احمد صاحب یوں رقمطراز ہوئے :-

۱۹۰۱ء سے پہلے آپ (مرزا صاحب) نبی کی اور تعریف کرتے تھے اور بعد میں آپ نے جب اللہ تعالیٰ کی تواتر وحی پر غور کیا اور قرآن کریم کو دیکھا تو اس سے نبی کی تعریف اور معلوم ہوئی۔ بار بار کی وحی نے آپ کی

تو جب کو اس طرف پھیر دیا کہ ۲۳ سال سے جو مجھ کو نبی کہا جا رہا ہے تو یہ محدث کا دوسرا نام نہیں بلکہ اس سے
نبی ہی مراد ہے اور یہ زمانہ تریاق القلوب کے بعد کا زمانہ ہے۔
(حقیقۃ النبوة مصنفہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان)

اس کے جواب میں لاہوری پارٹی کی طرف سے پیغام الصبح میں مندرجہ ذیل بیان شائع ہوا :-
مگر افسوس ہے جناب میاں صاحب کے اس اعلان کے مطابق حضرت مسیح موعود کی یہ کم علمی اور نادانی
ایسی نادانی کے ذیل میں آتی ہے، جسے توبہ توبہ، نقل کفر، کفر نسیب شد، نفوذ بالشہ جہل مرکب کہتے ہیں، کہ
باوجود اس بات کے کہ نبی کی تعریف تو نہ جانتے تھے مگر حالت یہ تھی کہ جہاں کسی نے آپ (مرزا صاحب) کی طرف
دعاوی نبوت منسوب کیا اور آپ لگے مدعی نبوت پر لعنتیں کرنے جو شخص ایک بات کو نہیں جانتا اور پھر اس
کے علم پر اس قدر اصرار کرے کہ لعنتوں اور مباحلوں پر اتر آئے تو اس سے بڑھ کر جہل مرکب کا وارث کون ہو
سکتا ہے؟ خود نبی ہیں اور خیر سے پتہ نہیں کہ میں نبی ہوں اور باوجود اس لاعلمی اور جہل مرکب کے مدعی نبوت
پر یاد دوسرے لفظوں میں خود اپنے آپ پر لعنتیں بھیجنے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ یہ بھونڈی اور قابل شرم
تصویر جو جناب میاں (محمود احمد) صاحب نے حضرت مسیح موعود کی کھینچی ہے۔ کیا اس قابل ہے کہ کسی عقل مند
آدمی کے سامنے پیش کی جاسکے؟

(قادیانی جماعت کی لاہوری پارٹی کا اخبار پیغام صلح ۲۷-۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء)

قادیانی فرقہ والوں نے تو آیۃ مِيثَاقِ النَّبِيِّينَ کو بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے مرزا صاحب
سے منسوب کیا ہے۔ آیت تفصیل ذیل ہے :-

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ
مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ
لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ
وَآخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَشْرَرْنَا
قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝
(آل عمران - ۸۱)

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ البتہ جو کچھ میں تمہیں
کتاب اور علم سے دوں، پھر تمہارے پاس پیغمبر آئے جو
اُس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے البتہ
اُس پر ایمان لے آنا اور اُس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار
کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا۔ انہوں نے کہا ہم نے
اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اب تم گواہ رہو۔ میں بھی
تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

چنانچہ الفضل قادیان مورخہ ۲۶- فروری ۱۹۲۷ء میں مندرجہ ذیل نظم درج ہے :-

خدا نے لیا عہد سب انبیاء سے
پھر آئے تمہارا مُصَدِّقِ پیغمبر
کہا کیا یہ اقرار کرتے ہو محکم
کہا حق تعالیٰ نے شاہد رہو تم
جو اس عہد کے بعد کوئی پھرے گا
کہ جب تم کو دوں میں کتاب اور حکمت
تم ایمان لاؤ، کرو اُس کی نصرت
وہ بولے مُبَقَّر ہے ہماری جماعت
یہی میں بھی دیتا رہوں گا شہادت
بنے گا وہ فاسق اٹھائے گا ذلت

لیا تھا جو بیٹاق سب انبیاء سے وہی حمد حق نے لیا مصطفیٰ سے
وہ نوح و خلیل و کلیم و مسیحا سبھی سے یہ سپیان محکم لیا تھا
مبارک وہ اُمت کا موعود آیا وہ بیٹاق ملت کا مقصود آیا

کریں اہل اسلام اب حمد پورا
بنے آج ہر ایک عبد اشکورا

لاہوری جماعت والے اس ضمن میں قادیانی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”بے شک حضرت مرزا صاحب کی نبوت قرآن کی ایک ایک آیت سے نکالو، خواہ وہ کیسے ہی
بھونڈے اور لچر طریق سے نکالی جائے یا خواہ وہ خود حضرت مرزا صاحب کی تفاسیر سے کتنی ہی مختلف کیوں
نہ ہو یہ قوم خوشی سے بغلیں بجاتی رہے گی۔ نعرہ تحسین و آفرین بلند کرتی رہے گی۔ اُن تمام پیش گوئیوں کو جن کے
مصدق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ بے شک مرزا صاحب پر چسپاں کرتے جائیں، یہ عالی قوم خوشی
سے تالیاں بجاتی اور ناچتی رہے گی۔ لیکن اگر آپ کسی پیشگوئی کے متعلق یہ کہہ دیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کے لیے ہے اور حضرت مرزا صاحب اس کے مصداق حقیقی نہیں بلکہ بوجہ اُمتی اور خلیفہ ہونے کے
صرف ظلی یا بروزی رنگ میں اس کے ماتحت آتے ہیں تو ان کے سینے میں یوں لگے گا جیسے تیر لگتا ہے۔
محمد رسول اللہ کی چیزیں چھین چھین کر حضرت مرزا صاحب کو دیتے جاؤ یہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے
... لیکن اگر کوئی چیز جو انہوں نے محمد رسول اللہ سے چھین کر حضرت مرزا صاحب کو دی ہوتی ہے آپ اِس
محمد رسول اللہ کو دیں تو یہ بلبل بلبل کر اور چلا چلا کر حشر برپا کر دیں گے... مثلاً جب تک مُبَشِّرُ الْبُرُودِ
يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ کا مصداق حضرت مرزا صاحب کو کہتے رہو بہت خوش رہیں گے
لیکن جہاں اس کا مصداق حقیقی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا اور تمام محمودی ٹولے سے صدائے داویلا
بلند ہوئی کہ ہائے ہائے حضرت مسیح موعود کی توہین کی گئی۔“

(لاہوری جماعت کا اخبار پیغامِ مسیح ۳- مئی ۱۹۳۴ء)

اعتبار

اس داستانِ عبرت کے پہلے مخاطب تو وہ عالم اور درویش ہیں جو کسی کامل اُستاد یا شیخ کی تربیت اور اپنے مجاہدہ نفس کے
بغیر یا تمام تربیت اور برائے نام مجاہدہ کے بل بوتہ پر علم و فقر میں دم مارنے لگ جاتے ہیں۔ جس پر اُن کا خام و ناچختہ تحت الشعراء
انہیں اُدھام اور خواب و خیال اور وساوس کے ایسے گڑھوں میں لے گرتا ہے جہاں سے نکل آنا لامتناہی اللہ ناممکن و محال ہو جاتا
ہے حضرت مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی ضمن میں فرماتے ہیں :-

پیر را بجزیں کہ بے پیراں سندر ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

اور اکبر الہ آبادی کا ارشاد ہے :-

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے ان خام دلوں کے عنصر پر پُنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ انہوں نے فقر کے کسی سلسلہ سے رشتہ نہیں جوڑا۔ ان کا کوئی روحانی باپ نہیں اور خدا تعالیٰ ہی ان کا روحانی اُستاد اور مرشد ہے۔ وہ اس چیز کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مماثلت کا ایک نشان قرار دیتے ہیں اور تحدیثِ نعمت کے طور پر بیان کر رہے ہیں۔ لیکن اس کو خیال میں نہیں لاتے کہ یہی چیز درحقیقت ان کی زندگی کا المیہ بن کر رہ گئی ہے۔ کیونکہ اس عالم اسباب میں سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ آہن گرمی کا فن حاصل کرنے کے لیے کسی آہن گر اور پیری کے حصول کے لیے کسی کابل پیر کے پاس تربیت کے لیے جانا ہی پڑتا ہے جیسا کہ مولینا روم کا ارشاد اُوپر درج ہو چکا ہے۔

پیرا بگزیں کہ بے سپدا ایں سفر ہست بس پُر آفت و خوف و خطر
سلوک میں ان آفات و خطرات کا مناسب سے زیادہ کشف و روایا کے مقام میں ہوتا ہے۔ اولیائے کبار کے نزدیک کشف حقائق کو چندان اہمیت نہیں کیونکہ ان کا مقصود مشاہدہ جمال الہی ہوتا ہے اور ان کی زیادہ توجہ اسی امر پر مرکوز رہتی ہے مگر اس راہ کے کم حوصلہ مسافر نفس اور شیطان کی عیارانہ چالوں سے بہک جاتے ہیں۔ حضرت امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ کشف اُس وقت تک اعتبار کے لائق نہیں جب تک استقامتِ نفس سے پیدائے ہو۔ جیسے آئینہ ٹیڑھا یا دھندلا ہو تو اُس میں صورت بھی ٹیڑھی ترچھی اور دھندلی نظر آتی ہے۔ اور استقامتِ نفس بغیر مجاہدہ، عالی ظرفی اور شیخِ کامل کی تربیت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس سے علمائے راسخین کے تلمذ اور اولیائے کاملین سے ذہنی و روحانی تربیت کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت ہوتی ہے۔ ورنہ اکتسابِ کامل اور مجاہدہِ نفس کے بغیر خودی و نفسانیت کا نبوت کے دعووں میں مبتلا ہو جانا اور دوسری جانب علم کا جذبہ بیروپرستی کے براثر بہک کر ایسے مدعیان کو فوق البشر گردانتے ہوئے، ان کی تعلیمات و ترغیبات کی پیروی پر بے دل و جان آمادہ ہو جانا معمولی بات ہے۔ چنانچہ اس آخری دور میں عراق میں باب، ایران میں بہاء اللہ اور ہندوستان میں مرزا غلام احمد جیسے حضرات اسی نوع کے مدعی بن کر اُٹھے اور عوام کے جذبہ بیروپرستی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک گونہ مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ فرمایا کرتے تھے کہ میں فقیر اُسے سمجھا ہوں جو فقر کے سات دریا پی جائے اور ڈکار تک نہ لے اور حضرت پیر فضل دین عرف بڑے پیر صاحب اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

گر خبہ داری ز حجتی لایموت بردہان خود بن مہر سکوت

تعجب ہے کہ مرزا صاحب قادیانی اپنے ارادت مندوں میں سے مدعیانِ نبوت و امامت کو تو بار بار ان کی خام خیالیوں پر متنبہ کرتے رہے مگر اپنی ذات کے سلسلہ میں ان خامیوں کی طرف خیال تک نہیں کیا۔ چنانچہ اپنی کتاب ضرورۃ الامام میں خود اس سلسلہ میں سیدنا مہوش الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُس مشہور کشف کو تحریر کرتے ہیں جس کا ذکر اسی کتاب کے باب اول میں آچکا ہے کہ آنجناب ایک محل میں رات کے وقت یادِ الہی میں مشغول تھے کہ شیطان نے اچانک چندھیانے والی روشنی میں سے آواز دے کر کہا کہ اے عبد العزیز! میں تیرا رب، تجھ سے راضی ہوں اور تجھے عبادت کی تکلیف سے آزاد کرتا ہوں۔ اس پر آپ نے لَحَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ پڑھا اور فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھر عبادتِ الہی کے مکلف رہے تو عبد العزیز کیا چیز ہے جس سے یہ تکلیف اٹھالی جائے۔ شیطان نے سامنے آکر ایک دوسرا دھوکا دینے کی کوشش میں کہا کہ اے عبد العزیز تم اپنے علم کے باعث بچ گئے ورنہ کئی اولیاء اللہ یہاں آکر رہ گئے۔ آپ نے فرمایا دور ہو مردود، میں اپنے علم سے نہیں بلکہ محض تائیدِ الہی سے محفوظ رہا ہوں۔ چنانچہ شیطان نے سر پیٹ لیا اور کہا کہ آج سے میں تم سے مایوس ہوا ہوں۔

غور کا معنی ہے کہ راہِ سلوک کے ایک نہایت ہی زبردست مگر باریک خطہ میں اللہ کے رسولؐ سے نیاز مندی کا صحیح تعلق کس طرح اشراقِ نوری بن کر بچا رہا ہے۔ مگر مرزا صاحب قادیانی کے بلند بانگ دعاوی منہ محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد کس طرح اُن کو گرا رہے ہیں اور اَنْتَ مِیْنِی بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ وَاَنْتَ مِیْنِی وَاَنَا مِنْکَ کے الہامات و اعلانات کس طرح اللہ الصَّمَدُ اور لَعْرِيْلِدُو لَعْرِيُوْلِدُ کی قرآنی تعلیم کو تہ و بالا کر رہے ہیں یعنی قرآن تو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ خود کسی کا بیٹا ہے اور نہ اُس کا کوئی بیٹا ہے۔ مگر مرزا صاحب کے الہامات میں اللہ تعالیٰ اُن کو کہہ رہے ہیں کہ تو میرا بیٹا ہے۔ لیکن اس تضادِ قرآنی کے باوجود مرزا صاحب کو سورۃ اخلاص یاد نہیں آتی اور نہ ہی لاجول زبان پر آتا ہے بلکہ لذتِ انا میں سرشار ہو کر اعلان کرتے ہیں کہ دیکھو میرا رب مجھ سے کیا فرما رہا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ اور الہامات پر غور کرنے سے قرآنی تعلیم سے اُن کا تضاد اور خُدا پر افترا صاف ظاہر ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت قبلہ عالم نے اپنی کتاب سیفِ چشتیائی میں تصریح فرمائی ہے اور جس کا ذکر باب تصانیف کتاب ہذا میں درج ہے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا اُولِيَ الْاَبْصَارِ (اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو)

پانچویں فصل

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا قادیانیت کے خلاف معرکہ

باطنی ارشادات

قادیانیت کے خلاف حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مناظرات کی علمی بحث کی وضاحت تو تصانیف کے باب میں آئے گی البتہ اس کے متعلق چند واقعات اور بعض تفصیلات یہاں بھی عرض کرنا ضروری ہیں۔ پہلے ذکر آچکا ہے کہ سن ۱۸۹۰ء میں حج کے موقع پر جب آپ نے حجاز مقدس ہی میں سکونت پذیر ہونے کا ارادہ فرمایا تو حضرت حاجی ابداللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ نے بنا بر کشف آگاہ ہو کر فرمایا تھا کہ عنقریب سرزمین مہند میں ایک بہت بڑا فتنہ ظاہر ہونے والا ہے جس کا سدباب آپ کی ذات سے متعلق ہے۔ اگر اس وقت آپ اپنے وطن میں بالفرض خاموش بھی بیٹھے رہے تو بھی ملک کے علماء اس فتنہ کی زد سے محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ بعد ازاں وطن لوٹنے پر مکاشفات و مشاہدات کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوا کہ اُس فتنہ سے مراد فتنہ قادیانیت تھا۔ کیونکہ حضرت حاجی صاحب کی پیش گوئی کے مطابق اگلے ہی سال یعنی ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب نے مناظر اسلام، مامور اور مجدد کے دعووں سے آگے قدم بڑھا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور نزول سے انکار کر کے اُن کی موت اور اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کر دیا۔

”مفہومات طبیات“ میں درج ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فرمایا کہ عالم رویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مرزائے قادیانی کی تردید کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ شخص میری احادیث کو تاویل کی قینچی سے کتر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔

ایک کشف کے متعلق حضرت کی قلمی تحریر

ایک اور کشف کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ایک خود نوشتہ یادداشت آپ کے قدیم مسودات میں موجود پائی گئی ہے جس کا متعلق حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:-

”در ایام ارادۃ اجابت دعوت مرزا غلام احمد قادیانی کہ ظاہر بغرض تحقیق حق بذریعہ اشتہارات نمودہ بود، باین نعمت عظمیٰ مشرف شدم در حالتی کہ چشمان خود بند نمودہ بحالت بیداری در حجرہ تنہا نشستم بودم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زویدم کہ بر بیعت قعدہ جلوس فرما بستند و بفاصلہ چہار باشت ایس آثم نیز بہماں سمیت بالمقابل بمجاذاتہ نامہ مثل جلوس مرید بخدمت شیخ حاضر است و غلام احمد بعید ترازیں مکان رُو و مشرق و پشت کردہ بجانب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نشستم است۔ بعد ازیں رویت بلاہور بعد اجاب رسیدم حسب وعدہ تو کدہ خود (مثل لعنة الله على من تخلف و ابى) تخلف و زید و بہ التجر نماید“

ترجمہ۔ "جن دنوں مرزا غلام احمد قادیانی نے بظاہر تحقیق حق کی غرض سے اشتہارات کے ذریعہ دعوت دی تھی اور میں اسے منظور کرنے کا ارادہ کر رہا تھا، مجھے اس نعمتِ عظمیٰ کا شرف حاصل ہوا۔ میں اپنے مجسّم میں بحالتِ بیداری آنکھیں بند کیے تنہا بیٹھا تھا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ قعدہ کی حالت میں جلوس فرما رہے اور یہ عاصی بھی چار بالشت کے فاصلہ پر اسی حالت میں بادبِ تمام شیخ کی خدمت میں مُردی کی حاضری کی طرح بالمقابل بیٹھا ہے اور غلام احمد اُس جگہ سے دُور مشرق کی طرف مُنہ کیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کر کے بیٹھا ہے۔ اس رویت کے بعد میں بمعہ احباب لاہور پہنچا۔ لیکن مرزا اپنے تاکیڈی وعدہ سے (مثلِ اِکار کرنے اور پھر جانے والے پر خدا کی لعنت ہو) پھر گیا اور لاہور نہ آیا۔"

ان مکاشفات و مشاہدات کے علاوہ حضرت نے سیفِ چشتیانی میں دجال کے متعلق اپنے بچپن کا ایک خواب بھی بیان فرمایا ہے جو بدیں مضمون ہے:-

"اس نیاز مند نے بوعنت سے قبل جب کہ احادیثِ دجال کا نام تک بھی نہ سنا تھا، دجال کو خواب میں شرقی جانب سے آتا ہوا دیکھا۔ دائیں آنکھ اُس کی چھوٹی ہوئی تھی۔ اُس نے مجھے کہا کہ کہو حُسنِ ایک نہیں۔ میں نے سخت غصّے سے جواب دیا کہ مردود، خدا ایک ہی ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر اُس نے چند قدم میری طرف بڑھ کر مجھ پر تلوار کا وار کیا مگر اُس کا وار خطا ہو کر تلوار اُس کی میرے سر سے گزرتی ہوئی زمین پر جا پڑی۔ پھر وہ پیچھے کو مینڈھے کی طرح اُنہی قدموں پر ہٹ کر پہلی جگہ پر کھڑا ہوا اور پھر وہی کلمہ اُس نے کہا اور جواب اُس کے میں نے بھی وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ پھر اُس نے دوبارہ میرے گلے پر تلوار کا وار کیا۔ مگر وہ خطا ہو کر، تلوار زمین پر جا پڑی۔ تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا۔ بلکہ اس دفعہ تو قبضہ اُس کے ہاتھ میں رہا اور تلوار قبضہ سے نکل کر زمین پر جا پڑی۔ تینوں دفعہ بغیر اس کے کہ میں نے سر کو خم کیا ہو تلوار اُس کی میرے سر کے اوپر سے گزرتی رہی۔"

مولوی محمد حسین بٹالوی، خواجہ غلام فرید چاچڑاں اور سر سید احمد خان کی ابتدائی خوش فہمیاں

بہر حال یہ وجوہات تھیں جن کی بنا پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے میدانِ مناظرہ میں قدم رکھا۔ جب ۱۸۹۰ء میں آپ حج سے واپس تشریف لائے تو اُس وقت مرزا صاحب کا دعویٰ مجسّم اور ماثور من اللہ ہونے کا تھا۔ وہ گذشتہ دس برس سے عیسائیوں اور آریوں کے ساتھ مباحثات اور اپنی مناسبات تصانیف اور اشتہار بازی کی بدولت خاصی شہرت حاصل کر چکے تھے اور پیری مُردی بھی چل رہی تھی۔ بعض علماء اور مشائخ بھی بے خبری میں ان کی اس مقبولیت کے لیے میدان ہموار کر چکے تھے۔ چنانچہ اہل حدیث کے ایک نامور عالم مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے رسالہ اشاعت السنۃ کے چھ نمبروں میں براہین احمدیہ پر ایک طویل تقریظ شائع کر کے اس کتاب کو اس صدی کا شاہکار اور مرزا صاحب کو ایک بے نظیر عالم دین اور صاحب کشف و کرامت ولی اللہ قرار دے چکے تھے۔ اسی طرح سر سید احمد خان بھی ابتداً مرزا صاحب کی تحریروں سے متاثر بیان کیے جاتے تھے۔ گوئی الاخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مرزا صاحب کی تصانیف اسی قسم کی ہیں جیسا ان کا الہام یعنی زہدین کے کام کی نہ دنیا کے کام کی (خطوط سر سید مرتبہ سید اس مسعود ص ۲۵۶) ادھر چاچڑاں (ریاست بہاولپور) کے مشہور شیخ طریقت اور صوفی شاعر حضرت خواجہ غلام فرید چشتی بھی ابتداً مرزا صاحب

کے متعلق بہت حُسنِ ظن رکھتے تھے۔ خواجہ صاحبؒ ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے اور حضرت قبلۃ عالم قدس سترہ کے قادیانی معرکہ لاہور کے قریب ایک سال بعد ۱۸۹۱ء میں انتقال فرما گئے۔ مرزا صاحب نے انہیں دعوت نامہ بھیجا تھا کہ بروئے الہام الہی میں تبلیغِ دین کے کام پر مامور ہوا ہوں، آپ میری اعانت فرمائیں۔ اس پر خواجہ صاحبؒ نے اپنے جواب میں اعانت فی الدین کا وعدہ کرتے ہوئے مرزا صاحب کی شان میں تعریفی کلمات تحریر فرمائے۔ آپ کے طفوطات اشارات فریدی میں مذکور ہے کہ جب علماء نے مرزا صاحب کے خلاف لکھنا شروع کیا تو خواجہ صاحبؒ نے فرمایا یہ شخص حمایتِ دین پر کمر بستہ ہے۔ علماء تمام مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ حالانکہ وہ اہل سنت والجماعت سے ہے اور صراطِ مستقیم پر ہے۔ لیکن جب مرزا صاحب کی نئی کتابیں خواجہ صاحبؒ کے پاس پہنچیں جن میں ان کے منفرد عقائد اور مسیح موعود اور ظلی اور بروزی بنوت کے دعادی درج تھے تو آپ نے بھی مولوی محمد حسین بٹالوی کی طرح علانیہ اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔ چنانچہ مرزا صاحب جو اپنے اخبارات اور اشہارات میں پہلے خواجہ صاحبؒ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے تھے اور ان کے نام کو اپنے موافق پراپگنڈا کا ذریعہ بنایا کرتے تھے۔ اپنی کتاب "انجامِ آتم" مطبوعہ ۱۸۹۶ء میں میاں غلام فرید حشتی چاچڑاں صلاقبہاد لپور کا نام اپنے مکذبین اور مکفرین کی فہرست میں درج کرنے پر اتر آئے۔

شیخ الجامعہ کا بیان

تاہم قادیانی مبلغین عوام کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر ۱۸۹۶ء سے کئی سال بعد تک بھی عوام کے رُوبرو خواجہ صاحبؒ کے سابقہ مکتوب کی مطبوعہ نقول پیش کر کے کہتے رہے کہ دیکھئے ملک کے اتنے بڑے نامور پیر بھی مرزا صاحب کی تحسیر پر بیعت میں شامل ہیں۔ چونکہ اس ملک کے لوگ عام طور پر مشائخِ طریقت کے ساتھ بہت عقیدت رکھتے ہیں۔ اس لیے اس بات کا بہت اثر ہوا۔ اور قادیانی جماعت کا یہ حربہ بہت حد تک کامیاب رہا۔ یہاں تک کہ علمائے اسلام کو جا بجا جلسے کر کے اس کا تدارک کرنا پڑا۔ جناب مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے وصال کے کئی سال بعد میری تحریک پر ان کی خانقاہ شریف پر ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کر کے ملک کے طویل و عرض کے بڑے بڑے علماء اور فضلاء نے قادیانیت کی تردید میں تفت ریریں جن میں میں بھی شامل تھا۔ علماء کی ایک جماعت کے ساتھ جلسے میں شمولیت کی غرض سے سفر کرتے ہوئے ریلوے اسٹیشن خانپور جکشن پر ایسا معلوم ہوا جیسے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رُوح مبارک اظہارِ خوشنودی کے طور پر موجود ہے کہ ہم ان کی ذات پر سے ایک بہتانِ عظیم کے دُور کرنے کی مساعی کر کے اچھا اقدام کر رہے ہیں۔ یہ کیفیت واپسی سفر میں بھی خانپور ریلوے اسٹیشن تک قائم رہی۔

مشائخ کے ساتھ فرضی بیانات منسوب کرنا

ابستدائی ایام میں قادیانی صاحبان نے اس ملک کے کئی دیگر مشہور مشائخ کی طرف بھی اس قسم کے بیانات منسوب کیے تھے۔ چنانچہ مولوی عبد اللہ غزنوی اور ان کے پیر صاحب کے ساتھ مرزا صاحب نے ایسی پیش گوئیاں منسوب کی ہیں جن میں ان حضرات کا مرزا صاحب کے مبعوث ہونے کے متعلق پیش گوئی کرنا ظاہر کیا ہے۔ جو تحقیق پر سب کی سب فرضی اور غلط ثابت ہو چکی ہیں۔ اسی قسم کی ایک خود ساختہ داستان ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی لاہوری نے اپنی کتاب "مجددِ اعظم"

جلد دوم میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی طرف بھی منسوب کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے حضرت (مرزا صاحب) کے ایک مُرد نے قادیان پہنچ کر بیان کیا کہ پر صاحب گولڑہ شریف نے قادیان کی طرف مُنہ کر کے اپنی تبا کے بند کھول دیئے۔ اور فرمایا کہ مجھے قادیان کی طرف سے عشقِ الہی کی ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے (فلاحول ولاقوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم)

قادیانی دعوت نامہ اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا جواب

مرزا صاحب کا ایک مطبوعہ دعوت نامہ ان کے پیر مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا۔ دعوت نامہ کا مضمون یہ تھا کہ میں مسیح موعود ہوں اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے احيائے دین اور عروجِ اسلام کے لیے مامور کیا گیا ہوں۔ آپ اس مشن میں میری اعانت کریں حضرت نے جواب میں لکھوایا کہ میں آپ کو مسیح موعود اور مامور من اللہ نہیں مانتا۔ آپ اپنی توجہ حسب سابق غیر مسلموں کے ساتھ مناظرات اور تبلیغِ اسلام پر مرکوز رکھیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

مشائخِ طریقت کو پہنچ

مرزا صاحب عوام الناس پر مشائخِ طریقت اور تجاہدِ شیعینوں کے ہمہ گیر اثر سے بخوبی واقف تھے اس لیے ان کی انتہائی کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طرح کوئی درویش صفت اور سادہ لوح گدی نشین، ان کے حلقہٴ ارادت میں شامل ہو جائے اور ان کے مشن کو تقویت پہنچے لیکن اس میں ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جہاں تک ایمان و عقائد کا تعلق ہے بزرگانِ دین کی کم علم اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتی ہے۔ اس لیے جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو ایامِ صلح میں مرزا صاحب نے مشائخ پر یہ طریقِ ذیل اپنا غبار نکالا:-

”اس وقت زیرِ سقبِ نیلگوں بیچ متنفسِ قدرت نذار کہ لافِ برابری با من زند۔ من آشکارے گویم و

ہرگز باک نذارم آسے ابالیانِ اسلام، در میانِ شما جماعتے می باشد کہ گردن بد عویٰ محدثیت و مفسریت برے فرزند

وطائف اند کہ از نازش ادب پابری زمین نگذارند و گردو ہے اند کہ دم بلند از خدا شناسی زند و خود را چشتی و قادری

و نقشبندی و سُہروردی و چہا چہا مے گویند۔ اس جملہ طوائف را بزدمن بیارید“

یعنی اس وقت آسمان کے نیچے کسی کی مجال نہیں جو میری برابری کی لاف مار سکے۔ میں اعلانیہ اور بلا کسی خوف کے

کتابوں کہ آئے مسلمانوں، تم میں بعض لوگ محدثیت اور مفسریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض ازراہ

ناز میں پر پاؤں بھی نہیں رکھتے اور کئی خدائے شناسی کا دم مارتے ہیں۔ اور چشتی اور قادری اور نقشبندی اور سُہروردی

اور کیا کیا کہلاتے ہیں۔ ذرا ان سب کو میرے سامنے تو لاؤ۔

شمسِ الہدایت کا طلوع

جب مرزا صاحب اور ان کے نئے مذہب کا زیادہ چرچا ہوا اور ظاہرین لوگ متاثر ہونے لگے تو علماء کی درخواست پر حضرت

قبلہ عالم قدس سرہ اس طرف متوجہ ہوئے اور باطنی ارشادات کی تعمیل میں ۱۳۱۶ھ یعنی ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء ماہ شعبان و رمضان المبارک

میں اوراد و اشغال روزمرہ سے کچھ وقت بچا کر، ایک رسالہ بعنوان شمسِ الہدایت فی اثبات حیاتِ المسیح بنی عبد الجبار کا تب اخبار

تچودھویں صدی زاولپنڈی کو قلمبند کرایا جو رمضان شریف ہی میں طبع ہو کر سارے ہندوستان کے علماء و مشائخ میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور ایک کاپی بذریعہ رجسٹری مرزا صاحب کو بھی قادیان میں ارسال کر دی گئی۔

اس کتاب میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے اور قیامت کے قریب بحمدِ عنصری زمین پر نازل ہو کر اسلام کی نصرت کا باعث ہونے کو شہادتِ ان کریم اور صحیح احادیث سے ثابت فرماتے ہوئے، اُمتِ اسلامیہ کے اجماعی اور متفق علیہ عقائد میں سے قرار دیا ہے۔ نیز ثابت کیا ہے کہ ان کی موت اور ان کے مشیل کے دنیا میں بطور مسیح موعود آنے کے قادیانی عقائد غلط اور باطل ہیں۔ شمس الہدایت کے آغاز میں آپ نے مرزا صاحب کی "ایام الصلح" والی تعلق کے مقابلہ میں ان سے کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی دریافت کیے ہیں۔ اس موضوع کی تفصیل، اس کتاب کے باب تصانیف میں صفحہ ۵۲۵ پر حاشیہ میں درج کی گئی ہے۔

قادیان میں تسک

"شمس الہدایت" کے مندرجات، منقولات اور محقولات اور اس کے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی خداداد علمی و عارفانہ شہرت اور عوامی عقیدت ایسی چیزیں نہ تھیں جس سے قادیان میں تہلکہ نہ مچ جاتا۔ مرزا صاحب کے حواریوں نے خود لکھا ہے کہ کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ملک کے طول و عرض میں ایک شور مچا ہو گیا۔ خصوصاً کلمہ طیبہ کے معانی کے سوال پر علمائے اسلام بھی دنگ رہ گئے۔ طبقہ علمائے شمس الہدایت کی قدر دانی کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اہل حدیث کے پیشوا مولوی عبدالحجبت رازغنوی نے اس کے مطالعہ کے بعد حضرت کو مندرجہ ذیل خط تحریر کیا۔

مولوی عبدالحجبت رازغنوی کا خط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مجمع خیرات و برکات، منبع حسنات و فیوضات، حضرت پیر
ہر شاہ صاحب، لا زال للذین والاسلام ناصر اولیٰ للحاد والزندقة کاسراً۔ السلام علیکم ورحمة اللہ
و برکاتہ۔ بعد از سلام مسنون و ادعیہ اجابت مقرون، معروض خاطر انوار مظاہر آنکہ ہر چند لغائے جسمانی و ملاقات
ظاہری بحکم الامور مرتبہ باوقاتہا بالفعل در زاویہ تعطیل و ناحیہ تاویل است، مگر تعارف روحانی یوم میشتاق
بحکم الارواح جنود مجتدہ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا اَتَلَفَ وَمَا تَنَاقَرَ مِنْهَا اِخْتَلَفَ مُوجِبُ الْفِتَنِ
موردِ محبت است۔ کتاب شمس الہدایت در دو ملاحظہ دہر و زنادقہ عصر خذ لہم اللہ از نظر احقر گذشت از
مطالعہ اش خط وافر و خیر ظاہر برداشتم۔ کثر اللہ تعالیٰ امثالکم و نور بالکم و جعل الی کل خیر مالکم۔
رسالہ فارسی آل مکرّم رافطمان و تیشہ بانم (ترجمہ۔ ہر چند ظاہری ملاقات نہیں ہوئی مگر روز میشتاق
کار و دعائی تعارف بمصدق حدیث شریف۔ موجب محبت ہے۔ کتاب شمس الہدایت کے مطالعہ سے
میں نے خط وافر و خیر ظاہر حاصل کیا ہے۔ آپ کے فارسی رسالہ کے مطالعہ کا اشتیاق ہے)
یہاں فارسی رسالہ سے مراد حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی کتاب تحقیق الحق ہے۔

حکیم نور الدین کے بارہ سوالات

۲۰۔ فروری ۱۹۹۰ء کو حکیم نور الدین نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو ایک خط بھیجا جس میں بارہ سوالات درج تھے اور لکھا تھا کہ ”مجھے جناب کے ساتھ بڑا حسن ظن تھا۔ اور قریب تھا کہ میں خود حاضر ہوتا لیکن اس اثنا میں جناب کی کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس میں جناب بالکل مولویوں اور منطقیوں کے رنگ میں جلوہ گر ہوئے ہیں اور صوفیوں کے مشرب کی ذرہ بھر بھی جھلک نہیں دی۔ سبحان اللہ! میں نے بارہا سنا کہ جناب فتوحات مکیہ کے خواص ہیں مگر کتاب میں صفحہ ۴۰ تک صرف ایک جگہ شیخ اکبر کا ذکر ہے۔“

حکیم صاحب کے کچھ سوالات تو تفسیر ابن جریر اور تاریخ کبیر بخاری کے حوالہ جات کی نسبت تھے کہ آیا اس زمانہ میں یہ ناپسند کتابیں آپ کے کتب خانہ میں ہیں؟ اور تفسیر ابن جریر کی مثل پانچ چھ تفسیروں کے نام دریافت کیے تھے۔ باقی سوالات کا خلاصہ یہ ہے:

سوال ۳۔ کلی طبعی جناب کے نزدیک موجود فی الخارج ہے یا نہیں تشخص متشخص کا معنی ہے یا غیر؟

سوال ۴۔ تجدد امثال کا مسئلہ صحیح ہے یا غلط؟

سوال ۵۔ زید، عمر و یا نور دین جزئیات انسانیہ اس محسوس مبصر جسم عنصری کا محد و نام ہے یا وہ کوئی اور چیز ہے جس کے لیے یہ جسم بطور لباس ہے؟

سوال ۶۔ انبیاء و اولیاء، انواع ذنوب و خطایا سے محفوظ نہیں یا ہیں۔ کتاب یا سنت سے کوئی قوی دلیل چاہیے۔

سوال ۷۔ الہام و کشف و روایے صالحہ کیا چیز ہیں۔ ان سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال ۱۰۔ عقل، قانون قدرت، فطرت کہاں تک مفید ہیں یا شریعت کے سامنے اس قابل نہیں کہ ان کا نام لیا جائے۔ تعارض عقل و نقل کے وقت کونسی راہ اختیار کی جائے؟

سوال ۱۱۔ تصحیح احادیث روات کو دیکھ کر آج کل ہم اور آپ بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال ۱۲۔ تفسیر بالرائے اور مشابہات کے کیا معنی ہیں؟

اور ایک سوال بعض احادیث مندرجہ شمس الہدایت کے استخراج کے متعلق تھا۔

حضرت کے جوابات

خط کے پہنچتے ہی حضرت نے جواب تو لکھوا دیا مگر اپنے علماء کے اس مشورہ کے تحت روانہ نہ کیا کہ مبادا ان کی اشاعت سے شمس الہدایت میں مندرجہ سوالات کے جواب سے ہی جواب مل جائے۔ مگر جب ۲۴ اپریل کے اخبار الحکم قادیان میں عدم جواب کا شکوہ شائع ہوا تو آپ نے وہ جواب بھیجا حکیم صاحب کے خط اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے جواب کی نقول، آپ کی کتاب سیف چشتیانی میں شائع ہو چکی ہیں۔ جوابات کی شان دلالت اور فریق مخالف کے متحیرانہ سکوت کا لطف تو کچھ ان کے مطالعہ ہی سے آسکتا ہے۔ البتہ دلچسپی کے لیے ان میں سے چند جوابات کا اختصار یہاں بھی دیا جاتا ہے۔

حضرت نے تفسیر ابن جریر کی مثل چھ کی بجائے سولہ تفسیروں کے نام تحریر فرمائے اور لکھا کہ تفسیر ابن جریر مولوی محمد غازی آپ کو بالمشافہ دکھلا سکتے ہیں اور چونکہ تفسیر کبیر بخاری کا ذکر درمنثور کے حوالہ میں آیا ہے۔ لہذا اس کی دستیابی کا سوال اس کے مصنف علامہ سیوطی سے ہونا چاہیے۔

جواب نمبر ۳۔ کئی طبعی کے متعلق فرمایا کہ میرے نزدیک اس کا منشا موجود فی الخارج ہے۔ اور تشخص میں تشخص ہے مگر مواضع بھی لزوم فی التحقق سے بہرہ یاب ہیں۔

جواب نمبر ۴۔ تجدد امثال کا مسئلہ میرے نزدیک صحیح ہے مگر تجدد شہودی وحدۃ سیالہ کو منافی نہیں جو بدلے ہے ترتب احکام عرفیہ کے لیے۔
جواب نمبر ۵۔ جزئیات انسانیہ، ماہیت معروضہ کا نام ہے۔ وجودات خاصہ ہوں یا عدمات خاصہ یا دونوں سے معیار اجسام علیٰ معنی، یا برزخی یا حشری، زید کے مسمیٰ میں نہایت ہی دخل ہے۔ فقط روح مجرد کے لیے بمنزلہ لباس ہیں۔ ہاں بطریق مجاز مرسل کبھی ماہیت کی تجر پر بھی بولے جاتے ہیں۔ یہاں پر لحاظ قرآن میں قتل و صلب نہایت ضروری ہے۔

جواب نمبر ۶۔ انبیاء و رسل ان النواع ذنوب خطایا سے جو شان نبوت کے منافی ہوں، معصوم و مائون ہیں۔ ورنہ امر بالاتباع کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ آیات قرانیہ قل ان کنتم تحببون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور ان عبادی لیس لک علیہم سلطان اور فینسخ اللہ ما ینقہ الشیطن اس چیز پر دلالت کر رہی ہیں۔ اولیائے کرام بعد فائے امم، بشارت مذکورہ میں داخل ہیں اصالت اور تبعیت کا فرق ہے۔
جواب نمبر ۷۔ الہام و کشف و روایا صالحہ منجملہ شعب ایمانیہ سے ہیں اور ان کا معیار صحت و فساد، کتاب و سنت سے مطابقت ہے۔
جواب نمبر ۸۔ عقل اور قانون قدرت جو استقر لہرناقص سے عبارت ہے، ان کا اعتبار محدود ہے تا وقتیکہ نص مخالف قطعی دلالت شارع سے وارد نہ ہو معلوم ہوا کہ اسی تحریر نے آپ کو مرزا صاحب کے قدموں میں ٹھکایا ہے۔ مگر پھر بھی عقدہ کشائی نہ ہوئی۔
جواب نمبر ۹۔ تصحیح احادیث روایت کو دیکھ کر آج کل آپ اور ہم بغیر جرح و تعدیل من السلف نہیں کر سکتے۔

اس سوال کا اور اگلے سوال یعنی تفسیر بالرائے کا جواب ذرا طویل ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ، جواب کی ترسیل میں توقف کے متعلق فرماتے ہیں :-

جواب کی اشاعت میں حضرت سائل کی کسر شان کا بھی نہایت ہی خیال تھا اور ہے۔ یہاں تو پہلے ہی سے کچھ نہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں۔ لہذا میں نے آپ کے مکاتیب شریفہ اشاعتیہ کے جواب میں اپنے مایہ قصور اور لاعلمی کو پیش کیا تھا مگر پرچہ احکم نے جو آج میری نظر سے گزرا ہے اس کی نامنظوری بیان فرمائی۔ اب اگر فضلاء عصر و علمائے دہر کلام جانبین کے ملاحظہ کے بعد داد و انصاف فرمائیں تو یہ نیاز مند علماء و فقراء معذور سمجھائے گا۔

نیز فتوحات مکیہ کے طنز کے جواب میں فرماتے ہیں :-

تغریب نوازا، فیوضات مدنیہ نے (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) جو منشا ہیں فتوحات مکیہ کے لیے، آپ کے سامنے کیا وقت اور تدریپانی کہ میں قول شیخ اکبر قدس سرہ کو پیش کرتا۔ کیا سینکڑوں احادیث صحیحہ کافی نہیں گئیں۔ کیا اس قطع و برید کی شہادت مرزا صاحب کا الہام، جو ازالہ ادہام کے صفحہ ۶ پر باریک قلم سے تحریر ہے، نہیں دے رہا ہے؟

حکیم نور الدین پر صرف ایک سوال جو تشنہ جواب ہی رہا

خاتمہ جواب پر حضرت تحریر فرماتے ہیں :-

”مجھے بہ خیال شان آپ کے بہت افسوس ہے کہ جناب سے ایسے سوالات سرزد ہوں بھمتِ انبیاء اور عدم وقوعِ خطانی الامر البلیغی میں تو تردد ہو مگر مرزا صاحب کی عصمت اور عدم امکانِ خطانی التبعیر تک بھی متیقن بہ سبحان اللہ، مولانا، آپ کے اخلاق کریمانہ سے اُمید کرتا ہوں کہ تشریحِ حقیقتِ مُعجزہ سے ذرا آپ بھی ممنون فرمادیں گے۔ والسلام خیر ختام۔“

اس خط و کتابت کو جناب مولانا حافظ محمد غازی نے بصورتِ اشتہار شائع کر دیا اور جب حضرت کے جوابات نے ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر علماء و فضلاء سے تحریری و تقریری خراجِ تحسین حاصل کیا اور عوام کی طرف سے شمسِ الہدایت کے جواب کا مطالبہ زور پکڑ گیا تو مرزا صاحب نے جوش میں آکر حضرت کو مناظرہ کی دعوت دی۔ مگر اُس میں یہ نہیں کہا کہ آئیے، میرے جن عقائد اور دعاوی سے آپ کو اور تمام عالمِ اسلام کو اختلاف ہے یعنی وفاتِ مسیح، میرا مثیلِ مسیح اور مسیح موعود ہونا، لامہدی الٰہی، میری ظلی بروزی بلکہ مستقل نبوت، میرے متعلق انکار پر مسلمانوں کا خارج از اسلام ہونا اور دجالِ شخصی اور جہادِ سعی کی تردید وغیرہ کے متعلق میرے ساتھ مباحثہ کر لیں تاکہ حق واضح ہو جائے اور میرے مشن کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں دور ہو جائیں۔ بلکہ اس بات کی دعوت دی کہ آدمیرے ساتھ عربی زبان میں تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لو۔

مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ کی دعوت

چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ۲۲۔ جولائی ۱۹۰۷ء کو مندرجہ ذیل اشتہار جاری کر کے حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ کو عربی میں تفسیر نویسی کے مقابلہ کا چیلنج دیا:-

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی، جو سخت مکذب ہیں اُن کے ساتھ ایک طریقِ فیصلہ، مع اُن علماء کے جن کے نام ضمیرِ اشتہار بذا میں درج ہیں۔

یہ صاحب، جن کا نام عنوان میں درج ہے یعنی مہر علی شاہ صاحب ضلع راولپنڈی کے سجادہ نشینوں میں سے ایک بزرگ ہیں۔ وہ اپنی رسمی مشیخت کے غرور سے اس خیال میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اس سلسلہ آسمانی کو مٹادیں۔ چنانچہ اسی غرض سے انہوں نے دو کتابیں بھی لکھی ہیں جو اس بات پر کافی دلیل ہیں کہ وہ علمِ قرآن اور حدیث سے کیسے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ اور چونکہ ان لوگوں کے خیالات بالکل پست اور محدود ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے تمام ذخیرہ لغویات میں ایک بھی ایسی بات پیش نہیں کر سکے جس کے اندر کچھ روشنی ہو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ بعض حدیثوں میں لکھا ہے کہ مسیح موعود

عاشیہ اشتہار لے۔ پنجاب اور ہندوستان کے سجادہ نشین یہ عُذر پیش نہیں کر سکتے کہ ہم تو جاہل اور علمِ قرآن اور علمِ عربیت سے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ پھر تفسیرِ قرآن مجید اور بلاغتِ عربیت میں کیا مقابلہ کریں۔ کیونکہ اگر وہ جاہل ہیں تو لوگوں سے بیعت لیتے کیوں ہیں اور مراتبِ سلوک میں مرتبہ کشفِ القرآن کیوں رکھا ہوا ہے۔ ماسوا اس کے کہ جب یہ مقابلہ خوارقِ عادات کے طور پر ہے تو علم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کشف اور الہام سے کام لیں جس کا دعویٰ ہے۔ (مند)

آسمان سے نازل ہوگا۔ حالانکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی اور کسی زمانہ میں حضرت علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے یا کسی آخری زمانہ میں جسم عنصری کے ساتھ نازل ہوں گے۔ اگر لکھا ہے تو کیوں ایسی حدیث پیش نہیں کرتے۔ ناحق نزول کے لفظ کے اُلٹے معنی کرتے ہیں۔ خدا کی کتابوں کا یہ تدریم محاورہ ہے کہ جو خدا کی طرف سے اُس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہوا دیکھو انجیل یوحنا باب آیت ۳۸۔ اور اسی راز کی طرف اشارہ ہے۔ سورہ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ میں اور نیز آیت ذِکْرًا سُوْرًا میں لیکن عوام جو جسمانی خیال کے ہوتے ہیں وہ ہر ایک بات کو جسمانی طور پر لیتے ہیں۔ یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ جیسے حضرت مسیح ان کے زعم میں فرشتوں کے ساتھ آسمان سے اُتریں گے۔ ایسا ہی ان کا یہ بھی تو عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرشتوں کے ساتھ آسمان پر گئے تھے بلکہ اس جگہ تو ایک بُراق بھی ساتھ تھا مگر کس نے آنحضرت کا چرٹھا اُترنا دیکھا اور نیز فرشتوں اور بُراق کو دیکھا؟ ظاہر ہے کہ مُنکر لوگ معراج کی رات میں نہ دیکھ سکے کہ فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر لے گئے اور نہ اُترتے دیکھ سکے۔ اس لیے انہوں نے شور مچا دیا کہ معراج جھوٹ ہے۔ اب یہ لوگ جو ایسے مسیح کے مُنتظر ہیں جو آسمان سے فرشتوں کے ساتھ اُترتا نظر آئے گا یہ کس قدر خلاف سنت اللہ ہے۔ سید الرسل تو آسمان پر چڑھتا یا اُترتا نظر نہ آیا تو کیا مسیح اُترتا نظر آجائے گا لعنة الله على الكذابين۔ کیا ابوبکر صدیقؓ نے سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع فرشتوں کے معراج کی رات میں آسمان پر چڑھتے یا اُترتے دیکھا؟ یا عمر فاروقؓ نے اس مُشاہدہ کا فخر حاصل کیا؟ یا علی المرتضیٰؓ نے اس نظارہ سے کچھ حصہ لیا؟ پھر تم کون اور تمہاری حیثیت کیا کہ مسیح موعود کو آسمان سے مع فرشتوں کے اُترتا دیکھو گے۔ خود قرآن ایسی روایت کا مکتب ہے۔

سوائے مسلمانوں کی نسل، ان خیالات سے باز آ جاؤ۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوئے اور کسوف و خسوف تم نے رمضان میں دیکھ لیا اور صدی میں سے بھی سترہ برس گذر گئے۔ کیا اب تک مفاسد موجودہ کی اصلاح کے لیے مجد و پیدائہ ہوا۔ خدا سے ڈرو اور ضد اور حسد سے باز آ جاؤ۔ اُس غیور سے ڈرو جس کا غضب کھا جانے والی آگ ہے۔ اور اگر بہر علی شاہ اپنی ضد سے باز نہیں آتے تو میں فیصلہ کے لیے ایک سہل طریقہ پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ قرآن شریف سے یہ ثابت ہے کہ جو لوگ درحقیقت خدا تعالیٰ کے راست باز بندے ہیں اُن کے ساتھ تین طور سے خدا کی تابید ہوتی ہے۔

۱۔ اُن میں اور اُن کے غیر میں ایک فرق یعنی مابہ الامتیاز رکھا جاتا ہے۔ اس لیے مقابلہ کے وقت بعض امور خارق عادت اُن سے صادر ہوتے ہیں جو حریف مقابل سے صادر نہیں ہو سکتے جیسا کہ آیت دَيَجْعَلُ لَكَ

مُؤْتَمِرًا۔ اس تحقیق سے ثابت ہے کہ اس علامت کا مُنتظر مہنا کہ جب مسیح موعود کا دعویٰ کرنے والا آسمان سے اُترتا نظر آئے گا تبھی ہم اُس کو قبول کریں گے سخت حماقت ہے۔ بلاشبہ ایسا مشابہہ محال ہے اور اگر جائز ہو تا تو ضرور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں چڑھتے اور اُترتے دکھائی دیتے۔ پس جو امر محال سے متعلق ہے وہ بھی محال اور باطل ہے۔ (منہ)

فَرَقَانَا اس کی شاہد ہے۔

۲۔ ان کو علم معارف قرآن دیا جاتا ہے اور غیر کو نہیں دیا جاتا جیسا کہ آیت لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ اس کی شاہد ہے۔

۳۔ ان کی دعائیں اکثر قبول ہو جاتی ہیں اور غیر کی اس قدر نہیں ہوتیں جیسا کہ آیت اُدْعُوْنِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ اس کی گواہ ہے۔ سو مناسب ہے کہ لاہور میں جو صدر مقام پنجاب ہے، صادق اور کاذب کے پرکھنے کے لیے ایک جلسہ قرار دیا جائے اور اس طرح پر مجھ سے مباحثہ کریں کہ قرمہ اندازی کے طور پر قرآن شریف کی کوئی سورت نکالیں اور اس میں سے چالیس آیت یا ساری سورت (اگر چالیس آیت سے زیادہ نہ ہو) لے کر فریقین یعنی یہ عاجز اور مہر علی شاہ صاحب اول تو یہ دُعا کریں کہ یا الہی ہم دونوں میں سے جو شخص تیرے نزدیک راستی پر ہے اُس کو تو اس جلسہ میں اس سورت کے حقائق اور معارف فصیح اور بلیغ عربی میں میں اس جلسہ میں لکھنے کے لیے اپنی طرف سے ایک رُوحانی قوت عطا فرما اور رُوح القدس سے اس کی مدد کر۔ اور جو شخص ہم دونوں فریق میں سے تیری مرضی کے مخالف اور تیرے نزدیک صادق نہیں ہے اُس سے یہ توفیق چھین لے اور اُس کی زبان کو فصیح عربی اور معارف قرآنی کے بیان سے روک لے تاکہ لوگ معلوم کر لیں کہ تو کس کے ساتھ ہے اور کون تیرے فضل اور تیری رُوح القدس کی تائید سے محروم ہے۔ پھر اس دُعا کے بعد فریقین عربی زبان میں اس تفسیر کو لکھنا شروع کریں۔ اور یہ ضروری شرط ہوگی کہ کسی فریق کے پاس کوئی کتاب موجود نہ ہو اور نہ کوئی مددگار اور ضروری ہوگا کہ ہر ایک فریق چھپکے چھپکے بغیر آواز سنانے کے اپنے ہاتھ سے لکھے تاکہ اس کی فصیح عبارت کے سننے سے دوسرے فریق کسی قسم کا اقتباس یا سرقت نہ کر سکے۔ اور اس تفسیر کے لکھنے کے لیے ہر ایک فریق کو پورے سات گھنٹے مُہلت دی جائے گی اور زانو بہ زانو لکھنا ہوگا نہ کسی پردہ میں۔ ہر ایک فریق کو اختیار ہوگا کہ اپنی تبتی کے لیے فریق ثانی کی تلاشی کر لے اس احتیاط سے کہ وہ پوشیدہ طور پر کسی کتاب سے مدد نہ لیتا ہو اور لکھنے کے لیے فریقین کو سات گھنٹہ کی مُہلت ملے گی مگر ایک ہی جلسہ میں اور ایک ہی دن میں اس تفسیر کو لکھوں گے

علا شہادت۔ پیر مہر علی شاہ اپنی کتاب شمس الہدایت کے صفحہ ۸۱ میں یہ لاف زنی کر چکے ہیں کہ قرآن شریف کی سمجھ ان کو عطا کی گئی ہے۔ اگر وہ اپنی کتاب میں اپنی جہالت کا اقرار کرتے اور فخر کا بھی دم نہ مارتے تو اس دعوت کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اب تو وہ ان دونوں کمالات کے مدعی ہو چکے ہیں۔

نذار دے کہے باتو نا گھنٹہ کار

ولیکن چوں گھنٹی دہلیش بسیار (منہ)

۴۔ یاد رہے کہ ہر ایک نبی یا رسول یا محدث جو نشان اتمامِ مَحْت کے لیے پیش کرتا ہے وہی نشان خُدا تعالیٰ کے نزدیک معیارِ صدق و کذب ہوتا ہے۔ اور مُنکرین کی اپنی درخواست کے نشان معیار نہیں ٹھہر سکتے۔ گو ممکن ہے کہ کسی شاذ و نادر کے طور پر ان میں سے بھی کوئی بات قبول کی جائے۔ کیونکہ خُدا تعالیٰ اُن ہی نشانوں کے ساتھ مَحْت پوری کرتا ہے جو خود بغرضِ تحدی پیش کرتا ہے۔ یہی سُنّت اللہ ہے۔ (منہ)

زور و ختم کرنا ہوگا اور جب فریقین لکھ چکیں تو وہ دونوں تفسیریں بعد دستخطین اہل علم کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب پر مہر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہوگا سنانی جائیں گی۔ اور ان ہر سہ مولوی صاحبان کا یہ کام ہوگا کہ وہ حلفا یہ رائے ظاہر کریں کہ ان دونوں تفسیروں اور دونوں عربی عبارتوں میں سے کون سی تفسیر اور عبارت تائید روح القدس سے لکھی گئی ہے۔ اور ضروری ہوگا کہ ان تینوں عالموں میں سے کوئی نہ اس عاجز کے سلسلہ میں داخل ہو، اور نہ مہر علی شاہ کا مرید ہو۔ اور مجھے منظور ہے کہ پر مہر علی شاہ اس شہادت کے لیے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالمجیب ارغز نوی اور مولوی عبداللہ پروفیسر لاہوری کو یا تین اور مولوی منتخب کریں، جو ان کے مرید اور پیرو نہ ہوں۔ مگر ضروری ہوگا کہ یہ تینوں مولوی صاحبان حلفاً اپنی رائے ظاہر کریں کہ کس کی تفسیر اور عربی عبارت اعلیٰ درجہ پر اور تائید الہی سے ہے۔ لیکن یہ حلف اس حلف سے مشابہ ہونی چاہیے جس کا ذکر قرآن میں قذفِ محسنات کے باب میں ہے۔ جس میں تین دفعہ قسم کھانی ضروری ہے اور دونوں فریق پر یہ واجب اور لازم ہوگا کہ ایسی تفسیر جس کا ذکر کیا گیا ہے کسی حالت میں سبیلِ ورق سے کم نہ ہو اور ورق سے مراد اس اوسط درجہ کی تقطیع اور قلم کا ورق ہوگا جس پر پنجاب اور ہندوستان کے صد ہا قرآن شریف کے نسخے چھپے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ پس اس طرز کے مباحثہ اور اس طرز کے تین مولویوں کی گواہی سے اگر ثابت ہو گیا کہ درحقیقت پر مہر علی شاہ صاحب تفسیر اور عربی نویسی میں تائید یافتہ لوگوں کی طرح ہیں اور مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا یا مجھ سے بھی ہو سکا مگر انہوں نے بھی میرے مقابلہ پر ایسا ہی کر دکھایا تو تمام دنیا گواہ رہے کہ میں اقرار کروں گا کہ حق پر مہر علی شاہ کے ساتھ ہے اور اس صورت میں میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اس دعویٰ کے متعلق ہیں جلاؤں گا اور اپنے تئیں معذور اور مردود سمجھ لوں گا۔ میری طرف سے یہی تحریر کانی ہے جس کو میں آج بہ ثبوت شہادت بیس گواہوں کے اس وقت لکھتا ہوں۔ لیکن اگر میرے خدانے اس مباحثہ میں مجھے غالب کر دیا اور مہر علی شاہ صاحب کی زبان بند ہو گئی، نہ وہ فصیح عربی پر قادر ہو سکے اور نہ وہ حائق و معارفِ سورہ قرآنی میں سے کچھ لکھ سکے، یا یہ کہ اس مباحثہ سے انہوں نے انکار کر دیا تو ان تمام صورتوں میں ان پر واجب ہوگا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں اور لازم ہوگا کہ یہ اقرار صاف صاف لفظوں میں بذریعہ اشتہار دس دن کے عرصہ میں شائع کر دیں۔

میں مکرر لکھتا ہوں کہ میرا غالب رہنا اسی صورت میں مقصور ہوگا جب کہ مہر علی شاہ صاحب بجز ایک ذلیل اور قابلِ شرم اور رکیک عبارت اور لغو تحریر کے کچھ بھی لکھ نہ سکیں اور ایسی تحریر کریں جس پر اہل علم تھوکیں اور نفرین کریں، کیونکہ میں نے خدانے سے یہی دعا کی ہے کہ وہ ایسا ہی کرے اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ اور اگر مہر علی شاہ صاحب بھی اپنے تئیں جانتے ہیں کہ وہ مومن اور مستجاب الدعوات ہیں تو وہ بھی ایسی دعا کریں اور یاد رہے کہ خدانے ان کی دعا ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ خدا کے مامور اور مرسل کے دشمن ہیں۔ اس لیے آسمان پر ان کی عزت نہیں۔

علامہ اشہاد۔ یہ اس شرط سے کہ مولوی محمد حسین وغیرہ اس دعوت سے گریز کر جائیں جو ضمیرہ اشتہار ہذا میں درج ہے۔ (منہ)
۶۔ کافی ہوگا جو بیس ورق کا اندازہ اس مشدہ آن کے ساتھ کیا جائے جو حال میں مولوی نذیر احمد خان صاحب دہلوی نے چھپوایا ہے۔ (منہ)

غرض یہ طریق فیصلہ ہے جس سے تینوں علامتیں مست ذکرہ بالا جو صادق کے لیے قرآن میں ہیں ثابت ہو جائیں گی۔ یعنی فی البدیہہ عربی نویسی سے جس کے لیے بجز ایک گھنٹہ کے سوچنے کے لیے موقع نہیں دیا جائے گا۔ فریق غالب کا وہ ماہ الامتیاز ثابت ہوگا جس کا نام فرقان ہے اور قرآنی معارف کے لکھنے سے وہ علامت متحقق ہو جائے گی جو آیت لَا یَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کا منشا ہے۔ اور دعا کے قبول ہونے سے جو پیش از مقابلہ فریقین کریں گے، فریق غالب کا حسب آیت اذْعُونِي اَنْتَجِبَ لَكُمْ، مومن مخلص ہونا پیارے ثبوت پہنچے گا۔ اور اس طرح پر یہ امت تفرقہ سے نجات پا جائے گی۔ چاہیے کہ اس اشتہار کے وصول کے بعد جس کو میں رجسٹری کرا کر بھجوں گا۔ مہر علی شاہ صاحب دس دن تک اپنی منظوری سے مجھے اطلاع دیں لیکن ضروری ہوگا کہ یہ اطلاع ایک پچھلے ہوئے اشتہار کے ذریعہ سے ہو، جس پر میرے اشتہار کی طرح بس معزز لوگوں کی گواہی ہو اور بحالت مغلوبیت اپنی بیعت کا اقرار بھی درج ہو۔

یاد رہے کہ مقام بحث بجز لاہور کے کہ جو مرکز پنجاب ہے اور کوئی نہ ہوگا اور ایک ہفتہ پہلے مجھے بذریعہ رجسٹری شدہ خط کے اطلاع دینا ہوگا تا اسی جگہ حاضر ہو جاؤں۔ اگر میں حاضر نہ ہوا تو اس صورت میں بھی میں کاذب سمجھا جاؤں گا۔ انتظام مکان جلسہ پر صاحب کے اختیار میں ہوگا۔ اگر ضرورت ہوگی تو بعض پولیس کے افسر بلا لیے جائیں گے۔ ہذا اما رانی بنی رب السموات العلی۔ فادعواک یا قترنی علی بصیرۃ من ربی ولعنة الله علی من تخلف منا اوابی۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ تعالوا الی کلمۃ سواہ بیننا و بینکم واتقوا الله الذی یسمع و یرئی۔

المشتر خاں سارمرا غلام احمد از قادیان۔ ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء

گواہ شہد

مولوی حکیم نور الدین صاحب۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہی۔ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ مولوی حکیم فضل الدین صاحب بھیروی۔ مرزا خدابخش صاحب صاحب نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ۔ حکیم شاہ نواز صاحب راولپنڈی۔ ماسٹر مولوی شیر علی صاحب بی۔ اے۔ بیڈ ماٹرن ہائی سکول تعلیم الاسلام قادیان۔ صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحب لدھیانوی۔ صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب جمالی نعمانی سراسوی اولاد چار قطب۔ میر ناصر نواب صاحب گورنمنٹ پشاور ڈپٹی حال قادیان۔ ماسٹر عبدالرحمن صاحب ایف۔ اے۔ سیکنڈ ماٹرن ہائی سکول قادیان۔ سید فضل شاہ صاحب ٹھیکیدار۔ مولوی غلام علی صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ضلع جلم۔ مولوی قطب دین صاحب کمپونڈر شفا خانہ قادیان۔ مولوی محمد فضل صاحب چنگوی۔ مولوی عبداللہ صاحب کشمیری۔ مولوی حافظ احمد اللہ خان صاحب مدرس ہائی سکول قادیان۔ مولوی قاضی سید امیر حسین صاحب مدرس۔ شیخ عبدالرحیم صاحب سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ قادیان

تأشہائے۔ دس دن تک پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے اشتہار کا شائع ہو جانا ضروری ہے۔ لیکن یہ لحاظ مہمہ اس اشتہار کے تمام شمار کی اطلاع کے لیے مقابلہ اشاعت اشتہار سے ٹھیک ٹھیک ایک مہینہ بعد ہوگا۔ (منہ)
۸۔ اگر پیر صاحب تجویز مکان سے دشمن ہوں تو پھر یہ تجویز میرے ذمہ ہوگی۔ (منہ)

نقلِ ضمیمہ اشتہارِ دعوت

اشتہارِ دعوت کے ساتھ ضمیمہ اشتہار، منقولہ ذیل شامل تھا۔

ضمیمہ اشتہارِ دعوت

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی

پیر مہر علی شاہ صاحب کے ہزار ہا مرید یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ علم میں اور حقائق و معارفِ دین میں اور علومِ ادبیہ میں اس ملک کے تمام مولویوں سے بڑھ کر ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے اس امتحان کے لیے پیر صاحب موصوف کو اختیار کیا ہے تاکہ ان کے مقابلہ سے خدا تعالیٰ کا وہ نشان ظاہر ہو جائے جو اس کے مرسلین اور مومنین کی ایک خاص علامت ہے لیکن ممکن ہے کہ اس ملک کے بعض علماءِ ناسخ کی شیخی سے یہ خیال کریں کہ ہم قرآن شریف کے جاننے اور زبانِ عربی کے علمِ ادب میں پیر صاحب موصوف پر فوقیت رکھتے ہیں۔ یا کسی آسمانی نشان کے ظاہر ہونے کے وقت یہ عُذر پیش کر دیں کہ پیر صاحب موصوف کا مغلوب ہونا ہم پر محبت نہیں ہے۔ اور اگر ہمیں اس مُقت بلکہ کے لیے بلایا جاتا تو ضرور ہم غالب آتے۔ اس لیے قرینِ مصلحت معلوم ہوا کہ ان تمام بزرگوں کو بھی اس مُقابلہ سے باہر نہ رکھا جائے اور خود ظاہر ہے کہ جس قدر مقابلہ کرنے والے کثرت سے میدان میں آئیں گے اسی قدر الہی نشان کی عظمت بڑی قوت اور سطوت سے ظہور میں آئے گی اور یہ ایک ایسا زبردست نشان ہوگا کہ آفتاب کی طرح چمکتا ہو نظر آئے گا اور ممکن ہے کہ اس سے بعض نیک دل مولویوں کو ہدایت ہو جائے اور وہ اس الہی طاقت کو دیکھ لیں جو اس عاجز کے شامل حال ہے۔ لہذا اس ضمیمہ کے ذریعہ سے پنجاب اور ہندوستان کے تمام ان مولویوں کو مدعو کیا جاتا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ علمِ تفسیرِ قرآن اور عربی کے علمِ ادب اور بلاغت فصاحت میں سرآمد روزگار ہیں مگر شرائطِ ذیل کی پابندی ضروری ہوگی۔

۱۔ اس مقابلہ کے لیے پیر مہر علی صاحب کی بہر حال شمولیت ضروری ہوگی کیونکہ خیال کیا گیا ہے کہ وہ علمِ عربی اور قرآنِ دانی میں ان تمام مولویوں سے بزرگ اور افضل ہیں۔ لہذا کسی دوسرے مولوی کو صرف اس حالت میں قبول کیا جائے گا۔ کہ جب پیر مہر علی شاہ صاحب اس دعوت کو قبول کر کے بذریعہ کسی چھپے ہوئے اشتہار کے شائع کر دیں کہ میں مقابلہ کے لیے تیار ہوں۔ یا مقابلہ کرنے والے علماء کی ایک ایسی جماعت پیش کریں جو چالیس سے کم نہ ہو۔ ہاں ضروری ہوگا کہ دوسرے مولوی صاحبوں کے لیے وقت اور گنجائش نکالنے کے لیے پیر صاحب موصوف مباحثہ کے لیے ایک مہینہ سے کم تاریخ مقرر نہ کریں۔ تا اس مدت تک باور کرنے کی وجہ پیدا ہو جائے کہ ان تمام مولویوں

حاشیہ ضمیمہ اشتہار :-

پیر مہر علی شاہ صاحب پر یہ فرض ہوگا کہ اگر وہ اپنے تئیں مرد میدان سمجھیں تو اشتہارِ ہذا کی اشاعت کی تاریخ سے یعنی اس روز سے جو بذریعہ رجسٹری اشتہارِ ہذا ان کو پہنچے، دس روز کے اندر اپنی تیاری مقابلہ اور قبولِ شرائط سے ہیں اور پبلک کو اطلاع دیں۔ (منہ)

کو پیر مہر علی شاہ صاحب کے اشتہار سے اطلاع ہو گئی ہے۔ پہلے میں نے ایک ہفتہ مقرر کیا تھا۔ مگر اب اس لحاظ سے اس قدر تھوڑی میعاد عام اطلاع کے لیے کافی نہیں۔ ہاں ضروری ہوگا کہ اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد پیر صاحب موصوف دس دن کے اندر اس دعوت کے قبول کے بارہ میں ایک عام اشتہار شائع کر دیں۔ اور بہتر ہوگا کہ پانچ ہزار کاپی چھپوا کر بذریعہ چند نامی مولوی صاحبان پنجاب و ہندوستان میں اس معرکہ مباحثہ کی عام شہرت دے دیں۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہوگی کہ مقام مباحثہ لاہور ہوگا جو صدر مقام پنجاب ہے اور تجویز مکان پیر صاحب کے ذمہ ہوگی لیکن اگر وہ اپنے اس اشتہار میں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، تجویز مکان اپنے ذمہ نہ لیں تو پھر یہ تجویز میرے ذمہ ہوگی اور کچھ خرچ نہیں تمام کرایہ مکان مباحثہ کا میں ہی دوں گا۔

۳۔ تیسری یہ شرط ہے کہ یہ بحث صرف دن میں ہی ختم ہو جائے گی۔ اور ہر ایک شخص متقابل کو سات گھنٹے تک لکھنے کی مہلت ملے گی۔

۴۔ چوتھی یہ شرط ہے کہ جس قدر اس مقابلہ کے لیے مولوی صاحبان حاضر ہوں گے ان کے لیے ہرگز جائز نہ ہوگا۔ کہ ایک دوسرے کو کسی قسم کی مدد کریں، نہ تحریر سے نہ تقریر سے نہ اشارات سے۔ بلکہ ضروری ہوگا کہ ہر ایک صاحب ایک مناسب فاصلہ پر ایک دوسرے سے دور ہو کر بیٹھیں اور ایک دوسرے کی تحریر کو نہ دیکھ سکیں اور جو شخص ایسی حرکت کرے وہ مکرمہ مقابلہ سے فی الفور نکال دیا جائے گا اور ضروری ہوگا کہ ہر ایک صاحب اپنے ہاتھ سے ہی لکھے۔ ہرگز جائز نہ ہوگا کہ آپ بولتا جائے اور دوسرا لکھتا جائے، کیونکہ اس صورت میں اقتباس اور استراق کا اندیشہ ہے۔

۵۔ ضروری ہوگا کہ ہر ایک صاحب جب اپنے مضمون کو تمام کر لیں جو کم سے کم حسب ہدایت اشتہار ہذا میں درج کا ہوگا۔ جس میں کوئی عبارت اردو کی نہیں ہوگی بلکہ خالص عربی ہوگی تو اس کے نیچے اپنے پورے دستخط کریں اور اسی وقت ایک ایک نقل اس کی مع دستخط اور نیز مع ایک تصدیقی عبارت جو بدیں مضمون ہو کہ نقل ہذا مطابق اصل ہے اس عاجز کے حوالہ کر دیں۔ اور یہ میرا بھی فرض ہوگا کہ میں بھی بعد اخذ تمام نقول کے ایک نقل اپنی تحریر کی بعد ثبت دستخط پیر مہر علی صاحب کو دے دوں۔ یہ میرے ذمہ نہیں ہوگا کہ ہر ایک صاحب کو ایک ایک نقل دوں۔ کیونکہ اس تھوڑے وقت میں ایسا ہونا غیر ممکن ہے کہ میں مثلاً پچاس مولویوں کے لیے پچاس نقلیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر دوں۔ ہاں ہر ایک مولوی صاحب کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے لیے ایک ایک نقل میرے مضمون کی پیر مہر علی شاہ صاحب سے لے کر خود لکھ لیں۔ مگر یہ اس وقت ہوگا جب اپنے مضمون کی نقل مجھے دے چکیں۔

۶۔ ہر ایک شخص اپنا اپنا مضمون بعد لکھنے کے آپ سناے گا یا اختیار ہوگا کہ جس کو وہ پسند کرے وہ سناوے۔ اگر سنانے کے لیے وقت کافی نہیں ہوگا تو جائز ہوگا کہ وہ مضمون دوسرے دن سنا دیا جائے۔ مگر یہ ضروری شرط

حاشیہ ضمیمہ اشتہار

۷۔ یہ میرا بھی فرض ہوگا کہ میں بھی اپنے ہاتھ سے لکھ کر دوں اور جائز ہوگا کہ میں اپنا فرض پورا ادا کر کے دوسروں کی نگرانی کے لیے کسی دوسرے کو مقرر کر دوں اور یہی اختیار مخالفین کو ہوگا۔ (منہ)

ہوگی کہ سنانے سے پہلے اسی دن اور اسی وقت جب کہ وہ بالمقابل تحریر ختم کر چکے ہوں ایک نقل بعد ثبوت دستخط مجھ کو دے دیں اور جائز نہ ہوگا کہ نقل دینے کے بعد اس مضمون پر کچھ زیادہ کریں یا اصلاح کریں۔ اور سہوہ نسیان کا کوئی عُذر سنا نہیں جائے گا اور اس شرط کا ہم میں سے ہر ایک پابند ہوگا۔

۸۔ تمام مضامین سنانے کے بعد تین مولوی صاحبان جن کو پیر مہر علی شاہ صاحب تجویز کریں گے۔ اُس قسم کے تین مرتبہ حلف کے ساتھ جو قذفِ محسنات کے بارے میں قرآن شریف میں مندرج ہے اپنی رائے ظاہر کریں گے۔ کہ کیا یہ تمام مولوی صاحبان مقابل میں غالب رہے یا مغلوب رہے اور وہ رائے منقطع ہو کر دُہی آخری فیصلہ ہمارا اور ہمارے اندر دنی مخالفوں کا قطعی طور پر قرار دیا جائے گا۔

۹۔ نویں شرط یہ ہے کہ اگر الٰہی رُعب کے نیچے آکر پیر مہر علی شاہ صاحب اس مُقابلہ سے ڈر جائیں اور دل میں اپنے تئیں کاذب اور ناحق پر سمجھ کر گریز اختیار کر لیں تو اُس صورت میں یہ جائز نہیں ہوگا کہ دوسرے مولویوں میں سے صرف ایک یا دو شخص مُقابلہ کا اِستہارہ دیں۔ کیونکہ ایسا مُقابلہ بے فائدہ اور محض تَضییعِ اوقات ہے۔ وجہ یہ کہ بعد میں دوسرے مولویوں کے لیے یہ عُذر بنا رہتا ہے کہ مُقابلہ کرنے والے کیا چیز اور کیا حقیقت تھے یا جاہل اور بے علم تھے۔ لہذا یہ ضروری شرط ہوگی کہ اس حالت میں جب کہ پیر مہر علی شاہ صاحب اپنے مُریدوں کو دریائے ندامت میں ڈال کر بھاگ جائیں اور اپنے لیے کنارہ کشتی کا داغ قبول کر لیں تو کم سے کم چالیس نامی مولویوں کا ہونا ضروری ہے جو میدان میں آنے کی درخواست کریں۔ اور ہمیں منظور ہے کہ وہ اُن میں سے ہوں جن کے نام ذیل میں لکھے جائیں گے یا اس درجہ کے اور مولوی صاحبان باہم مل کر اِستہارہ دیں کہ جو چالیس سے کم نہ ہوں اور اس صورت میں اُن سے بے پابندی شرائط مذکورہ بالا مُقابلہ کیا جائے گا۔

۱۰۔ اگر اِستہارہ ہذا کے شائع ہونے کی تاریخ سے جو ۲۲ جولائی سنہ ۱۹۰۷ء ہے۔ ایک ماہ تک نہ پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے اس میدان میں حاضر ہونے کے لیے کوئی اِستہارہ نکلا اور نہ دوسرے مولویوں کے چالیس کے مجمع نے کوئی اِستہارہ دیا تو اس صورت میں یہی سمجھا جائے گا کہ خُدا تعالیٰ نے اُن سب کے دلوں میں رُعب ڈال کر ایک آسمانی نشان ظاہر کیا۔ کیونکہ سب پر رُعب ڈال کر سب کی زبان بند کر دینا اور اُن کی تمام شیخیوں کو کچل ڈالنا، یہ کام بجز الٰہی طاقت کے کسی دوسرے سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وتلك عشرة كاملة من الاشرار التي ادنا ذکرها۔“

اب میں ذیل میں اُن حضرات مولوی صاحبان کے نام لکھتا ہوں جو اس مُقابلہ کے لیے بشرطِ شمولیت پیر مہر علی شاہ صاحب یا بشرطِ مجمع چالیس بلاتے گئے ہیں اور اگر ان کے سوا اہل پنجاب اور ہندوستان میں سے یا اُن عربوں میں سے جو زیل برٹش انڈیا ہوں۔ اس مُلک کے کسی گوشہ میں اور مولوی صاحبان موجود ہوں

حاشیہ ضمیمہ اِستہارہ

۱۱۔ اگر بعض مولوی صاحبان جو لاہور سے کسی قدر فاصلہ پر رہتے ہیں۔ یہ عُذر پیش کریں کہ ہم بوجہ ناداری لاہور پہنچ نہیں سکتے تو مناسب ہے کہ وہ بطور قرضہ انتظام کرایہ سفر کر کے لاہور پہنچ جائیں۔ اگر فحیاب ہو گئے تو میں کُل کرایہ آمدورفت اُن کا دے دوں گا۔ (منہ)

جو کتب ہوں تو وہ بھی اس اشہار میں ایسے ہی مذکور ہیں جیسے رنگ میں۔ اور حضراتِ موصوفین کے نام یہ ہیں۔۔۔
چھپاسی علماء کے اسماء کی فہرست

مولوی محمد صاحب لدھیانہ، مولوی عبدالعزیز صاحب برادر مولوی محمد لدھیانہ، مولوی محمد حسین رئیس لدھیانہ، مولوی
مشتاق احمد انیسٹوٹی مدرس لدھیانہ، مولوی شاہ دین مفتی لدھیانہ، مولوی معظم دین مردلہ والا۔ ڈاک خانہ کوٹ مومن ضلع شاہ پور،
مولوی عبد اللہ چکڑا لوی معرفت میاں محمد چٹوڑا لاہور، مولوی غلام حسین سیالکوٹ، مولوی محمد خلیل احمد انیسٹوٹی ضلع سہارن پور،
مولوی شاہ محمد حسین صابری محبت اللہی سنبھل مراد آباد، مولوی نذیر احمد خان دہلوی سابق ڈپٹی کلکٹر سرکار نظام حیدر آباد، مولوی
عبد اللطیف امرہ ہی مدرس اودھے پور، ہواڑ۔ راجپوتانہ، مولوی دلی محمد جالندھری ساکن تپارہ، قاضی عبدالقدوس چھاؤنی بنگلور،
مولوی شیخ عبداللہ ساکن چک عمر تحصیل کھاریاں ضلع گجرات، مولوی محمد حسین مفتی ساکن امرہ، محلہ ملانا۔ ضلع مراد آباد، یو۔ پی،
مولوی عبدالغفار مفتی ریاست گوالیار، مولوی عبداللہ محلہ کھڈہ کراچی، مولوی احمد حسن مدرس پانواڑی، امرہ۔ ضلع مراد آباد، مولوی
قاسم شاہ شیخی جمہد لاہور، محبت صاحب لکھنؤ، مولوی عنایت علی شیخی سامانہ، ریاست پٹیالہ، مولوی سکندر صاحب شہر
میٹور، مولوی لطف اللہ قاضی القضاۃ حیدر آباد، مولوی نذیر حسین انیسٹوٹی، سہارن پور، مولوی عبداللہ سجادہ نشین گڑھی پٹھانان،
ضلع راولپنڈی، مولوی محمد حسین موضع بھین تحصیل چکوال ضلع جہلم، مولوی شہداء اللہ امرتسری، مولوی کلیم اللہ مچھیانہ، گجرات،
مولوی محمد اسحاق اجرادری پٹیالہ، مولوی نذیر حسین دہلوی یاجس کوڈہ اپناوکیل بنائیں، مولوی تعلق حسین دہلوی، مولوی کریم اللہ
محلہ باڑہ، صدر بازار۔ دہلی، مولوی فضل دین گجرات، پنجاب، مولوی عبدالوہاب امام مسجد صدر دہلی، علماء زندہ لکھنؤ، جس عالم کو اپنا
دیکل بنائیں، مولوی منشی سلیمان ملازم ریاست پٹیالہ مؤلف فایت المرام، مولوی مسیح الزمان شاہجہان پور یادہاں کا جو عالم بھی ہو، مولوی
محمد صدیق دیوبندی حال مدرس پھر ایوں مراد آباد، مولوی محمد شفیع قصبہ رام پور ضلع سہارن پور، مولوی محمد شبلی نعمانی سابق پروفیسر علی گڑھ
کالج، مولوی دیدار علی مسجد دائرہ ریاست الور، شیخ خلیل الرحمن سرساوہ سہارن پور سجادہ نشین چار قطب ہانسوی، مولوی نظام الدین
قاضی مالیر کوٹہ، شیخ اللہ بخش تونسوی سنگھ مرچ جماعت علماء، مولوی عبداللہ ٹونکی پروفیسر، قاضی ظفر الدین پروفیسر، مولوی عبدالحکیم پروفیسر،
مولوی عبداللہ ساکن جلو خلیفہ پیر علی شاہ صاحب گولڑوی، مولوی غلام محمد چکوال ضلع جہلم، مولوی ابراہیم آ رہ، مولوی محمد حسین بٹالوی،
مولوی شیخ حسین عرب میانی بھوپال، مولوی اصغر علی پروفیسر حمایت اسلام لاہور، مولوی محمد بشیر بھوپال، مولوی عبدالمجیب امرتسر،
مولوی احمد اللہ امرتسر، مولوی رسل بابا امرتسر، مولوی عبدالحق مفتی تفسیر حقانی دہلی، مولوی عبدالحق امرتسر، مولوی عبدالواحد امرتسر،
مولوی مہناج الدین کوٹ، منشی الہی بخش ملہم بذریعہ الہام تفسیر لکھیں، مولوی احمد ساکن سکندر پور۔ ہزارہ، مولوی رشید احمد گنگوہی
ضلع سہارن پور، قاضی امیر عالم ساکن سکندر پور۔ ہزارہ، مولوی الطاف حسین عالی پانی پتی، مولوی ابوالخیر نقشبندی خانقاہ شریف حضرت
مرزا جانان خاص دہلی، مولوی احمد علی واعظ سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ سہارن پور حال مدرسہ اسلامیہ میرٹھ، ملا مانگی نوشہرہ پشاور،
مولوی عبدالمتان وزیر آبادی جس عالم بینا کو منتخب کریں، قاضی سلطان محمود آئی اوان گجرات، مولوی غلام محمد بگہ والا شاہی مسجد لاہور،
مولوی محمد ذکریا انجمن حمایت اسلام لاہور، مولوی غلام محمد ملازم انجمن نعمانیہ لاہور، مولوی غازی خان گولڑہ۔ راولپنڈی، مولوی غلام رسول
قطبال۔ گوجر خاں، مولوی مفتی غلام محی الدین۔ گڑھا۔ ڈاک خانہ ڈومیلی، مولوی عبدالسمع رام پوری حال ملازم شیخ الہی بخش رئیس میرٹھ،
مولوی محمود حسن مدرس اول مدرسہ دیوبند، مولوی احمد حسن کنج پوری صابری۔ جامعہ مسجد دہلی، مولوی احمد حسن ایڈیٹر اخبار شحہ ہند
میرٹھ، مولوی عبدالخالق جہان خیلان ضلع پشاور، مولوی عبدالرحمن چھوہروی ضلع ہزارہ، مولوی فقیر محمد عزیز ترنواہ ضلع ہزارہ،

شیخ نظام الدین سجادہ نشین شاہ نیاز صاحب خاص بریلی۔

المشتر

خاکسار

مرزا غلام احمد از قادیان ۲۰۔ جولائی ۱۹۰۹ء

مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان (یہ اشتہار ۲۰ × ۲۶ کے ۱۴ صفحات پر ہے)
مؤلف :- مندرجہ بالا فرست میں برصغیر پاک و ہند کے اُس وقت کے قریباً تمام مشہور بزرگان دین
اور علمائے کرام کے اسماء گرامی آگئے ہیں جو بقید حیات تھے۔ اور جب یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
اپنے دین برحق کی مدافعت اور خدمت کے لیے ان تمام بزرگان و اکابرین اسلام میں سے صرف حضرت
قبلہ عالم قدس سرہ ہی کو منتخب فرما کر سب کی طرف سے شرف نمائندگی بخشا تو بے ساختہ زبان سے نکلتا

ہے۔ اِس سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

نقلِ اشتہارِ جوابِ دعوت

گوڑہ شریف میں مرزا صاحب کا یہ اشتہارِ دعوت ۲۵ جولائی ۱۹۰۹ء کو موصول ہوا۔ اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ
نے اُسی روز منقولہ ذیل اشتہارِ جوابِ دعوت مع ضمیمہ مطبع اخبار چودھویں صدی تراولپنڈی میں بھجوا کر اگلے ہی روز ملک میں
شائع کروادیا۔ مرزا صاحب کی خواہش کے مطابق پانچ ہزار کاپیاں چھپوائی گئیں ان میں سے مرزا صاحب کو بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ
اور علمائے کرام مندرجہ اشتہارِ دعوت کو اور پنجاب و ہندوستان، صوبہ سرحد اور افغانستان کے بہت سے دیگر علماء و فضلاء
کو بھی، دستی اور بذریعہ ڈاک روانہ کر دی گئیں۔ تمام ملک کے اخبارات میں بھی اس دعوتِ مناظرہ اور جوابِ دعوت کی
اطلاعات نشر کر دی گئیں۔ جس سے ہر جگہ خاصی دلچسپی پیدا ہو گئی۔

حضرت مولینا پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ کا جوابِ دعوت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَمْ
یَنْبِیْ بَعْدَهُ وَآلِهِ وَعَدَّتْہِ۔

اما بعد۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اشتہار مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۹ء آج اس نیاز مند علمائے
کرام و مشائخِ عظام کی نظر سے گزرا۔ مجھ کو دعوتِ حاضری جلسہ منعقدہ لاہور مع شرائطِ مجوزہ مرزا صاحب سبروٹیم
منظور ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ مرزا صاحب بھی میری ایک ہی گزارش کو بہ سلکِ شرائطِ مجوزہ مسلک فرمائیں گے۔
وہ یہ ہے کہ مدعی مسیحیت و مہدویت و رسالت لسانی تقریر سے بشافہ حصارِ جلسہ اپنے دعویٰ کو سببِ اثبات
پہنچادیں۔ بجواب اُس کے نیاز مند کی معروضات عدیہ کو حضراتِ حاضرین خیال فرما کر اپنی رائے ظاہر
فرمائیں گے۔ مجھ کو شہادت و رائے تینوں علمائے کرام مجوزہ مرزا صاحب (یعنی مولوی محمد حسین صاحب ٹالوی

مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی و مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی پروفیسر لاہوری کے قبول کرنے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ بعد ظہور اس کے کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو بے پائیہ ثبوت نہیں پہنچا سکے، مرزا صاحب کو بعیت توبہ کرنی ہوگی۔

بعد اس کے عقاید معدودہ مرزا صاحب میں جن میں جناب ساری اُمت میں منفرد ہیں بخت تقریری و اظہار رائے ہو کر، مرزا صاحب کو اجازت مقابلہ تحریری کی دی جائے گی۔ یہ وہ شرط ہے کہ جناب کے دعویٰ اور تحقیق حق کے لیے عند العطاء مقتضی بالبطع ہے۔

ظاہر ہے کہ تیز نویسی اور قافیہ سنجی کو بعد بطلان مضامین کے کچھ بھی وقعت اور عظمت نہیں۔ حقیقت مضامین کا محفوظ رہنا عیار ان صداقت کے لیے نہایت مہتمم بالشان ہے۔ اظہار حقیقت بغیر اس طریق کے متصور ہی نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کے حقائق و معارف قرآنیہ سے تو ان کی تصانیف بھری ہوئی ہیں۔ اور وہی جناب کے دعویٰ کو عدم حقیقت کی وجہ سے وجہ لگا رہے ہیں۔ علمائے کرام کی تحریرات اور اہل دیانت و فہم کامل کی تقریرات اس پر شاہد ہیں۔ تیز نویسی چونکہ بروز بیسوی و بروز محمدی سے بالکل اجنبی اور بر طرف ہے لہذا اس کو مؤخر رکھا جائے گا۔ اس شرط کی منظوری سے مع تاریخ مقررہ کے مشرف فرمادیں۔ نہایت ممنون ہو کر حاضر ہو جاؤں گا۔ قانونِ فطرت اور کرات و مرآت کا تجربہ مع شہادت (وَلَنْ نَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا) کے پیش گوئی کر رہا ہے کہ آپ کو عین وقتِ بحث میں الہام سکونی ہو جاوے گا۔ آپ فرمائیں اس کا کیا علاج ہوگا۔

اپنے اشتہار میں اس الہام ضروری الوقوع کا مستثنیٰ نہ فرمانا صاف شہادت دے رہا ہے۔ کہ ایسے الہامات عنذیہ اور اپنے اختیاری ہیں ورنہ در صورتِ منجانب اللہ ہونے کے کیونکر زیرِ لحاظ نہ ہوں اور مستثنیٰ نہ کیے جاویں۔ یہ بھی مانا کہ منجانب اللہ ہیں تو پھر ان پر تعمیل واجب ہوگی۔ مشائخِ عظام اور علمائے کرام کو تشریف آوری سے بغیر از توضع اوقات و تکلیف بحث کیا حاصل ہوگا۔ لہذا عرض کرتا ہوں کہ شرق سے غرب تک ان بزرگواروں کو آپ کیوں تکلیف محض دیتے ہیں۔ فقط یہ ایک ہی نیاز مند ان کا حاضر ہو جائے گا۔ بشرطِ معروض الصدر نام منظوری شرط مذکور یا غیر حاضری جناب کی دلیل ہوگی آپ کے کاذب ہونے پر۔ آپ فرماتے ہیں کہ شمس الہدایت کے صفحہ ۸۱ میں نیاز مند نے علم اور فقر میں لاف زنی کی ہے۔ ناظرین صفحہ مذکور کے ملاحظہ فرمانے کے بعد انصاف فرما سکتے ہیں کہ آیا لاف زنی ہے اپنے بارہ میں یا تہذیب ہے بمقابلہ مہارت مثلاً اجماع کو رانہ "ضرب نادان"۔ "بے شرم"۔ "بے حیا"۔ "علمائے یہود" وغیرہ جو آپ نے اپنی کتب "ازالہ"۔ "ایام الصلح" میں دربارہٴ علماء سلف و خلف شکر اللہ سعیم کے دیانت اور تہذیب سے لکھا ہے اور تقریر فی فہم القرآن کا دعویٰ کیا ہے۔

آپ اس اشتہار کے صفحہ ۳ کے آخر میں باریک قلم سے لکھتے ہیں اگر وہ اپنی کتاب میں جہالت کا اقرار کرتے اور فقر کا بھی دم نہ مارتے تو اس دعوت کی کچھ ضرورت نہیں تھی الخ۔

لاف زنی کی کیفیت تو ناظرین کو ملاحظہ مذکورہ سے معلوم ہو جائے گی۔ بھلا آپ یہ تو فرمائیے کہ جب

آپ اپنی دعوت میں مامورین اللہ ہیں تو پھر لاف زنی پر اس دعوت کی بسا ٹھہرائی قول بالمتناقضین نہیں تو کیا ہے۔

مرزا صاحب، نیاز مند کو مع علمائے کرام کے کسی قسم کا عناد یا حسد جناب کے ساتھ نہیں مگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باعث انکار ہے۔ انصاف فرمادیں مثل مشہور کا مصداق نہ بنیں۔ (نالے چورتے نالے چیرے)۔ ظاہر تو عشق محمدی اور قرآن کریم سے دم مارنا اور درپردہ کیا بلکہ علانیہ تحریف کتاب و سنت کرنی اور پھر اس کمال پر کتفی نہ رہنا بلکہ اوروں کو بھی اس کمال کے ساتھ ایمان لانے کی تکلیف دینا۔ بھلا پھر علمائے خاموش بیٹھے رہیں۔ آپ اپنے اشتہار میں جو کچھ بہت زور و شور سے ارشاد فرما چکے ہیں۔ اگر بہ لحاظ اس کے کچھ لکھا بھی جاوے تو داخل گستاخی اور موردِ عتاب اہل تہذیب نہیں ہو سکتا مگر تاہم لوگوں کی ہنسی سے شرم آتی ہے۔ اس سے زیادہ آپ کے اوقات گرامی کی تضحیح نہیں کرتا ہوں۔

والتلا من علی من اتبع الهدی وامن بخاتمیة افضل الاولین والآخرین سیدنا ابی القاسم محمد المصطفیٰ وصدق بما جاء به من عند رب الارضین والسموت العلوی ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطانا واصل وسلو ببارک وادم علی من اریتہ الایات الكبرى صلوة تستجیب بہاد عاٹنا و تزکی بہا نفوسنا و تحیی بہا قلوبنا و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

العبد الملتجی الی اللہ

مہر علی شاہ از گولڑہ

۲۵۔ جولائی ۱۹۰۰ء

نوٹ۔ حسب الطلب یہ اشتہار بذریعہ رجسٹری ابلاغ ہے اور میں بروئے اختیار اشتہار دعوت ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء بمقام لاہور مقرر کرتا ہوں۔ براہ مہربانی اب آپ تاریخ مقررہ پر تشریف لے آویں۔

گواہ شہدند

محمد غازی۔ مولوی حضرت میر معتمد صاحبزادگان خان ملاخان صاحب رئیس کابل۔ قاضی محمد زمان ساکن پنڈی۔
مولوی محمد۔ مولوی عبد اللہ ساکن جٹو۔ مولوی ہدایت اللہ۔ مولوی احمد دین ساکن بھوتی۔ مولوی محمد یوسف
ساکن بھوتی۔ مولوی غلام ربانی ساکن بھوتی۔ مولوی سید حسن مدرس اول مدرسہ اسلامیہ پنڈی۔ مولوی
محمد اسماعیل گولڑہ۔ مولوی عبد اللہ شاہ ساکن گڑھی افغاناں۔ مولوی میر حمزہ ساکن بھوتی۔ مولوی محمد عثمان
ساکن گولڑہ۔ مولوی فضل احمد ساکن سواں۔ مولوی منہاج الدین ساکن کوٹ نجیب اللہ۔ مولوی عبد المجید ساکن
کوٹ نجیب اللہ۔ مولوی محبوب عالم ساکن گولڑہ۔ قاضی نواب ساکن کوٹ۔ مولوی بدر دین پوٹھواری

نقل ضمیمہ اشتہارِ جوابِ دعوت

ضمیمہ اشتہارِ جوابِ دعوت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اشتہار مورخہ ۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء مشہرہ ۲۲۔ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء جو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرفہ کے پاس بذریعہ رجسٹری آج پہنچا ہے۔ اور جس میں وہ پیر صاحب کو مدعو کرتے ہیں کہ پیر صاحب اُن سے بشر الطّٰیذیل (جن کو وہ خود ہی تجویز کرتے ہیں۔ اور جن کو میں مختصراً ذیل میں لغرض سہولیت منہم درج کرتا ہوں) مباحثہ کریں۔ مضمون مباحثہ قرآن کریم کی کوئی سورت یا کسی سورت کی چالیس آیتوں کی تفسیر ہوگا اور سورت بذریعہ فال یا قرعہ اندازی انتخاب کی جائے گی۔

۱۔ پیر صاحب دس روز کے اندر تاریخ رسیدگی اشتہارِ دعوت مرزا صاحب سے بذریعہ اشتہار مطبوعہ جس کی پانچ ہزار کاپیاں ہوں کل علمائے ہندوستان کو جن کے نام وہ آخر درخواست میں درج کرتے ہیں مطلع کر دیں۔ جلسہ میں پیر صاحب کی شمولیت ضروری ہوگی۔ اگر پیر صاحب بذریعہ اشتہار قبولِ دعوت کریں، یا چالیس اور علماء کی جماعت درخواست بذریعہ اشتہار کرے تو مرزا صاحب مباحثہ کریں گے۔

۲۔ مباحثہ بمقام لاہور ہوگا۔ مکان کی تجویز اور اہتمام پیر صاحب کے ذمہ ہوگا۔ بصورتِ انکار پیر صاحب، مرزا صاحب خود انتظام کریں گے۔

۳۔ بحث ایک ہی روز میں ختم ہو جائے گی۔ اور ہر ایک شخص کو بالمقابل لکھنے کے لیے سات گھنٹہ تک

حاشیہ ضمیمہ اشتہار :-

۱۔ اصل میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا منشاء یہ ہے کہ اشتہارِ دعوت بھی مشہر ہو جائے اور معاملہ بھی وقوع میں نہ آوے۔ اس لیے ایسے علماء اور سجادہ نشین درج فرست کر دیئے ہیں جو بعض تو بوجہ علاقہ متعدہ اپنا مکان نہیں چھوڑ سکتے اور بعض ملازم ہیں۔ بعض اس قدر بُعد مسافت اور کثرتِ اخراجات کی وجہ سے سخت متامل ہوں گے۔ مگر بہر حال جو ہوسو ہونہرست میں تو تعدادِ علماء صرف ۸۶ کس ہے، معلوم نہیں پانچ ہزار کاپی کیوں مطلوب ہوئی۔ بہر حال اُن صاحبان کو کاپیاں پہنچائی جاویں گی۔ علاوہ برآں سبک کو بھی بذریعہ اشتہار مطلع کیا جائے گا۔ مہربانی کر کے آپ بھی اپنے اشتہار مطبوعہ ۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء کی نقول اُن صاحبان کو پہنچادیں تاکہ اس بالمقابل درخواست کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

۲۔ حضرت آپ خود ہی انتظام کریں۔ آپ کے لیے لاہور میں اہتمام کرنا بڑا آسان ہوگا۔ آپ لاہور سے قریب ہیں۔ آپ کے معتقدین بھی وہاں بہت ہیں۔ کرایہ ہم ادا کر دیں گے۔

۳ ہمت ملے گی۔

۴ (۴) اس مقابلہ کے لیے مولوی صاحبان جو حاضر ہوں گے ان کو جائز نہ ہوگا کہ وہ ایک دوسرے مباحث کو اشاراً سے یا تحریر و تقریر سے کسی طرح کی امداد دیوں بصورتِ انحراف شرط وہ کرہ سے نکال دیے جاویں گے۔

۵ (۵) ضروری ہوگا کہ ہر ایک شخص کم از کم بیس ورق لکھے اور اس میں کل عبارت عربی ہو، اردو بالکل نہ ہو اور بعد اختتام مضمون ایک ایک نقل مطابق اصل بہ ثبت دستخط کامل فریق تحریر کنندہ کے دوسرے فریق کو دی جاوے گی۔

(۶) بعد از تحریر ہر ایک شخص اپنا مضمون خواہ خود خواہ مختاراً جلسہ عام میں سناوے گا۔

(۷) بعد ازاں کسی شخص کو اختیار نہ ہوگا کہ اس مضمون میں کوئی ترمیم، اصلاح یا کمی بیشی کرے۔ نسیان کا عذر بھی مسموع نہ ہوگا۔

(۸) بعد ازاں مولوی صاحبان کو جن کو پیر صاحب تجویز کریں گے (مگر اب تو اس کی ضرورت ہی نہ رہی کیونکہ مرزا صاحب نے خود تین عالم یعنی مولوی محمد حسین ثالوی، مولوی عبدالجبار اور مولوی عبداللہ پروفیسر لاہوری تجویز کر دیئے ہیں) ان تحریرات پر رائے زنی کریں گے اور ان کو تین مرتبہ کی حلف قذف محتاط کے ساتھ دے کر

حاشیہ ضمیمہ اشہار

۳ مگر حضرت، نقل مطابق اصل کا زمانہ بھی محسوس کر لیں۔ کم از کم ۵ گھنٹے اس میں بھی صرف ہوں گے آپ تو اس روز کی نماز بخشو الیں گے یا ایک ہی وقت جمع کر لیں گے۔ پیر صاحب تو اُمت محمدی کے ایک فرد ہیں۔ ان پر اور باقی علماء پر نماز موقت فرض ہے اور دیگر حوائج ضروریہ بھی ہیں۔ ان کے واسطے وقت نکال لیجئے گا۔

۴ یہ کیا، آپ تو فرماتے ہیں کہ آپ الہی طاقت سے یہ مقابلہ یا مباحثہ (جو کچھ نام آپ رکھیں) کرتے ہیں یہ ایسی قید آپ کیوں لگاتے ہیں! الہی زور تو دنیاوی لوگوں سے مغلوب نہیں ہو کرتا، خواہ کتنی ہی تعداد مقابلہ میں آجائے۔ **وَادْعُوا الشُّهَدَاءَ كَمَا دُعُوا مِنَ اللَّهِ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ**۔ جہلا یہ تو فرمادیجئے گا کہ اس قدر کثیر جماعت علماء کی جمع ہو کر کیا کرے گی۔ صبح سے شام تک بے آب و دانہ بیٹھ کر دو مٹیوں کو یہ دیکھتی رہے گی کہ کس کا قلم زور سے چلتا ہے اور وہ کون سی دلچسپی ہے جس کے واسطے اور کون سا اور اہم علم ہے جس کی شہادت کے لیے آپ اس قدر علماء کو بصورتِ حاضری پیر صاحب طلب کرتے ہیں اور ایسی ہی بندش بکار ہے تو دو پولیس کنسٹیبل بلوائیجئے گا۔ وہ آپ دونوں کے سروں پر پہرہ دیں گے اور بعد میں جب مضامین طبع ہو کر علماء کو بل جاویں تو وہ فیصلہ کر دیں گے حلف تین چھوڑ دس دے لینا۔

۵ اس میں تو شک نہیں کہ آپ ضرور بیس ورق پورے کر لیں گے۔ اگر نفس مضمون نصف اوراق پر ختم ہو جائے گا تو باقی ورق آپ علماء، صلحاء، انبیاء اور فریق مخالف کو گالیاں دے کر بھی پورے کر لیں گے۔ مگر حضرت ایک چوک تو ہو گئی کہ ورق کی تعطیع اور قلم کی موٹائی اور در آوردگی اور کشادگی خط کا آپ نے ذکر نہیں کیا۔

دریافت کیا جاوے گا کہ کون سا مضمون تائیدِ روح القدس سے لکھا گیا ہے اور وہ رائے قطعی ہوگی جو طبع کر اگر تقسیم بھی کی جاوے گی۔

(۹) اگر الہی رُعب کے نیچے آکر پیر صاحب اس مقابلہ سے ڈر جاویں اور گریز اختیار کریں یا دس روز تک بذریعہ اشتہار مطبوعہ دعوت کی منظوری کا اعلان نہ کریں تو اس صورت میں جائز نہ ہوگا کہ دوسرے مولوی صاحبان میں سے ایک یا دو شخص مقابلہ کا اشتہار دیں۔ کیونکہ ایسا مقابلہ تَضیعِ اوقات ہے۔ کیونکہ کم از کم چالیس نامی علماء اُس فہرست میں سے جو مرزا صاحب نے اپنے اشتہار میں دی ہے یا اور علماء کی ایسی جماعت جو مرزا صاحب کی کذب ہے اور مرزا صاحب اُن سے بے علم ہیں، درخواست کریں تو مرزا صاحب بحث کریں گے۔

(۱۰) اگر مرزا صاحب کے اشتہار کی تاریخ شروع سے جو ۲۳ جولائی ۱۹۰۷ء ہے ایک ماہ تک بغرض مقابلہ مرزا صاحب مذکور، پیر صاحب کی طرف سے اشتہار نہ نکلے اور نہ دوسرے مولوی صاحبان کے پمپیشن اشخاص کے جمع سے تو اس صورت میں سمجھا جاوے گا کہ آسمانی نشان نے اُن کی شیخیوں کو کھل ڈالا۔ یہ کام بجز الہی طاقت کے کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتا ہے۔ و تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ۔ اس میں اُن علماء کو جنہیں مذکور کیا گیا ہے یہ وعدہ بھی دیا گیا ہے کہ جو صاحب بوجہ ناداری نہ آسکیں وہ قرضہ لے کر آجائیں اور اگر اُن کا فریق کامیاب ہو گیا۔ تو مرزا صاحب اُن کے مصارف ادا کر دیں گے۔ اس مباحثہ میں تین طور پر حُجُود اُن کی تائید کرے گا۔

(i) بطور خرقِ عادت ایک یا چند امور مابہ الامتیاز جو مرزا صاحب میں پیدا ہو جائیں گے اور اُن کے مقابل میں نہیں ہوں گے۔

(ii) مرزا صاحب کو خاص طور پر اُن آیاتِ قرآنی کے معارف و حقائق و دقائق کا علم دیا جائے گا مگر غیر کو نہیں۔

(iii) اُس کی دُعا اُس وقت قبول ہوگی اور اُس کے غیر کی نہیں۔

حضرت مرزا صاحب، یہ اشتہار تو کجا بوجہ اشتہار کجا تاختم کا مضمون ہے۔ کیا آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ آپ بڑے کاتب، ہنسی اور بڑے فصیح و بلیغ عربی نویس ہیں یا آنکہ مجدد و مہدی و مسیح و مثیلِ محمد۔

آپ اپنا دعویٰ ثابت کریں۔ یہ لیت کیا سوچ گئی ہے۔ آپ ذہوروزین ہیں، ایک نصف جسم آپ کا تو مثیلِ مسیح ہے، دوسرا نصف مثیلِ محمد۔ وہ ہر دو انبیاء علیہما السلام اُمی تھے، لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے، الامقرتہ تھے۔ آپ مباحثہ تقریری کریں اور اُن کی سنت پر چلیں۔ ہم نے مانا کہ آپ چھاپہ خانہ کی مشین ہیں۔ پراس سے کیا ہوتا ہے۔ خاک پتھر۔ باقی رہی معارف و حقائق قرآنی کی تفسیر، تو وہ حضرت سلامت ۱۸-۱۹ سال سے سُننے سُننے ہمارے کلبے و کان پک گئے۔ جن حقائق و معارف کو اب آپ بذریعہ الہام تفسیر فرمائیں گے وہ تو یہی یا اسی طرح کے ہی ہوں گے :- یعنی

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورہ الزلزال کے معنی غلط سمجھے (ازالہ صفحہ ۱۲۸ پر مرزا صاحب لکھتے

ہیں کہ ہمارے علمائے جو ظاہری اس سورت کی یہ تفسیر کی ہے کہ زمین کو آخری ایام میں سخت زلزلہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور وہ ایسا زلزلہ ہوگا کہ تمام زمین اُس سے زیر و زبر ہو جائے گی۔ اور جو چیزیں اس میں ہیں وہ سب باہر آجائیں گی۔ اور انسان یعنی کافر لوگ زمین سے پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا ہے تو وہ اُس روز باتیں کرتے ہوئے اپنا حال بتائے گی۔ یہ معنی اور تفسیر سر اسر غلط ہے۔“

حالانکہ یہ معنی وہ ہیں جو افقہ الناس ابن عباسؓ نے آنحضرتؐ سے کیے ہیں اور ابن کثیر۔ در مشورہ وغیرہ تصنیفات علامہ سیوطیؒ میں یہی درج ہیں)

(۲) قرآن خدا کی کتاب اور میرے مُنہ کی باتیں ہیں (دیکھئے لیکھرام کی موت کی نسبت اشتہار ۱۵ مارچ ۱۸۹۷ء صفحہ ۳ کالم ۲ سطر ۳۳-۳۴)

(۳) فرشتے نفوسِ فلکیہ و ارواحِ کواکب کا نام ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ سیارات کی تاثیر سے ہوتا ہے (توضیح مرام صفحہ ۳۳-۳۴-۳۸ تا ۴۰ و ۶۷)

(۴) جبرائیل کبھی زمین پر نہیں آئے نہ آتے ہیں (توضیح مرام ملخصاً صفحہ ۶۸-۷۰-۸۵)

(۵) انبیاء علیہم السلام جھوٹے ہوتے ہیں (ازالۃ الادہام صفحہ ۶۲۸-۶۲۹)

(۶) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی وحی غلط نکلی (ازالۃ الادہام صفحہ ۶۸۸-۶۸۹)

(۷) حضرت رسول اکرمؐ کو ابن مریمؑ، دجال، خرد جبال اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض کی وحی نے خبر نہیں دی (ازالۃ الادہام صفحہ ۶۹۱)

(۸) خرد جبال ریل گاڑی ہے۔ دابۃ الارض علمائے ہوں گے اور دجال پادری صاحبان وغیرہ وغیرہ (ازالۃ الادہام صفحہ ۴۹۵-۴۹۶، و رسالہ انجام آتھم)

(۹) حضرت مسیح علیہ السلام ہمزیم میں مشق کرتے اور کمال رکھتے تھے (ازالۃ الادہام صفحہ ۳۰۸)

(۱۰) حضرت مسیح علیہ السلام یوسف نجا کے بیٹے تھے (ازالۃ الادہام صفحہ ۳۰۳)

(۱۱) ”براہین احمدیہ“ خدا کا کلام ہے (ازالۃ الادہام صفحہ ۵۳۳)

(۱۲) قرآن شریف میں جو معجزے ہیں وہ ہمزیم ہیں (ازالۃ الادہام صفحہ ۷۲۸ تا ۷۳۳)

(۱۳) قرآن شریف میں اتنا انزلنا کہ قریباً من القادیان موجود ہے (ازالۃ الادہام صفحہ ۷۶-۷۷)

(۱۴) مکہ، مدینہ، قادیان تین شہروں کا نام قرآن شریف میں اعزاز کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ (ازالۃ الادہام صفحہ ۷۶ و ۷۷)

(۱۵) بیت العنکرواق قادیان (وہ چوبارہ جس میں بیٹھ کر مرزا صاحب کتابت کرتے ہیں) مثل حرم کعبہ ہے۔ ومن دخلہ کان اماناً (براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۸)

(۱۶) آیت سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ كَمَا مَعْنَى اور اصلی طور پر صدق وہ مسجد ہے جو مرزا صاحب کے والد نے بنائی اور مرزا صاحب نے اُس میں توسیع کی۔ (اشتہار منارۃ المسیح)

(۱۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پانچکے ہیں دوبارہ دنیا میں نہیں آویں گے۔ (حاجتِ حوالہ نہیں)
 (۱۸) حضرت رسول اکرمؐ، خاتم النبیین والمرسلین نہیں ہیں (ازالۃ الاوهام صفحہ ۴۲۱ و ۴۲۲ و اشتہار
 معیار الاخیار)

(۱۹) قیامت نہیں ہوگی یقیناً کوئی چیز نہیں ہے (صفحہ دوم ٹائٹل پیج ازالۃ الاوهام)
 (۲۰) حضرت مہدیؑ نہیں آویں گے۔ (ازالۃ الاوهام ۵۱۸ و اشتہارات حال جن کلام مہدی
 الاعیسیٰ کی حدیث پر استدلال ہے)

(۲۱) آفتاب مغرب سے نہیں نکلے گا۔ (ازالۃ الاوهام صفحہ ۵۱۵)

(۲۲) عذابِ قبر نہیں ہے۔ (ازالۃ الاوهام صفحہ ۴۱۵)

(۲۳) تاسخ صحیح ہے۔ (ست پکن صفحہ ۸۴)

(۲۴) قرآن مجید میں گالیاں بھری ہوئی ہیں۔ (ازالۃ الاوهام صفحہ ۲۵-۲۶)

(شاید اسی عقیدہ پر عمل کر کے مرزا صاحب بھی ہر ایک شخص مخالف کو اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کو
 ہزار ہزار بے نقط سناتے ہیں۔ مگر حضرت، آیت شریف۔ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا اور دیگر آیات
 قرآنی اور آپ کے اپنے الہامات ذاتی و تملطف بالناس و ترحم علیہم یاد اؤد
 عامل بالناس رفقا و احسانا وغیرہ اُردو الہامات ہم مضمون کو شاید بھول جاتے ہیں۔ آپ
 کی بدزبانی تو توار سے زیادہ کام کرتی ہے۔ شاید ان گالیوں میں بھی فصاحت پیدا کی گئی ہے)
 مگر ان تمام امور سے قطع نظر کہ کے بدیں خیال کہ آپ بیٹھے بٹھائے گھر میں سے اشتہار لکھ ماریں گے اور
 فضول ڈینگ ہانکیں گے اور عوام بھی سمجھیں گے کہ دعوتِ مباحثہ کو قبول نہ کرنا ظاہر آپ پر صاحب کے خلاف
 ہے۔ پیر صاحب حاضر ہیں اور آپ کی سب شرائط جن کے آپ خود ہی مجوز ہیں اور خود ہی منصف منظور کرتے
 ہیں۔ اشتہار دینا اور مشہر کرنا ہمارا کام ہے۔ مگر یہ ذمہ نہیں ہے کہ وہ لوگ جمع بھی ہو جائیں گے الا اس حالت
 میں کہ آپ ان کی دستگیری کریں۔ البتہ لاہور! امرت سر اور بعض دیگر مقامات کے علماء کو ہم بھی ضرور جمع کر لیں گے
 مگر شرط یہ ہے کہ

قبل از بحث تحریری مذکورہ مجوزہ مرزا صاحب ایک بحث تقریری دعویٰ مسیحیت و مہدویت وغیرہ عقائد
 مرزا صاحب پر جو تعداد میں تخمیناً ۱۳۶ کے قریب ہیں۔ اور ان کی الہامی کتب میں مسند درج ہیں بلایندی
 امور ذیل ہو جائے :-

(الف) تعیین و تقریر سوالات حضرت پیر صاحب کا منصب ہوگا۔ کیونکہ ہم لوگ آپ کے دعاوی کے منکر ہیں اور
 آپ مدعی۔ اور ان دعاوی کا اثبات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے مرزا صاحب کریں گے۔
 مگر واضح رہے کہ اناجیل اربعہ جو مخالف مضامین قرآن شریف ہوں گے، بحث میں قبول نہ ہوں گے
 (ب) یہ بحث تقریری اس بحث تحریری سے اول ہوگی۔ اگر ایک روز میں ختم نہ ہوگی تو دوسرے اور تیسرے
 روز تک جاری رہے گی۔ زیادہ تکلیف آپ کو نہ دی جائے گی۔

(۳) جو شخص بحث میں مغلوب ہوگا۔ اُس کو بیعتِ توبہ کرنا لازمی ہوگا۔ وہ بیعتِ باضریٰ جمیع علماء کرنی ہوگی۔ اور اس بحث کے حکمِ خواہِ دُہی ہر سہ مولوی صاحبان ہوں جن کو مرزا صاحب منظور کرتے ہیں۔ یا اور جن کو مرزا صاحب مقرر کریں گے۔ مگر رعایت یہ ہوگی کہ وہ مولوی صاحبان جن کو مرزا صاحب بعد میں مقرر کریں گے نہ تو اُن کے معتقدین میں سے ہوں اور نہ پیر صاحب کے بطنے والوں میں سے۔ مرزا صاحب کو اختیار ہے کہ اُن کو جس طرح سے اور جو جو حلفِ قبل از اظہارِ رائے دینا مناسب سمجھیں دے لیں۔ وہ رائے قطعی ہوگی۔

(۴) چونکہ احتمال ہے کہ ایک شخص مغلوب بھی ہو جائے اور پھر بھی توبہ نہ کرے۔ اس لیے فریقین ایک ایک معتبر ضمانت پانچ پانچ ہزار روپیہ کی دے دیں کہ وہ روپیہ اُن علماء کے اظہارِ رائے پر فریقِ غالب کا حق ہوگا۔

(۵) مرزا صاحب یہ بھی لکھ دیں کہ اس بحث کے وقت یا دورانِ زمانہ بحث میں اگر کوئی اہام اس قسم کا اُن کو ہو جائے جو تبدیل یا نسخ شرائطِ بحث مباحثہ کا ہو یا مرزا صاحب کو کوئی تار اس مضمون کا آجائے کہ گھر میں کوئی بیمار ہے یا اور کوئی بچہ یا پیام وغیرہ آجائے تو مرزا صاحب بحث و مباحثہ کو حسبِ شرائطِ مقررہ حال پورا کریں گے اور اُس اہام، تار، خط یا پیام وغیرہ پر کار بند نہ ہوں گے۔ پہلے سوچ سمجھ لو بابا، اور اہام کے ذریعہ ان تمام امور کی احتیاط کرو۔ بعد میں کوئی عذر مسوع نہ ہوگا۔ اگر مرزا صاحب اب میدان میں تشریف نہ لائے اور اس مباحثہ سے مُنہ پھیر کر اس میں کوئی حجت و جیلہ کریں گے یا اب شرائط میں کسی قسم کی کوئی دقت یا پیچیدگی پیدا کر دیں گے جس سے اس معاملہ کا وقوع غیرِ اغلب ہو جاوے تو پھر سمجھا جائے گا۔ اور اُس کا نتیجہ فطرتی طور پر یہی ہوگا کہ مرزا صاحب کی الہی طاقت، (دُہی خدائی حاجی والی) مغلوب ہوگئی۔ اور خدائے رب العظیم کی الہی طاقت نے اُن کے غرور اور مشخیت کو توڑ کر کھل ڈالا اور اُن کے تمام دعویٰ بیہودہ پر خاک پڑ گئی۔ ہم تو خدائے دُعا کرتے ہیں کہ آپ میدان میں آئیں۔ بلکہ آپ نے ان شرائط کو منظور کیا تو لوگ گھی کے چراغ جلا لیں گے۔ مگر پھر کہے دیتے ہیں کہ آپ کبھی میدان میں نہیں آئیں گے۔ ہم اہام سے نہیں کہتے مگر سابق تجارب اس خیال کے مؤید ہیں۔

بینیم تا کردگارِ جہاں دریں آشکارا چہ دارد نہاں

العارض محمد غازی ۲۵۔ جولائی سنہ ۱۹۰۷ء

نوٹ:۔ پیر صاحب اس مباحثہ کے لیے ۲۵۔ اگست سنہ ۱۹۰۷ء مقرر کرتے ہیں۔ مگر مرزا صاحب، خیال رہے کہ آپ اشتہارِ ہذا کے موصول ہونے پر منظوری یا نا منظوری سے اطلاع دیں ورنہ یاد رہے کہ اگر پیر صاحب لاہور تشریف لے گئے اور آپ تاریخِ مقررہ پر نہ آئے تو آپ اُس صورت میں کئی ذمہ داریوں کے ذمہ دار بھی ہوں گے۔ فقط

(مطبوعہ چودھویں صدی پریس راولپنڈی)

جماعتِ علماء کی طرف سے جوابِ دعوت کا اشتہار

اس کے بعد پنجاب، سرحد اور ہندوستان کے ساٹھ علماء و مشائخ کے دستخطوں سے ایک اشتہار مرزا صاحب کی دعوت کے جواب میں جاری ہوا۔ جس میں درج تھا کہ ہمیں حضرت پیر صاحب کا اشتہار جوابِ دعوت مل گیا ہے اور ہم ۲۵ اگست ۱۹۰۷ء کو پیر صاحب کے ہمراہ جلسہٴ مباحثہ لاہور میں حاضر ہو رہے ہیں۔ ہم حضرت پیر صاحب کی شرط برائے منظرہٴ تقریری کو جائز اور ضروری سمجھتے ہیں۔ مرزا صاحب کا دعویٰ مسیحیت و مہدویت و نبوت ہی اہل اسلام کے درمیان مابہ النزاع ہے اور وہ بقول خود مسلمانوں پر اس دعویٰ کے اثبات کے لیے ماثور بھی ہیں۔ لہذا مرزا صاحب کے لیے بہت اچھا موقعہ ہے کہ اس مناظرہ میں اپنا دعویٰ ثابت کر کے اہل اسلام پر امامِ حجت کریں۔ علمِ تفسیر اور عربیت میں آپ کا کمال ایک ثانوی چیز ہے۔ اگر آپ کی امامت کو تسلیم کر لیا گیا تو آپ کے دیگر کمالات لامحالہ تسلیم کر لیے جائیں گے۔ اپنے دعویٰ مسیح موعود اور مہدی موعود کو منوانے کا اس سے بہتر موقعہ مرزا صاحب کو کبھی نہیں ملے گا۔ یہ چیز کسی پہلو سے معقول نظر نہیں آتی کہ مرزا صاحب علمائے برصغیر ہندوستان کی ایک کثیر جماعت کو محض اس لیے بلارہے ہوں کہ وہ جلسہٴ لاہور میں دن بھر خاموش بیٹھ کر دو تفسیروں کی تفسیر نویسی کا مظاہرہ دیکھتے رہیں۔ پیر صاحب تفسیر نویسی کے مقابلہ کے لیے بھی تیار ہیں۔ لیکن اگر تقریری مباحثہ نہ ہوا تو تفسیر نویسی کے مقابلہ کے بعد بھی متنازعہ فیہ مسئلہ جوں کا ٹول رہ جائے گا۔

حضرت کی طرف سے تقریری بحث کی دعوت کا ردِ عمل

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی طرف سے تقریری بحث کی دعوت نے اس ہونے والے مباحثہ کی قومی افادیت اور عوامی دلچسپی میں بے حد اضافہ کر دیا۔ مرزا صاحب کے چیلنج میں تو اس مقابلہ کی حیثیت کم و بیش انفرادی تھی جس میں دو فاضل مضمون نگار تفسیر نویسی اور عربی علم و ادب میں اپنی قابلیت کا مظاہرہ کر کے، بڑے چھوٹے ہونے کا فتویٰ حاصل کرتے۔ مگر حضرت قبلہ عالم قدس کی دعوت نے قادیانیت اور اسلام اور کفر و ایمان کی دس سالہ کشمکش کو براہِ راست بالمقابل کر کے تصفیہ اور قولِ فیصل کے مقام پر لاکھڑا کیا۔

فریقین کی توقعات کا جائزہ

فریقین اپنی اپنی جگہ مطمئن نظر آتے تھے۔ مرزا صاحب نے اپنی الہامی بشارات شائع کر رکھی تھیں کہ اس مباحثہ میں احمدیت کو عظیم الشان فتح حاصل ہوگی جس کی خوشی میں خدا تعالیٰ کے حکم سے اُس روز کئی اندھے بنا ہو جائیں گے اور اپنا بیچ چلنے پھرنے لگیں گے۔ مرزا صاحب کی جماعت کو کابل یقین تھا کہ عنقریب اُمتِ مرحومہ اس امامِ آخر الزمان کی بیعت میں شامل ہو جائے گی۔ اور یہ حالات محض اس نتیجہ کے ظہور کے لیے بطور اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کا انگریزی خوان طبقہ قادیانیت کو ترقی پسند عنصر اور رفتار زمانہ کا بناض سمجھنے لگ گیا تھا اور دین سے اپنی عدم واقفیت کی بنا پر اس کی مخالفت کو مولویوں کی قدامت پرستی سے تعبیر کرتا تھا۔ نیز ایک نئی جماعت کے جوشِ تنظیم اور جذبہٴ خود ارادیت میں اُسے اسلام کی تعمیر نو اور حیاتِ ثانیہ کے آثار نظر آرہے تھے۔

ابھی ہوائی جہاز ایجاد نہیں ہو تھا اور نہ ہی اقطار السموات والارض کو عبور کر کے چاند اور سورج کی طرف سفر کرنے والے سینکڑوں من وزنی راکٹ کا تصور پیدا ہوا تھا۔ لہذا انگریزی اسکولوں کے مسلمان سائنس ٹیچروں کو جو اپنے علم طبعی کو حرفِ آخر سمجھ بیٹھے تھے مرزا صاحب کے ان اقوال میں کافی وزن نظر آتا تھا کہ تین دوسرا پاؤں اٹھالوں تو گر جاؤں۔ اور حضرت عیسیٰ آسمان پر کیسے چڑھ گئے، وہاں پہ کھاتے کیا ہوں گے اور رفع حاجت کا کیا انتظام ہوگا۔ اور اب تو پیر فرشتہ ہو چکے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ (ازالہ اودھام)

پھر قادیانی جماعت اس سے بھی بے خبر نہ تھی کہ نیم ملا حضرت بھی راہ پر آگے ہیں۔ تو فی کے معنی وفات لیتے ہیں قَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں تمام انبیائے سابقین کی موت کے قائل ہو رہے ہیں۔ وَمَا مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ میں جنت سے واپسی کو ممکن نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ وَمَا صَدَّبُوهُ سے اگر یہی مراد لی جائے کہ صلیب پر حضرت مسیح کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں تو اس میں کیا حرج ہے۔

چنانچہ مرزا صاحب کی جماعت قدرتاً ۲۵۔ اگست کے لیے یومِ عید کی طرح چشمِ براہ تھی کہ اُس روز علماء اور مشائخ کا مورچہ سر ہو کر قادیانیت "جنگل کی آگ کی طرح ملک بھر میں پھیل جائے گی۔ مگر آسے بسا آرزو کہ خاک شدہ ادھر علمائے اسلام کی کمپ میں حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ کے تبحرِ علمی اور کمالاتِ ظاہری و باطنی کی دھوم تھی۔ کیونکہ توحید و رسالت کے اسرار و رموز پر آپ کی مشہور زمانہ تصنیف تحقیق الحق تین برس قبل شائع ہو کر عرب و مصر و روم کی سرحدات عبور کر کے داؤ تجسین و کمالِ حاصل کر چکی تھی۔ علاوہ ازیں براہِ راست قادیانیت پر آپ نے اپنی کتاب "شمس الہدایۃ" میں روشنی ڈالتے ہوئے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا تھا اور اس وقت تک مرزا صاحب سے کلمہ طیبہ کے معنی اور تشریحِ حقیقتِ معجزہ کے متعلق آپ کے سوالات کوئی عرصہ چھ ماہ سے، مرزا صاحب کے بیٹے الفکر اور حکیم نور دین کے مطب پر دستک کُنان تھے جن کا اس جماعت سے کوئی جواب نہیں بن پڑ رہا تھا۔ علاوہ ازیں علمائے اسلام کو خود مرزا صاحب کے اشتہارِ دعوت میں بھی ضعف کے آثار نظر آ رہے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہونے والے اپنے کلامِ پاک کی مثال پیش کرنے کے لیے تو دو جہان کو چیلنج کر دیا تھا کہ وَاذْعُوا شَهْدَاءَهُمْ كَهْرًا اَوْ رَدَّوْكَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا مگر مرزا صاحب قادیانی وعدہ نصرتِ الہی کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی یہ کہہ رہے تھے کہ اگر کسی مولوی نے پیر صاحب کو اشارہ یا کنایہ بھی کوئی مدد دی تو اُسے کمرہ سے باہر نکال دیا جائے گا۔

قادیانی پارٹی کی طرف سے تقریری بحث کی نامنظوری کے خط پر اس شرط کی واپسی

حافظ محمد دین مالک مصطفائی پریس لاہور نے مرزا صاحب کو جسٹریٹ جرنل بھیج دی تھی اور اسے مشتمل بھی کر دیا تھا کہ اگر وہ بتائے کی شرائط میں ترمیم کرانا چاہتے ہوں تو بروقت اطلاع دیں لیکن مرزا صاحب اس وقت تک اپنی جماعت کی خوش فہمی اور اندازہ میں اس قدر آگے جا چکے تھے کہ قدم واپس ہٹانا از بس مشکل تھا۔ جماعت کی عقیدت نے ان کے لیے عظمت کا جو ہالہ پیدا کر دیا تھا اُسے وہ زیادہ سے زیادہ دیر تک قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے خود تو آخر دم تک خاموش رہے مگر ان کے ایک حواری سید محمد احسن امروہی نے تاریخِ مباحثہ سے صرف چار یوم پہلے ایک مطبوعہ خط گولڑہ شریف پہنچایا جس میں لکھا تھا کہ انہیں تقریری مباحثہ کی شرط منظور نہیں۔ اگر تفسیر نویسی میں مقابلہ کرنا ہو تو پیر صاحب آجائیں۔ اس پر حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ

کی طرف سے آپ کے ایک مخلص حکیم سلطان مسعود سکندر راولپنڈی نے ۲۱ یا ۲۲ اگست کو یہ اعلان شائع کرا دیا کہ حضرت قبلہ عالم قدس برہہ ۲۵ اگست کو مرزا صاحب کی اپنی شرائط کے مطابق تحریری مباحثہ کے لیے لاہور تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس اعلان کی ایک کاپی بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ انہوں نے قادیان بھی بھجوا دی۔ مگر وقت کی تنگی کے باعث تمام ملک میں اس کا پوری طرح اعلان نہ ہو سکا۔

مباحثہ کے ضمن میں مسلمانوں کا عظیم اجتماع

چنانچہ جب وعدہ کا دن قریب آیا تو ملک کے طول و عرض سے ہزار ہا مسلمان لاہور پہنچ گئے۔ علماء، مشائخ، درویش اور ہر طبقہ و فرقہ کے مذہبی افتاد طبع رکھنے والے مسلمان، شیعہ، سُنی، اہل حدیث حتیٰ کہ قادیانی جماعت کے مُرد، متفق، ہمدرد اور مائل بھی دُور و نزدیک سے جمع ہو گئے۔ دہلی، سہارن پور، دیوبند، لدھیانہ، سیالکوٹ، گورداسپور، امرتسر، مظفر گڑھ، طمان اور پشاور کے ہر عقیدہ کے اسلامی مدارس اور مراکز نے بھی جو پہلے سے ہی قادیانی مباحث میں دلچسپی لے رہے تھے، اپنے اپنے نمائندے بھی بعض سرکاری مُلازم بھی دُور و دراز شہروں سے رخصت لے کر پہنچ گئے۔ مسلمانانِ لاہور نے اپنی روایتی مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ استقبالیہ کمیٹیاں بن گئیں۔ اور سرائیں، مسجدیں، مدرسے اور لوگوں کے گھر مہمانوں سے بھر گئے۔ قریبی اضلاع و قصبوں اور مضافات سے آنے والی ریل گاڑیاں وغیرہ سوار یوں سے بھری ہوئی پہنچنے لگیں۔ اور لاہور کے بازاروں میں لوگوں کے ٹھٹھ سے میلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اُن دنوں ویسے بھی لوگ مذہبی جلسوں اور مباحثوں میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن اس خاص موقع پر تو جو مجموعہ خلائق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت قبلہ عالم قدس برہہ جیسی مشہور زمانہ روحانی تقدس اور علمی احترام و شہرت رکھنے والی شخصیت پہلی بار، اسلام پر قادیانیت کے خطرناک حملوں کے دفاع میں علمائے دین کی اس قدر بڑی اور فقید المثال تعداد کے ساتھ میدانِ مسنظرہ و مباحثہ میں تشریف فرما ہو رہی تھی۔ اور تمام موافق، متردد یا مخالف حضرات، اپنی آنکھوں سے بیسویں صدی کی اس سب سے بڑی اشتہاری تحریک کا حشر دیکھنا چاہتے تھے۔

مسلمانوں کے تمام فرقوں کا حضرت قبلہ عالم قدس برہہ کو اس محاذ پر اپنا قائد منتخب کرنا

اس معرکہ میں تمام اسلامی فرقوں کے رہنما ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ سُنی، اہل حدیث اور اہل قرآن کے علاوہ لاہور اور سیالکوٹ کے شیعہ مجتہدین نے بھی قادیانیت کے محاذ پر حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف کے اپنا سربراہ و نمائندہ ہونے کا اعلان کیا۔ بالکل دُہی صورت حال پیدا ہوئی جو پاکستان کے وجود میں آنے کے وقت ہندو کفر کے مقابلے میں اسلامی سیاسی پلیٹ فارم پر پیدا ہو گئی تھی اور یہی صورت آج سے تیرہ سو سال قبل قیصر روم کے اسلامی ممالک پر حملہ کے خطرہ کے وقت بھی پیدا ہوئی تھی۔ جب حضرت امیرِ مٹھلوی نے رومی سلطنت کو خبردار کیا تھا کہ اگر اندرونی اختلاف کے پیش نظر اسلامی سلطنت پر حملہ کیا گیا تو سب سے پہلا سپاہی جو علیؑ کے لشکر سے تمہارے مقابلہ کے لیے نکلے گا وہ معاویہ بن ابوسفیان ہوگا۔

یہ وہ اسلامی رُوح تھی جو اپنے دامن کی پہنائی اور شدید و خفیف اختلافات کے باوجود ہر بیرونی اور ناقابل برداشت طاقت کے خلاف نبرد آزمانی و مدافعت کے لیے اپنے فرزندوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے پر ہمیشہ مجبور کر دیتی رہی ہے۔ اسلامیانِ ہند کی اس علمی اور دینی قیادت کے وقت حضرت قبلہ عالم قدس برہہ کی عمر شریف صرف بائیس سال کے قریب تھی۔

انہیں فارغ التحصیل ہوتے بائیس برس ہو چکے تھے۔ خلافتِ ارشاد کا اٹھارواں سال تھا۔ اور جذب و سیاحت اور ادائیگی جمع کے بعد مستد ارشاد پر صرف دس برس کا عرصہ گزرا تھا۔

لاہور میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی تشریف آوری

۲۴ اگست کو گولڑہ شریف سے روانگی پر حضرت نے مرزا صاحب کو ایک تار کے ذریعے پہلے راولپنڈی ریلوے اسٹیشن سے اور پھر اثنائے سفر لالہ موسیٰ بخش سے اطلاع دی کہ میں لاہور پہنچ رہا ہوں۔ جب آپ کی ٹرین لاہور پہنچی تو پہلا سوال جو آپ نے دریافت فرمایا مرزا صاحب کی آمد کے متعلق تھا۔ پچاس کے قریب نامی گرامی علماء آپ کے ہمراہ تھے جو پشاور، ہزارہ، انک، چچہ، دھنی، گھیبی، پوٹھوہار، سوان اور سون وغیرہ علاقہ جات کے رہنے والے تھے۔ اصلاً جہلم، گجرات، گوجرانوالہ، شاہ پور، میانوالی کے علماء اور مشائخ اثنائے راہ یا لاہور میں پہنچنے سے قبل یا بعد پہنچ کر شامل ہو گئے۔ اسی طرح بہاول پور، ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ اسماعیل خان و ڈیرہ غازی خان کے ارباب علم پہلے پہنچ کر آپ کے استقبال کنندگان میں شامل تھے۔ آپ کے ایک صاحب علم ثروت مخلص حاجی کریم بخش سیٹھی سکند پشاور ساٹھ ہزار روپے کی طلائی اشرفیاں ہمراہ لائے تھے کہ اگر ارباب حکومت نے حفظ امن کے پیش نظر ضمانت طلب کی تو نقد جمع کرادی جائے گی۔

مسلمان بہت بڑی تعداد میں آپ کے استقبال کے لیے اکٹھے ہو چکے تھے اور آپ کو جلوس کی صورت میں لے جانا چاہتے تھے مگر آپ نے پسند نہ فرمایا اور ریلوے اسٹیشن سے باہر باغ میں تشریف فرما ہو کر تقریباً دو گھنٹہ تک لوگوں سے مصافحہ فرماتے رہے اور ان کے شوقِ زیارت کی تسکین فرمائی۔

آپ کے قیام کا انتظام معہ آپ کے رُفتا کے برکت علی محمدن ہال اور اُس کی ملحقہ عمارات بیرون موجی دروازہ میں کیا گیا تھا۔ جہاں سیر شام ہی مقامی اور بیرونی علماء و زعماء کی آمد و رفت شروع ہو گئی جو بہت رات گئے تک متعلقہ مسائل پر تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ اس مجلس میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے قادیانیت کے موافق و مخالف پہلوؤں پر بعض ایسے دلائل اور اسناد بیان فرمائے جو اس سے قبل کسی کے ذہن میں نہیں آئے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ نے قادیانیت کے موافق نقطہ نظر سے دلائل دیئے تو مولوی غلام محمد گوبھی امام شاہی مسجد لاہور بول اٹھے کہ حضرت اس سے تو ہمیں بھی شبہات پیدا ہونے لگ گئے ہیں۔ مگر جب آپ نے تردیدی نسخ اختیار فرمایا تو مولوی عبد الجبار غزنوی نے مجمع علماء کو مخاطب کر کے کہا کہ حضرت پر صاحب نے ان مسائل پر جو طرز استدلال اختیار فرمائی ہے اس سے بڑھ کر قادیانیت کی تردید نہیں کی جا سکتی۔

علماء کا خیال تھا کہ تقریری مناظرہ کی شرط کو واپس نہیں لینا چاہیے۔ لیکن حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ارشاد فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کسی طرح مرزا صاحب ایک بار علماء و مشائخ اسلام کی اس برگزیدہ مجلس میں شامل ہو جائیں۔ کیا عجب کہ حدیث شریف **هَمْ قَوْمٌ لَا يَشْفِي جَلِيْسُهُمْ** (یہ وہ قوم ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا) کی برکات سے بہرہ ور ہو کر راہِ راست پر آجائیں اور یہی چیز اس نیاز مند علماء و مشائخ کے حق میں اللہ سبحانہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا باعث ہو کر مغفرت کا سبب بن جائے۔

کہتے ہیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اس خیال پر بہت اصرار تھا۔ بقدر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مرزا صاحب نے لاہور آنے سے بالکل ہی انکار کر دیا تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ علماء و مشائخ کی ایک چیدہ اور مختصر جماعت کے ساتھ قادیان

جانے کو بھی تیار ہو گئے۔ مگر مسلمانوں کی اکثریت کے اس اقدام سے منع فرمانے پر اسے باطنی ارشاد سمجھتے ہوئے رُک گئے۔

مرزا صاحب کی آمد کا انتظار

مباحثہ کا انعقاد شاہی مسجد میں قرار پایا تھا اس لیے مورخہ ۲۵ اگست کو پولیس نے وہیں حفظ امن کے انتظامات کر رکھے تھے۔ ۲۵ اور ۲۶ کو دونوں اطراف کے نمائندے اور عوام مسجد میں جمع ہو ہو کر منتشر ہوتے رہے اور قادیانیوں کی طرف سے کہا جاتا رہا کہ شرائط کے طے ہونے میں توقف ہو رہا ہے مگر مرزا صاحب ضرور آئیں گے لیکن مرزا صاحب کو نہ آنا تھا اور نہ آئے۔

قادیانیوں کی دُور دُھوپ

اس جماعت کے بعض ذی اثر لاهوری حضرات نے مرزا صاحب کو لانے کے لیے بہت تنگ و دو کی مگر ناکام رہے۔ مرزا صاحب نے کہا بھیجا کہ پیر صاحب خود اعلان کریں کہ تقریری بحث کی شرط کو میں واپس لیتا ہوں اور تحریری مقابلہ کے لیے اشتہار دعوت کی شرائط کے مطابق تیار ہوں۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فرمایا کہ مرزا صاحب کے حواری مولوی محمد احسن امرہی کے اسی مضمون کے اشتہار کے جواب میں ہمارے ایک رفیق حکیم مولوی سلطان محمود کا جواب شہر ہو چکا ہے کہ مرزا صاحب کی اپنی شرائط پر ہی ہمیں مقابلہ منظور ہے۔ اس سے پہلے بھی مرزا صاحب کے نام ایک مطبوعہ خط شائع کر دیا گیا تھا کہ اگر آپ کسی شرط میں ترمیم چاہتے ہیں تو اطلاع دیں مگر مرزا صاحب نے کوئی اطلاع نہ دی اور برابر خاموش رہے۔ اگر اب بھی وہ اپنے دستخطوں سے اعلان کر دیں کہ میں تقریری بحث نہیں کرنا چاہتا تو میں بھی اپنے دستخطوں سے اعلان کر دوں گا کہ میں تقریری بحث کی شرط اور مطالبہ واپس لے چکا ہوں۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فرمایا کہ تقریری بحث کی شرط خود مرزا صاحب کے اشتہار دعوت سے ہی پیدا ہوتی ہے جس میں انہوں نے تحریری مقابلہ سے پہلے علماء کو یہ دعوت دی ہے کہ اگر ان کے پاس کوئی دلائل ہیں تو کیوں پیش نہیں کرتے۔ مگر اس گفت و شنید کے جواب میں مرزا صاحب نے نہ صرف اپنی طرف سے یہ اعلان جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ صاف کہہ دیا کہ میں کسی قیمت پر بھی لاہور آنے کو تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ مولوی لوگ مجھے دعویٰ نبوت میں کاذب ثابت کرنے کے ہبانے قتل کرنا چاہتے ہیں۔

قادیانی جماعت میں انتشار

جب قادیانی جماعت کا آخری وفد قادیان سے مرزا صاحب کا یہ جواب لے کر ناکام لوٹا تو اس جماعت میں بہت انتشار پیدا ہو گیا۔ بعض نے اسی وقت توبہ کا اعلان کر دیا۔ بعض سخت مایوس ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ لاہور کے اکثر وہ لوگ جو مرزا صاحب کے بہت قریب تھے، حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی روزانہ مجالس سے اثر پذیر ہو کر، کم از کم مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کے منکر ہو گئے۔ بعض دیگر حضرات مثلاً بابو انہی بخش اکاؤنٹنٹ وغیرہ نے جو قادیانیت کے سرگرم رکن رہ چکے تھے، حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے علم و فضل کی تعریف و توصیف میں اور آپ کی خداداد کامیابی و نصرت کے بیان میں اشتہارات اور ٹریکٹ شائع کیے۔ لیکن قادیان سے آئے ہوئے تنخواہ دار مولویوں کی قیادت میں ایک گروہ اس گرتی ہوئی عمارت کی پشتیبانی پر برابر کمر بستہ رہا۔

عام حالات میں اپنے نتائج کی رُو سے شکست اُس ناکامی و ہزیمت سے شدید تر اور زیادہ دُور رس تھی جو چھ سال قبل، مرزا صاحب اور اُن کے مذہب کو عبداللہ آتم کی موت کی پیشین گوئی کے نتیجہ میں نصیب ہوئی تھی۔ لیکن جس طرح اُس وقت مرزا صاحب کے قلم سے فتحِ اسلام اور انجامِ آتم جیسی فاتحانہ اور ظفرِ مندانہ بالیغات عالم و جُود میں آئی تھیں، بالکل اُسی طرح اب بھی مرزا صاحب کے بعض حمیت مندوں نے اس شکست و فرار کو فتحِ عظیم بیان کیا۔ مولوی محمد احسن امر وہی اور مولوی عبدالکریم سیالکوٹی کی طرف سے لاہور کے درو دیوار پر اشتہارات دکھائی دینے لگے۔ جن میں لکھا تھا کہ

پیر صاحب گولڑہ نے امامِ آخر الزمان کے مقابلے میں فرار اختیار کیا۔

آسمانی نشان نے مولویوں اور پیروں کی شیخیوں کو کھل دیا۔

”مسیح موعود کی الہامی بشارات صحیح ثابت ہوئیں۔“ حالانکہ لاہور کی سپکن شپم خود حضرت پیر صاحب کو لاہور میں موجود دیکھ

رہی تھی۔ اور جانتی تھی کہ مرزا صاحب باوجود اُن کے بار بار بلانے کے نہیں آ رہے۔

ع چہ دلاور است دُڑے کہ بگف چراغ دارد

کرامات اور معجزات میں مُقابلہ کی پیش کش

اس جماعت کے ایک وفد نے حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آپ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ مباہلہ کیوں نہیں کر لیتے کہ ایک اندھے اور ایک اپانج یعنی لنگڑے کے حق میں مرزا صاحب دُعا کرتے ہیں۔ اور اسی طرح کے ایک دُوسرے اندھے اور اپانج کے لیے آپ دُعا کریں جس کے نتیجہ پر حق و باطل کا فیصلہ ہو۔ حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ نے جواب دیا کہ مرزا صاحب سے کہہ دیں کہ اگر مُردے بھی زندہ کرنے ہوں تو آج آئیں۔ قریب ہی امرتسر کے ایک مولوی صاحب (غالباً مولوی ثناء اللہ) موجود تھے، جنہوں نے اُن لوگوں سے کہا کہ میری طرف سے عرض کیجئے گا کہ مولوی عبدالکریم کو ضرور ہمراہ لائیں وہ بوجہ حقِ الخدمت اس معجزہ کے حقدار بھی ہیں۔

لاہور میں قادیانی و اعطین کے حیلے بہانے

ان دنوں برانڈر تھ روڈ کی قادیانی مسجد میں، ان کے واعطین کچھ اس قسم کے دلائل دے رہے تھے :-

۱۔ بے شک نبی کے ذمہ واجب ہوتا ہے کہ منکرین کے مقابلے میں پہنچ کر تمام مُجت کرے۔ پہلے چونکہ جہادِ سیفی کا زمانہ تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے مقابلے میں شمشیر بگفت ہو کر فرماتے تھے۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَلِّبِ۔ مگر اب جہادِ سیفی منسوخ ہو چکا ہے اور قلمی جہاد کا زمانہ ہے

اس لیے حضرت مسیح موعود صرف قلم کے ذریعہ جہاد فرما رہے ہیں۔

۲۔ یہ درست ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو وَاللَّهِ يُعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا) کی

بشارت مل چکی تھی۔ لیکن انبسیار کو اس امر کا بھی حکم ہے کہ اس عالم میں جو عالم اسباب ہے، الہامِ الہی کی منشاء کی تکمیل

کے لیے خود بھی چارہ سازی اور تدابیر اختیار کریں۔ حضرت مرزا صاحب پر بُرے الہام واضح ہو چکا تھا کہ یہ لوگ آپ

کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے آپ کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ اپنی حفاظت کے خیال سے لاہور نہ آتے۔

۳۔ خدائے تعالیٰ کے احکام ہمیشہ شرطیہ ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ حضرت مسیح موعود کی دعوت کو بلا چون و چرا تسلیم کر کے تحریری مناظرہ کے لیے حاضر ہو جاتے اور اپنی خانہ زاد شرائط (تقریری بحث، توبہ اور بیعت) کا اضافہ نہ کرتے تو یقیناً الہام الہی کا وہ منشا جو اشہارات میں درج ہے پورا ہو جاتا۔ پس وہ لوگ بہت ظالم ہیں جو کہتے ہیں کہ الہامی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی۔ قادیانی استدلال کا یہ انداز، اسلامی شعور سے جس کے نظریات اور مشاہدات سیدھے صاف انداز، صداقت اور شجاعت پر مبنی تھے کچھ اس قدر بعید اور بیگانہ تھا کہ لوگوں کے طنز اور تضحیک کا سامان بن گیا۔ چونکہ اس میں کسی بات کا مطلب بھی سیدھا اور بغیر تاویل اور بغیر مہر پھیری کے نہ ہوتا تھا اس لیے شعراء نے اسے مداری کی پٹاری، آزاد خیال مصنفین اور مقررین نے سودیشی نبوت کی ابلہ فریبی اور علماء کے ثقہ اور باوقار قلم نے تاویلات نامعقولہ کا نام دیا۔ اسی طرز استدلال کی بدولت قادیانیت کو کبھی بھی میدانِ محنت ابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی اور یہ قرآنی نظریہ عدالت و بسالت سے رُوگردانی کا سب سے پہلا اثر تھا۔

تحریری مناظرہ کے سلسلہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ایک مشہور عام بات

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے اس موقع پر ایک اور بات بھی فرمائی تھی جو بہت مشہور ہوئی اور مدت تک اس کا چرچا رہا۔ آپ نے مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ کی دعوت اور ان کی فصیح عربی اور زود نویسی کی تعلق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ علمائے اسلام کا اصل مقصود تحقیق حق اور اعلا کلمۃ اللہ ہو کر تا ہے، فخر و تعلق مقصد نہیں ہوتا۔ ورنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اس وقت بھی ایسے خادمِ دین موجود ہیں کہ اگر قلم پر توجہ ڈالیں تو وہ خود بخود کاغذ پر تفسیر قرآن لکھ جائے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اشارہ اپنی جانب تھا چنانچہ بعد میں اس چیلنج کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ دعویٰ از خود نہیں کیا تھا بلکہ عالم کاشف میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ باکمال سے میرا دل اس قدر قوی اور مضبوط ہو گیا تھا کہ مجھے یقین کامل تھا کہ اگر اس سے بھی کوئی بڑا دعویٰ کرتا تو اللہ تعالیٰ ضرور مجھے سچا ثابت کرتے۔ نیز فرمایا "کئی کئی بے زور تے کدوی اے" یعنی بچھڑا کھونٹے کے بل پر ہی تو کوڈتا ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اللہ تعالیٰ نے جو ضبطِ حال اور وقار عطا فرمایا تھا یہ الفاظ اُس مشرب کے لحاظ سے غیر معمولی تھے، کیونکہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں فقیر اور درویش اُسے سمجھتا ہوں جو فقر و روحانیت کے ساتھ سمندر پی جائے مگر ہمسائے کو خبر تک نہ ہو۔ آپ نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جس میں پیش گوئی یا فقیری کے فخر و اذکار رنگ جھلکتا ہو۔ لیکن اگر کبھی کوئی بات اشارہ یا کنایہ آپ کی زبان مبارک سے نکل گئی تو اللہ تعالیٰ کے کرم و احسان سے ہمیشہ پوری ہوئی۔ چنانچہ آپ کے مشرب سے واقع حضرات کو آپ کے اس ارشاد پر کامل یقین کے علاوہ حیرت بھی تھی۔ کچھ عرصہ بعد قطعہ ارشاد میں گنگلو کے دوران آپ نے اپنے شاہی مسجد والے مندرجہ بالا قول کے متعلق فرمایا کہ وہ کسی خاص اذن کی بنا پر تھا۔

قادیانی چیلنج کے جواب میں فقیر عمیور کا رجز

یاد رہے کہ آیام الصلح میں قادیانی مذہب نے اہل اسلام سے مندرجہ ذیل الفاظ میں قوت آزمائی کے لیے میدانِ مبارزت طلب کیا تھا جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے :-
"آج اس سیکلون آسمان کے سایہ میں کسی شخص کو یہ مجال نہیں کہ میرے ساتھ ہمسری کی لاف مار سکے۔"

میں آشکارا اور بے باک کتابوں کے اُسے اہالی اسلام، تمہارے درمیان بعض لوگ ہیں جو محدثیت اور منسرتیت کا دعویٰ کر کے گردن فرازی کرتے ہیں۔ اور بعض طائفے ہیں کہ نازش ادب سے زمین پر پاؤں نہیں رکھتے اور گروہ ہیں جو خدا شناسی کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ اور اپنے تئیں چستی اور قادری اور نقشبندی اور سہروردی اور کیا کیا کہلاتے ہیں۔ ان سب سے کہو ذرا میرے سامنے تو آئیں۔ (ترجمہ)

چنانچہ اس متحدی اور مبارز طلبی کے جواب میں آج فقیر شیخ نور میدان میں نکل کر پکار رہا تھا کہ ہاں خاکسارانِ جہاں را بجماعتِ مہنگر توجہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد لیکن نبوت و امامت کے مدعیانِ کاذب کو اب قدم باہر نکالنے کی جرأت نہ ہو رہی تھی۔

دین حق کے تحفظ میں یہ رجز خوانی اور ظفر بازی، کیا میدان اور کیا منبر، ہر کہیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اپنے مورثِ اعلیٰ بابِ علوم و شاہِ ولایت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب و جدِ امجد پیرانِ پیر حضرت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ عنہما سے ورثہ میں ملی تھی۔ اور آپ اس کے لیے مامورین اللہ تھے۔ چنانچہ جیسے کہ پہلے تحریر ہو چکا ہے اس ماموریت اور نصرت کے متعلق اس دوران کئی اہل اللہ کو از روئے کشف باطنی معلوم بھی ہو چکا تھا۔ اس ضمن میں حضرت خواجہ فقیر احمد میروٹی کا ارشاد پہلے درج ہو چکا ہے اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی کا ارشاد گرامی بھی آچکا ہے۔ ایک اور بزرگ حضرت سید جان شاہ جابہ شریف بھی ایسے ایک خواب کی کیفیت بیان فرماتے تھے کہ میں نے ایک فوج کو علم لہرتے دریاے جہلم کے پل پر سے لاہور کی جانب جاتے دیکھا۔ جن میں سے ایک صاحب نے میری دریافت پر فرمایا کہ ہم بغداد شریف سے آرہے ہیں۔ اور پیر صاحب گولڑہ شریف کی نصرت کے لیے مرزائے قادیانی کے مقابلہ پر لاہور جا رہے ہیں۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے اس قادیانی معرکہ کے کوائف ایک رسالہ موسومہ روئیدادِ جلسہ لاہور مرتبہ حافظ محمد دین مالک مصطفائی پریس لاہور میں شائع ہوئے تھے علاوہ ازیں ایک مجموعہ مضامین سند رجا اخبار چودھویں صدی زاوہ پسنڈی بھی کتبانی صورت میں موجود ہے۔ اور مولوی کرم دین بھٹیاں ضلع جہلم نے بھی اپنی کتب "تازیانہ عبرت" میں اس معرکہ کے چشم دید حالات اور اپنے ایک عزیز مولوی محمد حسن فیضی مدرس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور کی ایک تقریر کا حوالہ بھی دیا ہے بعض دیگر رسائل اور اشہارات وغیرہ بھی مختلف کتب خانوں اور اسلامی لائبریریوں میں ملتے ہیں جن میں زاوہ پسنڈی کے ایک پنجابی شاعر پیراں دتہ خادم کا نظمیہ رسالہ تحفہ خادم بھی قابل ذکر ہے۔

شاہی مسجد میں مسلمانوں کا جلسہ (ماخوذ از رسالہ روئیدادِ جلسہ لاہور)

جب مرزا صاحب کی آمد سے قطعاً مایوسی ہو گئی تو ۲۷ اگست کو شاہی مسجد میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں علمائے کرام نے اس دعوتِ مناظرہ کی مکمل داستان بیان کر کے قادیانیت کی واضح تصویر لوگوں کے سامنے رکھ دی۔ تمام اسلامی فرقوں کے سرکردہ علمائے منبر پر کھڑے ہو کر ختم نبوت کی یہ تفسیر بیان کی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس دنیا میں آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ اور جو شخص بھی اس عقیدہ کا منکر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

۱۔ سب سے اول مولوی محمد علی صاحب نے دربارہ عقائد مرزا قادیانی و عطف فرمایا کہ یہ یاس کے عقائد ہیں جو صریحاً مخالف قرآن کریم

سنت و اجماع امت ہیں۔

۲۔ مولانا مولوی عبدالمجیب صاحب بن مولانا مولوی عبداللہ صاحب مرحوم و مخدوم غزنوی ثم امرتسری نے وعظ فرمایا، جس کا حاصل یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے افعال و اقوال یہ تھے۔ پس جو شخص اُن کے مطابق چلنے والا ہے وہ اُن کا پیرو ہے اور جو شخص اُن کے مخالف ہے وہ مُرد اور کافر ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کے افعال و اقوال قطعاً مخالف سنت نبویہ و روش صحابہ کرام ہیں اس لیے اہل اسلام کو اُس سے بچنا چاہیے۔

۳۔ ابو الفیض مولانا مولوی محمد حسن صاحب مدرس دارالعلوم نعمانیہ نے دربارہ غرض العقاد جلسہ و کارروائی مباحثہ ایک تحریر پڑھی جس کے آخر میں مولانا صاحب نے ایک پُرزور تقریر میں بالتفصیل یہ بھی بیان کیا کہ اس سے پہلے بھی دُنیا میں مرزا جیسے بلکہ اُس سے بڑھ کر بہت سے جھوٹے نبی، مسیح، ہمدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو کر اور اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر حرفِ غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔

۴۔ اس کے بعد مولوی تاج الدین احمد صاحب جو ہر مختار چیف کورٹ پنجاب و سیکرٹری انجمن نعمانیہ نے مولوی محمد حسن صاحب کی تائید کی۔ اور مرزا کے چند اشتہارات سے اُن کی اس قسم کی کارروائیوں پر نہایت تہذیب اور شائستگی سے نکتہ چینی کی۔

۵۔ بعد ازاں جناب حضرت مولانا ابوسعید محمد عبدالخالق صاحب سجادہ نشین جہان خیل شریف نے مرزا صاحب اُرداؤں کی بیوہ کارروائی کی نسبت چند ریمارکس دیئے۔

۶۔ پھر ایک نابینا حافظ صاحب نے جو اپنے آپ کو ظریف متخلص کرتے تھے ایک طرفیاناہ نظم پڑھی جس کی نسبت حضرت ابوسعید محمد عبدالخالق صاحب موصوف نے کھڑے ہو کر فرمایا یہ طرفیاناہ نظیں پڑھنے کا موقع نہیں ہے بلکہ یہاں تو اقوال فیصل اہل الرائے علمائے کرام کے بکار ہیں۔

۷۔ اس کے بعد ابوالوفا مولوی شہار اللہ صاحب امرتسری نے مرزا صاحب کی تمام پیش گوئیوں کے غلط ثابت ہونے کی نسبت زبردست دلائل بیان فرمائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ایسے شخص کو مخاطب کرنا یا اُس کی کسی تحریر کا جواب دینا بھی گویا علمائے کرام کی جسک اور اُن کی شان سے بعید ہے۔

۸۔ مولانا حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب سجادہ نشین نے عقائد مرزا صاحب کے متعلق تردید اور کچھ جناب مہر علی شاہ صاحب کی تشریح آوری کی نسبت تائید نہایت عمدگی سے بیان فرمایا۔

۹۔ ازاں بعد جناب مولانا مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی پروفیسر اور نیشنل کالج و پریذیڈنٹ انجمن حمایت اسلام لاہور نے چند آیات قرآن کریم و احادیث نبویہ نیز دلائل عقلیہ سے مرزا کے عقائد کی سخت تردید فرمائی۔

۱۰۔ اس کے بعد مولوی احمد دین صاحب ساکن موضع بادشاں ضلع جہلم نے مرزائی خیالات کی تردید میں ایک موثر وعظ فرمایا۔

۱۱۔ اور آخر میں حضرت پیر صاحب نے دعائے خیر کی اور تمام حاضرین نے آمین کے نعرے بلند کیے۔

۱۲۔ مولانا مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب و مولانا مولوی عبدالباقی صاحب غزنوی جنہوں نے ۲۰ پر جلسہ ہذا میں وعظ فرمایا ہے۔ اس مباحثہ کے واسطے حسب تجویز مرزا قادیانی و منظور پیر صاحب منصف قرار پائے ہوئے تھے۔ تیسرے صاحب ابوسعید مولوی محمد حسین صاحب شملہ تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ اس لیے وہ شریک جلسہ نہ ہو سکے ورنہ وہ بھی ضرور اپنی رائے کا اظہار فرماتے۔

نتیجہ یا فیصلہ جلسہ ہذا

بر لحاظ مجملہ حالات مرزا وحسب رویداد و مندرجہ بالا مجملہ علمائے کرام و مشائخ عالی مقام و رؤسائے عظماء و حاضرین جلسہ اہل اسلام کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا کہ :-

- ۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو تحقیق حق منظور نہیں اور وہ خواہ مخواہ بزرگان دین اور معززین اسلام کو اپنی شہرت کے واسطے مخاطب کر کے دیگر اشخاص کے مصارف سے اپنی شہرت و مشہوری کرانا چاہتا ہے اور یہی اس کا مقصود ہے۔
- ۲۔ اس موقع پر اس نے حضرت پیر صاحب کو مع دیگر علماء کے خود بخود دعوت مباحثہ دے کر تکلیف دی اور وقت پر مقابلہ میں آنے سے عمدہ گریز کر کے اپنی لاف زنی سے ناحق صد ہا بزرگان دین و معززین اہل اسلام کا وقت ضائع کیا بلکہ کئی ایک طرح کے حرج اور ہزاروں روپے کے مالی نقصان کا اہمیں متحمل کیا۔
- ۳۔ اس کے عقائد بالکل خلاف قرآن کریم و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام کے ہیں۔
- ۴۔ اس کے دعوے بالکل غلط و بے بنیاد اور لغوی ہیں۔
- ۵۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف اور خود رسالت کا دعوے دار ہے۔ وہ اپنے اشتہار معیار الاخیار میں یوں لکھتا ہے :-

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (ترجمہ) اے غلام احمد تو تمام لوگوں کو کہہ دے کہ میں تمہارے لیے رسول اللہ ہوں۔

۶۔ وہ قرآن مجید کی آیتوں کو اپنے اوپر نازل ہونا تحریر کرتا ہے اور قادیان کو بیت اللہ سے نسبت دیتا ہے اور مسجد قادیان کو مسجد اقصیٰ کہتا ہے اور معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر ہے۔

۷۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح القدس کی سخت توہین کرتا ہے۔

۸۔ وہ بزرگان دین کے حق میں بہت بے جا و ہتک آمیز تحریریں شائع کر کے ان کی دشمنی کر رہا ہے۔

۹۔ وہ اپنے من گھڑت الہاموں اور فضول دعووں سے ناحق دنیا کو دھوکہ دے رہا ہے۔

۱۰۔ اس کے اور اس کے حواریوں کی تحریریں سخت بد تہذیب اور ناجائز الفاظ سے لبریز ہوتی ہیں۔

۱۱۔ اس کی عام اسلامی مخالفت اور دینی عقائد سے اختلاف کے باعث علمائے ہندوستان اس کے خلاف کفر کا فتویٰ دے چکے ہوئے ہیں۔

پس بر لحاظ وجوہات مذکورہ بالا مجملہ حاضرین جلسہ کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا ہے کہ یہ شخص مخاطب ہونے کی حیثیت نہیں رکھتا اور شرمناک دروغ گوئی سے اپنی دکانداری چلانا چاہتا ہے اور اس نے ہمیشہ بے اصول بحث اور تناقض دعویٰ سے چالبازی اور جیلہ جوئی کو اپنا شعار بنالیا ہے اور شرفاء کی پگڑیاں اُتارنے اور بازاری دعایاں حرکات سے اپنی روزی کمانے کا پکھنڈ بنا رکھا ہے اور مذہبی مباحثات میں جو آزادی ہماری عادل گورنمنٹ نے دے رکھی ہے اس کو بے جا طور پر استعمال کر کے ہندوستان کے مختلف فرقوں میں فساد اور عناد بڑھانا چاہتا ہے۔ اس لیے آئندہ کوئی اہل اسلام مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کی کسی تحریر کی پرواہ نہ کریں اور نہ ان سے مخاطب ہوں اور نہ ہی انہیں کچھ جواب دیں کیونکہ اس کے عقائد وغیرہ

بالکل خلافِ اسلام ہیں۔

علماء و مشائخ ناصرین کی فہرست

جس قدر وقت نے گنجائش کی اور دستخط کرانے والے کی واقفیت مکتفی ہوئی، مسند درجہ ذیل علمائے کرام اور مشائخ عظام کے دستخط حاصل کر لیے گئے :-

جناب ابوسعید حضرت خواجہ محمد عبدالخالق صاحب سجادہ نشین جہان خیلاں بن حضرت خواجہ قادر بخش صاحب شمس عرفانی رحمۃ اللہ علیہ
 جناب مولانا مولوی عبدالجبار صاحب بن مولانا مولوی عبداللہ صاحب غزنوی، جناب مولانا مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی، جناب
 مولانا مولوی حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب سجادہ نشین نقشبندی، جناب صاحبزادہ سید عبدالقادر صاحب سجادہ نشین باجھ خیلاں
 ضلع پشاور، جناب صاحبزادہ محمد چراغ صاحب سجادہ نشین چکوڑی بھیلو وال ضلع گجرات، جناب صاحبزادہ عبد العزیز صاحب
 سجادہ نشین چاچر شریف ضلع شاہ پور، مولانا مولوی غلام محمد صاحب بگوی نقشبندی امام شاہی مسجد لاہور، مولانا مولوی شمس اللہ
 صاحب امرتسری، مولانا مولوی عبدالاحد صاحب خان پوری، مولانا حافظ عبدالننان صاحب وزیر آبادی، مولانا مولوی محمد علی صاحب
 واعظ، مولانا مولوی احمد دین صاحب بھوئی ضلع کیمبل پور، مولانا مولوی عبداللہ صاحب سجادہ نشین جلو ضلع ہزارہ، مولانا حافظ نور احمد
 صاحب ملتان مشیر مال مدرسہ انوار الرحمن، مولانا مولوی محمد نور الحق صاحب ضلع شاہ پور، مولانا مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب باغبان پوری،
 مولانا مولوی محمد ذاکر صاحب اول مدرسہ حمیدیہ انجمن حمایت اسلام لاہور، مولانا مولوی میر محمد عبداللہ صاحب پشاور، مولانا
 مولوی محمد یوسف صاحب سکنہ بھوئی، مولانا حافظ احمد دین صاحب ولد مولوی سعید الدین صاحب، مولانا مولوی عبدالحق صاحب غزنوی،
 مولانا مولوی محمد یار صاحب امام مسجد طلالی لاہور، مولانا مولوی محمد شریف صاحب سکنہ بھیلو وال ضلع گجرات، مولانا مولوی ابو محمد احمد صاحب
 لاہوری، مولانا مولوی غلام مصطفیٰ صاحب ایم او ایل پروفیسر عربی، فارسی گورنمنٹ کالج لاہور، مولانا مولوی محکم الدین صاحب لاہوری،
 مولانا مولوی محمود الدین صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ ڈیرہ غازی خان، مولانا مولوی غلام احمد صاحب اول مدرس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور،
 مولانا مولوی احمد دین صاحب ضلع جہلم، مولانا مولوی حافظ محمد غازی صاحب ضلع راولپنڈی، مولانا حافظ سراج الدین صاحب سکنہ گولڑہ
 شریف، مولانا مولوی ابوالفیض محمد حسن صاحب فیضی مدرس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور، مولانا حافظ احمد علی صاحب بٹالوی، مولانا مولوی
 نور احمد صاحب پشوری، مولانا مولوی حافظ جمال الدین صاحب لاہوری، مولانا مولوی نور الدین صاحب امرتسری، مولانا مولوی
 حافظ محمد حسین صاحب امام مسجد چینیال لاہور، مولانا مولوی علی محمد صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری ناظم التعليم انجمن حمایت اسلام لاہور،
 مولانا مولوی نور احمد صاحب ضلع فیروز پور، مولانا مولوی احمد علی صاحب سیالکوٹی، مولانا مولوی شفیق الرحمن صاحب لاہوری، مولانا خلیف
 عبدالرحیم صاحب واعظ انجمن حمایت اسلام لاہور، مولانا مولوی سید حسن صاحب مدرس اسلامیہ راولپنڈی، مولانا مولوی
 عبداللہ صاحب مدرس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور، مولانا مولوی غلام ربانی صاحب سکنہ بھوئی، مولانا سید لعل شاہ صاحب صوفی
 ضلع ہزارہ، مولانا مولوی شہاب الدین صاحب مرولہ والا، مولانا مولوی فتح علی صاحب ریاست جموں، مولانا مولوی محمد عبدالکریم
 صاحب مدرس مدرسہ اسلامی کالرا، مولانا مولوی امیر حمزہ صاحب ساکن بھوئی، مولانا مولوی محمد فضل حق صاحب ضلع شاہ پور،
 مولانا مولوی جمال الدین صاحب راولپنڈی، حضرت تاج خلیفہ شاہ عزیز الدین صاحب پشاور، مولانا مولوی ولی احمد صاحب ضلع ہزارہ،
 مولانا مولوی عبداللطیف صاحب مچنی علاقہ افغانستان، مولانا مولوی احمد دین صاحب سکنہ جواہر تحصیل چکوال، مولانا مولوی عبدالعزیز

صاحب جوائنٹ سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور، مولینا مولوی احمد علی صاحب واعظ دہلوی وغیرہ وغیرہ۔
 تنبیہ۔ مرزا غلام احمد اور اس کے حواریوں کو واجب ہے کہ وہ خواہ مخواہ گھڑیٹھے بیٹھے بزرگان دین اور عزیزین
 اسلام کے نام نامی اپنی تحریروں میں شائع کر کے انہیں مخاطب کرنے سے باز رہیں۔ کیونکہ ایسی تحریروں
 سے بجز عامہ خلافت میں بد امنی پھیلنے کے اور کچھ حاصل نہیں۔ ہم ان کی فضول اور پھر تحریروں کے جواب
 دینے سے حسب ہدایت جلسہ اہل اسلام لاہور مجبور ہیں۔ اور انہیں اب اختیار ہے کہ وہ ناحق بے گناہ
 کاغذوں کو اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کر کے جس قدر چاہیں زمانہ میں ذلت اور رسوائی حاصل کریں۔

بعد اختتام جلسہ

صاحبان ذیل کی رائے سے یہ تجویز ہو کہ جلسہ ہذا کی تمام کارروائی عموماً پبلک کی اور خصوصاً اہل اسلام کی اطلاع کے لیے
 شائع کر دی جائے:-

- ۱۔ عالی جناب لیفٹیننٹ کرنل راجہ محمد عطاء اللہ خان صاحب سابق سفیر کابل و حال آزریری مجسٹریٹ و رئیس اعظم
 وزیر آباد و پرنسپل انجمن نعمانیہ لاہور
- ۲۔ جناب چوہدری محمد سلطان خان صاحب بیرسٹریٹ لار سابق میر منشی کابل
- ۳۔ جناب خواجہ کریم بخش صاحب میٹھی و رئیس اعظم پشاور
- ۴۔ جناب مرزا محمد ظفر اللہ خان صاحب مجسٹریٹ درجہ اول لاہور
- ۵۔ جناب سردار بہادر سید امیر علی شاہ صاحب رسالہ المیجر و آرڈر آف میرٹ درباری لاٹ صاحب
- ۶۔ جناب سید میر احمد شاہ صاحب نقشبندی پٹیہ رحیمیت کورٹ پنجاب لاہور
- ۷۔ جناب منشی محرم علی صاحب چشتی پور پرائیمر و ایڈیٹر رفیق ہند لاہور
- ۸۔ جناب مولوی تاج الدین احمد صاحب جوہر مختار عدالت چیف کورٹ پنجاب و سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور
- ۹۔ جناب میاں سراج الدین صاحب جنرل بینک مرچنٹ و رئیس لاہور
- ۱۰۔ جناب ڈاکٹر حکیم غلام نبی صاحب سابق میونسپل کمشنر لاہور
- ۱۱۔ جناب مولوی نواب دین صاحب معتبر و مختار کالہ سردار غلام محمد خان صاحب رئیس اعظم ضلع ہزارہ
- ۱۲۔ جناب خلیفہ عماد الدین صاحب انسپکٹر مدارس
- ۱۳۔ جناب مرزا محمد ابراہیم صاحب قزلباش لاہور
- ۱۴۔ جناب میاں تاج الدین صاحب پنشنر کوٹھیدار رئیس لاہور
- ۱۵۔ جناب حافظ چراغ دین صاحب سوداگر و امین انجمن نعمانیہ لاہور
- ۱۶۔ جناب منشی شمس الدین صاحب شائق مالک و مہتمم مطبع شمس الہند لاہور
- ۱۷۔ جناب میاں الطاف حسین صاحب رئیس لاہور
- ۱۸۔ جناب حکیم سلطان محمود صاحب راولپنڈی
- ۱۹۔ جناب مولوی محبوب عالم صاحب ساکن گولڑہ شریف

۲۰۔ جناب مولانا مولوی ابوالفیض محمد حسن صاحب فیضی

۲۱۔ جناب حاجی لالہ عبد الکریم صاحب سوداگر پشاوری و دیگر صاحبان

التماسِ بخدمتِ جمیع صاحبانِ دیگر مذاہب

چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد وغیرہ بالکل خلافِ اسلام ہیں اس لیے آپ صاحبان کی خدمت میں مؤذبانہ التماس ہے کہ آئندہ مرزا کی کسی تحریر یا تقریر یا الہام وغیرہ کو مد نظر رکھ کر اہل اسلام کو مخاطب نہ فرمائیں۔ مرزائے مذکور جیسا اہل اسلام کا مخالف ہے دیگر مذاہب کا مخالف نہیں۔ اس لیے اس کے کسی حملہ سے آپ مسلمانوں پر کوئی اعتراض نہ فرمادیں۔

صاحبان ایڈیٹران اخبارات و رسالہ جات !

جن کی خدمت میں یہ رویداد پہنچے۔ وہ ضرور اسے اپنے قیمتی رچوں میں جگہ دے کر ہم خادمانِ اسلام کو مشکور فرمادیں۔ نیز شائقینوں سے بھی امید ہے کہ وہ بعد ملاحظہ خود اس کے مشہر کرنے میں حتی الوسع دریغ نہ فرمائیں۔

المشہران

- ۱۔ ابوسعید محمد خالق سجادہ نشین جہان خیلان بن خواجہ خواجگان حضرت خواجہ قادر بخش صاحب شمس عرفانی رحمۃ اللہ علیہ
- ۲۔ سردار بہادر سید امیر علی شاہ رسالہ امیر، آرڈر آف میرٹ، درباری لاٹ صاحب بہادر
- ۳۔ سید میر احمد شاہ نقشبندی پٹیہ چیف کورٹ پنجاب
- ۴۔ مفتی حکیم سلیم اللہ محافظ دفتر صاحب فنانشیل کمشنر بہادر پنجاب
- ۵۔ حاجی عبدالقہار نیو سپل کمشنر لاہور
- ۶۔ مولوی عبدالعزیز مصحح دفتر جسر ارشدیہ تعلیم گورنمنٹ پنجاب و ایڈیٹر رسالہ انجمن حمایتِ اسلام لاہور
- ۷۔ حافظ محمد دین تاجر کتب مالک و مہتمم مصطفائی پریس لاہور

اطلاع

چونکہ مجھے بہت صاحبان کے خط اس غرض سے آرہے ہیں کہ تمام اشتہارات متعلقہ مناظرہ مرزا قادیانی و پیر صاحب اول سے آخر تک جس قدر میں روانہ کرو۔ مگر میں بوجہ عدم موجودگی تمام اشتہارات اُن صاحبان کی تعمیل کرنے سے اکثر معذور رہتا ہوں۔ اس لیے اب چند اجاب و شائقینوں کی رائے سے میں نے ایک مفصل رویداد بطور رسالہ جس میں ابتدا سے انتہا تک تمام کارروائی مع کل اشتہارات کے خلاصوں کے درج ہوگی طبع کرانے کا ارادہ کیا ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ مناسب وقت میں بہت جلد شائع ہو جائے گی اور اس کی قیمت دو آنے یا کم و بیش رکھی جائے گی۔ پس جو صاحبان اس کے خواہاں ہوں وہ مجھ نیاز مند کے پاس درخواستیں ارسال کریں۔

المشتہر

خادمِ اسلام حافظ محمد دین تاجر کتب مالک و مہتمم کارخانہ
مصطفائی پریس لاہور کشمیری بازار
(نقل رویداد جلسہ ختم ہوتی)

تھا کہ پیر صاحب کا یہ گمان باطل بھی توڑنے کے لیے کہ گویا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی رو سے کچھ بحث کر سکتے ہیں اپنے دوستوں میں سے کسی کو بھیج دوں۔ اور اگر جتی فی اللہ فاضل جلیل العتد مولوی سید محمد احسن صاحب امر وہی پیر صاحب کے ساتھ بحث کرنا قبول فرماتے تو ان کا فخر تھا کہ ایسے سید بزرگوار محدث اور فقیہ نے اپنے مقابلہ کے لیے ان کو قبول کیا۔ مگر افسوس کہ سید صاحب موصوف نے جب دیکھا کہ اس جماعت میں ایسے گندے لوگ موجود ہیں کہ گندی گالیاں ان کا طریق ہے تو اس کو مشتے نمونہ از خردار سے پر قیاس کر کے ایسی مجلسوں میں حاضر ہونے سے احتراز بہتر سمجھا۔ ہاں میں نے پیر مہر علی شاہ صاحب کے لیے بطور تحفہ ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام میں نے تحفہ گوڑویہ رکھا ہے جب پیر صاحب موصوف اس کا جواب لکھیں گے تو لوگوں کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے دلائل کیا ہیں اور ان کا جواب کیا۔

مرزا صاحب کے عذرات

مرزا صاحب اور ان کے سیرت نگاروں نے ان باتوں پر بڑا زور دیا ہے :-

۱۔ پیر صاحب نے کہا ہے کہ اگر مرزا صاحب ہار جائیں تو مجھ سے بیعت کریں۔

۲۔ بیعت کے بعد اپنے پیر کے ساتھ تحریری مقابلہ کیا مہنی؟ اور

۳۔ مباحثہ کے حکم مرزا صاحب کے مخالف تھے۔

ان عذرات کا جواب

ان عذرات کے جوابات یہ ہیں :-

۱۔ مرزا صاحب نے اشتہار دعوت میں کہا تھا کہ اگر تحریری مقابلہ میں وہ غالب رہے تو پیر صاحب پر واجب ہوگا کہ وہ توبہ کے مجھ سے بیعت کریں اور لازم ہوگا کہ یہ اقرار صاف صاف لفظوں میں بذریعہ اشتہار دس دن کے عرصہ میں شائع کر دیں۔ حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے اپنے اشتہار دعوت میں فرمایا تھا — بعد ظہور اس کے کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو بپایہ ثبوت نہ پہنچا سکے، مرزا صاحب کو بیعت توبہ کرنا ہوگی۔ گویا کسی جگہ اپنے ساتھ بیعت کا ذکر نہیں فرمایا۔

۲۔ مرزا صاحب نے صرف تفسیر نویسی ہی اپنے ساتھ بیعت کی شرط رکھی تھی جس کے بعد تحقیق حق کا کوئی موقع باقی نہیں رہنے دیا تھا۔ لیکن حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے تحقیق حق کے بعد صرف بیعت توبہ کا مطالبہ فرمایا اور اپنے پیر یا مرزا صاحب کے مُرد بننے کا تعاضا نہیں فرمایا۔ مرزا صاحب کے پیش نظر فقط اپنی بڑائی اور انا خیر مینہ کا خیال نظر آتا ہے۔ مگر حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے سامنے اسلام کی حقانیت اور قادیانیت کے بطلان کا مسئلہ ہے۔

۳۔ مولوی محمد حسین اور ان کے دونوں رفیقوں کے حکم بنانے کی تجویز خود مرزا صاحب کی اپنی تجویز تھی جو انہوں نے اپنے اشتہار

دعوت میں پیش کی تھی۔ حضرت قبلہ عالم قدس برہ کی طرف سے ضمیر جواب اشتہار دعوت میں مندرجہ ذیل الفاظ درج ہیں :-

”جو شخص بحث میں مغلوب ہوگا اس کو بیعت توبہ کرنا لازم ہوگی وہ بیعت بجا ضروری جمیع علماء کرنی ہوگی۔

اور اس بحث کے حکم خواہ وہ ہر سبہ مولوی صاحبان ہوں جن کو مرزا صاحب منظور کرتے ہیں خواہ ادرجن کو مرزا صاحب

مقرر کریں گے۔ لیکن رعایت یہ ہوگی کہ جن کو مرزا صاحب بعد میں مقرر کریں گے نہ تو ان کے معتقدین میں سے ہوں

اور نہ پیر صاحب کے طنے والوں میں سے۔ مرزا صاحب کو اختیار ہے کہ ان سے جس طرح سے اور جو جو حلف
قبل ازاں ہمارے لئے مناسب سمجھیں لے لیں۔ وہ رائے قطعی ہوگی۔“

مسلمان دشوروں اور عوام پر مرزا صاحب کے اشتہارات و دلائل کار و عمل اور ان کے عواقب

علمائے اسلام نے تو شاہی مسجد لاہور کے جلسہ ہی میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ چونکہ مرزا صاحب اور ان کی اُمت پر ہر لحاظ سے
امامِ مجتہد ہو چکی ہے اس لیے آئندہ انہیں مخاطب بنانا محض تضيغ اوقات ہوگا۔ مگر مسلمان عوام اور دشوروں پر مرزا صاحب کے
اس معرکہ میں اشتہارات و دلائل کا مین برعکس اثر ہوا۔ وہ ایک ایسے امام کے منظر تھے جس کے ذریعے تمام رُوسے زمین پر اسلام
کا بول بالا ہونا تھا۔ مگر وہ دیکھ رہے تھے کہ مرزا صاحب اُس امامت کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر شمشیر بکف ہو کر اسلام کے تحفظ یا مخالفین
کے مقابلہ میں نہ تو قدم باہر نکالتے ہیں اور نہ اپنے اسلام کی تبلیغ و اشاعت دین کے لیے دلائل و بھت کے میدان میں ہی اترنے
کی جرأت کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کی یہ دلیل کہ انہوں نے ۱۸۹۷ء سے پادری آتم وغیرہ کے مباحثات سے متاثر ہو کر انجامِ آتم
میں لکھ دیا تھا کہ آئندہ وہ تقریری مباحثے نہیں کریں گے۔ اُن کی نظریں قطعاً کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی اور غیر معقول تھی۔ کیونکہ وہ
غیر مسلموں سے مقابلہ کی بات تھی مگر موجودہ صورت میں چونکہ انہوں نے یعنی مرزا صاحب نے مستقل نبوت کا دعویٰ کر کے مسلمانوں میں
ختمِ نبوت کے متفقہ عقیدہ سے انکار کر کے اُسے چیلنج کیا تھا اس لیے اس کے اثبات کے لیے اُمتِ مسلمہ کو سمجھنے سمجھانے کا
موقعہ ہم پہنچانے کی خاطر بحث و تمحیص کی ضرورت بالکل واضح تھی۔ مسلمان یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ مرزا صاحب کا ملہم کل تو ان کو
اس مباحثہ میں فتح و نصرت، تائیدِ روح القدس، اور وَاللّٰهُ يُعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی بشارات دے رہا تھا اور آج انہیں شاپو
کے سرحدی پٹھانوں سے خوف دل رہا ہے۔ کیا روح القدس کی تائید اب صرف عربی میں تفسیر نویسی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔
آج سے قبل تو روح القدس سے نصرتِ مأمور، شکستِ مخالفین اور تاثیر و تسخیرِ خلق کے معجزات و خوارقِ ظہور پذیر ہوتے آئے تھے
اور کسی نبی کو روح القدس کی تائید کے باعث مخالفین کے ساتھ زبانی بحث و تمحیص سے گریز یا انکار کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ
حق تو یہ ہے کہ کسی نبی کا منکرین کے ساتھ کبھی تحریری مناظرہ نہ ہو۔ جب بھی ایسی نوبت آئی زبانی بات چیت ہی ہوئی تو موجودہ صورت
میں سنت اللہ کیوں بدل گئی؟ پھر کیا حق و باطل کا مدار صرف فصیح عربی تحریر پر ہی تھا۔ اور کیا ایسی صورت میں مصر و شام اور فلسطین و
عراق کے یہودی، نصرانی اور غیر مسلم عرب اپنی مادری زبان میں یقیناً زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ نہیں کر سکتے تھے؟ رہی تفسیر
تو قادیانی مذہب میں تفسیر نویسی کا سوال ہی کیسے پیدا ہوتا تھا۔ کیا مرزا صاحب نے اپنے اُس وقت تک کے بیس سالہ دور میں
قرآن مجید کی کوئی ایسی تفسیر کی تھی جس سے مسلمانوں کے لیے عرفانِ الہی، اتباعِ سنت اور اخلاقِ فاضلہ کی مناسبتیں آسان تر
ہو گئی ہوں۔

غرض اس قسم کے خیالات اور احساسات تھے جو مسلمان عوام نے اپنے بے شمار خلطوط، اشتہارات اور اخبارات میں مضامین
کے ذریعے مرزا صاحب تک پہنچا کر ان کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی اس گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لیے مزید ہاتھ پاؤں ماریں۔

گھرنیے تفسیر نویسی کے مقابلہ کی دعوت

مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۷ء کو مرزا صاحب کی طرف سے ایک اور اشتہار نکلا جس میں اپنے سابقہ اشتہارات اور لاہور میں

حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کے مقابلہ پر نہ جانے کے واقعات کا اعادہ کرتے ہوئے لکھا تھا :-

ہر ہفتہ میں کوئی نہ کوئی ایسا اشتہار پہنچ جاتا ہے جس میں پیر مہر علی شاہ کو آسمان پر چڑھایا ہوا ہوتا ہے اور میری نسبت گالیوں سے کاغذ بھرا ہوتا ہے۔ اور میری نسبت کہتے ہیں کہ دیکھو اس شخص نے کس قدر ظلم کیا کہ پیر مہر علی شاہ صاحب جیسے مقدس انسان بالمقابل تفسیر لکھنے کے لیے صوبت سفر اٹھا کر لاہور پہنچے۔ مگر یہ شخص.... اپنے گھر کے کسی کو ٹھے میں چھپ گیا۔“

اسی سلسلہ میں اپنے پڑانے مرید منشی الہی بخش اکاؤنٹنٹ کے رسالہ معصائے موسیٰ کا حوالہ دے کر لکھا :-
اس میں بھی پیر صاحب کی جھوٹی فتح کا ذکر کر کے جو چاہا کہا ہے۔ اگر کوئی کشتی دو پہلو انوں کی مشتبہ ہو جائے تو دوسری دفعہ کشتی کرائی جاتی ہے۔“

ان چیزوں کا ذکر کر کے اصل مطلب پر آتے ہیں :-

”آج میرے دل میں ایک تجویز خدائے تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی جس کو میں اتمامِ محبت کے لیے پیش کرتا ہوں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ آج میں ان متواتر اشتہارات کا جو پیر مہر علی شاہ صاحب کی تائید میں نکل رہے ہیں یہ جواب دیتا ہوں کہ.... میں اسی جگہ بجائے خود سورہ فاتحہ کی عربی فصیح میں تفسیر لکھ کر اس سے اپنے دعویٰ کو ثابت کروں اور اس کے متعلق معارف اور حقائق سورہ مدوحہ کے بھی بیان کروں۔ اور حضرت پیر صاحب میرے مخالف آسمان سے آنے والے مسیح اور خونی مہدی کا ثبوت اس سے ثابت کریں۔ یہ دونوں کتابیں دسمبر ۱۹۰۰ء کی پندرہ تاریخ سے ستر دن تک چھپ کر تیار ہو جانی چاہئیں۔ تب اہل علم لوگ خود مت بل اور موازنہ کر لیں گے۔“

اس کے ساتھ ہی حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کے لیے پانچ صد روپیہ کا انعام پیش کرتے ہوئے لکھا کہ اگر مقابلہ میں تفسیر فاتحہ تحریر کریں اور میں اہل علم قسم کھا کر پیر صاحب کی تفسیر کو بہتر قرار دیں تو یہ انعام آپ کا حق ہو گا۔ نیز مندرجہ ذیل فقرات لکھ کر اپنی طرف سے حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کو تفسیر لکھنے پر جوش دلانے کی بھی کوشش کی۔

”عقل مند لوگ ہرگز اس بات کے قابل نہیں کہ پیر صاحب کو علم قرآن میں کچھ دخل ہے۔ یا وہ عربی فصیح و بلیغ کی ایک سطر بھی لکھ سکتے ہیں۔ بلکہ ہمیں ان کے خاص دوستوں سے یہ روایت پہنچی ہے کہ بہت خیر ہوئی کہ پیر صاحب کو بالمقابل تفسیر عربی لکھنے کا اتفاق پیش نہیں آیا۔“
خاتمہ کلام اس فقرہ پر تھا :-

”فریقین میں سے کوئی فریق تفسیر فاتحہ چھاپ کر شائع نہ کرے۔ اور یہ دن گزر جائیں تو وہ جھوٹا سمجھا جائے گا اور اس کے کاذب ہونے کے لیے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں ہوگی۔“
جناب مرزا صاحب قادیانی کے احکام ایسے ہی نادر شاہی ہو کر تے تھے :-
”جو مجھے نبی نہیں مانا وہ جہنمی ہے۔“

”جو میری کتابوں کو محبت اور پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے وہ ذریعہ البغایا ہیں۔“
”جو میری شرائط پر میرے مقابلہ میں تفسیر نہیں لکھتے انہیں عربی کی ایک سطر بھی صحیح لکھنا نہیں آتا۔“

اور جو میرے کہنے پر سورۃ فاتحہ کی تفسیر نہیں کہتے گا اُس کے کاذب ہونے کے لیے کسی اور ذریعہ کی حاجت نہ ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ

حضرت کی ذات گرامی پر اس نبی مبارکِ طلبی کا ردِ عمل

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ذات گرامی پر اس نئے چیلنج کا ذرہ بھر بھی اثر نہ ہوا۔ آپ کی ذات مقدس کا اولیائے کبار کی اُس برگزیدہ جماعت سے تعلق تھا جنہیں دائمی مشاہدہ ذات کے باعث اُس شغل میں معمولی سا خلل حتیٰ کہ ٹھکی دوس و تدریس کی طرف توجہ بھی گراں گزرتی ہے۔ آپ کے ملفوظاتِ طیبات میں اسی انداز کا واقعہ درج ہے کہ ایک روز حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت آپ نے فرمایا کہ جب انہیں فرمان الہی نے ارشادِ طالبین پر مامور فرمایا تو غش کھا کر گر پڑے۔ جس پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ملائکہ سے خطاب فرمایا رُدُّوْا عِبْدِیْ اِلَیَّ (ہمارے بندے کو ہماری طرف واپس لاؤ) ایسے ہم سے ایک پل کی جُدائی بھی گوارا نہیں۔ ایسی صورت میں بھلا ان ذاتی تعلیموں کو جن سے نہ دین کا فائدہ متصور تھا نہ دنیا کا آپ اپنے اوقات شریف میں خلل انداز ہونے کی کیسے اجازت دے سکتے تھے؟ سیفِ چشتیائی میں مرزا صاحب کے ایک اشتہار کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: مجھ کو اپنے اوقاتِ عزیز کی تضحیح پر جو ایسے جاہلانہ اشتہارات کی تردید میں ہو رہی ہے۔ نہایت رنج و افسوس ہوتا ہے مگر کیا کروں بعض اجاب نے مجبور کر رکھا ہے۔

حضرت بابو جی قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت دیوان سید محمد پاک پتن شریف کے اصرار پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ لیکن پھر یہ کہہ کر دیوان صاحب سے معذرت خواہ ہوئے کہ میرے خیال تفسیر نویسی پر میرے قلب پر معانی و مضامین کی اس قدر بارش شروع ہو گئی ہے جسے ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے ایک عمر درکار ہوگی۔ اور کوئی اور کام نہ ہو سکے گا۔

”سیفِ چشتیائی“

چنانچہ مرزا صاحب نے ۱۵۔ دسمبر ۱۹۰۷ء کے ستر دن بعد اعجازِ مسیح کے نام سے سورۃ فاتحہ کی تفسیر شائع کی جب تفسیر عربی دان طبقہ کے ہاتھوں میں پہنچی تو مرزا صاحب کے تفسیری کمالات سب کے سامنے آگئے۔ اور عربی دانی و عربی نویسی کے بلند بانگ دعاوی کی اصلیت سب پر روشن ہو گئی۔ اس تفسیر کی زبان محاورہ سے محروم، لغوی اور نحوی اغلاط سے مملو اور سترہ عبارت سے پُرمتی۔ ”فی سبعمین یوماً من شہر الصیام“ پر تو طلباء نے بھی آواز سے کہنے کا قادیان کا رمضان شریف ستر دنوں کا ہوتا ہے حسبِ معمول تفسیری کارنامہ بھی محض مفسر کی اپنی ذات کے اشتہار تک ہی محدود تھا۔ علمی انکشاف اور عرفانی اسرار کے نادر نمونہ جات اگر کوئی تھے تو یہ کہ ”یوم الدین“ مسیح موعود کے زمانہ کا نام ہے اور الحمد للہ“ سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے جو دَلَّہُ الْحَمْدُ فِي الْاُولٰٓئِ وَالْاٰخِرَةِ فرمایا ہے تو اس سے دو احمد مراد ہیں۔ احمد اول حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور احمد آخر مرزا غلام احمد قادیانی۔ حالانکہ مرزا صاحب کی اپنی اُمت یہ کہہ رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی احمد نہیں تھا۔

اعجازِ مسیح کی پیش گوئی کے ان ستر دنوں میں مصر کے ایک اخبار نے مرزا صاحب کے اس دعویٰ کا مضحکہ اڑایا تھا کہ عربی

زبان میں تفسیر لکھنا ایک ایسا اعجاز ہے جس سے ایک ہندوستانی کا دعویٰ نبوت ثابت ہو جاتا ہے۔ اس پر مرزا صاحب نے اس اخبار کو بھی اپنے چیلنج میں شامل کر لیا اور مصر میں اشتہار بھجوائے کہ عربی ممالک کا کوئی شخص اگر مقابلہ میں آنا چاہتا ہے تو آجائے۔ علامہ اقبال کو مرزا صاحب کے ایسے ہی لطائف پر محمد علی باب کی یاد نے گدگدایا تھا۔ علماء نے باب کو کہا تھا کہ تم قرآن مجید کے اعراب غلط پڑھ رہے ہو۔ باب بولا۔ مجھ سے پہلے قرآن اعراب کا پابند تھا۔ اب میری امامت کے انوار و برکات کے صدقہ میں قرآن کو اس پابندی سے آزاد کر دیا گیا ہے۔

جب اعجازِ المسیح کی تفسیر پر بھی خاطر خواہ نتائج مترتب نہ ہوئے اور مسلمانوں کے خطوط اور اشتہارات میں یہ تقاضا مزید زور پکڑ گیا کہ مرزا صاحب ان لطائفِ الحیل کو چھوڑ کر حضرت پیر صاحب کی کتاب شمس الہدایت کا جواب لکھنے کی طرف متوجہ ہوں تو انہوں نے مولوی محمد احسن امر وہی کو جو تنخواہ میں تخفیف کے باعث ناراض ہو کر امر وہ چلے گئے تھے، واپس بلوایا اور کوئی ایک سال کے عرصہ میں ان سے شمس بازغہ لکھوا کر شائع کرائی۔ تخفیفِ تنخواہ کے بہانے گھر بھجانے کی وجہ یہ بیان ہوتی ہے کہ مولوی صاحب دعویٰ نبوت کے معاملہ میں سو فی صد ہم نوا نہ تھے۔

اعجازِ المسیح اور شمس بازغہ کے جواب میں حضرت قبلہ عالم قدس بترہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب سیفِ چشتیائی تصنیف فرمائی جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہو کر برصغیر کے علماء و مشائخ، دینی مدارس اور مذہبی اداروں میں مفت تقسیم کی گئی۔ اس میں حضرت قبلہ عالم قدس بترہ نے مرزا صاحب کی اعجازی تفسیر سورہ فاتحہ موسومہ اعجازِ المسیح پر صرف و نحو، لغت، بلاغت، معانی، منطق اور محاورہ کی غلطیاں، نیز سرکہ، تحریف اور التباس کے قریباً یکصد اعتراضات فرمائے ہیں، جن میں سے بعض یہاں بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ ان سے عربی دان اور عالم حضرات ہی کچھ لطف اندوز ہو سکیں گے۔

اعجازِ المسیح

قال صفحہ ۲۔ وَخَلت راحتها من بخل المزنۃ

اقول۔ ظاہر ہے کہ من صلہ خلت کا خلاف مقصود ہونے کی وجہ سے نہیں ہو سکتا اور تعلیلیہ موم ہے معنی غیر مراد کی طرف، اس لیے یہاں لام کا محل تھا۔

قال صفحہ ۳۔ من کل نوع الجناح

اقول۔ کلمہ کل معرفہ پر احاطہ اجزا کا افادہ دیتا ہے جو یہاں مقصود نہیں اس لیے نوع للجناح چاہیے تھا۔

قال صفحہ ۳۔ کل امرهم علی التقویٰ

اقول۔ یہاں بھی کل مجموعی خلاف مراد ہے اس لیے کل امرہم چاہیے تھا۔

قال۔ وعندی شہادات من ربی لقوم مستقرین و آیات بیتات للمبصرین وجہ کوجہ

الصّادقین۔

اقول۔ ووجہ عطف ہے شہادات پر گویا عندی وجہ ہوا اور یہ خلاف محاورہ ہے کیونکہ خبر پر عند نہیں آتا۔

لہ قال کے معنی میں اس نے کہا اور اقول کے معنی میں میں کہتا ہوں۔

قال - این الخفا فافتحو العین ایہا العقلا

اقول - فافتحو پر فا کا لانا بے محل ہے کیونکہ فا کا ما قبل اس کے مابعد کے لیے سبب ہوتا ہے اور اس جگہ برعکس ہے۔
عدم الخفا سبب فتح العین کے لیے نہیں بلکہ فتح العین سبب ہے عدم الخفا کے لیے۔

قال صفحہ ۸ - حتی اتخذ الخفا فیش وکثر الجنانہم

اقول - ترجمہ یہ ہے :- یہاں تک کہ چمگا دروں نے مخالفین کے دل کو آشیانہ بنا لیا۔ جنانہم پہلا مفعول ہوا اتخذ کے لیے اور وکثر اُدوسرا مفعول۔ اتخذ چونکہ بنفسہ متعدی الی المفعولین ہے۔ لہذا لام کا لانا فضول ہے۔ دوسرا تقدیم مفعول ثانی کی بے وجہ ہے اور تیسرا جنان اور وکثر کا بہ لحاظ ما قبل یعنی قولہم وفضلہم واعیانہم جمع ہونا چاہیے۔

قال صفحہ ۹ - واکفروہ مع مرید یہ واعوانہ وانزل اللہ کثیرا من الایۃ فما قبلوا

اقول - وانزل اللہ کثیرا فصل کا محل ہے کوئی کلمہ والہ علی الفصل چاہیے۔

قال صفحہ ۳۰ - وجعل قلمی وکلمی منبع المعارف

اقول - منابع المعارف یا منبعی المعارف چاہیے۔

قال صفحہ ۴۱ - فقد انعدم علمہ کثلج ینعدم بالذوبان۔

اقول - انعدم کا لفظ غیر مستعمل ہے بجائے اس کے عُدَم چاہیے۔ دیکھو قاموس۔

قال صفحہ ۸۱ - وھذا الرجیم ھو الذی ورد فیہ الوعد اعنی الدجال

اقول - عجیب مسئلہ ہے کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم میں جو شیطان ہے اس سے مراد تو ابلیس ہے اور رجیم جو اس کی صفت ہے اس سے مراد دجال ہے جسے عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے۔ آج تک یہی سنا تھا کہ موصوف اور صفت کا بمصداق ایک ہی ہوا کرتا ہے مگر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم سے مراد صاحب نے کیسے ثابت کر دیا کہ ان کا بمصداق مغایر بھی ہوتا ہے سبحان اللہ۔

قال صفحہ ۱۳۵ - قد استنبطت ھذا النکتۃ من قولہ الحمد للہ رب العلمین۔

اقول - مرزا جی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں دنہ الحمد فی الادوی والآخرۃ دو احمدوں کی طرف اشارہ ہے ایک اولیٰ احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ دوسرا آخرۃ احمد بن غلام مرتضیٰ۔ سبحان اللہ عجیب استنباط ہے۔

قال - الزمر اللہ کافۃ اھل الملتۃ

اقول - کافۃ کا لفظ عربی میں مضاف نہیں آتا۔

قال - الاعلیٰ النفس التی سعی سعیا

اقول - سعی کی جگہ سعیت مؤنث چاہیے۔

قال صفحہ ۱۴۰ - وذلک وقت المسیح الموعود وھو زمان ھذا المسکین والیہ اشار فی آیۃ یوم الدین۔

اقول - لعنۃ اللہ علی الکاذبین المحرفین۔

قال صفحہ ۱۴۳ - وسعی زفان المسیح الموعود یوم الدین

اقول - ثانیاً لعنۃ اللہ علی الکاذبین المحرفین

قال صفحہ ۱۵۹۔ الاقلیل الذی ہو کامل معدوم

اقول۔ بیض، بلیغ، بلع صاحب موصوف نکرہ ہے اور صفت معرفہ۔ مرزا صاحب نے ابتدائے کلام میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ پر اپنے دل کا غبار نکالتے ہوئے ایک جگہ لکھ دیا تھا:-

قال۔ ومع ذلك كان يخاف الناس

چنانچہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ فرماتے ہیں:-

اقول۔ "خائف وہی ہوتے ہیں جن کو میدان میں سامنے آنا موت نظر آتا ہے مع آنکہ تحریک مقابلہ بھی پہلے خود ہی کی ہو۔ ماہور من اللہ کو میدان میں موجود ہونا نہایت ہی ضروری تھا تاکہ خلق اللہ ماہور کی غیر حاضری کے باعث اُس کو مفتری علی اللہ سمجھ کر صراطِ مستقیم نہ چھوڑ دیں۔ مخالفین کو لگا کر بُلانا اور پھر گھر سے باہر نہ نکلنا گویا اپنے ہی ہاتھوں دین کی بیخ کنی کی ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ کو بحسب وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ہ قرآن کریم کو تحریف سے بچانا منظور تھا۔ اور اُمتِ مرحومہ کو یہ سمجھانا کہ غلام احمد قادیانی کتاب اور سنت اور اجماع کا محرف ہے۔ اس لیے اس کے ہاتھ سے اشتہار دعوت باں کر دفر کہ ضرور میرا مقابل میرے مقابلہ میں ذلیل ہوگا، یہ ہوگا، وہ ہوگا، رُوئے زمین پر دلوایا جس میں خود ہی اُس نے ان تین علماء جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر لاہوری، جناب مولوی عبدالجبار صاحب امرتسری اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو حکم قرار دیا اور انتظام پولیس وغیرہ بھی لکھ دیا۔ اور پہلے اس کے آپ کو الہام بھی ہو چکا تھا کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ نِزَانِي مُهَيِّنٌ مِّنْ اِهَانِكَ اور تیری اور تیرے گروہ کی میں حفاظت کروں گا اور تیرا ہی گروہ قیامت تک غالب رہے گا (دیکھو کتاب البریہ) اور اسی اشتہار میں اخیر پر لکھ دیا کہ لعنة الله على من تخلف و آبی۔ مسلمانو، غور سے سوچو یہ ایک مکبر الہی تھا مقابلہ مکر قادیانی صاحب کے جو انہوں نے سوچا تھا کہ کسی کو کیا ضرورت جو اجابت دعوت کرے گا اور ہم کو گھر میں بیٹھے بٹھائے فتح حاصل ہو جائے گی۔ مگر چونکہ بحکم وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ، الہی مکر غالب رہتا ہے۔ اس لیے قادیانی صاحب کی اُس کر دفر کے بعد ایام جلسہ لاہور میں قلمی اور کلمی طاقیت سلب کر لی گئیں یعنی عدم حاضری کا عندز تک بھی قلم اور منہ سے نہ نکلا۔ باوجود اس کے کہ معتقدین و مخالفین دونوں کی جانب سے سخت اصرار و کشمکش بھی ہوئی۔ تخمیناً پانچ چھ دن کے بعد جب ہمارے واپس ہونے کی خبر جناب کو پہنچی تو زرد کاغذ پر بید لرزاں کی طرح قلم پلٹنے لگا۔ اور اعذار بارودہ ادھن من بیت العنکبوت شروع ہوئے کہ ہم کو سرحدی لوگوں کا خوف تھا اس لیے نہیں آئے۔ اس عذر پر لوگوں نے کہا کہ کیا آپ اُن الہامات کو بھول گئے ہیں جن میں آپ کو ملہم کی جانب سے پوری تسلی اور غالب رہنے کی بشارت دی گئی تھی یا آپ کے ملہم سے بھی ایفاء وعدہ کی قدرت سلب کی گئی۔

"ہماری طرف سے تقریری شرط کی ترمیم اس لیے تھی کہ تقریر بھی معیار صداقت ہونے میں تحریر سے کم نہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ غالب کرنا چاہتا ہے۔ اور اُس کو منظور ہوتا ہے کہ اس کے غالب رہنے کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت کروں، تو اُس کے غلبہ کو معیار صداقت ٹھہرانے کے بعد ضرور ہی اُس کو غالب کرتا ہے۔ اور اُس سچے ماہور کو فرض منصبی کی رُو سے حریف مقابل کے دُوبدو ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ بلکہ قادیانی صاحب چونکہ بزور و فناء محمدی و عیسیٰ کے مدعی ہیں تو تقریری معیت بلکہ تسلیم اُن پر ضروری تھی۔ کیونکہ اُن کے بارزین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام نے بھی تبلیغ حق تفسیری طور پر کی تھی۔

"دوسری وجہ ترمیم کی یہ ہے کہ صرف تحریریں احمق حق اچھی طرح نہیں جانتے۔ بالفرض اگر قادیانی صاحب جلسہ لاہور میں بھی تفسیر

لکھتے تو کیا ان کی بھولی بھالی جماعت بے تیزی کی وجہ سے اپنی ضلالت یعنی گمراہی پر زیادہ پکی نہ ہو جاتی۔ اُن کو ذاتی لیاقت اس قدر کہاں تھی کہ اس تفسیر کے مضامین واہمیہ اور محرفہ پر اطلاع پاویں یا مرزا جی کے سر قہ کو پکڑ سکیں۔ وہ تو صرف عربی عبارت مسرودہ کو دیکھ کر زیادہ گمراہ ہو جاتے۔

”مرزائیوں کی اس کم توجہی پر نہایت ہی افسوس آتا ہے کہ انہوں نے نبوت اور قرآن دانی کا معیار انشا پر دازی کو سمجھ رکھا ہے اور پھر انشا پر دازی جس کے لفظی اور معنوی کمال کی قلعی کھل رہی ہے۔ بھلا مثلاً اگر کوئی عربی زبان میں یہ مضمون لکھ دے کہ نماز عبارت صرف توجہ الی اللہ سے ہے اور اوضاع معمولہ اہل اسلام کی کوئی حقیقت نہیں اور اپنے دعوئے کی دلیل اس امر کو ٹھہرانے کہ میری طرح چونکہ کوئی شخص عربی نویس نہیں ہے اور فی الواقع ایسا بھی ہو تو کیا کوئی عاقل ایسی دلیلیں سے اُس کے دعویٰ کو مان سکتا ہے برگر نہیں۔“

مرزا صاحب نے اپنی اس تفسیر کو کلام اللہ کا مثل اور اعجاز میں قرآن مجید کا نخل بتایا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:-

”ان کلامی هذا قد جعل من المعجزات (اس کلام من بطور معجزہ گردانیدہ شد) وای معجزۃ

اعظم من اعجاز قد وقع ظل القرآن و شانہ کلام اللہ فی کونہ ابعث من طاقۃ الانسان۔

(و کلام معجزہ ازاں معجزہ بزرگ تر خواہد بود کہ قرآن را ہم چوں نخل واقع شدہ و کلام الہی را در خارق عادت

بودن مماثل گشتہ)

حضرت قبلہ عالم قدس برتر نے مرزا صاحب کے اس معجزانہ کلام میں صرف مقامات حریری سے ہی بس مسرودہ عبارات کی نشاندہی فرمائی ہے۔ جہاں مرزا صاحب نے حریری کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ ان کے سیرت نگار ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے اپنی کتاب ”مجدد اعظم میں اسے توارق قرار دیا ہے یعنی جس اعجازی اور الہامی کلام کا صدور اور ورود انسانی طاقت سے بالا اور بعید قرار دیا جا رہا ہے اُس میں صرف مقامات حریری سے ہی توارق پائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ پیر صاحب، حضرت اقدس مرزا صاحب کے مقابلہ پر لکھتے بھی تو کیا لکھ سکتے تھے واقعی پیر صاحب کے کسی مبتدی شاگرد سے بھی ایسا غلط کلام وجود میں نہیں آسکتا تھا جیسا آپ کے حضرت اقدس کے مہم سے صادر ہوا ہے۔
مثلاً اَلْاَرْضُ وَالسَّمَاءُ مَعَكَ كَمَا هُوَ مَعِيَ۔ جہاں نہ تنبیہ کی خبر ہے نہ تائید کی۔

”شمس بازغہ“

حضرت قبلہ عالم قدس برتر نے ”سیرت چشتیانی“ میں کتاب شمس بازغہ کے صفحہ ۱۰۰ اندراجات کے علی الترتیب ایسے خاموش کن اور مستجابات دیئے کہ علمائے وقت میں، امروہی صاحب کے علمی افلاس کا ڈھنڈورا پٹ گیا۔ آپ نے شمس الہدایت میں مرزا صاحب سے محاورہ قرآنی کے تحت کلمہ طیبہ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنی دریافت فرمائے تھے۔ مرزا صاحب نے اس کام پر اپنے ان بڑے مولوی صاحب یعنی امروہی صاحب کو مامور کیا تھا۔ کئی سال قبل حضرت نے اپنی کتاب تحقیق الحق میں اس سوال کے اکثر پہلوؤں پر بحث فرمائی تھی۔ امروہی صاحب نے اُس کتاب کو کسی اُستاد سے پڑھے اور سمجھے بغیر مذکورہ بالا جواب دینے کے ضمن میں اس طرح استعمال کیا کہ ان کی کم فہمی کے باعث وہ مسرودہ مضمون مہمل اور بے ربط ہو کر رہ گیا۔ اور یہ صاحب ایک نقال طالب علم کی طرح بغیر سمجھے کسی صفحات سیاہ کرتے چلے گئے اور جب دیکھا کہ سوال کسی طرح بھی حل نہیں ہوا اور نہ ان کے

پتے ہی کچھ پڑا ہے تو رفعِ ندامت کے لیے لکھا:-

”واضح خاطرِ عاطرِ ناطرین ہو کہ ہم نے اس جواب میں مؤلف کا ایسا تعاقب کیا ہے کہ جدھر کو مؤلف گیا ہے، اُدھر ہی کو ہم بھی اُس کے ساتھ ساتھ گئے ہیں“

حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ اس مقام کے متعلق فرماتے ہیں:-

”ہاں بے شک یہ کہنا آپ کا بجا اور سچ ہے۔ نا فہم طالبِ علم کا یہی وظیرہ ہوتا ہے کہ معلم کے پیچھے طوطی کی طرح صرف الفاظِ بعینہا کتا چلا جاتا ہے“

اس دلچسپ مضمون کا پورا اُطف تو سیفِ چشتیائی میں مفصل سوال و جواب پڑھنے سے ہی آسکتا ہے۔

حضرت کی تصنیف یعنی سیفِ چشتیائی اپنے نادر استدلال، بلند پایہ علمی مضامین اور مسئلہ زیر بحث پر سوال و جواب کے پیرایہ میں واضح اور دل نشین انداز اور تجزیہ کے باعث نہایت مقبول ہوئی اور آج نصف صدی گزرنے پر بھی بار بار طبع ہو کر ہاتھوں ہاتھ لی جا رہی ہے۔ بلند پایہ علماء کے طبقہ میں تو بالخصوص اس کی بہت مانگ ہے اور وہی درحقیقت اس کی صحیح قدر و منزلت بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر بیان القرآن میں آیت وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ (سورہ نساء۔ آیت ۱۵۷) کے ذیل لکھتے ہیں:- اور حیاتِ دموتِ عیسوی کی بحث میں کتاب سیفِ چشتیائی قابلِ مطالعہ ہے۔ اسی طرح دیوبند کے شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام کے دیباچہ میں سیفِ چشتیائی کو مسئلہ حیاتِ مسیح پر ایک بہترین اور کافی دانی تحریر قرار دیا ہے۔

ایک اور صاحب کا قول ہے کہ قادیانیت کی تمام کائنات سیفِ چشتیائی کے ان دو فقروں سے واضح ہو جاتی ہے:-

اول تو یہ کہ مرزا صاحب قادیانی نے حضرت پیر صاحبؒ کی نسبت لکھا تھا کہ (معاذ اللہ) وہ خبیث ہے اور خبیث ہے وہ جو اُس کے مُنہ سے نکلتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت پیر صاحبؒ فرماتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب آپ مجھے تو بے شک مُنہ بھر کر گالیاں دے لیں۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے مُنہ سے اکثر کلامِ ربانی اور تسبیح و تہلیل کے پاک کلمات بھی نکلتے رہتے ہیں اس لیے اُنہیں گالی دے کر مستوجبِ سزا نہ ہوں۔

دوم، مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ معراجِ نبویؐ ایک اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اور میں خود اس قسم کے کشف میں صاحبِ تجربہ ہوں۔ اس کے جواب میں حضرت پیر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ

حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ کے کلمہ طیبہ کے معنی والے سوال کے متعلق مولانا عبد القہار سندھوی اپنے ایک رسالہ موسومہ ”امروبی کے شمس کا سفہ کا دایمی کسوف“ مطبوعہ کشمیری پریس لاہور میں لکھتے ہیں:- ”کاذم علمائے اسلام پر واضح ہو کہ حضرت پیر صاحبؒ شاہ صاحب رزقہ اللہ توجباتِ رضائہ نے بہت بلا لاف زنی مرزا غلام احمد دینی دربارہ عدیم المثل ہونے اپنے کے خدا شناسی اور تفسیرِ دانی میں امتحاناً اور محض اس کے اتنے بڑے دعویٰ کو توڑنے کے لیے کلمہ طیبہ کے معنی ظاہری طور پر اپنی کتاب شمس الہدایت کے ابتدا میں استفسار فرمائے تھے۔ جس کے جواب پر قادیانی صاحب باوجود اعداد و اصراروں معتقدین و غیر معتقدین کے قادر نہ ہو سکے“

وتم کے معراج شریف کے نکلنے میں تو پانچ وقتہ نماز ابدالہر کے لیے ثابت ہوئی لیکن آپ کا کشف محمدی بگم کے نکلنے کو اس دنیا میں ایک لمحہ کے لیے بھی وجود میں نہ لایا۔

حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی اس ضمن میں ایک شیش گوئی

سیفِ چشتیانی میں حضرت قبلہ عالم قدس بترہ نے ابن عساکر کی حدیث نزول ابن مریم روایت کردہ حضرت ابوہریرہ درج فرما کر لکھا تھا کہ :-

”اسی حدیث کے آخر میں حاجا اور معتمرا و لیتقن علی قبوی ویسلمن علی ولادت علیہ موجود ہے۔ اور ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنے اور جواب سلام سے مشرف ہونے کی نعمت قادیانی کو کبھی نصیب نہ ہوگی“

چنانچہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور مرزا صاحب کو نہ تو حج نصیب ہوا اور نہ مدینہ منورہ کی حاضری ہی جو اس حدیث کی تو سے حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام یعنی مسیح موعود کے لیے ایک نہایت ہی ضروری نشان ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد حج بھی کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک پر حاضر ہو کر صلوة و سلام بھی عرض کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قبر مبارک سے سلام کا جواب بھی دیں گے۔

ہندوستان کے مشہور مفتی اور عالم، اور ریاست رام پور میں مدرسہ عالیہ کے پرنسپل مولانا فضل حق رام پوری نے ایک سال اجیر شریف میں عرس کے موقع پر حضرت بابو جی مدظلہ العالی سے حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی اس تصنیف کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :-

”یوں تو حضرت کے کمالات بہت بیان ہوتے ہیں، لیکن میں تو اس دماغ کا شیدائی ہوں جس سے

”سیفِ چشتیانی“ ظہور میں آئی ہے“

حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کے مکتوبات شریف سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کی اس نادر تصنیف نے علمائے عصر سے بے حد خراج تحسین حاصل کیا۔ آپ حضرت صاحبزادہ مولوی محمد چراغ سجادہ نشین چکوڑی شریف کو ایک جوابی مکتوب ”مہرِ چشتیہ“ صفحہ ۶۳ میں تحریر فرماتے ہیں :-

”حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی اس تحریر کے پانچ چھ سال بعد مرزا صاحب بغیر اس نکلنے کے ہی رحلت کر گئے۔ اور ان کا کشف معراج شریف کے مقابل میں جو وقعت حاصل کر سکا وہ تمام عالم پر واضح ہے۔

”بہت ہی ثقہ حضرات سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا موصوف نے حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی خدمت میں بیعت کے لیے عرض لکھا تھا جس کے جواب میں آپ نے ایک رومال روانہ فرما کر اوردو وظائف کی اجازت بخشی اور ارشاد فرمایا کہ آپ کی یہی بیعت کافی ہے زیادہ سفر کی تکلیف نہ فرمائیں۔ مولانا موصوف پکتے وحدت الوجودی تھے اور حضرت کی تصنیف تحقیق الحق سے بے حد متاثر تھے۔ انہوں نے اپنے استاد مولانا بعد الحق خیر آبادی کے والد بزرگوار مولانا فضل حق خیر آبادی کے رسالہ ”مسئلہ وحدت الوجود“ کی طرف اپنے شاگرد مولانا غلام محمد گھوٹوی، شیخ الجامعہ بہاول پور کی رہنمائی فرمائی تھی۔ اس رسالہ کو مولانا غلام محمد نے حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت نے مطالعے کے بعد فرمایا کہ جس چیز کو موصوفیائے وجودیہ نے ریاضات و مکاشفات سے حاصل کیا مولانا نے اُسے معقول اور براہین سے پایا ہے۔

آپ نے وجہ اشاعت کتاب خوب پیدا کی ہے۔ ہر ملک سے مخالف اہل حق کی رسوائی کے متعلق روزانہ خطوط پہنچ رہے ہیں۔ علمائے اسلام اس کتاب کی اشاعت سے بہت خوش ہیں اور دعائیں دیتے ہیں۔ اور یہ امر کسی ایک گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ مستلذین اور غیر مقلدین صوفیائے کرام سبھی اظہارِ خوشنودی فرما رہے ہیں۔ (ترجمہ)

ایک اور مکتوب گرامی مندرجہ صفحہ ۶۷ میں ازراہ انکسار فرماتے ہیں:-

”یہی فقرے روزمرہ کتاب کے حق میں بذریعہ خطوط پہنچ رہے ہیں مخلصین، تو میری ناتمامی اور شوقِ تحصیل سے بے خبر نہیں مگر ناواقف حضرات اپنے زعم میں اس بے بیج کو زمرہ علمائے تصور کر کے ایسے ایسے القاب لکھ رہے ہیں کہ ندامت ہوتی ہے۔ خیر مرزا صاحب عیسیٰ وقت ہو گئے تو میں عالمِ عصر ہو گیا۔ بڑے میاں سبحان اللہ اور چھوٹے میاں واہ وا۔“ (ترجمہ)

”سیفِ چشتیائی پر بہتانِ سرقہ کی حقیقت“

سیفِ چشتیائی کی اشاعت کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں مرزا صاحب کے اخبار الحکم قادیان میں مولوی کرم الدین سکندری نے جہلم اور ان کے شاگرد شہاب الدین قادیانی کے خطوط کے حوالہ سے یہ خبر شائع ہوئی کہ مولوی صاحب مذکور کے سہ ماہی مولوی محمد حسن فیضی، مرزا صاحب کی تفسیر اعجاز المسیح کا جواب لکھ رہے تھے کہ ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو دردناک موت کا شکار ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے مضامین پر صاحب نے سیفِ چشتیائی میں شامل کر لیے ہیں۔ ساتھ ہی مرزا صاحب نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ دیکھ لو، میری الہامی پیش گوئی من قامر للجواب و تنمر فسوف یرى انہ تندم و تد مہر یعنی جو مخالف اس تفسیر کا جواب لکھنے پر آمادہ ہوگا، نادم ہوگا اور ہلاکت اٹھائے گا، پوری ہو گئی۔ فیضی بڑی موت مرا اور پر صاحب خود سرقہ مضامین کے ملزم بن گئے۔

یہ اعلان تحفہ ندوہ، مطبوعہ ۶۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا۔ اور واقعات کی پوری تفصیل مرزا صاحب کی کتاب نزول المسیح میں درج ہوئی۔ بعد ازاں کشتی نوح، مواہب الرحمن، اور حقیقۃ الوحی اور کئی دیگر رسالوں اور اشتہاروں میں بھی بطور نشان درج ہوتی رہی۔ مرزا صاحب نے نزول المسیح میں ان خطوط کی نقول درج کر کے یہ بھی لکھا کہ ان کے مرید شہاب الدین کی کوشش سے یہ سرقہ مضامین برآمد ہو رہا ہے۔ مولوی کرم الدین نے پر صاحب کا ایک کارڈ بھی بھیج دیا ہے جس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ فیضی کے نوٹ استعمال ہوئے ہیں۔ اور مولوی صاحب موصوف نے اعجاز المسیح کا وہ نسخہ بھی پیش کر دیا ہے جس کے حاشیہ پر فیضی کے نوٹ درج ہیں۔ اور جو پڑتال پر سیفِ چشتیائی کے متعلقہ مضامین سے حرفِ مطابقت رکھتے ہیں۔

پھر مولوی کرم الدین اور ان کے شاگرد کی طرف سے ۶۔ اور ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے سراج الاخبار جہلم میں ایک تحریر شائع ہوئی۔ جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ محولہ بالا خطوط جعلی ہیں۔ فیضی مرحوم کی بڑی موت مرنے اور سیفِ چشتیائی میں ان کے مضامین استعمال کرنے کے الزامات میں کوئی حقیقت نہیں۔ اور اعجاز المسیح کے حاشیہ پر ایک نیم خواندہ طالب علم کے ہاتھ سے سیفِ چشتیائی کے بعض مطبوعات محض اس غرض سے نقل کرائے گئے تھے کہ مرزا صاحب کے مریدوں، خاص کر شہاب الدین پر ان کے مسیح موعود کی مہیت کی قلعی کھل جائے۔ یہ میاں شہاب الدین بوالہ الحکم ۳۱۔ جولائی ۱۹۰۲ء مرزا صاحب کی بیعت میں تازہ ہی داخل ہوئے

تھے کہ اسی اثنار میں مولوی کرم دین کے زیر تبلیغ آگئے۔ اب مولوی کرم دین چاہتے تھے کہ کسی طرح میاں شہاب الدین کو مرزا صاحب کی حقیقت سمجھ میں آجائے۔

مرزا صاحب نے اپنے ایک بعد کے اشتہار مورخہ ۱۴ جون ۱۹۰۴ء میں مندرجہ بالا نیم خواندہ طالب علم کو خام نویس کے الفاظ سے خطاب کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:-

”یہ خطوط مجھے ایسے وقت ملے جب کہ میں کتاب نزول المسیح لکھ رہا تھا۔ سو وہ خطوط میں نے نزول المسیح میں درج کیے۔ ایسا ہی ایڈیٹر المحکم اخبار نے بھی ان خطوط کی بنیاد پر ایک مضمون اپنے اخبار میں مع نقل خطوط درج کیا۔ اخبار المحکم کے جواب میں ایک مضمون مولوی کرم دین کے نام سے سراج الاخبار جہلم مورخہ ۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء اور ایک قصیدہ مولوی صاحب مذکور کی طرف سے سراج الاخبار مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع کیا جس میں اس نے یہ ظاہر کیا کہ یہ خطوط جعلی اور جھوٹے ہیں۔ اس میں یہ بھی لکھا کہ مرزا غلام احمد یعنی راقم کی مہمیت کی آزمائش کے لیے میں نے اُسے دھوکا دیا اور خلاف واقعہ خطوط لکھے اور لکھائے اور ایک خام نویس طفل کے ہاتھ سے نوٹ لکھا کہ ان کو محمد حسن فضلی کے نوٹ ظاہر کیے۔ پھر اسی دھوکے کے ذریعہ چھ روپے بھی حاصل کیے اور راقم مضمون نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ سراج الاخبار کے ان مضامین میں میری نسبت سخت الزام لگائے اور یہ شائع کیا کہ گویا میں جو حیثیت ایک مامور من اللہ اور مصلح ہونے کے ایک کام کر رہا ہوں یہ تمام کام میرا مکرو فریب ہے۔“

(تبلیغ رسالت جلد دہم)

بہر حال یہ بات ہر محاذ پر تسلیم کر لی گئی کہ یہ غلط سلط نوٹ کسی عربی دان عالم کے قلمی نہیں ہو سکتے مولوی کرم دین مذکور اس سے کچھ عرصہ ہی پہلے یعنی ۲۶ اگست ۱۹۰۲ء کو صدر جہلم میں قادیانی مبلغ مولوی مبارک علی کے ساتھ ایک سبک منظرہ کر چکے تھے۔ اور تعجب ہے کہ قادیانی حضرات نے ان پر اعتبار کیسے کر لیا اور ان کے جال میں کیونکر پھنس گئے۔ دراصل حضرت قبلہ عالم قدس طرفہ کی ذات شریف سے قادیانیت کو جوڑک پہنچی تھی اور جو گھا د آپ کی سیفِ چشتیائی نے لگائے تھے اس مذہب کی تاریخ میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ لہذا مولوی صاحب کے زرخیز دماغ نے اس دام کے نیچے سیفِ چشتیائی کے سرقہ مضامین کا جو دانہ ڈالا اس کی کشش سے بچ نکلنا ممکن نہیں رہا تھا۔ چنانچہ فریقین میں مقدمہ بازی چل نکلی۔ اور گورداسپور کی عدالتوں میں پورے دو برس تک چلتی رہی۔ قادیانیوں نے مولوی صاحب پر تین فوجداری مقدمے کیے جن میں سے ایک مقدمہ ازالہ حیثیت میں مدیر سراج الاخبار کو چالیس روپے اور مولوی کرم دین کو پچاس روپے جرمانہ ہوا۔ اور باقی دو مقدمات میں انہیں بری کر دیا گیا۔

مولوی کرم دین نے بھی مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم فضل دین مالک مطبع و ناشر المحکم و کتاب مواہب الرحمن پر فحشی مرسوم کے ازالہ حیثیت عرفی کا استغاثہ کیا جو اس بنا پر خارج ہو گیا کہ بیوہ اور نابالغ بیٹے کی موجودگی میں عم زاد بھائی کو ایسے استغاثہ کا حق نہیں پہنچتا۔ دوسرا استغاثہ مولوی صاحب نے ان بر دو صاحبان کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی ذاتی کا کیا کیونکہ پہلے استغاثہ کے اخراج کی تاریخ کو ہی احاطہ پھری میں مرزا صاحب نے اپنی کتاب مواہب الرحمن لوگوں میں منبت تقسیم کی جس میں مولوی کرم دین کو مذکورہ بالا دھوکہ دہی کے رنج و غصہ میں لغیم اور کذاب المین کے خطابات سے مرسوم کیا گیا تھا۔ اس مقدمہ میں مرزا صاحب کو پانچ صد روپے جرمانہ یا بعد اوائلی جرمانہ چھ ماہ قید اور حکیم فضل دین کو دو سو روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قید کا حکم ہوا۔ گراہیل پرائمریزیشن جج نے ان کو اس لیے بری کر دیا کہ اپنی واضح اور ثابت شدہ فریب دہی کے باعث مستغیت یعنی مولوی کرم دین نے اپنے آپ کو ان خطابات

کا مستحق بنایا تھا۔

مرزا صاحب نے سرقہ مضامین کا الزام واپس لے لیا

مقدمہ حکیم فضل دین بنام مولوی کرم دین بجرم ۲۱۶ تعزیرات ہند میں مرزا غلام احمد قادیانی کو بطور گواہ صفائی طلب کیا گیا! انہوں نے مورخہ ۱۹۔ اگست ۱۹۰۳ء کو عدالت رائے چند لال مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور میں شہادت دیتے ہوئے بیان کیا :-
پہلے میں نے قبل سراج الاخبار کے شائع ہونے کے خیال کیا تھا کہ دونوں اہام متعلق مولوی محمد حسن فیضی و پیر علی شاہ) سچے ہو گئے ہیں۔ مگر سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ یہ میری رائے غلط نکلی۔ کیونکہ پیش گوئیوں کا مصداق قائم کرنا اکثر رائے سے ہوا کرتا ہے۔ یہ بات صرف رائے سے متعلق ہے جسے نفیس پیش گوئی کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔“

الغالباً اسے روشن ہے کہ سرقہ مضامین کا وہ الزام جو نزول المسیح میں مرزا صاحب نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ذات گرامی پر لگایا تھا، بزبان خود اسے غلط تسلیم کر کے واپس لے لیا۔

گورداسپور کے مقدمات میں حضرت کو بطور گواہ طلب کرنے کی قادیانیوں کی طرف سے کوشش ناکام

مندرجہ بالا مقدمات میں مرزا صاحب اور ان کی جماعت نے بار بار کوشش کی کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو کسی طرح بطور گواہ عدالت میں طلب کیا جائے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ قرآن سے تو حضرت کی شہادت عدالت میں لازمی دکھائی دیتی تھی کیونکہ آپ کا سینہ دستخطی کارڈ مسل مقدمہ پر آچکا تھا۔ اب اس کی تصدیق یا تردید آپ کی زبانی ضروری تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس تکلیف سے محفوظ رکھا۔ بظاہر وجہ معلوم ہوتی تھی کہ عدالت کی رائے میں یا تو یہ پوسٹ کارڈ جعلی ثابت ہو چکا تھا اور یا ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ اسے غیر متعلق اور غیر موثر قرار دے دیا گیا۔ بہر حال فریق مخالف کی کوششیں بسیار کے باوجود عدالت آپ کو طلب کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ اس کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا ایک مکتوب گرامی صفحہ ۹۷ مہرِ حقیقیہ پر بدین مضمون موجود ہے :-

”میری شہادت اس دعویٰ میں ہے جو حکیم فضل دین بھیروی تم الکا دیانی نے مولوی کرم دین صاحب پر گورداسپور میں کیا تھا جس کی ایک تاریخ پر (جو ۱۶۔ دسمبر ۱۹۰۳ء تھی) میں نہیں گیا۔ اور نہ آئندہ جانے کا ارادہ ہے۔ اِلَّا اِنْ يَشَاءُ اللّٰهُ“

جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے ولی کے ارادہ کو پورا فرمایا اور عدالت نے قادیانیوں کی چوتھی اور آخری درخواست بھی مسترد کرتے ہوئے حضرت کی شہادت کو غیر ضروری قرار دیا تو آپ اس کا ذکر اور شکر اپنے ایک مکتوب گرامی مندرجہ صفحہ ۷۳ مہرِ حقیقیہ میں اس طرح فرماتے ہیں :-

”پہلے اہام سے من کامل للجواب و تتمر صوف یروی انہ تنتم و تدتمر (جو مخالف اس تفسیر کا جواب لکھنے پر آمادہ ہوگا، نام ہوگا اور ہلاکت اٹھائے گا) کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے سے اِنّی مُہینٌ من اراد اہانتک (جو تیری اہانت کرے گا، اُس کی میں اہانت کروں گا) مراد ہے اور ان دونوں اہامات کو علی الترتیب مرزا صاحب نے مولوی محمد حسن فیضی اور حضرت پیر صاحب سے منسوب کیا تھا۔“

”اللہ تعالیٰ مشغولی کما حقہ فرمائے۔ مولوی صاحب کو بھی تکلیف سے رہائی ہو۔ چنانچہ اس نیاز مند درویش کو بھی اُس تسلیم الاحسان نے گورڈ اسپور کی شہادت سے باوجود نہایت اصرار و مسامحہ مخالفین بحسب لیا۔ اور وہ اصلاً مایوس ہوئے۔“

عدالت نے اپنے فیصلہ میں مولوی کرم دین کو حضرت قبلہ عالم قدس ترفہ کا مُرد لکھا ہے۔ یہ مُرد تو نہیں تھے مگر حضرت کے عقیدت مند ضرور تھے اور آپ کے وصال پر ایک مرتبہ تحریر فرمایا جو صفحہ ۳۴۴ پر شائع شد ہے اپنی کتاب ”تاریخ تہذیب و تمدن“ کے ساتھ بے حد عقیدت اور نیاز کا اظہار کیا ہے اور گورڈ اسپور کے مقدمات میں اتنی بڑی منظم اور با اثر جماعت کے مقابلہ میں تنہا ہوتے ہوئے محفوظ اور بالآخر کامیاب رہنے کو حضرت کی خاص توجہ اور دعا سے منسوب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب مرحوم پر رحم فرمائیں۔ اگر واقعات ایسے ہی تھے جیسے کہ بیان ہوئے ہیں۔ اور ان کی تہ میں کوئی اور نامعلوم واقعات یا مجبوری کار فرما نہ تھی تو ایک ایسے کام کے لیے جو دیگر معقول طلبہ لقیوں سے بھی سلجھ سکتا تھا۔ ایک ایسا طریق کار اختیار کرنا جس میں ان کے مرحوم عم زاد بھائی کی موت پر آواز سے کہے گئے۔ حضرت قبلہ عالم قدس ترفہ جیسی شخصیت گرامی کی تصنیف لطیف پرشہادت اعتراضات کیے گئے۔ اور پھر خود ان کی اپنی ذات ایک طویل پریشانی اور زیر باری کا شکار ہوئی کس حد تک دانش مندانہ تھا۔

مولوی محمد حسن فیضی

اس جوان مرگ عالم و فاضل کا ذکر خیر اس کتاب میں روئیداد جلسہ لاہور کے اُس ایڈریس سے چلا آ رہا ہے جو اُس نے حضرت کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ صاحب مدرسہ انجمن نعمانیہ میں نائب مدرس تھے اور اپنے پرنسپل اور غالباً اُستاد جناب مولانا غلام احمد کے ہمراہ حضرت قبلہ عالم قدس ترفہ کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ بے نقطہ نظم و نثر لکھنے کے باعث فیضی مشہور ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک طویل بے نقطہ قصیدہ لکھ کر، مرزا غلام احمد قادیانی کے پاس سیالکوٹ جا پہنچے مگر مرزا صاحب اور اُن کے حاشیہ نشین تو اس کی اہلک پر قادر نہ ہو سکے۔ یہی وجہ تھی کہ جب مرزا صاحب نے حضرت قبلہ عالم قدس ترفہ کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تو مولوی فیضی نے اُن کی علمیت سے واقفیت کے باعث ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ مرزا صاحب کو جو اب چیلنج کیا کہ حضرت پر صاحب کی ذات گرامی تو بہت ہی بلند ہے۔ پہلے آپ میرے ساتھ اپنی ہی تمام شرائط پر تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لیجئے۔ اس اشتہار میں اُنہوں نے بعض باتیں بہت پتے کی لکھیں :-

۱۔ کسی عربی عبارت کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ اس کے انداز فصاحت کا مقابلہ کوئی شخص نہیں کر سکتا، آج سے پہلے صرف قرآنی عبارت کا ہی خاصہ تھا۔

۲۔ بے شمار غیر مسلم عرب فضلاء کی تصانیف، فصاحت و بلاغت میں اعلیٰ پایہ کی تسلیم کی جا چکی ہوئی ہیں۔ کئی غیر مسلم بھی قرآن مجید کے مفسر اور حافظ ہو گزرے ہیں۔ اس لیے عربی نویسی رسالت اور مجددیت کا معیار نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ کے مقابلہ میں اس ملک کے علماء عربی نویسی میں ہار بھی گئے، تو بھی دُنیا کے علماء آپ کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ اور

۳۔ آپ نے حضرت پر صاحب کو دعوت کے اشتہار میں لکھا ہے کہ کوئی غلطی سہو یا نسیان پر محمول نہیں کی جائے گی۔ حالانکہ خود اس اشتہار میں محضات کو آپ نے دو دفعہ محضات لکھ دیا ہے۔

مخالفین کا حضرت کی تصانیف کو غیروں سے منسوب کرنے کا رجحان

حضرت قبلہ عالم قدس برہہ کی تصانیف کو غیروں سے منسوب کرنے کی کوشش کوئی نئی چیز نہیں۔ اس سے پہلے بھی مرزا یوں نے شمس الہدایت کو جناب مولانا محمد غازی کی تالیف قرار دینے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی نے اپنی کتاب "معدہ اعظم" مطبوعہ ۱۹۴۰ء میں اس کی طرف واضح اشارہ کیا ہے۔ اور اسی طرح ایک اور قادیانی سیرت نگار دوست محمد شاہ نے بھی تاریخ احمدیت حصہ سوئم میں فرضی روایات کی بنا پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت پر صاحب پہلے تو مرزا صاحب کے مداح تھے مگر مولویوں کے کہنے میں اگر مخالفت پر اتر آئے۔ لیکن ارباب فہم و درایت پر قادیانیوں کی یہ دیرینہ چالیں خوب روشن ہیں۔ افسوس ان لوگوں نے حضرت کی تصانیف کو آپ کے تلامذہ اور مستفیدین کے ساتھ منسوب کرتے وقت یہ بھی خیال نہ کیا کہ اس منطوق کا نتیجہ تو خود ان کے خلاف جاتا ہے یعنی جب حضرت کے بحر علم و عرفان سے پیاس بجھانے والوں کی تحریرات نے علم مرزائیت میں اس قدر تھلکہ مچا دیا تو اگر آپ بنفس نفیس قلم اٹھاتے تو کیا حشر برپا ہوتا۔ اور یہی وجہ تھی کہ مرزا صاحب، حضرت قبلہ عالم قدس برہہ کے سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکے۔

قادیانیوں کے علاوہ غیر متقلدین بھی الفتوحات الصمدیہ کو کبھی جناب مفتی غلام مرتضیٰ اور کبھی جناب مولانا محمد غازی کی طرف منسوب کرتے رہے نیز مولوی عبد الاحد خان پوری دو افروز راولپنڈی نے بھی جھوٹ موٹ لکھ مارا کہ مولوی محمد غازی نے ایک جگہ ذکر کیا کہ حضرت کی فلاں کتاب میں نے لکھی ہے۔ اس پر مولانا مرحوم کو اپنا حلف نامہ شائع کرنا پڑا کہ میں نے ایسا نہیں کہا اور یہ بیان میری طرف غلط منسوب کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر بشارت احمد کہتے ہیں کہ شمس الہدایت کی اردو بے محاورہ ہے اور اسے پڑھتے ہوئے آدمی پٹری سے اتر جاتا ہے۔ وہ درست کہتے ہیں۔ کیونکہ ایک اردو دان طیب یا انگریزی دان فلاسفر، قرآن و حدیث اور مفسرین و محدثین کے محاورات کی پٹری پر واقعی نہیں چل سکتا۔ عام آدمی کا تو ذکر ہی کیا یہ واقعی ایسی دشوار گزار پٹری ہے کہ ان کی جماعت کے سب سے بڑے فاضل مولوی محمد احسن امر وہی بھی محض کلمہ طیبہ کے معنی سمجھنے میں اور خود مرزا صاحب اور حکیم نور دین حقیقہ معجزہ کے سوال پر ہی اس سے اتر جاتے ہیں۔

حضرت قبلہ عالم قدس برہہ کے طفوفات، محاورات اور اندازِ تحریر سلفِ صالحین کے رنگ میں ہیں۔ آپ سوچتے ہی عربی میں ہیں۔ اور یہی آپ کا اصل اور حقیقی فضل و کمال ہے۔ پھر اپنی عربی کی سوچ کو حسب ضرورت اردو یا فارسی کے ترجمہ کا لباس پہناتے ہیں۔ شمس الہدایت کے ابتدائی حصے میں ہی حضرت قبلہ عالم قدس برہہ نے ڈاکٹر صاحب کے ارباب یورپ و تعلیم یافتگان لندن اور اردو خوان زعمی مولوی فاضل حضرت کو مخاطب کر کے اپنے محاوروں سے آگاہ فرما دیا ہے۔ قادیان کی سودیشی نبوت تو عربی نویسی کو ہی اپنا کمال سمجھ رہی ہے۔ اور حضرت قبلہ عالم قدس برہہ کی تو ماشاء اللہ یہ اپنے گھر کی چیز ہے جس کی کیفیت کوئی سمجھنا چاہے تو حضرت حاجی امداد اللہ علیہ الرحمۃ اور مولانا حاجی رحمت اللہ مہاجر کی سے پوچھے۔ جناب مولانا نطف اللہ علی گڑھی، مولانا احمد علی سہارن پوری۔ استاد النکل مولانا احمد حسن کانپوری، علمائے دیوبند کے مقدر مولوی اشرف علی صاحب تھانوی، فاضل اجل مولانا فضل حق رام پوری، مولانا مولوی عبداللہ ٹوٹلی، علامہ انور شاہ کشمیری اور مناظر زمان مولوی نذیر احمد انیسٹروی سے دریافت کرے جو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام علوم حضرت قبلہ عالم قدس برہہ کے جلو میں دست بستہ حاضر اور تصرف کے منظر معلوم ہوتے ہیں۔ فالحمد لله علی ذالک۔

الجیٹھ بالجیٹھ

۱۹۰۴ء میں ختم ہونے والے قادیانی مقدمات کے بعد، ۱۹۰۷ء میں پھر ایک مرتبہ قادیانیت کی طرف سے حضرت کے متعلق ایک کارروائی کا پتہ چلتا ہے۔ شاید اس سال مرزا صاحب نے پھر کوئی زبانی یا تحریری پیشین گوئی داغی ہوگی جسے سن کر یا پڑھ کر نواب محمد حیات قریشی سکندری ضلع سرگودھا کے والد بزرگوار میاں محمد شیشی جو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے پیر بھائی اور محبت صادق تھے، پریشانی کے عالم میں گولڑہ شریف پہنچے اور عرض کی کہ مرزا قادیانی کہتا ہے۔ اس آنے والے جیٹھ کے مہینہ میں پیر صاحب گولڑہ کا انتقال ہو جائے گا۔ لہذا آپ اپنی حفاظت کا مناسب انتظام رکھیں مبادا کوئی حملہ کر دے۔ حضرت نے انہیں تسلی دے کر فرمایا کہ میاں محمد موت تو برحق ہے اور اُس سے مفر نہیں مگر تسلی رکھو انشاء اللہ اس جیٹھ میں تو میں نہیں مرتا۔ جب اگلے جیٹھ کا مہینہ آیا تو مرزا صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اُس سال جب سیال شریف کے عرس پر ملاقات ہوئی تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے میاں صاحب سے فرمایا:۔ الْجیٹھ بالجیٹھ یعنی جیٹھ جیٹھ سے بدل گیا۔

قادیانیت کے خلاف حضرت کا معرکہ آپ کی اسلامی خدمات میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس کا چرچا برصغیر مندرجہ سے پھیل کر دیگر اسلامی ممالک تک بھی پہنچا۔ اُس وقت سے تمام مسلمان مؤرخ اور محقق اپنی کتابوں اور تحریروں میں تسلیم کرتے چلے آئے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سترہ کی علمی اور روحانی قیادت اس تحریک کی شکست میں ایک کارگر حربہ ثابت ہوئی۔ اس سلسلہ میں جناب ابوالقاسم رفیق دلاوری جو ایک مشہور نقاد اور محقق ہیں کی تصنیف ”ائمہ تبلیس“ قابل ذکر ہے۔

معرکہ قادیانیت کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا ایک اہم بیان

ذیل میں تبرکاً حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ایک اہم بیان پر اس طویل بحث کو ختم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے اجمالی طور پر اس تمام معرکہ کا پس منظر سامنے آجاتا ہے۔ یہ بیان سیفِ چشتیائی کی اشاعت کے موقع پر شائع ہوا تھا۔

قابل توجہ اہل اسلام

اس صحیحان، خوشہ چین علمائے کرام کو مطابق قول السلامۃ فی الوحده گوشہ نشینی پسند رہی ہے۔ تصنیف و تالیف کا شوق نہیں کیونکہ یہ امور یا تو بغرضِ شہرت و نام آوری، یا بغرضِ حصولِ دولت کیے جاتے ہیں سو اس خاکسار کو ان دونوں امور سے نفرت ہے آج کل کے ابنائے زمان ان کمالات کو پسند کرتے ہیں جو منجملہ تعلیماتِ یورپ کے ہیں اور جس سے یہ عاجز نادان واقف ہے۔ اُس طرزِ قدیم سے جس پر زمانہ سلف کے بزرگان دین تصنیف و تالیف کرتے آئے ہیں اور جس سے اس صحیحان کو قدرے موافقت ہے، نفرت رکھتے ہیں۔

باوجود ان مواعظ کے چند اجاب کے اصرار پر رسالہ شمس الہدایت لکھا گیا تھا جس سے مراد نہ تو طلبِ شہرت نہ حصولِ دولت تھی بلکہ اصل غرض یہ تھی کہ اعلا کلمۃ الحق میں کوتاہی نہ ہو اور قیامت میں باز پرس سے بچ جاؤں اور اگر ان اوراق کی تصنیف سے گم کردہ راہِ رُو، براہ آجائیں یا متزلزل الاعانت دگر گراہ ہونے سے بچ جائیں۔ تو عند اللہ مستحقِ ثواب ٹھہروں۔

اس رسالہ کے شائع ہونے سے کچھ مدت بعد مرزا صاحب قادیانی اور ان کے مریدوں کی طرف سے بجائے

کسی جواب کے مباحثہ کے لیے اشتہار شائع ہونے شروع ہوئے۔ ہر چند مباحثہ کے لیے کل شرائط مرزا قادیانی نے خود ہی تجویز کی تھیں۔ اس طرف سے نہ تو کوئی شرط پیش ہوئی اور نہ کسی شرط کی ترمیم کی درخواست کی گئی اور یہ خادم الفقراء محلّائے کرام اور مشائخ عظام تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچ کر کئی روز تک محمد ن ہال انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور میں بغرض انتظار مرزا صاحب قادیانی ٹھہرا رہا۔ مگر مرزائے قادیانی، قادیان سے باہر نہ نکلا۔ اس تمام واقعہ کی حوام نے بلا میری اطلاع کے تشہیر کر دی تھی۔ اس لیے اب اس کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں۔

بہت دیر بعد شمس الہدایت کے جواب میں، مرزا قادیانی کے امر وہی مرید نے شمس بازقمہ لکھی اور مرزا نے تفسیر فاتحہ چھپوائی تو دوبارہ اہل اسلام اور میرے احباب نے مجھے مجبور کیا کہ اس کے جواب میں قلم فرسائی کروں گو بہت کچھ انکار کیا گیا اور کہا گیا کہ۔

آن کس کہ زشت آن و خبر زونہ لہی

آن ست جوابش کہ جوابش نہ وہی

لیکن پھر بھی سوال پیش آیا کہ مرزا قادیانی اور اس کے مریدوں سے کیا غرض ہے حوام مسلمانان ہند و پنجاب کے فائدے کے لیے ہی سہی لہذا یہ چند اوراق لکھ کر مولوی محمد غازی صاحب کے حوالہ بغرض طبع کر دیئے کہ وہ اسے کتاب کی صورت میں چھپوا کر میرے پاس لائیں تاکہ یہ محلّائے کرام اور معززین اسلام میں بدستور سابق مہفت تقسیم کی جائے۔ کیونکہ مجھے اس کی اشاعت سے مقصود نفع اہل اسلام ہے نہ کہ تجارت۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

مُحِبُّتُ الْفُقَرَاءِ مَرَعِي شَاهِ عَمِي عَمْنَه

۱۔ شاہی مسجد لاہور کے جلسہ کا حوالہ دیا گیا جس میں مجلہ محلّائے کرام اور صوفیائے عظام نے آئندہ مرزا صاحب کو مخاطب کرنے سے منع فرمایا تھا۔

چھٹی فصل

تحریکِ ہابیت کا مقابلہ

اُس زمانہ میں مملکت ہند میں وہابیت نے زور پکڑنا شروع کر دیا تھا اور تصوف و اہل تصوف کو ہدف بنا رکھا تھا اس تحریک کو مولوی اسماعیل دہلوی اور مولوی عبداللہ غزنوی ثم الامر سری کی تعلیمات سے، غیر متلدین کے وجود اور خود اہل سنت میں سے کئی سرگرم داعی مل جانے کے باعث تقویت ہوئی۔ یہ لوگ تادیلوں کے جال پھیلائے ہوئے بزرگانِ دین کے اعراس پر جا پہنچتے اور زائرین کو قبر پرستی اور حدیثِ شد رحال جس کا ذکر نیچے آئے گا، کے طعنے دے کر پھسانے کی کوشش کرتے جس کی وجہ سے اکثر سادہ لوح عقیدت مندان ان کی باتوں میں آکر بھٹک جاتے۔

پاک پن شریف میں حضرت گنج شکر کا سالانہ عرس اس گروہ کی معاندانہ اور مخالفانہ کوششوں کا خصوصی مرکز بنا ہوا تھا۔ لہذا حضرت ثانی سیالوی کے ایما پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کئی سال تک اس تقریب میں شمولیت فرماتے رہے۔ اور امرتسر، قصور و ریاست بہاولپور کے غیر متلد علماء کے ساتھ توحید، شرک، سنت، بدعت، زیارتِ قبور، بہشتی دروازہ، نذر و نیاز اور پیری مُردی وغیرہ مسائل پر کئی اہم مذاکرات میں شرکت فرمائی۔ جن کی تفصیل اس کتاب کے مناظرات و تصانیف کے ابواب میں دی گئی ہے نتیجہ کئی مناظرین نے اپنے مسلک سے توبہ کی اور متعدد آپ سے بیعت بھی ہوئے۔

حدیثِ شد رحال

حدیثِ بخاری :- لَا تَشُدُّ وَالرِّحَالِ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ (سفر کا اہتمام تین مساجد، مسجد الحرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ کے سوا اور طرف نہ کیا کرو) کا یہ مطلب کبھی نہیں لیا گیا تھا کہ ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ اور کسی طرف بھی حصولِ ثواب کی خاطر سفر منوع ہے ہمیشہ ہی معنی لیے جاتے رہے کہ ان مقدس مساجد میں عبادت کا ثواب علیٰ فرق مراتب زیادہ ملتا ہے اور دنیا کی باقی مساجد ثواب میں برابر ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ چنانچہ اس مفہوم کی تائید مُسنَدِ امام احمد کی اس روایت سے ہوتی ہے جو بہ الفاظِ ذیل ہے :-

لَا يَنْبَغِي لِلْمُصَلِّي أَنْ يَشُدَّ رِحَالًا إِلَى مَسْجِدٍ يَنْبَغِي فِيهِ الصَّلَاةُ غَيْرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَالْمَسْجِدِ نَبِيِّ (یعنی کسی نمازی کو مناسب نہیں کہ کسی مسجد کی طرف ادائے نماز کی نیت سے سفر کرے سوائے مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ اور میری مسجد کے) تفصیل کے لیے فتح الباری اور عینی شروح بخاری، کتاب التہجد باب فضل الصلوة فی مسجد مکہ و مدینہ ملاحظہ ہوں۔

اس حدیث کے امتناعی احکام کو سب سے پہلے شیخ ابن تیمیہ نے زیارتِ روضہ رسول کے خلاف استعمال کیا۔ بعد کے دور میں عبد الوہاب نجدی اور ان کے ہم مسلک اس زوالے استدلال سے کام لیتے رہے۔ ان کے علاوہ تمام اُمتِ مسلمہ نے

خیر القرون سے آج تک اس حدیث شریف کا مطلب نہیں لیا۔

تجزیہ بالا کے بعد زیارتِ روضہ رسولؐ سے منع کرنے والوں کے پاس اس مسئلہ کے متعلق فقط یہ دلیل باقی رہ جاتی ہے کہ حج عرفات، جہاد، تحصیل علم، خدمتِ خلق، سیاست، تجارت یا دیگر شرعی ضروریات کے لیے سفر کا جواز تو اپنی اپنی جگہ واضح ہے لیکن نبی کریمؐ کی قبر شریف کی زیارت کے لیے سفر کا جواز کہیں سے ثابت نہیں ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ ارشاداتِ قرآنی :-

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا
اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا
رَّحِيمًا (سُورَةُ نَسَاءِ آيَةُ ۶۴)

اور اگر یہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ آپ کے پاس آتے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے اور رسولؐ بھی ان کے لیے بخشش مانگتے تو وہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پاتے۔

اور

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
تَحْرِيدَ رِكَّةِ الْمَوْتِ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ
وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (سُورَةُ نَسَاءِ آيَةُ ۱۰۰)

اور جو کوئی راہِ خدا میں وطن چھوڑ جائے وہ زمین میں کُشادگی اور وسعت پائے گا۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف مہاجر ہو کر اپنے گھر سے نکلے پھر اسے موت آجائے تو بے شک اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

کے احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد منقطع ہو چکے ہیں۔ اب نہ مستغفرین اُمت کے لیے (معاذ اللہ) یہ سہارا باقی رہ گیا ہے اور نہ دار الحرب کے مسلمان مثلاً اندر کے زمانہ کے علمائے ہند یا اس کے بعد اشتر اکیت اور مشرکین بھارت کے تم زدہ ترکستانی یا کشمیری مسلمان اپنی جانیں اور ایمان مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں سلامت لے جا کر مہاجر الی اللہ و رسولہ کھولنے کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی نمازوں میں مسلسل و متواتر السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کہتے چلے آ رہے ہیں۔ جس سے مہاجر الی اللہ و رسولہ مندرجہ آیتِ بالا کے مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

زیارتِ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تائیدی احادیث

مندرجہ ذیل احادیث سے زیارتِ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جواز ظاہر ہے۔ مخالف حضرات ان سب احادیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں مگر یہ تسلیم نہیں کرتے کہ جہاں تک ضعیف روایت کا تعلق ہے لَا تَشُدُّ وَالرِّحَالُ والی حدیث کے بعض راویوں کو بھی غیر معتبر اور عبد اللہ بن مافع کو مجروح کہا گیا ہے۔

۱۔ مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي
جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لیے میری شفاعت
ولجب ہو گئی۔

۲۔ مَنْ زَارَ قَبْرِي حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي
جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لیے میری
شفاعت جائز ہو گئی

۳۔ مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّ مَا زَارَنِي فِي
مِثْرَتِي
جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اُس نے
میری زندگی میں میری زیارت کی۔

۴۔ مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَعَزَّ رِيفِي فَقَدْ جَفَانِي۔

جس نے بیت اللہ کی حج کی اور میری زیارت کے لیے نہ آیا تو بے شک اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔

۵۔ مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَأَتَّخِمْهُ حَاجَةً إِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جو کوئی میری زیارت کے لیے آیا۔ اور اُس میں میری زیارت کے علاوہ اور کوئی حاجت نہیں رکھتا تو مجھ پر واجب ہے کہ روز قیامت اُس کی شفاعت کروں۔

احادیث مسند درجہ بالا میں نمبر ۲ کے متعلق امام ابن حجر مکی نے صَحَّحَهُ جَمَاعَةٌ مِّنْ أَيْمَةِ الْحَدِيثِ کے الفاظ اور نمبر ۳ کے متعلق امام سبکی نے اَجْوَدُ الْإِسْنَادِ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ علاوہ ازیں شیخ محقق دہلوی نے بھی اپنی مشہور کتاب جذب العتوب میں احادیث مذکورہ سے استحباب موکد ثابت فرمایا ہے۔

زیارت قبور

علاوہ ازیں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے عمل شریف سے بھی ان احادیث کی تائید و تصدیق ہوئی ہے یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا شہدائے اُحد اور جنت البقیع میں مدفون حضرات کی قبروں کی زیارت فرمائی والدہ ماجدہ کی مزار پر ہمت ام ابواترین لے گئے۔ صحابہ کرام کو اہل قبور کی زیارت کی اجازت بخشی اور وہاں کے آداب مقرر فرمائے۔ اولیاء اللہ اور صالحین اُمت، سلف سے خلف تک، زیارت روضۃ الرسول کے لیے سفر کرتے رہے ہیں۔ شیخ ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کی تعلیم کی روشنی میں تو اُمت مرحومہ کا تیرہ صد سالہ عمل غیر شرعی ہو جاتا ہے۔ اور فقہ فی الدین اور استنباط مسائل کی حقیقت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور اجماع اُمت صرف وہی رہ جاتا ہے جس میں مسند درجہ بالا دو حضرات کو اختلاف نہ ہو۔

غیر مقلدین کے ساتھ مناظرات

اکابر علمائے اہل سنت کی طرح حضرت نے بھی نجد کے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بعض متشددانہ نظریات کو اپنی تصنیف سیفِ چستانی میں مسلک اہل سنت کے خلاف قرار دیا تھا جس کی وجہ سے بعض غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے مناظرانہ چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔ حالانکہ اس سے پہلے حرین شریفین اور دیگر مالک اسلامیہ کے علماء اہل سنت اپنی اپنی تصانیف میں فرقہ وہابیہ کو گمراہ اور خارجی قرار دے چکے تھے۔ چنانچہ علامہ زینی دحلان مفتی مکہ مکرمہ کی کتاب الدرر السنیہ اس پر شاہد ہے۔ اور فقہ حنفی کے مشہور عالم علامہ ابن عابدین شامی نے بھی حاشیہ درمختار باب الخوارج میں فرقہ وہابیہ کو خوارج میں شمار کیا ہے اور اُس وقت کے اکثر علمائے ہند بھی محمد بن عبدالوہاب کی تردید میں بہت کچھ لکھ چکے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد حیدر اللہ خان درانی المجدوی النعشبندی اپنی کتاب درۃ الدرانی میں لکھتے ہیں کہ مؤرخ مطہرین نے اپنی کتاب جغرافیہ عمومیہ مطبوعہ مصر کی تیسری جلد عربہ رفاعہ بک ناظر مدرسۃ الاسنیہ میں لکھا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نے لوگوں کے سامنے یہ عقیدہ پیش کیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ خدا کے رسول اور دوست ہیں مگر ان کی طرح اور تعظیم از قبیل شریک ہے اور چونکہ لوگوں کا یہ شرک اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا لہذا اُس نے مجھے اپنی طرف سے بھیجا ہے تاکہ میں لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کروں۔

میں مص سبیلہ کذاب اور اسود ہنسی کے سوانحات ہی پڑھتا رہتا تھا۔ نیز علم و ادراک کی طرح قوتِ اظہار اور اسلوبِ کلام میں بھی ناقص تھا۔ البتہ جوشِ غضب اور اشتعالِ طبع میں منفرد تھا۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کی عمدگی عقاید کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب گنکوہی کا فتویٰ

تعب ہے کہ مولوی رشید احمد گنکوہی فتاویٰ رشیدیہ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے عقائد کو عمدہ تحریر کرتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ایک ایک عقیدہ کی براہِ راست زد خود مولوی صاحب کے اپنے شیخ اور پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی ترجمان علی کی ذاتِ گرامی پر پڑتی ہے۔ جن کا ارشاد ہے :-

شَفِيعَ عَصِيَاں ہُو تُمْ وَ سَبِيْلَهٗ بے کَسَاں ہُو تُمْ
تمہیں چھوڑا اب کہاں جاؤں بتاؤ یا رسول اللہ
کرم فرماؤ ہم پر اور کدو حق سے شفاعت تُم
ہمارے جرم و عصیاں پر نہ جاؤ یا رسول اللہ

نیز فرماتے ہیں :-

کہے ہے شوقِ نبیؐ یہ آکر چلو مدینے چلو مدینے
میں ہوں گا دل سے تمہارا رہبر چلو مدینے چلو مدینے
ہلاکتِ آباداب تو آئی جو فوجِ عصیاں نے کی چڑھائی
نجات چاہو تو اے برادر چلو مدینے چلو مدینے

اور مولوی رشید احمد گنکوہی کے برادرِ طریقت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اپنی کتاب شمیم الحبيب شمیم الطیب میں فرماتے ہیں :-

يَا شَفِيْعَ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِي
دستگیری کیجئے میری نبیؐ
لَيْسَ لِي مَلْجَأٌ سِوَاكَ اَيْحَثُّ
جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ
لَيْتَنِي كُنْتُ تُرْبَ طَيْبَتِكُمْ
کاش ہو جاتا مدینہ کی میں خاک
اَنْتَ فِي الْاِضْطِرَارِ مُعْتَمِدِي
کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی
مَسَّنِي الضَّرُّ سَيِّدِي سَنَدِي
فوجِ کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی
فَالْتَمَمْتُ النِّعَالَ ذَاكَ تَدِي
نعل بوسی ہوتی کافی آپ کی

بعض اہل طریقت رجعت کی زد میں

ابن عبدالوہاب پر کچھ گلہ نہیں وہ تو اس کو چپ سے محض نابلدتھے۔ البتہ جب اس ملک کے بعض مدعیانِ طریقت بھی ان کے تشددانہ عقائد کو اپنا کر عشقِ رسول کا راستہ ہمیشہ کے لیے بند کرتے نظر آتے ہیں تو حیرانی کی حد نہیں رہتی اور اس طریق پر سوائے رجعت کے اور کسی لفظ کا اطلاق صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ مولوی عبداللہ غزنوی اور ان کے صاحبزادے مولوی عبدالجبار اہل حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ اہل طریقت بھی کہلاتے تھے۔ مولوی عبداللہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت کوٹھ والا رحمۃ اللہ

علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ اور یہی حال مولوی حسین علی صاحب ساکن واں بھراں کا تھا جن کے شیخ طریقت نے اپنے تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ذکر ہی کیا ان کی تو بہت ہی بڑی شان ہے بعض اوقات آنجناب کے غلاموں پر بھی علم غیب عطائی کی کیفیات اس طرح طاری ہوتی ہیں کہ تمام رُوئے زمین پر کوئی چیز بھی ان کے مشاہدہ سے باہر نہیں رہتی مگر مولوی حسین علی بول اُٹھے کہ میرے نزدیک تو ایسا عقیدہ کفر ہے۔

حضرت کے فتویٰ کے خلاف مخالفین کا اشتہار

حضرت سے غیر مقلد و ہابیوں کی مخالفت کی اہل جہ تو ڈوبی تھی جو قبل انہیں ذکر ہو چکی ہے لیکن مولوی عبداللہ غزنوی کے ایک مُرد مولوی عبدالاحد خان پوری نے طاعون زدہ مقام سے خروج کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کے ایک فتویٰ کو سامنے لاتے ہوئے بحث و مباحثہ کی ابتدا کی مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ تھا کہ

”طاعون زدہ علاقہ میں بلا ضرورت جانا گناہ ہے اور طاعون زدہ جگہ سے بخوف طاعون بھاگنا حرام ہے البتہ ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں اور اسی شہر کے آس پاس جنگلوں اور باغوں میں چلے جانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ ہاں اگر سبستی والے چھوڑ کر چلے جائیں اور ایک شخص بھی وہاں نہ رہے تو یہ درست ہے۔“

اس مضمون کا ایک فتویٰ مولوی عبدالنقاد مدرس مدرسہ انوار العلوم نوانگر ضلع بلیانے بھی دیا تھا اور حضرت قبلہ عالم قدس برترہ نے ایک استفتاء پر ان فتوؤں کی تائید فرمائی تھی اور مزید تفصیلی بحث کر کے دلائل و براہین دیئے تھے۔ آپ کا یہ مفصل فتویٰ قادی مہریہ میں درج ہے۔

مولوی عبدالاحد خان پوری کی تحریک پر حضرت کے اس فتویٰ کی تردید میں ایک اشتہار جاری کیا گیا جس میں طاعون زدہ مقام سے خروج کو، خواہ بقصد علاج اور حصول صحت ہی کیوں نہ ہو مطلق حرام اور اس کے جائز قرار دینے والے کو کافر کہا گیا۔ اور دلیل میں یہ آیت پیش کی گئی :-

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ - (البقرہ آیہ ۲۴۳)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گروں سے نکلے حالانکہ وہ ہزاروں تھے۔

اس پر گولڑہ شریف کے ایک طالب علم مولوی قائم علی چشتی فاضل لاہوری نے اس آیت کے متعلق مولوی صاحب خاٹوری پر بذریعہ اشتہار چند طالب علمانہ سوالات کیے اور لکھا کہ اگر مولوی صاحب بالمشافہ اھنت باللہ کے معنی پوری طرح سمجھائیں تو انہیں مبلغ ایک صد روپے بطور انعام دیئے جائیں گے۔

الفتوحات الصمدیہ

اس کے جواب میں مولوی عبدالاحد نے ایک رسالہ سنی البیان والالغاثہ تالیف کیا اور حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کو مخاطب کر کے دس علمی سوالات تحریر کرتے ہوئے آخر میں لکھا کہ اگر پیر صاحب نے ان سوالات کے جوابات تحریر فرمائے تو انہیں بھی مؤلف پر سوالات کرنے کا حق حاصل ہو گا حضرت کے ایک عقیدت مند مفتی غلام مرتضیٰ مدرس اعلیٰ دارالعلوم نعمانیہ لاہور ان سوالات کے جواب شائع کرنا چاہتے تھے مگر ایک مخلص کے شورہ پر حضرت نے خود جوابات لکھوائے۔ اور ساتھ ہی بارہ سوالات بھی تحریر

فرمائے جو آپ کی کتاب الفتوحات الصمدیہ میں شائع ہوئے۔ مولوی عبدالاحد کی کتاب البیان والافتاح کے جواب میں مفتی صاحب موصوف نے "التبیین والحماسہ" شائع فرمائی۔

یہ مولوی عبدالاحد خان پور ضلع ہزارہ کے باشندے تھے۔ طبابت کرتے تھے اور وہابیت کے الزام میں ترک وطن پر مجبور ہو کر اولپنڈی آگئے تھے۔ جہاں گذر اوقات کی معقول سبیل نہ پا کر مولوی عبدالجبار غزنوی امرتسری کی سفارش پر دربار گولڑہ شریف میں چندے بطور مہمان اور طالب علم قیام پذیر رہے تھے۔ قادیانی معرکہ میں حضرت کے ہمراہ لاہور بھی گئے تھے اور بعض کتابوں کا سبق لینے کے لیے آپ کے درس میں بھی شامل ہوتے رہے۔ ان کی اپنی علمیت تو ایسی نہ تھی کہ وہ دس سوالات تجویز کرتے۔ اس لیے شروع سے ہی سب پر روشن ہو چکا تھا کہ امرتسری کی جماعت اہل حدیث اس مناظرہ چھیڑ چھاڑ کی پشت پر ہے علیٰ بذالعیان حضرت کے سوالات کی مخاطب بھی یہی جماعت تھی۔ حضرت نے اپنے سوالات کے خاتمہ پر تحریر فرمایا تھا کہ

گو ہمارے سوالات قریب ایک سو کے لکھے ہوئے ہیں مگر خیال اس کے کہ جواب سے جواب ہی ہو گا پھر کیوں تبضع اوقات کریں۔ لہذا انہی پر اختتام کیا جاتا ہے۔"

عجالتہ بردو سالہ

جب ان سوالات کو کیے ہوئے دو سال گذر گئے اور فریق مخالف کی طرف سے کوئی جواب شائع نہ ہوا تو جناب مولانا محمد غازی صدرالاساتذہ گولڑہ شریف نے ایک رسالہ "عجالتہ بردو سالہ" کے نام سے شائع کیا جس میں بعض مضامین حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے افادات سے تھے۔ اس دوران جماعت اہل حدیث کے بعض ارکان یہ بیان دیتے رہے کہ یہ صاحب کے سوالات کے جوابات عنقریب بڑی شان سے شائع کیے جا رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس جماعت نے اس موضوع پر اپنے ہم خیال علمائے نجد اور مصر سے بھی استفادہ کیا۔ اور پوری کوشش کی مگر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی پیش گوئی کے مطابق ان سے قطعاً کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اور بالآخر مولوی عبدالاحد نے ایک ٹریکٹ شائع کیا جس میں اپنے سوالات کے بعض جوابات پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا کہ چونکہ ہمارے سوالات کے جوابات پر صاحب نے تسلی بخش نہیں دیئے ہیں اس لیے یہ حساب کے سوالات کے جواب دینے کی ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے۔

حضرت شیخ اکبر کی تائید میں انعامی دعوت مناظرہ اور علمائے اہل حدیث کا سکوت

مولوی صاحب خانپوری نے اپنے رسالہ جات میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سترہ العزیز کی شان میں تشنیع و تکفیر سے کام لیا تھا جس پر حضرت کے کچھ عقیدتمندوں کی طرف سے ایک اشتہار شائع کر کے اہل حدیث کے علماء کو انعامی دعوت مناظرہ دی گئی مگر ان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ البتہ ان کی جماعت کے ایک فاضل عالم مولوی ابوالفائز اللہ صاحب نے اپنے اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۱۳ء میں مولوی صاحب خانپوری کے طرز تحریر کی مذمت کی۔ اور لکھا۔

کچھ شک نہیں کہ قاضی عبدالاحد صاحب ہماری جماعت اہل حدیث کے بڑے سرگرم ممبر ہیں۔ ایسے سرگرم ہیں کہ بڑے بڑے نامور علماء اور محدث بھی آپ کے خیال میں اہل حدیث نہیں! اس لیے ان کی نسبت زیادہ وزن دہانے دینے کا ہم کو بہت زیادہ حق ہے۔ لہذا ہم خدا لگتی کہنے کو برادری کے حقوق سے محنت دم جان کر صاف کہتے

ہیں کہ ہمارے بھائی سراسر قصور وار ہیں۔ کیونکہ ان کا لہجہ اور ادائے مطلب کا رنگ اور طرزِ تحریر مکروہ ہے اور نہایت مکروہ ہے ہم سمجھتے ہیں کوئی شریف آدمی نہ اس قسم کی تحریر کر سکتا ہے نہ پڑھ سکتا ہے۔ قاضی صاحب چونکہ اہل حدیث اور ہمارے شہر امرتسر کے مقدر عالم مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی کے شاگرد اور مرید ہیں اس لیے ان کے دطیرہ سے ہم بہت نادام ہیں اور کھلے لفظوں میں کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ہماری ساری جماعت اگر بدنام ہو تو بے جا نہیں۔ یہ ایسے صاحب کمال ہیں کہ جو ان کے سامنے آیا، گالیوں کی بوجھاڑ سے ایسا کر دیتے ہیں کہ اٹھ نہ سکے خواہ شرفا کی نگاہ میں خود ہی ذلیل ہوں۔“

حضرت قبلۃ عالم قدس سترہ کی تصنیف اعلیٰ کلمۃ اللہ

ان ہی آیام میں اعلیٰ کلمۃ اللہ کے نام نامی سے حضرت قبلۃ عالم قدس سترہ کی ایک تصنیف فارسی زبان میں شایع ہوئی جس میں دَمَّ اٰهْلٍ بِہِ لَغَیْرِ اللّٰہِ کی تفسیر کے علاوہ سماع موتی، مسئلہ حرمت ذبیحہ فوق العقدہ، استمداد از قبور صالحین وغیرہ پر تحقیق کے ساتھ ساتھ جماعت غیر مقلدین کے اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا تھا۔ ان میں بعض مسائل از قسم استمداد سجدہ تعظیمی علم غیب حاضر ناظر وغیرہ پر خود مقلدین میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور بریلوی اور دیوبندی ناموں سے دو گروہ بن گئے تھے۔ ان مسائل پر حضرت قبلۃ عالم قدس سترہ کے مسلک کے متعلق تفصیلی بحث تصانیف کے باب میں آئے گی۔ موقوفات اور مکتوبات کے باب میں آپ کے ارشادات سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مقلدین کے ان فرقوں کے درمیان رفع اختلاف کا آپ کو کس قدر خیال تھا۔

۱۔ شمس الہدایت کی توصیف میں مولوی عبدالجبار صاحب کا ایک مکتوب پہلے درج ہو چکا ہے۔ اب حضرت قبلۃ عالم قدس سترہ کی ایک اور مشہور کتاب تحقیق الحق کی تعریف میں مولوی صاحب مدوح کے صاحبزادے مولوی داؤد غزنوی کا یہ قول ملاحظہ ہو کہ مفتی محمد حسن صاحب جامعہ خیر الدین ثم جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور سے یہ کتاب عاریتہ برائے مطالعہ لے گئے۔ اور واپس طلب کیے جانے پر کہہ دیا کہ مولیٰ سنا ایسی کتابیں ہاتھ آجائیں تو واپس دینے کے لیے نہیں ہوتیں مفتی صاحب فرماتے تھے کہ میں خود یہ نادر کتاب عاریتہ ایٹ آباد کے ایک دوست سے لایا تھا۔ (حسب روایت حاجی ملک محمد خدابخش ٹوانہ)

ساتویں فصل

حضرت قبلہ عالم قدس سیرۃ اور تحریکِ خلافت

انڈین نیشنل کانگریس نے انیسویں صدی عیسوی سے ہندوستان کی آزادی کی تحریک چلا رکھی تھی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ایک انقلابی پارٹی بنگال میں بھی پیدا ہو گئی۔ لیکن شمالی ہند اور پنجاب میں ان تحریکات کا کوئی خاص نمایاں اثر نہ تھا۔ کانگریسی تحریک تمام تر ہندوانہ تھی جس کا قومی ترانہ "بندے ماترم" تھا۔ یہ ترانہ کسی زمانہ میں بنگالہ کی اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت پیدا کرنے کے لیے موزوں کیا گیا تھا۔ نیشنلسٹ یعنی کانگریسی مسلمانوں کا وجود آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھا۔ کانگریس اپنے پورے زوروں پر اُس وقت آئی جب پہلی جنگِ عظیم (۱۸-۱۹۱۴ء) کے اتحادی فاتحین نے ترکی کے حصے بخرے کرنے شروع کیے اور مسلمان تحریکِ خلافت شروع کر کے دھڑا دھڑا کانگریس میں شامل ہونے لگ گئے۔ دورانِ جنگ کانگریس کے بڑے بڑے نیاؤں نے ہندوستان اور افریقہ سے برطانیہ کی بھرپور امداد کی تھی مگر اس کے باوجود اگر خلافتی مسلمان کانگریس میں شامل ہو کر اس کو تقویت نہ پہنچاتے تو ہندوؤں کا مطالبہ غالباً ڈومینین سٹینس (داخلی خود مختاری) سے آگے نہ بڑھ سکتا۔ یہ ہندو مسلم اجتماعی طاقت ہی تھی جس نے بالآخر حکومتِ برطانیہ کو جھکنے پر مجبور کر دیا۔

حضرت قبلہ عالم قدس سیرۃ اور ملکی سیاست

حضرت قبلہ عالم قدس سیرۃ کا منصب چونکہ مسلمانوں کی مذہبی اور روحانی بہبود کا تھا۔ اس لیے آپ کا واسطہ ملکی سیاست سے اسی حد تک پڑتا تھا جس حد تک وہ آپ کے اس منصبِ جلیلہ پر براہِ راست اثر انداز ہوتی تھی۔ جنگ کے ایام میں ایک زیادہ مستعد ریکروٹنگ آفیسر نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ صوبہ سرحد اور پنجاب کی اکثر مارشل قوتیں آپ کی ارادت مند ہیں۔ اگر آپ انہیں ملک اور بادشاہ کی خدمت کے لیے فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب دیں تو نہ صرف میرے محکمہ کی مشکلات بہت حد تک آسان ہو جائیں گی بلکہ گورنمنٹ بھی بے حد مشکور ہوگی۔ حضرت نے فرمایا، علمائے اسلام موجودہ حالات میں انگریزوں کی فوجی ملازمت کو جائز قرار نہیں دیتے۔ اگر کوئی شخص مجھ سے فوجی ملازمت کے متعلق دریافت کرتا ہے تو میں اُسے اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ کر دیتا ہوں۔ آپ لوگ کسی مسلمان اہل علم سے توقع نہ رکھیں کہ وہ لوگوں کو خلافِ شرع کام کا مشورہ دے گا۔ چنانچہ جب کشتہ نما راولپنڈی نے آپ کو اسی قسم کا ایک پیغام بھیجا تو اس میں آپ سے بعض مسلمان سیاست دانوں کو امتناعی بیانات دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا تو آپ نے یہ جواب تحریر فرمایا جو مکتوباتِ شریف میں طبع ہو چکا ہے:-

”ازمہر علی شاہ۔ بجواب پیغام کشتہ نما صاحب

آپ کا پیغام دربارہ امتناعی بیانات بعض مخالفین دولتِ برطانیہ پہنچا اگر مجھے غیر اسلام اور غیر اہل اسلام کا اظہار سمجھ کر مخاطب بنایا گیا ہے تو یہ خیال بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ اگر اس وجہ سے مخاطب بنایا

گیا ہوں کہ گروہ مخالفین دولتِ برطانیہ سے متفق نہیں ہوں تو میرا مخالف بوجہ اصولِ اسلامیہ تجاویزِ جزیرہ میں ہے نہ مطلقاً اور نہ اصل مدعی اور غایت و نتیجہ میں۔ مجھ سے مطلوبہ ہدایت اسی صورت میں مقصور ہو سکتی ہے کہ مقاماتِ مقدسہ مکہ و مدینہ و بغداد و بیت المقدس پر قبضہ چھوڑا جائے۔ ورنہ معاذ اللہ دائرہ اسلام سے خارج ہو کر آپ کے پیغام کی تعمیل بالکل ناممکن ہے۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ والحمد لله اولاً و آخراً۔
العبد المشتکی الی اللہ المدعو بہ مہر علی شاہ قلم خود۔ از گولڑہ۔“

تحریکِ خلافت کے اسباب

اسلامی دنیا میں سلطانِ ترکی کو مقاماتِ مقدسہ کے خادم اور ایک بڑی اسلامی مرکزی سلطنت کے سربراہ کی حیثیت سے خلیفۃ المسلمین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا جب یورپ اور امریکہ کا بزعم خود اس مردِ بجا کو عملاً ختم کر دینے کا منصوبہ مکمل ہو گیا تو برطانوی ہند کے مسلمانوں کو جو اپنی حکومت تو کھو چکے تھے مگر سلطنتِ عثمانیہ کو اسلامی شوکت کی آخری یادگار سمجھتے تھے انتہائی صدمہ ہوا۔ چنانچہ عوام اور سیاسی لیڈروں کے علاوہ فرنگی محل، ندوہ، دیوبند، تونسہ شریف اور سیال شریف وغیرہ کے دینی اور روحانی مراکز کے علماء اور مشائخ بھی خلافتِ اسلامیہ کے تحفظ پر کمر بستہ ہو گئے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے بعض اصحاب مثلاً حضرت مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور۔ مولینا بکرت علی پروفیسر اسلامیہ کلج پشاور۔ حکیم شمس الدین زری آبادی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری امرتسری وغیرہ نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اسلامی خلافت کے متعلق علمائے راسخین کا مسلک

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور بعض دیگر علمائے راسخین مثلاً حضرت سید دیدار علی شاہ الوری، جناب مولوی محمد علی مونگیری صوبہ بہار کے علاوہ مولوی اشرف علی صاحب نقوی جو ہر مسئلہ کو خالص شرعی نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے۔ ترکی سلطنت کو اسلامی خلافت کا درجہ نہیں دیتے تھے تاہم ان حضرات کی مکمل ہمدردی اُس وقت تک ترکوں کے ساتھ رہی جب تک اُن کی انقلاب پسند عجات نے برسرِ اقتدار آکر اس بات کا اعلان نہ کر دیا کہ ہماری حکومت کا کوئی مذہب نہیں۔ مثلاً جنگِ طرابلس اور جنگِ بلقان میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے گھر کے زیورات اور اصبطل کے گھوڑے تک بیچ کر ترکوں کی امداد کے لیے چندہ دیا تھا۔ طرابلس کی جنگ کے زمانے میں کئی بار غازی انور پاشا جو اُن دنوں انور بے کہلاتے تھے کا ذکر عزت اور محبت کے لہجہ میں فرمایا اور اُن کے حق میں دُعاؤں خیر فرمائی۔ حتیٰ کہ تحریکِ خلافت کے دنوں میں بھی آپ نے اُن مخلصین کو جو اس میں عملی حصہ لے رہے تھے منع نہیں فرمایا۔

اپنے مسلک کے باوجود حضرت نے مخلصین کو تحریکِ خلافت میں حصہ لینے سے منع نہیں فرمایا

جیسے کہ اوپر ذکر ہو رہا تھا اپنے شرعی مسلک کے باوجود آپ نے اپنے مخلصین کو تحریکِ خلافت میں کام کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مولینا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ بہاولپور لکھتے ہیں :-

تحریکِ خلافت کی ابتداء تھی۔ اویں اس تحریک کا بہت بڑا علم بردار تھا۔ حکومت نے میری گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے۔ مجھے کسی ذریعہ سے پہلے پتہ چل گیا۔ لہذا میں بھاگ نکلا اور سیدھا گولڑہ شریف جا پہنچا

حضرت قبلہ عالم فخر کی نماز کے بعد مہمانوں کو رخصت کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا، غلام محمد کیا بات ہے میں نے عرض کی کہ تنہائی میں عرض کروں گا۔ عادت مبارک تھی کہ تنہائی اور خلوت کے وقت لوگوں کو اٹھا دیتے تھے، مگر اُس روز خلافِ عادت، مسجد کے جنوب مشرقی منارہ کے پاس تشریف لا کر میری عرض کو استماع فرمایا اور ارشاد کیا کہ کل دس بجے جواب دوں گا۔ چنانچہ دوسرے دن دس بجے بلا کر ایک تعویذ عطا فرمایا اور زبان مبارک سے فرمایا بِحَوْلِ اللّٰهِ وَقُوَّتِهِ لَا يَفْتَدِرُ أَحَدٌ عَلَيْنَا۔ (اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور قوت سے ہم پر کوئی ایک بھی قدرت نہ پاسکے گا۔ حزب البحر، واپس چلے جاؤ کوئی بال بھی بیکار نہ کر سکے گا۔ میں نے عرض کی تقریریں کرتا رہوں یا پھوڑ دوں تو فرمایا جو میرا کام تھا میں نے کر دیا ہے۔ تقریریں کرنا یا نہ کرنا تمہاری اپنی رائے پر منحصر ہے۔

گویا یہ آپ کے اُس اسلامی نظریہ کا ثبوت ہے کہ فروعی معاملات میں اور مسائل میں اپنے اپنے دلائل کے پیش نظر ہر فریق آزاد ہے۔ البتہ تشدد، تعصب اور ایک دوسرے کے خلاف کچھ اچھالنا تفریق فی الدین کے مترادف اور سخت ممنوع ہے۔

۱۹۰۸ء میں سلطان عبدالحمید خان جب تختِ ترکیہ سے معزول کیے گئے تو حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے بہت رنج اور افسوس کا اظہار فرمایا تھا کیونکہ جیسے کہ بعد میں سب پر روشن ہو گیا یہ معزولی دراصل سلطنتِ ترکیہ کے زوال و انتشار کا پیش خمیہ تھی۔ اس کے بعد سب سے پہلے تو بلغاریہ ہاتھ سے گیا۔ پھر آسٹریا نے مختلف ترکی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اٹلی نے ۱۹۱۱ء میں ڈول مغرب کے اشاروں پر اطلس میں جنگ چھیڑ دی جس میں کافی علاقہ ترکوں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ پھر ۱۹۱۲ء میں پہلی جنگِ عظیم شروع ہونے پر شومنی قیمت سے ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دے کر اپنی رہی سہی طاقت بھی کھودی۔ اتحادیوں نے عرب ممالک میں بغاوتیں کرا کر بتدریج ۱۹۱۶-۱۷ء تک شام، حجاز، فلسطین و عراق سب علیحدہ کر لیے۔ اور وہ عظیم ترکی سلطنت جو سلطان عبدالحمید خان کے زمانہ تک بلغاریہ سے بحیرہ عرب اور اطلس تک پھیلی ہوئی تھی۔ فقط ایک مختصر سے علاقہ پر محدود ہو کر رہ گئی۔ سلطان عبدالحمید خان کے بعد ترکوں نے سلطان محمد خامس اور پھر سلطان عبدالحمید خان کو خلیفہ بنایا۔ لیکن آخر کار ترکی میں نئی جمہوریت کے شوق نے خلافت کی بساط ہی الٹ کر رکھ دی جس سے نہ صرف تمام عالمِ اسلام میں صعب ماتم بچھ گئی بلکہ خود ترکوں کی اسلامی مرکزی حیثیت ختم ہو جانے کے باعث یہ صورت اُن کے لیے بے حد ضعیف کا باعث بنی۔

یہ درست ہے کہ سلطان موصوف میں کچھ خامیاں ضرور ہوں گی۔ مگر جہاں تک دینداری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت و محبت کا تعلق ہے سلطان ایک منفرد حیثیت کا مالک تھا۔ پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ جب پیرس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک تھیٹر کیل ڈرامہ اسٹیج کرنے کا منصوبہ زیرِ تجویز تھا تو سلطان عبدالحمید خان کس قدر غضبناک ہوا تھا اور طوازیام سے نکال کر اعلان فرمایا تھا کہ جب تک عیسائی دنیا بائی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس ناپاک عزم سے باز نہیں آئے گی یہ تلوار باہر ہی رہے گی اور اس مضمون کا ایک تار فرانسسی حکومت کو بھی روانہ کیا تھا جس سے نہ صرف فرانس بلکہ تمام یورپ تھرا اٹھا تھا۔ اور معذرت خواہی کے ساتھ اُس پر دو گرام کو ختم کر دیا گیا تھا۔ یونانیوں کے ساتھ سلطان موصوف کے مجاہدانہ کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے بیسویں صدی کے مشہور بصری ادیب و شاعر احمد شوقی اپنی نظم صدی الحرب میں سلطان سے خطاب کرتے ہیں :-

بسیفک یعلو الحق والحق اغلبُ
وینصر دین اللہ ایان تضربُ
(تیری تلوار کے ذریعہ حق کو بلند ہی ملتی ہے اور حق ہمیشہ غلبہ پانے والا ہے۔ اور جہاں جہاں تو شمشیر کے جوہر دکھاتا ہے۔ دین کو مدد ملتی ہے)

علاوہ ازیں مولیٰ نازحمت اللہ مہاجر مکی کو جن کی حضرت قبلہ عالم قدس بترہ سے خاص عقیدت کا ذکر پہلے آچکا ہے، سلطان موصوف نے مشہور عیسائی مناظر پادری فنڈر سے مناظرہ کے لیے بصد اعزاز طلب فرمایا تھا جس کے فرار کے بعد مولینا کو بڑے تڑک و اشتام کے ساتھ ہدایا و تحائف دے کر واپس مکہ معظمہ روانہ کیا۔

حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کے فرزند ارجمند جناب بابو جی مدظلہ العالی آج تک سلطان عبدالحمید خان کا نام بہت احترام سے لیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ سلطان کے عشق رسولؐ کے باعث مجھے ان سے غائبانہ انس ہے چنانچہ جب آپ حضرت مولینائے روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کے لیے ترکی تشریف لے گئے تو خاص طور پر سلطان عبدالحمید خان کے مدفن پر جا کر فاتحہ پڑھی۔

تحریکِ خلافت میں ہندو کانگریس کے ساتھ تعاون کا مسئلہ

جب خلافت کا مسئلہ اپنے دیگر متعلقہ مسائل کے ساتھ بطور استفتاء ان علمائے انجمن کی خدمت میں پیش ہوا تو ان بزرگان نے اپنا مافی الضمیر نہایت واضح الفاظ میں بیان فرمایا اور رائے عامہ کی شدت کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہ کی اب مسائل نے اس ترتیب سے صورت اختیار کی۔

- ۱۔ کیا حکومتِ ترکیہ خلافتِ اسلامیہ نبویہ کا حکم رکھتی ہے؟
 - ۲۔ آیا خلافت کے استحکام کے لیے ہندو کانگریس کا تعاون اور ان صورتِ حالات کے تحت مسلمانوں کے لیے مسٹر گاندھی کی قیادت جائز ہے؟
 - ۳۔ آیا ہندوؤں کی معاونت حاصل کرنے کے لیے گوگوشی کو بند کیا جائے؟ اور
 - ۴۔ کیا انگریزوں کی اسلام دشمن حکومت کی وجہ سے ہندوستان دارالہرب بن چکا ہے اور مسلمانوں کے لیے اس ملک سے ہجرت واجب اور جائز ہوگئی ہے؟
- پہلے مسئلہ پر کارکنانِ تحریکِ خلافت کا فتویٰ یہ تھا کہ سلطانِ روم کی ترکی حکومتِ اسلام کی رُو سے خلافتِ جاریہ ضروریہ کا حکم رکھتی ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کا ارشاد تھا کہ صحیح حدیث کی رُو سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تیس برس تک اسلامی خلافت (راشدہ) قائم رہی۔ بعد ازاں سلطنت ہوگئی تھی جس کے لیے حدیث شریف میں "عضوضیت" اور جبر کا مفہوم آیا ہے۔ اگر مذہبِ اسلام ایسی سلطنت کو خلافتِ جاریہ ضروریہ قرار دیتے ہوئے اس کے جواز کی ذمہ داری قبول کرے تو یزید ابن معاویہ اور منصور عباسی بھی، سلاطینِ جاہلہ کی بجائے خلفائے نبوی قرار پائیں گے۔ اور حضرت امام حسین اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما جو ان کے حکم سے شہید کیے گئے معاذ اللہ باغی کہلائیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تجتہ اللہ البالغہ جلد دوم کے باب الفتن میں بخاری شریف کی حدیث کی رُو سے یزید کو "دعاۃ الضلال" یعنی گمراہی کی طرف بلانے والوں میں شمار فرمایا ہے۔ لہذا جو شخص ضلالت اور گمراہی کا داعی ہو اسے کوئی بھی صاحبِ انصاف، خلیفۃ المسلمین کے مقدس منصب کا مستحق نہیں سمجھ سکتا۔

ہندوؤں کے ساتھ تعاون

کانگریس کے ساتھ تعاون اور مسائل ۲ تا ۴ مندرجہ بالا کے متعلق جناب شیخ الجامعہ حضرت کے مسلک کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"خلافت کمیٹی کی تفصیل یہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں جو اگست ۱۹۱۴ء کو شروع ہوئی تھی خلافت عثمانیہ نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا جس میں بالآخر ترکوں کو شکست ہوئی اور بہت سے صوبے یعنی شام، فلسطین، عراق و عرب وغیرہ اُن سے چھین گئے اور ترکی شہنشاہیت کا خاتمہ ہو گیا۔ مسلمانان ہند اس واقعہ سے بہت پریشان ہوئے اور مولانا محمد علی مرحوم و مغفور نے تجویز کی کہ مسلمان اس ملک سے ہجرت کر جائیں۔ مولانا محمد علی مسلمانوں کے مخلص لیڈر تھے اور بہت پر جوش مسلمان تھے۔ مولانا تاج محمود سندھی نے اس تحریک کو عملی جامہ پہنایا اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو لے کر افغانستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ اشن آراہ اضلاع ہزارہ و پشاور کے ہزاروں مسلمان بھی اُن کے ساتھ ہو لیے۔

حضرت قبلہ عالم قدس بترہ سے جب اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس ہجرت کے جواز کی کوئی وجہ کتاب و سنت اور دیگر دلائل شرعیہ سے نہیں ملتی۔ نہ اس قسم کی ہجرت صحابہؓ نے کی ہے۔ وہ ہجرت تو اس واسطے تھی کہ مسلمانوں کو اقامت دین سے مُشرک منع کرتے تھے تا آنکہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ جمع بنی ہاشم و بنی عبد المطلب شعب ابی طالب میں حضور ہونا پڑا۔ مگر یہاں ایسے اسباب موجود نہیں۔ نیز ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان ہیں۔ اگر بالفرض سب پر ہجرت فرض ہے تو کوئی ملک اتنی بڑی عجمت کو سہا نہیں سکتا۔ پس بوجہ فقدان استطاعت یہ فرض ساقط ہے۔ اور اگر سب پر فرض نہیں بعض پر فرض ہے تو اس ترجیح بلا مرجح کی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

نیز آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے مسلمانوں کو اپنی اصلاح کرنا چاہیے ہجرت کرنے والوں میں بہت تھوڑے نمازی ہیں جب نماز جیسے ضروری امر کا التزام نہیں تو الہم فالہم کے اصل کے ماتحت پہلے اس فرض کو قائم کرنا چاہیے۔

یہ بھی فرمایا کہ عنقریب اس غیر شرعی ہجرت کا نتیجہ خراب نکلے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک ہفتہ کے بعد مسلمانوں نے واپس آنا شروع کر دیا۔ بہت سے لوگ جو اصل میں جاؤس تھے اور ساتھ شریک تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو واپسی کی رغبت دلانی شروع کی۔ افغانستان کے تخت پر اگرچہ امان اللہ مملکت تھا جو انگریزوں کے خلاف تھا مگر وہ اتنے کثیر تعداد لوگوں کی مستقل میزبانی و ضیافت سے کیسے برد آزما ہو سکتا تھا۔ مہاجرین میں اکثریت مجلس اشخاص کی تھی۔ چنانچہ جب واپس ہوئے تو بہت ذلت اور خواری کا سامنا کرنا پڑا جاتے وقت اپنی زمینیں اور مکانات نہایت سستے داموں بیچ گئے تھے۔ واپس آئے تو رہنے کو ٹھکانہ بھی نہ تھا اور نہ گذران کے لیے کوئی ذریعہ معاش۔ جاہلادیں زیادہ تر ہندوؤں نے خرید کر لی تھیں۔ حتیٰ کہ پشاور کی تحصیل صوابی سب کی سب ہندوؤں کے ہاتھ بک گئی تھی۔ آخر انگریزوں کے پاس جا کر منت سماجت کی تو انہوں نے ایک قانون پاس کیا کہ مہاجرین کی زمینیں اور مکانات اُن ہی قیمتوں پر واپس کیے جائیں جن پر خریدے گئے تھے۔ (چنانچہ اس دور کے ایک مشہور سیاسی کارکن ظفر حسن ایک اپنی کتاب "آپ بیتی" حصہ اول میں تحریک ہجرت کے متعلق رقمطراز ہیں: "نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں سادہ لوح مسلمان اپنے گھر بار سے محروم ہوئے۔ افغانستان پر پالی بوجھ پڑا۔ ہندوستانی مسلمان افغانوں سے اور افغان ہندوستانی مسلمانوں سے کبھی نظر

ہوئے۔ اگر کسی نے اس سے فائدہ اٹھایا تو وہ صرف انگریز تھے۔ ایک اور مقام پر موصوف لکھتے ہیں کہ ان کارروائیوں سے ترکوں کو مدد و ضرور ملے لیکن اس سے ہندوستان کی آزادی کا راستہ نہ کھلا۔ صرف انگریزوں کے لیے ہندوستان میں قدرے پریشانی بڑھ گئی مگر ان کو کوئی زیادہ نقصان نہ پہنچا۔

دوسرا مسئلہ اعانت کا تھا۔ خلافت کمیٹی کے ممبروں نے طے کیا کہ ہندوؤں اور سکھوں اور دیگر ہندوستانی قوموں سے امداد حاصل کرنی چاہیے اور مسٹر کرم چند گاندھی جو بعد میں مہاتما گاندھی کے نام سے مشہور ہوئے خود بخود مسلمانوں سے مل گئے اور ان کے اتباع میں باقی ہندو لیڈر بھی مسلمانوں کی ہمدی کا دم بھرنے لگے جی کہ ہندو مسلم اتحاد کا بہت بڑا پرچار شروع ہو گیا۔ اور بڑے بڑے جو شیخے مسلمان جن کی زبانیں شعلے برساتی تھیں کانگریس میں شامل ہو گئے جو ایک بہت بڑی قومی جماعت متصور ہونے لگ گئی۔ کانگریس کی اس قوت اور ترقی کا اصل باعث اس میں مسلمانوں کی شمولیت تھی جس نے اسے ہندو کانگریس کی فرقہ دارانہ پوزیشن سے انڈین نیشنل کانگریس کی عمومی نمائندگی کی پوزیشن پر لاکھڑا کیا۔ اس کی طرف مسلمانوں کے رجوع کا ایک اور باعث بھی ہوا اور وہ یہ تھا کہ مولانا محمود الحسن دیوبندی جو بعد میں شیخ الہند کے نام سے مشہور ہوئے ان ایام میں جزیرہ مالٹا سے رہا ہو کر واپس ہندوستان تشریف لے آئے تھے اور اس تحریک کے بڑے حامی ہو چکے تھے۔ ان کی معیت میں بلکہ ان کے اتباع میں تمام دیوبندی علماء بہ استثنائے جناب مولوی اشرف علی تھانوی اس تحریک میں شامل ہو چکے تھے۔ اس وقت دو مسئلے شرعی پیدا ہو گئے۔ ایک یہ کہ دین کے کام یعنی احیائے خلافت اسلامیہ

۱۔ جناب مولوی اشرف علی تھانوی کے عزیز مولوی احتشام الحق تھانوی صاحب کا ایک بیان اخبار روزنامہ کوہستان مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۶۵ء میں آیا ہے جسے یہ دکھانے کے لیے یہاں درج کیا جاتا ہے کہ دین میں گہری نظر رکھنے والے علماء مسٹر گاندھی کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔

چند روز ہوئے ایک محل میں مولانا احتشام الحق تھانوی نے گاندھی جی کا ایک دلچسپ واقعہ سنایا۔ فرمایا کہ تحریک خلافت کا ابتدائی زمانہ تھا اور مسلمان ابھی پوری طرح میدان میں نہیں اترے تھے۔ تحریک میں گاندھی جی کی دلچسپی بعض ڈورانڈیش مسلمانوں کے لیے حیرت کا موجب بنی ہوئی تھی۔ اور آپس میں یہ پوچھا جا رہا تھا کہ گاندھی جی کس مقصد کے تحت تحریک پر اتنے مہربان ہیں۔ انہی ایام میں گاندھی جی نے حکیم اجمل خان مرحوم کو مشورہ دیا کہ تحریک کے لیڈروں کو چاہیے کہ مولویوں اور مذہبی دیوانوں کو اپنے ساتھ لائیں۔ گاندھی جی کا خیال تھا کہ ان کے بلائے بغیر تحریک قوت نہیں پکڑ سکتی اور عوامی تحریک نہیں بن سکتی۔ چنانچہ اس مشورے کے مطابق خلافت کے زعماء کا ایک وفد جس میں حکیم اجمل خان، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور دوسرے لیڈر شامل تھے بہار کے ضلع مونگیر میں مولانا محمد علی مونگیری سے ملنے کے لیے گئے۔ مولانا صرف اپنے علاقے میں ہی نہیں بلکہ اس سے باہر بھی بڑی موثر شخصیت تھے۔

مولانا محمد علی مونگیری اور مسٹر گاندھی کا مکالمہ

وفد کے ہمراہ جب گاندھی جی بھی مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو گاندھی جی نے مولانا سے بہت ادب کے ساتھ

کہا کہ مولانا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے! اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے بے حد متاثر

ہوا ہوں۔ آپ دنیا کے عظیم ترین انسان تھے۔ اس کے علاوہ میں نے قرآن حکیم کا مطالعہ کیا ہے۔ عظیم کتاب ہے اور اس (باقی صفحہ)

میں کافر کی امداد یعنی جائز ہے یا نہیں۔ دوسرے عدم تعاون یعنی گورنمنٹ انگلشیہ سے ترک ہولالت و ترک تعاون۔ کیونکہ جو حضرات کانگریس میں شامل ہو گئے تھے وہ ہندوؤں کے ساتھ تعاون اور ہولالت کے بے حد حامی تھے اور انگریز کے ساتھ تعاون و اشتراک عمل کے سخت مخالف۔ ہندوؤں کے لیے گنہگار یا قابلِ بُرائت تھی اس لیے اکثر بڑے بڑے کانگریسی مسلمانوں نے زور شور سے کننا شروع کر دیا تھا کہ گائے کا ذبیحہ ہندوستان میں موقوف ہونا چاہیے حکیم حافظ محمد اجمل خان مرحوم و منظور نے تو اس کے متعلق علماً سے ایک فتویٰ بھی حاصل کر لیا تھا۔ اور امرتسر کے مولوی عبدالحق ایڈیٹر رسالہ اہلسنت والجماعت نے ایک رسالہ گائے کے گوشت کی کراہت میں بھی لکھ ڈالا تھا۔ کہتے ہیں مہاتما جی سے جب ہندو سوال کرتے کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ اس قدر کیوں مل گئے ہیں تو وہ فرماتے تھے کہ میں گائے کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملتا رہا ہوں۔ چنانچہ گائے کے ذبیحہ کی رسی ممنوعیت کا بھی ایک مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ غرض مسلمانوں کی بڑی بڑی جماعتیں یعنی خلافت کمیٹی اور جمعیتہ العلماء ہند اپنے لائحہ عمل کو، کانگریس کے پروگرام کے مطابق تیار کرتی تھیں۔ اور کانگریس کی کرتا دھرتا چونکہ صرف مہاتما گاندھی کی ذات تھی۔ اس لیے گویا مہاتما جی تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشترکہ اور واحد لیڈر تھے جو بھی فرماتے اُس کی تعمیل ہوتی۔ اُن کی خوشنودی کی خاطر مسلمان مقرر جلسوں میں ابتدا ہی ذبیحہ گاو کی ممانعت کے مسئلہ سے کہتے مہاتما جی نے عدم تعاون، کھدر کے پرچار اور چرخہ کاٹنے کی تحریک چلائی اور کانگریسی مسلمانوں نے ان سب پر صاف کیا۔ غرضیکہ ایک مہاتما کی ذات محور تھی اور تمام ہندوستان اُن کے گرد گردش کُناں تھا۔

حضرت سے جب سوال کیا گیا کہ مہاتما جی جو ساتن دھرمی ہندو ہیں اور جن کا ارشاد ہے کہ میں مُت پرست ہوں اور مُت پرستی پر فخر کرتا ہوں۔ کیا مسلمانوں کے لیے اُن کے احکام کے تحت چلنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ تو آپ نے ناجائز فرمایا اور کہا کہ مسلمان کے لیے چار امور پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہے۔ (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماع الامتہ (۴) قول مُتہد۔ مہاتما گاندھی (قسم کے لوگوں) کے قول کا اتباع کہیں نہیں آیا۔ بلکہ لاتدریٰ فاراھما کا حکم تو حدیث میں ہے یعنی مسلمانوں اور مشرکین کی آگ بھی ایک ڈکے

(حاشیہ بعینہ صفحہ گذشتہ)

نے میرے دل و دماغ پر گہرا اثر کیا ہے۔

مولینا مومنین گاندھی جی کی ان باتوں کو خاموشی سے سنتے رہے اور جب گاندھی جی اپنی بات کہہ چکے تو دلینا نے پوچھا۔ تجھے تو پتہ اسلام کی وہ بات بتائیے جو آپ کو پسند نہیں آتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیت کے اُس مذہب پر ہم سے آگاہ کیجئے جسے آپ نے سنا تھا نہیں سمجھا۔ گاندھی جی اس سوال کے لیے تیار نہ تھے۔ کچھ چوکتے اور فرمایا کہ یہ تو مولینا مومنین ہی تھے میں نہیں آیا۔ اس پر مولینا مومنین نے سوال کیا: تو چہ آپ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا؟ گاندھی جی نے اس پر کئی جواب دیے۔ مولینا مومنین نے جو کچھ کہا خود سے آپ میں نہ جانتا پتا ہے میں خود بھی اپنے آپ کو کچھ لے کے لیے اُنہی کی بولیاں بولا کرتا ہے۔ (مستحسن بنی سے لی ڈائری)

حضرت مولینا محمد علی مومنین جی کے ایک مشہور شیخ و رفیق حضرت قبلہ مولانا عبدالحق صاحب تھے۔ مولانا مومنین

میں حضرت مولانا محمد علی محمد صاحب کے شاگرد ہیں۔ مولانا صاحب سے تھے۔ مولانا صاحب جی

کو نہ دیکھے گی۔

علمائے تحریک خلافت نے قرآنِ منافی کا قصہ پیش کیا اور ان اللہ کی یوید ہذا الدین بالرجل الفاجر (بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایک فاسق فاجر سے بھی کرا لیتا ہے) والی حدیث پیش کی تو حضرت قبلہ عالم قدس بترہ نے فرمایا کہ لا آستعین بمشرب (میں مشرب سے مدد نہیں لیتا) کا بھی جنگ بدر کے موقعہ پر صراحتہ ورو ہے اور منافی پر اسلام کے ظاہری احکام نافذ ہوتے ہیں۔ تاآنکہ ایک وقت ان کے جنازے بھی پڑھے جاتے تھے اور وہ نماز میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے۔ ہاں کافر مجاہد سے کہیں اعانت طلب فرمائی ہو تو دکھلائیے اور ان اللہ کی یوید ہذا الدین والی حدیث میں اللہ تعالیٰ کے تائید فرمانے کا ذکر ہے تو اللہ تعالیٰ تو ہر طرح اپنے دین کی تائید فرماتے ہیں۔ وہ کوئی مکلف نہیں ہیں کہ یہ کریں وہ نہ کریں مگر مسلمان مکلف ہے۔ اس کو ولا تزرکونوا الی الذین ظلموا فتمسکوا بالشارع سورہ ہود - ۱۱۳ (مت بھکو ظالموں کی طرف پس لگے گی تم کو آگ) کا حکم ملا ہوا ہے۔ وہ کیسے مشرب سے اعانت طلب کر سکتا ہے۔ این الثریا من السہا۔

بعض لوگ اس آیت سے ہندوؤں کی موالا ت پر دلیل لاتے تھے :-

لا ینہکم اللہ عن الذین لویقبات لؤکھ
فی الذین ولکھ یخیر جو کھ من دیار کھ
ان تبرؤھم و تقطو الیہم۔
اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں فرماتا ان لوگوں سے کہ
تم سے نہیں لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے
نہیں نکالا۔ یہ کہ تم ان سے انصاف اور
احسان کرو۔

سورہ الممتحنہ - ۸

مگر یہ غور نہ کرتے تھے کہ اس آیت کا حکم کیا ہے۔

الغرض حضرت قبلہ عالم قدس بترہ نے ہندو سے موالا ت کے جواز کا انکار فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ یہود اور مشرکین کی عداوت قرآن شریف میں صراحتہ مذکور ہے پس ترک موالا ت ہندو اور انگریز اور یہود سب سے ہونی چاہیے۔ تفریق اور ترجیح بلا مرجع ٹھیک نہیں۔ نیز آپ نے کھدر کے استعمال کو تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ فقہ اور دین کی کتابوں میں ایسا کوئی حکم نہیں۔ اور ذبح گاؤ کی قباحت کو آپ نے رد کیا۔ فرمایا ذبح گاؤ کی خوبیاں اور فضیلت مذکور ہے۔ اس طرح آپ نے مہاتما جی کی تمام باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار فرمایا۔ جس کی وجہ سے سب لیڈر آپ سے ناراض ہو گئے۔

تعب ہے کہ بعض لیڈرین جنگ کے زمانہ میں گورنمنٹ کی اعانت کرتے رہے اور رنکروٹ بھی بھرتی کراتے رہے۔ مگر حضرت قبلہ عالم قدس بترہ جنگ کے دوران میں بھی حکومت کی برابر مخالفت کرتے رہے۔ فوجی بھرتی کو بھی ناجائز قرار دیا اور ریکروٹنگ آفیسر کو بھی واضح الفاظ میں بتلادیا کہ میں فوجی بھرتی کا مخالف ہوں۔ مجھ سے یہ توقع نہ رکھیں کہ میں مخلصین کو فوج میں بھرتی ہونے کا مشورہ دوں گا۔ مگر جب بعض لیڈروں کو حسب خواہش مرتبہ جات اراضی نہ ملے تو وہ مخالفت پھیل گئے اور حضرت کو سرکار کا خیر خواہ ظاہر کرنا شروع کر دیا۔

انگریز حکومت کی طرف سے جاگیر کی پیش کش

یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ اس موقع پر حکومت برطانیہ نے چار سو مربع نہری زمین کی جاگیر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو دینے کی پیش کش کی تھی۔ اس ضمن میں گورنمنٹ کا جو افسر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے اس جاگیر کے لیے ضرر بلکہ قانوناً اور اخلاقاً جائز ہونے کے یہ دلائل پیش کیے کہ حکومت پر واجب ہوتا ہے کہ اپنی رعایا کی تعلیمی بہبود کے لیے مالی امداد دیتی رہے۔ چنانچہ مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں کو گرانٹ دی جا رہی ہے۔ یہ خانقاہ بھی ایک تعلیمی ادارے کا محکم رکھتی ہے جہاں رعیت کا ایک بڑا حصہ دینی تعلیم اور روحانی تربیت حاصل کرنے کے لیے حاضر رہتا ہے۔ پس یہ گرانٹ انہی لوگوں کی امداد کے لیے ہے۔ ہم سے پہلے مغل اور پٹھان حکومتیں بھی رعایا کے ہندو، مسلم، جینی اور سکھ طبقوں کو ایسی جاگیریں دیتی چلی آئی ہیں جو ہم نے بدستور قائم رکھی ہوئی ہیں۔ ہر نئی حکومت کو ایسی چیزیں ورثے میں ملتی ہیں اور وہ ان کے قیام کے لیے بین الاقوامی دستور کے ماتحت ذمہ دار ہوتی ہے۔

اس افسر نے یہ بھی کہا کہ آپ کو اس اراضی کے انتظام میں کسی قسم کی تکلیف برداشت نہیں کرنا پڑے گی بلکہ آپ چاہیں تو ضلع کا کلکٹر بطور کورٹ آف وارڈز اس کا انتظام کرائے گا اور ہر فصل پر اس کی آمدنی نقدی کی صورت میں خانقاہ میں داخل کرادی جایا کرے گی۔

حضرت نے یہ تقریریں کر فرمایا کہ جو حکومت ہم پر اتنا بڑا احسان روا رکھے تو بطور انسان ہم پر بھی یہ فرض عائد ہونا چاہیے کہ کسی نہ کسی رنگ میں اس احسان کا معاوضہ ادا کریں۔ اور اگر عملاً اور کچھ نہ کر سکیں تو ازراہ شکر گذاری کبھی کبھار اس حکومت کے بڑے بڑے کارپردازوں کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام ہی کر آیا کریں۔ لیکن میں تو اتنا کرنے سے بھی معذور ہوں جو لوگ یہاں آتے ہیں یا کچھ عرصہ یہاں رہ کر دینی تعلیم یا روحانی تربیت حاصل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اخراجات اور ضروریات کی کسی نہ کسی صورت میں بہتر کفالت فرمادیتے ہیں۔

اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد شیخ الجامعہ تعجب کا اظہار فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے متعلق قسم قسم کے الزامات تراشے گئے اور اجانب تو اجانب بعض اپنے بھی اس میں شریک ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے بعد میں اپنے مقبول بندے کی رائے کو سچا ثابت کر دیا۔ ہاتما گاندھی نے انھیں پھیر لیں مسلمانوں کے خلاف شدھی کی تحریک شروع کر دی گئی۔ خلافت کمیٹی نے ایک مرتبہ سوامی شرودھانند دشمن اسلام کو دہلی کی جامع مسجد میں منبر پر بٹلا کر تقریر کروائی تھی جس کے فوٹو لے کر ہندو مبلغ یوپی کے طول عرض میں پھیل گئے اور دور افتادہ علاقوں میں جا کر ہزاروں مسلمانوں کو یہ دھوکا دیا کہ دیکھو سوامی جی مسجد کے منبر پر اس لیے بیٹھے ہیں کہ تمام مسلمان ہندو ہو گئے ہیں۔ ان تصاویر کو دیکھ کر بہت سے مسلمان اسلام سے منحرف ہو گئے۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ خود ہندو بھی محارب فی الدین تھا غرض حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اسلام کی اصلی روش پر قائم رہے اور کوہ وقار ثابت ہوئے۔ اور دوسرے اکثر لوگ صراطِ مستقیم چھوڑ کر بالآخر کفرِ افسوس بنتے ہوئے حضرت کی روش کے قائل ہوئے۔ ان مؤخر الذکر قسم کے حضرات میں خود شیخ الجامعہ کی ذات گرامی بھی تھی جو حسب تحریر خود کسی زمانہ میں ملتان اور نواحی اضلاع کے علمائے دین میں تحریکِ خلافت کے رُوح رواں تھے۔

کانگریس کے تعاون سے مولینا عبدالباری کارجموع

حضرت مولینا عبدالباری فرنگی علی کو اس تحریک اور جمعیتہ العلماء ہند کے ارکان میں صدر الصدور کی حیثیت حاصل تھی۔ ان دنوں کانگریسی مسلمانوں میں گاندھی جی کے بعد علی برادران اور مولینا ابوالکلام آزاد کا مقام تھا اور مولینا عبدالباری، مولینا محمد علی جوہر کے پیرو مرشد اور ابوالکلام کے استاد تھے۔ آپ مولینا سید عین القضاة لکھنوی کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ کے برادر حقیقی مولینا عبدالباقی کو خواب میں سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا تھا کہ وہاں یعنی حجاز مقدس میں سکونت اختیار کریں۔ چنانچہ آپ نے وہاں ایک مدرسہ بھی جاری کیا تھا۔ مولینا عبدالباری آخر کار ان تحریکوں اور ہندو مسلم اتحاد سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ جب آره کے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے تو آپ نے کانگریسی لیڈروں کو متنبہ کیا کہ اگر ہندو باز نہ آئے تو میں ان کے خلاف عام جہاد کا فتویٰ جاری کر دوں گا۔

مولینا عبدالباری نے خلافت اور ہجرت کی تحریکوں پر حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کے مسلک سے آگاہ ہو کر آپ کی خدمت میں خط لکھ کر چند سوالات کی وضاحت طلب کی تھی۔ یہ مکتوب اور اس کا جواب مکتوبات طیبات، مہرِ حقیقیہ میں شائع ہو چکے ہیں جن کی نقل اس کتاب کے باب ملفوظات و مکتوبات میں دی جا رہی ہے۔

مولوی محمد اسحق مانسہروی کا چینج

تحریک خلافت کو علاوہ دیگر علمائے کرام کے حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی کی بھی بڑی زور تابد حاصل تھی جمعیتہ العلماء ہند نے ان سے بھی ایک فتویٰ دلا دیا تھا کہ اب انگریز کی ملازمت حرام ہے۔ اور ان پر زیادہ صاحب کے ذریعہ حضرت قبلہ عالم قدس بترہ پر بھی اثر ڈلوانے کی کوشش کی تھی۔ حضرت خواجہ صاحب موصوف سنہ ۱۹۰۹ء میں سیال شریف کی گدی پر رونق افروز ہوئے تھے اور خدمت قوم کے لیے ایک خاص جذبہ اور درد مند دل رکھتے تھے۔ ان کے والد گرامی حضرت خواجہ محمد مستدین المعروف حضرت ثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے حضرت قبلہ عالم قدس بترہ سے دلی محبت و شفقت رکھتے تھے ابتداء میں حضرت خواجہ ضیاء الدین کے مراسم بھی حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کے ساتھ اسی نہج پر تھے مگر بعد میں مسئلہ مندرجہ بالا پر اس حد تک ٹکڑ بنی بڑھ گئی کہ ان کے ایما سے سیال شریف کے ایک عرس کے موقع پر مولوی محمد اسحق مانسہروی حضرت قبلہ عالم قدس بترہ سے بحث مباحثہ و مناظرہ کے لیے پہنچ گئے۔ مولوی صاحب دراصل ایک سیاسی کارکن تھے اور وہابیت کی طرف مائل۔ پیروں اور گدھی نشینوں کے بھی خلاف تھے۔ چنانچہ اپنے مبلغ علم کے باعث حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کے سامنے آنے کی توجہات نہ ہوئی البتہ مسجد سیال شریف میں ایک دھواں دھار تقریر کے دوران یہ کہہ دیا کہ کہاں ہیں خلافت اسلامیہ کے منکر، انہیں میرے سامنے لاؤ کہ یہاں مسجد میں میرے ساتھ مناظرہ کریں۔ چونکہ اشارہ واضح طور پر حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی ذات گرامی کی طرف تھا اس لیے حاضرین میں ایک شور مچا ہوا گیا۔ سیال شریف کے عرس پر لوگ دور دور سے حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی زیارت کو آتے تھے جن میں ارادت مند اور غیر ارادت مند سب شامل ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض اہل علم نے اسی وقت مولوی محمد اسحق کے چینج کو قبول کر کے کہا کہ پہلے ہمارے ساتھ مناظرہ کر لو جو حضرت پیر صاحب کے شاگردوں کی سی حیثیت بھی نہیں رکھتے ہیں۔ بات یہاں تک بڑھی کہ پولیس کو حفظ امن کے خیال سے مولوی صاحب کو فوراً وہاں سے رخصت کرنا پڑا۔

مولوی ظفر علی خان کی حاضری

پنجاب کے سیاسی لیڈر اور روزنامہ زمیندار کے فاضل مدیر مولوی ظفر علی خان، سنہ ۱۹۲۰ء میں حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کے ساتھ خلافت اور ہجرت کے موضوع پر گفتگو کے لیے گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ صبح کا وقت تھا حضرت قبلہ عالم قدس برترہ، جناب حضرت اچھی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر موجود تھے۔ مولوی ظفر علی خان خلافت، ہجرت، ترکوں کے خلاف عربوں کی بغاوت، شریف مکہ کانگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ اور ہندو کانگریس کے ساتھ تعاون کی ہنگامی ضرورت وغیرہ مسائل پر بولتے رہے۔ مگر جب حضرت قبلہ عالم قدس برترہ نے شرع شریف کی روشنی میں ان معاملات پر اپنا مسکاب بیان فرمایا تو خاموش رہ گئے۔ اور کوئی مزید بات نہ کر سکے۔

اسلامیوں ہند کی آزادی کے لیے دُعا

مولوی ظفر علی خان اہل دل ہونے کی کئی خصوصیات رکھتے تھے حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کی صحبت کا اثر لے کر جلتے ہوئے ایک پتے کی بات عرض کر گئے کہ جناب، میں تو اہل اللہ کے اس دربار میں مسلمانان ہند کے لیے سلطنت مانگنے آیا ہوں۔ حضرت نے کچھ توقف کے بعد فرمایا۔ میں دُعا کرتا ہوں، آپ بھی دُعا کریں کہ اللہ سبحانہ، و تعالیٰ اس ملک کے مسلمانوں کو آزادی نصیب فرمائیں اور ایسی حکومت بخشیں جو ان کے دین کی خدمت کر سکے۔ چنانچہ حضرت کے وصال کے دس سال بعد ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی دُعا کا اثر ظاہر فرمایا اور پاکستان عالم وجود میں آگیا۔ اللہ تعالیٰ اسے قائم رکھیں اور اس کے باشندوں کو خدمت دین کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي فِي بَصِيرَةٍ كَمَا سَأَلْتُ

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ انہی دنوں مولوی ابوالکلام آزاد کا ایک مضمون شائع ہوا اور حضرت کی نظر سے گذرا۔ جس میں آیت کریمہ ذیل کی تشریح میں لکھا تھا کہ میں خلافت کی تحریک اور ہندو مسلم اتحاد کے معاملہ میں بصیرت پر ہوں۔

فَلْهُدَىٰ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ
 أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (سورۃ یوسف ۱۰۸)

کہہ دو میرا اور میرے تابعداروں کا بصیرت کے ساتھ یہ راستہ ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلا رہا ہوں۔

حضرت قبلہ عالم قدس برترہ نے مولوی ظفر علی خان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے مجلس میں اپنے موجودہ متعلقین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بعض لوگ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مدعی ہیں کہ وہ ان معاملات میں بصیرت پر ہیں۔ لیکن اگر کوئی سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں بصیرت کو نکرہ کیوں کہا ہے اور معرفہ (البصیرۃ) کیوں نہیں فرمایا تو اس کی وجہ بیان نہیں کر سکیں گے۔ حضرت کے ایک مخلص مولانا عبد الغفور ہزاروی مرحوم بیان کرتے تھے کہ میں کچھ عرصہ تک بعض قومی تحریکوں میں مولوی ظفر علی خان کے ساتھ کام کرتا رہا ہوں انہوں نے ایک روز مجھے بتایا تھا کہ جب میں گولڑہ شریف سے راولپنڈی واپس پہنچا تو وہاں مولوی ابوالکلام آزاد کو بھی خلافت و ہجرت کے موضوعات پر گفتگو کی غرض سے گولڑہ شریف جانے کے لیے تیار پایا میں نے حضرت پر صاحب کے مندرجہ بالا ارشاد کا ذکر کرتے ہوئے ان سے کہا کہ اگر بصیرت کے نکرہ یا معرفہ ہونے کا جواب معلوم ہے تو بے شک جائے۔ چنانچہ آزاد صاحب

نے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور واپس چلے گئے۔

دربار گولڑہ شریف کے علماء مولینا مولوی محمد غازی اور قاری عبدالرحمن جو پوری کے ساتھ چائے پیتے ہوئے مولوی ظفر علی خان نے اثنائے گفتگو قاری صاحب کے ہجرت کے متعلق شرعی وجہ کے سوال پر بلا تامل کہہ دیا کہ شرعی وجہ تو قطعاً کوئی نہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ ہم انگریز حکومت پر اپنی ناراضگی واضح کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر قاری صاحب جو پہلے اس تحریک کی طرف مائل تھے، بے حد نام نہ ہوئے۔ اور جب یہ بات حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ وجہ تو عقلاً بھی درست نہیں کیونکہ جب کمزور قوی سے روٹھے گا تو قوی جو خوف خدا نہیں رکھتا یہی کہے گا کہ روٹھتا ہے تو بے شک روٹھے میرا کیا بگاڑ لے گا۔

ظفر علی خان کے خلاف شہادت دینے سے انکار

اسی اثناء میں حکومت نے مولوی ظفر علی خان کی حضور و ضلع کمپل پور میں ایک تقریر کی بنا پر ان پر حکومت کے خلاف بغاوت کے الزام میں ایک مقدمہ چلانا چاہا۔ ان دنوں چونکہ علاقہ چھپہ ہزارہ میں تحریک خلافت کا زور تھا اس لیے حکومت کی طرف سے استغاثہ کی شہادت دینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔ بامر مجبوری ملک سر محمد امین آنریری مجسٹریٹ شمس آباد اور ایک ذیلدار کی شہادت رکھی گئی مگر ان کی زندگیاں خطرے میں پڑ گئیں۔ بنوں کے سید لعل شاہ ان دنوں کمپل پور میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے ان کے سیاسی دماغ نے یہ چال چلی کہ مولوی ظفر علی خان کی گولڑہ شریف والی گفتگو کی بنا پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا اسم گرامی بھی گواہان استغاثہ میں درج کر دیا۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے تو خیر مولوی ظفر علی خان کے خلاف گواہی دینے سے انکار کر دیا۔ مگر اس کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ جب لوگوں نے آپ کا نام نامی فرست گواہان میں دیکھا تو گواہان مندرجہ بالا کے خلاف ان کا جوش و خروش قطعاً جاتا رہا اور اپنے گھروں میں خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

مولوی ظفر علی خان کا مسٹر گاندھی سے بگاڑ

کچھ عرصہ بعد مولوی ظفر علی خان کانگریس سے الگ ہو گئے اور مسٹر گاندھی سے ایسا بگاڑ ہوا کہ ان کی شان میں مندرجہ ذیل اشعار کہے ڈالے۔ اس اختلاف کی ابتدا کراچی میں کانگریس کے سالانہ اجلاس میں ہوئی جب کہ مولوی ظفر علی خان جلسہ کی کارروائی نماز کے لیے بند کرنا چاہتے تھے کہ نماز کے بعد پھر شروع کی جائے۔ گاندھی جی نے اس سے انکار کر دیا جس پر یہ واک آؤٹ کر گئے۔ گیٹ میں سے نکل رہے تھے کہ ایک ہندو خاتون رضا کار نے آوازہ کسا۔ مولانا، کیا آپ عرب سے تشریف لائے ہیں؟

اے سامری دقت کہ گاندھی ہے ترانام
ہم کو نظر آتا ہے جو ہوگا ترا انجام
اے دشمن اسلام

تقدیر وطن کی اسی دن سے ہوئی کھوئی
اور چادر تہذیب عرب ہو گئی چھوئی
جب شیخ کے تہمد سے ملی تیری لنگوٹی
ہم قابلِ اہسام ہیں تو مائلِ اودام
اے دشمن اسلام

تحریکِ خلافت اور ہندو مسلم تعاون کے خلاف حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مسلک کی صحت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو گا کہ خود مولوی ظفر علی خان کے قلم سے اُس کی تصدیق ہو رہی ہے۔ حضرت شیخ اکبر نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، وقت کے ولی سے کام لے کر امت میں اپنی پاک مشاجاری فرماتے ہیں۔ یعنی ولی کی رؤیت اور نبوت سے توہمات اور اشارات حاصل کر کے رائے عامہ میں منشاء الہی کے مطابق انقلاب پیدا کرتی ہے۔ گویا یہاں الہی پروگرام کچھ اور ہی تھا۔ یعنی ہندو کے ساتھ اتحاد میں نہیں بلکہ مخالفت میں پاکستان کی داغ بیل پڑنا تھی۔

تحریکِ ہجرت میں رائے عامہ کا طوفان

تحریکِ خلافت کے ایام میں رائے عامہ کا طوفان اس ملک یعنی ہندوستان میں صرف آستانہ عالیہ گولڑہ کی چٹان سے لگرایا۔ اخبارات نے مخالفانہ ادائیگی لکھے، شعراء نے ہجویہ اشعار کہے۔ پریس اور پلیٹ فارم سے جو متواتر حملے ہوتے رہے ان میں علماء و مشائخ کے طبقہ نے بھی دل کھول کر حصہ لیا۔ بلکہ بعض اپنا کھلانے والوں نے بھی مخالفت کی۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ایک ارادت مند مولوی صاحب نے ہزارہ سے لکھا کہ حضرت، ہم تو اللہ کی راہ میں ہجرت کر رہے ہیں۔ آپ پری مریدی سنبھال کر بیٹھے رہیے۔ یہ صاحب اگلے مہینے ہی اشکِ مذمت بہاتے ہوئے واپس لوٹ آئے اور کہتے تھے کہ اگر کابل کی طرف قبلہ جاتا تو ادائیگی نماز کے لیے بھی اُس طرف رخ کرنے کو جی نہ جاتا۔

حکیم شمس الدین وزیر آبادی — حضرت کے ایک سرگرم خلافتی مرید

وزیر آباد کے حکیم شمس الدین حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ایک روشن دماغ مگر تنگ مزاج مرید تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت کے ہم درس بھی رہ چکے تھے۔ طب یونانی میں بہت شہرت کے مالک تھے۔ اکثر دہلی اور بمبئی کے امراء کا شریطیہ علاج کیا کرتے۔ انہیں سیاسی سوجھ بوجھ کا بھی بڑا دعویٰ تھا۔ تحریکِ خلافت کے ایام میں شکوہ کے طومار لکھ لکھ کر حضرت کی خدمت میں بھیجے جن کے مختصر جوابات مکتوباتِ طبابت میں درج ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت بابو جی قبلہ مدظلہ کسی سفر کے دوران حکیم صاحب کے آبائی گاؤں کے قریب سے گزرے تو معلوم ہوا کہ حکیم صاحب گاؤں ہی میں ہیں۔ چنانچہ آپ ان سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب بہت مدارات سے پیش آئے مگر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی شان میں وہ جلی کٹی سُنائیں کہ جناب بابو جی کے ہمراہی دل برداشتہ ہو کر لاجول پڑھتے ہوئے باہر نکل گئے۔ خلافت کے انکار، ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت اور انگریزوں کی خاطر داری کے علاوہ حکیم صاحب نے حضرت پر یہ الزام بھی لگایا کہ آپ مجھے ایک ہندو عورت کے جال تک سے نہ چھڑاسکے، کیسے پیر ہوئے؟ حکیم صاحب ہندو مسلم اتحاد کی زد میں ایک ہندو عورت پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ کہنے لگے ہم طبیبوں کے پاس جب کوئی مریض آتا ہے۔ اگر وہ لا علاج ہو تو ہم صاف کہہ دیتے ہیں کہ اس کا ہمارے پاس علاج نہیں اور علاج سے انکار کر دیتے ہیں۔ اگر میں روحانی طور پر لا علاج ہی تھا تو حضرت نے مجھے صاف کیوں نہ کہہ دیا۔ اور کیوں بیعت کر کے مجھے دھوکا دیا۔

حضرت بابو جی قبلہ اس بے تکلف ارادت مند کی باتیں سُن کر مسکراتے رہے۔ آپ حکیم صاحب کو حضرت کے اُستاد بھائی ہونے کی نسبت سے چچا کہا کرتے تھے جب حکیم صاحب اپنے دل کا غماز نکال چکے تو بابو جی نے فرمایا، چچا اب میری بات بھی سنیے اور جو سوال میں پوچھوں ان کے جواب دیجئے۔ پھر بابو جی نے پوچھا۔ کیا آپ نے علمِ طب پڑھا ہے؟ حکیم صاحب نے جواب دیا۔

ہاں پڑھا ہے۔ بابو جی نے پوچھا کہاں پڑھا ہے تو حکیم صاحب نے اپنے کسی اساتذہ کے نام گنوائے۔ پھر پوچھا۔ ان استادوں نے اس علم کے متعلق جو ہدایات آپ کو دی ہوں گی، آپ نے یقیناً ان کی پوری پوری تعمیل کی ہوگی۔ اس فن کے مطالعہ اور حصول پر اپنا وقت اور اپنا دماغ خرچ کیا ہوگا۔ اور کافی محنت کے بعد آپ کو ایک ایسے کامیاب طبیب کا مقام حاصل ہوا ہوگا جس سے مخلوق خدا زندگی اور موت کے درابے پر مشورہ اور مدد حاصل کر کے شفا پاتی ہے۔

حکیم صاحب کہنے لگے، بالکل درست ہے۔ بابو جی نے دریافت فرمایا، اگر کوئی مریض آپ کے پاس آئے اور آپ اُسے علاج کے لیے قبول کر لیں مگر وہ نہ تو آپ کی تجویز کردہ دوا استعمال کرے نہ آپ کے بتلائے ہوئے پرہیز کا خیال رکھے اور پھر بیماری کے دور نہ ہونے کی شکایت کرتے ہوئے الزام آپ پر دھرے تو آپ اُس کے متعلق کیا کہیں گے حکیم صاحب نے ایک موٹی سی گالی دے کر کہا کہ وہ مریض ایسا ہوگا اس میں میرا کیا قصور۔ بابو جی نے فرمایا جس وقت آپ نے حضرت کو اپنا روحانی استاد بنایا تھا تو انہوں نے آپ کو دینی اور روحانی ترقی کے لیے ضرور کچھ ہدایات دی ہوں گی یعنی صوم و صلوٰۃ کی پابندی کی تاکید کی ہوگی اور کچھ اور وظائف بھی بتلائے ہوں گے۔ کیا آپ نے ان ہدایات پر عمل کیا؟ حکیم صاحب نے جواب دیا، نہیں بابو جی نے فرمایا کہ ایسی صورت میں اُس گالی کا بمصدق کیا آپ خود نہ ہوئے۔ اس میں حضرت کا کیا قصور ہوا۔

بعد میں جب ہر امیوں نے حضرت بابو جی سے شکایت کی کہ آپ ہیں کیسے شخص کے پاس لے آئے جو حضرت قبلہ عالم قدسؒ کا اس قدر مخالف ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں پیری مریدی سے الگ ہو کر اس شخص کو محض ایک آشنا کی حیثیت سے بتا ہوں۔ پیر جانے اور ان کا مرید جانے۔ پھر فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے اہل اللہ مرید کے دل پر نظر رکھتے ہیں اور اخلاص کے معنی یہی ہیں کہ جو دل میں ہو وہی زبان پر آئے اور یہ بھی فرمایا کہ ان اللہ والوں کو اکثر ہاتھ پکڑنے کی لاج ہوتی ہے۔ مرید چھوڑنا بھی چاہے تو یہ نہیں چھوڑتے اور آخری دم تک اُس کے حسن عاقبت کے لیے متوجہ رہتے ہیں۔

حکیم صاحب سے خلافت کے متعلق خط و کتابت

جناب بابو جی مدظلہ العالی کے مندرجہ بالا خیال کی تائید حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کے خطوط سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے حکیم صاحب کو جواباً تحریر فرمائے تھے۔ ایک خط میں ارشاد فرماتے ہیں :-

”مہربان جن حکیم شمس الدین صاحب حفظک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ عنایت نامہ کاشف مایہا ہوا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ غدا سے دُعا کریں کہ فیصلہ ترکوں کے حق میں ہو۔ پہلے عنایت نامہ جات میں دُعا کو بے معنی اور لاشے قرار دیا گیا تھا اور آخری عنایت نامہ میں دُعا سے آویزش موجب تعجب ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ جو کچھ آپ کو کرنا چاہیے تھا اور نہایت آسان تھا اُس کا وقت گزر چکا ہے۔ الخ

ایسے فقرات کے متعلق گفتگو ملاقات پر رہنے دیجئے۔ آپ خواہ کچھ سمجھیں اور خواہ ہم اس قابل نہیں۔ مگر ہم بہ لحاظ اخوتِ اسلامی و حقِ صحبت سالہا گذشتہ آپ کی ہی خواہی میں قاصر نہ ہوں گے۔ اور ہمیں کب یہ دعویٰ تھا کہ ہم ایسے ہیں اور ایسے، اور ہم نے کب آپ کو پنجاب میں بلانے کی تکلیف دی تھی۔ وہی لایا جس کے ہاتھ میں مَلَکُوتُ کُلِّ شَیْءٍ ہے۔ وہی صراطِ مُستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

گو میں ایک ایسا ہوں مگر سب بزرگان دین میں آپ کا ایسا زعم بالکل غلط ہے۔ آپ کے سچ کے مقابلے میں سچ کتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ آپ میں مادہ سوہنہ غلطی کا غالب ہے۔ ہمارے متعلق آپ کے خیال (خیر خواہی برطانیہ وغیرہ وغیرہ) بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہیں۔ شخص کو اپنے قلبی عقائد اور ادراکات پر علم ہوتا ہے و کفی باللہ شہیداً پھر کیونکر نہ کہوں کہ آپ میں مادہ سوہنہ غلطی اور کج فہمی غالب ہے۔ آپ کے ہدایت نامہ جات میں کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے اصلاً کام نہیں لیا گیا آج کل کے لوگوں کی طرح صرف خیالی امور مبنی علیہا قرار دی گئی ہیں۔ آپ جیسے تحصیل یافتہ انسان سے ایسے معلومات کا ظہور مقام حیرت ہے۔ آپ ناراض تو ضرور ہوں گے مگر ہماری اس پیشین گوئی کو یاد رکھنا کہ آپ کے حق میں ہم ویسے ہی ہیں اور ہوں گے جو پہلے تھے۔ ہم کو آپ سے مدح یا ذم یا لوگوں کے مطامن سے بچنا جیسا کہ آپ لکھتے ہیں ملحوظ نہیں اِس عَلَیْمٍ اَوْ لَطِیْفٍ قَبْلَ کُلِّ لَطِیْفٍ نَعْمَ اِنِّیْ فَضْلٌ وَّ کَرَمٌ سَعِیْ اَمْرٌ مَذْکُوْرٌ کُوْمُتَغِیْتِ اِیْہَا نِہِیْسِ مِچُوْرَا (وَ اَقْمَا بِنِعْمَتِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ) آپ کا ویسا ہی دُعا گو جیسا کہ تھا۔ از گولڑہ بقلم خود

آپ حکیم صاحب کے نام ایک اور خط میں امور معتبرہ پر اپنا مسلک واضح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

(الف) مدتِ مدیدہ سے ہمارا خیال دربارہ عدم جواز فوجی ملازمتیں و مجسٹریٹ خاص و عام پر روز روشن کی طرح ظاہر ہے اور بفضلہ تعالیٰ بحسب ہدایات ہمارے بہت لوگوں نے ترک بھی کر دیں۔

(ب) ہمارا تفرّد جمعیتِ آراء سے اصولِ شرعیہ پر مبنی ہے۔ وہ بھی بعض امور میں، نہ مطلقاً اور نہ اس بنا پر کہ معاذ اللہ ہمیں کفار کی طرفداری منظور ہے۔ چنانچہ آپ نے ہمارے قول سے کہ کافر کا طرفدار من جہت الکفر کافر ہوتا ہے، استنباط کیا ہے اور شکوگ آربع میں سے اول ہی تحریر فرمایا (اول میرے خیال میں آپ گورنمنٹ کے طرفدار تو ہیں مگر من جہت الکفر نہیں الخ حضرت صاحب، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی جو آپ گورنمنٹ کے ان احسانات کو تحریر فرمائیں گے جن کے باعث آپ طرفدار ہیں)

جو اباگذاش ہے کہ آپ نے پہلے عنایت نامہ میں تحریر فرمایا تھا کہ آپ (راقم) کو لوگ گورنمنٹ کا طرفدار کہتے ہیں ان کی تردید میں جملہ ذیل میں نے لکھا تھا۔ کافر کا طرفدار من جہت الکفر کافر ہوتا ہے جس سے مطلب یہ تھا کہ ایسے وقت میں جب کہ اسلام اور کفر کا مقابلہ ہو، کافر کا طرفدار مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہی ہوگا جس کو کفر مغرب و محبوب ہو اور من جہت الکفر اس کی طرفداری کرے اور بھگد اللہ و احسانہ میں مسلمان ہوں۔ گویا اثبات المدعی باطلال نقیضہ در رنگ قیاس استثنائی ٹھہرا۔ قید (من جہت الکفر) بوجہ اس کے کہ اس کو صحت قضیہ میں حاصل ہے۔ ضروری الذکر ٹھہری۔ اور قضیہ مذکورہ بالا میں بعد ملاحظہ مقابلہ اسلام و کفر اس احتمال کی گنجائش ہی نہیں جس کو آپ نے لے کر استفسار فرمایا ہے کہ حضرت صاحب۔ الخ تعجب اس پر ہے کہ باوجود مانعین ایک ملاحظہ مقابلہ دوسرا ہمارا معاملہ و روش مذکور الصد جس سے آپ بخوبی واقف ہیں و عموم نقیض قید یعنی لامن جہت الکفر اسی احتمال کو لیا اور اس میں انحصار سمجھا اور استفسار فرمایا۔ الزام و دفع الزام میں جانیں کو ملاحظہ وقت و مقابلہ منظور ہے نہ اطلاق تاکہ منوطیت حکم بالقید المذكور نفیاً و اثباتاً مقصود ہو کما فی العقائد۔ ہاں اس پہلو کو بھی ہم عند الملاقات بیان کریں گے جس پر الزام عائد نہ ہوگا۔

حکیم صاحب کے اشکِ ندامت

جب ترکوں نے خلافت کا قضیہ خود ہی بنادیا، جب ہندو مسلم اشتراک و اتحاد کی کشتی مدین موہن مالویہ، موتی لال نہرو اور شہزاد نے گنگا جمن کے سنگم میں ڈبو دی۔ جب ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا انجام نظر آیا اور اُس میں ہندو کی گہری سازش کے بخیے اُدھر کر سامنے آگئے۔ اور آ رہ کے مذہبی فسادات میں فرنگی محل کے خلافتی مشائخ خود ہندو کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے کو تیار ہو گئے۔ تو حکیم شمس الدین کو اپنے نظریات کا سُراب دکھائی دیا اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے پُر وقار اور با عظمت مہتمم کا پتہ چلا کہ نہ تو انگریز کے روایتی دار و رسن سے آپ مرعوب ہیں کہ عین جنگ اور اقتدار کے زمانہ میں اُس کی فوجی ملازمت کو ناجائز قرار دے رہے ہیں نہ آپ کو کسی قسم کا لالچ ہے کہ انگریز کی کئی سومرتجہ زمین کی جاگیر ٹھکرار ہے ہیں۔ نہ وجاہت کی طلب ہے کہ اپنے صاحبزادے کے لیے آزریری جسٹری کی پیش کش مُسترد فرما رہے ہیں۔ شاہی دربار میں شمولیت سے، جسے اُس زمانہ میں حکیم صاحب اور اُن کے ہم نوا عزت کا باعث سمجھتے تھے یہ کہہ کر انکار فرما رہے ہیں کہ بادشاہوں کے دربار میں درویش کا کیا کام، کمشنر اور ڈپٹی کمشنر بلائیں تو جواب دیتے ہیں کہ مجھے تم سے کوئی کام نہیں اس لیے میں نہیں آسکتا۔ تمہیں اگر مجھ سے کوئی کام ہے تو یہاں آسکتے ہو۔ الغرض نہ حکومت سے خائف، نہ لیڈروں کے طعن و تشنیع کا ڈر، نہ عوام اور اپنے ارادت مندوں کے بدظن ہونے کا اندیشہ، قدم ہے کہ عبادہ حق سے نہیں ہٹتا۔ اگر تعلق ہے تو محض اللہ اور اُس کے رسول سے اور اسی تعلق کی بنا پر اُس کی مخلوق کی خیر خواہی ہر حال میں مقصود اور پیش نظر ہے۔

اس کے بعد حکیم صاحب تھوڑا ہی عرصہ زندہ رہے۔ آخری مرتبہ جب گولڑہ شریف حاضر ہوئے تو بہت دُور ہی سے تانگے سے اتر کر پایادہ ہو لیے۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور کہتے تھے کہ افسوس مہم نے حضرت کو نہ جاننا پہچانا۔

پشاور کے خلافتی کارکنوں کا وفد

حضرت کے ایک مخلص ارادتمند اور مُستفید پروفیسر برکت علی اسلامیہ کالج پشاور بیان کرتے تھے کہ جب لوگ افغانستان کی ہجرت سے واپس ہوئے تو پشاور کے بعض خلافتی کارکنوں نے مجھے آکر کہا کہ کابل کے ایک مجذوب فقیر نے بعض مہاجرین سے کہا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش لاہوری تو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں مگر خواجہ غریب نواز اجمیری نہیں چاہتے۔ گولڑہ والے پیر صاحب سے خواجہ غریب نواز کی بارگاہ میں سفارش کرو چنانچہ میں ان کارکنوں کے مجبور کرنے پر گولڑہ شریف پہنچا۔ جناب مولانا محمد غازی کو ساتھ لے کر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ واقعات عرض کیے مگر آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی بلکہ چہرہ مبارک پر کچھ تگدڑ کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس پر جناب مولانا صاحب نے پہلو بدل کر عرض کی کہ حضرت شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ کوہِ اَبوقیس (مکہ معظمہ) پر ہر جمعہ کے روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص دربار منعقد ہوتا ہے جس میں دُنیا کی سلطنتوں کے معاملات طے کیے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سلطنت کا کوئی نہ کوئی وکیل اس دربار میں حاضر ہو کر معاملات پیش کرتا ہوگا۔ لہذا انگریزی سلطنت کا بھی ضرور کوئی وکیل ہوگا۔ اس کے جواب میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے صرف حافظ کا یہ شعر پڑھ دیا۔

حدیثِ مطرب دے گو درازہم کم تر جو کہ کس نکشود و نہ کُشاید بحکمت ایں معمارا

آٹھویں فصل

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اور حکومت برطانیہ

قبل ازیں ذکر آچکا ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے دور مبارک میں برطانیہ کا ستارہ اقبال عروج کمال پر تھا خصوصاً ہندوستان میں برطانوی سلطوت پورے زوروں پر تھی۔ امراء اور والیان ریاست انگریز کا دم بھرتے تھے بلکہ اکابرین امت بھی اس کے دربار میں باریابی کو مسلمانوں کے لیے معاشی بہبودی اور سیاسی اقتدار کا باعث سمجھتے تھے۔ باایں ہمہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے کبھی بھی اس غیر مسلم حکومت وقت کی طرف داری اور تعلق سے اپنے دامن تقدس کو آلودہ نہ ہونے دیا۔ اور ساتھ ہی ایسی تحریکات میں بھی شرکت سے احتراز فرمایا جن کا منشور کتاب و سنت کے خلاف تھا۔

انگریز شہنشاہ کے دربار میں شمولیت سے انکار

۱۹۱۱ء میں جارج پنجم کے دہلی دربار میں شمولیت کے لیے مذہبی پیشواؤں کی سلک میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو بھی دعوت نامہ موصول ہوا تو آپ نے جواباً لکھوایا کہ مجھے اس حاضری سے معذور رکھا جائے حکومت کو اس انکار میں سیاسی اور انتظامی خدشات نظر آئے۔ کیونکہ آپ صرف ہندو پنجاب کے ہی مذہبی پیشوا نہ تھے بلکہ سرحدی پٹھانوں اور آزاد قبائل کے بھی پیر و مرشد تھے۔ کیشنر راولپنڈی نے پہلے ایک پٹھان مجسٹریٹ ڈپٹی مظفر خان کو اور پھر آپ کے ایک مخلص ارادت مند میاں شیخ احمد سکھ ٹھٹھہ گورمانی ضلع مظفر گڑھ کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کو سفر میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ کے لیے ریل گاڑی کا ایک علیحدہ ڈبہ ریزرو کر دیا جائے گا۔ اور صرف ایک دن کے لیے جب کہ شہنشاہ مذہبی رہنماؤں کا سلام لیں گے آپ کو دربار میں جا کر اس کے حق میں دُعا کرنا ہوگی۔ مگر حضرت رضامند نہ ہوئے اور کیشنر کی روجکار پر تحریر فرمایا کہ میں ایک درویش ہوں اور درویشوں کی حاضری شاہی درباروں میں کبھی مناسب خیال نہیں کی گئی۔ تاہم اس حکومت میں ہمارے سچے مذہب اسلام کے ارکان پر کوئی پابندی نہیں ہے اس لیے میں بادشاہ کے حق میں ہیں سے دُعا کرتا ہوں۔

دربار کے منعقد ہو جانے کے بعد اُس سال جب آپ حسب معمول پاک پتن شریف کے عرس پر گئے تو ایک روز شہر مجلس دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف سے فرمایا کہ آپ کا دہلی دربار میں شامل ہونا اس وجہ سے درست تھا کہ آپ کی ایک حیثیت جاگیر دار ہونے کی بھی تھی جو اسلامی حکومتوں کے وقت سے چلی آرہی ہے۔ دہلی اور علی گڑھ کے بعض دوستوں نے مجھے لکھا تھا کہ آپ ضرور آئیں کیونکہ اس میں اسلام کی عزت ہے مگر میں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک ذلت ہے۔ اس پر جناب دیوان صاحب نے اس امر کی تصدیق کی کہ واقعی آپ کا ارشاد بجا ہے کیونکہ بڑے ادب سے جھک کر بادشاہ کو نذرانہ پیش کرنے کا منظر ایک باعزت مسلمان کے لیے حقیقتاً ناقابل برداشت تھا۔

اس انکار پر حکومتِ برطانیہ کا ردِ عمل

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے منصرم خط و کتابت ملک سلطان محمود خان بیان کرتے تھے کہ جب دہلی دربار کے کوآلفٹائمر آف لندن میں شائع ہوئے تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے انکارِ شمولیت کے ساتھ تحریر تھا کہ آپ سرحدی پٹانوں اور قبائلیوں کے سپر ہیں۔ اور اس انکار کے وجوہ ان لوگوں کی حکومت سے سرکشی کی بنا پر سیاسی قسم کے ہیں جن پر حکومت کو نظر رکھنا چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر لوئی ڈین نے اپنی کونسل کے اجلاس بمقام شملہ میں کہا کہ میری گورنمنٹ پر آف گوڑہ کے اس انکار کی اصلی وجہ معلوم کرے گی اور تحقیقات کے بعد مناسب اقدام کرے گی۔ چنانچہ راولپنڈی کے کمشنر نے ڈپٹی مظفر خان مجسٹریٹ کے ذریعہ آپ کو بلوایمجا۔ خان صاحب نے حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ کی ملاقات سے یہ معاملہ رفع دفع ہو جائے گا اور بذریعہ ریل گاڑی آمد و رفت پر صرف تین گھنٹے صرف ہوں گے۔ اور اگر عصر کے بعد حسب معمول سواری کے دوران ٹوپی رکھ جاتے ہوئے کمشنر صاحب سے بل لیں تو اور بھی کم وقت لگے گا حضرت نے فرمایا کہ میں تین منٹ کے لیے بھی اس مسجد کو چھوڑ کر جانے کے لیے تیار نہیں کمشنر صاحب سے کہہ دیجئے کہ وہ یہاں آجائیں۔

سرحد اور پنجاب میں اس خبر سے ایک سببانی کیفیت پیدا ہو گئی بعض ذی اثر لوگ لیفٹیننٹ گورنر سے بھی ملے۔ اور انتظامیہ کی طرف سے بھی اس بے اطمینانی و مہمان کی خفیہ اطلاعات گورنمنٹ کو پہنچیں۔ اُدھر گورنمنٹ کے قانونی مشیر (ریگل ریمرس) نے رائے دی کہ جو شخص گورنمنٹ کا ملازم یا وظیفہ خوار نہیں اُس کی طرف سے دہلی دربار میں شمولیت یا کمشنر کی تحقیقات میں حاضری سے انکار کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ آخر کار لیفٹیننٹ گورنر نے کمشنر راولپنڈی سے کہا کہ کسی روز خود جا کر پیر صاحب سے ملیں تاکہ اُن کے وسیع حلقہ اثر میں بے چینی اور کشیدگی ختم ہو۔ چنانچہ ایک روز کمشنر صاحب خود ڈپٹی مظفر خان اور پشاور کے میاں کریم بخش سیٹھی کی معیت میں گوڑہ شریف پہنچے۔ اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے مل کر اس کشیدگی کو رفع کیا۔

ڈاکو کا جنازہ پڑھنے پر ڈپٹی کمشنر کی رو بکار کا جواب

سال ۱۹۱۱ء کے دہلی دربار میں شمولیت سے انکار کے ایام میں بعض حاسدین کو حق عداوت ادا کرنے کا موقع مل گیا۔ اور اُن کی غلط شکایات پر انگریز افسران بھی جذبہ انتقام کی تسکین کے لیے بار بار آمادہ ہوتے مگر کچھ کرنے سکتے تھے۔ آپ پر یہ الزام لگایا گیا کہ آپ مواضع میر آبادیہ۔ میرا کو اور مضافات گوڑہ کے چوروں اور ڈاکوؤں کے سپر ہیں۔ اور مفروضہ ڈاکوؤں کے بال بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔ اُن ہی دنوں جہانداد نامی ڈاکو کو پھانسی کی سزا ملی۔ اور جامع مسجد راولپنڈی میں اُس کا جنازہ پڑھا گیا حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اتفاقاً جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں موجود تھے۔ اور نماز جمعہ کے بعد نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ مخالفین نے اس واقعہ کو اس رنگ میں پیش کیا کہ اس ڈاکو کا جنازہ پڑھنے سے علمائے انکار کو دیا تھا مگر آپ نے جنازہ پڑھوایا۔ ڈپٹی کمشنر نے اس کے متعلق ایک رو بکار کے ذریعہ حضرت سے جواب مانگا۔ آپ کے جواب کے بعض فقرات یہاں بعینہ درج کیے جاتے ہیں:-

۱۔ اگر آپ بحیثیت منصب ڈپٹی کمشنر کے چوری یا ڈاکو یا قتل بے گناہ کو برامانتے ہیں تو ہم بہ لحاظِ پدایت کتاب آسمانی و عقل امور مذکورہ بالا کو حرام و ناجائز سمجھتے ہیں۔

۲۔ جرائم مذکورہ کا مرتکب یا مجرموں کا معاون دُہی شخص ہو سکتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا جاہل ہو یا لالچی ہو۔
 ۳۔ پیر کے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک کو آسمانی کتاب کے مطابق ہدایت کرے۔ اور مُردیہ کہلانے کا مستحق دُہی شخص ہے جو بحسب ہدایت پیر کے عمل کرے بفضلہ تعالیٰ آباد اجداد سے آج تک ہمارا پیشہ ہی چلا آتا ہے کہ مُردیوں کو اچھے کاموں کی ہدایت کرتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں۔ جس نے تعمیل نہ کی وہ ہمارا مُردیہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایسے لوگ نام کے مُردیہ ہوتے ہیں نہ کام کے۔

۴۔ ہم کو ہمارا خدائے تعالیٰ بغیر مجرموں کے چونکہ اچھی طرح رزق پہنچاتا ہے اس لیے ہمیں مجرموں کی اعانت اور اُن سے لالچ رکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ کیا ہم بھی پرلے درجے کے جاہل ہیں یا لالچی؟

۵۔ آپ کو اپنا منصب اور اپنے اعلیٰ حاکم کبشنر صاحب بہادر یا لاٹ صاحب بہادر کا خوف اُمورِ بالائی اجازت نہیں دیتا تو ہم کو اپنا منصب یا اپنے حاکم حقیقی جل شانہ کا خوف کیسے اجازت دے سکتا ہے؟ اگر ہم ایسے ہی ہیں تو ہزار ہا باخبر، باعلم اور بادیانت لوگ ہم سے علیحدہ کیوں نہیں ہوتے؟ اگر گنہگار ہیں تو ذاتی گناہ کے مُرتکب ہوں گے نہ کہ مخلوقِ حسد اکا کلا کاٹنے والوں کے خیر خواہ۔

۶۔ اس میں شک نہیں کہ مجرموں کے بال بچے یا بیویگان بحالتِ بے کسی روٹی کھانے کو بھی آجاتے ہیں جب سرکارِ عالی ان پر رحم فرما کر ان کو اپنے مُک سے خارج نہیں کرتی تو سرکار کی رعایا سے اگر کسی آسودہ حال کے دروازہ سے روٹی مانگ لیں تو کیا قباحت ہے؟ یہ بھی یعنی ایسی حالت میں آنے کا کبھی ساہما گزرنے پر اتفاق ہوتا ہوگا۔

۷۔ یہ بھی واقعی بات ہے کہ مجرموں کے پس ماندگان اپنے خیال کے مطابق آکر دُعا کرتے ہیں جس پر ان کے لیے یہ دُعا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت کرے اور نیک اعمال کی توفیق بخشے نہ یہ کہ وہ ایسے کام کرتے رہیں اور سزا یاب نہ ہوں۔

۸۔ عیسائی لوگ اگر اپنے اعتقاد کے مطابق اپنے مجرموں کے واسطے اپنے پیر پادری سے دُعا کرائیں اور وہ دُعا کریں اور دُعا بھی یہ کہ خدائے تعالیٰ ان کو راہِ راست پر لائے تو کیا پادری صاحبان کو بوجہ اس دُعا کرنے کے مجرموں کی تعزیر میں شریک کیا جائے گا؟ عقل و انصاف اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتے۔

۹۔ رہا یہ کہ پھر مختلف زبانوں سے جناب کی خدمت میں شکایتیں کیوں ہوں گی جو اباً معروض ہے کہ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ واقعی مُردیہ کون ہوتے ہیں اور نام کے کون۔ دوسرے یہ کہ ان کے اطفال یا پس ماندگان کے آنے جانے کی نسبت سوچتے ہیں کہ یہ اعانت نہیں تو کیا ہے وغیرہ وغیرہ جو بات جن کا منشا بغیر کم فہمی یا حسد کے عاقل کے نزدیک اور کچھ نہیں۔

۱۰۔ ہمارا بھاری عیب یہ ہے کہ تعلق اور خوشامد مزاج میں نہیں جس کی وجہ سے خوشامد طلب ناخوش ہو سکتے ہیں اور ناخوش ہو کر خلاف واقعات گوش گزار کرتے ہیں۔

۱۱۔ جمعہ کے روز بغرض نماز مسجد جامعہ میں ہمارا حاضر ہونا ہوا۔ بعد فراغت از نماز حسب عادت مروجہ ملک کہ آؤ جنازہ پڑھ لیا جائے سب لوگ جنازہ پڑھنے لگے ہم بھی شامل ہوئے۔ کیا اس جنازہ پڑھنے سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ مُردہ ہم سب کے نزدیک نیک چلن تھا اور اس کی بد اعمالیوں پر راضی ہیں؟ البتہ یہاں پر یہ دیکھنا منظور ہے کہ ہمارا مذہب اسلام ایسے

شخص پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت دیتا ہے یا نہ دوسری (یعنی اجازت دینے کی صورت میں بیشک جنازہ پڑھنے والے خلاف مذہب کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں نہ اس الزام کے کہ یہ لوگ اس میت کے اعمال پر خوش تھے اور اُس کے معاون۔ آج تک ایسے لوگوں کا جنازہ پڑھنے والوں پر یہ الزام کبھی نہیں لگایا گیا اور نہ لگایا جا سکتا ہے۔“

اسی زمانہ میں ایک مسلمان افسر نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ گوجے پہلے سے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہے مگر میں عرصہ سے آپ کا غائبانہ معتقد ہوں اور آج یہ بتانے کو حاضر ہوا ہوں کہ گورنمنٹ کے پاس رپورٹ کی گئی ہے کہ آپ کو اس ملک سے جلا وطن کر دیا جائے حضرت یہ سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا کہ جو گورنمنٹ مجھے جلا وطن کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اُسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خود اُس کے متعلق کیا ارادے ہیں۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد برطانوی حکومت، جرمنی کے ساتھ موت و حیات کی جنگ یعنی جنگِ عظیم اول ۱۹۱۴-۱۵ء میں مبتلا ہو گئی اور جلا وطنی کی سبب دھری کی دھری رہ گئی۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ عالی میں استغاثہ

ان ہی ایام میں حضرت قبلۂ عالم قدس سترہ نے بھنور جناب غوث پاک رضی اللہ عنہ پنجابی زبان کے مستدرج ذیل اشعار میں استغاثہ پیش کیا تھا۔

رور و لکھیے چٹئیے درداں بھریے، پتر پھیں بغداد دے وایاں دا
دیویں جاسینہ اڈکھاں بھریا انہاں اکھیاں درس پایاں دا
آہیں سولان بھریاں سینے سترے وچوں نکلن حال امیر سدا اڈایاں دا
تیرے مڈھ قدیم دے بردیاں نول لوک دس دے خوف چڑایاں دا
دیکھ کر مہرتوں مہر ملی تے کون باجھ تیرے اللہ رایاں دا

انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس سے مفزوروں کے متعلق گفتگو

اسی دوران ایک دفعہ سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع راولپنڈی گولڑہ شریف آیا اور حضرت سے کہنے لگا کہ موضع میرا باد یہ وغیرہ کے بعض اشخاص ڈاکہ زنی اور قتل کے مقدمات میں مفزور ہیں اور ہمیں اطلاع ملی ہے کہ وہ آپ کے مرید ہونے کی حیثیت سے آپ کی خانقاہ میں پناہ لیتے ہیں۔ اور اسلحہ وغیرہ یہاں رکھتے ہیں۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سترہ نے جواب دیا۔ میرے پاس لوگ عاود دینی ہدایت کے لیے آتے ہیں۔ میں انہیں نیکی کا امر کرتا ہوں اور گناہ کے کاموں سے منع کرتا ہوں۔ جو یہاں ٹھہر جاتے ہیں بحیثیت مہمان اُن کی تواضع کی جاتی ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں کسی شخص کی قانونی حیثیت کیا ہے۔ اگر کوئی مفزور یہاں آجائے یا اسلحہ لے آئے تو پکڑ لیا کیجئے۔ نیز فرمایا۔ ایک بات اور سن لیں اور اپنی سرکار کو پہنچادیں کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تمہاری نیت میرے متعلق کیا ہے لیکن یاد رکھنا یہ عزت جو مجھے ملی ہوئی ہے اس کے دینے والے تم نہیں ہو، کوئی اور ہے۔ اور اگر اس عزت کے دینے والے تم نہیں تو اس کے لینے والے بھی تم نہیں ہو سکتے۔ اگر لے گا تو وہی لے گا جس نے دے رکھی ہے۔ اس سے پہلے رائے صاحب دیوی دیال انسپکٹر پولیس راولپنڈی کی ایک چٹھی پہنچی تھی جس میں حضرت قبلۂ عالم قدس سترہ کی طرف لکھا گیا تھا کہ آپ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۱۳ء کو سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کی کوٹھی پر انہیں ملیں۔ اور حضرت نے یہ جواب لکھوا دیا تھا کہ میں

بوجہ مصروفیت اپنے کام کے صرف نماز عصر کے بعد فارغ ہوتا ہوں لہذا معذور ہوں۔ صاحب بہادر منجھ سے جس امر کی دریافت کرنا چاہیں خود تشریف لاکر یا بوساطت عملہ ماتحت دریافت فرما سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ جواب موصول ہونے پر سپرنٹنڈنٹ پولیس آئے اور تذکرہ بالا لکھتے و شنید ہوئی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد رولٹ ایکٹ کے خلاف ہنگاموں کے دوران جلیانوالہ باغ امرتسر کی فائرنگ کے ہیرو، بدنام زمانہ سرمایہ دار لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کی یہاں سے روانگی کے وقت طبقہ امراء اور بعض سجادہ نشینوں نے الوداعی پارٹی کے دوران لاہور میں ایک سپانسر پیش کیا جس میں انگریزی راج کی تعریف و توصیف کی گئی تھی۔ اس موقع پر کیشنر اوپنڈی اور دیگر متعدد امراء و حکام کے شدید اصرار کے باوجود حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے اس اجتماع میں شرکت سے قطعاً انکار فرمایا مگر ملک سر عمر حیات خان ٹوانہ کے بے حد تعاضد و اصرار پر بالآخر اپنے صاحبزادہ جناب بابو جی مدظلہ العالی کو شمولیت کے لیے یہ فرماتے ہوئے بھیج دیا کہ ملک عمر حیات خان غربا کے کام کرتا ہے اور اس وجہ سے مجھے اس کا خیال ہے۔ لہذا جناب بابو جی مدظلہ العالی طوعاً و کرہاً لاہور تشریف لائے۔ ملک عمر حیات خان نے کہا کہ آپ خود کو کوئی بات نہ کیجئے گا جو کچھ ہم کہیں آپ صرف ہاں میں ہاں ملا دیں۔ جناب بابو جی نے دریافت فرمایا آپ لوگ کیا کہیں گے تو ملک صاحب نے انگریزوں کے لیے مدحیہ الفاظ کہے۔ بابو جی نے فرمایا میں اس کی تو تائید نہیں کر سکتا کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس پر ملک صاحب نے بابو جی کی شمولیت کو مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ آپ ان سے فارغ ہو کر واپسی سے قبل جب جناب دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف سے ملے تو انہوں نے باصرار وک لیا اور اپنے ہمراہ پارٹی میں لے گئے۔ بابو جی فرماتے ہیں کہ مجھے کچھ علم نہ تھا کہ ایسے اجتماعات کے طور طریقے اور آداب کیا ہوتے ہیں۔ ایک کاغذ پر سب کے دستخط کرائے گئے۔ میں نے بھی اس خیال سے کہ حاضرین کی فہرست ہے دستخط کر دیئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دستخط سپانسر کے سلسلہ میں تھے سخت افسوس ہوا مگر اس وقت مجبوری تھی اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔

تعب ہے کہ مولوی ظفر علی خان مرحوم مدیر اخبار زمیندار نے ان مشایخ و سجادہ نشینوں کے خلاف جو نظم شائع کی اس میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا ذکر کیسے کر دیا۔ حالانکہ سب پر روشن تھا کہ آپ اس اجلاس میں قطعاً شریک نہیں ہوئے اور نہ ہی اسے پسند فرمایا تھا۔

ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کی حاضری اور عقیدت

حضرت شیخ الجامعہ نے اپنے مسودات میں ایک ڈپٹی کمشنر کا واقعہ بدیں انداز تحریر کیا ہے۔ ایک انگریز افسر جو پہلے فوج میں بچا تھا اور اوپنڈی میں بطور ڈپٹی کمشنر تعینات ہوا اور اس نے دیہاتی دورہ کے سلسلہ میں گولڑہ شریف کے قریب کمپ لگوایا۔ اسے توقع تھی کہ پیر صاحب سلام کے لیے آئیں گے مگر آپ نہ گئے۔ آخر اس نے دربار شریف کے بالکل قریب کمپ لگوایا اور مقیم ہوا۔ ملک گلاب خان سکھ حسن ابدال اور دیگر نیاز مندان نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ مقامی افسر ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج عصر کے بعد جب آپ سواری کی غرض سے تشریف لے جائیں تو چند منٹ کے لیے توقف فرما کر ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملتے جائیں۔ مگر آپ نے اس روز سواری کے وقت کمپ کا راستہ ہی چھوڑ دیا۔ اس سے کچھ پہلے ارباب حکومت نے سڑکی علاقہ کی ایک مہم کو مشکل تمام کر کیا تھا۔ اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے اس علاقہ میں پیری مریدی کے وسیع اثر سے بخوبی آگاہ ہو چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کے ایک قادیانی مسلمان نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حالات کو

کچھ اس انداز میں اُن کے پیش کیا کہ اُسے یقین ہو گیا کہ حضرت واقعی انگریزوں کے مخالف ہیں۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ اس صورت حال کے پیدا کرنے میں بعض مقامی حاسدین کا بھی ہاتھ تھا جو بظاہر ایسے نیاز کا اظہار کرتے تھے کہ آتے جاتے دربار شریف کے قریب احتراماً سواری پر سے اتر پڑتے تھے۔

چنانچہ ڈپٹی کمشنر صاحب نے واپس راولپنڈی پہنچ کر حضرت کی طرف ایک رو بکار بھیجی کہ آپ بروز سووار تین سبھے میری کوٹھی پر آکر مجھے ملیں۔ حضرت نے اس رو بکار کی پشت پر لکھا کہ ملنے کی دو وہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مجھے آپ کے ساتھ کوئی کام ہو۔ سو مجھے تو آپ کے ساتھ کوئی کام نہیں ہے۔ اور دوسری وجہ یہ کہ آپ کو میرے ساتھ کوئی کام ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر آپ کو یہاں میرے پاس آنا چاہیے کیونکہ ہمیشہ ضرورت مند کو ہی جانا پڑتا ہے۔ ایک غیر ضرورت مند کو حاضری کا حکم دینا نظر ثانی کا مستحق ہے۔

قاضی سراج الدین بیرسٹراس زمانہ میں سرکاری وکیل تھے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے انہیں مشورہ کے لیے بلایا۔ قاضی صاحب نے سمجھایا کہ آپ ایسے شخص سے اُلجھنا چاہتے ہیں جو دونوں جہان پر لات مارے ہوئے ہے۔ اور خدا کے سوا دُنيا اور مایہلہ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ نیز ایک جنگ کو مشکل ختم کیا ہے اور دوسری بلا وجہ شروع کرنا چاہتے ہیں۔

قاضی صاحب کا پہلی جنگ سے اشارہ سرحدی علاقہ کی مہم سے تھا۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر صاحب کی سمجھ میں بات آئی اور انہوں نے حضرت قبلہ عالم قدس برہ کو اطلاع بھجوائی کہ میں خود ملاقات کے لیے آؤں گا چنانچہ تیسرے چوتھے روز اپنی میم صاحبہ و لڑکی سمیت آیا۔ حضرت بابو جی مدظلہ اور ملک گلاب خان نے دربار شریف سے کچھ آگے جا کر اُن کا استقبال کیا تو انہیں دیکھ کر کہنے لگا۔ ہم اگر بادشاہ ہیں تو پیر صاحب بھی شہنشاہ ہیں۔ اگر وہ ہمیں ملنے نہیں آئے تو ہم اُن سے ملنے کے لیے آگئے ہیں۔ ملاقات پر حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے ڈپٹی کمشنر صاحب سے تو ہاتھ ملایا۔ مگر جب میم صاحبہ نے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اُس نے اپنے خاوند سے کہا کہ شاید میں بہت گنہگار ہوں اس لیے پیر صاحب نے مجھ سے ہاتھ نہیں ملانا چاہا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے ان الفاظ کی ترجمانی حضرت سے کی تو آپ کی طبیعت پر اس انگریز عورت کی بے نفسی اور انکساری کا اثر ہوا اور فرمایا کہ یہ بات نہیں۔ بلکہ مذہب اسلام میں غیر عورتوں سے ہاتھ ملانے کی اجازت نہیں۔ اُن کی لڑکی نے کہا بے شک بائبل مقدس میں بھی یہی حکم ہے۔

دوران گفتگو ڈپٹی کمشنر صاحب نے سوال کیا کہ آیا آپ کے پاس کوئی جاگیر ہے تو حضرت نے فرمایا کہ مشرق سے مغرب تک حضرت غوث پاک کی جاگیر ہے جو ہمارے جدِ امجد ہیں۔ اور یہ سارا ملک ہم کو جاگیر میں بلا ہوا ہے۔ لڑکی نے حضرت کے ہاتھ وانی تسبیح کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے۔ فرمایا، اس پر میں اپنے مالک کا نام لیتا ہوں۔ اُس نے پوچھا آپ کا مالک آپ کو خواہ کیا دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ آپ لوگوں کی طرح تنخواہ مقرر نہیں بلکہ میرا مالک میری تمام ضروریات کے مطابق عطا کرتا ہے اور بے حد و حساب دیتا ہے۔ پھر وہ پوچھنے لگی کہ کیا آپ جو کچھ اپنے خدا سے مانگیں وہ آپ کو دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر وہ چیز ہمارے لیے بہتر ہو تو عطا فرماتا ہے اور اگر اُس میں ہمارا نقصان ہو تو نہیں دیتا۔ جیسے معصوم بچہ روٹی کو ہاتھ مارتا ہے۔ مگر ماں اُسے دودھ دیتی ہے کیونکہ بچے کا معدہ روٹی کو ہضم نہیں کر سکتا۔

گرمی کا موسم تھا۔ اور بارش کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ لڑکی نے کہا۔ اگر ایسی بات ہے تو آپ بارش کے لیے دعا کریں۔ کیونکہ آج کل بارش ہمارے لیے غیہ معلوم ہوتی ہے۔ حضرت اُس کی اس دانائی کی بات پر مسکرائے اور فرمایا ہم دعا

کہتے ہیں۔ اگر بارش مفید ہے تو ہو جائے گی۔ پھر تمام حاضرین کو مخاطب کر کے بارش کے لیے دعا کرانی۔ اور ساتھ ہی خود بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ چنانچہ اسی روز بارش ہو گئی۔ حضرت بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ڈپٹی کمشنر ایسا متاثر ہوا کہ جاتے ہوئے کہا پیر صاحب ہم آپ کی چائے پینے کل پھر آئیں گے۔ چنانچہ دوسرے دن پھر حاضر خدمت ہو کر دعا کا طلب گار ہوا۔ اسی طرح ایک اور انگریز افسر نے آپ سے زینہ اولاد کے لیے درخواست کی تھی۔ شہر سے باہر کپ میں اس کا قیام تھا۔ حضرت نے قدم اٹھا کر کہا پیر صاحب نے کہا ادا کیا گیا۔ مگر اس کی میم صاحبہ نے نگر سے دال منگو کر کھائی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے لڑکا عطا کیا۔ پھر وہ ساہیوال (منگلوری سیشن) حج مقرر ہوا۔ ایک قتل کے ملزم کو جس کا مقدمہ اُس کی عدالت میں زیر سماعت تھا اُس کی حضرت قبلہ عالم قدس برہہ سے عقیدت کا علم تھا۔ اُس نے اپنی صفائی کے گواہوں کی فہرست میں حضرت کا نام تحریر کر دیا۔ مسل پیش ہونے پر اُس نے ملزم سے پوچھا کہ کیا پیر صاحب تمہاری صفائی کی شہادت دیں گے؟ ملزم نے ویسے ہی کہہ دیا کہ جی ہاں دیں گے۔ اُس نے یہ بات باور کرتے ہوئے اُسے فوراً بری کر دیا۔

کئی سال بعد ایک انگریز، انگلستان سے آکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں علاقہ کھوڑ میں تیل و پیڑوں کی تلاش میں آیا ہوں۔ فلاں صاحب نے جو یہاں ڈپٹی کمشنر رہ گئے ہیں اور بعد میں کمشنر ہو کر ریٹائر ہوئے تھے، انگلستان میں مجھے کہا کہ تیل کے کنویں کھدوانے سے پہلے پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کرنا۔ حضرت قبلہ عالم قدس برہہ نے فرمایا کہ ہاں وہ صاحب میرے آشنا تھے اور پھر دعا فرمائی۔

نویں فصل

حضرت دیوان صاحبک پتن شریف کی عقیدت

حضرت دیوان سید محمد سجادہ نشین درگاہ سلطان الزاہدین حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پاک پتن شریف کی استاد پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے انہیں سلسلہ شریف چشتیہ صابریہ کے اورا و وظائف اور ارشاد کی اجازت عطا فرمائی تھی سلسلہ شریف چشتیہ نطنز امیہ میں وہ پہلے سے ہی اپنے نانا بزرگوار حضرت دیوان اللہ جو ایسا سے بیعت تھے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ساتھ ان کے روابط کی تقریب یہ ہوئی کہ دیوان اللہ جو ایسا اولد تھے لہذا اپنے وصال سے پہلے انہوں نے اپنے نو عمر نواسے اور متبئی دیوان سید محمد کو بذریعہ وصیت اپنا جانشین نامزد کیا۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد ان کے بارسوخ بھتیجے میاں فتح محمد زبردستی گدی پر قابض ہو گئے۔ دیوان سید محمد کی طرف سے دیوانی دعویٰ ہوا مگر خارج ہو گیا۔ انہوں نے اپیل کی تو فریق مخالف نے انہیں قتل کی دھمکی دی اور جان لینے کے درپے ہو گئے۔ لہذا دیوان سید محمد کو جان بچانے کے لیے ریاست پٹیالہ کے ایک گاؤں میں جا کر پناہ لینا پڑی۔ اس دوران میاں فتح محمد نے خاندان چشتیہ کے تمام مشہور سجادہ نشینوں سے اس مضمون کے ایک مضمرا مے پر دستخط کروا لیے کہ میاں سید محمد کم عمر ہیں اور پاک پتن شریف جیسی گدی کے لیے میاں فتح محمد ہی موزوں و مستحق ہیں جب یہ مضمرا مہ دستخطوں کے لیے گولڑہ شریف پہنچا تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے دستخط کرنے سے انکار فرما دیا۔ میاں فتح محمد کے حضرت ثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ کوشش و اصرار کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ آپ کا فرمان بجا مگر میرا دل اس طرف راغب نہیں ہوتا۔

اس روحانی بشارت کی اطلاع کسی طرح حضرت دیوان سید محمد کی والدہ صاحبہ کو ہو گئی۔ لہذا جب چیف کورٹ تک ان کی اپیلیں نامنظور ہو گئیں تو مائی صاحبہ نے اپنے ایک لاہور کے عزیز میاں خدابخش نامی کے ذریعے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں توسل اور استمداد کی درخواست کرتے ہوئے عرض کی کہ آئندہ اپیل کے لیے بہت رقم کی ضرورت ہوگی اگر آپ اجازت بخشیں تو کوشش کی جائے حضرت نے فرمایا کہ اگر گنجائش ہے تو ہمت کریں۔ چنانچہ آپ کی دعا کے بھروسہ پر مائی صاحبہ نے اٹھارہ ہزار روپیہ قرض لے کر پریوی کونسل لندن میں اپیل دائر کرادی۔ جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے دیوان سید محمد کے حق میں فیصلہ ہوا اور وہ بالآخر گدی پر متمکن ہو گئے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے پاک پتن شریف کی حاضری کا ارادہ فرمایا۔ اور مولوی محبوب عالم صاحب آپ کی رہائش کا انتظام کرنے کی خاطر وہاں پہنچے۔ عرس شریف کا موقعہ تھا اس لیے جب انہوں نے دیوان صاحب سے حضرت کے ارادہ کا ذکر کر کے قیام کی درخواست کی تو وہ خاموش رہے۔ اس وقت تک دیوان صاحب کے ساتھ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا یا آپ کے خدام کا براہ راست کوئی تعارف یا تعلق نہیں تھا۔ اور نہ باہم خط و کتابت کی نوبت ہی آئی تھی۔ اس لیے مولوی صاحب نے دیوان صاحب کی خاموشی کو انکار پر محمول کر کے جب بدیں خیال اٹھنا چاہا کہ شہر میں کسی کرائے کے مکان کا انتظام کرنا چاہیے، تو

دیوان صاحب نے انہیں روک کر فرمایا کہ میں یہ سوچ رہا ہمت کہ ایسے خصوصی مہربان بزرگ کے لیے جنہوں نے ایک نازک وقت پر بغیر کسی تعارف کے میری امداد فرمائی کو بسی جگہ مناسب ہوگی۔ میری خواہش تھی کہ آپ کا قیام موتی محل میں ہو لیکن چونکہ وہاں عرس کے موقع پر بعض دیگر حضرات قیام فرماتے ہیں۔ اس لیے مجھے اندیشہ تھا کہ مبادا وہ حضرات محسوس کریں۔ مگر اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آپ کی جائے قیام موتی محل ہی ہوگی۔ دوسروں کے متعلق حضرت باوا صاحب جانیں اور وہ صاحبان جانیں۔

پہلی ملاقات پر دیوان صاحب کا تاثر

جب حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پاک پن شریف پہنچے اور دیوان صاحب سے ملاقات کی تو دیوان صاحب بیان فرماتے تھے کہ آپ کو دیکھ کر میں تعظیماً اٹھ کر تو ہلا کر میرے دل میں آپ کے متعلق جو حسن ظن تھا وہ جاتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ حضرت کے سر پر رونی کی ٹوپی ہوگی۔ کمر میں نیلے یا جو گیارنگ کا تھم ہوگا۔ اور گلے میں قدرے میلا اور مستعملہ لباس لبا سا کرتا ہوگا۔ کیونکہ اُس وقت تک ایک فقیر اور دلی اللہ کی ہیئت اور لباس کا یہی نقشہ ہمارے ذہن میں تھا۔ مگر دیکھا تو ماشاء اللہ نہایت خوبصورت گھنگھریالی زلفیں نفیس کلاہ پر سفید عمامہ، پارچات مصطفیٰ اور سفید رنگ جن پر چھین پہن رکھا تھا۔ میں نے سمجھا کہ دنیا دار ہیں۔ اور اٹھ کر بیٹھے پر دل ہی دل میں افسوس بھی ہوا۔ لیکن حضرت نے میرے خطبہ دل پر مطلع ہو کر مجلس میں اپنے ایک ارادت مند افسر مال سے مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ جب آپ لوگ اپنے کسی افسر سے ملاقات کے لیے جاتے ہیں تو کیا اچھا لباس پہن کر جاتے ہیں یا میلہ کچھلا اور پھٹا پرانا؟ اُس نے عرض کیا کہ اگر ہم اچھا لباس پہن کر نہ جائیں تو افسران بُرماناں گے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جب دنیاوی افسروں کی حاضری کے یہ آداب ہیں تو جو دینی پیشوا اور صاحب سجادہ ہو اُس کے دربار میں حاضری کے آداب کا خود خیال کر لیں۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ خُدا جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔

دیوان صاحب کہتے تھے کہ یہ سن کر میں اپنے خطبہ دل پر نام اور پشیمان ہوا۔ اور پھر عمر بھر میرے دل میں حضرت کے متعلق کبھی کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہیں ہوا۔

لباس اور سواری کے متعلق ایک انگریز افسر کا اعتراض اور اُس کا جواب

اس خوش پوشی کے متعلق ایک اور واقعہ بھی بہت مشہور ہے۔ بالوکریم بخش ہڈی کلرک دفتر پولیس راولپنڈی جو گوجر خاں کے رہنے والے اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ارادت مند تھے۔ ایک عرس کے موقع پر گولڑہ شریف حاضری کے لیے اپنے انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ایک دن کی رخصت لینے کے لیے اُن کے سامنے پیش ہوئے۔ کپتان صاحب نے کہا: یہ آپ کا پیر صاحب کیسا پیر ہے؟ ہم سے زیادہ اچھے گھوڑے پر سواری کرتا ہے اور رومیوں کا لباس پہنتا ہے۔ پیر فقیر تو وہ ہوتا ہے جو کوئی مکان اور سامان نہیں رکھتا۔ جہاں رات آجاتی ہے رونی مانگ کر کھالیتا ہے اور مسجد وغیرہ میں پڑ کر سوتا ہے۔ پھر کہنے لگا۔ اچھا جاؤ اور ہماری طرف سے پیر صاحب سے یہ بھی پوچھنا کہ آپ کے پاس اسلو کتنا ہے؟ یہ وہ زمانہ تھا جب ۱۹۱۱ء کے دربارِ دہلی میں شمولیت سے انکار پر حضرت سے انگریز افسران بہت ناراض تھے جب بالوکریم بخش نے یہ باتیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں عرض کیں تو آپ نے فرمایا۔ اچھا مگر تم اُسے جواب نہ دے سکو گے میں خود ہی جواب دوں گا۔ چنانچہ اسی سال جب آپ سیال شریف کے عرس سے واپسی پر حسب معمول کچھ وقت کے لیے راولپنڈی میں قیام پذیر تھے۔ اور عصر کے وقت ایک مجلس کی فن میں ٹوپی رکھ کر طرف

جار ہے تھے تو راستہ میں وہی سپرنٹنڈنٹ پولیس گھوڑے پر سوار آتا نظر آیا۔ آپ نے خدام سے پوچھا۔ کیا یہ انگریز یہاں کا پولیس کپتان ہے جو اب اثبات میں ملنے پر آپ نے اس کے قریب پہنچ کر فٹن رکوائی اس نے آپ کو سلام کیا جس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا آپ کا پیغام پہنچا تھا۔ اب جواب سن لیں۔ آپ نے کہا تھا کہ فقیر اچھے گھوڑے پر کیوں سواری کرتا ہے اور اچھا لباس کیوں پہنتا ہے۔ آپ اپنے افسروں کو خوش کرنے کے لیے اچھے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور اچھا لباس پہنتے ہیں۔ اگر فقیر اپنے افسر کی خوشی کے لیے جو سارے افسروں کا افسر اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اور جس کے ہاتھ میں سارے افسروں اور بادشاہوں کی جان ہے اچھے گھوڑے پر سوار ہو اور اچھا لباس پہنے تو اس میں کیا بُرائی ہے۔ اور آپ نے پوچھا تھا ہمارے پاس تمہارا کتنے ہیں۔ فقیر کا ہتھیار فقط یہ تسبیح ہے جو آپ کے تمام اسلحہ سے زیادہ کاری ہے۔ اس جواب سے وہ انگریز افسر نادام سا ہو کر رہ گیا۔ اور آپ آگے روانہ ہو گئے۔

حضرت دیوان صاحب کے لیے اولادِ زینہ کی دعا

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک دن میاں تاجا قوال نے امرتسر میں کہیں سے سنا کہ دیوان صاحب کے زینہ اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔ اور اس بارہ میں کسی جاؤ و گر کا ذکر بھی ہوا۔ جب اُس نے مجھ سے ذکر کیا تو میں نے کہا کہ حضرت کی خدمت میں عرض کرو چنانچہ اُس کے عرض کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے سحر کا کچھ اثر نہیں ہوگا۔ اور دعا فرمائی۔ چنانچہ اگلے سال ہی حضرت دیوان غلام قطب الدین تولد ہوئے اور مخالفین کے جاؤ و بے اثر ہو کر رہ گئے۔

نوموود کے نام رکھنے کا واقعہ حضرت دیوان سید محمد خود اس طرح بیان فرمایا کرتے کہ میں قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین نجیب یار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس شریف پر دہلی گیا ہوا تھا۔ اور وہاں میرے دل میں بار بار خیال آتا تھا کہ میرے بیٹے کا نام غلام قطب ہو۔ حضرت کی خدمت میں نام تجویز فرمانے کے لیے عرض لکھا ہوا تھا۔ جب دہلی سے واپسی پر پاک پتن شریف میں حضرت کا خط ملا تو اسی فکر میں کانپتے ہاتھوں سے کھول کر پڑھا تو آپ نے غلام قطب الدین ہی نام تجویز فرمایا ہوا تھا۔

جناب خواجہ حسن نظامی دہلوی

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اور حضرت دیوان سید محمد کے باہم بہت ہی خاص تعلقات تھے حضرت اقدس زمانہ استغراق تک عموماً ہر سال حضرت بابا صاحب گنج شکر قدس سترہ العزیز کے عرس مبارک پر پاک پتن شریف جاتے رہے۔ جہاں ادائے رسومات میں دیوان صاحب کی طرف سے آپ کو ایک خصوصی امتیاز اور اختیار حاصل رہا۔ چونکہ عرس شریف کے موقع پر پاک پتن شریف میں بے حد ازدحامِ ضلالت ہوتا تھا اس لیے ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ذات شریف سے استفادہ کا موقع ملتا تھا۔ سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی کے خواہر زادہ جناب خواجہ حسن نظامی کی ملاقات بھی حضرت سے یہیں ہوئی اور ان کے اصرار پر حضرت نے انہیں بیعت بھی فرمایا۔ خواجہ صاحب حسن تحریر کے لیے دعا کے طالب ہوئے تو آپ نے دعا فرما کر کوئی خالی طریق بھی تلقین فرمایا۔ جس کی برکت سے خواجہ صاحب اپنے وقت کے مشہور اہل قلم ہوئے اور مصوٰرِ فطرت کا لقب پایا۔

حضرت نے خواجہ حسن نظامی کے لیے حسن تجویز اور سید عطار اللہ شاہ بخاری کی استدعا پر ان کے لیے حسن تقریر کی دعا فرمائی تھی اور بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے دونوں صاحبان کو متنبہ فرمادیا تھا کہ تحریر و تقریر کی فصاحت مقامِ خطر بھی ہے۔ ان کے صحیح استعمال کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

خواجہ صاحب اپنے رسالہ منادی میں ہمیشہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اپنا شیخ طریقت تسلیم فرماتے رہے۔ آنجناب کے احوال پر گولڑہ شریف میں حاضر ہوئے۔ اور ایک خصوصی مقالہ منادی میں شائع کیا۔ خواجہ صاحب بے حد روادار طبیعت اور مرخان مریخ قسم کے انسان تھے۔ ابتداءً قادیانیوں کے حق میں نرم خیالی کے باعث علماء میں معتبوب تھے۔ مگر بالآخر ۱۷ جون ۱۹۳۵ء کے رچہ میں اعلان کیا کہ میرے پیرومرد حضرت مولانا سید مہر علی شاہ چشتی نظامی سجادہ نشین گولڑہ شریف کا ایک بیان میری نظر سے گزرا جس میں حضرت اقدس نے ایک فیصلہ کن حکم صادر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ قادیانی اپنے عقائد مخصوصہ کے سبب مسلمان نہیں کہلا سکتے اس واسطے کسی مسلمان کو ان سے کسی قسم کا تعاون جائز نہیں۔

پاک پتن شریف میں مولوی غلام قادر سکھنچن آباد ضلع بہاول نگر اور بعض علمائے قصور کے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ساتھ زیارت قبور استمداد اولیاء اللہ اور ہشتی دروازہ کے مسائل پر مناظرات خصوصاً مولوی غلام قادر کی آپ سے بیعت کا ذکر باب ششم میں آئے گا۔ افسوس کہ ان رُوح پرورد مجالس کا ریکارڈ نہیں مل سکا۔ ورنہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی تھی۔

جناب بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پاک پتن شریف جانے کو تیار ہوئے اور مجھے فرمایا کہ تم گھر پر ہی رہو بسنگر اور مہمانوں کا خیال رکھنا اور نماز باجماعت اور اوقات مکتب کی پابندی کرنا۔ مجھے چونکہ دیوان صاحب کے ساتھ قلبی لگاؤ اور دلی تعلق تھا اس لیے میں ساتھ جانے پر مہض تھا مگر حضرت نہ مانتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ بعد نماز عصر اپنی والدہ محترمہ یعنی میری دادی صاحبہ کے سلام کے لیے گھر حاضر ہو کرتے تھے۔ چنانچہ میں بھی ساتھ ہوا۔ اور جب گھر کے قریب والی جھاڑی کے پاس پہنچے تو میں نے پھر ساتھ چلنے کے لیے عرض کی۔ حضرت نے فرمایا کہ کسی کے مزار پر حاضر ہونے کا مزاج ہے کہ آدمی صاحب مزار سے کم از کم گفتگو کر سکے۔ میں نے عرض کیا کہ اب تو میرا جانا اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔ کیونکہ آپ تو حضرت باوا صاحب کے لیے جاتے ہیں اور وہ آپ سے گفتگو فرماتے ہیں۔ میں تو دیوان صاحب کی محبت کی وجہ سے جاتا ہوں اور وہ مجھ سے گفتگو فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے قسم فرمایا اور اجازت دے دی۔

بظاہر مطالعہ و شغل تسبیح اور بہ باطن حضرت باوا صاحب سے گفتگو

جناب بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت پاک پتن شریف میں قیام فرماتے اور صبح کے وقت طائف سے فارغ ہو کر کتاب فتوحات مکیہ سامنے رکھے ہوئے تسبیح کا شغل فرما رہے تھے کہ دیوان صاحب ملاقات کو آئے اور دس پندرہ منٹ تک دروازہ میں کھڑے رہے مگر آپ نے توجہ نہ فرمائی۔ میں سخت حیران تھا کہ دیوان صاحب کھڑے ہیں اور حضرت ان کی طرف توجہ نہیں فرماتے۔ ایک ہمراہی سستی شیر باز خان حضرت کو توجہ دلانے کے لیے آگے بڑھنے لگا تو دیوان صاحب نے منع کر دیا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ حضرت ابھی مصروف ہیں۔ میں اتنے میں باوا صاحب کو سلام کر آؤں اور کچھ اور امور بھی طے کرنا آؤں۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد دیوان صاحب دوبارہ آئے لیکن حضرت پھر متوجہ نہ ہوئے اور اپنے شغل ہی میں مصروف رہے۔ میں دل گرفتہ تھا کہ دیوان صاحب حضرت گنج شکر کے سجادہ نشین ہیں مگر حضرت متوجہ نہیں ہو رہے ہیں۔ دیوان صاحب پندرہ بیس منٹ تک منتظر رہ کر یہ کہتے ہوئے کہ حضرت ابھی شغول ہیں۔ میں جاتا ہوں۔ جب آپ فارغ ہوں مجھے اطلاع کرادیں۔ تشریف لے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ مگر

۱۔ اس قسم کے کسی فتویٰ کی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے نسبت کی ذمہ داری جناب خواجہ صاحب پر ہے۔

کبیدہ خاطر تھا۔ اور بار بار سوچتا کہ حضرت نے دیوان صاحب کی طرف کیوں توجہ نہیں فرمائی۔

بہر حال کچھ وقت کے بعد اطلاع ملی کہ حضرت اب فاسخ ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ دیوان صاحب اب نہ جائیں۔ اس لیے جب وہ جانے کے لیے اٹھے تو میں نے عرض کی کہ اب نہ جائیں۔ عصر کے وقت جب حضرت اس طرف آئیں گے تو ان سے مل بیٹھے گا۔ دیوان صاحب نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی اور فرمایا: خبردار، ایسی کوئی بات منہ سے نہ نکالنا۔ میں ایک مرتبہ ایسا کر چکا ہوں جس کا مجھے آج تک انوس ہے میں ابھی حضرت کے سلام کے لیے جاتا ہوں۔

قبلہ بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت کے جتنے بھی ملنے والے تھے، دیوان صاحب جیسی محبت اور اخلاص ان میں سے کسی میں بھی نہ تھا۔ بہر حال جب ہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ دیوان صاحب کے ساتھ نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا دیوان صاحب مجھے معلوم ہے کہ آپ تشریف لائے۔ مگر چونکہ اُس وقت میں حضرت باوا صاحب سے مصروف تکلم تھا اس لیے آپ کی طرف متوجہ نہ ہو سکا مبادا ان کی شان میں بے ادبی یا گستاخی ہو جائے۔

قبلہ بابو جی مدظلہ نے فرمایا گویا بات حضرت کے مشرب کے خلاف تھی اور آپ اس قسم کی باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔ مگر اُس روز شاید اس لیے ایسی بات فرمائی کہ دیوان صاحب کی طبیعت پر کسی قسم کا طلال نہ رہے۔

دسویں فصل

وَالْبِیَانِ مُلْکِ اَوْرِ رِوَسَائِ عُوْظَاکَا اَآپِ سَے تُو سَل

امیر حبیب اللہ خان والئی افغانستان

امیر حبیب اللہ خان والئی کابل، ایام شہزادگی میں خفیہ طور پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں دُعا کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ محلاتی سازشوں اور سوتیلے رشتوں کی جانب سے اگر مادر شاہ بانو بد سے کی قسم کے اعتراضات کے باعث اُن کی ولیعہدی خطرہ میں پڑی ہوئی تھی۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے دُعا بھی فرمائی اور دو روز مہمان بھی رکھا۔ مگر کسی کو امیر حبیب اللہ خان کی آیدیا روانگی کی خبر نہ ہوئی۔ حضرت کے ایک غلام خان زادہ قُل احمد خان ہزاروی کو البتہ بہت بعد میں معلوم ہو گیا تھا۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے مجھے فرمایا کہ قُل احمد، بعض مہمان اپنے مرتبہ کا اظہار نہیں کرتے۔ اس لیے تم لوگ خود اُن کی قدر پہچان کر حسب مرتبہ خوراک اور تواضع کا مناسب خیال رکھا کرو۔ اس پر میں نے سمجھ لیا کہ کوئی خاص مہمان آنے والا ہے۔ دوسرے یا تیسرے روز برسات شروع ہو گئی۔ اور کئی روز تک متواتر رہی۔ ایک ذات تہجد سے کچھ پہلے اچانک میری آنکھ کھل گئی اور حضرت کے حجرہ مبارک کی طرف کشش محسوس ہوئی۔ میں وہاں گیا تو دیکھا کہ تین اشخاص درختوں کے نیچے کھڑے ہیں۔ اور حجرہ مبارک کا دروازہ بند ہے۔ ان لوگوں نے پوستینیں پہن رکھی تھیں۔ کہتے تھے سرحد پار سے آئے ہیں اور آدھی ات کے بعد پشاور سے آنے والی ریل گاڑی سے اترے تھے۔ ان میں سے ایک شخص جو نسبتاً کم عمر تھا کئی بار تخلیہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ دور وز قیام کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد پاک پتن شریف سے واپسی پر حضرت لاہور میں قیام فرماتے تھے کہ سابق امیر کابل سردار یعقوب خان نے جو اُن دنوں بحالت نظر بندی لاہور میں رہتے تھے بذریعہ خاص آدمی حضرت سے علیحدگی میں ملاقات کی اجازت لے کر شام کے وقت چڑیا گھر کے عقب والے مزار شریف کی مسجد میں حضرت کی خدمت میں حاضری دی۔ اُس وقت حضرت کا ایک خادم باہر دُکھو کر رہا تھا، دوسرا کچھ دُور ذکر جہر میں مصروف تھا۔ قُل احمد خان کہتے تھے کہ میں تنہا حضرت کے پاس بیٹھا تھا۔ سردار صاحب موصوف نے پرمعنی نگاہ سے میری طرف دیکھا جس پر حضرت نے فرمایا کہ یہ اپنا ہی درویش ہے۔ جو کچھ کہنا ہو بلا خوف و خطر کہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول ہیں۔ دُعا فرمائیے میرا حق مجھے واپس مل جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تخت کابل کے لیے اس سے قبل میں سردار حبیب اللہ خان کے حق میں دُعا کر چکا ہوں۔ آپ کی حُسن عاقبت کے لیے دُعا کرتا ہوں۔ اور ہاتھ اٹھا کر دُعا فرمائی۔

خان زادہ قُل احمد خان کہتے تھے کہ اس سے کچھ عرصہ بعد جب امیر حبیب اللہ خان تخت نشین ہوئے تو مجھے حضرت کے یہ الفاظ یاد آئے۔ لیکن صحیح یہ اُس وقت چلا جب ۱۹۱۹ء میں امیر موصوف ہندوستان کے سرکاری ذورہ پر آنے اور دہلی کے چاندنی چوک میں اُن کا جلوس دیکھ کر میں نے پہچانا کہ اس بادشاہ کو میں دو دن تک اپنے ہاتھ سے پائے تیار کر کے پلاٹا رہا ہوں۔

۱۹۲۸ء میں امیر امان اللہ خان جلاوطن ہو تو حضرت نے فرمایا کہ وہ حکومت افغانستان کا اہل نہ تھا۔ اور اُس کے کام شرع شریف کے مطابق نہیں تھے۔ سرحدی پٹانوں اور افغانوں کے حال پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خاص توجہ تھی۔ جس کی وجہ سے برطانوی حکومت کے کارپردازان بھی ایک موقعہ پر آپ کے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے تھے۔

امیر حبیب اللہ خان کے والد امیر عبدالرحمن خان والی افغانستان کی بھی حضرت کے ساتھ خط و کتابت کا حال کسی رسالہ میں نظر سے گذرا ہے تفصیل معلوم نہیں ہو سکی البتہ اتنا معلوم ہے کہ حضرت کے ایک بہت بڑے ارادت مند اور مشہور واعظ قاضی قدرت اللہ سکند قاضی خیل پشاور امیر موصوف کی دعوت پر اکثر وعظ کہنے کے لیے کابل جایا کرتے تھے۔

نواب صاحب بہاول پور

نواب صادق محمد خان سادس امیر بہاول پور کو بھی حضرت سے بہت نیاز اور عقیدت تھی۔ اُن کی طرف سے اکثر ہمتا میں عرضداشتیں پہنچتی رہیں اور مقاصد حل ہوتے رہے۔ مگر اُن کی بیعت کی تمنا پوری نہ ہوئی۔ ۱۹۲۵ء میں ریاست بہاول پور کے دو عہدے دار غلام حسن خان ناطم اور محمد امین خان سپرنٹنڈنٹ پولیس جو حضرت کے مخلصین و ارادت مندوں میں سے تھے۔ گولڑہ شریف حاضر ہوئے اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں عرض کی کہ نواب صاحب گولڑہ شریف آنے کو تیار تھے بلکہ اپنا ڈبہ ریل گاڑی کے ساتھ گلوانے کے لیے ریلوے کو بلکہ بھی دیا تھا مگر اچانک سرکاری کام سے دہلی جانا پڑ گیا۔ اب اسی پر یہاں کی حاضری کا پروگرام طے ہو گا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ عملات سے نواب صاحب کے صاحب اختیار ہونے کے لیے دعا کا پیغام آیا تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اُن کی تاجپوشی کرادی ہے۔ اس سے زیادہ اُن کی آمد و رفت یا والیان ریاست کے ساتھ پیری مریدی کا تعلق مجھے پسند نہیں کیونکہ حاجت مند لوگ سفارش کی توقع رکھتے ہیں۔ اور مجھے نہ سفارش کرنا اچھا لگتا ہے اور نہ اس سے انکار۔

نواب ولی الدولہ حیدرآباد دکن

ریاست حیدرآباد دکن کے ایک رئیس نواب ولی الدولہ کی حضرت سے بیعت تھی۔ بیماری کے سلسلہ میں ڈاکٹروں نے انہیں کبھی ہوا خوری کے لیے لندن جانے کا مشورہ دیا۔ نواب صاحب نے آپ کی خدمت میں اجازت کے لیے عرضیہ لکھا تو آپ نے بلکہ بھیجا کہ اگر بھری ہو اسی کھانا ہے تو بجائے لندن کے حج بیت اللہ اور مدینہ شریف کی زیارت کو جائیے۔ بھری ہوا خوری کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔ اُن کو شراب کی عادت تھی۔ اسی سال (۱۹۳۳ء) نواب صاحب بہاولپور اور اُن کے ہمراہ جناب شیخ اجماعی حج کے لیے گئے۔ جب جدہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ نواب ولی الدولہ نے شراب کے تمام کبس جو ہمراہ تھے، سمندر میں پھینکوا دیئے اور سچے دل سے توبہ کی۔ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ عالیہ پہنچ کر فوت ہو گئے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک اُن کا جنازہ روضہ عالیہ کے سامنے پڑا رہا۔ دیکھنے والے رشک کرتے تھے کہ یہ کون خوش نصیب انسان ہے حضرت شیخ الجامعہ نے اُن کو تعارف کرایا کہ یہ میرا پرہیزگاری ہے۔ حضرت پر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ پوری بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا لوگو! دیکھو! خدا انسان سے تعلق و نسبت کے کیسے عمدہ نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

نواب صاحب انب در بند

ریاست انب در بند کے سابق نواب صاحب عالم نواب زادگی کے ایام سے ہی حضرت کی خاص عنایات سے مشرف و

سرفراز تھے۔ ان کی جانشینی کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا جو آپ کی دعا اور توجہ سے دور ہوا۔ ان کے صاحبزادے جو اس وقت والی ریاست ہیں اور جن کا اسم گرامی نواب محمد فرید خان ہے نے راقم سطور ہذا کو مندرجہ ذیل خط لکھا ہے :-

”یوں تو میرے والد بزرگوار کو بھی حضورؐ کی غلامی کا شرف حاصل رہا ہے۔ میں ۱۹۲۱ء میں جناب خان بہادر قاضی سراج دین سکندر اوپنڈی کے ہمراہ بغرض بیعت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ نے بڑی عنایت سے مجھے غلامی میں منسلک فرمایا۔ نماز کی پابندی کی تاکید کے ساتھ کچھ اُردو وظائف بھی تلقین فرمائے۔ دُنیوی تکلیفات و حوادث میں حق تعالیٰ کے بعد میں حضورؐ کی یاد کو دل میں رکھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ خواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ تو ہر وقت اپنی تکلیفات میں ہمیں یاد کرتا رہتا ہے۔ اس لیے ہم تمہیں ایک وظیفہ بتلاتے ہیں جو مستردہ اوقات نماز کے بعد ایک دفعہ پڑھ لیا کرو۔ صبح بیدار ہونے پر خواب تو مجھے یاد رہا لیکن وظیفہ بھول گیا۔ میں نے ایک چٹھی حضورؐ کی خدمت میں ارسال کی اور سارا خواب بھی اُس میں لکھ کر عرض کی کہ وظیفہ تو بھول گیا ہوں صرف ایک لفظ ”عظیم“ یاد رہ گیا ہے۔ بواپسی حضورؐ نے وہی وظیفہ مجھے لکھ کر بھیج دیا۔ شرف غلامی کے بعد بفضل خدا میں اپنے آپ میں ایک انقلاب محسوس کرتا ہوں۔ جب مجھے نماز کی تاکید فرمائی تھی تو وہ الفاظ مبارک بندوبست کی گولی کا کام کر گئے تھے حضورؐ کے اُس ارشاد کی برکت سے آج تک ایک نماز بھی مجھ سے قضا نہیں ہوئی :-“

سردار محمد علی خان گھیبہ

علاقہ گھیبی کے نامور رئیس سردار محمد علی خان گھیبہ کو حضرتؐ کے ساتھ بیعت کا شرف حاصل تھا۔ آخری عمر تک اولادِ زینہ سے محروم تھے۔ ایک روز حضرتؐ نے بذریعہ خاص آدمی خطا بھجوا یا جس میں تحریر تھا کہ فرادو سری شادی کر لو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور نکاح کے چند ماہ بعد فوت ہو گئے۔ اسی نکاح سے سردار محمد نواز خان تولد ہوئے۔ وہ بھی حضرتؐ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ ان کے متعلق حضرتؐ کے کفالت کے بعد آپ کی نماز جنازہ پڑھانے کی ایک غلط روایت مشہور ہو گئی تھی۔ نماز جنازہ میں شامل ہونے کا شرف ان کو ضرور حاصل ہوا تھا مگر حضرتؐ کی نماز جنازہ آستانہ عالیہ کے امام مسجد جناب قاری غلام محمد نساوری نے پڑھائی تھی۔

نواب سر عمر حیات خان و سر خضر حیات خان ٹوانہ

کارہ ایسٹ ضلع سرگودھا کے نواب جنرل سر عمر حیات خان ٹوانہ کو بھی آپ سے شرف بیعت حاصل تھا جس کی بدولت نصف شراب نوشی کی عادت سے بچ گئے تھے بلکہ پانچ وقتہ نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ اطہر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت سے بھی مشرف ہوئے۔ اس ضمن میں مشہور ہے کہ خوانین ہزارہ میں سے حضرتؐ کے ایک مخلص ملک سر عمر حیات خان کے مقروض تھے۔ قرضہ کی رستہ زیادہ تھی جسے وہ کیمشت ادا کرنے سے قاصر تھے۔ مہلت لینے اور آسان اقساط کے ذریعہ ادائیگی کی اجازت کے لیے حضرتؐ کا سفارشی خط لے کر ملک صاحب کے پاس گئے۔ ملک صاحب اُس وقت تک حضرتؐ سے بالکل متعارف نہ تھے لیکن اس کے باوجود حضرتؐ کے گرامی نامہ کا اس قدر اہمیت اہم کیا کہ قرضہ معاف کرتے ہوئے رسید وصولی قرضہ لکھ کر حامل گرامی نامہ کے حوالے کر دی۔

ان کے صاحبزادے نواب ملک سر خضر حیات خان سابق وزیر اعظم پنجاب کی بھی حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے ساتھ عقیدت

کی بدولت اب یہ کیفیت ہے کہ اکثر باوجود ہوتے ہیں اور مجالس سماع و ذکر میں ان پر رقت و گریہ کی حالت طاری رہتی ہے۔ کسی زمانہ میں حضرت سے وزارت کی دعا کے متمنی ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت کے وصال کے وقت وزیر اور بعد میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ ہوئے۔

نواب میاں محمد حیات قریشی

اپنے زمانہ کے نوجوان امیر زادوں میں سے صابو وال ضلع سرگودھا کے نواب میاں محمد حیات قریشی پر حضرت قبلہ عالم قدس بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ ان کے والد بزرگوار جناب میاں محمد قریشی، حضرت کے پیر بھائی تھے۔ اور یہ خود یعنی نواب میاں محمد حیات حضرت ثانی سیالوی کے ارادت مند تھے لیکن روایت ہے کہ کسی نے حضرت سے سوال کیا تھا کہ حضور کو اپنے ارادتمندوں میں سے کون زیادہ عزیز ہے تو فرمایا کہ محمد حیات اچھا لگتا ہے۔

یہ حضرات اوسط درجہ کے مرزا محال زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے تھے مگر حضرت کی توجہ سے اب ان کا شمار ضلع بلکہ بکٹنری کے چوٹی کے روسا میں ہوتا ہے۔ نواب صاحب مرحوم معمولی انگریزی تعلیم کے باوجود صوبائی سروس کمیشن کے ممبر رہے۔ اور نواب کا خطاب بھی حاصل کیا۔ دنیوی ترقی کے ساتھ ساتھ دینداری میں وہ ممت م حاصل کیا کہ بقول شخصہ خدائے تعالیٰ نے چاہا تو بروز حشر امرائے زمان میں سے بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں مفتی محمد حسن جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور بیان کرتے ہیں کہ میاں صاحب نے اپنی بیماری کے دوران تخلیہ میں انہیں وصیت کی تھی کہ اگرچہ میری کوئی نماز قضا نہیں ہوئی مگر میں نے احتیاطاً اپنے لڑکے میاں محمد ذکر سے کہہ رکھا ہے کہ میرے بعد میری تین برس کی نمازوں کی قضا کا صدقہ یعنی فدیہ ادا کر دے۔ اور آپ اُسے میری موت کے بعد فوراً یاد دہانی کرا کر ادا کرادیں۔

سر سکندر حیات خان بہادر میاں مشتاق احمد خان گومانی و نواب عبداللہ خان آف خان گڑھ

حضرت کے فیضان نظر سے آپ کے بہت سے عقیدت مند شرفاء باوجود اوسط درجہ کی تعلیم و مالی حالت کے ترقی کے بلند ترین مراحل طے کر کے حکومت وقت کے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز ہوئے اور ملک کے سرکردہ سیاسی لیڈروں میں شمار کیے گئے۔ ان میں واہ ضلع کیپل پور کے سردار سر سکندر حیات خان سابق وزیر اعظم و گورنر پنجاب اور ٹھٹھہ گومانی ضلع مظفر گڑھ کے خان بہادر میاں مشتاق احمد خان گومانی سابق گورنر مغربی پاکستان کے نام بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ سر سکندر پر حضرت کی ادائل سے ہی نظر عنایت تھی۔ اور وہ اپنی کامیابیوں کو بالعموم حضرت کی توجہ اور آپ کے فرمودہ و ظائف کی پابندی کے ساتھ منسوب کرتے تھے اور میاں مشتاق صاحب تو نہ صرف خود آپ سے بیعت تھے بلکہ میاں صاحب کے والد صاحب بھی حضرت سے بیعت تھے۔ ان دونوں صاحبان کا تعلق حضرت کے جواں سال عقیدت مندان کے طبقہ سے ہے۔ اور نواب عبداللہ خان سکندر خان گڑھ کا شمار حضرت کے متقدمین ارادت مندوں میں ہوتا ہے۔ ان کی بیعت اور دنیوی مشاغل کے ساتھ ساتھ دینداری کا کچھ ذکر باب کرامات کتاب ہذا میں بھی آئے گا۔

جامی میاں کریم بخش، میاں عبدالرحیم و میاں عبدالرشید سیٹھی پشاور و میاں امام بخش سوداگر ملتان حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے صاحب ثروت مگر درویش صفت ارادت مندان میں سے یہ چار حضرات سرفہرست ہونے کے قابل ہیں۔

ان صاحبان کا برصغیر پاک و ہند میں اور مالک افغانستان، ایران، ترکیستان، چین اور روس و انگلستان وغیرہ میں کروڑوں روپوں کا کاروبار تھا مگر اپنے شیخ کریم کے ساتھ صحیح تعلق اور نسبت کی بدولت درویشانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ سیٹھی کریم بخش و عبید اللہ نے زائرین کی سہولت کے لیے دامن کوہ میں پہاڑی نالوں اور کھڈوں سے پٹی ہوئی اس سرزمین گولڑہ شریف میں ریلوے اسٹیشن سے لے کر آستانہ عالیہ تک تین میل لمبی سڑک تعمیر کرائی۔ نیز تعمیر مرکز میں بھی بیش از بیش حصہ لیا۔ یہ چاروں حضرات آپ کے ابتدائی زمانہ کے ارادت مندوں میں سے ہیں جن کی صحیح اسلامی زندگی کی برکت کا عکس ان کی اولاد میں بھی نمایاں ہے۔

بعض نوعِ امیر زادے

خانزادہ قُل احمد خان جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ خواہن درو ساہ ہزارہ میں سے تھے پچھن میں حضرت کی زیارت کو آئے اور یہیں کے ہو گئے۔ گولڑہ شریف میں ہی چند درسی کتب کا مطالعہ کیا اور سن گھر شریف کی خدمت کرتے رہے۔ پھر حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں کچھ عرصہ حکیم شمس الدین گجراتی کے پاس دہلی اور بمبئی میں گزار کر علم طب حاصل کیا مگر حقیقی شغل مولینا محبوب عالم ہزاروی اور ملک سلطان محمود نواز شاہ پوری وغیرہ احباب کی طرح ہمیشہ نظارہ جمال شیخ ہی رہا۔ حضرت خواجہ محمود تونسوی ایک بار اجازت لے کر ان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ اور کہتے ہیں کہ جتنے روز بھی وہاں رہے۔ عینم فراق شیخ میں آنکھیں گریاں ہی رہیں۔ ناچار انہوں نے واپس گولڑہ شریف بھیج دیا۔

اولیاء اللہ بالخصوص اربابِ چشت اہل بہشت کے آستانوں پر اکثر امیر خسرو صفت امیر زادے دکھائی دیتے ہیں جو لطیف مزاج، خوش پوش اور سخن سنج ہونے کے ساتھ ساتھ، تصوف کے لیے بھی جو دراصل رُوح مذہب ہے ایک والہانہ ذوق رکھتے ہیں۔ یہی ذوق انہیں رند خرابات ہونے سے اور بالآخر ہلاکت سے بچالینے کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب ہم کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ تو سب سے پہلے اُس کے اُمراء کو گناہوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ لہذا ارباب تصوف کی نظر میں اس نوع یعنی امیر اور امیر زادوں کی اصلاح نہایت ضروری ہوتی ہے۔

حضرت امیر خسرو دہلوی نے جناب محبوب الہی قدس سرہ العزیز کی شان میں کہا تھا

ہر قوم راست را ہے، دینے و قبلہ گا ہے

من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلا ہے

حضرت خواجہ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی کے ایک رئیس زادہ غلام نے اپنے شیخ کی جناب میں یہ

عرض کیا۔

آتش بہ دلم جمال رویت افروخت

زلف تو مرا بہ بست، مژگان تو کشت

اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے ایک غلام نے بے دام جناب خواجہ محمد اسماعیل المتخلص بے عیسیٰ امرتسری نے آپ کو

اس طرح مخاطب کیا۔

اے کہ از سر تا بہ پانور احد

قبلہ من کعبہ من کوئے نشت

مہر علی، نہر پیر الشمش

دین و ایم فجمال رؤے نشت

سنگِ بابِ توست بیت اللہ من
 بیچ در بیچ آمدہ گیونے تو
 بہر عاشق یا شبِ یلداست این
 یا برائے مرغِ دل جام است این
 حج بیت اللہ جمالِ رُونے تو
 حُسنِ سیمائے تو شرحِ والضحیٰ
 یا کہ این اعجازِ ختم المرسلین
 یا مہ دو ہفت شبِ جلوہ نما
 یا چپناں ماہے کہ روشن بر زمین
 یا غلافِ کعبہ یا لیل است این
 یا شبِ وصل آمدہ شام است این
 آسمانِ گرم طوافِ کونے تو

یا خطِ تقدیر حق آگاہ ست این

یا سراپا لوحِ الا اللہ ست این

گیارہویں فصل آزمائش کی چاندھڑیاں

یہ قدرت کا قانون ہے کہ ہر عروج و کمال کو اپنی ارتقائی منازل میں ابتلا اور آزمائش کی مشکل ترین رکاوٹوں کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی شہرت کا دور دورہ ہوا تو کسی معلقہ فکر میں رشک نے کودت لی۔ کہیں حسدیں بھجیں ہو، اور کہیں بغض و عداوت نے تعصب و الحاد سے رشتہ جوڑ کر سر اٹھانا شروع کیا۔

حضرت کی ذات پر بعض حاسدین کے ناکام حملے

تلوار برہمنہ | ایک حاسد جان لینے کے درپے ہوا اور کئی جتن کیے مگر ع

دشمن چہ کند چوں مہرباں باشد دوست

پہلے ایک اُجرتی قاتل کو خنجر دے کر بھیجا جو موقعہ پا کر پلنگ کے نیچے چھپ گیا۔ آپ مسجد میں عشاء کی نماز ادا کر کے واپس آکر پلنگ پر لیٹ گئے۔ لیکن اُسے حملہ کی جرأت نہ ہوئی۔ اتفاقاً گروٹ بدلتے وقت آپ کا بازو نیچے ٹک کر اُسے جا لگا۔ جس پر وہ پسینہ پسینہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ کچھ عرصہ بعد یہ شخص کسی مہتمم میں مانوڑ ہو کر قید ہو گیا۔ کہا کرتا تھا کہ اس معاملہ میں بے قصور ہوں۔ البتہ حضرت پر حملہ کرنے کے اقدام کا گنہگار ہوں۔ اور یہ سزا اُسی قصور کی ہے۔

ایک اور شخص برہمنہ تلوار لے کر آیا۔ آپ درختوں کے نیچے چار پانی پر لیٹے تھے مگر جاگ رہے تھے۔ شیخ الجامعہ اپنے مسودہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت فرماتے تھے جب اُس شخص نے چار پانی کے برابر تلوار اٹھانی تو میں نے خیال کیا بس ابھی اس درد سہرا کا قصہ تمام ہوتا ہے مگر وار نہ پڑا۔ میں نے اُسے کہا کہ بھئی اپنا کام کیوں نہیں کرتے جس پر تلوار پھینک کر وہ میرے قدموں سے پٹ گیا اور رونے لگا۔

سالن میں زہر

ایک شخص ساگ کا سالن پکا کر اور اُس میں زہر ملا کر لایا۔ آپ کو شبہ تو ہو گیا تھا مگر اُس کی دلجوئی کے لیے دو تین ٹھٹھے کھالیے جس کی وجہ سے بعد میں اُس زہر کا معمولی سا اثر بھی ہوا۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ حضرت فرماتے تھے۔ مجھے شبہ تو ہو گیا تھا کہ اس میں زہر ہے لیکن اگر نہ کھاتا تو وہ لوگ شرمندہ ہوتے۔ نیز ان کے ارادوں اور پیہم اقدامات سے زندگی بیچ معلوم ہونے لگی تھی۔ پھر یہ خیال بھی آیا کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ اگر قدرت یہی بھی نہیں ہے تو اس زہر کا کچھ ضرر نہ ہوگا۔

اربابِ دل کی کیفیتیں عقل کی دسترس سے باہر ہوتی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت خالد بن ولید سے شکست کے بعد ایک ایرانی جنرل نے گرفتاری کے وقت زہر بھانکنے کی کوشش کی۔ مگر اُسے پکڑ کر ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اور معاویہ حضرت خالد

کے پیش ہوا۔ انہوں نے بسم اللہ پڑھ کر وہ زہر خود کھالیا اور فرمایا کہ موت اللہ تعالیٰ کی مشاقت قدرت میں ہے چنانچہ ان پر زہر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ یہاں بھی غالباً اسی قبیل کا کوئی تاثر مقصود تھا۔

جادو کا وار

پھر سری نگر کے ایک برہمن سے جادو کروایا گیا اور آپ سخت بیمار ہو گئے۔ بے ہوشی کے دولے پڑنے لگے۔ اور آپ بے حس و حرکت پڑے رہتے۔ اس حالت میں کوئی مہینہ بھر گزر گیا۔ تو وہ دشمن جان خوشی میں آکر شیخی مارنے لگا کہ کشمیری پنڈت نے سردھ کی بازی لگادی ہے صرف دس دن باقی رہ گئے ہیں ان کا کام تمام ہو جائے گا۔ اگر ان کا کام تمام نہ ہوا تو وہ کہتا تھا کہ میں ختم ہو جاؤں گا۔ جب یہ بات مولیٰ سنا محبوب عالم کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے حضرت کے کان میں چلا کر کہا کہ آپ پر ایک کشمیری پنڈت نے جادو کر کے معمولات دریا میں بہا دیئے ہیں۔ اور مخالفین بغلیں بجا رہے ہیں۔ مولوی محبوب عالم یہ کہہ کر بے اختیار ڈھاریں مار کر رونے لگے۔ وہ کہتے تھے کہ میرا اس طرح رونے کا حضرت فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور فرمانے لگے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ مرض کا آزار ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان بن کر آیا ہے۔ کافر کا جادو مجھے نہیں مار سکتا۔ جادو تسلی رکھو۔

چاہ کن راجاہ پیش

پھر معلوم ہوا کہ وہ کشمیری کا فراس اچانک شفا یابی کی اطلاع پا کر حضرت پیر حیدر شاہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر گڑ گڑایا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے معافی دلوادیں یا خود نظر کرم اور توجہ فرمائیں۔ مگر انہوں نے فرمایا تم نے ہمارے گوبر شب چراغ کو ضائع کرنا چاہا تھا۔ ہمارے پاس تمہارے لیے پھنکار کے علاوہ کچھ نہیں ہے چنانچہ وہ واپس سری نگر چلا گیا۔ جہاں پہنچ کر اپنے ہی سحر کی ناکامی کے رد عمل سے ہلاک ہو گیا۔ جادو کرانے والا بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا۔ البتہ حضرت کے ایمان پر اس کی شخصیت ہمیشہ پردہ انہار میں رہی۔

قرابت داروں سے حضرت کا سلوک

بڑے پیر صاحب حضرت پیر فیصل دین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے غلبہ حال کے باعث متاثر زندگی اختیار نہ فرمائی تھی۔ انہوں نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے علاوہ کسی دیگر عزیز کو خلافت اور ارشادِ خلق کے قابل نہ سمجھا تھا۔ اور حضرت ماشاء اللہ بڑے پیر صاحب کی حیات و وجودگی میں ہی مرجع خلائق ہو چکے تھے حضرت نے اس خیال سے کہ بڑے پیر صاحب کے زیادہ قریبی اعزاء کو یہ امر ناگوار نہ گزرے، ابستہ دار میں اپنے نخیال یعنی قبضہ حسن ابدال میں سکونت پذیر ہونے کا قصد فرمایا۔ مگر بڑے پیر صاحب نے اجازت نہ دی۔ پھر قبضہ گولڑہ شریف سے کچھ دور ایک ڈیرہ پر رہائش اختیار فرمائی۔ مگر بڑے پیر صاحب نے کہا بھیجا کہ میرے پاس آکر رہو ورنہ جہاں بھی تم رہو گے میں خود وہیں چلا آؤں گا۔ تمام عزیزوں کے ساتھ حضرت کا سلوک ہمیشہ مثالی رہا۔ آپ کے لنگر سے دیگر مستحقین کی طرح ان کو بھی مالی امداد ملتی رہی۔ لنگر شریف کے ساتھ متعلقہ درس کے علماء ان کے بچوں کی تعلیم پر بھی متوجہ رہے۔ اور آپ کا دستِ دعا ان کی دنیوی اور اخروی صلاح و فلاح کے لیے ہمیشہ دراز رہا۔ بڑے پیر صاحب کے بعد تقریباً تمام خاندان آپ سے بیعت ہوا اور ہر قسم کے دینی و دنیوی مفادات آپ کی بدولت ان کو حاصل ہوتے رہے۔ اگر کسی سے ظاہری یا اندرونی کدورت کا اظہار

بھی تو آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے مصداق اُس عزیز کو زیادہ سے زیادہ تر لطف و کرم سے نوازا۔ اور یہی حالت اب تک آپ کے فرزند ارجمند جناب بابو جی مدظلہ کے سلوک و شفقت کی ہے۔ صالحین اُمت کو سنتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی پیروی میں اس تگنائے سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ اور اسی سے ان کی مَرَدِ اِکْرَامِ کی شانِ عظمتِ کردار اور قُربِ کردگار کی نشان دہی ہوتی ہے۔

بعض معاصرانہ چشمکیں

اس دوران میں دیگر معاصرین کے علاوہ خود راہِ سلوک کی بعض محترم شخصیتوں کی جانب سے بھی بعض دُشوار یوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت کے علمی مناظرات کو مولویت کا طعنہ دیا گیا۔ آپ کے استغناء کو غرور سے، اور استغراق کو بے نیازی سے تعبیر کیا گیا۔ لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ تمام غلط فہمیاں رفع ہو کر عداوتیں اور چشمکیں اخلاص و نیاز میں تبدیل ہو گئیں۔

دُرود شریف کبریتِ احمر میں جو اورادِ غوثیہ قادریہ کے محمولات میں سے ہے۔ اور خاندانِ حشت کے وظائف میں بھی شامل ہے۔ ایک جگہ **فَاعْشَوْ شَبَّ مِنْهُ الْقَفْرُ**، کسی طرح **فَاعْشَوْ شَبَّ** تحریر ہو گیا ہوا تھا۔ چنانچہ سیال شریف کے غرس پر حضرت نے اس غلطی کی طرف توجہ دلائی تو بعض حلقوں میں اعتراض کیا گیا کہ اب پیر صاحب گولڑہ شریف، اپنے مشائخ کے وظائف میں بھی علمی اصلاح کا زور شور دکھلانے لگے ہیں۔ مگر حضرت ثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایما پر تحقیق کی گئی تو حضرت کی تصحیح درست پائی گئی۔ جس کی وجہ سے وظائف کی کتابوں میں اس کے مطابق اصلاح کر دی گئی۔ لغاتِ عربی (منجد) کے مطابق **اعْشَوْ شَبَّ** سرسبز ہونے کے معنی میں آتا ہے جس سے اس عبارت کا مطلب ہوتا ہے کہ صحرا سبزہ زار بن گئے۔ اور **عَشْب** بعض کتب میں معنی ظلم ہے مفصل عبارت درج ذیل ہے :-

وَأَنْزَلَتْ مِنَ الْمُزْنِ بَدْعَوْتَهُ فِي عَامِ الْمَحَلِ
وَالْجَدْبِ وَابِلِ الْغَيْثِ وَالْمَطْرِ فَاَعْشَوْ شَبَّ
مِنْهُ الْقَفْرُ وَالصَّخْرُ وَالْوَعْدُ وَالسَّهْلُ وَالرَّمْلُ
وَالْحَجَرُ وَالْمَدَارُ۔

اور نازل فرمائی تو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے
قحط اور خشک سالی میں مُوسلا دھار بارش پس سرسبز ہوئی اُس
سے زمین سُوکھی اور پتھر ملی اور کڑی اور نرم اور رگستان
اور تھپہ اور اینٹیں۔

ایک مرتبہ سیال شریف کے غرس کے موقع پر بعض صاحبان نے اعتراض کیا کہ دوسروں کی طرح حضرت خود اُٹھ کر قوال کو
ویل کاروپہ کیوں نہیں دیتے۔ اُس وقت قوال یہ مصرعہ پڑھ رہا تھا۔ ع

من ذاتِ بحتِ مطلقتم من نستیم من نستیم

حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اس اعتراض کے متعلق اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ جب سالک ایسے مصرعہ میں مستغرق ہو تو
اُسے ویل دینے کا ہوش ہی کہاں ہوتا ہے۔ صوفی کلام کی طرف متوجہ ہو یا اُٹھ کر ویل دینے کی طرف۔ بعد میں فرمایا تم لوگ ایک ایسے
شخص پر اعتراضات کرتے ہو جس کے نزدیک زرخاں اور خزن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ روپے پیسے کی سنبھال اور دیکھ بھال
خدا م کے ذمہ ہے۔ وہی اُٹھ کر ویل دے دیتے ہیں۔

شمس الہدایت پر مولوی محمد ذاکر گبوی کا اعتراض اور رجوع

جب حضرت نے قادیانیت کے خلاف شمس الہدایت کتاب شائع فرمائی تو معلوم ہوا کہ مولوی محمد ذاکر گبوی نے اس پر کچھ اعتراضات کیے ہیں چنانچہ جب آپ عرس کے موقع پر سیال شریف حاضر ہوئے تو حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی محمد ذاکر سے فرمایا کہ پریشانیاں کے سامنے اپنے اعتراضات بیان کرو۔ اور جب حضرت نے مولوی صاحب کے تمام اعتراضات کا ثانی جواب دے دیا تو نہ صرف مولوی صاحب نے اپنے اعتراضات سے رجوع کر لیا۔ بلکہ جب اگست ۱۹ء میں حضرت مرزا قادیانی کے ساتھ مناظرہ کی غرض سے لاہور تشریف لے گئے تو مولوی صاحب آپ کے علمائے ہمبرکاب میں شامل تھے۔

جناب مولوی عبداللہ گڑھی افغاناں کا اعتراض و اصرار

اسی طرح جناب مولوی عبداللہ سجادہ نشین گڑھی افغاناں ضلع کیمبل پور نے بھی اس کتاب پر چند اعتراضات شائع کرائے۔ چونکہ ان کے عم بزرگوار جناب مولوی محمد فاضل، خواجہ خواجگان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے خلیفہ مجاز تھے۔ اس لیے اس نسبت سلسلہ و خاندان کی رعایت سے حضرت نے ان اعتراضات کے جوابات تحریر فرما کر بجائے شائع کرانے کے براہ راست مولوی صاحب کو بھجوا دیئے۔ مگر جب اس کے بعد بھی انہوں نے اپنی بعض مجالس میں ان اعتراضات پر اصرار کیا تو یہی خط جس میں حضرت نے جوابات تحریر فرمائے تھے، حضرت کے ایک مخلص جناب مولوی محمد چراغ چکوڑوی نے شائع کر دیا۔ ان اعتراضات و جوابات کی تفصیل حضرت کے مکتوبات "بہر حقیقت" میں موجود ہے۔

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی ملاقات کے لیے سفر

حضرت کے کسی معاصر نے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر کہا کہ میرا صاحب گولڑہ شریف دیوبند میں علم حاصل کر آئے ہیں۔ اور مولویوں کی طرح مرزا قادیانی سے الجھ پڑے ہیں۔ ورنہ صوفیوں کو مناظروں سے کیا واسطہ؟ نیز یہ کہا کہ دیوان صاحب اجمیری کے پیر بن کر اتر گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان باتوں کا ذکر تونسہ شریف کے عرس پر حضرت ثانی سیالوی سے فرما کر غالباً یہ بھی کہا کہ آپ کے شاہ صاحب (یعنی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ) یہاں کبھی نہیں آئے۔ حضرت ثانی نے سیال شریف کے عرس کے موقع پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے یہ سارے واقعات بیان فرما کر مشورہ کیا کہ کبھی تونسہ شریف بھی حاضری دے آئیں۔ کیونکہ حضرت خواجہ صاحب کی طبع پر کچھ بار معلوم ہوتا ہے جس کا رفع کرنا ضروری ہے۔ حضرت نے کہا میں یہیں سے چلا جاتا ہوں۔ جولائی کا مہینہ تھا اور مجوزہ سفر بھی نہایت گرم علاقہ کا تھا مگر اس کے باوجود آپ فوراً روانہ ہو گئے۔ حضرت ثانی نے ڈیرہ غازی خان میں اپنے ایک امداد مند افسر نواب ملک خدا بخش ٹوانہ کو تار دیا جنہوں نے استقبال کر کے آپ کو ایک دن اور رات مہمان رکھ کر وہاں سے آگے گھوڑوں اور ساندنیوں پر تونسہ شریف روانگی کا انتظام کر دیا۔ یہ سفر اس زمانہ میں کچھ غیر منظم سا تھا پہلی منزل صدر الدین کے محنت پر ہوئی۔ وہاں اگرچہ ڈاک بنگلہ تھا۔ مگر قرب و جوار میں کوئی آبادی نہ تھی۔ اور حضرت کے ہمبرکاب قریباً بیس اشخاص تھے۔ مولوی محبوب عالم نے عرض کیا کہ معلوم ہوتا ہے آج فاقہ رہے گا آپ نے فرمایا۔ اللہ کافی ہے۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دور کے ایک گاؤں کے کچھ لوگ پچا پچا پر تکلف کھانالے کر پہنچ گئے اور

حضرت کے قافلہ نے شکم سیر ہو کر پلاؤ زردہ وغیرہ کھایا معلوم ہوا کہ ایک راہرو نے گزرتے ہوئے گاؤں والوں کو اطلاع دی تھی کہ پیر صاحب گولڑہ شریف آئے ہوئے ہیں۔ گویا اُس زمانہ میں بھی حضرت کے نام نامی کی شہرت ان دُور دراز علاقوں تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس جگہ بھی لوگ کثرت سے بیعت ہوئے۔ اور آئندہ منسزلوں پر بھی۔ کیونکہ آپ کی آمد کی خبر آپ کے پہنچنے سے پہلے پہنچ جاتی رہی۔ اگلی رات سید شاہنواز کی دعوت پر اُن کے گاؤں میں قیام فرمایا اور اس طرح تیسرے چوتھے روز تونہ شریف جا پہنچے۔

ملاقات

تونہ شریف میں حضرت ثانی سیالوی اور نواب ملک خدابخش کے اطلاع نامے پہنچ چکے تھے مگر کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ آپ کے پہنچنے پر تحصیل کے قریب والی سرائے میں جہاں عام لوگ ٹھہرتے تھے، آپ کے قیام کا انتظام کیا گیا حضرت خواجہ اللہ بخش سے پہلی ملاقات سرسری طور پر نماز کے بعد ہوئی اور اُس میں رسمی سلام اور مزاج پُرسی کے علاوہ اور کوئی بات نہ ہوئی۔ اگلے روز مجلس میں ملاقات پر حضرت خواجہ صاحب نے دریافت فرمایا۔ "سائیں کیوں آئے دے؟ یعنی صاحب، کیسے آنا ہوا؟ آپ نے فرمایا۔ از خود نہیں آیا، بھیجا گیا ہوں۔ اور اپنے پیر زادہ کے ارشاد کی تعمیل کر رہا ہوں۔" خواجہ صاحب نے تعلیم کے متعلق سوال کیا کہ کیا کچھ پڑھا ہے اور کہاں سے پڑھا ہے؟ جب جواب دیتے ہوئے دورۂ حدیث کے ضمن میں حضرت نے اپنے اُستاد مولانا احمد علی سہارنپوری کا نام لیا تو خواجہ صاحب بولے۔ "وہ تو بہت بڑا وہابی تھا۔ حضرت نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت فرمائے وہ بہت بڑے حنفی تھے۔ البتہ صوفیائے کرام کی رسوم کے پابند نہ تھے۔ حضرت کے قادیانی مناظرات کے متعلق خواجہ صاحب نے اعتراض کیا تو حضرت نے فرمایا، میں اس امر میں معذور ہوں۔ کیونکہ جس طرح مرزائی دلائل دیتے ہیں۔ اگر کوئی اور صاحب علم اُن کی تردید کر سکے تو مجھے مناظرات کی کیا ضرورت ہے۔ بصورت دیگر میرا سکوت نامناسب ہے۔ اگر مسلمان ہی نہیں رہیں گے تو صوفیائے کرام تصوف کی تعلیم کسے دیں گے؟

پھر مولانا رحمت اللہ مہاجر کی اور دیوان غیاث الدین اجمیری کی بیعت کا ذکر آگیا۔ جب خواجہ صاحب نے مولانا رحمت اللہ کے ساتھ حضرت کی ندائے یار رسول اللہ پر گفتگو کی تفصیل سنی تو ازراہ انکسار فرمایا۔ شاہ صاحب، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ ہمارے ساتھ تو عرب شریف میں جب کبھی مزارات پر بوسہ اور سلام کی بحث کی نوبت آتی، تو ہم صرف یہ شعر پڑھ دیتے تھے۔

از خد جو نیم تو فبق آدب بے ادب محروم ماند از لطف ب

اس پہلی مجلس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت کا سامان سرائے سے دیوان خانہ میں منتقل کیا گیا اور کئی قسم کے مشروبات اور فواکھات مہیا کیے گئے۔ نیز حُضُور خاص آپ کی تواضع پر مقرر ہوئے۔ آپ نے پانچ روز تونہ شریف میں قیام فرمایا۔ اور ہر روز جناب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علم و عرفان کی صحبتیں رہیں۔

ایک مجلس میں حضرت غوث الاعظم کا قول شریف قد می ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ میرا یہ قسم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے، زیر بحث آگیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا۔ ہم تو اپنے پیرانِ عظام پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے۔ حضرت پیرانِ پیر کا یہ فرمان کچھ اس قسم کا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک لاڈلا بچہ بزرگوں کی مسند پر بیٹھنے کے لیے ضد کرے اور وہ پیار کی وجہ سے اُس کے لیے اپنی کرسی خالی کر دیں۔

جناب شیخ الجامعہ جنہوں نے اس ملاقات کی پوری تفصیل اپنے مسودات میں قلمبند کی ہے اس مقام پر لکھتے ہیں:-

یہاں حضرت کو قد سے جوش سا آگیا اور آپ کی رگ باشمی پچھک اٹھی۔ آپ نے فرمایا دیکھنا یہ ہے کہ آیا حضرت

غوث الاعظم کا یہ قول شطیحات کی قسم سے تھا جو عالم سکر میں اولیائے کرام سے صادر ہوتے ہیں۔ جیسے سلطان العارفين حضرت بازید بسطامی نے سُبْحَانِي مَا اَعْظَمَ شَانِي کہا تھا اور بعد میں ہوش آنے پر توبہ کر لی تھی۔ یا آنجناب نے یہ کلمات بقائمی ہوش و حواس ارشاد فرمائے اور ہمیشہ ان پر قائم رہے۔

پھر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فتوحات مکیہ، بہجت الاسرار، نفحات الانس اور عربی فارسی کی دیگر کئی معتبر کتب کے حوالہ جات سے اور حضرات شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مولانا عبد الرحمن جامی رحمہم اللہ کے کلمات نظم و نثر سے ثابت فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم اس فرمان کے لیے منجانب اللہ مامور تھے۔ اور یہ چیز جیسی متصور ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جملہ اولیاء اللہ پر آپ کی فضیلت واضح کرنا منظور و مطلوب ہو۔ اس فضیلت پر متقدمین و متاخرین ہر زمانہ میں متفق چلے آئے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیری نے حضرت غوث الاعظم کا یہ ارشاد گرامی سن کر کہا تھا۔ "بَلْ عَلِيٌّ رَأْسِي وَعَيْنِي" (بلکہ میرے سر اور آنکھوں پر) اور موجودہ دور میں حضرت شیخ احمد سرمدی اپنے مکتوبات شریف میں حضرت غوث الاعظم کے اس دائمی اور عالم گیر منصب کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر ولی اللہ کو آپ ہی کی وساطت سے نعمت ملتی ہے۔

حضرت نے اس ضمن میں ایک ولی اللہ کا واقعہ بھی بیان فرمایا، جنہوں نے گردن تو جھکا دی تھی مگر خیال گزرا کہ میں حضورِ خاص میں ہوں۔ اس کے باوجود شیخ عبد القادر کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس پر حضرت غوث الاعظم نے اس کے خیال سے مطلع ہو کر اسے کہلا بھیجا کہ میں حضورِ خاص الخاص اور مقام مخدع میں رہتا ہوں جہاں سے میں تمہیں دیکھتا ہوں لیکن تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ فلاں وقت پر بارگاہِ الہی سے تمہیں جو نعمت عطا ہوئی تھی۔ اور جس کی کیفیت سورہ فاتحہ پر مبنی تھی وہ میرے ہی ہاتھوں تم نے وصول کی تھی۔

اس سلسلہ پر ۳۳۱ھ میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے کتاب انوار قادریہ پر تقریظ تحریر فرما کر مفصل بحث کی تھی جس کی نقل باب اول کتاب ہذا میں آچکی ہے۔

حضرت شیخ الجامعہ نے حضرت خواجہ محمود تونسوی کی زبانی سید نجیب علی احمد لپوہی کے حوالہ سے روایت تحریر کی ہے کہ حضرت خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز فرمایا کہ غوث زمان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کا ارشاد ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے فرمایا ہے بر شیراں شرف دار دسگ در گاہ جیلانی "مگر میں کہتا ہوں کہ بر پیراں شرف دار دسگ در گاہ جیلانی" تونسہ شریف سے واپسی کے وقت حضرت خواجہ اللہ بخش نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی سواری کے لیے اپنا خاص گھوڑا عنایت فرمایا اور اعزاز و اکرام سے رخصت کیا۔ اس ملاقات کی کامیابی سے حضرت ثانی سیالوی اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے اراد مندوں اور خیر خواہوں کو بے حد مسرت ہوئی۔

تونسہ شریف کی ان کیفیتِ عجیبوں کے باعث، حضرت قبلہ عالم کے اجاب کرام میں ایک اور پیرزادہ صاحب کا اضافہ ہوا۔ جو حضرت خواجہ اللہ بخش کے منجملے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمود تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی جن کے صورتی، ذہنی اور روحانی محاسن نے دربار تونسوی میں ارشاد کی ایک الگ مسند بچھا دی اور ہدایت کا ایک اور چراغ روشن کیا۔ مکتوبات طببات یعنی مہرِ حقیقیہ میں حضرت کے ساتھ ان کی خط و کتابت کے متعلق دو دل افروز مرقعے نظر آتے ہیں۔

بارہویں فصل

حضرت کے مقررہ اور ہنگامی سفر

پاک پتن شریف کے سفر میں مقامات قیام

حضرت قبلہ عالم قدس برہ فرمایا کرتے تھے کہ سفر سے میری غرض ہمیشہ اعلا رکلمۃ اللہ یا اہل اللہ کی زیارت ہوا کرتی تھی۔ ان دو مقاصد کے علاوہ مجھے سفر پسند نہیں تھا۔ سال بھر میں آپ کے صرف دو سفر مقرر تھے جو بجز کسی خاص عذر کے نہایت باقاعدگی سے انجام پاتے تھے۔ ماہ محرم کے پہلے ہفتہ میں آپ اپنے صابری و نظامی حشتی سلاسل کے سرخیل، شیخ اکبر اور سید الطائفین حضرت بابا سردار الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک پر پاک پتن شریف جایا کرتے اور ماہ صفر کے چوتھے ہفتہ میں اپنے مرشد طریقت حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں بمقام سیال شریف ضلع شاہ پور سرگودھا شرکت فرمایا کرتے تھے۔

جب پاک پتن شریف کو جانے والی ریلوے لائن ابھی تیار نہیں ہوئی تھی تو ساہی وال منگمری تک ریل میں سفر کر کے آگے ٹانگوں میں جایا کرتے تھے مگر ریلوے لائن کے تیار ہو جانے کے بعد کبھی براستہ لاہور و قصور اور کبھی براستہ گندیاں مظفر گڑھ۔ ملتان و لودھراں تشریف لے جاتے۔

گندیاں کی طرف سے ریلوے سفر میں میاں شیخ احمد گورمانی سکنتھ ٹھٹھہ محبوب ضلع مظفر گڑھ، نواب عبداللہ خان سکنتھ خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، حاجی میاں امام بخش سکنتھ ملتان، میاں محمد بخش گھوٹہ اور حضرت سید محسن دوم صدر الدین شاہ گیسوانی سجادہ نشین حضرت موسیٰ پاک شہید رحمۃ اللہ علیہ (دربار پیران پیر ملتان) کی دعوت قبول فرمایا کرتے تھے۔ ریلوے اسٹیشن شاہ عالم پر بالعموم مولوی نور محمد اور تھل کے دیگر مخلصین کے استفادہ کے لیے ایک دن اور رات قیام فرماتے۔ جناب شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ میاں شیخ احمد گورمانی کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ کے لیے ضلع مظفر گڑھ کا قیام ترک ہو گیا تھا۔ مگر میاں محبوب علی اور میاں مشتاق احمد گورمانی کے پاک پتن شریف حاضر ہو کر استدعا کرنے پر آپ پھر وہاں تشریف لے گئے اور سبق میں سورۃ واللیل کی تفسیر فرما کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں ایسے استدلال قائم کیے کہ حاضرین میں سے جو افراسیہت کی طرف مائل تھے راہ راست پر آگئے۔ قصور کے استوائی پڑیاں کے نواب شہباز خان و فتح باز خان کی دعوت مقرر تھی اور لاہور کے مخلصین میاں محمد دین وغیرہ کے یہاں بھی ایک آدھ روز قیام فرماتے۔ ایک مرتبہ علاقہ پیر محل میں مشہور صوفی شاعر حضرت علی حیدر میاں کے مزار واقع موضع قاضی غالب پر تشریف لے گئے۔ کیونکہ ان کی اولاد میں سے بعض مخلصین نے حضرت دیوان سید محمد کے ذریعہ سفارش کرائی تھی اس وقت پر جناب سید قطب شاہ سکنتھ ملتانوالی نے بھی آپ کی دعوت کی تھی۔

سفر سیال شریف کے دوران مقاماتِ قیام

سیال شریف کے سفر میں عموماً بذریعہ ریل خوشاب پہنچ کر سردار بہادر خان بلوچ کے یہاں ایک رات قیام رہتا۔ اگلی صبح کشتی میں سوار ہو کر دریا کے راستے نواب میاں محمد حیات قریشی کے ہاں صابووال تشریف لے جاتے اور ۲۲ صفر کو سیال شریف پہنچتے۔ ۲۴ کو عرس کے گزرنے پر بالعموم میاں محمد خان لاہری کوٹ چوغٹھ میاں محمد و ان کے صاحبزادے نواب محمد حیات قریشی سکنا صابووال۔ رانا شہادت خان مانگووال سردار نبی بخش میکن چک ۸۹ شمالی۔ مہر عبدالرحمن و مہر جہانزادہ خان لک سکنا ڈیرہ سادہ لک چوہدری ولی داد و زیا بخش لک سکنا سکسیر۔ مہر صاحب داد خان، ولی داد خان، برخوردار خان بلوچ عاقل شاہ۔ سید علی حسین شاہ، سید محمد شاہ، مولوی فضل حق، میاں جلال قصاب (شاہ پور)۔ چوہدری راجے خان شاہ پور صدر۔ میاں سردار بخش نگیانہ کالووال اور ملک سر عمر حیات خان، نمنہ حیات خان ٹوانہ کالہ کے ہاں ایک ایک وقت یا دن رات قیام فرماتے ہوئے واپس تشریف لے جاتے۔ واپسی کے لیے اکثر بھلوال یا جببہ ٹیشن سے ریل گاڑی پر سوار ہوتے۔ بعض اوقات چکوڑی شریف ضلع گجرات، وزیر آباد، گوجران و غیرہ میں قیام فرما کر مخلصین اور مخلوق خدا کو مستفید فرماتے تھے۔ اس طرح اس سفر میں کبھی ایک ایک مہینہ تک گزر جاتا۔ سیال شریف سے واپسی پر عموماً راولپنڈی میں بھی کچھ قیام فرماتے اور عصر کے بعد ٹوپی رکھ جنگل کی طرف جایا کرتے۔ ۱۹۱۴ء میں اس سفر سے واپسی پر بھیرہ بھی تشریف لے گئے اور میراں سید محمد احمد رحمۃ اللہ کے مزار کی زیارت کی۔ مزار شریف پر قدموں کی طرف ہاتھ رکھا اور مجلس میں فرمایا کہ مجھے حضرت ثالث سیالوی (خواجہ ضیاء الدین) نے بتلایا ہے کہ حضرت میراں صاحب بھی وحدت الوجود کا مساک رکھتے تھے۔ اس سفر میں ایک مرتبہ علاقہ سون کوستان ملک میں بھی تشریف لے گئے وہاں بے شمار لوگ جمع ہوئے اور ایک قریبی موضع نلی کا مشہور مجذوب حضرت میاں بندی جو خود مرجع خلائق تھا اپنے گوشہ تنہائی سے نکل کر آپ کی پیشوائی کے لیے آگیا ایک بانس پر کپڑا باندھ کر بطور علم ہاتھ میں لے رکھا تھا اور حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کی سواری کے جلوس سے آگے آگے نعرے لگا رہا تھا کہ۔ "لوگو جہان داپیر آبانے" یعنی اے لوگو تمام عالم کا پیر آ رہا ہے۔

میاں بندی مجذوب کا آپ کے نام خط

سیال شریف کے قیام کے دوران ایک مرتبہ ایک شخص ان مجذوب حضرت میاں بندی کا ایک خط حضرت کی خدمت میں لایا۔ آپ نے کھول کر دیکھا تو کاغذ پر ایک کونڈے سے چند ٹیڑھی سیدھی لکیریں ڈالی ہوئی تھیں بعض خدام نے عرض کی کہ حضرت یہ تو لکیریں سی پڑی ہوئی ہیں۔ فرمایا اس تحریر کو پڑھنے کے لیے نوب عرفان کی ضرورت ہے۔ پھر خط لانے والے شخص سے فرمایا۔ تم لوگ فقروں کے پاس اس لیے جاتے ہو کہ کسی خوبصورت عورت کا خاندان مر جائے یا اسے طلاق ہو جائے اور تم اسے اپنی بیوی بنا لو۔ وہ رو پڑا اور کہنے لگا حضرت عشق نے دیوانہ کر رکھا ہے حضرت قبلہ عالم قدس برترہ نے اسے ایک تعویذ دیا اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اپنی طرف پھیر لیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ایک صاحب مزار کی خط و کتابت

یہاں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ پچھلی سے خالی نہ ہوگا۔ ان کے کسی طالب علم نے دہلی کے قریب

ایک میل پر جانے کی اجازت مانگی جو کسی غیر معروف بزرگ کے مزار پر لگتا تھا۔ آپ نے فرمایا وہاں لہو و لعب اور ناچ گانے کا سلسلہ رہتا ہے کیوں جاتے ہو۔ اُس نے اصرار کیا تو آپ نے ایک رقعہ لکھ دیا کہ اسے مزار پر رکھ دینا۔ اس طالب علم کو میل کی حدود سے باہر ہی ایک دخت کے نیچے ایک کبل پوش فقیر بیٹھا ہوا ملا جس نے کہا کہ لاؤ وہ کاغذ جو تمہارے مولوی صاحب نے بھیجا ہے چنانچہ وہ کاغذ لے کر اُس نے ایک ٹھیکری پر کونے سے کچھ نشان لگائے اور کہا فوراً واپس جاؤ اور یہ ٹھیکری اپنے مولوی صاحب کو دے دینا۔ چنانچہ اُس لڑکے پر ہیبت سی طاری ہو گئی اور وہ میل دیکھے بغیر ہی وہیں سے لوٹ آیا اور ٹھیکری حضرت شاہ صاحب کے پیش کی۔ شاہ صاحب ٹھیکری پر نظر ڈال کر سنس پڑے اور حاضرین کی دریافت پر فرمایا کہ ہم نے صاحب مزار کو لکھا تھا کہ بزرگ ہو کر اتنا تصرف نہیں رکھتے کہ لوگوں کو اُس بدعت سے روکیں جو وہ آپ کی قبر پر کر رہے ہیں۔ انہوں نے جواب میں لکھا ہے کہ آپ اپنے درس کے ایک شاگرد لڑکے کو نہیں روک سکے تو میں خدا کی اتنی مخلوق کو کیسے روک سکتا ہوں۔ اور میرا کیا ہے میں تو یہاں باہر نکل کر بیٹھا ہوں خالی قبر پر جو چاہیں کرتے رہیں۔

بعض ہنگامی سفر

ان مقررہ سفروں کے علاوہ، اس زمانہ ارشاد میں حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے کسی ہنگامی سفر بھی کیے۔ اپنے پیر زادوں اور بعض دیگر مشائخ کی اولاد اور بعض اوقات اپنے کسی خاص مخلص کی شادی غمی کی تقریب میں شرکت کے لیے بھی تشریف لے گئے۔

اسلامیہ کالج پشاور میں تعمیر مسجد کا اشارہ

اسلامیہ کالج پشاور کی تعمیر کے لیے چیف کمشنر نے چندہ کی اپیل کی، تو میاں عبدالرحیم نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ کالج میں طرز تعلیم انگریزی اور غیر اسلامی ہوگی۔ چندہ دینے سے دل گھبراتا ہے اور چیف کمشنر کو انکار کرنا بھی مشکل ہے آپ تو توجہ فرمائیں آپ نے دعا فرمائی اور لکھا کہ مطمئن رہو۔ جو کچھ پردہ غیب سے ظاہر ہوگا بہتر ہوگا۔ خط ملتے ہی سٹیٹی صاحب کے دل میں خیال گزرا کہ کیوں نہ کالج میں مسجد تعمیر کرانے کی پیش کش کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اُسے بخوشی قبول کر لیا گیا۔ چنانچہ سٹیٹی صاحبان نے کالج کی عالی شان مسجد تعمیر کروادی۔

پشاور میں حضرت اخوند درازندہ صاحب کے مزار پر

سٹیٹی کریم بخش بیان کرتے تھے کہ ایک بار آپ سفر پشاور کے دوران حضرت اخوند درازندہ صاحب کے مزار پر فاتحہ کے لیے تشریف لے گئے۔ قریب پہنچ کر بہت تیز قدموں سے چل کر مزار پر پہنچے۔ بعد میں میرے اصرار پر فرمایا کہ اخوند صاحب مزار سے نکل کر میری ملاقات کے لیے آ رہے تھے اس لیے میں نے احترام کی غرض سے پیش قدمی کی :-

ایک ایسا ہی واقعہ علاقہ سون میں حضرت کے ایک مخلص شاگرد مولوی بیال صاحب مرحوم کا ہے۔ جب اشنائے سفر آپ اُس کی قبر پر بغرض فاتحہ تشریف لے جانے لگے تو ایسا معلوم ہوا کہ آپ ہاتھ کے اشارے سے اُسے ہدایت کر رہے ہیں کہ اپنی جگہ پر رہے۔ بعد میں آپ نے بعض مخلصین کے اشارے پر فرمایا کہ اس کی نسبت اتنی قوی ہے کہ میں نہ روکتا تو باہر نکل کر ملاقات کرتا۔ اس قسم کے واقعات اُن لوگوں کے لیے جو عالم مثال اور حیات برزخی سے خبر رکھتے ہیں بعید از قیاس نہیں۔ حضرت شیخ

احمد رفاعی اور حضرت جلال الدین بخاری سے متعلقہ ایسے ہی واقعات قبل ازیں بیان ہو چکے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے کتاب التوحہ مصنف علامہ ابن قیم اور شرح الصدور مصنف علامہ سیوطی ملاحظہ ہوں۔

ایک بار آپ غالباً ۱۹۲۴ء میں پاک پتن شریف کے سفر کے دوران بہاول پور بھی تشریف لے گئے۔ نواب صاحب بہاول پور جن کو اس وقت تک بوجہ کم سنی سرکار انگلشیہ کی طرف سے اختیارات تفویض نہیں کیے گئے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نماز جمعہ آپ کے ساتھ پڑھی۔ قاری غلام محمد صاحب پشاوری نے خطبہ جمعہ پڑھایا۔ جس میں نواب صاحب کے لیے دعائے کلمات بھی پڑھے گئے۔ حیدرآباد دکن کے نواب ولی الدولہ جو بہاول پور میں مقیم تھے اسی موقعہ پر بیعت ہوئے اور بعد میں گولڑہ شریف بھی حاضر ہوئے۔

پیران کلیہ کے سفر کے حالات باب مناسبات میں منقول ہیں اور سفر بھوپال کے حالات باب سیر و سلوک میں بیان کیے گئے ہیں۔ ایک مرتبہ علی گڑھ بھی اپنے استاد مولانا لطف اللہ صاحب کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ جس کی تفصیل باب دوم میں گزر چکی ہے۔

تیرھویں فصل

تنظیم اوقات اور شمائل و خصائل

شیخ الجامعہ صاحب کی قلمی یادداشت سے اقتباس

حضرت کے اوقات مشاغل اور بعض شمائل و خصائل کی تفصیل جناب شیخ الجامعہ صاحب نے اپنی قلمی یادداشت میں اس طرح بیان کی ہے :-

اشغال :- ہمیشہ ذکر و شغل اور ارشاد مخلوق میں وقت صرف فرماتے تھے۔ فجر کی نماز کی سنتیں پڑھ کر حجرہ شریف سے مسجد میں تشریف لاتے مسجد میں امام کا انتظار فرماتے جب کبھی امام صاحب بوجہ بارش یا بیماری کے نہ آسکتے تو کسی دوسرے قابل امامت مخلص کو امام بنا لیتے۔ بعد ازیں نماز فرض آیتہ الکرسی اور سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ پڑھ کر دعا مانگا کرتے تھے۔ پھر ذکر جہر فرماتے اور تین چار بار کلمہ شریف پڑھ کر دوبارہ دعا فرماتے۔ پھر مکرر ذکر کلمہ شریف بالجہر فرما کر تیسری دفعہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اُس کے بعد عادت مبارک تھی کہ دس بجے تک اوراد و وظائف میں مشغول رہتے کبھی شغل مسجد میں ہی ادا ہوتا اور کبھی حجرہ شریف میں۔ اس شغل کے دوران کسی کے ساتھ کام نہیں فرماتے تھے۔ ویسے بھی آپ کا قدرتی رُعب ایسا تھا کہ کسی کو بے تکلف ہو کر گفتگو کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ صبح کے ان اوقات کے دوران خاص طور پر کوئی بغیر اجازت آپ کے نزدیک نہیں جاتا تھا۔ کیونکہ بعض وظائف کی نوعیت ایسی ہوتی تھی کہ پاس بٹھکنے والے کے مجنون ہونے کا اندیشہ ہوتا تھا۔

ارشاد و تلقین :- ساڑھے دس گیارہ بجے دن حجرہ سے باہر دیوان خانہ میں تشریف لاتے۔ اُس وقت ہر شخص کو اپنے عرض پیش کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ اس دوران ارشاد و تلقین کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور مخلصین سے سلسلہ عزم بھی تعویذ اور دم بھی جاری رہتے اور بعض اوقات اسباق کا شغل بھی شروع ہو جاتا۔ مثنوی شریف مولانا کے روم، فتوحات مکیہ مخصوص الحکم، بخاری شریف، شرح چمنی، مختلف کتابیں میں نے آپ کو اس مجلس میں پڑھاتے دیکھا ہے۔ بارہ یا ساڑھے بارہ بجے حجرہ میں تشریف لے جاتے۔ کھانا کھا کر قیلولہ فرماتے اور تقریباً ایک گھنٹہ آرام فرما کر اٹھا کرتے۔ ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کر کے اول وقت نماز ظہر کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ ظہر کے بعد حجرہ شریف میں جا کر ذکر الہی میں مشغول رہتے مگر اُس وقت اگر کوئی آدمی کچھ عرض کرنا چاہتا تو اُسے اجازت ہوتی تھی بلکہ بعض دفعہ مخصوص لوگوں کی مجتہد سی خاص مجلس بھی منعقد ہو جاتی تھی۔ پھر اسی وضو سے نماز عصر کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ نماز عصر کے بعد اپنے سامنے تمام شریف خواجگان چشتیہ و قادریہ پڑھواتے اور ایصال ثواب کے

لے راولپنڈی کے ایک نوجوان کے ساتھ ایسا ہی واقعہ ہوا۔ اُسے حضرت نے فرمایا تھا کہ وقت بے وقت دیکھ کر آیا کرو مگر وہ حضرت کا کرم دیکھ کر بے تکلف ہو گیا اور ایک رات حضرت کے قریب شغل کی حالت میں چلا گیا۔ آپ نے بچوں بچوں کر کے روکا مگر وہ نہ رکا۔ کہہ کے اندر قدم رکھتے ہی کسی تھلی کی زد میں آکر دیوار ہو گیا۔ پچھلے دو روز چپ چاپ روتا رہا کبھی اتنا کہتا کہ بھول بگئی۔ چہ زبان نہ ہو گئی۔ حضرت سے دعا اور دم کرتے رہے مگر فائدہ نہ ہوا۔

بعد مسجد سے نکل کر کبھی حجرہ میں چلے جاتے اور کبھی سرائے سے باہر اصطبل کے سامنے والے چبوترے پر جا کر گھوڑے پر سوار ہو کر باہر تین چار میل دور بستی میرابادیہ تشریف لے جاتے یا کبھی اُس سے بھی آگے۔ نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء باہر ہی ادا کرتے اور وہیں ذکر و شغل جاری رہتا۔ کافی رات گئے واپس آ کر کھانا تناول فرما کر سو جاتے۔ تہائی رات باقی رہے پھر سیدار ہو کر تہجد کی تیاری فرماتے اور وضو کے بعد سبز چائے نوش فرماتے۔

رمضان شریف کے اوقات :- رمضان شریف میں مغرب اور عشاء کی نماز اپنی مسجد میں ادا فرماتے اور عصر کے وقت سواری کا دستور ترک ہو جاتا۔ تراویح میں ہر روز صرف سو پارہ قرآن شریف سنا کرتے بمقتدیوں کی رعایت مد نظر ہوتی تھی نمازِ فجر کے بعد اپنے والدِ ماجد کے مزار پر بیٹھا کرتے اور وہیں واپس جانے والوں کو رخصت فرماتے۔ اسی طرح ظہر کی نماز کے بعد بھی وہیں پر نشست ہوتی۔

تبعین ذکر حسب استعداد فرماتے تھے بعض اشخاص کو بیعت کے بعد دس بار کلمہ شریف، دس دفعہ درود شریف اور دس دفعہ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ پڑھنے کی تلقین فرماتے اور بعض کو صرف پہلے دو امور کا ارشاد فرماتے تھے۔ تلقین نہایت نرمی اور آہستگی سے فرماتے۔ جب دس دفعہ کلمہ شریف کا امر فرماتے تو زبان سے کلمہ شریف لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ بھی پڑھتے تھے۔ درود شریف کا ارشاد ہوتا تو درود شریف پڑھتے اللهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ بعض لوگ عرض کرتے کہ سیدنا مُحَمَّدٌ پڑھیں یا نہیں؟ آپ فرماتے کہ مجھے یونہی ارشاد ہوا ہے جیسا میں نے بتایا بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے اور سیدنا کا بلا لازم ہے۔ یہ درحقیقت اُن کی ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ حضرت کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ سیدنا کہنا ممنوع ہے۔ آپ کی غرض یہ تھی کہ مجھے اپنے بزرگوں سے اسی طرح پہنچا ہے۔ یہ سئلہ مُسلم ہے کہ اوراد میں تغیر و تبدل نہیں کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے :-

”قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِذَا آتَيْتَ مَضْجِعَكَ فَتَوَضَّأْ وَضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قُلِ اللهُمَّ إِنِّي أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَفَوَضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَالْجَاثِ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ اللهُمَّ أَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ فَإِنْ مِتُّ مِنْ لَيْتِكَ فَأَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ - فَاَجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَكَلَّمُ بِهِ قَالَ فَرَدَّ دُئُهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَتْ اللهُمَّ أَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ قُلْتُ وَرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ قَالَ لَا وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ“

علامہ عینی حاشیہ بخاری میں فرماتے ہیں: ”إِنَّ الْفَاطَ الْأَذْكَارَ تَوَقَّيْفَتَهُ فِي تَعْيِينِ اللَّفْظِ وَتَقْدِيرِ الثَّوَابِ

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ مِنْ حَدِيثِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ“

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازب کو ایک عمل ارشاد فرمایا کہ جب اپنے بستر پر لیٹے لگو تو پہلے نماز کا وضو کرو۔ پھر دائیں کروٹ لیٹ کر یہ پڑھا کرو۔ اللهُمَّ أَسْلَمْتُ الخ صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے اس دعا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دہرایا جب میں بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ پر پہنچا تو کہا وَرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں۔ وَنَبِيِّكَ الَّذِي پڑھو۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ وظائف اور اوراد کے الفاظ تو قیغی ہوتے ہیں۔

جو لفظ رہنما بتائے اُسے بدلنا جائز نہیں۔ چونکہ دُرود شریف کی روایت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اُس میں سیدنا کا کلمہ وارد نہیں۔ اسی بنا پر حضرت سیدنا کا کلمہ نہیں پڑھاتے تھے اور یہ اتباعِ سنت تھا جو آپ کا اور حنا اور بھپونا تھا۔ اتباعِ سنت میں جو شغف حضرت کو تھا بہت کم لوگوں میں دیکھا گیا۔

جس شخص کو اہل پاتے کچھ دوسرے وظائف اور شغل بھی فرمادیتے۔ ایک دفعہ قاری صاحب حضرت سے بہت سے اُردا اور وظائف کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا اور رمضان المبارک کا مہینہ۔ میں نے اُردوئے مذاق کہا کہ قاری صاحب آپ نے اتنے سارے وظائف پڑھنے تو ہیں نہیں، کیوں اس گرمی میں حضرت کو تکلیف دے رہے ہو۔ آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: "تکلیف مجھے دے رہا ہے تمہیں تو نہیں دے رہا تم کیوں دخل در معقول دیتے ہو۔"

عادت مبارک تھی کہ باتیں بہت کم کرتے تھے مجلس میں بیٹھتے تو بھی ذکر میں مشغول رہتے۔ تلقین و تدریس کے دوران بھی ذکر جاری رہتا تھا۔ کسی نے کوئی عرض کرنا چاہی آپ نے اجازت فرمائی۔ وہ بیان کرتا رہتا آپ سنتے بھی رہتے اور تسبیح بھی چلتی رہتی۔ اُس نے عرض ختم کی۔ آپ نے جواب ارشاد فرمایا اور تسبیح پھر شروع ہو گئی خیر الکلام ماقبل و دل کا عجیب نمونہ تھا۔ میں آدھ آدھ گھنٹہ ایک بات عرض کرتا رہتا۔ آپ سن کر ایک دو لفظ فرمادیتے جو سب کا جواب ہوتا تھا۔

متعلقین سے وفاداری کا معاملہ

حضرت کی عادت مبارک تھی کہ اپنے متعلقین سے نہایت وفاداری کا معاملہ فرماتے تھے ہمیشہ انہیں نصیح اور خیر خواہی سے نوازتے۔ اُن کے حالات دریافت فرماتے۔ اُن پر اس قدر نوازش فرماتے کہ لوگ آپ کو محض پیری نہیں بلکہ اپنا ملجا و مادی اور سب سے زیادہ خیر خواہ سمجھتے تھے۔ ہر غم کی کشادگی، ہر درد کی دوا، ہر تکلیف کا مداوا حضرت کی ذات تھی۔

ایک دفعہ مجھے عرق البسار کی تکلیف ہوئی۔ یہاں تک کہ چار پانی سے اٹھنا دشوار ہو گیا۔ درد کی شدت کے باعث غشی طاری ہو جاتی تھی۔ کروٹ بدلنے کی ہمت بھی نہ تھی۔ اُنہی دنوں حضرت کو پاک پن تشریف لے جاتے ہوئے ٹھٹھہ محبوب میں قیام فرمانا تھا جہاں پر حضرت میری عادت مستمرہ تھی مگر تکلیف کی وجہ سے حاضری محال۔ طلبہ کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں وہاں حاضر ہوئی تو حضرت نے استفسار فرمایا: تمہارا مولوی کہاں ہے؟ انہوں نے میری حالت بیان کی۔ آپ نے اُسی وقت میاں شیخ احمد مرحوم کو فرمایا کہ ایسے سوت کی سات تانیں لاؤ جس کے کاتنے والی عورت کا باپ اور خسر دونوں زندہ ہوں۔ وہ منگوا کر اُن پر دم کر کے اور چند گانٹھیں لگا کر طلبہ کو دیں اور فرمایا کہ انہیں مولوی صاحب کے گلے میں باندھا جائے۔ اتفاقاً مجھے اُس شام نیند آگئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت گلاس اور بوتل ہاتھ میں لیے مجھے دوا پلا رہے ہیں۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ چند منٹ بعد پھر نیند آگئی۔ اور دوبارہ وہی حالت دیکھی۔ اس کے بعد میں نے محسوس کیا کہ درد جاتا رہا اور جسم میں ایک گونہ طاقت بھی آگئی ہے۔ فوراً حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کو تیار ہو گیا اور دوسرے روز صبح کے وقت سداواں ریلوے اسٹیشن پر حضرت کی قدمبوسی کے لیے کھڑا تھا حضرت تشریف لائے تو دُور ہی سے فرمایا: سنا ہے تم بیمار ہو گئے ہو۔ میں نے عرض کیا: آپ نے بے توجہی جو فرمائی تھی بیمار کیوں نہ ہوتا۔ فرمایا: کیا توجہ نہیں کی؟ میں نے عرض کیا: تو پھر کیا میں حاضر نہیں ہو گیا؟

معاندین سے حسن سلوک

مخلصین سے زیادہ معاندین کے ساتھ حسن سلوک کی عادت کر لی تھی۔ ایک دفعہ ایک صاحب حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے اور ایک روپیہ نذر رکھ کر مناسب مہتم پر بیٹھ گئے۔ جب نذر بردار نذر اٹھانے کے لیے آیا تو آپ نے خلاف عادت اُسے فرمایا کہ اس روپیہ کو پڑا رہنے دو جب تمام لوگ اپنی حاجات پیش کر کے چلے گئے تو اُن صاحب کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ کیسے آئے ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ فداں تحصیلدار جو آپ کا مخلص ہے اُس کی طرف سفارش نامہ لکھوانا ہے۔ آپ نے کاغذ قلم منگوا کر اپنے ہاتھ سے اُن تحصیلدار کی طرف خط لکھ کر انہیں دیا اور بدایت فرمائی کہ یہ خط انہیں گھر پر جا کر دیا جائے کچھری میں نہیں۔ جب وہ صاحب اُن ہونے لگے تو فرمایا یہ اپنا روپیہ بھی لیتے جائیں۔ انہوں نے بہت معذرت کی مگر آپ نے اُسے فرمایا چنانچہ وہ روپیہ لے کر چلے گئے۔ اُن کے چلے جانے کے بعد میں نے روپیہ کی واپسی کا سبب پوچھنے کی جرأت کی۔ فرمایا کہ یہ ہمیشہ مجھے بُرے الفاظ سے یاد کیا کرتا ہے اور معاند ہے۔ اب ضرورت کے وقت اُس نے یہ خیال کر کے روپیہ پیش کیا تھا کہ اس سے سفارش نامہ لکھوانے میں مدد ملے گی۔ میں نے اس لیے روپیہ واپس کر دیا اور سفارش نامہ بھی خود لکھ کر دیا۔

سخاوت بہت پوشیدہ طور پر کرتے۔ ایک دن عصر کی نماز کے بعد مسجد میں تشریف فرما تھے۔ بٹنے والے رخصت ہو کر چلے گئے میں اکیلا پاس بیٹھا تھا۔ مجھے قریب بلا کر ایک کاغذ کی تھیلی سی دی کہ اُس شخص کو دے دو جو لنگر کے دروازہ پر کھڑا ہے۔ میں جا کر دے آیا۔ میں اُسے پہچانتا نہیں تھا مگر کوئی سفید پوش حاجت مند معلوم ہوتا تھا۔

دُنیا سے بے توجہی

دُنیا کی طرف سے بے توجہی حضرت کی ذات مبارک کا خاصہ تھا۔ مسجد میں حضرت اجمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مختلف اوقات میں بیٹھا کرتے۔ زائرین کی طرف سے نذرانہ اور ہدایا کا سلسلہ بارش کی طرح جاری رہتا۔ لیکن جب آپ اٹھ کر تشریف لے جاتے تو اُدھر اکٹھا کر بھی نہ دیکھتے اور میاں محمد صاحب یا کوئی دوسرا بزرگ اُن نذرانوں کو اٹھا کر غلام محمد صاحب لانگری کو دے آتا۔ اسی طرح سفر میں بعض اسٹیشنوں پر گاڑی رکنے کے دوران یہی کیفیت ہوتی تھی آپ کی طرف سے کوئی حساب یا نگہداشت ان چیزوں کی نہیں ہوتی تھی جو کچھ اکٹھا ہوتا لانگری اپنے پاس رکھتا اور لنگر وغیرہ پر خرچ کرتا رہتا۔

دوستی اور دشمنی کے متعلق نظریہ

جناب شیخ الجامعہ صاحب نے اپنے قلمی مسودات میں حضرت کی ذات اور خاندان کے ساتھ غلط فہمی یا حسد کی بنا پر لوگوں کی مخالفت اور پر خاش کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ بتانا ہے کہ دوستی اور دشمنی کے متعلق اس گھرانے کا نظریہ کچھ مختلف ہے۔ ان کی نظروں میں اصل دشمن انسان کا اپنا نفس ہے اور اصل دوست اللہ تعالیٰ کی ذات۔ یہ اپنا وقت نفس پر فتح حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے کی کوشش میں صرف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک دوست اور دشمن ہمارا دوست ہیں۔

حضرت بابو جی مدظلہ اس بارہ میں اپنے والد کریم کے ارشادات کی وضاحت میں فرمایا کرتے ہیں کہ جنہیں تم لوگ ہمارا دشمن

سمجھتے ہو وہ ہمارے لیے فائدہ کا موجب بنتے ہیں۔ تمہاری قصیدہ گوئی اور مبالغہ آمیز تعریف ہمیں فتنہ میں مبتلا کرتی ہے۔ اُس کے برعکس دشمن ہمارے نقائص اور عیب گنواتا ہے۔ اگر درست ہوں تو ہم اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر غلط ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ دشمنوں کی ایذا رسانی پر ہم صبر کرتے ہیں اور اجر پاتے ہیں۔ باوجود اُن کی مخالفت کے ہم انہیں اپنے خدا کی مخلوق سمجھ کر اپنی دعاؤں میں شامل رکھتے ہیں اور اس طرح بھی عند اللہ ماجور ہوتے ہیں۔

حضرت مائی صاحبہ کی برکات کے خصوصی اثرات

حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے ایک مرتبہ اپنی اہلیہ محترمہ کے اوصاف حمیدہ کا اظہار فرماتے ہوئے اعتراف فرمایا تھا کہ مجھے علم و فقر میں جو کچھ حاصل ہوا ہے اُس کے اسباب میں اس خاتون کے صبر و قناعت اور خدا پرستی کا بڑا حصہ ہے۔ اس نے مجھے طلب مولیٰ کی راہ میں آزاد چھوڑ دیا اور کبھی اپنے مطالبات سے میرے راہ میں حائل نہیں ہوئی۔ حضرت کے وسیع حلقہ ارادت کی مستورات میں حضرت مائی صاحبہ کی بے نفسی، خدا پرستی اور قبولیتِ دعا کے تذکرے آج تک زبان زدِ خلق ہیں۔ وہ قبلہ عالم قدس برہ کے وصال کے بعد تھوڑے عرصہ تک ہی زندہ رہیں مگر اُن کی تربیت کا اثر اس گھرانے میں ابھی تک جاری و ساری ہے۔

حضرت کی خوراک

شیخ الجامعہ صاحب لکھتے ہیں:-

"عادت مبارک تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد ایک دو لقمے تناول فرما کر وضو کر کے بظاہر سو جاتے تھے۔ مگر دراصل جاگتے رہتے اور پاس انفاس میں رات گزار دیتے۔ میں نے ایک رات آپ کے گھوٹ کے قیام کے دوران دیکھا کہ عشاء کی نماز ادا کر کے وضو فرما کر بظاہر سو گئے۔ میں تمام رات دروازہ پر بیٹھا رہا۔ آخر شب قریباً چار بجے آپ نے اٹھ کر اسی وضو سے نماز تہجد پڑھی۔ اور اکثر یہی معمول تھا۔ باوجود کم خوری کے جسمانی قوت اس قدر تھی کہ باید و شاید۔ ایک روز ایک پہلوان خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں کشتی لڑنے جا رہا ہوں۔ میرے لیے فتح کی دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ ذرا میرے پاؤں دالو کہ تمہاری طاقت کا اندازہ کروں۔ اُس نے پاؤں دابنے شروع کیے۔ سردی کا موسم تھا مگر دو منٹ بعد ہی اُس کا پسینہ بہنا شروع ہو گیا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا۔ تم تو شاید بہت زور لگا رہے ہو مگر مجھے محسوس بھی نہیں ہو رہا کہ میرے پاؤں دالے جا رہے ہیں۔ قلتِ خوراک کے باوجود اپنی طاقت اور برداشت محض التفاتِ خداوندی سے تھی۔"

آخر عمر میں جب آپ صاحب فرماش ہو گئے تو فرمایا کرتے تھے کہ چھتیس سال سے میں نے غذا زیادہ تر ترک کر رکھی ہے۔ میری مجموعی خوراک غالباً دو تین چھٹانک فی ہفتہ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اب معدہ کو جسم کی عادت نہیں رہی جو چیز معدہ میں جاتی ہے وہیں رکھی رہتی ہے۔

اس کے باوجود جسم مبارک اتنا مضبوط تھا کہ ذوالکا معلوم ہوتا تھا۔ پاؤں دابنے کے وقت اگر اُٹھتا تھا ہاتھ جسم مبارک پر پڑ جاتا تو ایسے معلوم ہوتا کہ لوسے یا پتھر پڑ پڑا ہے۔ دابنے سے جسم مبارک دبتا نہیں تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُبھرتا ہے۔"

استادزادوں کا احترام

اساتذہ اور ان کی اولاد کے احترام کے متعلق شیخ الجامعہ صاحب لکھتے ہیں :-

میں نے اکثر دیکھا ہے کہ جہاں جہاں حضرت نے تعلیم پائی وہاں کے تمام باشندوں کا آپ بے حد احترام فرماتے تھے۔ استادزادگان کے احترام کی تو حد ہی نہ تھی۔ موضع بھونئی کے مولوی صاحبان کے ساتھ حضرت کا سلوک ضرب المثل تھا۔ ان کے استاد حافظ سلطان محمود صاحب کے صاحبزادے مولوی شمس الدین صاحب کو آپ خود بخاری شریف پڑھایا کرتے اور جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی تعزیت کے لیے ان کے تشریف لے جا کر وہاں اپنے خرچ سے وسیع پیمانے پر طعام پکوا کر تقسیم فرمایا۔ اس کے بعد مدت العمر تمام گنبدے کی خبر گیری فرماتے رہے۔ ان کے کا کوئی آدمی ملنے آتا تو اس کا خاص خیال فرماتے۔ بلکہ وادی سون کا تمام علاقہ حافظ سلطان محمود صاحب کی وجہ سے حضرت کے نزدیک قابل احترام ہو گیا تھا۔

حضرت کا حلیہ مبارک

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا حلیہ مبارک اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

رنگ گندم گوں۔ پیشانی بلند اور چمک دار۔ آنکھیں سنمورا اور رعب آفرین۔ ناک ستواں، ابرو گھنے اور کماندار، لب متوسط، دہن سداخ، دندان روشن اور جدا جدا، ریش گھنی اور تابہ سینہ، گیسو گھنگھریا لے اور کانوں تک دراز، سینہ کشادہ، بطن خمیدہ، رخسار کم گوشت، انگشت طائم اور باریک، کف دست کشادہ، قدم مبارک میاں مگر مجلس میں بیٹھے ہوئے بلند و بالا معلوم ہوتے تھے۔ قدم شریف نرم اور نازک، جسم گنجا ہوا اور متوسط۔

حضرت کے فوٹو بھی ملتے ہیں جو عقیدت مند اور عشاق حضرت آپ کی عمر کے مختلف ادوار میں لیتے رہے۔ ان میں سے ایک حضرت خواجہ محمد دین صاحب (حضرت ثانی) سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں سیال شریف کے عرس کے موقع پر لیا گیا اور دوسرا آپ کے زمانہ استغراق کا ہے۔ اول الذکر فوٹو میں حضرت ثانی صاحب سیالوی اور دوسرا شریف کے کئی خلفائے کرام بھی موجود ہیں۔ حضرت خود تصویر کشتی کو پسند نہیں فرماتے تھے اور شدت سے روکتے تھے۔ چنانچہ یہ چند تصاویر بھی آپ کی اجازت یا علم کے بغیر ہی لی گئیں۔

حضرت کا لباس

آپ کو سفید لباس پسند تھا جس کی لطافت اور لطافت قابل دید ہوتی تھی۔ لمٹے کی شلوار، موسم کے لحاظ سے خاصہ یا ملل کا کھلی آستینوں والا کرتہ اور سفید مل کی مٹی مایہ لگی ہوئی کپڑی پہنتے تھے۔ دستار مبارک بخاری قسم کی نوکدار کلاہ پر بندھی ہوتی تھی۔ کرتے کے اوپر واسٹ اور لمبا کھلے کارو والا فراک کوٹ یا چنچہ ہوتا تھا بعض اوقات دھوپ میں کپڑی اور دوش مبارک پر لنگی یا چادر ڈال لیتے تھے۔ پاؤں میں گھسی فونڈ کی نفیس اور نعنن طلا دار پاپوش استعمال فرماتے تھے۔ ہاتھ میں ہمیشہ تسبیح رہتی تھی گھوٹے کی سواری کے وقت بھی چھڑی کی ضرورت محسوس نہیں فرماتے تھے۔ شہر ہریسے شہر گیٹور ابھی حضرت کے قریب آتے ہی رام ہو جاتا۔

سوار ہونے سے پہلے آپؐ اپنی تسبیح ویسی زین کے اٹھے ہوئے بہتے سے لپیٹ دیتے اور پھر سوار ہوتے۔ گھوڑائیوں سر مچکا کر کھڑا رہتا جیسے ”سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقَدِّرِينَ“ کے معنی سمجھتا ہے۔

حضرتؐ کے لباس اور استعمال کی تمام دوسری چیزیں مثلاً تسبیح، بنگلی اور سواک وغیرہ آپؐ کے حجرہ مبارک میں بطور تبرک شیشہ دار الماریوں اور میزوں میں رکھی ہیں۔ آپؐ کا بستر اپنے اصلی مقام پر اسی طرح لگا ہے اور چھپر کھٹ اور مچھردانی تنی ہوئی ہے آپؐ کے عرس اور عیدین کے موقع پر ارادت مندان تبرکات کی زیارت بڑے شوق اور عقیدت سے کرتے ہیں اور آپؐ کے تم عرس کی آنکھوں کے سامنے وہی پُرانا نقشہ پھر جاتا ہے۔ اس کمرہ کے برابر والے مجلس خانہ میں لائبریری ہے جس میں ہر فن کی کافی کتب ہیں موجود ہیں۔

آواز و گفتار

آواز مبارک شیریں، پُر سوز اور باوقار تھی۔ یوں متانت سے گفتگو فرماتے کہ ایک ایک لفظ گنا جاسکے اور یاد رہ جائے۔ اکثر لوگ اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ حضرتؐ نے انہیں کافی طویل اوراد اور وظائف تلقین فرمائے جو ایک ہی بار سن لینے سے دماغ میں نقش ہو گئے۔ اور پھر کبھی فراموش نہیں ہوئے۔ یہ چیز حضرتؐ کی کرامات سے شمار ہوتی تھی۔

چال اور رفتار

رفتار اور چال ڈھال میں اہل علم کو وقار اور سلامت رومی نظر آتی تھی اور اہل دل کو ایک بانگین اور محبوبیت۔ جب آپؐ کسی گروہ یا جمعیت میں تشریف لاتے تو تمام فضا میں عقیدت اور محبت کی خوشبو پھیل جاتی اور دیکھنے والوں میں مسرت کی ایک لہر دوڑ جاتی۔ اکثر لوگ دست بوسی کے لیے جُوم کر کے آجاتے اور بعض لوگ دُور کھڑے ہی قربان۔ قربان کہہ کر اپنی پیاس بجھالیتے جُوم کو روکنے کے لیے خُدام کو ایک دُوسرے کے ہاتھ پکڑ کر حضرتؐ کے گرد حلقہ بنا پڑتا۔ کسی اشخاص صرف حضرتؐ کے لباس کو چھو کر ہی اپنے ہاتھ جُوم لیتے۔ پشاور کے ایک جوان الطاف انہی رنگین نے ایک روز حضرتؐ کو گھوڑے پر سوار اتر دھام خلع میں گھرے ہوئے دیکھ کر یہ شعر پڑھا تھا

تم شہسوارِ حسن ہو لگ جائے گی نظر گھوڑے سے اترو آنکھ بچا کر رکاب کی
حضرتؐ کی شان میں اسی شاعر کا کہا ہوا ایک اور مصرعہ ہے :- جان الطافِ الہی صدقہ جانِ شام

حضرتؐ کی اسپ سواری

آپؐ اطباء کے مشورہ پر بعد نماز عصر اسپ سواری کی غرض سے نکلا کرتے تھے اور دیہات ”میرا بادیا“ اور میرا کوٹ بلکہ بعض اوقات قصبہ راولپنڈی اور رکھو ٹوپی کے مضافات سے ہو کر عشاء کے بعد واپس تشریف لایا کرتے۔ ایک مخلص سید صدیق شاہ نے آپؐ کی حفاظت کے خیال سے عرض کی کہ ایک خادم کو ہمراہ رکھا کریں اور اپنی اس اسعد عا کو تقویت دینے کے خیال سے فرمانِ خُداوندی خُذُوا حِذْرَكُمْ یعنی اپنی حفاظت کا سامان کر لیا کرو۔ کا حوالہ بھی دیا حضرتؐ نے فرمایا، شاه صاحب، وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ، اللہ تعالیٰ آپؐ کو انسانوں سے محفوظ رکھے گا بھی تو اسی ذات

عالی کا ارشاد ہے۔ شاہ صاحب نے عرض کی، حضرت یہاں لفظ لَعِصْمَتِکَ میں حرف کاف صیغہ واحد حاضر ہونے کی وجہ سے صرف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی شان میں وارد ہو کر محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی حفاظت کی ضمانت کا اظہار کر رہا ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا، شاہ صاحب، ہم بھی تو اسی کاف کی اوٹ میں ہیں۔ گویا جناب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے بحیثیت محبوبی پناہ بے کساں ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے معتمد فانی الرسول کی طرف بھی ایک لطیف پیرا میں اشارہ فرمایا۔

ایک مخلص کے دلی خطرہ کا از خود جواب

یہی سید صدیق شاہ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنے گاؤں سے گولڑہ شریف آ رہا تھا جب چکوال پہنچا تو کسی کی زبانی سنا کہ حضرت نے ایک گھوڑی خرید فرمائی ہے۔ میرے دل میں وقتی طور پر خیال گزرا کہ میرے شیخ تو ولی کامل ہیں انہیں ان دنیا داریوں سے کیا غرض۔ جب حاضر خدمت ہوا تو خود بخود فرمانے لگے۔ شاہ صاحب مجھے اظہار نے مجبور کیا ہے کہ گھوڑے کی سواری کا التزام کیا جائے۔ اس ضرورت کے پیش نظر میں نے گھوڑی خرید کی ہے۔ چنانچہ میں اپنا وہ دلی خیال یاد کر کے بے حد نام ہوا۔

اس کے بعد حضرت کے اصطبل میں بہترین گھوڑے آتے رہے۔ آپ کی شاہ سواری کا بھی اپنے والد محترم حضرت اجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح یہ عالم تھا کہ سرکش سے سرکش جانور بھی رام ہو جاتے تھے۔ ایک بار ملک احمد خان ٹوانہ نے ایک شیش قیمت گھوڑی جو ان سستے ایام میں بھی مبلغ چار ہزار روپے میں آئی تھی، آپ کی نذر کی۔ آپ سیال شریف سے رخصت ہو رہے تھے کہ یہ گھوڑی آپ کے سامنے لائی گئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ آپ نے سوار ہو کر چھتری مانگی۔ ملک صاحب نے عرض کی کہ حضرت، گھوڑی نئی ہے چھتری کو برداشت نہیں کرے گی اور ڈسے گی۔ آپ نے فرمایا، چھتری بند کر کے مجھے لے دو۔ پھر آپ نے چھتری کھول کر گھوڑی کو دوڑایا اور موضع مانگو وال تک دوڑاتے آئے۔ گھوڑی نے بدکنے کا نام بھی نہ لیا۔ بلکہ بعد میں سن کر شریف کا کوئی بھی خادم اس پر باسانی سواری کر لیتا تھا۔

حضور نام گھوڑے کا اظہار ادب

حضرت کی سواری کے ایک گھوڑے کا نام حضوری مشہور ہو گیا تھا جب تک آپ اس پر وظائف پڑھتے رہتے یہ آہستہ خرام رہتا مگر جب آپ فارغ ہو جاتے تو یک لخت تیز رفتار ہو جاتا۔ ایک روز سواری کے دوران آپ کی لنگی نیچے گر گئی گھوڑا اگر آگے قدم رکھتا تو اس پر پڑتا۔ اس لیے گھوڑا ایک دم رُک گیا اور ہانکنے پر بھی نہ چلا۔ حضرت نے خادم سے فرمایا کہ دیکھو گھوڑا کیوں رُک گیا ہے۔ اُس نے دیکھا تو آپ کی لنگی نیچے گری پڑی تھی اور گھوڑے نے برپاس ادب اپنا وہ پاؤں جو اُس پر پڑنے والا تھا اٹھا رکھا تھا۔ سبحان اللہ! مَنْ لَهٗ السُّوَالِيُّ فَلَهُ الْكُلُّ (جس کا خدا ہے، اُس کا سب کچھ ہے)

پاک پن شریف میں ایک گھوڑے کی سرکشی

حضرت دیوان سید محمد تجادہ نشین پاک پن شریف نے جو حضرت قبلہ عالم قدس سرف سے بے حد عقیدت و محبت

رکھتے تھے، حضرت کی سواری کے لیے ایک گھوڑا مختص کر رکھا تھا جس پر تمام سال کوئی شخص سوار نہ ہوتا۔ اور فقط آپ ہی حضرت بابا صاحب کے عرس شریف کے دوران اُس پر سواری فرماتے تھے۔ سال بھر زین نہ ڈالنے کی وجہ سے گھوڑا سرکش ہو جاتا۔ اس لیے احتیاطاً حضرت کی تشریف آوری سے کچھ روز قبل دیوان صاحب اپنے بھائی جناب میاں غلام رسول سے فرماتے کہ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ حضرت اس کی سواری میں کوئی تکلیف محسوس نہیں فرمائیں گے۔ تاہم بہتر ہے کہ آپ اسے کچھ رواں کر لیں۔ ایک مرتبہ حضرت اس گھوڑے پر سوار تھے کہ موتی محل کے قریب کچھ ایسے انداز میں کودا کہ زین کا تنگ نیچے سے ٹوٹ گیا اور آپ زین سمیت اُوپر کو اُچھلے۔ لوگوں میں شور مچ گیا کہ آپ گر گئے اور ایک شخص دوڑتا ہوا دیوان صاحب کی خدمت میں اطلاع کے لیے پہنچا لیکن دیوان صاحب فرمانے لگے تم غلط کہتے ہو، حضرت نہیں گر سکتے اتنے میں آپ بھی تشریف لے آئے اور دیوان صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا، یہ غلط نہیں کہتے ہیں واقعی زین سمیت گھوڑے سے کافی اُوپر اُٹھ گیا تھا لیکن پھر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعد زین گھوڑے کی پشت پر آکر مستقر ہو گیا۔ دیوان صاحب عموماً سال میں ایک دو اچھے گھوڑے آسانہ عالیہ گولڑہ شریف بھجوا دیا کرتے تھے۔ چونکہ اُن ایام میں موٹر کاریں ابھی عام نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے اصطبل میں اچھی قسم کے نرم مادہ گھوڑوں کی کثرت تھی۔ مگر کبھی کسی جانور کے دوسرے کے ساتھ لڑنے کی نوبت نہ آتی اور نہ کسی قسم کا شور و شغب ہوا۔ اکثر لوگ یہ صورت حال دیکھ کر حیران ہوتے تھے اور اسے صرف آسانہ عالیہ کی خصوصیت قرار دیتے تھے۔

ڈھیری شاہان کی بارات کا واقعہ

جناب شیخ الجامعہ نے اپنے مسودات میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ گولڑہ شریف سے ایک بارات موضع ڈھیری شاہان گئی۔ وہاں کے رواج کے مطابق نیزہ بازی کا مظاہرہ کیا گیا۔ لڑکی والوں نے شرط عائد کی کہ جب تک گولڑہ شریف کے سوار میخ اکھاڑ کر باہر نہیں پھینکیں گے اُس وقت تک نکاح نہیں ہوگا۔ تین روز تک نیزہ بازی ہوتی رہی۔ مگر گولڑہ شریف و اُس کے مضافات کا کوئی سوار میخ اکھاڑ کر باہر نہ پھینک سکا۔ آخر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے عرض کیا کہ اب آپ ہی اس مشکل کو حل فرمائیں۔ چنانچہ حضرت اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں تشریف لے گئے۔ پہلے جا کر میخ کا بغور معائنہ فرمایا اور پھر نیزہ ہاتھ میں لے کر گھوڑا دوڑایا اور میخ کو اکھاڑ کر باہر پھینک دیا۔ لوگ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ میخ کے ساتھ عام گھوڑا اپنے والی چکی کا ایک پتھر پلاپٹ بھی نکل کر باہر آ گیا۔ جس کے سوراخ میں میخ کو پھنسیا گیا تھا۔

معنوی جمالیات کے علاوہ صوری محاسن پر نظر

حضرت کی نگاہ لطف اور شفقت بھری مٹی مسکراہٹ میں ایک عجیب کیفیت اور انداز تھا۔ جسے محسوس تو کیا جاسکتا تھا مگر بیان کرنا ناممکن تھا۔ آپ کی پہلی نظر میں شکار ہونے والے آج بھی سینکڑوں باقی ہیں۔ حجرہ شریف کا نام ہی عشق آباد پڑ گیا تھا جو ابتداً دیوان صاحب پاک پتن نے تجویز فرمایا تھا۔

سلسلہ چشت اہل بہشت کے جملہ بزرگان کرام بمعنوی جمالیات کے ساتھ حُسن ظاہری سے بھی مالا مال ہوتے تھے۔ اور اُن کے باہمی تعلق اور نسبت میں نظر پاکباز کا بھی ایک غالب عنصر شامل ہوتا تھا جو حضرت کی ذات جسے ازل سے اس سلسلہ قدس کی سرداری محنت تدر ہوئی تھی اپنے شیخ پر عاشق ہو کر مُرد ہوتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ابتدا میں جب کسی کامل شیخ طریقت

کی تلاش تھی تو دل چاہتا تھا کہ کوئی ایسا شخص ملے جو معنوی حُسنِ کمال کے ساتھ ظاہرہ خوبی اور جمال سے بھی مالا مال ہو چنانچہ سیال شریف میں جب اپنے اُستاد مولوی سلطان محمود صاحب کے ہمراہ حاضری کا اتفاق ہوا تو حضرت خواجہ صاحب پر نظر پڑتے ہی دل فریفتہ ہو گیا۔ درحقیقت یہ نسبت اُس صفتِ خداوندی کا کرشمہ ہے جس کے متعلق حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ "اللَّهُ جَمِيلٌ وَ يُحِبُّ الْجَمَالَ" حضرت صدیق اکبر سے سوال ہوا تھا کہ آپ کو دُنیا میں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے۔ تو فرمایا "النَّظْرُ إِلَى وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)"

یہ خط یہ رُخ یہ جبین لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	نبی کا مصحفِ پُر نور ہے کلام اللہ
تو دوسرا بھی ہے وَالْفَجْرُ سے جمال اللہ	جو ایک عارضِ نور ہے وَالضُّحَىٰ تنویر
ادھر کی طُستہ وَاللَّيْلُ ہے کلام اللہ	ادھر کی زُلفِ مُعْتَبِر ہے سُورَتِ حَم
جبین پاک ہے وَالشَّمْسُ خوش جمال اللہ	حضور! عارضِ نور کا خال ہے وَالنَّجْم
یہ دل کلیم تو دل کی زباں کلام اللہ	یہ بسم نور ہے واللہ اور مُطلق نور
الف کو جیسے چھپائے ہوئے ہے بسم اللہ	اسی طرح سے چھپائے ہوئے ہے دل حق کو

ادب سے درد کی جانب سے اے صبا کہ دے
ببارگاہِ رسولِ کریم صَلَّ اللَّهُ

درد کا کوروی

باب ششم

وصال اولاد و احفاد اور متوسلین

پہلی فصل

بیماری اور ضعف

خواب و خور سے بے نیازی

یہ حقیقت ہے کہ کم خوردن، کم نختن و کم گفتن ابتداء ہی سے حضرت کے معمولات سے رہے۔ دائمی ذکر اور پاسِ انفاس کے شغل نے آپ کو خواب و خور سے بے نیاز کر دیا تھا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ طالبِ علی کے زمانہ میں بھی کئی دنوں تک کچھ نہ کھاتا تھا۔ لیکن بھوک کی چنداں تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔ غالباً اسی وجہ سے آخر عمر میں معدہ نے کام کرنا چھوڑ دیا اور بکلی شروع ہو گئی تھی۔ یہ بے چین کر دینے والا مرض کبھی کبھی دورہ کرتا اور بعض اوقات ہفتوں بچھا نہ چھوڑتا۔

ارادت مندوں کے دکھ درد کا احساس

بایں سبدا کثر بہتر سال کی عمر تک حضرت کی صحت خاصی اچھی رہی۔ مگر ۲۹-۱۹۲۸ء سے ضعف کے آثار بڑھنے لگے۔ اس کا باعث محض بیماری ہی نہ تھی۔ کثرتِ مشاغل اور لوگوں کے دکھ درد کے روز افزوں احساس کو بھی اس میں کافی دخل تھا۔ گولڑہ جکشن پر کوئی گاڑی ایسی نہیں آتی تھی جس میں دس پندرہ زائرین دُور دراز سے نہ پہنچتے ہوں۔ اور نواحی علاقہ جات سے تو تانگوں، سائیکلوں اور موٹر کاروں سے آنے والے ارادت مندوں کا تانا باندا ہوتا تھا۔ ہر شخص کچھ اُمید لے کر حاضر ہوتا اور پوری توجہ حاصل کر کے واپس جاتا۔ کوئی غم دنیا پیش کر رہا ہے تو کوئی فکر عُقبے۔ اس سے کہیں زیادہ تعداد میں دکھ بھرے خطوط روزانہ موصول ہوتے جو مین و عن پیش کر دیئے جاتے۔ وحدت الوجود کے مسلک کے باعث مخلوق کے مصائب ذاتی مصائب بن کر رہ گئے تھے۔ کسی کی بے وقت موت یا غم و اندوہ کی کہانی پیش کی جاتی تو طبع مبارک بے چین ہو جاتی اور بار بار سرد آہیں بھرتے رہتے۔

منظرِ رحمتِ عالم

حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ابتداء میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت بہت اچھی تھی۔ آخر میں اُمت کے غم نے اس قدر نڈھال کر دیا تھا کہ بیٹھ کر نوافل پڑھنے لگے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ رات کی نماز میں یہ آیت پڑھتے اور روتے رہتے۔

وَإِنْ تَعَذَّبْتُمْ بِهِمْ فَإِنَّهُمْ عَبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (سورہ مائدہ - ۱۱۸)

ترجمہ: اگر تو ان کو عذاب کرے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو بے شک تیری ذات عزیز و حکیم ہے۔

وَلِلّٰهِ دَرُّ الْقَائِلِ جِو اِس غنوا رى كو مد نظر ركه كر كرتا هے ۔

تُو غنِیٰ از همدو عالم من فیتیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
در حسابم را تو بیستی ناگزیر
از نگاہِ مُصطفیٰ پنهان بگیر
آخری عمر میں حضرت کی کیفیتِ قلبی حضورِ رحمتِ عالم کی محبتِ اُمت کا کامل منظر تھی۔

افزونی مشاہدہ

حضرت کا سن شریف جوں جوں بڑھ رہا تھا مشاہدہ تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ ۱۹۲۵ء میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ خلوت ہو یا جلوت، ایک وجدانی کیفیت طاری رہتی۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ایک آہ بھر کر سر اٹھا لیتے اور باطنی کیفیات کے ورود کے باعث چہرہ مبارک کارنگ کبھی زرد، کبھی سبز اور کبھی سُرخ مائل ہو جاتا اور پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اپنے نظامِ اوقات کے تحت مجلسِ خانہ میں بدستور گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے تشریف لاتے مگر محفل پر خاموشی طاری رہتی۔ حاضرین میں سے بعض پر یہ کیفیت دیکھ کر گریہ طاری ہو جاتا اور بعض حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے اور سوچتے رہ جاتے کہ خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔ اُن دنوں اکثر یہ شعر فرماتے تھے ۔

نہ صفت ہم گفتگو ہے نہ محلِ جستجو ہے

دل بے نوائے میرے جہاں چھاؤنی ہے چھائی

نوادار ذرائع کے لیے حضرت چپ چاپ اپنا دست مبارک مصافحہ کے لیے بڑھا دیتے۔ البتہ سلام کا جواب دیتے۔ اور کبھی کبھی اپنا یہ پیارا دستوری فقرہ فرمادیتے کہ خیریں آئے دے۔ (آپ خیریت سے آئے ہیں؟)

بشارات

اس زمانہ میں بعض صاحبِ عرفانِ مخلصین اور مجتہدین کو خوابوں میں آپ کی اس کیفیت کے بارے میں تسلی دلائی گئی چنانچہ ملتان میں ایک سید صاحب نے استخارہ کے بعد کہا کہ انہیں حضورِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ جنہوں نے حضرت کے متعلق فرمایا کہ وہ ایک ایسا مقام طے کر رہے ہیں جہاں مشائخ کی امداد نہیں پہنچتی۔ مگر اس مرحلہ پر بھی ایک ایسا شخص ہے جو برابر اُن کی مدد اور رہنمائی کر رہا ہے (اس سے مراد اُن کی اپنی ذاتِ مقدس تھی جن کا فرمانِ قدیمیٰ ہذا ہے: عَلٰی رَقَبَةٍ كُلِّ دَلِيٍّ اَللّٰهُ هے۔ رحمة اللہ تعالیٰ علیہما وعلیہم اجمعین)

ایک شکوہ آمیز گزارش

اس زمانہ میں ملکِ سلطانِ مسعود خان صاحب ثوانہ منصرم مراسلات کے چھوٹے بھائی میجر ملک غلام حسین خان

نے الہ العاکبین! تو دونوں عالم سے بے نیاز ہے اور میں محتاج ہوں۔ اول تو قیامت میں میرا عذر گناہ قبول فرما کر بخش دے لیکن اگر ضرور حساب ہی لینا ہے تو حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے پوشیدہ لینا۔
(فیض)

حاضر خدمت ہوئے۔ دربار میں مختلف النوع خوابوں اور مکاشفات کے باعث یہ چرچا عام تھا کہ آپ کی یہ حالت کسی بیماری کے باعث نہیں بلکہ آپ کے اپنے مسلسل مجاہدہ کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ ملک صاحب مجرہ شریف میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ سرکار! نبوت تو آپ کو طے سے رہی۔ اُسے تو اللہ تعالیٰ نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرمادیا تھا۔ اب اس سے نیچے اور کون سا ایسا بلند مقام رہ گیا ہے جس کے لیے آپ نے اپنی جان کو اس قدر تکلیف میں ڈال رکھا ہے اور اپنے غلاموں کو دن رات رُلا رہے ہیں؟ اگر اپنے آپ پر رحم نہیں آتا تو مخلوق خدا پر ہی رحم فرمائیے۔ اس پر آپ نے مسکرا کر ملک سلطان محمود سے فرمایا۔ دیکھو یہ تمہارا بھائی کیسی باتیں کرتا ہے۔ اور پھر اپنے شغل میں مصروف ہو گئے۔

طبی مشوروں پر ہوا خوری کا التزام

اُس زمانہ میں ضعیف جسمانی کے باعث سواری ترک ہو چکی تھی مگر ڈاکٹروں کی تاکید تھی کہ تفریح اور ہوا خوری کا التزام ضروری ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے لیے نماز عصر کے بعد تھوڑی دُور چہل قدمی فرمانے لگے۔ مگر جب اس میں بھی دُشواری ہوئی تو حضرت ثانی سید غلام محی الدین المعروف جناب بابو جی صاحب مدظلہ العالی نے طبی مشورہ کے تحت موٹر کار خرید لی جس میں ہوا خوری کے لیے روزانہ دس بارہ میل باہر تشریف لے جایا کرتے۔

کار کا حادثہ

ایک مرتبہ سواری کے دوران کار کو حادثہ پیش آیا۔ شاہراہِ اعظم پر سنگ جانی کی طرف سے واپس آتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ نماز مغرب کا وقت قریب ہے۔ کار کو روک کر کہیں نماز ادا کر لیں۔ ایک سہرا بی نے عرض کیا کہ ابھی سُوُجِ غروب نہیں ہوا۔ نماز کے وقت تک گولڑہ شریف کے موٹر پر واقع خانقاہ تک پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ سفر جاری رکھا گیا۔ تھوڑی دُور آگے چل کر جھنگلی سیدیاں کے قریب اچانک کار ٹرک سے اتر کر الٹ گئی۔ حضرت صاحب اور بابو جی تو باہر گرے مگر دیگر سہرا بی یعنی مولوی محبوب عالم صاحب اور لال خان ڈرائیور کار کے نیچے آ گئے۔ اُس وقت بابو جی صاحب نے اکیلے ہی اُن کو باہر نکالا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ تکلیف نماز مغرب میں تاخیر کا خوف نہ کرنے پر غیرتِ الہی کے باعث پیش آئی ہے اور انشاء اللہ سُود مند ثابت ہوگی۔

لنگرِ غوثیہ کا بذل و سخا

مہمانوں کی جو کثرت دربار گولڑہ شریف میں دیکھنے میں آتی ہے کہیں اور کم ہی نظر آتی ہوگی۔ حضرت کے زمانے میں دو بڑے عرس منائے جاتے تھے۔ ایک حضورِ غوث الاعظمؒ جیلانی کا اور دوسرا حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کا۔ ان اعراس پر اُس زمانہ میں بھی ہزاروں کا اجتماع ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ خدام اور اُن کے متعلقین اور مدرسین اور طلباء جن کی تعداد ارحامی تین سو سے کم نہ ہوگی۔ دربار شریف سے متعلق طور پر بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ لنگر کی آمدنی زیادہ تر نذر و نیاز پر منحصر تھی۔ تاہم بذل و سخا دریا کے پانی کی طرح جاری ہی رہتی تھی۔ اس لیے آپ کبھی صاحبِ زکوٰۃ نہ ہوئے۔ "طغوناتِ طبقات" میں مذکور ہے کہ حضرت بعض اوقات اس چیز پر اظہارِ شکر فرماتے تھے۔ ایک بار فرمایا کہ حضورِ غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لنگر

کی بھی یہی کیفیت تھی کہ کبھی قرضدار ہو گیا اور کبھی مالدار، مگر مستوجب زکوٰۃ نہ ہوا۔ بیواؤں اور یتیموں کے وظیفے مقرر نہ رکھے تھے۔ پشاور کے بعض متمول ہریدین جو کابل، بخارا اور وسط ایشیا کے ممالک میں تجارت کرتے تھے۔ جب انقلاب روس کے باعث مفلس ہو کر رہ گئے تو ساہا سال تک لنگرِ غوثیہ سے اُن کی پرورش ہوتی رہی۔ ایسے متعدد اور خاندانوں کے وظائف بھی مقرر تھے۔

تصفیہ مابین سُنی و شیعہ کی تالیف

اس زمانہ میں شیعہ سُنی مباحثات کا ایک نیا دور چلا تھا۔ فریقین کے بعض متشدّد مصنفین نے ایسی کتابیں شائع کیں، جن میں تعصب زیادہ اور انصاف کی رعایت کم تھی۔ حضرت کی خدمت میں معاملہ پیش ہوا تو تصفیہ مابین سُنی و شیعہ کے عنوان سے ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ فرمایا اور کچھ روز تک اپنے منصرم مراسلات خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب لاہوری ریٹائرڈ پولیس افسر گلگت کو چند ابواب لکھواتے ہی رہے۔ مگر بیماری اور روز افزوں کیفیتِ استغراق کے باعث یہ قیمتی افادات کما حقہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکے۔ خان بہادر مولوی صاحب کی وفات پر اُن کے کاغذات میں سے اس تالیف کے جو مضامین دستیاب ہوئے اُن میں سے چند اقتباسات انشاء اللہ باب التصانیف میں بدیہ ناظرین کیے جائیں گے۔

علامہ اقبال کا عریضہ

زمانہ استغراق کے اوائل میں جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کا ایک عریضہ موصول ہوا جس میں زمان و مکان پر حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "فتوحات مکتبہ" کے ایک باب کی وضاحت کے لیے استدعا کی گئی تھی۔ یہ خط ملک سلطان محمود صاحب ٹوانہ نے جو خان بہادر مولوی صاحب کی وفات پر مراسلات کی خدمت پر مامور ہوئے تھے، ایک خاص وقت میں حضرت کو متوجہ کر کے پیش کیا۔ آپ نے غور فرما کر سنا اور ارشاد فرمایا کہ کسی وقت جب میری طبیعت میں افادہ ہو پیش کرنا تاکہ جواب لکھو دیا جائے۔ جب کئی روز بعد ملک صاحب نے پھر یہ خط پیش کیا تو بوجہ علالت و تکلیف فرمایا کہ لکھ دو میں بیمار ہوں اس لیے جواب سے معذور ہوں۔ چنانچہ ملک سلطان محمود صاحب نے جواب میں لکھا کہ اقبال صاحب آپ اپنے ہی مشہور قول کے مصداق اس مکتب میں دیر سے پہنچے ہیں۔ "علامہ اقبال کو کیمبرج یونیورسٹی میں زمان و مکان (TIME AND SPACE) کے متعلق حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ پر لکچر دینا تھا لیکن انہیں بھی موت نے مہلت نہ دی۔ اُن کے عریضہ کی نقل اقبالنا" جلد اول میں شائع ہو چکی ہے۔ تاہم یہاں بھی درج کی جاتی ہے۔

لاہور، ۱۸۔ اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ۔ السلام علیکم

اگرچہ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے ہے، تاہم اس سے پہلے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اب اس محرومی کی تلانی اس عریضہ سے کرتا ہوں۔ گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی۔ بہر حال جناب کی وسعتِ اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے۔

میں نے گذشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے دانشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اب پھر اُدھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربیؒ پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔ نظرباں حال چند امور دریافت طلب ہیں۔ جناب کے اخلاق کریمانہ سے بعید نہ ہوگا۔ اگر سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔

۱۔ اول یہ ہے کہ حضرت شیخ اکبرؒ نے تعلیم حقیقتِ زمان کے متعلق کیا کہا ہے اور ائمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

۲۔ تعلیم شیخ اکبرؒ کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں۔ اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اول کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کر سکوں۔

۳۔ حضرت صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقتِ زمان پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔ مولوی سید انور شاہ صاحب مرحوم و منخورد نے مجھے عربی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا اُس کا نام تھا درایتہ الزمان۔ جناب کو ضرور اس کا علم ہوگا۔ میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے۔ مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے اس لیے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔

میں نے سنا ہے کہ جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرمادیا ہے اس لیے مجھے یہ عرضہ لکھنے میں تامل تھا۔ لیکن مقصود چونکہ خدمتِ اسلام ہے، مجھے یقین ہے کہ اس تصدیعہ کے لیے جناب معاف فرمائیں گے۔ باقی التماسِ دُعا۔

مخلص محمد اقبال

دوسری فصل

عالم استغراق

دریائے ناپیدکنارِ توحید

محویت و استغراق کی حقیقت تو کچھ دُوبی حضرات جان سکتے ہیں جو اس وادی سے گزرے ہوں البتہ بزرگانِ دین کے احوال و سیر سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ تجلیاتِ الہی کے درود سے توحید کے دریائے ناپیدکنار میں عشاقِ الہی پر کچھ ایسی محویت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ تمام ماسوا سے توجہ اور شعور اٹھ جاتا ہے۔

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت
ہر چیز مجز معشوق باقی مجملہ سوخت (رومی)

استغراق میں عذرِ نماز کا استفسار

ویسے تو ہر دور کے مسانِ بادۂ توحید کے حالات میں ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں لیکن قرونِ وسطیٰ کے بزرگانِ دین میں حضرت قدوۃ العرفان مولانا رومی قدس سرہ اور متاخرین میں سے حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ پر وصال سے کچھ مدت پہلے کو الفِ استغراق وارد ہوئے۔ کچھ اسی قسم کے حالات حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرہ کی ذاتِ گرامی میں بھی زمانہ وصال سے قبل نظر آتے ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو۔ حضرت عارفِ رومی قدس سرہ کے فلسفہ تصوف کو اس آخری دور میں جس حد تک آنجناب نے سمجھا اور سمجھایا مشائخِ کرام میں اس کی نظیر کم ملتی ہے۔ اور حضرت قطب العالم گنگوہی کی ذات سے تو آنجناب کو ایک خصوصی نسبت ہے۔ آنجناب کے جدِ امجد حضرت میراں شاہ قادر قمیص قدس سرہ کی حضرت قطب العالم گنگوہی سے نسبت اور استفادہ کے واقعات تفصیلاً اسی کتاب کے پہلے باب میں ناظرینِ کرام ملاحظہ کر چکے ہیں۔

بہر حال اس عجیب و غریب کیفیت کا درود حضرت قبلہ عالم قدس سرہ پر ۱۹۳۲ء میں ہوا۔ اور ۱۹۳۵ء تک انتہا کو پہنچ گیا۔ پہلے نماز کے لیے مسجد کا جانا متعذر ہوا۔ پھر بستر پر نماز پڑھنے لگے۔ پھر اشاروں سے نماز ادا ہونے لگی اور آخر اشاروں سے بھی معذوری ہو گئی اور کاتارِ استغراق کی کیفیت رہنے لگی۔ ایک روز صومیں آکر علماء آستانہ کو بلوایا اور فرمایا۔ مجھ سے اب نماز پوری طرح ادا نہیں ہو سکتی درمیان میں ہی رہ جاتی ہے۔ آپ صاحبان میرے معاملہ میں غور کر کے فتویٰ دیں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ علماء حضرات آبدیدہ ہو کر چلے گئے۔ ایک روز پھر بلوایا اور فرمایا مجھے آپ کے شرعی فتویٰ کی حاجت ہے۔ اگر نماز اشارہ سے بھی پڑھنا شروع کروں تو جو اس و شعور جواب دے جاتے ہیں۔

استاد العلماء جناب مولانا محمد غازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلے تو خاموش رہے جب آپ نے دوبارہ یہی سوال فرمایا تو انہوں

نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو جانتے ہی ہیں کہ استغراق اور سُکر میں نماز نہیں ہوتی۔ کیونکہ انسان مجبور و معذور ہوتا ہے۔ پھر لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی وسعت سے زیادہ مکلف بھی نہیں ٹھہراتا۔ یہ سن کر فرمایا جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ یہ چیز آپ کے کمال پابندیِ شرع کی دلیل ہے کہ استغراقِ کامل میں بھی علماء دین کا شرعی حکم حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ اس میں اصحابِ صحیحہ سلیم الخواص مدعیانِ جذب کے لیے بڑا سبق ہے۔

وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ أَوْ لَهُمْ فِي صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ كَابَاطِنِي مَدْلُول

جناب مولانا محمد غازی صاحبِ عالم بھی تھے اور عارف بھی۔ لَاتَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ کے ظاہری معانی کے علاوہ علمِ اعتبار کے ماتحت اس فرمانِ نبی کے باطنی مدلول پر بھی وسیع نظر رکھتے تھے۔ بھلا پچاس برس اس پایہ کے ایک مقبولِ خدا کی جلو میں رہ کر عالمِ مشاہدہ کے سُکر کی کیفیت اور ع

بخلوتے کہ منعم یاد دوست بے ادبی ست

کے تقاضوں سے کیسے بے خبر رہ سکتے تھے؟ اگرچہ اربابِ تحقیق کے نزدیک شرابِ عشق و توحید کے مستوں کا مفتام اور حکمِ امّ النجاست کے نشہ اور مدہوشی کے احکام سے کہیں مختلف اور بلند و بالا ہے مگر قویٰ حسیہ کا تعطل دونوں میں قدرِ مشترک ہے اور اسی وجہ سے شرعاً جس طرح مجنون غیر مکلف ہے ویسے ہی مجذوب صاحبِ سُکر بھی پابندیِ احکام سے آزاد ہے۔ صاحبِ جذب و استغراق یوں بھی هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ کے باطنی مفہوم کی بنا پر بروقت نمازی میں ہوتا ہے۔

۵ ملت عشق از ہمہ ملت جداست

عاشقان را مذہب و ملت جداست

عرض و معروض کی کیفیات

ابتداء میں جب حالتِ صحو کے وقفے طویل ہوتے تھے۔ حاضر ہونے والوں کی معروضات سن کر ہاتھ اٹھا کر دُعا فرمادیا کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ مصاحبِ خاص جناب مولوی محبوب عالم صاحبِ عرض کرتے حضورِ فلاں صاحبِ حاضر ہیں۔ ان کے مقصد کے لیے دُعا فرمائیے۔ اور یہ کہہ کر خود دُعا مانگ کر بلند آواز سے آمین کہتے اور حضرت بھی آمین فرمادیتے بسا اوقات یوں بھی ہوتا کہ صاحبِ حاجت کچھ عرض کر تا آپ اسی جملے کو دُہرا دیتے اور اُس کی حاجت پوری ہو جاتی۔ چنانچہ ایک شخص کو ناف کی تکلیف تھی جسے اس علاقے میں گھن کہتے ہیں۔ اُس نے حاضر ہو کر عرض کیا: گھن دالکھ دیو بک تعویذ۔ یعنی گھن کا ایک تعویذ لکھ دیجئے۔ آپ نے تین دفعہ یہی الفاظ دُہرا کر دم فرمادیا اور وہ شخص فوراً ٹھیک ہو گیا۔ اسی طرح سید امام شاہ صاحب (مہر آباد تحصیل لودھراں) دانتوں کے درد میں مُبتلا تھے۔ حاضر ہو کر عرض کیا: ڈاڈھی پیر ہے۔ یعنی سخت درد ہے۔ حضرت نے ڈاڈھی پیر ہے کے الفاظ تین دفعہ فرما کر دم کر دیا تو درد جاتا رہا۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبود اللہ بود

(اُس کا کہا ہوا اللہ کے کہے ہوئے کا حکم رکھتا ہے۔ اگرچہ اللہ کے بندے کے حلق سے ادا ہوتا ہے)

مجاذیب اور اہل سُکر کی کثرتِ حاضری

زمانہ استغراق میں اربابِ سلوک اور صاحبِ منزل حضراتِ طہی مقامات کے لیے دُور دُور سے کھنچے چلے آتے تھے۔ ان میں مجاذیب اور اہل سُکر کی کثرت ہوتی تھی۔ بیشتر حضراتِ مجرہ شریفین میں جو عشقِ آباد کے نام سے مشہور ہو گیا تھا داخل ہو کر پنگ کی پانٹی کو بوسہ دیتے۔ کچھ دیر چپ چاپ آپ کو دیکھتے رہتے۔ اور پھر خود ہی دُعا مانگ کر رخصت ہو جاتے۔ بسترِ مبارک پر باریک جالی کی چھڑانی لگی ہوتی تھی۔ اور حسینِ مبارک سے عرفانِ الہی کی تجلیات کا عکس اس میں سے چمن چمن کر آ رہا ہوتا تھا۔ نہ سوال ہوتا تھا نہ جواب۔

اے لقاے تو جوابِ ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال
(اے محبوب! تیرا دیدار ہی ہر سوال کا جواب ہے، تجھے دیکھ لینے سے ہی کچھ کہے سنے بغیر ہر مشکل حل ہو جاتی ہے)

گمشدگیِ سایہ کی اطلاع

حضرت مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بہاول پور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ حضرت کے ابتدائے استغراق کے زمانہ میں ایک روز میں ایک غیر معروف راستہ سے جامعہ کی طرف جا رہا تھا۔ ایک سنان گلی میں ایک مجذوب لیٹا ہوا تھا۔ اُس نے اچانک سر اٹھا کر مجھے مخاطب کر کے کہا: "مولوی جی، تمہارے پیر کا کیا حال ہے؟ میں نے جواب دیا حضرت کی طبعِ مبارک آج کل کچھ ناساز ہے۔ کہنے لگا: تمہارا پیر مگر کرتا ہے۔ دراصل اُس کا سایہ گم ہو گیا ہے۔ اور اس بات کو چھپانے کے لیے وہ چار پائی لے کر مجرہ میں پڑ گیا ہے۔ بیماری وغیرہ کچھ نہیں۔ مقامِ فنا فی الرسول پر فائز ہونے والے حضرات کے لیے ایسے آثار کا پایا جانا کچھ مستبعد نہیں ہے۔

بسیار دیدہ ام کیے رادو کر دیتغ
تلوارِ عشق ہیں کہ دو کس را کیے گند (حافظ)
میں نے اکثر دیکھا ہے کہ تلوار ایک چیز کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔ لیکن تلوارِ عشق کا
تماشہ دیکھو کہ دو کو بلا کر ایک کر دیتی ہے۔

تفہیح الخاطر کے مقدمہ میں حضرت بلالؓ اور
حضرت اوسینؓ قرنی کے بے سایہ ہو جانے کے متعلق بھی ثبوت ملتا ہے۔

تیسری فصل

کوائف وصال

[اس فصل میں حضرت کے استغراق، علالت اور وصال سے متعلق جو حالات بیان کیے گئے ہیں، انہیں بیشتر مولوی عبدالرحمن صاحب، بنگو ضلع کیمیل پور کے تحریر کردہ ان حالات سے حاصل کیا گیا ہے جو رسالہ منادی دہلی میں وصال کے کچھ عرصہ بعد شائع ہوئے تھے۔]

مقبولانِ خدا کے وصال کی باطنی کیفیات تو صاحبِ حال لوگ ہی جان سکتے اور بیان کر سکتے ہیں۔ یہاں صرف وہ واقعات درج کیے جاتے ہیں جو اس عالم اسباب میں آپ کے وصال سے کچھ عرصہ قبل ظہور میں آئے۔

ابتدائے تعمیرِ حال میں حضرت نے اپنے نفسِ زکیہ کو ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ میں ڈال کر خود کو ترکِ غذا کا عادی بنا لیا تھا۔ رفتہ رفتہ معدہ غذا سے غیر مانوس ہو کر لطیف اور نازک ہو گیا۔ چنانچہ آخری عمر میں تقاضائے بشری کے تحت اور طبی نقطہ نگاہ سے جب جسمانی طاقت کے تحفظ کے لیے ادویات کی ضرورت محسوس ہوئی تو ان کے قلیل استعمال سے ہی مستقل طور پر دورہ پھکی (فواق القلب) لاحق ہو گیا۔ اس کے بعد ایک ایسا مرض عارض ہوا جس کی تشخیص سے حکمتِ یونانی اور ڈاکٹری فن کے ماہرین عاجز رہ گئے۔ اس نامعلوم کیفیت مرض کی وجہ سے جسم مبارک کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا۔ یوں تو تقریباً دس برس تک مختلف تکالیف رہیں لیکن چار پانچ سال تک تو حضرت مسلسل صاحبِ فراش رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرتِ حضرت کے مجاہد اور معتدین کو آنے والی بلائے ہجر و سداق کا ٹوکر بنا رہی ہے پھکی کے شدید دورہ اور دیگر تکالیف کی شدت کے باوجود حاضرِ آستانہ ہونے والے تمام زائرین کو حسبِ معمول، سابقہ اوقات مقررہ پر باریابی کا شرف بخش کر فرداً فرداً تسلی بخش جوابات اور اطمینان دہ دعاؤں سے فیض یاب فرماتے رہے اور کسی کو توجہ سے کبھی محروم نہ رکھا۔ دریائے فیضانِ شدید سے شدید تکلیف میں بھی جاری رہا۔

خلقِ خدا کی دلجوئی ہر حال میں حضرت کے مد نظر رہی۔ اگرچہ حضرت باوجودی صاحب مدظلہ العالی کو عرصہ سے ارشاد و ہدایت کے لیے مجاز و مامور فرما چکے تھے اور حضرت باوجودی بھی وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت و مجبوری تمنائے اہل طلبِ خلقِ خدا کو مستفیض فرماتے رہتے تھے۔ تاہم شفقتِ کاملہ اور بہت عالیہ کی بنا پر سلسلہ ارشاد کو آخر وقت تک رسوائے علالت کے ایک دو مواقع کے بخود بذاتِ اقدس انجام فرماتے رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت باوجودی احتراماً، اور شیخِ کامل کے مقامِ طریقت کی نگہداشت کے باعث بیعت کرنے سے حتی الوسع احتراز فرماتے تھے۔

عالمِ استغراق میں ایک دعا کی تلقین

تقریباً دو اڑھائی سال تک استغراق اور محویت کی حالت جاری رہی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ جنابِ ولوی محبوبِ عالم

صاحب زائرین کے معروضات کو متعدد مرتبہ پیش کرتے تب آپ کسی وظیفہ کے ارشاد یا دعا سے مستفید فرماتے راقم الحروف نے حضور کی زبان فیض ترجمان سے یہ دعا سنی ہے :-

اللَّهُمَّ افْتَحْ لَنَا بِالْخَيْرِ وَاجْعَلْ عَوَاقِبَ
أُمُورِنَا بِالْخَيْرِ جُزْمَتِ سَيِّدِ الْبَرِّارِ
الہی ہمارا آغاز خیر پر کیجیے اور خاتمہ خیر پر کیجیے اور ہماری عاقبت
امور کو بہتر بنائیے بقصدق حضور سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم۔
عالم استغراق میں کبھی کبھی تکلم کی طرف بھی رجوع فرماتے لیکن تھوڑی سی دیر کے بعد پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی۔
البتہ صبح کی طرف رجوع فرمانے اور پھر اعادہ استغراق کے وقت نسبتاً زیادہ شدت کی تکلیف محسوس فرماتے جس کی
اصلیت صرف سیاہان منازل طریقت و ساکنان حریم حقیقت ہی جانتے ہوں گے ہم مجربان اسافل تنزلات کو کیا معلوم
ہاں اتنا موبہوم سا خیال آتا ہے کہ ارواح مقدسہ کو نفسیات بشریت سے تعلقات منقطع کر کے پرواز حقیقت میں نزع کی سی
کیفیت محسوس ہوتی ہوگی۔ واللہ اعلم

سُورَةُ يُوسُفَ كِي تَبْلَاوَاتٍ فِي چار رِقْتِ اَنگِيزِ مَقَامَاتِ

ایک دفعہ صبح کی کیفیت میں حضرت نے مولینا مولوی قاری غلام محمد صاحب مرحوم کو یاد فرما کر سُورَةُ يُوسُفَ سنانے کے لیے ارشاد فرمایا۔ دوران تلاوت چار مقامات پر حضرت آبدیدہ ہو گئے۔ ان میں سے پہلا مقام وَمَا اُبْرِيئُ نَفْسِي اور دوسرا مَتَمَّ لَا تَتْرِيْبَ عَلَيْكَ كَوْمَ الْيَوْمِ تھا۔ باقی دو مقامات راقم الحروف کو یاد نہیں رہے۔ ایک دفعہ حضرت نے صبح کی طرف رجوع فرمایا تو حضرت بابو جی مدظلہ العالی نے حجرہ شریف (عشق آباد) کے دروازے کھلوائے تاکہ تمام حاضرین مشاہدہ فیضان سے مستفیض ہو سکیں۔ راقم الحروف کو یاد نہیں کہ اس موقع پر سُورَةُ يُوسُفَ استماع فرمائی تھی یا سُورَةُ مَزْمَل۔ بعد استماع دعا کے لیے دست مبارک بارگاہ رب العالی میں اٹھائے تو حضرت بابو جی مدظلہ العالی نے حاضرین - غائبین - متوسلین - غیر متوسلین غرض سب اُمت مرحومہ کے لیے دعا کی استعا فرمائی۔

اَيْتِدُهُ عُرْسٍ پَرِ صَحْوِي طَرَفِ رَجُوعِ كَا وَعْدِهِ

ایک دفعہ جب صبح ہوا تو گیارہویں شریف کا عرس غوثیہ قریب تھا۔ حضرت بابو جی نے عرض کیا کہ عرس شریف قریب ہے اور خلق خدا دور دور سے عرس میں شرکت اور حضور کی زیارت کے لیے حاضر ہوگی۔ براہ کرم وعدہ فرمادیں کہ ان ایام میں صبح کی طرف رجوع فرمائے رکھیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو وعدہ وفا ہوگا۔ چنانچہ گیارہ ربيع الثانی کے روز صبح سویرے آپ نے حسب وعدہ رجوع فرمایا۔

بہار ڈے سے جیوں پھلاں تھیں حق تیوں سنسار کنوں

اُس روز صاحب زادہ سعد اللہ صاحب سیالوی حاضر ہوئے تو حضرت (احسن تقویم کے مطابق زینت ظاہری میں) چنبیلی کے پھولوں کا ہار پہننے تشریف فرماتے تھے۔ آپ کی طبع لطیف کو پھولوں کے ساتھ خاص اُلفت تھی۔ اس موقع پر معتمد المراسلات ملک سلطان محمود صاحب کی زبانی سنا ہوا حضرت کا ایک مصرعہ یاد آ گیا ہے۔

ع "بہار ڈستے جیوں پھلاں تھیں حق تیوں سنسار کنوں"

یعنی جس طرح پھولوں سے بہار نظر آتی ہے اسی طرح جہان سے حق تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

ہار نہیں جیت ہے

صاحب زادہ سعد اللہ صاحب سیالوی کے بھائی صاحب زادہ عبداللہ صاحب نے ازراہ انبساط عرض کیا کہ آج تو آپ ہار پہنے بیٹھے ہیں متبسم ہو کر فرمایا کہ ہار نہیں جیت ہے۔

اچھایا را میں وعدہ کرناں

قاضی نور عالم صاحب خوشنویس بیان کرتے ہیں کہ اُس روز حضرت نے عرس کے انتظام کی خوش اسلوبی پر خوشنودی کا اظہار فرمایا تو بابو جی مدظلہ العالی نے شکر یہ ادا کر کے عرض کیا کہ وعدہ فرمائیے کہ ہمیشہ آپ کے زیر سایہ ایسا ہی بلکہ اس سے بھی بہتر انتظام رہے گا۔ فرمایا۔ جس طرح منظور خدا ہوگا۔ مگر حضرت بابو جی کے پختہ وعدہ کے اصرار پر فرمایا۔ اچھایا را میں وعدہ کرناں (یعنی وعدہ کرتا ہوں) پھر ایک ارادت مند نے عرض کیا کہ ہم مُریدوں پر بھی ہمیشہ سایہ رہے۔ فرمایا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ پھر محفل ختم شریف کے وقت حضرت کے لیے مسند مقدس بالا خانے پر لگائی گئی۔ قوالوں نے آپ کی اپنی مشہور و مقبول نعت "آج بسک برتاں دی دھیری اے" پڑھنی شروع کی جب اس مصرع پر پہنچے ع

اودھا مٹھیاں گالیں الاو مٹھن جو حمر اودی سن کریاں

تو فرط شوق سے آبدیدہ ہو گئے عشا کے وقت راقم الحروف بھی حاضر خدمت ہوا۔ اُس وقت حضرت نے قصیدہ ابن الفارض کے یہ اشعار ذوقیہ زبانِ فیض بیان سے پڑھے۔

سَائِقَ الْأَطْعَانِ يَطْوِي الْبَيْدَ طَيَّ
مُنْعِمًا عَدِجَ عَلَى كُثْبَانِ طَيَّ
لَسْتُ النَّسِي بِالْثَنَائِيَا قَوْلَهَا
كُلُّ مَنْ فِي الْحَيِّ أَسْرَى فِي يَدَيْ

پھر ان اشعار کا اپنا فرمایا جو پنجابی ترجمہ ترنم سے پڑھتے رہے۔

سار باناں مہرباناں راہیا	شالا جیوں خیسہ تھیوی ماہیا
آکھیں جا انہاں پیاریاں دل جانیاں	گوہڑے نیناں والیاں ستانیاں
بن تساڈے بک گھڑی سوسال دی	بیہہ ٹھکانے پیر تساڈے بجالدی
لاپریاں دے کے لارے اوہ گئے	اوہ گئے اوہ دل دے پیاے اوہ گئے
سارا عالم صدقے آکھاں بول توں	واراں سر میں اُس لوکھڑے ڈھول توں
بُھلے نہیں اوہ بول مٹھڑے ڈھول دے	بول ساناں یار روہی رولدے

اس کے بعد آپ اپنے شیخ حضور حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر فرماتے رہے۔ پھر وادی حمر میں عشا کی سنتوں کے نہ پڑھنے پر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمشافہ مخاطب کے شرف سے سرفراز فرمانے کا ذکر فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ آل رسول کو میری سنت ترک نہیں کرنا چاہیے۔

”صاحبزادی کون؟ صاحبزادہ کون؟ آپ کون؟“

حضرت کے عالم استغراق کا ایک واقعہ حضرت بابو جی مدظلہ العالی یوں بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب بڑی ہمشیرہ صاحبہ بغرض زیارت حاضر ہوئیں۔ فرمایا کون تو؟ عرض کیا غلام محی الدین کی ہمشیرہ۔ فرمایا غلام محی الدین کون ہے؟ عرض کیا آپ کا فرزند۔ فرمایا آپ کون ہیں؟ عرض کیا مائی صاحبہ کی ہر عرض پر اسی قسم کا جواب فرمایا۔ اس قسم کا ایک اور واقعہ حضرت کے بھتیجے سید عبدالقادر صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ دانتوں کے درد میں مبتلا ہوا۔ کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دم فرمانے کے لیے عرض کیا۔ فرمایا کون ہے؟ عرض کیا۔ سید عبدالقادر۔ ارشاد ہوا کون عبدالقادر؟ عرض کیا گیا آپ کے برادر سید محمود شاہ صاحب کے فرزند۔ فرمایا۔ کون محمود شاہ؟ یہ سن کر میں واپس آ گیا۔ بعد میں ایک روز چانک اس طرف توجہ فرمائی اور حافظ سراج دین صاحب کو بھیجا کہ جا کر سید عبدالقادر سے کہو کہ فلاں آیت سات دفعہ پڑھ کر دم کر لے۔ چنانچہ اطلاع ملنے پر صرف تین مرتبہ آیت پڑھنے کے بعد یہ پُرانی تکلیف بالکل رفع ہو گئی۔

تجدید بیعت و ارشاد

ایک دفعہ صوم میں ہوئے تو لوگوں میں شور برپا ہوا کہ آپ بفضلہ بالکل خیریت سے ہیں اور باتیں فرما رہے ہیں۔ خود بابو جی فرماتے ہیں کہ میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ بالکل پہلے وقتوں کی طرح علمی مباحث جاری ہیں۔ مختلف کتب علوم کی عبارتیں لوگ زبان سے پڑھ رہے ہیں۔ میں نے تجدید بیعت کی استدعا کی جسے قبول فرمایا اور کافی دیر تک مختلف زبانوں میں تلقین فرماتے رہے۔ (بابو جی نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے شرف بیعت متعدد دفعہ حاصل کیا ہے۔) فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا لیکن لفظ بہ لفظ حالت معلوم کرنے کے لیے آدمی بھیجا رہا۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ کہیں یہ سب کچھ ہماری تسلی کے لیے ہی نہ ہو اور یہ الوداعی ملاقات ہی نہ ہو۔ کیونکہ اس کیفیت پر استقرار مشکل ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد خبر ملی کہ آپ پر پھر وہی کیفیت استغراقیہ طاری ہو گئی ہے۔

ایک مدنی شیخ کی پیشین گوئی

حضرت بابو جی حضرت کے وصال کے متعلق ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ جب میں ۱۹۲۹ء میں پہلی مرتبہ حج پر گیا تو شیخ الجامعہ صاحب مرحوم بھی وہاں تھے ایک روز مسجد نبوی میں ایک دُلاپتلا شخص عربی لباس پہنے آکر مجھ سے بلا اور میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ پھر لمبی سانس لے کر کہنے لگا کہ ۱۹۳۶ء میں ایک بہت بڑا انقلاب آئے گا۔ بابو جی فرماتے ہیں کہ اُس وقت میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ غالباً یہ حضرت کے وصال کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ اُس شخص نے بہت کے لفظ کو نہایت مبارک کہا تھا۔ اس لیے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ظاہری اور باطنی انقلاب ہوگا۔ بندہ مؤلف نے عرض کیا کہ حضور فی الحقیقت ایسا ہی ہوا کیونکہ ۱۱ مئی ۱۹۳۶ء کو حضرت کا انتقال ہوا۔ اور ۱۲ مئی ۱۹۳۶ء کو جب کہ آپ کا جسم اظہر پُرمزار ہو رہا تھا، تو ایدورڈ ہشتم نے تخت و تاج چھوڑ دیا اور اُن کی جگہ جارج ششم نے لی۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد دوسری جنگ عظیم اور آزادی ہند وغیرہ کے انقلابات بھی رونما ہوئے۔

کیفیت وصال کا واقعہ

مارچ۔ اپریل ۱۹۳۷ء میں حضرت قبلہ عالم قدس بترہ نے متعدد مرتبہ سورہ یسین، سورہ یوسف، سورہ تغابن، سورہ ملک، سورہ مزمل، درود مستغاث شریف، سلسلہ شریف مشائخ کرام، درود کبریت احمر اور دعائے کبیر مولینا مولوی قاری غلام محمد صاحب مرحوم خطیب جامعہ سے استماع فرما کر حاضرین، غیر حاضرین، متوسلین، غیر متوسلین اور تمام امت مرحومہ کے لیے بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائی۔ سن وصال کے ماہ محرم میں زائرین کی تعداد بتدریج بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ چھ سات سو یومیہ تک پہنچ گئی۔ ماہ صفر میں حضرت کو زکام اور میعاد بنجار کا عارضہ لاحق ہوا۔ جس سے بالآخر پلوس کن اثرات کا ظہور ہوا۔ آخری تین روزیہ کیفیت رہی کہ بار بار دست حق پرست دعا کے لیے اٹھاتے۔ پھر اپنے چہرہ مبارک کے سامنے تک لے جاتے کبھی صفحہ پیشانی تک انگلیاں پہنچاتے۔ اس کے علاوہ مکمل سکوت کبھی کبھی نیاز مندوں کی بار بار کی التجا پر چشم حق میں دافر مانتے۔

۱۰ یومِ شنبہ ۲۹ صفر

یومِ شنبہ ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کی صبح کو نبض کی یہ حالت تھی کہ داہنے ہاتھ کی نبض رُک رُک کر چلتی تھی۔ اور بائیں طرف یعنی قلب مبارک کی طرف کی نبض حسب معمول جاری تھی۔ پھر پھر پہلے ۹۵ ہو کر پھر ۹۸ ہو گیا۔ گیارہ بجے حضرت کو مسند لگا کر تھوڑی دیر کے لیے بٹھایا گیا۔ پھر لٹا کر حسب دستور رُمر لگایا گیا۔ بوقتِ عصر ساڑھے پانچ بجے دونوں ہاتھ اٹھا کر اشارہ فرمایا جس کی تعمیل میں آپ کو سہارا دے کر اٹھایا گیا اور آپ تکیہ پر سہارا لیے بغیر سیدھے بیٹھ گئے۔ اس وقت حضرت نے اپنی گردن مبارک کو ذرا سا ایک طرف جھکا کر تبسم فرمایا جس کے تاثرات اور تنویرات کی کچھ تفصیل حضرت کے ایک دیرینہ مرید حاجی محمد خدابخش ٹوانہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیے جو اس وقت حاضر خدمت تھے۔ اُن کا بیان درج ذیل ہے :-

مسرت، حیا، نیاز

میں پلنگ مبارک کی پائنتی کی طرف مسرت دیاس میں رُخ انور پر نظر جمائے بیٹھا تھا اور درود شریف پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں تبسم فرمایا اور میرے قلب و نظر کی گہرائیوں میں بجلی کوند گئی۔ اس دن نواز اور ایمان افزو زینب تبسم میں مسرت، حیا اور نیاز کا ایک ایسا حسین امتزاج تھا کہ بے ساختہ زبان پر سبحان اللہ کا ورد جاری ہو گیا اور اُس وقت پردہ تصور پر تین مختلف مناظر کے نقوش ابھر آئے۔ (اولاً) قرآن مجید کی وہ بشارت یاد آگئی جس کی تفسیر خود حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی زبان مبارک سے گھوڑ ضلع ملتان کی ایک مجلس میں سُنی گئی تھی۔

بے شک جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا پروردگار ہے اور اس بات پر ثابت قدم رہے اُن پر بلائیں نازل ہوتے ہیں جو کہتے ہیں مت خودن کرو اور مت غم کھاؤ اور بشارت سُنو اس جنت

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝ نَحْنُ أُولِيُوكُمْ

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيهَا مَا
تَشْتَهُنَّ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۚ نَزَّلْنَاهُ
عَفْوَ رَحِيمٍ ۝ (حَمَّ السَّجْدَةِ آيَات ۳۰ تا ۳۲)

کی جس کا تم نے عد کیا گیا تھا۔ ہم دنیا کی زندگانی میں بھی تمہارے
دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔ اور وہاں تمہارے لیے وہ
سب کچھ ہے جس کی تمہارے جی خواہش کریں اور جو کچھ تم مانگو
اللہ غفور رحیم کی مہمانی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت ملائکہ رحمت اور مشائخ عظام کی ارواح طیبہ ارغوان بشارت نچھاور کر رہے ہیں۔ اور
آپ کو مسرت ہو رہی ہے۔ ساتھ ہی مثنوی شریف کا وہ سبق یاد آ گیا جب حضرت یہ شعر پڑھتے تھے۔
اَذْكُرُ وَاللَّهِ كَارِهُرَ اَوْ بَاشِ نَيْتٍ اِرْجَعِي بِرِپَايَ هِرَقْلَاشِ نَيْتٍ
تو ہر اوباش نیت پر ایک عجیب ادا سے ہاتھ اٹھا کر جھٹک دیتے تھے
ژانیا، جیسا کہ نمن میں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے مائیں اور سیلیاں کسی دہن کو بنا سجا کر دُور شوق میں بلائیں لے ہی ہوں
اور وہ لجا کر مسکرا رہی ہو۔

اور (مثلاً) نیاز۔ گویا حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حضرت کو عالم ناسوت کی کامیاب زندگی پر شاباش اور
مبارک باد دے رہے ہیں اور آپ اپنے عجز و نیاز کا تحفہ پیش کر کے عرض گزار ہیں کہ یہ سب حضور کا ہی صدقہ ہے۔
ساتھ ہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت کا دائمی عجز و نیاز یاد آ گیا۔ عادت مبارک تھی کہ جب کسی اہل ذکر ارادتمند
کو سلسلہ شریف کی اجازت عطا فرماتے تو اپنے اسم گرامی کے سامنے اپنے قلم مبارک سے یہ الفاظ تحریر فرمادیتے۔ "الہی بعجز و نیاز
مہر علی شاہ عاقبت فلاں محمود گرداں"۔

اسم ذات کی برق انگیر، طویل اور عمیق گونج

تھوڑی دیر کے بعد حضرت قبلہ عالم قدس سترۃ العزیز کو آپ کے اشارہ پر لٹا دیا گیا۔ ملک سلطان محمود صاحب معتمد صیغہ مرسل
جو اس وقت خدمت عالیہ میں حاضر تھے بیان کرتے ہیں کہ میں نے دست راست کی نبض پر ہاتھ رکھا تو وہ رگ رگ کر چلتی تھی لیکن
بائیں ہاتھ کی نبض پوری طرح جاری تھی۔ بعدہ آل شاہباز اور ج روحانیت نے اسم ذات شریف اللہ ایک دفعہ ہی آہستہ مگر
ایسی طویل اور عمیق آوازیں زبان شوق اور قلب عرفان سے ادا فرمایا کہ اس کی گونج آپ کے دماغ عالی سے لے کر قدم مبارک
کے ناخنوں تک سارے بدن اطہر میں رگ وریشہ اور سینہ مجلی کی وسیع گھائیوں میں پھیل گئی۔ اس وقت ایک صاحب
مسمیٰ کرم شاہ قریشی سکھہ غوث پور قریشیاں ضلع ملتان حضور کے قدم مبارک دبارے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ قدم مبارک میں
بجلی کی کرنٹ سی محسوس ہوئی اور میرے ہاتھ اٹھ گئے۔ یہ کیفیت عالم نمود کی الوداعی جھلک تھی جس میں آل مجتہد نورانیت
سلطان الواسلین نے قاصد محبوب حقیقی، داعی وصال کار و جی لبیک سے خیر مقدم فرمایا۔ بہار نمود نے نمود بہار سے منتقل ہو کر
چمنستان بربخ اعلیٰ کی طرف توجہ معطف کی اور منظر نمود صحیفہ رُخ النور پر زعفرانی رنگ مشاہدہ ہوا۔ چہرہ مبارک کیف
وصال سے مجتہد نیاز نظر آیا۔ پھر دوبارہ متوسلین کو الوداعی تلقین میں اسی طرح اسم ذات شریف کا اعادہ فرما کر رُوبقہ
تو گئے۔

صورت از بے صورتی آمد بڑوں باز شد اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ (رُومی)

جب قاری مولیٰ سنا غلام محمد صاحب مرحوم خطیب نے پیشانی مبارک کو الوداعی بوسہ دیا تو خدام کی یہ حالت تھی کہ کوئی بے ہوش گم ٹھم تھا، کوئی چیخ رہا تھا، کوئی نقش دیوار سکوت حیرت۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر حضرت بابو جی دامت برکاتہ کا حوصلہ اور ضبط اس وقت توفیق الہی سے عملی صورت میں نمودار نہ ہوتا تو اس سدمہ جانکاہ سے حاضرین کا وہ حشر و تا کہ لازم تجہیز و تکفین مشکل ہی سرانجام پا سکتے۔

حضرت بابو جی صاحب عین وصال کے وقت اُس کمرہ میں موجود نہ تھے۔ نیچے مہمان خانہ میں ملک سلطان محمود صاحب کے کمرہ میں تشریف فرما تھے اور بار بار آدمی بھیج کر خبر منگوا رہے تھے۔ خاندان چشت اہل بہشت میں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے، جیسا کہ کتب مقدسہ بہشت بہشت وغیرہ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے اور ان سے پہلی کتابوں میں بھی کہیں اشارات ملتے ہیں شیخ کریم کے وصال کے وقت نعمت کبریٰ اور عظمیٰ کا وارث پاس نہیں ہوتا۔ اور یسنت اس سلسلہ شریف میں مسلسل علیٰ آ رہی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت بابو جی مدظلہ کا اپنے عدیم المثال اور شفیق والد قدس سرہ سے حقیقی نیاز ایک بااخلاص مرید کی حیثیت سے بھی عشق کے درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔ چنانچہ جب کبھی حضرت کو شدت کی جسمانی تکلیف ہوتی تو وہ تاثیر احساس اور وفور الم کی بنا پر اس تکلیف کو دیکھنا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

ان سب باتوں کے باوجود حضرت بابو جی نے کمال ضبط و حوصلہ سے تجہیز و تکفین کا مناسب ترین انتظام کرایا اور جائے وصال پر پہنچ کر غمزدہ حاضرین کو اپنے تسلی بخش کلمات سے صبر کی تلقین فرمائی۔ یہ بلاشبہ توفیق ربانی سے ممکن ہوا ورنہ آپ کے حساس اور مغموم قلب سے ایسے نازک وقت پر اتنے حوصلے سے سعی عمل کی کسی کو امید نظر نہ آتی تھی۔

سجادہ نشین اور مشایخ کرام کو اور ان مخلصین کو جن سے نماز جنازہ میں شرکت کی توقع ہو سکتی تھی برقی پیغامات ارسال کیے گئے۔ کئی متعلقین و متوسلین خود حضور صاحب الوصال قدس سرہ کی روحانی کشش کے باعث اور بعض دوسرے سعادت مند حضرات روایات صادقہ کے ذریعہ شرکت نماز جنازہ کی نعمت سے مستفیض ہوئے۔ چنانچہ مزار اقدس کے پہلے محراب و ضوئی غلام سرور صاحب ساکن پوٹھی تھانہ مندرہ ضلع راولپنڈی کو حضرت نے وصال سے ایک روز پہلے خواب میں فرمایا کہ آج ہم بہت خوش ہیں کیونکہ کل بارگاہ رب العزت اور رفیق اعلیٰ کی طرف سفر کر رہے ہیں۔

مستورات کے اوپلا پرچہ میں مبارک پر القباض

حضرت کے جسد اطہر کو شرعی غسل دے کر آخری زیارت جسمانی کے لیے اہل بیت شریف کے پاس پہلے حرم سرائے میں پہنچایا گیا۔ بعض مستورات سے جو اُس وقت حاضر تھیں سنا گیا ہے کہ باہر سے آنے والی کچھ مستورات نے حسب عادت اوپلا وغیرہ شروع کر دیا جس سے چہرہ مبارک پر ناراضگی کا تاثر پیشانی کے القباض کی صورت میں ظاہر ہوا جب اوپلا بند کرایا گیا تو یہ القباض مسرت میں تبدیل ہو گیا۔

آخری زیارت، جنازہ اور تدفین

دوسرے دن بروز بدھ یکم ربیع الاول ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء ایک بجے سے چھ بجے شام تک حضرت کی چارپائی مبارک کو آستانہ عالیہ کے مہمان خانہ میں ایک اونچی جگہ تخت پر رکھا گیا تاکہ زائرین باسانی جسہ مقدس کی آخری

زیارت سے مستفیض ہو سکیں۔ بعد نماز عصر ساڑھے چھ بجے شام مولینا مولوی قاری غلام محمد صاحب مرحوم خطیب آستانہ کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ ایک اندازے کے مطابق جنازہ میں تقریباً ڈیڑھ پونے دو لاکھ افراد شریک ہوئے جن میں غیر مذاہب کے لوگ ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ بھی سینکڑوں کی تعداد میں شامل ہو کر سب سے پیچھے کی صفوں میں ہاتھ باندھ کر کھڑے رہے۔ وہ کہتے تھے آپ جلت گرو ہیں۔ اہل حدیث حضرات بھی کافی تعداد میں شریک نماز ہوئے۔ اس موقع پر محکمہ ریلوے کی طرف سے سپیشل ٹرینیں چلانے کا انتظام کیا گیا۔ اس کے علاوہ دوسری تمام گاڑیوں پر بھی جہاں کہیں ریلوے والوں کو زائرین کا ہجوم ایشینوں کے درمیان پیدل سفر کرتے ہوئے نظر آتا تو گاڑی کو روک کر انہیں سوار کر لیتے اور گولڈہ اسٹیشن پر اتار دیتے۔ اس طرح زائرین کی کثیر تعداد کو نماز جنازہ میں حاضری کا موقع نصیب ہو گیا۔

آٹھ بجے شام آل قبلہ رُوحانیت، محبوبِ الہی، تشریف فرمائے وطنِ اصلی عالمِ قدس ہوئے حضرت کا جسم اطہر مسجد کے جنوبی بلع میں اُس جگہ دفن کیا گیا جس جگہ کے لیے حضرت نے بیماری کے دوران متعدد بار اظہارِ اشتیاق فرمایا تھا۔ یعنی عالمِ استغراق میں جناب مولینا محبوبِ عالم صاحب سے فرمایا کرتے تھے ”مجھے باغ میں لے چلو۔“ پھر فرماتے ”کب لے چلو گے“ اور اُس وقت خُدام اور حاضرین کی سمجھ میں نہ آتا کہ یہ کیا پیغام ہے۔ فیض)

حضرت کے مہجور متوسلین اب داغِ مفارقتِ صوری کا ناقابلِ برداشت صدمہ اٹھا رہے ہیں مگر آپ کی یاد ہر وقت تازہ ہے۔ اور فیوضاتِ رُوحانی کی بارش روز افزوں ترقی پذیر ہے۔

ہرگز نہیں سرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
 (جس کا دل عشق سے زندہ ہوا وہ کبھی نہیں مرتا۔)

ثبت است بر جسدِ یدۃ عالم دوام ما
 دفترِ عالم پر ہماری دائمی زندگی لکھ دی گئی ہے)

چوتھی فصل

ملکی اخبارات و رسائل کے تاثرات

حضرت کے وصال پر قریباً تمام ہم عصر مشائخ کرام نے اظہارِ تعزیت فرمایا۔ حضرت سید احمد عطاء صاحب مدنی سجادہ نشینان و صاحبزادگان دربار ہائے پاک پتن شریف، تونسہ شریف، سیال شریف، بسال شریف، میرا شریف و دربار حضرت موسیٰ پاک شہید غوث بہادری صاحب مٹان، حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی، پیرجماعت علی شاہ صاحب و حافظ جماعت علی شاہ صاحب علی پوری اور متعدد دیگر حضرات خود تشریف لائے اور فاتحہ پڑھی۔ تعزیت ناموں کے انبار لگ گئے اور برصغیر کے اخبارات و رسائل نے تعزیتی مقالے شائع کیے، چونکہ ان تاثرات کی طرف توجہ بہت دیر سے کی گئی۔ اس لیے صرف چند ہی رسالوں اور اخباروں کے اندراجات دستیاب ہو سکے ہیں۔ ورنہ اُس وقت غالباً اس وسیع برصغیر کا کوئی بھی ایسا رسالہ اور اخبار نہ ہو گا جس نے اس موضوع پر اظہارِ خیال نہ کیا ہو۔ حضرت کے وصال کے حالات پر ایک طویل مضمون مصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے تقاضا پر یہاں سے آستانہ عالیہ کے ایک موصول مولانا عبدالرحمن صاحب بنگوی نے ارسال کیا تھا جو خواجہ صاحب موصوف نے اپنے اخبار "مناوی" دہلی میں نمایاں طور پر شائع فرمایا تھا۔ اس باب کی تیسری فصل اسی مقالے کے افادات پر مشتمل ہے۔ چند دیگر اخبارات و رسائل کے چیدہ چیدہ اقتباسات درج ذیل ہیں :-

اخبار "مُعین" - اجمیر شریف ۲۴ مئی ۱۹۳۷ء

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ

... حضرت علامہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ... جیسے شیخ کامل اور عالم باعمل کی رحلت عالمِ اسلامی کے لیے ناقابلِ تلافی صدمہ ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ سرزمین ہند میں اب ایسی جامع برکات اور بزرگ شخصیتیں پیدا نہیں ہوتیں کہ ایک طرف علومِ اسلامی میں متبحرانہ و مجتہدانہ شان نظر آئے اور دوسری طرف فیوض و برکات باطنی، مدارج و مراتب روحانی میں عرفا نے حضرت سید احمد رضا عطاء صاحب مدینہ عالیہ کے متاز سادات کرام میں سے تھے اپنی زندگی میں حرمِ نبوی کی مجلس انتظامیہ کے نائب صدر رہے۔ آپ کے والد بزرگوار ترکوں کے وقت میں حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نوادرات کے خازن اعلیٰ تھے ترکوں کے چلے جانے کے بعد آپ کچھ عرصہ حالاتِ زمانہ کی ناسازگاری کی وجہ سے ملک سے باہر رہے اور ہندوستان میں بھی کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ یہاں گولڑہ شریف خانہ ہوئے تو حضرت کا اُس وقت زمانہ استغراق تھا۔ ایک روز قیام کے بعد آپس کا ٹھکانہ تشریف لے گئے۔ وہاں احمد آباد میں تھے کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آتین مبارک اُنچا کیے ہیں جیسے وضو فرمانے کا ارادہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور پانی لاؤں اور شاد ہوا نہیں ہیں گولڑہ میں وغور کروں گا۔ وہاں مجھے دیکھا گیا۔ علیہ السلام کے ساتھ سید مہر علی شاہ کا جنازہ پڑھا ہے۔ یہ سوکرائے تو پریشان ہونے لگا۔ خواب اپنی ڈنڈی میں ٹوٹ کر آیا۔ دوسرے روز اخبارات میں حضرت کے وصال کی خبر پڑھی اور کچھ عرصہ بعد خود تعزیت کے لیے حاضر ہوئے۔ اُن کی زندگی کے چند اہم واقعات اس کتاب میں کچھ اور جگہوں پر بھی درج ہیں۔

کاملین کا نمونہ ہو.....

۲۔ روزنامہ "میسندار" لاہور۔ ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء

.... حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ مسند آرائے گولڑا شریف (ضلع راولپنڈی) مرحوم.... کے عقیدت کیشوں کی تعداد کئی لاکھ تک ہے۔ آپ ان مشائخ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے جو صاحب بصیرت و حقیقت ہونے کے علاوہ علوم ظاہری میں بھی فاضل بالکمال تھے... ہم اس حادثہ جانکاہ کو سلسلہ چشتیہ کے لیے ناقابل تلافی صدمہ سمجھتے ہیں۔

۳۔ "سپین" سرحد ہری پور ہزارہ۔ ۱۷ مئی و ۲۲ جون ۱۹۳۷ء

ہندوستان کا آفتاب علم و فضیلت غروب ہو گیا

.... حضرت صاحب مرحوم صوبہ سرحد و پنجاب و ہندوستان کے بہت بلند پایہ عالم، فاضل اور خاندان چشت کے بلند ترین بزرگ ہادی و رہنما تھے۔ بلحاظ علم و عمل آپ کی نظیر اور ہمسر ہندوستان بھر میں نہ تھا۔ آپ کی روحانی برکات سے ہزار پابندگان خدا ہندوستان میں شام، افغانستان میں فیضیاب ہو چکے ہیں۔ جو آپ کے حلقہ عقیدت و ارادت و بیعت میں داخل ہو اتقویٰ روحانی اُس کے ہم آغوش رہی۔ آپ کے چہرہ مبارک میں لمعات فیض تاباں رہتے تھے۔ آپ کے دیدار سے دل کو کیف و سرور حاصل ہوتا تھا۔ آپ کے عقیدت مندوں کا حلقہ وسیع تھا۔ مذاکرہ علمیہ و فن مناظرہ میں بلند پایہ تھے۔ مفسر تھے۔ محدث تھے۔ فقیہ تھے۔ صائم اللہ ہر اور قائم الیل تھے۔

حضرت کو علم لدنی حاصل تھا۔ اجتہاد کا رتبہ رکھتے تھے۔ آپ کی وفات حسرت آیات و انتقال پر طلال سے طویل و عرض ہندوستان میں ماتم ہو رہا ہے۔ ایسی جلیل القدر ہستی کا دنیا سے اٹھ جانا ٹمک، قوم اور ملت کی بد نصیبی کا موجب خیال کیا جاتا ہے۔ آپ کے نورانی چہرہ میں ایک خاص ملاحظہ تھی جو کہ میں نے آج تک کسی فرد بشر میں نہیں دیکھی۔ وہ سب خوبیاں اور نیکیاں موجزن تھیں جو صحابہ کرام میں موجود رہتی تھیں۔ حضرت دُنیا سے ناپائدار سے سفر اختیار کر گئے۔ مگر آپ کی نورانی شعاعیں آپ کی محترم اولاد اور مریدوں میں اب تک چمکتی رہیں گی۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا.....

۴۔ روزنامہ "وحدت"۔ دہلی۔ ۱۸ مئی ۱۹۳۷ء

آفتاب علم و عرفان غروب ہو گیا

.... حضرت پیر صاحب کا انتقال نہ صرف مسلمانان پنجاب بلکہ کل مسلمانان ہند کے لیے ایک غم انگیز حادثہ ہے۔ اُن کے انتقال سے ہندوستان کے مسلمان ایک ایسے عالم ربانی اور بزرگ ہستی سے محروم ہو گئے جو علم و فضل کا آفتاب اور پابندی شریعت، ریاضت، عبادت الہی اور تقویٰ ذاتی میں فی زمانہ اپنی مثال آپ تھا۔ حضرت مرحوم کے علم و فضل کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا مفتی عبدالکافی صاحب مفتی اعظم کانپور (مرحوم)، حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری مرحوم، حضرت مولانا عبد الرحمن مہاجر کی آبادی، حضرت مولانا شاہ محمد غازی مہاجر کی مدرس مدرسہ عولتہ وغیرہ جیسے علماء کرام آپ کے حلقہ مریدین میں شامل تھے... آپ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد کے خلاف آواز اٹھائی اور

تیسفِ چشتیائی" جیسی مدلل و مبسوط کتاب تحریر فرما کر مسلمانانِ ہندوستان کو قادیانی عقائد سے آگاہ کیا اور ان کا رد فرمایا۔ قرآن مجید، قصیدہ ابنِ فارض، مثنوی مولینا روم اور دیوانِ حافظ کا درس بھی دیا کرتے تھے اور حاضرینِ مجلس پر سوز و گداز و عشقِ الہی کی عجیب کیفیات روحانی طاری ہو جاتی تھیں۔ لیکن اب تقریباً دس سال سے آپ نے تمام مشاغلِ علمی کو ترک کر دیا تھا اور ریاضتِ الہی و عبادتِ الہی کے سوا کسی اور طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔

۵۔ وزنامہ وحدت دہلی۔ ۲۶ مئی ۱۹۳۷ء

... حضرت مرحوم کی ذاتِ گرامی منبغ فیوض و کرم ہونے کے سبب اس زمانہ قحط الرجال میں مسلمانوں کے لیے موجبِ خیر و برکت تھی۔ اس لیے روہیل کھنڈ علماء پولیٹیکل کانفرنس کا یہ اجلاس آپ کے انتقال پر ملال کو ایک ناقابلِ تلافی قومی و مذہبی نقصان سمجھتا ہے۔

۶۔ ترجمان سرحد پشاور۔ ۲۰ مئی ۱۹۳۷ء

... حضرت پیر صاحب.... عرصہ سے بے حد کمزور بلکہ عملاً صاحبِ فراش تھے۔ بہت بڑے پائے کے عالم اور متقی بزرگ تھے۔ آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں ہے جو پنجاب و سرحد اور دوسرے صوبوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کی وفات پر بے حد رنج و الم کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

۷۔ وزنامہ سیاست لاہور۔ ۲۱ مئی ۱۹۳۷ء

مولینا بہار الحق قاسمی کا بیان

... حضرت مرشدی نور اللہ مرقدہ دورِ حاضر کے اکابرِ علماً اور اعظم صلحا میں سے تھے۔ یوں تو آپ کو اکثر علومِ عقلیہ و نقلیہ میں تبحر حاصل تھا لیکن علمِ تصوف کے ساتھ خاص شغف اور طبعی لگاؤ تھا۔ بڑے بڑے علماء و صوفیا، تصوف کے ذائقہ و خواص کو حل کرنے، بلکہ تصوف کی دقیق کتابوں کو درسا پڑھنے کی غرض سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر تھے۔ تدبیر و قار اور حکام سے استغناء آپ کے خاص اوصاف تھے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی اور تکفیر سے حتیٰ الوسع احتراز فرماتے تھے۔ البتہ مرزا غلام احمد صاحب کی تکفیر کے باب میں علماء اسلام کے ہم نوا تھے۔ بلکہ مرزا آنجنابی کی زندگی میں ان کے خلاف کلمہ حق کہنے والے بزرگوں میں حضرت پیر صاحب قدس برہ کو خاص درجہ حاصل ہے۔ ان کے خلاف بعض لاجواب فاضلانہ اور کفر شکن تصنیفات آپ کی یادگار کے طور پر موجود ہیں۔ غرض حضرت کا وجود گرامی اس قحط الرجال میں مغنماتِ روزگار سے تھا۔

۸۔ وزنامہ پیسہ اخبار لاہور۔ ۱۴ مئی ۱۹۳۷ء

... لاکھوں بندگانِ خدا کو آپ کی ذات سے عقیدت کا خیر حاصل تھا۔ اس زمانہ کفر و الجاد میں آپ کا وجود مغنمات سے تھا کیونکہ اس چشمہ فیض سے ہزاروں لاکھوں ابادت مندوں کو فیضان اور جسمانی برکات حاصل ہوئیں۔ آپ کا آسمانہ عالی منبغ فیوض تھا۔ دینیات کی تعلیم کا بھی انتظام موجود تھا۔ گندرجی جاری تھا۔ آپ کی ذات مقدس کے طفیل گولڑہ جیسے معمولی گاؤں کو

سارے ہندوستان میں شہرت حاصل ہوئی۔ آپ کی وفاتِ حسرت آیات سے طبقہٴ صوفیاء اور طبقہٴ علماء دونوں کو ناقابلِ تلافی صدمہ پہنچا ہے۔ عالمِ دین کی موت ایک جہان کی موت کا حکم رکھتی ہے۔ گولڑا کی سرزمین آج ایک باعمل درویشِ کامل اور صوفی بزرگ کے سایہٴ عاطفت سے محروم ہو گئی ہے۔ ایسے بالکمال حضرات ہمیشہ پیدا نہیں ہوتے۔ سچ ہے ۷

قرن ہا باید کہ تا صاحبِ دے پیدا شود بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن
 نہ قرن میں دوسرا اویس قرنی پیدا ہوا نہ بسطام نے آج تک دوسرا بایزید پیدا کیا۔ گولڑا کو بھی دوسرے مہر علی شاہ کی ہمیشہ
 آرزو باقی رہے گی۔ لیکن سلسلہٴ موت و حیات لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کو بعت نہیں۔ یہ دنیا و ما فیہا
 سب فانی ہیں ۷

ہر آن کہ زاد بنا چار بایدش نوشید ز جامِ دہر سے کل مَن علیہا فان

پانچویں فصل

شعرا و اہلکار کا اظہار عقیدت مرثیہ و قطعہات تاریخ وصال

امیر شیعہ عربیہ کوصال حضرت قبلہ عالم گولر وی

حضرت شیخ محمد علی مدنی رفاعی برقی غوث الزماں قطب الاقطاب محبوب الشیخ سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز
 شیخ محمد علی مدنی رفاعی حضرت غوث الزماں قطب الاقطاب محبوب الشیخ سید پیر مہر علی شاہ قدس اللہ سرہ کامرثیہ کہتے ہوئے
 فرماتے ہیں :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْبَاكَ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ۱۳۵۷ ہجری

۵۵ - ۳۲۰ - ۹۰ - ۶۶ - ۲۹۲ - ۳۱۲

لِفَقْدِ مِثْلِكَ مِهْرٌ عَلٰی شَاہِ تَبٰكِي الْعِيُوْنِ وَ لِعُرْسِيكَ التَّعْرِیْفِ قَدْ حَضَرَ الْمُحِبُّوْنَ
 اے خواجہ مہر علی شاہ آپ جیسی ذات کے گم ہونے پر آنکھیں ہمیشہ روتی ہیں اور آپ کے عرس پر آپ کے پڑانے حاضر ہیں
 لَقَدْ خَانَنَا فِيْكَ هٰذَا الزَّمَانُ فَلَا كَانَ هٰذَا الزَّمَانُ الْخُوْنُ
 آپ کے معاملہ میں اس زمانے نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا اب خدا کرے یہ دھوکے باز بھی نہ رہے
 فَوَا اَسْفٰی كُمْ سَهَرَتِ اللَّیَالِیْ وَ اَظْهَرَتِ سِرَّ الْجَمَالِ الْمَصُوْنِ
 آپ کی وفات پر افسوس ہے آپ نے کتنی راتیں بیداری میں گزاریں اور باری تعالیٰ کے جمال
 مستر کار از نظر اہر نہ مایا۔

وَ اَوْضَعْتَ لِلطَّالِبِيْنَ الْهُدٰی وَ بَيَّنَّتْ لَهُمْ مَا يَجْبَلُوْنَ
 اور ہدایت طلب کرنے والوں کے لیے صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) اور وہ ہر چیز جس سے کہ وہ جاہل مطلق تھے
 آپ واضح اور بیان فرماتے رہے

وَ كُمْ رَدَدْتَ عَلٰی الزَّالِغِيْنَ اَهْلَ الْبِدْعِ وَالضَّلَالِ وَالْفُتُوْنِ
 اور بدعتیوں اور گمراہوں کی اور فتنہ بازوں کی کس قدر آپ نے ترویدیں فرمائی ہیں
 وَ ذٰلِكَ لِنُصْرَةِ هٰذَا الدِّيْنِ وَ لِكَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ
 مذکورہ بالا تمام کا تمام منہ اس دین کی مدد کی غرض سے تھا لیکن کیا کیا جائے کہ وہ ساری قوم ہی بے سمجھ ہے

سے یہ مرثیہ کن تاریخ نظم ہے۔

وَلَقَدْ رَمْتَكَ الْمُنُونُ بِسَهَامِهَا فَمَا أَخْطَأَتْكَ سَهَامُ الْمُنُونِ
یقیناً موت نے اپنے تیروں سے آپ کی ذات گرامی کو نشانہ بنایا پس وہ موت کے تیرنشانہ پر بیٹھے
ظَنَنْتَاكَ لِنَفْعِ الْعِبَادِ تَبَقَى فَنَابَتْ بِمَوْتِكَ تِلْكَ الظُّنُونُ
ہمارا گمان تھا کہ آپ کی ذات کریم بندوں کے فائدہ پہنچانے کے لیے زندہ رہے گی۔ مگر آپ کی اچانک
موت نے ہمارے تمام گمان غلط ٹھہرائے۔

أَرَدْنَا بَقَاءَكَ وَ لَكِنَّا أَرَدْنَا مِنَ الدَّهْرِ مَا لَا يَكُونُ
خُذَا سَهْمِ نِيَّتِ نَا كَانِ زَاهِدًا مَانَا كَمَا تَحَايِكُنَا بِهَارَا يَرَادُهُ حَقِيقَةً اِسْ جِزِيَةً كَارَادُهُ تَحَايُجُو سِرًا سِرًا يَجُوزُ اِلَى
ہو۔ لہذا ہم کامیاب بھی نہ ہوئے۔

اِنَّمَا سِرَرْنَا بِقَوْلِهِ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَآخُوْفٌ عَلَيْهِمْ وَاَلَا هُمْ يَخْزَنُوْنَ
یقیناً ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک نے خوش کیا ہے کہ اے لوگو معلوم کر لو کہ اولیاء اللہ پر نہ کوئی
خوف ہے اور نہ کسی قسم کا غم ہے

وَلَقَدْ تَرَكَتْ لَنَا سِرًا جَامِضِيَةً فَكَمْ لَنَا مِنْ اَسْرَارٍ وَ شُؤْنٍ
اور بخدا آپ نے ہمارے نفع کے لیے ایک ایسا چمکتا روشن سورج چھوڑا کہ اس کے رازوں اور بھیدوں کی
انتہا کوئی معلوم نہیں کر سکتا یعنی اپنا جاننا نہیں فرزندِ ارحمِ مدظلہ العالی
وَ اَزْكَى صَلْوَةٍ عَلَي النَّبِيِّ مَا هَبَّ رِيْحٌ وَا مَا لَتْ غُصُونُ
اور بہترین صلوة اور سلام خدا کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے ہیں جب تک کہ ہوائیں چلتی رہیں اور ٹہنیاں چھوٹی رہیں
وَ اغْفِرْ يَا رَبِّ لَنَا ظِيْمًا عَبِيْدِكَ مُحَمَّدٌ عَلِيٌّ وَا وَصَلَهُ مَدِيْنَةُ الْمِيْمُونِ
اے اللہ اپنے مکرّم بندہ یعنی اس مرتبہ کے شاعر محمد علی کو بخش دے اور بہت جلد اسے مدینہ مبارکہ میں پہنچا دے۔

۲۔ بروصال پر ملا حضرت قبلہ عالم گولرومی قدس سرہ

از قلم ابو الفضل مولانا مولوی کرم الدین صاحب مرحوم دبیر مصنف تصانیف کثیرہ و مبلغ و مناظر اہل سنت و اجماع۔ مکتبہ بھین۔ ضلع جہلم

آسماںِ راقی بود گر خوں بسا در بر زمین
بر وفاتِ پیر ما شاہنشہ دنیا و دین
شد غروب آں مہر عالم تاب شد گیتی سیاہ
بر فلک گریاں ملائک جن و انس بر زمین
رخت بستہ زین سراچوں رفت در دار السلام
گفت رضوان خیر مقدم فادخلوها خالدین
خورد و غلماں صف کشیدہ منتظر بہر جمال
جسم شد محبوب از ما یک روح پاک او
طالب دیدار آرواح عباد الصالحین
ہر زمان نگران حال طالبانِ صادقین

باشد از بہر مریداں حضرت اقدس دبیر
روزِ محشر مثل جد خود شفیع المذنبین

اے اس سے مراد آنجناب کے خلفِ صدق قبلہ ابوجی مدظلہ العالی کی ذات گرامی ہے۔

انجمن ریسرچ اور "مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۳۷ء"

نوٹہ وفات حسرت آیات قبلہ عالم گولڑہ شریف قدس سرہ

از جناب مآل صدیقی پشاور

اللہ اللہ انقلاب چرخ رکس
وائے ویلا چھپ گیا زیر زمین
اٹھ گیا وہ شہ نشین عارفین
اٹھ گیا افسوس وہ سرد و حید
اٹھ گیا ماہد کلام اللہ کا
آہ سونا ہو گیا بندوستان
اٹھ گیا وہ مرد میدان عمل
انتقالِ خواجہ مہر علی
مرگ عالم ایک عالم کی ہے موت
کر گئی پرواز جب رُوح حضور
بہر استقبال آئیں دوز کر
گولڑہ کل تک جو تھا رشکِ جناس
صدمہ جانکاہ ہے میرے لیے
کیا کہوں کس سے کہوں کیونکر کہوں
چشمِ گریاں جسم لرزاں ہوشِ گم
تھے مرے استاد کے استاد وہ
تھے تسلیم الطبع عالی حوصلہ
حاضر و غائب سے تھا یکسر سلوک
عالم و فاضل بھی تھے درویش بھی
تھے نہایت نرم دل سادہ مزاج
الجتا ہے اب ہماری اے خدا
ڈٹنا پلے مرحوم کو رحمت تری

اٹھتے جاتے ہیں جہاں سے صاحبیں
آسمانِ علم کا مہر نہیں
اٹھ گیا وہ صدرِ بزمِ ساکین
بزمِ اہلِ علم کا کرسی نشین
کس سے پوچھیں رمزِ قرآن نہیں
اٹھ گیا ہندوستان کا فخر دین
خواجہ مہر علی سلطانِ دین
ہے مصیبتِ بہرِ قومِ مسلمین
کم نہیں یہ حادثہ اے مسلمین
چل بسی جب جانبِ خلدِ بریں
جنتِ الفردوس سے خورانِ عین
آج ہے ماتم کدہ وہ سرزمین
کیوں نہ ہوں میں مضطر و اندوگین
مجھ پہ جو گذرا ہے صدمہ ہم نشین
دل پریشاں مضطرب جانِ حزیں
پیرو مُرشد راہنمائے راہِ دین
فیضِ بخش و خندہ رُوروشِ جنین
ظاہر و باطن میں تھے سب کے قریں
صاحبِ عرفانِ ربِّ الغلین
تھے وہ اک تصویرِ سلفِ الصالحین
رسم فرما بہرِ ختمِ المرسلین!
صبر دے ہم سب کو ربِّ الغلین

مآل مخلص کو ہو یارب نصیب

عرصہ محشر میں قربِ مخلصین

انجاء رہبرِ پشاور مورخہ یکم جون ۱۹۳۷ء

وصالِ حُزنِ مالِ پُربلالِ حضرتِ پیرِ سیدِ مہر علی شاہ صاحبِ گولڑوی

بارشادِ حضرتِ مولائی اُستادی مولوی گل فقیر احمد صاحبِ پشاور

نتیجہٴ فکرِ جنابِ ماسٹر عبدالحق صاحبِ علوی شیخوپورہ معلمِ مشن سکول پشاور

شبِ فراقِ تو تنہا نہ خانِ دامِ سوخت
یقینِ بدم کہ مرارِ روزِ وصلِ خواہد ماند
چہ روزِ وصلِ تو آمد کہ جانِ جانم سوخت
بلائے کُنہہٴ این طسِ ز آسمانم سوخت
اماں ز برقِ تجستی کہ دیدگانم سوخت
شرارِ آتشِ فرقتِ ہیں چنانم سوخت
ز رفتنِ تو چساں جبرِ د لگزانم سوخت
ز بس گر لیستتم در دہاں ز بانم سوخت
عیانِ بسوختم و ہم نہاں نہانم سوخت
مرانہ شیوہ ریا باشد و نہ اظہارم

شبِ فراقِ تو تنہا نہ خانِ دامِ سوخت

چہ روزِ وصلِ تو آمد کہ جانِ جانم سوخت

برفت مہر علی رُویش از جہاں پوشید
بروزِ سلخِ صفرِ رختِ سفرِ بسته!
جواریِ رحمتِ حقِ دامنِ جوارش باد
قیامِ منزلِ حضرتِ بے گوارش باد
فتادہٴ جنتِ بوصلش کہ ہر دو یارش باد
نشستہٴ برفِ نقشِ چترِ تاجدارش باد
طوافِ کوچہٴ خواجہ اگر مدارش باد
بجویم لطفِ ایزدِ سرِ مزارش باد
بروچِ اقدسِ انوارِ چلِ ہزارش باد
بمیدد آنکہ نہ دامنِ تارِ تارش باد
دلیلِ مغفرتش نزدِ حقِ پیارش باد
ز ہے نصیبِ فلکِ کو بکام او گردد
حشا بباردش انوارِ رحمتِ باری
ثوابِ ختمِ کلامِ و درودِ پیغمبر!
مباد آنکہ گریبانِ خود نہ چاک کند
ہر آنکہ معقدِ خاکِ پائے آل باشد

شہا معاوضہ علوی ز تو نمی طلبد

غزانِ عقلتِ اورا بَدَلِ بہارش باد

ہفتہ وار رہبرِ سرحدِ پشاور ۱۰ جون ۱۹۳۷ء مطابق ۳۱ ربیع الاول ۱۳۵۶ء

نوائے غم

پیشکش بحضورِ قبلہ و کعبہ حضرت صاحبزادہ صاحبِ حسبِ الارشادِ اُستادی و مولائی حضرت مولانا

گل فقیر احمد صاحب خطیب جامع مسجد

بروصال حضرت قبلہ عالم قطب الاقطاب تید السالکین زبدۃ العارفين حاجی سید مہر علی شاہ صاحب

چشتی قادری صدر نشین خانقاہ گولڑا شریف ضلع راولپنڈی پنجاب

(پیش کردہ جناب تید ضیاء جعفری قادری صدر دائرہ ادبیہ پشاور)

ساقیا امروز بے کیف است جام زندگی
مادر گیتی سیاہ پوش است چوں شب بے تار
سر زمین گولڑا امروز ماتم حسانہ شد
مہر عالم تاب از پیش نظر بہیات رفت
حاصل کون و مکان بچتا گرم کرده ایم
دیدہ بے خواب است آن چشم غزالی اچہ شد
شد لباس فقر از خون تمنا لاله زار
آہ اے مہر علی اے سیکر صدق و صفا
تا نمودی پردہ از چشم ظاہر بین ما
بسکہ انجم ریخت چشم اشک بار کھکشاں
اے کہ ذات پاک تو سرمایہ اسرار عشق
اے حسیل کعبہ دل اے مسیح جان ما
آستین جلوہ فنکرت ید بیعتا سے
از چراغ قلب تو گشتہ بے دہا چراغ
بود نطق گوہر نیت آیت فردوس گوش
بود از بگری ہزار و سہ صد و پنجاہ و شمش
بست و نغم از صف در یوم وصل مصطفیٰ
حق دہد صبر و سکون با خواجہ محی الدین سعید
اے شہنشاہ ولایت اے امیر روزگار
تاجدار معرفت اے معنی بر حیات
اے تو شمس الدین تبریزی و مولاناے ما
دیدہ ہائے گل فقیر احمد ہمہ طوفاں گرفت
آن فقیر در گمت استاد ماملائے ما
انکہ از بحر تو یک جو بست در گلزار عشق
آتش در سینہ غم پرور اورا گرفت

خارخار رنج و حسد ماں گام گام زندگی
جز کف افسوس نبود حاصل لیل و نہار
گولڑا ویراں چہ شد علم ہمہ ویرانہ شد
چشمہ آب بخت اندر دل ظلمات رفت
چشمہ اداریم لیکن ما نظر کم کردہ ایم
نالہ بے تاب است آن روح بلالی اچہ شد
علم و عرفان و عمل با مرگ حسرت ہم کنار
از وصال شد زمین و آسماں ماتم سرا
داغ بادل آشنا شد گریہ با چشم وفا
نیگہوں در ماتم تو شد قبائے آسماں
اے کہ مہر جلوہ ات شد مطلع انوار عشق
جان ما جانان ما اے دین ما ایمان ما
بیتہ بے کینہ ات ہم طور و ہم سینتے
وز دماغ روشن تو شد منور صد دماغ
گشت آن رنگینی گفتار تصویر خموش
روز سہ شنبہ سفر کرد از جہاں آن مہروش
در جو ابر رحمت حق رفت آن نور خدا
زینت سجادہ زیب مسند و خلف رشید
نور چشم غوث اعظم اے شہ گزوں و قار
شش جہت آئینہ از جلوہ ذات و صفات
ما کجا بے جلوہ رویت رویم اے وائے ما
ہاں دل بے اختیارش آتش سوزاں گرفت
بے تورفت از خویشتن اے وائے وائے ما
گشت از مہر تو چوں آئینہ اسرار عشق
داستان خاک پاک گولڑا از سر گرفت

ذرّہ و اماندہ حیراں از غروب آفتاب
عالم معنی ہمہ تاریک شد دل ہا خراب
از سروش آمد ندا کے بندہ وہم و گمان
بہرہ از روح پاکش گیر و این آیت بخوان
گفت حق جان شہیداں را مسلم شد حیات
کشتہ تسلیم را پس کے بود خوف مہمات
مرگ بہر او یواہل جنساں و زندگیت
زاں کہ روح شاں ہمہ تابندگی پانیدگیت
بر امیدیک نگاہ آں دو چشم سُر مرہ سا
لالہ ہا بر مرقدش کارید اشکِ نغول ضیا

بروصال پر ملاں حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرہ

از نیازمند درگاہ مہر فیض احمد عفی عنہ (مؤلف)

دوش از صمیم قلب بگو شرم کسے نواخت
کاں شیخ وقت قطب زماں ایں جہاں گذاشت
آں شاہباز قدس نشین کہ در زمین
دلہا شکار کردہ علم در جنساں فراشت
آں نور ذات حق کہ بیک پر تو نگاہ
ذرات خاک سجدہ گر آفتاب ساخت
آں مرد کاملے کہ بعرفان و عشق حق
در وقت خویش مثل خود اندر جہاں نداشت
آں محبت خدا کہ بہر جا قدم نہاد
باطل بصد خجالت و ذلت ازاں شافت
مردان راہ گرد ازاں جا نیافتند
انجا کہ اسپ فضل و کمالت دوید و تاخت
سبط جناب حیدر و دل بند غوث پاک
فرزند شاہ کون و مکاں آل مصطفیٰ است

فیض از نگاہ لطف خدا کے شود جدا
آں کس کہ قدر مہر علی شاہ بدل شناخت

انتقال پر ملاں

قطب القطاب سیدی مولائی اعلیٰ حضرت حضور پر سید مہر علی شاہ صاحب چستی قادری گولڑوی قدس سرہ
از جناب شیخ ڈاکٹر اللہ داتا صاحب طالب نقشبندی گنجابی

از چہ تاریک است در چشم جہاں
وز چہ می خیمند ز قلم ایں قفاں
از چہ شد غونبار چشم دوستاں
وز چہ شد ماتم کدہ ہندوستاں
از چہ در دستم بلرزد حنامہ
وز بیانش دردہن سوزد زباں
چسیت ایں شورے کہ در عالم فقاد
در نواح گولڑا آہ و فغاں
سید ما حضرت مہر علی
آفتاب معرفت قطب زماں
منظر فیض عظیم مصطفیٰ
سیدالسادات بس عالی نشاں
پیشوائے اصفیاء و اقیقہ
ناقصاں را پیر شمس کا ملاں

مہر چرخ زُبد و ورع و اِقتا
 ذور گیتی چوں مشتالش کم بزاد
 از قدم بوسیش محمدوم بساخت
 حیفت و داویلا در لعن احسرتا
 دیدنش کفارة عصیان ما
 موت عالم موت عالم گفتم اند
 بہر تاریخ وصالش این بگفت
 روز سہ شنبہ صفر بست و نہم
 از صد بستم برفتنہ سی و ہفت
 مرجبائے گفت رضواں مرجبا
 زانکہ سوئے حق روی اے حق منا
 یادم آری از کرم بس عالمیم
 ہمت مرد خدا گردد فنزوں
 رحمت حق بر مزارت تاابد

در علوم شرع بحسبے کراں
 چشم مہر و ماہ ندیدہ ہم چہناں
 رفت از دارِ عن سوئے جنان
 شد جدا از ماپناہ بکیان
 بود مرد حق پرست و حق نشان
 بود در علم و عمل جان جہان
 طالب از کنجہاہ باورد و فغان
 قبلہ عالم چو شد جنت رواں
 یازدہ از متی بحق واصلان
 مہتمش را ایستادہ حوریان
 لب کشائی چوں بحق دوستان
 زانکہ لطف بیشتر بر عاصیان
 چوں شوند از سخن بیرون مومنان
 قبر تو در وسط گلزار جنان

دیگر

(از مولانا مولوی سلام اللہ خان صاحب بنس چکے)

چہ گویم ز بے مہر بی چرخ دوں
 نہ شاید ز دستاں مکرش گریخت
 ز دُنیا رواں گشت قطب زماں
 میسادم و خضر فرخندہ پے
 ز اولاد پیغمبر پاک دین
 ہم نامداران رُوئے زمین
 تسبیح و تسلیل یاد خدا
 ز ماہ صفر بود بست و نہم
 باق ظلمت شدہ رونا

زدستش کے شادمانی ندید
 نہ خواہد کے از بلایش رہید
 چو معروف و ذوالنون چوں بازید
 مہنارک بسیرت ہمالیوں پدید
 چہ درخ شہستان شاہ شہید
 بصدق و ارادت مطیع و مرید
 بذکر خداوند عرش مجید
 سفر کرد و دامن زیاران بچید
 چو مہراز جہاں مہربانی کشید

بحناک مزارش خداوندگار

وہدین و برکت ز لطف مزید

تاریخ ہائے وفات اعلیٰ حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

چو آل مہر سپہ اوجِ رفعت
نہاں شد شد عیساں وقتِ زوالش
سیاہی گشت در عالمِ بویا
جہاں بے نور شد از انتقالش
بُروح پاک او بارانِ رحمت
الہی نیک گردانیِ مالش!
بگو نورِ ہدایت رفت بحسری
اگر خواہی ز من سال وصالش

۶ ۵ ۱۳
۶ ۱ ۳
۳ ۱ ۶
۳ ۱ ۶
۳ ۱ ۶
۳ ۱ ۶

دیگر

جناب پیر صاحب فخر سادات
چو از دُنیا بخت رفت ناگاہ
اسیرِ قیدِ عنم گردید ہر یک
جہاں تاریک شد چوں رُوئے بدخواہ
بگو فخرِ زمان و قطبِ دوران
۶ ۵ ۱۳
۶ ۱ ۳
۳ ۱ ۶
۳ ۱ ۶
۳ ۱ ۶

دیگر

(از جناب مولوی محمد فاضل صاحب صابر از ٹھیکریاں)

از ازل رسمِ تقدیم آمد کہ مہر آسمان
مے بود محبوب تر اندر زمستان بے گمان
یک آے حسرت نصیب گشتہ و بختِ نگوں
مہر ما گردید در آغاز تا بستان نہاں
خوشین و مساز شد با عنم گسارِ خوشین
کوہِ عنم انداختہ بر قلب ما پس ماندگان
الغیث از مکر ہائے آسمان جیلہ ساز
الاماں از بازیِ چرخِ ستم گرا اماں
آں کہ بر اعداء چوں سیفِ چشمتائی برکشید
سر بُریدہ صد ہزاراں را بہ تیغِ جانستمان
آں کہ در میدانِ مہیب کوسِ جنگی را نواخت
بند گردانید سخنِ تدعی فتادیاں
بعد ازیں ہرگز نباید داشت اُمید بقا
نیست در این خاکداں گنجینہ امن و اماں
یک آہ آں آبِ حیواں رفت در زیر زیں
کیست آں واپس بیارد از برائے تشنگان
طالبانِ راتشہ لب بگذاشت ز آبِ فیضِ خویش
ماکنون از قطرہٴ فیضش نکرده تر زباں
ہائے آں شاہِ ولایت سرگروہ اولیاء
بودیکتائے زمنِ اہلِ صفا قطبِ زماں
چوں ازیں دُنیا برائے سفرِ رختِ خویش بست
در ہمہ عالم پسا شد سر بسر آہ و فغان
بر دلِ مردم رسیدہ آں چنای در و فراق
گر نہی بر کوہِ ندارد تابِ ایں بارِ گراں

بُود آں بحیرِ علومِ ظاہری و باطنی
ازدبُودش گولڑا گلزار بُودہ سرسبز
آہ آں گلزارِ زیب گشت پایمال خزاں
جامہ خود چاک کردہ غنچہ از رنج دروں
ہست نیلوفرِ بغم نیل پیرا ہن زدہ
صاحبِ علم و عمل صوفی و عالی خاندان
بہر گل چیدن ز ہر سو خلق گرد آمد دران
باغ چوں رونق پذیرد گر نماند باغبان
بید بر خود می کنند لرزہ میان بوستان
بسکہ بار ہجر اورا ساخت بے تاب تو اں

صابر ازین وصالِ شان بگو آمد بندا

بے ضیاء ماندہ جہاں چوں بہر عالم شد نہاں

۱۸۳۷ + = ۱۹۳۷ ۶

راقم الحروف (مؤلف) کی استخراج کردہ تاریخ وصال: تُوْتِي وَدُوْدُ اللهِ مُجَبَّدٌ دَطِيْقَتِهِ يَعْنِي اللهُ كَادُوسْت
طریقۃ الہیہ کا مجدد فوت ہوا قبل ازیں بھی تحریر ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ رام پور، لکھنؤ، دہلی وغیرہ کے عقیدت مندوں کے
مرثیہ جات و تاریخ ہائے وصال بخوبی طوالت درج نہیں ہو سکے۔

چھٹی فصل بعض کوائف بعد از وصال

حجابِ برنخ کی کیفیت

حضرت بابو جی مدظلہ العالی بیان فرماتے ہیں کہ وصال کے چند روز بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلہ عالم قدس تہرہ مزار شریف والی جگہ پر ایک مکان میں پلنگ پر موجود ہیں۔ اُس پلنگ کے ایک جانب نہایت باریک سیاہ رنگ کا پردہ لٹک رہا ہے۔ میں متعجب ہوتا ہوں کہ حضرت کا تو وصال ہو چکا ہے۔ پھر دوسرے لوگوں کو بھی بلاتا ہوں کہ آؤ زیارت کر لو۔ اس پر آپ اس پردہ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ ہم ادھر سے ذرا ادھر ہو جائیں تو یہی ہمارے لیے موت کی کیفیت ہے۔ سچ ہے۔ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ لَا يَمُوتُوْنَ بَلْ يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ اٰخِرٰى۔ (اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ اس دار سے دارِ آخرت کو منتقل ہو جاتے ہیں)۔

ایک مہجور ارادت مند کا خواب

وصال مبارک کے بعد عقیدت مندوں پر جو کیفیت گزری وہ بیان سے باہر ہے۔ اس صدمے سے مہینوں روتے رہے۔ کھانے پینے کو جی نہ چاہتا۔ اور نہ کسی مغل میں جی لگتا۔ ایسے ہی ایک غمزدہ نیاز مند نے خواب میں دیکھا کہ حضرت نے اسے گولڑہ شریف میں طلب فرمایا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ حضرت سنگ مرمر کے تخت پر تشریف فرما ہیں اور خیر و عافیت دریافت فرمانے کے بعد اُس کے رات دن آنسو بہانے کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ جو تمہاری حالت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف راہ پانے کے لیے یہ بھی ایک ضروری چیز ہے۔ یہ خواب اُس نے حضرت کے وصال کے چوتھے روز اپنے شہر میں دیکھا۔ اس پر اُسے ایسا جوش گریہ طاری ہوا کہ تین چار ماہ بعد جا کر اس میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ سنگ مرمر کا روضہ اور تخت جو اُس نے خواب میں دیکھے تھے تقریباً بیس برس بعد جا کر تیار ہوئے۔ اس ناشاد کا نالہ غم اس طرح منظوم ہو گیا تھا۔

یاد ایام کبھی دہر میں آباد تھے ہم	باعث رونق کا شائہ ایجاب تھے ہم
بزم گلزار تھی وہ یار تھا اور ابر بہار	گل و بلبل تھے کبھی شہری و شمشاد تھے ہم
جان پروانہ تھی اور سامنے وہ شمع جمال	نشہ دید میں ہر سکر سے آزاد تھے ہم
روح قربان تھی اور نذر دل و جاں کا فراج	جلوہ حسن میں سرور تھے دلشاد تھے ہم
ناگماں چھوڑ کے وہ یار طرح دار گیا	ناگماں دور تھے، مہجور تھے برباد تھے ہم

ظلمتِ غم کی سیاہ رات ہے اے مہرِ منیر

تیری فرقت میں بہت روتا ہے یہ تیرا فقیر

مولوی عبدالرحیم صاحب (تھٹی) کا غش

حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کی نماز جنازہ کے بعد ایک درد مند مخلص مولوی عبدالرحیم صاحب سکند تھٹی ضلع کیمپور شرک پر بے ہوش پڑے پائے گئے۔ کچھ لوگ انہیں ہوش میں لانے کے بعد ملک سلطان محمود صاحب منصرم مراسلات کے کمرہ میں لے آئے۔ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ نماز جنازہ سے واپسی کے وقت میں حضرت کے حجرہ مبارک (عشق آباد) کے بالا خانے پر نظر جمائے روتا ہوا آ رہا تھا کہ آپ اپنا کمرہ میرے پاس سڑک پر آکر کھڑے ہو گئے اور مسکرائے لگے۔ میں اس نظارہ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا۔

حضرت بابو جی کی داستانِ غم

حضرت بابو جی مدظلہ العالی کی ذاتِ اقدس پر جو کیفیت گزر گئی اس کی داستان طویل ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ آپ نے حضرت کے وصال کے وقت حیرت انگیز ضبط اور وقار کا مظاہرہ فرمایا تھا۔ لیکن انتظام اور تہیز و تکفین کے فوری فریض سے فراغت پانے کے بعد گریہ کا طوفان ایسے اُٹھ آیا جو کبھی تمنا معلوم نہ ہوتا تھا۔ خدام اور مخلصین میں آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر نئے سرے سے کمرام برپا ہو جاتا تھا۔ اپنے سلسلہ کے بزرگان اور ملک بھر کے ہم عصر مشائخ دستاریں ساتھ لیے تشریف لاتے رہے لیکن دستار بندی کا ذکر آتے ہی آپ پر شدید رقت طاری ہو جاتی۔ فرماتے: "وہ اپنی جگہ آپ ہیں۔ میں تو صرف خدمت کے لیے ہوں۔" یہ بات سن کر ان حضرات پر بھی گریہ طاری ہو جاتا۔ چنانچہ آج تک مجلس کے مقام صدر میں حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کے لیے مصالے بچھتا ہے اور بابو جی مدظلہ العالی ایک جانب دو زانو بیٹھا کرتے ہیں۔ حجرہ مبارک میں حضرت اعلیٰ کا بستر بستور سجایا ہے اور چھپر کھٹ لگی ہے۔ ارد گرد آپ کی تسبیح، جائے نماز، مسواک، رومال، گلاہ، جُتہ، مختلف پارچات پوشیدنی پاپوش، کھڑاؤں، شیشہ والی الماریوں میں اور میزوں پر بطور تبرکات رکھے ہوئے ہیں۔ جن کی زیارت اعراس اور عیدین کے موقعہ پر کرائی جاتی ہے۔ حضرت کی نشست گاہ کو آنجناب کی لائبریری بنا دیا گیا ہے۔ اور حضرت بابو جی نے اپنی نشست کے لیے علیحدہ ایک مختصر سی جگہ مخصوص فرمائی ہے۔ طالبین کا کثرت سے رجوع ہے۔ اور حضرت اعلیٰ کے حسب ارشاد بے شمار لوگ داخل سلاسل عالیہ ہو رہے ہیں لیکن حضرت کے مُردِ جب بابو جی سے تجدیدِ بیعت کی درخواست کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ تمہارے شیخ زندہ ہیں۔ وہاں حاضری دو۔ ادھر مزار شریف پر حاضر ہونے والوں کو حضرت کی طرف سے حکم ہوتا ہے بابو جی کے پاس جاؤ۔ چنانچہ چنیوٹ کے ایک صاحب کشف خطیب صاحب کہتے ہیں کہ میں مزار شریف پر متوجہ ہوا تو القا ہوا کہ بابو جی کو جا کر بلو۔ مجھے دریافت پر معلوم ہوا کہ آپ حضرت صاحب ثانی کو اس نام سے یاد فرماتے تھے۔ تاہم حضرت کے بعض خوش نصیب مُردِ باصرار استدعا تجدیدِ بیعت سے مشرف ہو چکے ہیں۔

ساتویں فصل

روضہ شریف کی تعمیر

وصال شریف کے بعد حضرت بابو جی صاحب مدظلہ العالی نے خدام حاضرین کا یہ مشورہ پسند فرمایا کہ مدینہ منورہ کے نقشہ پر حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کام قد پاک بھی مسجد کے متصل بائیں طرف ہو چنانچہ اس مقصد کے لیے باغ کا وہ حصہ منتخب کیا گیا جو مسجد کے جنوب میں کچھ نشیب میں واقع تھا جب روضہ شریف کی تعمیر کے لیے باغ کا یہ حصہ کاٹ کر اس کی سطح مسجد کے فرش کے برابر کر دی گئی تو حضرت نے خواب میں بعض متوسلین سے فرمایا کہ مجھ پر اس قدر بوجھ کیوں ڈال دیا گیا ہے۔ اس پر انجینئر مہتمم تعمیر بابو لعل محمد صاحب چغتائی سابق اسسٹنٹ چیف آرکیٹیکٹ، گورنمنٹ پنجاب نے، جنہیں حضرت سے شرف بیعت بھی حاصل تھا، مشورہ دیا کہ تاؤت شریف کو نکال کر نئے تعویذ میں رکھا جائے جس کی گہرائی چھ فٹ سے زیادہ نہ ہو جب کہ موجودہ صورت میں گہرائی بیس فٹ سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔

تاؤت شریف کی برآمدگی

چنانچہ یہ مبارک تقریب وصال شریف سے تقریباً تین سال بعد اس طرح عمل میں آئی کہ ایک شام تاؤت مبارک کو نکال کر حضرت اجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (یعنی حضرت کے والد محترم) کے مزار مقدس کے پاس رکھ دیا گیا۔ جہاں رات بھر دوسرے روز اور آئندہ شب مسلسل قرآن خوانی ہوتی رہی۔ پروگرام تو یہ تھا کہ اسی رات صبح سے پہلے یہ کام مکمل ہو جائے اور کسی باہر والے کو اس کا علم نہ ہو لیکن تاؤت مبارک کی برآمدگی سے فضا اس قدر معطر ہوئی کہ قصبہ اور نواحی آبادیوں کے مرد و زن سینکڑوں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ اور اگلے روز تو حضرت کے جنازہ کے مجوم کی سی شان پیدا ہو گئی۔ پھر باطنی فضائیں کچھ اس طرح منور ہوئیں کہ جب اگلی صبح بسا ل شریف سے حضرت مولانا محمد جعفر صاحب گولڑہ شریف پہنچے اور حضرت بابو جی نے ازراہ تعجب دریافت فرمایا کہ آپ کو پچاس میل دور کیسے خبر ہو گئی تو عرض کیا میں تہجد کے لیے بیدار ہوا تو اس طرف سے ایسی خوشبودار مہک آئی کہ مجھ سے رہا نہ گیا اور چل پڑا۔

بخدا کہ رسم آید بدو چشم روشن خود

جب تاؤت شریف شام کے وقت باہر نکلا گیا تو اس میں ایک دراڑ نے نمایاں ہو کر حضرت بابو جی کو دعوت نظارہ دی۔ آپ نے جھانک کر دیکھا تو پیشانی میں سے ایک ایسا نور نکلتا نظر آیا جس کی مثال کسی دنیاوی روشنی یا چمک سے نہیں دی جاسکتی۔ بہت عرصہ پہلے آپ نے حضرت قبلہ عالم قدس بترہ سے حضرت حافظ کے اس شعر کا مفہوم دریافت کیا تھا۔



درگاہ غوشیہ مہریہ گولپڑہ شریف (رات کا منظر)



حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے کمرے کا منظر۔ تبرکات جو آپؒ کے زیر استعمال رہے۔



مرقد شریف حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب و حضرت بابو جی



درگاہ عالیہ گولڑہ شریف کا منظر

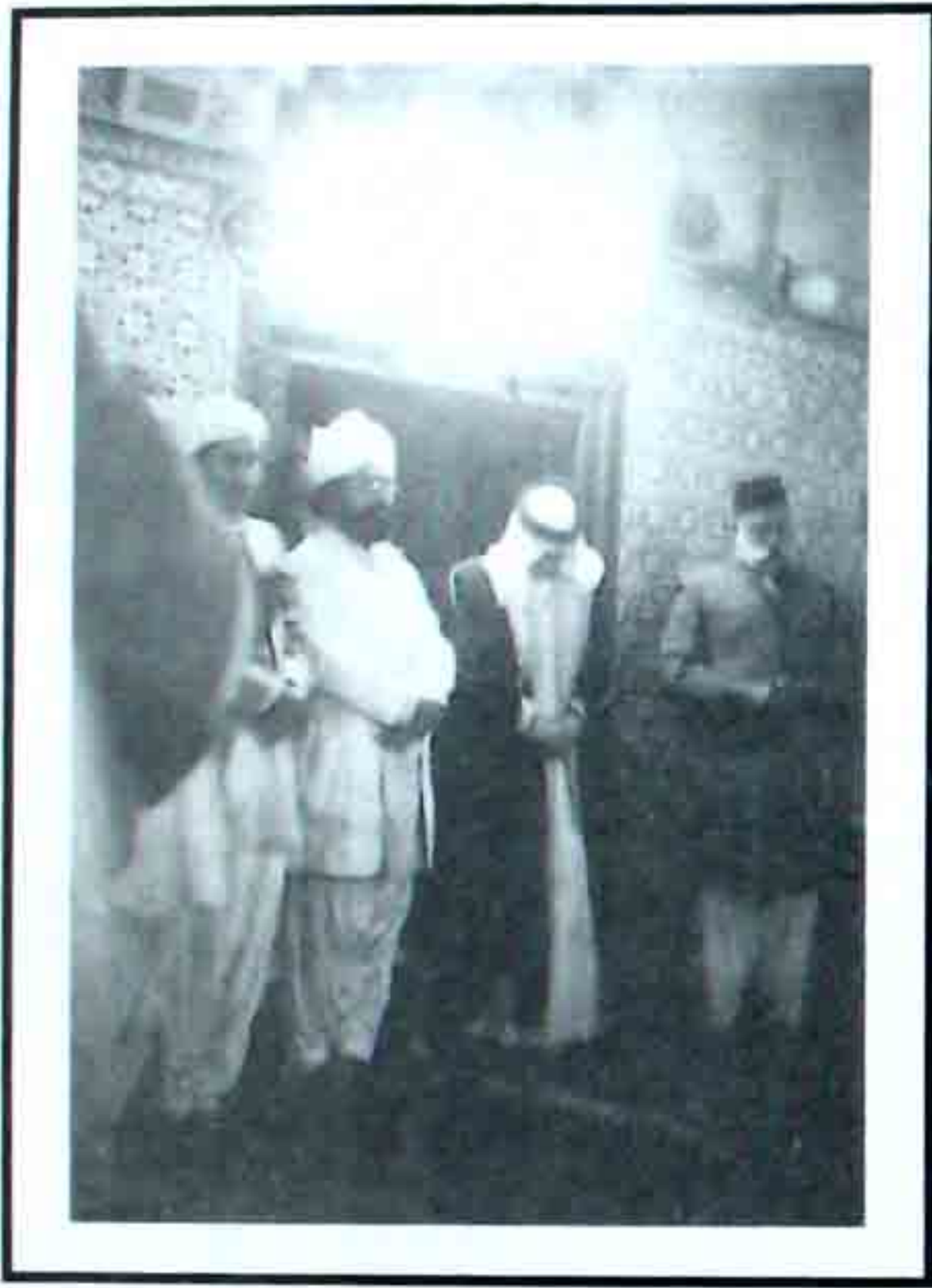


حضرت سید غلام حسین الدین صاحب (الابجدی) اور حضرت سید شاہ عبدالحق صاحب مظلہ العالی
 آپ کے بیٹے اور پوتے مزار مبارک پر نئی چادر تبدیل کرتے ہوئے۔



حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی چھٹری مبارک، ٹوپیاں اور رومال وغیرہ

حضرت بابو جیؒ کے سفر ہائے بغداد شریف و قونیہ شریف کی دو نادر و یادگار تصاویر۔



مزار پُر انوار حضرت سیدنا غوث الاعظمؒ کے اندر سلام عرض کرنے کا منظر
حضرات مدنی صاحب، متولی صاحب، اجیر شریف، صاحبزادہ غلام فرید صاحب، پاکستان شریف کے ہمراہ
(بشکریہ: محمد حیات خان اسپنٹ کمنز انکم ٹیکس)



قونیہ شریف - روضہ اقدس حضرت مولانا تے روم کے باہر اپنے قافلہ کے ہمراہ

بخدا کہ رشکم آید بدو چشم روشن خود کہ نظر درینغ باشد پنچیں لطیف رُوسے
تو حضرت نے مسکرا کر فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب اس شعر کے معنی تم پر خود بخود واضح ہو جائیں گے حضرت ابو جی
فرماتے ہیں کہ اس کیفیت کو دیکھ کر اچانک یہ شعر میری زبان پر جاری ہو گیا اور حضرت کے اُس ارشاد کے انوار دل و دماغ
میں کوند گئے۔

روضہ مبارک پر کندہ آیات احادیث اور اقوال

حضرت کے حسین سنگ مرمری روضہ پاک کی تیاری میں سنہ ۱۹۱۱ء میں لگے ہیں۔ سنگ مرمر جو دھ پور ریاست میں مکرانہ کی
مشہور عالم کان سے منگوا گیا۔ معمار بھی وہیں سے آئے اور بالآخر گولڑہ شریف میں رہائش اختیار کر کے پاکستانی شہری بن گئے
ہیں۔ روضہ شریف کے اندر اور باہر بلندی پر سنگ سیاہ سے آیات، احادیث اور ان کے ہم معنی اشعار اس خوبصورتی سے
کندہ کیے گئے ہیں کہ باید و شاید۔ ان کی تفصیل زائرین کے بڑھتے ہوئے اشتیاق کی بدولت اب ایک علیحدہ ٹریکٹ میں شائع
ہو چکی ہے بعض مثالیں درج ذیل ہیں:-

آیت شریف:- **اللَّهُ يُجِيبُ إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ**

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنے لیے جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اُس کو جو اُس کی طرف رجوع کرے۔
حدیث شریف:- **إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كَالْهَبَاءِ بَيْنَ أَصْبَعَيْهِ مِنَ الرَّحْمَنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ
يُصَرِّفُهَا كَيْفَ يَشَاءُ**

ترجمہ:- تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں میں مثل ایک دل کے (قابو و قبضہ میں) ہیں۔
وہ پھیرتا ہے اُن کو جیسا چاہے۔

شعر:- بیچ کے بخوشتن رہ نہ بُرد بسوئے او بلکہ سپائے او زود ہر کہ زود بسوئے او

ترجمہ:- کوئی شخص خود بخود اُن کی طرف نہیں جاسکتا بلکہ جو بھی اُن کے دُک جاتا ہے اُنہی کی مرضی سے جاتا ہے۔

شعر:- تا بُرود ازو طلب طالب او کسے نہ شد ایں ہمہ جستجوئے ماہست ز جستجوئے او

ترجمہ:- جب تک اُن کی طرف سے طلب نہ ہو کوئی اُن کا طالب نہیں ہو سکتا۔ یہ ہماری جستجو اُنہی کی مہربانی کی بدولت ہے

حدیث شریف:- **لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ إِلَىٰ بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أَكُونَ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ**

ترجمہ:- ہمیشہ بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا ہے حتیٰ کہ میں اُس کی شنوائی ہو جاتا ہوں جس کے ذریعہ وہ سنتا ہے۔

شعر:- **گفتہ او گفتہ اللہ بُود** گرچہ از حلقوم عبد اللہ بُود

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ کے بندوں کا کہنا اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے اگرچہ وہ بظاہر انسان کے مُنہ و زبان سے ہو۔

شعر:- **گر جُدا بینی ز حق تو خواجہ را** گم کنی ہم تن و ہم دیباچہ را

ترجمہ:- اگر تو اپنے مُرشد کو حق تعالیٰ سے جُدا سمجھے گا تو تن اور دیباچہ بظاہر و باطن سب کھونٹے گا۔

لے واللہ مجھے اپنی ان دو آنحوں پر شک آ رہا ہے کہ ایسے حُسن لطیف کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا ہی غیرت کا

مقام ہے۔ (فیض)

آیت شریف :- وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ

لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

ترجمہ - اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تیرے پاس آتے اور پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے حق میں طلب معافی فرماتے تو البتہ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔

حدیث شریف :- سَلِّ تَعَطُّ وَاشْفَعْ تُشَفَّعَ

ترجمہ - سوال کرتے دیا جائے گا۔ شفاعت کرتی شفاعت قبول کی جائے گی۔

شعر ————— گویم ز کمال تو چہ غوث الشفقتینا محبوب خدا ابن حسن آل حسینا

ترجمہ — اے دونوں جہاں کے غوث آپ کے درجہ و کمال کے کیا کہنے (بہتر اور مختصر یہ ہے) کہ آپ خدا کے محبوب اور ابن حسن اور آل حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔

شعر ————— ما عاجز و حیران بانذیم بگرداب لا اخلص الا بک باللہ لدیننا

ترجمہ — ہم گرداب میں حیران و پریشان پھنسے پڑے ہیں۔ خدا کی قسم تیرے سوا ہمارا کوئی ذریعہ نجات نہیں۔ آیت شریف - وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ ترجمہ - اور اللہ تعالیٰ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے عیب کی لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔

حدیث شریف - فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ

ترجمہ - تمام اشیاء مجھ پر ظاہر کر دی گئیں اور میں نے ان کو جان لیا (علم غیب کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیے)

شعر ————— کا طلال از دُور نامت بشنوند تا بقعر تار و پودت در روند

ترجمہ — کا طین دُور سے تیرے نام کو سن کر تیرے حقائق و دقائق کا پتہ کر لیتے ہیں۔

شعر ————— بلکہ پیش از زادن تو سا لہا دیدہ باشندت ترا با حالہا

ترجمہ — صرف یہ نہیں بلکہ تیرے پیدائش سے بھی سا لہا سال پہلے تجھے تیرے احوال سمیت دیکھ چکے ہوتے ہیں۔

آیت شریف :- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔

ترجمہ - اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اور سچوں کے ساتھ رہو۔

حدیث شریف - أَنْتَ مَعَهُ مَنْ أَحْبَبْتَ - الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ

ترجمہ - سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان کے ساتھ رہے گا جن کے ساتھ تیری محبت ہے۔ آدمی ان کے

ساتھ ہوتا ہے جن سے محبت ہو۔

شعر ————— ہر کہ با ایشاں نشیند یک دمے روز فردا او کج دارد غمے

ترجمہ — جو ان کے پاس ایک لمحہ بھی بیٹھے گا۔ تو قیامت کے دن اُس کو کوئی فکر و غم نہ ہوگا۔

آیت شریف - وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ هَبْ لِحَيَاتٍ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ

ترجمہ - اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں اور تم نہیں جانتے۔

حدیث شریف - إِنَّ الشُّهَدَاءَ أَحْيَاءٌ وَإِنَّمَا يَنْتَقِلُونَ مِنْ دَارٍ إِلَى دَارٍ

شعر — مثل محبوبِ الہی کردہ اسی مارا مرید وقتِ بیعت بے تامل دستِ را بگرفتہ
ترجمہ — آپ نے حضرت خواجہ محبوبِ الہی کی طرح مجھ ناچیز کو مرید کیا ہے۔ اور بیعت کے وقت بے تامل میرا ہاتھ تھا لیا ہے۔
آیت شریف — اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَآخُوْتُ عَلَيْهِمْ وَاَلَهُمْ عِزٌّ نُّوْنٌ۔

ترجمہ — یاد رکھو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے اِن کو کوئی خوف و ہراس نہیں۔
حدیث شریف — هُمْ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْفِي جَلِيسُهُمْ
ترجمہ — وہ ایسے مجلس والے ہیں جن کا ہم مجلس کبھی بد بخت اور ذلیل و خوار نہیں ہوتا۔

شعر — اولیا را ہست قدرتِ ازالہ تیر جبتہ باز گرداند ز راہ
ترجمہ — اولیا کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہی طاقت حاصل ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو بھی واپس کر سکتے ہیں۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

آیت شریف — نَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ
ترجمہ — ہم زیادہ قریب ہیں اُس کی شہ رگ سے بھی یعنی بہت ہی قریب اور ہر وقت ساتھ ہیں۔
حدیث شریف — وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَيْ شَيْءٍ تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ بِاَعَا
ترجمہ — اگر انسان ایک بالشت میرے قریب آوے تو میں ایک ہاتھ اُس کے قریب آتا ہوں۔
آیت شریف — لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔
ترجمہ — اُس کو آنکھیں نہیں پاسکتیں اور وہ آنکھوں کو پاسکتا ہے۔ اور وہ نہایت لطیف اور خبر داس ہے۔

شعر — اے بڑوں از وہم و قال و قيل من خاک برفرق من و تمشیل من
ترجمہ — اے ہمارے قیل و قال اور وہم و گمان سے باہر تیر کیا بیان ہو۔ ہمارے سر اور مثال دینے پر خاک پڑے۔
آیت شریف — اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔
ترجمہ — جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، اللہ تعالیٰ دُنیا اور آخرت میں اُن پر لعنت بھیجتے ہیں۔

آیت شریف — مَنْ اَذَى لِيْ وَ لِيَا فَقَدْ اَذَنَتْهُ بِالْحَرْبِ
ترجمہ — جو میرے دوست کو ستائے میں اُس کو اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔

آیت شریف — سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ ط
ترجمہ — اب ہم دکھلائیں گے اُن کو اپنی نشانیاں دُنیا میں اور خود اُن کی جانوں میں۔

شعر — حق پیدا است از میانِ دیگران ہجومِ اندر میانِ اختراں

ترجمہ — حق غیروں میں ایسا ظاہر ہے جیسے چاند ستاروں میں ظاہر چمکتا ہے۔
جلوۂ حق یوں نمایاں صورتِ انساں میں ہے
نورِ خورشیدِ فلک جیسے مہتاباں میں ہے

لا اسراف فی النحر

حضرت بابو جی مدظلہ العالی روضہ شریف کی تعمیر کے بارے میں متردد تھے۔ علمائے اہل سنت کی ایک کثیر تعداد نے اس کے حق میں زبانی اور تحریری فتوے دیئے۔ مگر ایک صاحب نے لکھ بھیجا کہ اگرچہ شرعاً بنا علی القبور پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا تاہم تعمیر میں اس قدر خرچ ہو گا کہ اسراف کی شق میں آسکتا ہے۔ اس پر آپ نے تصوف کی ایک کتاب غالباً فوائد الفوائد کھولی تو یہ لکھت نظر آیا کہ حضرت نظام الدین اولیاء سے کسی نے سوال کیا کہ اسراف کسے کہتے ہیں۔ فرمایا کہ شیخ ابوسعید ابو النخیر بڑا خرچ رکھتے تھے۔ کسی نے آپ کی خدمت میں یہ حدیث پڑھی: لا خیر فی الاسراف۔ شیخ ابوسعید نے جواباً فرمایا کہ "لا اسراف فی الخیر" اس کے بعد حضرت بابو جی نے عالم رویا میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ نہایت ذوق کے عالم میں تشریف لارہے ہیں۔ اور تسبیح مبارک کو ہر دو دوش مبارک پر مارتے ہوئے یہ آیت تلاوت فرما رہے ہیں:-

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا
یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے جائے امن و امان بنایا
پھر آپ نے اس سے یہی تعبیر اخذ کی کہ تعمیر روضہ مطلوب ہے۔

آٹھویں فصل

اولادِ واحد

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے صاحبزادہ صاحب اور جانشین حضرت بابو جی مدظلہ العالی کو اپنی ذات کے متعلق تعریف و توصیف کا ایک لفظ تک سنا گوارا نہیں۔ اٹھائے حال اور خودی کی نفی اس قدر منظورِ خاطر ہے کہ ایک بار ایک مخلص نے علامہ اقبال کے اس شعر کی تعریف کی ہے

میں جمی تک تھا کہ تیری جلوہ پسیرائی نہ تھی
جو نمودِ حق سے مٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں

تو فرمایا: کیا کہا؟ میں جمی تک تھا۔ ارے میں تو کبھی تھا ہی نہیں۔“

چونکہ حضرت قبلہ عالم کی سیرت کا کوئی مرقع آپ کی ذاتِ اقدس کے اس مظہرِ اتم کے حالات کے بغیر مکمل نہیں کہلا سکتا تھا۔ اور یہ اندیشہ بھی تھا کہ آپ کے متوسلین کی طرف سے ان حالات کی تالیف بارِ خاطر کا باعث ہوگی۔ اس لیے حاجی مصباح الدین صاحب نقشبندی دہلوی (حالِ مقیم راولپنڈی) کا یہ مقالہ پیش کرنے کی جرات کر رہا ہوں۔

حاجی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے حتی الوسع قلم کو روک کر اور اپنے احساسات کو دبا دبا کر یہ شذرات قلم بند کیے ہیں۔ (فیض)

درتیم حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی

الحمد للہ ثم الحمد للہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا فیض عام ان کے اکلوتے صاحبزادے اور خلف الصدق، سیادت پناہ، جانِ ایتان و کانِ عرفان، حضرت ثانی قبلہ شاہ غلام محی الدین المعروف بہ بابو جی، صاحب مدظلہ العالی کے دستِ حق پرست پر جاری و ساری ہے۔

اس درتیم حضرت بابو جی مدظلہ پر اَلْوَلَدُ سِرًّا لَیْسَ بِہِ کی اصطلاح صحیح معنوں میں صادق آتی۔ نقاشِ ازل جل جلالہ نے اس نقشِ ثانی کی ذاتِ بابرکات کو ایک ایسا صاف اور روشن آئینہ بنایا جس میں حضرت اعلیٰ کے فضائل و خصائل کی جو بہو تصویر اور تمثیل نظروں کے سامنے آگئی۔ اور یہ ایک ایسا عظیم احسانِ الہی ہے جس کے لیے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے متوسلین اور حُرِّ دَمِ حَقِّ تَعَالٰی شانہ کی جس قدر حمد بجالائیں کم ہے۔

گر برتن من زباں شود مہ مو
یک شکر از ہزار نتوانم کرد



حضرت پیر سید غلام محی الدین گیلانیؒ المعروف بابو جیؒ

بیٹے کے حسیلہٴ عظیم ہونے کی روایات

سلاسلِ طریقت میں یہ پہلا موقع نہیں کہ بیٹے نے باپ کی مسند کو چار چاند لگائے ہوں اور خلافتِ عظمیٰ کا استحقاق اپنے لیے ثابت کیا ہو بلکہ سلسلہٴ عالیہ قادریہ اور چشتیہ میں ابتداء سے یہ شاندار روایت چلی آرہی ہے۔ بالخصوص چشتیہ بہشتیہ میں حضرت محمد ابن حضرت احمد ابدال، حضرت قطب الدین مودود ابن حضرت ابو یوسف، حضرت علم الدین ابن حضرت سراج الدین، حضرت جمال الدین جمن ابن حضرت محمود راجن، حضرت محمد ابن حضرت حسن محمد اور حضرت مولانا فخر الدین ابن حضرت نظم الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی ذواتِ قدسیہ اس حقیقت کی روشن مثالیں ہیں۔

اللہ اللہ کرنے والی رُوح

حضرت بابو جی کی ولادت دسمبر ۱۸۹۱ء (۱۳۰۸ھ) میں ہوئی۔ حضرت اعلیٰ کو دستورِ زمانہ کے مطابق اس ولادت باسعادت کی خوش خبری مبارک کے لفظ سے دی گئی۔ تو پہلے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے مبارک کے لفظ سے سمجھا کہ شاید مجھے خدا مل گیا۔ بعد ازاں فرمایا کہ ہر شخص کو زینہٴ اولاد کے پیدا ہونے سے خوشی ہوتی ہے۔ لیکن مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ ہمارے گھر میں ایک اللہ اللہ کرنے والی رُوح کا ورود ہوا ہے۔

چنانچہ سفر ہو کہ حضرِ صحت ہو کہ علالت، حضرت بابو جی مدظلہ العالی کسی وقت بھی اپنے مالک کی یاد سے غافل نہیں رہتے۔ ان کی اس کیفیت کو خود حضرت اعلیٰ نے بار بار سراہا۔ ملک محمد خدا بخش ٹوانہ راوی ہیں کہ ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس سترہ بالا خانے پر تشریف فرما تھے کہ دور سے حضرت بابو جی گھوڑے پر سوار راہِ پنڈی کی طرف سے آتے ہوئے نظر آئے۔ حضرت نے انہیں دیکھ کر فرمایا۔ غلامِ محی الدین ہے۔ پھر تبسم ہو کر گوہرِ فتال ہوئے۔ دیکھو گھوڑا دوڑا رہا ہے مگر اپنے کام (یعنی یاد حق) میں برابر مشغول چلا آ رہا ہے۔ ذکر حق میں ہمیشہ منہمک رہنے کی تلقین اور ترغیب ہم حضرت اعلیٰ کے ملفوظات میں اس شعر کی تکرار میں بھی پاتے ہیں۔

نمی گویم کہ از عالم جدا باش بہر جائے کہ باشی با خدا باش

تعلیم و تربیت

حضرت بابو جی مدظلہ العالی کی تعلیم و تربیت حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے زیر سایہ علم و فضل کے گواہی میں ہوئی۔ حضرت نے اول دن سے ہی بہ نور فراست جانچ لیا تھا کہ یہ نہال گلشنِ نبوت اس دورِ قحط الرجال میں رشد و ہدایت کا محور بنے گا۔ اس لیے آپ کو ظاہری و باطنی علوم سے مزین کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ فرمایا۔ یوں تو ہر فاطمی اخلاقِ حسنہ کا ایک نمونہ ہوتا ہے اور اسے شرح صدر استداہی سے حاصل ہو جاتا ہے اور اس کا سینہٴ علوم کا گنجینہ ہوتا ہے۔ اس سونے پر سہاگہ یہ ہے کہ حضرت اعلیٰ نے آپ کے لیے اتالیق بھی وقت کے صاحبِ کمال حضرات مقرر فرمائے۔

آپ کے اتالیق

حضرت بابو جی نے علمِ قرأت (تجوید) حضرت اُستاد القراء قاری عبدالرحمن صاحب جوپوری سے حاصل فرمایا۔ قاری صاحب

اپنے فن کے یگانہ روزگار تھے۔ اور ان اضلاع میں فن تجوید کی قدیل سب سے پہلے اُن ہی کے دم قدم سے روشن ہوئی۔ دیگر علوم دینیہ کی تحصیل حضرت بابو جی نے حضرت مولانا محمد غازی صاحب سے کی۔ حضرت مولانا کے تبحر علمی اور طریقہ تعلیم کی خوبی پر حضرت کے وہ الفاظ دال ہیں جو آپ نے بابو جی قبلہ کو ایک خط میں تحریر فرمائے تھے یعنی ایسے شفیق اور بے نظیر محقق عالم کے زیر تعلیم ہونا اُس وہاب الخلاق کا کمال احسان ہے۔ فی الحقیقت مُشفق اور محقق اُستاد کا میسر آجانا شاگرد کی خوش نصیبی ہے۔ پھر اس شاگردِ رشید نے بھی پوری طرح منتفع ہونے اور اُستاد کی قدر دانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

فیضانِ نظر

بابو جی قبلہ نے علوم اسرارِ باطنیہ حضرت اعلیٰ کی مجلس اور فیضانِ نظر سے حاصل کیے اور ذاتی استعداد و علومِ ہمتی کے سبب قرب و کمال کی بلند و بالا منزلیں طے فرمائیں۔ حضرت اعلیٰ نے آپ کی تعلیم پر ہمیشہ کڑی نظر رکھی۔ حضر ہو یا سفر، کسی حالت میں بھی توجہ خاص میں کمی نہ آنے دی۔ اس کا کچھ اندازہ اُن خطوط سے لگتا ہے جو حضور نے بابو جی قبلہ کے نام وقتاً فوقتاً ارسال فرمائے۔ اُن میں سے کچھ خطوط کے اقتباس یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

آپ کی طرف حضرت اعلیٰ کے خطوط کے اقتباسات

خط ۱۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ بَرَخُورًا وَارْتَمَاءً حَمَلًا مَحْيٍ الدِّينِ حَفْظًا لِلَّهِ وَوَفْقًا لِمَا عِبَتَ اللَّهُ وَيَرْضَى دُعَاوِ سَلَامٍ۔ ایسے شفیق اور بے نظیر محقق عالم حفظہ اللہ کے زیر تعلیم ہونا اُس وہاب الخلاق کا کمال احسان ہے ایسے اُستاد کے حسب ہدایت کار بند ہونا موجب حصولِ مدعا ہے۔ ہر کام اور ہر حال اُسی لطیف قبل از لطیف کی طرف دھیان رکھو اور اُسی کے دستِ نگر ہو۔ در رحم اُتہات اُس کی بے عوض عنایت نے کیا کچھ کم کیا ہے جو آئندہ نہ کرے گا۔ صرف اسی ایک نعمت کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا کہ باوجود اِطلاعِ علی المعاصی عفو و رحم و ستاری سے معاملہ فرما رہا ہے۔ ایسے سارِ رحیم سے ہر حالِ کامل اُمید کامیابی کی ہو سکتی ہے۔ مگر رکھتا ہوں کہ ہر حال اُسی کے دروازہ پر گڑ گڑانا اور اُسی سے مخلوط ہونا اصل الاصول ہے حصولِ سعادتِ دایرین کے لیے۔ خالص بندہ کو حصولِ مطلب سے چنداں حظ نہیں ہوتا جس قدر کہ اُس کے آگے ہاتھ پھیلانے اور اظہارِ نیاز سے۔ اول لالچ ہے اور ثانی عبادت۔ عالم، فاضل، متصف باوصافِ کاملہ ہمہ شہد مگر بندہ اول شہد کہ در بندہ خوشیم خواہ از عالمِ دنیا یا از عالمِ عقبی۔ بندہ از بندگانش فرمودہ ہے

غبارِ خاطرِ عشاق مدعا طلبی است بخلوتے کہ منم یاد دوست بے ادبی ست

۱۔ ترجمہ۔ ہم عالمِ فاضل اور اوصافِ کاملہ سے متصف سب کچھ ہونے مگر اُس کے بندے نہ ہوتے۔ کیونکہ اپنے آپ میں گرفتار ہیں۔ خواہ دُنیا کی وجہ سے یا عقبی کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ کے بندگانِ کامل میں سے ایک بندہ نے فرمایا ہے کہ مدعا طلب کرنا عاشقوں کے لیے دل کا غبار ہے۔ جس خلوت میں اس وقت میں ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کی یاد بھی بے ادبی کا حکم رکھتی ہے۔ (فیض)

۲۔ یہ شعر حضرت خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو آپ نے اپنے وصال سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا تھا۔ (فیض)

خط ۲

اے غلامِ غوثِ عظیمِ فکرم کن! فکرم کن در خلقت پس شکر کن
 ترجمہ - اے غلامِ محی الدین شکر کر اپنی پیدائش میں اور شکر کر۔
 جمع گشتہ در تو عالمِ خلق و امر جسم تو خلق است رُوح ت بست امر
 (تیرے اندر عالمِ خلق و امر جمع ہیں۔ تیرا جسم عالمِ خلق سے ہے اور رُوح عالمِ امر سے،
 بست در تو جملہ از عالمِ کبیر زین بہت شد نام تو عالمِ صغیر
 (تجھ میں عالمِ کبیر کی نظیر ہے۔ اس لیے تیرا نام ہی عالمِ صغیر ہے)
 جسد تو کل شد ملائک جرزاد زین سبب آمد خطاب اسجد و
 (تیرے جسدِ مبدل ہوئے اور ملائک جرزاد ٹھہرے اس وجہ سے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم آیا)

خط ۳ تیسرے بیت کی تشریح ملاحظہ ہو۔ والسلام

برخوردار غلام محی الدین حفظك الله مع التَّحْقِيقِ ووفقد لمایحب ویرضی
 بعد دعا و سلام آنکہ..... تم کو چاہیے کہ امور ذیل کے پابند رہو:-

- ۱۔ شغل سبق میں بخصط اوقات ساعی رہو۔
- ۲۔ رات کا سونا حسب ہدایت مکان پر میری آرام گاہ میں مع رُفقا بالتزام ماوجب آرام کرنا۔
- ۳۔ ختم معمود کو بدستور قائم رکھو۔
- ۴۔ بعد فراغت ہر روز ضرور گھر میں جایا کرو۔
- ۵۔ نماز باجماعت کو اہم المہمات سمجھو۔
- ۶۔ سب طلباء کے ہر طرح خبر گیری رہو۔

خط ۴

برخوردار غلام محی الدین حفظك الله عما یکرہ و عما تسوء
 بعد دعا و سلام اس کے..... سب گھروں اور مہمانوں کی خبر گیری رکھنا۔ مجعد و جماعت کا التزام رہے۔ اپنے استاد صاحب
 کا حسب ہدایت خیال رکھنا۔ ان کی ضروریات کو قبل از وقت مہیا رکھنا۔ ان کی صحت کا خیال چاہیے نہ صرف اپنے سبق اور طلب
 کا۔ ایسا ہی جناب قادری صاحب کی خبر گیری رکھو۔ یعنی کوئی وطنی نا تراشیدہ حسب عادت اہل وطن پیش آنے نہ پادے۔ ایسا سیم
 نہ ہونا چاہیے کہ ضروریات میں نقصان ہو اور نہ ایسا درشت کہ خلق اللہ بزار ہو۔

خط ۵

برخوردار غلام محی الدین و فقدك الله لموجبات رضائہ و لقاہ

دعا و سلام۔ اما بعد۔ یہاں پر بفضلہ سبحانہ من کل الوجہ خیریت ہے۔

نئے گویم کہ از عالم جدا باش بہر جائے کہ باشی با حسد باش
 ایوم نیز تاخیز اور بارہ شراب دو شینہ یعنی محافظت نسبت و سارا امور مسطورہ قلمی نمودہ مے آید۔ (آج بھی شراب دو شینہ یعنی نسبت
 مع اللہ کی حفاظت اور دیگر جملہ امور مسطورہ کے متعلق تاکید کی جاتی ہے جہاں میں سخن گو ایک ہی ہے۔ پارسی، ہندی، عربی سب ایک
 ہیں۔ اس دار وجود میں کون بسنے والا ہے سوائے اُس حکیم و دود کے اور کوئی نہیں۔ اُس کا جلوہ ہر شے میں نمایاں ہے اور اُس کا علم ہر شے پر محیط ہے

نوعمری سے توجہ الی الحق

حضرت بابو جی مدظلہ میں بچپن ہی سے رشد و ہدایت کے آثار پائے جانے لگے تھے۔ آپ کے بچپن کا زمانہ دیکھنے والوں
 سے سنا گیا ہے کہ آپ نوعمری ہی سے متوجہ الی الحق ہو گئے تھے۔ قیادت نظم و ضبط اور جذب کی جھلکیاں نمایاں ہونے
 لگی تھیں۔ ملک سلطان محمود صاحب ٹوانہ سے نقل ہے کہ آپ نے صغر سنی میں ایک مبارک خواب دیکھا جسے سن کر حضرت اعلیٰ
 نے فرمایا تھا کہ تم کو بھی اس عمر میں ایک ایسا ہی خواب آیا تھا لیکن غلام محی الدین کا خواب ہمارے اُس خواب سے کچھ فوقیت لینے کوئے ہے۔

میری راہ اختیار کرنی ہے تو تین باتوں پر کار بند رہنا

ملک فضل قادر صاحب مرحوم راوی ہیں کہ ایک دن ضلع شاہ پور کے دو عمر بزرگ جو حضرت کے پیر بھائی تھے حضرت سے
 ملنے کے لیے تشریف لائے۔ دوران گفتگو ان بزرگوں نے فرمایا: ماشاء اللہ آپ کا یہ سنہری دور ہے۔ اپنے صاحبزادے صاحب
 کے حال پر خصوصی توجہ رکھیں۔ حضرت اعلیٰ نے لفظ سنہری سن کر ازراہ تواضع فرمایا کہ جس زمانہ کو سنہری کہا جاسکتا ہے وہ تو
 حضرت قبلہ عالم سیالوی رحمۃ اللہ علیہ (یعنی حضرت کے مرشد) ہی کا تھا۔ جسے آپ حضرات نے خوب دیکھا ہے اب وہ
 بات کہاں۔ ان حضرات نے جواب میں کہا کہ جناب ہمیں تو آج وہی رنگ یہاں بھی نظر آ رہا ہے۔ اُس وقت حضور نے
 اس قدر ظاہر فرمایا کہ غلام محی الدین ابھی چھوٹی عمر میں تھا کہ ایک روز یہ میرے پیچھے پیچھے میرے قدموں کے نشانوں پر اپنے قدم
 رکھتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اس سے کہا کہ اگر میری راہ پر چلنا ہے تو تین باتوں پر مستقل
 کار بند رہنا ہوگا۔

اول۔ ہر وقت با وضو رہنا

دوم۔ اپنی خودی کو مٹا کر مخلوق خدا کی خدمت میں مشغول اور اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ بن کر رہنا۔

(تیسری بات کا ذکر آپ نے اُس وقت نہیں کیا)

پھر فرمایا: آج تک تو یہ ان باتوں پر کار بند چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ آگے چل کر دُنیا نے دیکھ لیا کہ اس سعادت مند نے اپنے
 اپنے مقدس باپ کے نصاب پر عمل پیرا ہو کر ایک امتیازی شان پیدا کی اور اپنے آبا و اجداد کا نورانی علم بلند سے بلند تر رکھا۔
 گولڑہ کا وہ سنہری دور آج بھی خدا کے فضل و کرم سے بدستور سنہری ہے۔

حضرت اعلیٰ کی نظر میں حضرت بابو جی کا مقام

حضرت بابو جی کے مقام کی نسبت یہ بات قابل ذکر ہے کہ جن دنوں حضرت اعلیٰ پر استغراق کا غلبہ شروع ہوا تھا۔ اُس زمانہ

میں سرگند درجیات مرحوم وزیر اعظم پنجاب نے حضرت بابو جی کی خدمت میں ایک خط کچھ اس مضمون کا لکھ کر بھیجا تھا کہ حضرت اعلیٰ کے استعراق کی وجہ سے آپ اب باہر کا آنا جانا کم کر دیں اور آستانہ شریف پر زیادہ قیام فرمایا کریں۔ آپ کو یہ بات کچھ ناگوار گزری۔ تاہم اس کا اظہار کیے بغیر آپ نے یہ خط حضرت اعلیٰ کے گوش گزار کر دیا۔ اسے سن کر حضورؐ نے فرمایا: جو لوگ تمہیں ایسی باتیں لکھتے ہیں وہ تمہارے حال سے بے خبر ہیں۔ سچ ہے جوہر کی قدر جوہری ہی جانتا ہے، بے خبر کیا سمجھیں کہ ان حضرات کے سفروں میں کیا رٹوں مٹتی ہوتے ہیں۔

صاحبزادگی کی فضا کا تدارک

ایک مرتبہ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ ہمارے دل میں خیال گذرنا کہ برخوردار غلام محی الدین کی بیعت اپنے پیرخانہ سیال شریف میں کرادیں۔ لیکن اس امر نے باز رکھا کہ صاحبزادگی بڑا نازک مقام ہے۔ مبادا یہ اس بار کو نہ اٹھاسکے۔ چنانچہ اپنے ہی پاس رکھنا بہتر خیال کیا۔

عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ بزرگوں کی اولاد میں ایک طرح کا عجب پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں مریدوں کی نیاز مندی اور ادب و بھگت کو بڑا دخل ہے۔ ہر مرید شیخ کا قرب حاصل کرنے کی خاطر شیخ کی اولاد کی خدمت کرنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہے۔ اس عجب کی وجہ سے اکثر صاحبزادگان کسب کمال سے محروم رہ جاتے ہیں۔ لیکن اس طبیب عاذق اور فرض شناس والد نے اپنے عزیز فرزند کے تربیتی نسخے میں ابتدا ہی سے اس متعدی بیماری کا پرہیز شامل کر دیا تھا اور تاکید فرمائی تھی کہ خودی کو مٹائے رکھنا۔ مشغول خدمت خلق رہنا اور احسب من الناس بن کر رہنا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت بابو جی ایک طرف تو دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے اور دوسری طرف ادنیٰ سے ادنیٰ حیثیت کے انسان پر بھی شفقت میں کوئی کمی نہیں آنے دیتے۔ اگرچہ اکلوتے بیٹے تھے، سب کی توجہ کا مرکز، ہر ایک خوشنودی حاصل کرنے کا خواہاں۔ غرض بگاڑ کے سارے سامان موجود، مگر اللہ سے استقامت کہ طبیعت ہمیشہ فقر ہی کی طرف مائل رہی۔ خود تو کیا بگڑتے بفضلہ تعالیٰ اپنے دونوں صاحبزادوں رفیع اللہ قدر ہما کو بھی صاحبزادگی کی خود بوب سے محفوظ رکھا۔ سچ ہے ترک دنیا دل سے ہوتی ہے نہ کہ کمی مال و اسباب سے۔

”بے خون جگر چشیدن نتوال“

حضرت اعلیٰ نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں بڑی مشقتیں جھیلی تھیں۔ سفر کی صعوبتیں اٹھانی تھیں۔ حضرت کے اسیار کا یہ عالم تھا کہ جو رقومات ذاتی اخراجات کے لیے گھر سے موصول ہوا کرتی تھیں وہ بھی اپنے ہم سبق طلباء کی ضرورتوں پر صرف کر دیتے تھے اور خود فاقہ کش رہتے تھے۔ ادھر حضرت بابو جی کی نظر جب اپنے تعلیمی ماحول پر گئی تو معاملہ بالکل برعکس پایا۔ گھر میں رہتے تھے۔ ہر طرح کا آرام موجود۔ ہر قسم کی آسائشیں۔ چنانچہ اس طالب علم بلکہ طالب مولیٰ نے مشقت اور جفا کشی کو التزاماً اپنا شہ پار بنایا۔ کم خوری کی عادت ڈالی۔ لہذا اور تن آسانیاں ترک کر دیں۔ اور سفر کی صعوبتیں اٹھانا معمول بنا لیا۔

ایں شربت عاشقی ست خسرو
بے خون جگر چشیدن نتوال
دینی طلباء کو عموماً جن سختیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ان سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی ایک انوکھی ترکیب نکالی جمعرات کی شام کو چاند ہم جو لیوں کو ساتھ لے کر کسی نواحی بستی میں چلے جاتے اور وہیں کسی مسجد میں شب بسر کرتے۔ ہمراہی روکھے

سوکھے ٹکڑے طلباء کی طرح گداگری کر کے جمع کرتے اور مسجد میں لے آتے۔ آپ سب کے ہمراہ انہیں تناول فرما کر خدائے ذوالجلال کا شکر ادا کرتے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ رُوکھے سوکھے ٹکڑے کس نورعین کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ ٹکڑوں کی بجائے پُرکلفت کھانے آنے شروع ہو گئے۔ جب دیکھا کہ یہ بھید کھل گیا تو شبِ باشی اور بوریائشینی کا یہ انداز ترک کرنا پڑا۔

فکر و نظر کی بلندی

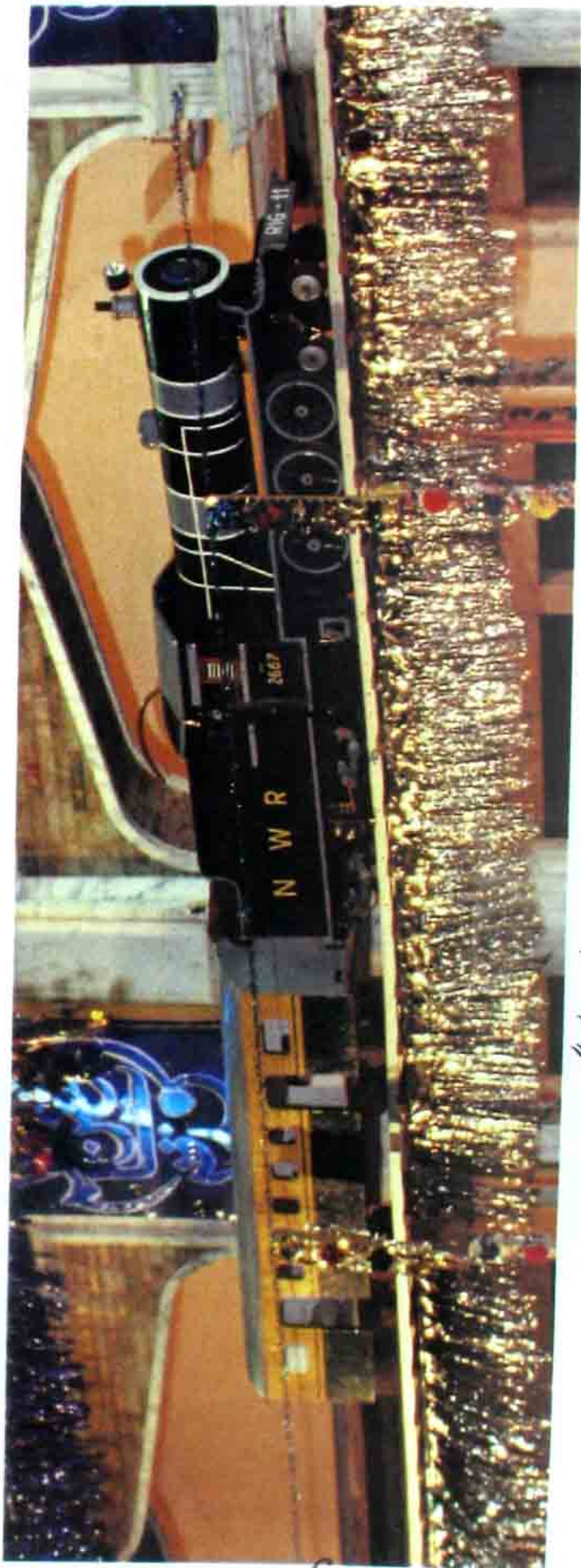
نظر و فکر زمانہ طفلی ہی سے بلند و اعلیٰ ہو گئے تھے۔ علمی بات ہو یا فنی، کسی کام سے متعلق ہو یا کھیل سے، آپ اس کی گہرائیوں تک پہنچتے۔ اور حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اس بات کا ذوقِ تہجد نکالتے جو حقائق و معارف سے لبریز ہوتا۔ اور جسے سننے والے حیرت زدہ رہ جاتے۔ آپ کے فکر و ذہن میں حضرت مولانا رومؒ کا رنگ بہت غالب ہے جس کا برابر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ حضرت مولانا کی ذاتِ گرامی سے آپ کو گہری نسبت اور عقیدت ہے۔ چنانچہ ان کے مزارِ اقدس کی زیارت کے لیے قونیز شریف (ترکیہ) کے کئی سفر اختیار کر چکے ہیں۔

بچپن میں ریلوے انجن سے شغف

زمانہ طفولیت سے آپ کو ریلوے انجن سے خصوصی شغف ہے۔ اُس زمانہ میں انجن ڈرائیور عموماً انگریز ہوا کرتے تھے۔ جو آپ کی خوش اخلاقی اور معصومیت کی وجہ سے آپ سے بے حد مانوس ہو گئے تھے۔ ان ڈرائیوروں نے آپ کا شوق پورا کرنے کے لیے آپ کو انجن چلانا تک سکھا دیا تھا۔ یہ شوق اس حد تک بڑھا کہ اکثر راتیں گولڑہ ریلوے اسٹیشن پر گزار دیتے۔ عالی اوقات میں گھر پر بھی اس کھیل کی طرف مائل رہتے۔ یہاں تک کہ اپنی بیٹھک کی چھت پر ریلوے سگنل کی طرح کا ایک سگنل آویزاں کر دیا۔ جب کوئی ریل گاڑی رات کے وقت گولڑہ اسٹیشن سے گذرتی تو آپ کے جاننے والے ڈرائیور انجن کی سیٹی بجا دیتے۔ جس کی آواز سن کر آپ اپنی بیٹھک کا سگنل گرا دیا کرتے۔ سیٹی کی آواز سے بھی آپ کا درد مند دل متاثر ہوتا اور رقت طاری ہو جاتی۔ اسی کھیل کی وجہ سے شب بیداری کی عادت پڑ گئی تھی۔ اس خصوصی وابستگی کو دیکھتے ہوئے بہت سے مخلصین نے نشست گاہ کی زینت کے لیے انجنوں کی تصاویر اور نقشے بنا بنا کر پیش کیے۔ اور جناب شاہ عبدالولی صاحب گوالیاری نے تو ایک ماڈل انجن جس میں کونے کی بجائے مٹھائی اور پانی کی بجائے شربت بھرا تھا، پیش کیا تو آپ بہت محظوظ ہوئے۔ آپ کی اس دلچسپی کو دیکھ کر حضرت اعلیٰ نے آپ کو بابو جی کا خطاب عطا فرمایا جو اس قدر مقبول و معروف ہوا کہ سب لوگ آپ کو بابو جی ہی کہنے لگے۔ وضع داری اور تعلق کا یہ حال ہے کہ بچپن کا یہ خوش نصیب دوست انجن آج تک نظرِ اتفاقات کا موردِ چلا آ رہا ہے۔ اور اس کی وجہ سے ریلوے کا سارا محکمہ ہی منظورِ نظر ہے۔

ایک مرتبہ کسی بے تکلف دوست نے آپ سے کہا کہ کیا کالے کلوٹے پر آپ کا دل آیا ہے اور کیسی بھونڈی شکل والی شے کو آپ نے محبوب بنایا ہے۔ جواب میں حضرت بابو جی نے فرمایا کہ مجھے اس کی چارادائیں بہت پسند ہیں۔ ایک تو اس کا حوصلہ کہ جتنی زیادہ آگ ڈالو اتنا ہی زیادہ تیز چلتا ہے۔

دوسرے اس کی وفا کہ اس کے ساتھ خواہ فرسٹ کلاس کا ڈبہ لگا دو یا مال گاڑی کا چھکڑا۔ جہاں خود جائے گا اپنے ساتھیوں کو بھی وہیں لے جائے گا۔



فوتوالنجن جو گو الیاری میں حضرت بابو جی صاحب مدظلہ العالی کو پیش کیا گیا (صفحہ ۳۶۶)



حضرت بابو جیؒ کی رہائش گاہ (اندرونی منظر)



حضرت بابو جیؒ کی رہائش گاہ (بیرونی منظر)

تیسرے ایثار کو خود جلتا ہے مگر دوسروں کو نفع پہنچاتا ہے یعنی منزل مقصود پر لے جاتا ہے۔ اور چوتھے استقامت کہ اپنی متعینہ راہ (لائق) پر ہی چلتا ہے۔ بے راہ روی اختیار نہیں کرتا۔
غالب نے کہا ہے ۷

وفاداری بشرط استواری عین ایماں ہے
مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

مرشدِ راہ کے لیے انجن کی چار خصوصیات کا سبق

آپ کے یہ الفاظ کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ ان میں جہاں ایک طرف بلند نگاہی کا مظاہرہ ہے تو دوسری طرف مرشد کی خصوصیات کی وضاحت ہے۔ صاحب ارشاد کے لیے ضروری ہے کہ

- ۱۔ وہ بلند حوصلہ ہو۔ مے عرفان کے خم کے خم پی جائے مگر اُس کا ظرفِ عالی چھلکنے نہ پائے۔
- ۲۔ با وفا ہو کہ اپنے جملہ صاحب نسبت مباحین کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں، منزل مقصود تک پہنچا دے۔
- ۳۔ صاحب ایثار ہو کہ دوسروں کے نفع کے لیے خود ضرر تک اٹھالے۔
- ۴۔ استقامت (بصفت کرامت) پر ایسا راسخ ہو کہ کسی حالت میں جاہد حق نہ چھوٹے۔

اس وحید العصر شخصیت نے عملی طور پر ان تمام خصوصیات کو بدرجہ اتم اپنایا۔ الحمد للہ والمنہ علیٰ ذالک ۷
ہر کے راہر کارے ساختند میل آل اندر دلش انداختند

سکس کا کرتب ایک اہم مسئلہ کے حل کا باعث ہوا

قبلہ بابو جی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اثنائے تدریس میں مسئلہ جبر و قدر اور کسب و اختیار پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ تقریر فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ ممکن کا اختیار کچھ معنی نہیں رکھتا۔ لے دے کے آخر وہی جبر ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس پر حضرت نے اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ بندہ کو فی الجملہ اختیار حاصل ہے۔ گو وہ اختیار میں مجبور ہے تاہم جبر یہ کے خیال کے مطابق جبر (پتھر) کی طرح نہیں اور اسی موہوم اختیار پر مدار تکلیف ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک دن یہ مسئلہ خود ہی تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ کافی مدت کے بعد ایک دفعہ بعض احباب کے اصرار پر بہت ہی میں ایک سکس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس میں ایک شخص کو بہت بھاری بوجھ اٹھاتے دیکھا گیا۔ جو عاۃً ممکن نہ تھا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ شخص اس شخص کے کسب اور ریاضت کا نتیجہ ہے۔ اس وقت مجھے اچانک حضرت کا مذکورہ بالا ارشاد یاد آ گیا۔ اور میں نے یہ محسوس کیا کہ واقعی انسان میں کسب و اختیار کی نعمت موجود ہے اور اگر وہ اس کو استعمال کرے تو بہت کچھ کر سکتا ہے۔ گو یہ سب مشیت الہی کے ماتحت ہی ہے۔

سبحان اللہ! حضرات اہل اللہ کی نظر بصیرت کا کیا عجیب عالم ہے، جو چیز لوگوں کے نزدیک ایک کھیل تماشہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان حضرات کی نگاہ نکتہ رس اُس سے کیسے باریک نتاج اند کر لیتی ہے۔ سچ ہے۔ ع
فکر ہر کس بعت در بہمت اوست

اجازتِ بیعت و ارشاد

قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت بابو جی صاحب کی علمی و روحانی تکمیل سے ہر طرح سے مطمئن ہو گئے تو آپ کو اجازتِ بیعت عطا فرمائی۔ چونکہ بابو جی طبیعتاً منکسر المزاج واقع ہوئے ہیں۔ اس لیے اپنا سلسلہ ارشاد جاری فرمانے سے ایک عرصہ تک گریز کرتے رہے مگر حق تعالیٰ نے تو آپ کو اس منصب کے لیے ازل سے ہی چن لیا تھا۔ آخر وہ دن آ ہی گیا جب یہ بارگراں آپ کو اٹھانا پڑا۔ حضرت اعلیٰ جن ایام میں طیل تھے قبلہ بابو جی نے پاک پتن شریف جانے کا قصد فرمایا۔ حسب دستور حضرت کی خدمت میں رخصت کے وقت سلام کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اگر کوئی اغلاص سے امر کرے تو بیعت لے لیا کرو۔ قبلہ بابو جی نے اس حکم پر عرض کی کہ اگر بیعت لینے کے لیے اہلیت ضروری ہے تو بندہ میں اس کا کیسہ فقدان ہے۔ اور اگر اس سے غرض روئی کھانا ہے تو حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کی جوتیوں کا صدقہ کسی کی محتاجی نہیں۔ وقت عزت و آبرو سے گزر رہا ہے۔ نیز یہ بھی تو آپ ہی کا ارشاد ہے کہ بیعت لینے کا استحقاق اس شخص کو حاصل ہے جس کی نظر ایمان ثابتہ تک ہو اور میں تو ظاہری نظر کے لیے بھی عینک کا محتاج ہوں۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا۔ دوسرے لوگ کون سے ویوں کی اولاد ہیں۔ قبلہ بابو جی نے عرض کیا۔ جناب دوسروں کی نسبت کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ صرف اپنا حال عرض کر رہا ہوں۔ کچھ خاموشی کے بعد حضرت نے تیسری مرتبہ پھر اپنا حکم دہرایا تو بابو جی نے عرض کی کہ تعمیل حکم کے لیے تیار ہوں۔ لیکن ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ آپ وعدہ فرمائیں کہ جسے میں بیعت کروں گا اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ غالباً یہ شرط آپ نے اس وجہ سے لگائی کہ حضرت ایسا وعدہ فرمائیں گے اور نہ انہیں بیعت کا بار اٹھانا پڑے گا۔

جواب میں حضرت نے فرمایا۔ ذمہ داری جن کی ہے وہی ذمہ دار ہیں۔ میں بیچارہ کون ہوں ذمہ داری اٹھانے والا۔ اس پر بابو جی کو یہ عرض کرنے کا موقع مل گیا کہ اگر جناب بھی بے چارہ ہیں تو پھر میری بے چارگی کا کیا کہنا۔ مجھ میں یہ بارگراں اٹھانے کی تاب کہاں۔ بالآخر کچھ سکوت کے بعد حضرت نے فرمایا۔ اچھا جو شخص تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے گا اس کا میں ذمہ دار ہوں۔

ذمہ داری کی کیفیت کا ظہور

اس ذمہ داری کی کیفیت بھی وقتاً فوقتاً علانیہ ظہور میں آتی ہے۔ ایک شخص محمد دین نامی سنگری زمین میں بل چلانے پر مامور تھا۔ سادہ لوح مگر بہت باادب انسان تھا۔ اس کے ادب کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ قبلہ بابو جی باہر سفر پر تشریف لے گئے۔ دیوان غلام رسول صاحب نے محمد دین سے کہا کہ بابو جی کی خالی بیٹھک میں رات کو سو رہا کرو۔ لیکن وہ بے ادبی کے خیال سے بیٹھک میں نہ سوتا اور با وضوہ تمام رات جاگ کر گزار دیتا تھا۔ جب سفر سے واپسی پر حضرت بابو جی کو یہ علم ہوا تو اظہار ناراضگی فرمایا کہ اس غریب کو کیوں مُغفّت میں مُصیبت میں ڈالا۔ کسی اور کو سلا دیا ہوتا۔ القصد ایک دن حضرت اعلیٰ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد یہ شخص قبلہ بابو جی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور یہ پیغام پہنچایا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فرمایا ہے۔ غلام محی الدین سے کہو وہ دل گرفتہ نہ رہا کرے اور کھلے دل سے بیعت لے لیا کرے۔ اس وقت حضرت بابو جی نے حقیقت ظاہر فرمائی کہ میں نے حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں بیعت تو لینا شروع کر دی تھی لیکن بروقت دل گرفتہ رہتا تھا اور رہ رہ کر خیال آیا کرتا کہ حضرت نے ذمہ داری تو اٹھائی ہے اور سلسلہ طریقت کے اکابرین کی ذیل میں مجھ ناہل کا نام بھی آیا ہے لیکن اپنے

گناہوں کی وجہ سے یہاں اور وہاں بجز شرمساری کیا حاصل ہوگا۔ یہ ایسی بات تھی جسے کسی زبان پر نہ لاسکا۔ اور دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ اس شخص کے پینام سے حیرانی تو ہوتی ہے مگر ساتھ ساتھ اطمینان بھی ہوا ہے کہ بات سچی ہی کہہ رہا ہوگا۔ کوئی دوسرا شخص اس راز سے آگاہ نہ تھا۔ اس لیے نہ تو یہ ممکن تھا کہ اس نے اپنے پاس سے یہ بات بنائی ہوگی اور نہ یہ کہ کسی نے اسے سکھادی ہوگی۔

مے پذیرند بدان را بطغیسل نیکاں رشتہ را پس نہ دہد ہر کہ بگیسد گوہر

حضرت مدنی صاحب کی بیعت

اسی قسم کا ایک واقعہ خود میرے تجربہ اور علم میں آیا ہے۔ میں نے اپنے مدینہ منورہ کے قیام میں حضرت سید احمد العطاس المعروف بہ مدنی صاحب سے استفسار کیا کہ جناب کے تعلقات قبلہ با بوجی صاحب سے کس طرح استوار ہوئے۔ جناب مدنی صاحب نے اس کی تفصیل یوں بتائی کہ میں ایک مرتبہ گولڑہ شریف میں حاضر ہوا۔ میری دلی تمنا تھی کہ حضرت قبلہ عالم سید مہر علی شاہ قدس بترہ العزیز سے شرف بیعت حاصل ہو لیکن حضرت کا دصال ہو چکا تھا۔ ایک دن میں صبح کی نماز کے بعد مکہ بند کیے ہوئے اپنے خاندانی اُوراد پڑھنے میں مشغول تھا۔ حضرت اعلیٰ کی زیارت سے محرومی کے باعث بڑا قلق تھا اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے! چنانکہ حضرت اعلیٰ بنفس نفیس وہاں تشریف لے آئے۔ مجھے تسلی و دلاساہ دیا اور ارشاد فرمایا: میں اور غلام محمد امجدین دونوں ہیں! اس سے میری تشفی ہو گئی اور کچھ عرصہ بعد بغداد شریف کے قیام کے دوران حضرت با بوجی صاحب سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔

کیفیت ذمہ داری کا ایک اور واقعہ

حضرت با بوجی کے مبایعین کی حفاظت اور ذمہ داری کا جو وعدہ حضرت کی طرف سے فرمایا گیا تھا اس کے ظہور کا ایک اور واقعہ آپ کے ایک مخلص ملک محمد خدا بخش ٹوانہ کی زبانی رسالہ سلطان العارفین "لکھنؤ بابت مئی ۱۹۵۸ء میں ضرورت شیخ" کے عنوان سے شائع ہوا تھا جس کا اقتباس یہاں دیا جاتا ہے۔

۱۵ مئی ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے۔ میں گولڑہ شریف میں حاضر تھا۔ حضرت ثانی صاحب مدظلہ العالی صبح کے اُوراد پڑھ رہے تھے اور لوگ آکر سلام بھی کر رہے تھے۔ ایک نوجوان پٹھان کھڑکی کے سامنے آیا اور خاموش کھڑا ہو گیا۔ دریافت حال پر معلوم ہوا کہ حاضرین سے شرماتا تھا۔ بالآخر کہنے لگا کہ میں موکل حاصل کرنے کے لیے عرصہ سے وظیفہ پڑھ رہا ہوں اور بار بار ناکام رہتا ہوں وظیفہ بتانے والا کہتا ہے کہ جب کلام کی تاثیر کا وقت آتا ہے تو ہر مرتبہ غیب سے ایک ہاتھ تمہارے ہاتھ پر آکر اس اثر کو ضائع کر دیتا ہے۔ پھر میں جلال آباد (افغانستان) میں ایک بڑے عامل کے پاس گیا جس نے اپنے سامنے مجھ سے چلہ کروایا اور کہا: یہ وہ ہاتھ ہے جس پر تم نے بیعت کی ہے۔ پیر کی اجازت کے بغیر عمل کامیاب نہیں ہوگا۔ لہذا میں اجازت لینے آیا ہوں۔

حضرت با بوجی نے پوچھا کیا تم نے میرے ہاتھ پر بیعت کی تھی؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ پشاور کا رہنے والا ہے۔ ایف۔ اے کے دوسرے سال میں تعلیم پڑھا ہے۔ اور اس عمل کے شوق میں کئی سال سے فیل ہو رہا ہے۔ بیوہ ماں اور ایک چھوٹا بھائی ہے۔ اور کچھ زرعی جائداد ہے جس پر گذر اوقات ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ طریقہ

میرا اور میرے شیخ کا نہیں۔ عملیات میں عمر ضلع ہو جاتی ہے اور آخری وقت میں پشیمانی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ علم پڑھو اور مل اور بھائی کی خدمت کرو۔ مگر اس لڑکے نے اصرار کیا۔ بابو جی صاحب نے پوچھا: کیا جو کچھ میں نے بتایا تھا اُسے پڑھا کرتے ہو؟ اُس نے کہا: اکثر پڑھ لیتا ہوں کبھی نامہ بھی ہو جاتا ہے: آپ عوام کو بیعت کرتے وقت بالعموم ہی بتاتے ہیں کہ پانچ وقت کی نماز نہ چھوڑنا اور ہر نماز کے بعد دس دفعہ کلمہ شریف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ اور دس مرتبہ دُرُودِ شَرِيفِ اللَّهِ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ پڑھا کرنا۔

فرمایا: تو اچھا اس وظیفہ کو چھوڑ دو: لڑکے نے خوش ہو کر کہا کہ عمل کے پورا ہونے پر پھر پڑھنا شروع کروں گا۔ آپ نے فرمایا: تمہاری مرضی۔ اس دوران میں ہم حاضرین میں سے بعض نے اس لڑکے کے حال پر افسوس کر کے اسے سمجھانا چاہا جس پر آپ نے فرمایا: تم میں سے خود کتنے میں جنہیں میں اُن کے شوق کی چیز سے روکوں تو رُک جائیں گے:

باہر آنے پر میں نے اُس جوان سے کہا کہ اگر تم نے حضرت کے بتائے ہوئے وظیفہ کو ترک کر دیا تو پھر کبھی نہیں پڑھ سکو گے۔ اس پر وہ کچھ ناراض ہو گیا۔ سہ پہر کے وقت میں نے مجلس میں اس واقعہ کا ذکر حضرت بابو جی سے کیا تو آپ نے جلال اور ملال کے بلے جلمے لہجے میں فرمایا: ہاں۔ پھر پڑھ لینا کوئی آسان چیز نہیں ہے:

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کے متعلق پیر کو بظاہر معلوم ہی نہیں کہ وہ اُس کا مُرید ہے صرف بیعت کے سلسلہ میں شامل ہو جانے کے بعد وہ کون سا دستِ غیب ہے جو اُس کی حفاظت کر رہا ہے جو اُسے گمراہی یا شاید کُفر اور شرک پر متوجہ ہونے والی ضلالت سے بچا رہا ہے؟ کیا یہ وہی ہاتھ تو نہیں جس کے متعلق مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:—

دستِ پیر از غائبان کو تاہ نیست
دستِ اوجہ از قبضۃ اللہ نیست

اور قرآن فرماتا ہے:—

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ، يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ
ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے ریا رسول اللہ (آپ سے بیعت کی یقیناً انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

حضرت قبلہ بابو جی کی شادی

حضرت قبلہ بابو جی کی شادی خانہ آبادی ۱۹۱۰ء میں وقوع پذیر ہوئی۔ اس مبارک تقریب میں بر طبقہ کے لوگوں نے شرکت کی۔ عوام و خواص کے علاوہ صوفیائے کرام اور علمائے عظام بھی کثرت سے شریک ہوئے۔ حضرت سید محمد صاحب قبلہ یوان پاکستان شریف۔ حضرت صاحبزادہ خواجہ مسعود صاحب تونسہ شریف۔ حضرت صاحبزادہ خواجہ ضیاء الدین صاحب سیال شریف۔ حضرت مولیٰ نامیاں شیر محمد صاحب شرق پور شریف۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب اور حضرت جماعت علی شاہ صاحب۔ ثانی علی پور شریف خصوصی مہمانوں میں تھے۔

خطبہ نکاح نماز ظہر کے بعد حضرت قبلہ اجی صاحب کے مزار شریف کے قریب پڑھا گیا۔ دُعا کے بعد مجلس سماع منعقد ہوئی اور ایسا عجیب سماں بندھا جو بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ حضرت صاحبزادہ محمود صاحب کی خواہش پر گھڑ سواری کے کرتب دکھانے کا اہتمام بھی کیا گیا۔ کسی سوار نے نیزہ بازی کے ہنر دکھائے تو کسی نے گھوڑے کی پشت پر کھڑے ہو کر اُسے دوڑایا۔ کسی

نے شمشیر زنی کے جوہر دکھائے۔ غرض سب حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ حضرت اعلیٰ بھی بنفس نفیس شریک اجتماع رہے۔ اس مبارک موقع پر ایک حادثہ بھی پیش آیا۔ علاقہ پوٹھواری کے ایک سید صاحب جو ایک مرتبہ اپنے جوہر دکھا چکے تھے دوبارہ بغیر باری اور اجازت نیزہ بازی کے لیے تیار ہو گئے۔ دوڑ میں گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گر کر بے ہوش ہو گیا۔ سید صاحب بھی دوڑ جا کر گئے۔ جب گھوڑے کے بچنے کی کوئی اُمید نہ رہی تو صاحبزادہ محمود صاحب نے حضرت اعلیٰ سے فرمایا کہ اب آپ ہی اس گھوڑے کا کوئی علاج کریں۔ حضرت گھوڑے کے قریب تشریف لے گئے اور حکم فرمایا کہ گھوڑے پر ایک سفید چادر ڈال دو اور اسے یوں ہی پڑا رہنے دو۔ کچھ دیر کے بعد گھوڑے پر سے چادر اُتروائی گئی تو وہ بھلا چنگا کھڑا ہو گیا۔

برکریاں کار ہاڈ سوار نیست

سید موصوف سے حضرت نے بس اتنا فرمایا کہ اپنی باری کے بغیر سبقت نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت اعلیٰ نے شادی کی تقریب میں کوئی کام خلاف شرع عمل میں نہیں آنے دیا اور تقریب کے بخیر و خوبی اختتام پر فرمایا کہ اولاد کی شادی کی خوشی تو ہر شخص کو ہوتی ہے تاہم میں اس امر سے خوشی ہوتی ہے کہ اس بہانے سے اتنی ذی قدر شخصیتیں بیک وقت یہاں جمع ہو گئیں۔ اجاب سے ملاقات اور ان کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ علاوہ ازیں بڑے پیر صاحب (حضرت اجی) رحمۃ اللہ کی وصیت کہ غلام محی الدین کی شادی بڑے اہتمام سے کرنا بھی پوری ہو گئی۔

تواضع اور انکسار

جیسا کہ پہلے بھی تحریر کیا گیا حضرت بابو جی کے مزاج پر تواضع اور انکسار کا بہت غلبہ ہے۔ اپنی تعریف و توصیف کسی رنگ میں بھی پسند نہیں فرماتے۔ اگر مجلس میں کوئی ایسا تذکرہ چھڑ جائے جس میں آپ کی مدح کا پہلو ہو تو آپ ایسے لطیف انداز میں گفتگو کا پہلو بدل دیتے ہیں کہ مخاطب کو احساس بھی نہیں ہوتا اور توصیف کا موضوع بھی نکل جاتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ لوگ تو جھوٹی تعریف کو قابلِ فخر سمجھتے ہیں مگر ہمارے نزدیک سچی تعریف بھی ضرر سے خالی نہیں ہوتی۔ اس سے عجب پیدا ہوتا ہے اور نفس کے قوی ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل نفس کے خلاف بات سے طبیعت میں انکسار اور توجہ الی اللہ پیدا ہوتی ہے۔

تو باش اصلا کمال این است و بس زود رو گم شو وصال این است و بس

ایک مرتبہ آپ مبہمی میں حکیم شمس الدین صاحب کے یہاں مقیم تھے۔ دورانِ گفتگو ایک ایسے شخص کا ذکر آ گیا جو آپ کے خاندان سے حسد و عناد رکھتا تھا۔ اُس کی گستاخی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ وہ لوگوں میں کہتا پھرتا تھا کہ یہ سادات کا خاندان نہیں ہے حکیم صاحب نے اس شخص کی مذمت شروع کر دی۔ اس پر قبلہ بابو جی نے حکیم صاحب کو منع فرمایا اور ساتھ ہی کہا: حکیم صاحب! کیا خبر ہے کہ ہم اُس عظیم و خیر ذات جل شانہ کے نزدیک اہل سیادت ہیں بھی یا نہیں؟ ان کلمات کو سن کر حکیم صاحب تڑپ اٹھے۔ ملک سلطان محمود صاحب نوانہ کہتے تھے کہ ایک روز حکیم شمس الدین صاحب نے اس واقعہ کا ذکر کر کے کہا کہ اگر میں نے حضرت قبلہ عالم قدس تبرہ سے بیعت نہ کی ہوتی تو اُس روز آپ کے اس عظیم صاحبزادے کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔

اخلاقِ فاضلہ

ان ہی حکیم صاحب کے یہاں قیام کے دوران ایک سفید ریش صاحب حضرت بابو جی سے ملنے آئے اور دعوتِ طعام

کی پیش کش کی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ صاحبِ درحقیقت جو لایا ہے تھے لیکن اپنے تئیں حضرت اعلیٰ کا بھائی ظاہر کر کے پیری ٹریڈی کا دھند لایا کرتے تھے۔ حکیم صاحب اس شخص کے حال سے واقف تھے اس لیے اُس پر برس پڑے اور اُسے مکار، کذاب وغیرہ کہنا شروع کر دیا۔ حضرت بابو جی نے حکیم صاحب کو روکا اور فرمایا: سفید داڑھی کا لحاظ کریں اور انہیں کچھ نہ کہیں۔ بلکہ اپنے آبائی علم سے کام لیتے ہوئے اُس کی دعوت بھی قبول فرمائی۔ اُس دعوت میں کچھ عمائدین شہر بھی شامل تھے۔ دورانِ گفتگو اس شخص نے حضرت اعلیٰ کی توصیف میں کہا کہ حضرت کی خدمت میں بہت لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ حکیم صاحب مرحوم بڑے تیز طبع تھے۔ بول اُٹھے لوگوں کا جمع ہونا بھی کوئی کمال کی دلیل ہے؛ پھیر تو وہاں بھی لگی رہتی ہے جسے بازارِ حُسن کہتے ہیں تو کیا یہ زبانِ بازاری ولی اللہ ہوتی ہیں؛ پھر حکیم صاحب نے حضرت کے حسب و نسب، علم و فضل، زہد و تقویٰ پر ایک بصیرت افروز تقریر کی اور شانِ ولایت کا ایسا مرقع کھینچا کہ حاضرین بے حد متاثر ہوئے۔

جو دوسخا

جو دوسخا خاندانِ نبوت کا فطری کمال ہے۔ ہر دور میں اس خاندانِ عالی کے مقدر افراد اس وصف میں امتیازی شان کے مالک رہے ہیں جس پر کوئی دلیل پیش کرنے کی حاجت نہیں۔ قبلہ بابو جی مدظلہ العالی اس وصف میں بلا مبالغہ ایک خصوصی شان رکھتے ہیں جس کی تفصیل حدیبیان سے باہر ہے اور خود قبلہ بابو جی کا مسلک بھی اس کے ذکر سے مانع ہے۔ پوشیدہ طور پر اندرون اور بیرون ملک دینی مدارس، مدارس اسلامیہ اور غرباً اور مستحقین کی فیاضانہ امداد فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ آستانہ عالیہ میں روزمرہ زائرین کے قیام و طعام کا انتظام آپ کے جو دوسخا کی سب سے بڑی دلیل ہے جسے خواہش ہو ملاحظہ کر لے۔ درحقیقت یہی داد و دہش اور خلقِ خدا کی خدمت ہی ولایت کی رُوح ہے اور یہی سب سے بڑی کرامت ہے حضرت سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کیا ہی خوب فرما گئے ہیں۔

کرامتِ جواں مردی و ناں دہی ست مقالاتِ بے ہودہ طبلِ تہی ست

دوسری جنگِ عظیم کے خاتمہ کے قریب ۱۹۴۳ء میں جب برصغیر ہند اور جنوب مشرقی ایشیا بلکہ حجاز مقدس سے سمندر پار کے تمام ممالک کے مسلمانوں پر حج بیت اللہ شریف کا راستہ دوبارہ کھلا تو حضرت قبلہ بابو جی نے عرب میں تشریف لے جا کر ایسی بے نظیر داد و دہش نی بسیل اللہ کا مظاہرہ فرمایا جس کی مثال شاید دلیان ملک کے لیے بھی پیش کرنا مشکل ہو۔ کئی برس تک حج بند رہنے کی وجہ سے عرب شریف کے غرباد مساکین، طلباء، اساتذہ مدارس، مشائخ اور حشام حرمین بیرونی ممالک کی اقتصادی اعانت سے محروم رہے تھے۔ مارکیٹ کا حال مندا ہونے کے باعث بڑے بڑے تاجروں کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی حضرت نے جدہ سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک کے اثنائے راہ کے قریوں اور آبادیوں سمیت ہر درجے اور صنف کے مستحقین کی امداد کی اور ان کی ضروریات کی کفالت فرمائی۔ کثیر تعداد میں پنپنے کے کپڑے سلوا کر بغرض تقسیم بجا لے گئے تھے۔ مدینہ منورہ میں جب تیار شدہ فہرتوں کے مطابق علما، مشائخ، اساتذہ اور خدامِ حرم میں زبرد اعانت تقسیم ہو چکا تو اعلان فرما کر فقراء اور مساکین کو ایک ٹھی حویلی میں جمع کرایا اور ان میں خیرات تقسیم فرمائی۔ بعد ازاں جب پتہ چلا کہ مقامی پولیس (شرطہ) کو سال کے بیشتر حصے میں تنخواہیں نہیں ملیں۔ تو پولیس کے سپاہیوں کی بھی امداد فرمائی اور ان کے افسروں کو ان کے گھروں پر عطیات بھجوائے۔

شرفائے سادات کے ایک عمر رسیدہ بزرگ مدینہ شریف کے ایک بیرونی محلے میں رہتے تھے۔ حضرت بابو جی خود ان کے

پاس تشریف لے گئے۔ وہ کرایہ کے مکان میں رہائش رکھتے تھے اور کئی برس کا کرایہ اُن کے ذمہ واجب الادا تھا۔ اس کے علاوہ وہ کافی مقروض بھی تھے۔ جب آپ اُن کی تمام حاجات پوری فرما کر واپس لوٹنے لگے تو انہوں نے بتایا کہ چند روز پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی مالی بے بسی کی حالت عرض کی تھی تو اُن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ تمہارا ایک دوست آنے والا ہے وہ تمہاری مدد کرے گا۔

حویلی کے اندر فقراء اور غریبوں میں تقسیم اعانت کے دوران حضرت بابو جی کے حکم سے روپوں اور ریا لوں سے بھرے ہوئے ٹوکروں کو کپڑوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ آپ نے ہدایت فرمائی کہ روپے کپڑے کے نیچے ہاتھ ڈال کر نکالے جائیں اور کپڑے کو ٹوکروں کے اوپر سے نہ اٹھایا جائے۔ آپ کے ایک مخلص رفیق میاں غلام قادر صاحب کا بیان ہے کہ تقسیم شروع ہونے سے تقریباً ایک گھنٹہ بعد اس خیال سے کہ روپے اب ختم ہونے کے قریب ہوں گے، میں نے ایک ٹوکروں سے کپڑا اٹھا کر جھانکا تو دیکھا کہ ابھی ایک چوتھائی روپے بھی ختم نہیں ہوئے تھے۔ سمجھ گیا کہ برکت خداوندی کا کرشمہ ہے۔ چنانچہ فوراً کپڑا دوبارہ ٹوکروں کے منہ پر ڈال دیا۔ ادھر ایک تبسم کنندہ نے غلطی سے ایک ٹوکروں سے کپڑا الٹ دیا تو دیکھا گیا کہ روپوں کی تیزی سے اُترنے لگی اور تھوڑی دیر میں ٹوکرا خالی ہو گیا۔ اس کے برعکس حویلی کے دوسرے دروازہ پر جو ٹوکرا استعمال ہو رہا تھا اور جس پر سے کپڑا نہیں اٹھایا گیا تھا اُس میں سے بہت دیر تک تقسیم جاری رہی اور وہاں کے تمام تھین کے لیے وہی روپیہ کافی ثابت ہوا۔ اس واقعہ کو سب نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شمار کیا۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بابو جی کی واپسی کے موقع پر حضرت مدنی صاحب نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بابو جی کی اس جود و سخا پر اظہارِ خوشنودی فرماتے دیکھا۔

حضرت مدنی صاحب کا مکتوب

حضرت قبلہ سید احمد الحطاس صاحب مدنی دامت برکاتہم کے افادات بعنوان "مبشرات مدنی" سے حضرت بابو جی صاحب مدظلہ العالی کے سفر حج (۱۳۶۳ھ) اور وہاں کے صدقات و خیرات کے متعلق ایک بیان ملاحظہ ہو:-

(ترجمہ) اور ۱۳۶۳ھ میں جیسا کہ مجھے یاد ہے اور اُمید ہے کہ باوجود بہت سال گزرنے کے میرا حافظہ کسی چیز کو نہیں بھولا۔ میرے سردار اور مرشد سید غلام محی الدین حج اور زیارت کے ارادہ سے تشریف لارہے تھے۔ اور آپ ہمراہیوں سمیت جدہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ کہ مجھے خواب میں حضور رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور میں آپ کے قریب کھڑا تھا۔ آپ نے منہ مایا جا میرے فرزند کا استقبال کر اور اُسے میرا سلام پہنچا۔

اور دوسری بار میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مجھے میرے نام سے پکار کر فرماتے ہیں کہ میرے فرزند غلام محی الدین اور

فقی سنة ۱۳۶۳ھ علی ما ذکر و اصل
بان ذا کرتی ملنسیت شیئا وقد مضت علی
ذالك سنون عديدة - کان قاصدا للحج والزیارة
سیدی و مرشدی سید غلام محی الدین
وکان قریبا ویصل الی جدہ و من یرفقه من
الاخوان رائیت فی المنام حضرت سیدی
الرسول الاعظم صلی اللہ علیہ وسلم و سلو و انا
واقف بالقرب منه و هو یقول لی اذهب الی
ابنی فقابلہ و بلغه السلام۔

وللمرة الثانية رایتہ صلی اللہ علیہ وسلم
ینادینی باسمی و یقول لی بلغ سلامی لابنی

غلام محی الدین والجماعة واخبره بانى راض
عنه وهو من المقبولين -

(الامر بالقضاء من المحارب)

وفى تلك السنة لما جاء سيدى سيد
غلام محی الدین الى المدينة المنورة ووزع
وقسم الكثير من الخيرات والصدقات والزكاة
كان فى ذلك الوقت تصل من كثير من الناس
اوراق مكتوبة يطلبون فيها ويذكرون حاجاتهم
وكنت كل يوم اجمع ما يجي من هذه الاوراق
فى جيبى حتى يجي الوقت لاسلمها واقدمها
لسيدى غلام محی الدین وكان فى ذلك اليوم
من جملة الاوراق ورقة جاءت من محارب
السجن والمتهم بتهمة القتل وضعتها فى جيبى
من جملة الاوراق وقد جلست على دكة
داخل البيت وكنت تعبا كثيرا جدا فمت
وانا جالس على الدكة رايت حضرت رسول الله
صلى الله عليه وسلم وهو يقول لى ابن الاوراق -
فتشت فى جيبى واخرجت ورقة فاذا هو التى
جاءت من محارب فقال لى صلى الله عليه وسلم
تل لغلام محی الدین يقضى عن هذا -

وامتثالا لمره صلى الله عليه وسلم
قد اجرى كل مالزم من جهة الحكومة
وذوى الامر واطلق سراح محارب وبالضمن
كل من هو فى السجن وقضى عنه وعن الجميع
واطلق سراحهم من السجن جميعا و
قد علم باليقين بان محارب متهم
ظلمًا كان فرحًا عظيمًا ككل الوجوه
فى المدينة المنورة لذلك الامر -

اُس کی ہمراہی جماعت کو میرا سلام پہنچا اور اُس کو خبر دے کہ میں
اُس سے راضی ہوں اور وہ مقبولوں میں سے ہے۔
(ایک قیدی کے قرضہ اُتارنے کا حکم)

اور اسی سال جب سیدی سید غلام محی الدین مدینہ منورہ
میں تشریف لائے اور بہت خیرات و صدقات اور
مالِ زکوٰۃ تقسیم فرمائے تو بہت لوگوں کی طرف سے
خطوط آتے تھے جن میں وہ اپنی حاجات کا تذکرہ کرتے
تھے اور امداد مانگتے تھے اور میں روزانہ وہ خطوط جمع کر
کے جیب میں رکھتا تاکہ وقت آنے پر آپ کے پیش
کروں اور آپ کے سامنے پڑھوں۔ انہیں دنوں میں
ایک قیدی کی طرف سے خط آیا جو بوجہ تہمت قتل جیل میں
بند تھا۔ میں نے وہ رقعہ دوسرے رقعوں کے ساتھ
جیب میں رکھ لیا اور گھر کے اندر تخت پوش پر بیٹھ
گیا اور بہت تھکا ہوا تھا۔ بیٹھے ہی نرسند آگئی۔
دیکھت ہوں کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ رقعے کہاں ہیں؟ میں
نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک رقعہ نکالا اور
دیکھا تو وہی قیدی والا رقعہ تھا۔ پس حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلام محی الدین سے کہو کہ اس کی
طرف سے ضمانت ادا کر دے۔

چنانچہ سیدی غلام محی الدین نے اُس کی طرف سے
وہ تمام چیز ادا کر دی جو حکومت اور حکام کی طرف
سے اُس پر واجب تھی اور قیدی کو چھڑا دیا۔ اس کے
علاوہ تمام قیدی جو اُس کے ساتھ تھے اُن کی طرف
سے بھی بطور ضمانت سب کچھ ادا کر دیا اور اُن کو بھی
جیل سے رہائی دلائی۔

حالانکہ یہ یقیناً معلوم تھا کہ وہ قیدی ظلم کے ساتھ متہم
ہے اور مدینہ منورہ میں اس امر پر بڑی خوشی کا اظہار کیا
گیا۔ حتیٰ کہ بہت لوگوں کے وجوہ اس امر کو دیکھ کر خیرہ ہو گئے

اختائے حال

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ حضرت قبلہ بابو جی اظہار کمال سے انتہائی اجتناب فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ کنایت بھی کوئی ایسی بات زبان پر نہیں لاتے جس سے ان کے بے اندازہ ظاہری اور باطنی علوم کا پتہ چل سکے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ فقیر وہ ہے جو عرفان کے سمندر پہنچ جائے مگر ظرف کا یہ عالم ہو کہ سب کچھ جذب کر لے۔ سچ ہے دریا ئے عمیق کی خاموشی پانی کو دعوے سے کیا عرض ہے

گرداب داریا تیرے صدقے جائیے دریا کا پھیر پائیے تیرا نہ پائیے

حضرت نور جہانیاں صاحبہ سجادہ نشین مہار شریف نے ایک مرتبہ فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب گولڑوی کی ذات میں دیگر کمالات کے علاوہ جو نیاز اور نفی دعویٰ ہے وہ کیوں اور نہیں پائی جاتی۔

جناب راز رام پوری اپنے رشحاتِ قلم میں ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بابو جی رام پور تشریف لائے تو آپ کی مجالس میں وہاں کے ایک بڑے عالم بھی شریک ہوئے تھے۔ جب حضرت واپس تشریف لے گئے تو ان مولوی صاحب نے مجھے فرمایا کہ ہم نے تمہارے شیخ کو ہر رنگ میں کامل پایا۔ پہلے تو ہم ان کے کمالِ درویشی سے متاثر ہوئے۔ اس کے بعد چونکہ آپ نے اُس سے اُس وقت تک کسی علمی موضوع پر گفتگو نہیں فرمائی تھی اس لیے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ معلوم نہیں انہیں علم ظاہری میں بھی دسترس ہے یا نہیں۔ اُس وقت نماز مغرب ادا ہو چکی تھی۔ ہمارے دل میں اس خطرہ کے آتے ہی حضرت نے نماز کا ذکر درمیان میں لاکر عشا کی نماز کے وقت کے موضوع پر فقہا کے اختلاف کے متعلق ایک سیر حاصل تبصرہ فرمادیا جس سے ثابت ہو گیا کہ آپ علوم ظاہری سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں۔

اسی تواضع اور انکسار کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنجناب کو اپنے زمانہ میں وہ رفعت بخشی ہے جس کی نظیر بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ حدیث صحیحہ میں وارد ہے کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (جو شخص خالص خدا کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے رفعت عطا فرماتا ہے) اپنی زبان فیض ترجمان سے اظہار کمال کا تو حضرت کے یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جب کبھی کسی عقیدت مند نے بھی آپ کی کرامت اور کمال کے متعلق بنا بر مشاہدہ اظہار خیال کرنا چاہا تو آپ نے اس شدت سے منع فرمایا کہ سننے والوں کو عبرت ہوتی۔

محبت فی اللہ

احادیث مبارکہ میں محبت فی اللہ کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مومن کے لیے سب سے بڑا سرمایہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ پھر جس چیز کو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس قدر زیادہ نسبت ہوگی، محبت فی اللہ کا مقصد یا یہ ہے کہ انسان بھی اُس چیز کے ساتھ اتنی ہی زیادہ محبت رکھے۔ اس انتساب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور صحابہ کرام سب سے پیش پیش ہیں۔ ان کے بعد اولیائے عظام کا کادرجہ ہے حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی کی ذات گرامی خدائے تعالیٰ اور اُس کے محبوب بندوں کی محبت کا پس کر ہے تقریباً بیس دفعہ حج بیت اللہ شریف اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل فرما چکے ہیں۔ علاوہ ازیں نجف

اشرف، کربلائے معلیٰ، کانپین شریفین، بغداد شریف، قونیز شریف (ترکیہ) مزار شریف و بہرات (افغانستان) بصرہ شام، بیت المقدس وغیرہ اور دوسرے اسلامی ممالک میں مختلف مقبولانِ خدا کے مشاہد مبارکہ کی زیارت کے لیے متحد و بار سفر فرما چکے ہیں خصوصاً حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ اور سرکارِ بغداد قدس سترہ کی ذواتِ مبارکہ سے تو آپ کو انتہائی والہانہ عقیدت ہے تقسیم ہند سے پہلے تفت ریباً ہر سال اجیر شریف اور ہندوستان کے دیگر مزاراتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ اور اس کے بعد بھی اجیر شریف کی چند مرتبہ حاضری دی۔ توحید و جود کی کا ذوق ایسا غالب ہے کہ تمام خلقِ خدا پر شفقت و رحمت عادتِ شریف بن چکی ہے۔ ہر فرقہ و ملت کے لوگ، حتیٰ کہ ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ غیر مسلم بھی آنجناب سے عقیدت رکھتے ہیں تقسیم ملک سے پہلے لاہور میں مقیم ایک ہندو سستی دوار کا سنگھ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں فقط میرا تعلق خدا سے ہو جائے۔ اُس کے اس جذبہ سے آپ اس درجہ متاثر ہوئے کہ جب بھی وہ سماع وغیرہ کی مجلس کے انعقاد کی درخواست کرتا آنجناب مدیم الفرستی کے باوجود اُس کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے تھے اور توحید کے موضوع پر مجالس سماع منعقد ہوتی تھیں تقسیم کے بعد بھی آپ نے ایک مرتبہ امرتسر اور دہلی میں ہندوؤں اور سکھوں کے مجمع میں مجالس سماع منعقد کرائیں رفعتا سفر سے معلوم ہوا کہ ان مجالس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ ایک مجلس میں آپ کے قوال محبوب علی صاحب نے توحید کے متعلق مضمون بیان کرتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا۔ ع

تمہارے بڑے پن میں شک ہے کے

اور ساتھ ہی اللہ اکبر کہا۔ بس پھر کیا تھا۔ تمام مجمع میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کی صدا گونج اُٹھی۔ اُس میں شریک سب ہندو اور سکھ بے ساختہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے۔ دہلی کی مجلس سے پہلے کئی سرکاری اور غیر سرکاری افراد نے مشورہ دیا تھا کہ مجلس منعقد کرنا خطرہ سے خالی نہ ہوگا۔ تاہم آپ نے محض اس خیال سے کہ پنجاب کے ان ہندو اور سکھ تارکینِ وطن سے وعدہ ہو چکا تھا۔ اور وہ خدا کی تعریف سُننا چاہتے تھے۔ فرمایا کہ مجلس ضرور ہوگی۔

الغرض خلقِ اللہ ہونے کی حیثیت سے ہر شخص کے ساتھ حسبِ مراتب آپ کا تعلق ہے۔ خلقِ خدا کی ایذا رسانی سے اتنی شدید نفرت ہے کہ اس قسم کے واقعات کا سنا بھی برداشت نہیں فرماتے۔ گویا جتنم شفقت و رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ کرامت دیر پا فرمائے۔ آمین۔ تم آمین۔

عفو و درگزر

عفو و تعالیٰ کی عظیم صفات میں سے ہے۔ اس صفت کا حقیقی نظارہ تو میدانِ حشر ہی میں حاصل ہوگا۔ تاہم عالمِ شہود میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اس صفت کی مظہرِ اتم بن کر آئی اور نہ صرف آپ کے اہل بیت اطہار کو اس کا داخلہ ملا بلکہ آج تک آپ کی ذریتِ طیبہ میں بھی اسی شانِ عفو کا ظہور ہو رہا ہے۔

حضرت قبلہ بابو جی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چند شیعہ حضرات حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے میں آپ کی رائے دریافت کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کیا یہ زیادہ مناسب نہیں ہے کہ یزید پر لعنت کر کے وقت ضائع کرنے کی بجائے آلِ نبی پر درود شریف پڑھا جائے؟ اس کے بعد قبلہ بابو جی نے فرمایا کہ نبوت کا گہرانہ بھی کیسا عظیم گہرانہ ہے کہ اس میں لفظ نہ کا تو جود ہی نہیں۔ جود و سخا اور رحم و کرم ہی ہے۔ پھر فرمایا ایک دفعہ حضرت امام زین العابدین سے یزید نے

عرض کیا یا امام اہل بیت کے خون سے ہاتھ رنگ کریں نے گناہِ عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ اب خدا کوئی نجات کی سبیل بتائیں۔ امام صاحب نے بلا تامل فرمایا کہ مغرب کے بعد دو رکعت نماز نفل فلاں ترتیب سے پڑھ لیا کرو۔ حضرت امام زین العابدین سے بڑھ کر واقعہ شہادت کا رنج کسے ہوگا۔ وہ نہ صرف شہید کر بلا حضرت امام حسین کے فرزند بزرگ بندھے بلکہ اس سانحہ عظیم کے وقت خود وہاں موجود بھی تھے۔ علاوہ ازیں بعد میں جو مظالم ڈھائے گئے انہوں نے وہ بھی سب دیکھے اور سنے تھے یاں ہمہ یزید جیسے دشمن کی بھی صحیح رہنمائی فرمائی۔ مگر ذاتِ خداوندی چونکہ بے حد غیور ہے اس لیے اُس نے یزید کو یہ توفیق ہی نہ بخشی کہ امام کی بتائی ہوئی دو رکعت اپنی زندگی میں ادا کر سکتا۔ پھر با بوجی نے فرمایا۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ اگر قیامت کے روز ان بزرگوں سے ریت کیا گیا کہ تمہارے دشمنوں سے کیسا سٹوک کیا جائے تو لاریب وہ اُن کے لیے رحم اور بخشش ہی کی استدعا کریں گے! آخر اسی مقدس ہستی کے گھرانے سے میں جس نے ہر ظلم و ستم سہنے کے بعد بھی زبان مبارک سے صرف اتنا فرمایا کہ اے بارِ الہا میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ نا سمجھ ہیں۔

حضرت قبلہ با بوجی نے بھی ہمیشہ اسی شانِ محمود کرم کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ کئی مرتبہ قاتلانہ حملے ہوتے رہے لیکن باوجود علم ہونے کے دشمنوں سے تعرض نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ کے پلنگ کے نیچے چھپا ہوا دشمن پکڑا گیا۔ مگر آپ نے اُسے چھڑوا دیا۔ حاسد دشمنوں نے آپ کی کار کا راستہ روک کر گولیوں کی بوچھاڑ کی۔ گولیوں کی اُس بارش کے وقت آپ کے فرمان پر مجرب علی قوال نے جو ہمراہ تھا مولینا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نعت پڑھنا شروع کر دی۔

بسیا جانبِ بطحا گذر کن ز احوالمُحَمَّدِ رَاخِمْدُ کُن

دوستوں نے آئندہ کے لیے حفاظتی تدابیر سے متعلق کچھ تجاویز پیش کیں مگر آپ نے یہ جواب دے کر ٹال دیا، کہ اللہ تعالیٰ خود حافظ و ناصر ہیں۔ موت کا ایک دن معین ہے۔ اُس سے پہلے نہیں آئے گی۔ اور جب وقت آگیا تو جو بہانہ یا مقام مقرر ہوگا اُسے کوئی تدبیر نہیں ٹال سکے گی۔

وفا اور آشناپوری

وفا اور آشناپوری حضرت با بوجی مدظلہ کا امتیازی خاصہ ہے۔ ان کے یہاں قطع تعلق پر بے مہری نہیں ہے۔ موجودہ دور میں ان کا یہ وصف اس شعر کا صحیح مصداق ہے۔

تو جنسِ محبت ہے، قیمت ہے گراں تیری

کم مایہ ہیں سوداگر! اس دس میں ارزاں ہو

کوئی لاکھ تعلق توڑے یہ ہمیشہ اُسے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اخلاص کی قدریوں تو کم و بیش سب کو ہوتی ہے، لیکن حضرت با بوجی کے یہاں صاف گوئی، خواہ تلخ ہی کیوں نہ ہو اور صاف فطرت، خواہ مخالف ہی ملیں ہو، بے حد پسندیدہ ہے۔ چنانچہ حکیم شمس الدین صاحب مرحوم کی مذکورہ بالا خصوصیات ہی کی وجہ سے آپ کو اُن سے بہت اُنس تھا۔

ایک تبراہی حکیم صاحب نے حضرت اعلیٰ کو خط لکھا کہ باوجود آپ سے بیعت کے میری فلاں عورت سے محبت میں کمی نہیں آئی۔ ایسی بیعت سے بھلا کیا فائدہ؟ میں اپنی بیعت فسخ کرتا ہوں۔ ساتھ ہی قبلہ با بوجی کو خط لکھا کہ میں آپ کے والد سے قطع تعلق کر رہا ہوں۔ لہذا آپ بھی مجھ سے تعلق منقطع کر لیں حکیم صاحب حضرت اعلیٰ سے بیعت کے علاوہ آپ کے اُستاد بھائی بھی

تھے یعنی حضرت اعلیٰ کے استاد مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی کے شاگرد تھے۔ لہذا قبلہ عالم قدس سترہ نے جواب میں لکھا کہ تم شوق سے قطع تعلق کر لو مگر ہماری طرف سے آشنائی اور خیر خواہی میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ ادھر بابو جی صاحب نے حکیم صاحب کے خط کا جواب یہ دیا کہ جب آپ نے حضرت سے تعلق پیدا کیا تھا تو اُس وقت میں نے وکالت نہیں کی تھی۔ اب اس تعلق کا توڑنا آپ کا اور حضرت کا باہمی معاملہ ہے۔ یہ ہمارے تعلقات پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

حضرت بابو جی کے بچپن کے بھائیوں میں سے جب ایک ساتھی کا انتقال ہوا تو آپ نے ابدیدہ ہو کر فرمایا دل چاہتا ہے کہ جب میرا وقت آجائے تو اس ساتھی کے پہلو میں قبر بنے۔ اُس دوست کے صاحبزادے پر بڑی عنایت اور شفقت کی نظر رکھتے ہیں۔

ہم ہیں غلام اُن کے جو ہیں آشنا پرست

ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک مخلص کے اچانک انتقال کی اطلاع ملی۔ صدمہ ہوا۔ جنازے میں شرکت کے لیے اُن کے یہاں تشریف لے گئے۔ متوفی لا ولد تھے۔ اور اُن کی اپنے اعز سے شکر رنجی رہتی تھی۔ جب قبلہ بابو جی واپس تشریف لانے لگے تو مرحوم کے اُن اعز نے پانچ سو کے نوٹ بطور نذرانہ پیش کیے۔ مگر آپ نے اس رقم کو یہ فرما کر واپس کر دیا کہ مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں اپنے آشنا کے مخالفوں کا ہدیہ قبول کروں۔ بعد میں اُن لوگوں نے وہ نوٹ پُزے پُزے کر کے بذریعہ رجسٹری آپ کی خدمت میں گولڑہ شریف کے پتے پر روانہ کر دیئے لیکن آپ نے انہیں نئے نوٹوں میں تبدیل کر کے واپس فرما دیا۔

ہندو ہیں بُت پرست، مسلمان خدا پرست، ہم ہیں غلام اُن کے جو ہیں آشنا پرست

قبلہ بابو جی مدظلہ العالی کی حیات مبارکہ کے تفصیلی حالات کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے۔ یہاں تبرکاً صرف چند ایک باتوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ حجاز مقدس، عراق، شام، مصر، ترکی، ایران وغیرہ ممالک اسلامیہ کے متعدد سفر، تعمیر پاکستان کے سلسلہ میں مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے پنجاب کی مساعی، جہاد کشمیر ۴۸-۱۹۴۷ء و ۱۹۶۵ء میں آپ کی ملی خدمات، تحریک ختم نبوت میں جمہور اہل اسلام کے ساتھ تعاون وغیرہ کے متعدد ایسے واقعات ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اچھے تصوف و روحانیت میں جو قابل قدر خدمات آپ نے انجام دی ہیں وہ ایسے نازک دور الحاد و مادہ پرستی میں آپ ہی کا خاصہ ہیں۔ اسی اخلاص اور مساعی اچھے دین و تصوف کی برکت ہے کہ جب محکمہ اوقاف نے ۱۹۶۲ء میں دربار گولڑہ شریف کو اپنے قبضہ میں لے لیا تو جناب بابو جی مدظلہ کی قانونی چارہ جوئی پر سید محمد عسکرنندی سیشن جج راولپنڈی کے حکم سے بالآخر اسے واکذار کر دیا گیا۔ اس مدتِ دمہ کا فیصلہ اُردو اور انگریزی میں شائع ہو چکا ہے جس میں خود حضرت قبلہ بابو جی کا حقیقت انداز بیان قابل مطالعہ ہے۔

(جناب حاجی مصباح الدین صاحب کا مقالہ ختم ہوا)

دینی و ملی خدمات

خدمتِ دین و ملت کے اہم فریضہ کی جو مستحکم بنیاد حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے رکھی تھی اس کی تعمیر و ترقی میں آپ کے

خلف الصدق قبلہ باوجودی مدظلہ العالی نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ چنانچہ آستانہ عالیہ پر تمام علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے قائم شدہ جامعہ غوثیہ میں ساٹھ شتر طلبا کے قیام و طعام اور تعلیمی ضروریات اور مدرسین کی کفالت کا مکمل انتظام ہے۔ تقریباً چھ ہزار مطبوعہ اور قلبی کتب پر مشتمل کتب خانہ دارالافتاء حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی تصانیف کی اشاعت اور اعراض مبارکہ کے علاوہ محرم الحرام، میلاد شریف اور معراج شریف وغیرہ کی تقریبات پر اہل سنت والجماعت کے مسلک کی اشاعت کے لیے علماء کرام کی تعاریر اور مجالس سماع کا آپ نے باقاعدہ انتظام فرما رکھا ہے جس سے ملک بھر کے ہزاروں حاضرین مستفیض ہوتے ہیں۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے زمانہ میں سب سے بڑا اجتماع حضور غوث اعظم کے عرس شریف منعقدہ ۹-۱۰-۱۱ ربیع الثانی کے موقع پر ہوتا تھا جس میں شمولیت کے لیے آنجناب خاص طور پر تاکید فرماتے تھے۔ اُس وقت حاضرین کی تعداد ہزاروں تک ہوتی تھی مگر اب لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ اس عظیم سالانہ تقریب کے علاوہ حضرت قبلہ عالم کا اپنا ختم شریف ہر سال ۲۹ صفر کو ہوتا ہے۔ اور دوسرے دن شام کو چادر چڑھائی جاتی ہے۔ ۱۲-ربیع الاول کی رات کو میلاد شریف کی مجلس بڑے تزک و احتشام سے منعقد کی جاتی ہے۔ اول شب سے درود خوانی شروع کی جاتی ہے۔ آدھی رات کے بعد تقریریں اور نعت خوانی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عین وقت ولادت کے مطابق قیام و سلام ہوتا ہے اور ایک سو ایک گولوں کی سلامی دی جاتی ہے جس کا منظر عجیب روح پرور ہوتا ہے۔

قبلہ باوجودی مدظلہ العالی کے دور میں آستانہ عالیہ پر تدریس و افتاء اور خطابت و امامت کے فرائض انجام دینے والوں میں مولینا قاری نعمت اللہ صاحب الہ آبادی مرحوم، مولینا سید محمود شاہ صاحب مقیم راولپنڈی، مولینا محبت البنی صاحب بھوئی، ضلع ہزارہ، مولینا حافظ عطا محمد صاحب پدھراڑ علاقہ سون، مولینا قاری محبوب علی صاحب لکھنوی، مولینا محمد عبدالرازق صاحب گوہر و ضلع راولپنڈی، مولینا فرید الدین صاحب بھوئی، مولینا فتح محمد صاحب مرحوم راولپنڈی، مولینا اللہ بخش اور مولینا خدا بخش صاحبان مٹیال ضلع کیمبل پور اور مولینا محمد فاضل صاحب گوہر خان کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ الحمد للہ کہ اپریل ۱۹۶۱ء سے بندہ راستم الحروف کو بھی اس سعادت میں شمولیت کی توفیق حاصل ہے۔

جامعہ غوثیہ میں تعلیم پانے والے طلباء کو دورہ حدیث کے بعد سند دی جاتی ہے۔ یہاں کے بعض فارغ التحصیل طلباء نے جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے انتہائی درجات میں داخلہ لے کر نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ان میں سے اکثر مختلف دینی شعبوں میں کام کر رہے ہیں۔ راقم الحروف کے یہاں پر قیام کے بعد سے اس وقت تک حسب ذیل طلباء کے نام اس سلسلہ میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ راقم الحروف کے برادر خور و مولوی مشتاق احمد صاحب

۲۔ مولوی محمد اشرف صاحب ضلع میانوالی

۳۔ مولوی محمد حق نواز صاحب تحصیل کھوٹہ

۴۔ مولوی عبد الحمید صاحب ساکن عبدالحکیم ضلع ملتان

۵۔ مولوی احمد نواز صاحب بھکر ضلع میانوالی

۶۔ مولوی محمد مسعود صاحب اور

۷۔ مولوی محبوب سبحانی صاحب علاقہ گوہر و ضلع راولپنڈی

۸۔ مولوی محمد سکندر شاہ صاحب ضلع ہزارہ

۹۔ صاحب زادہ مولوی عبدالحمید شاہ صاحب سوہاؤہ شریف۔ آزاد کشمیر

۱۰۔ صاحب زادہ رفیع الدین صاحب اٹل شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

۱۱۔ مولوی ممتاز احمد خان صاحب بھکر ضلع میانوالی۔ اور

۱۲۔ مولوی غلام نصیر الدین صاحب ریاست دیر

حضور غوث الاعظم قدس سرہ کے عرس مبارک اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے ختم شریف کی مجالس میں متواتر کئی سال تک پاکستان کے مشہور داعی مولانا عبدالغفور ہزاروی مرحوم اپنے مواعظ سے حاضرین کو مستفیض کرتے رہے۔ مجالس سماع میں دیگر قوالوں کے علاوہ آستانہ عالیہ کے قوال حاجی محبوب علی صاحب اپنے خاص انداز میں حاضرین کو متاثر کرتے ہیں۔ ان کے طرز بیان میں حیدرآباد کن کے مشہور و معروف علی بخش داعی قوال مرحوم کا بھی خاصہ رنگ ہے۔ صوفیاء کے علاوہ علمائے کرام بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ قبلہ بابو جی کی ہمرکابی میں انہوں نے کئی مرتبہ بھارت کے شہروں میں ہندوؤں اور سکھوں سے اللہ اکبر کے نعرے لگوادیئے ہیں۔

مقامی طور پر مستذکرہ بالادینی و ملی خدمات کے علاوہ ملک اور بیرون ملک میں جہاں اور جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ پیدا ہوا جس میں دینی نقطہ نظر سے تعاون کی ضرورت تھی وہاں حضرت بابو جی سیاسی اور ذاتی اغراض سے بالاتر ہو کر محض رضائے الہی اور مسلمانوں کے مفاد کے پیش نظر حتی الوسع امداد فرماتے رہے ہیں۔ استقرار پاکستان پر آپ مسلم لیگ کی حمایت میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۴۷-۴۸ء میں جہاد کشمیر کے موقع پر مجاہدین اور مہاجرین کی ہر ممکن طور پر نقد و جنس سے بھرپور امداد فرمائی۔ تحریک ختم نبوت میں جمہور اہل اسلام کے ساتھ پورا تعاون فرمایا۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ مابین بھارت و پاکستان میں ذاتی طور پر مجاہدین اور مہاجرین کی ہر قسم کی امداد کے علاوہ اپنے متوسلین کو بھی خاص طور پر اس جہاد میں جھٹھ لینے کی ترغیب اور تاکید فرماتے رہے چنانچہ خلاف معمول و مشرب اس موقع پر ایک تقریر بھی ریکارڈ کرائی جو ۱۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ریڈیو پاکستان سے نشر کی گئی۔

نویں فصل

قبلہ بابو جی مدظلہ العالی کی اولاد امجاد

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی تین صاحبزادیاں اور ایک فرزند قبلہ بابو جی مدظلہ العالی تھے۔ آنجناب کا نسب مبارک فقط حضرت بابو جی سے ہی فروغ پذیر ہوا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک صاحبزادی اور دو فرزند ارجمند عطا فرمائے۔ بڑے صاحبزادے حضرت شاہ غلام معین الدین شاہ صاحب (جن کا عرف "لالہ جی" صاحب مشہور ہو گیا ہے) اور چھوٹے شاہ عبدالحق صاحب مدظلہما العالی۔ دونوں صاحبزادے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی حیات مبارکہ میں بالترتیب ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کو آنجناب کی خصوصی نوازشات سے بہرہ اندوز ہونے کا کافی موقعہ عطا فرمایا۔ حضرت کے وصال کے وقت جناب شاہ غلام معین الدین صاحب کی عمر سترہ برس اور جناب شاہ عبدالحق صاحب کی عمر گیارہ برس تھی۔

صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت

ہر دو صاحبزادگان کو جناب مولانا محمد غازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے متبحر عالم سے ابتدائی تعلیم کا شرف حاصل ہوا جب حضرت مولانا محمد غازی صاحب ۱۹۳۹ء میں انتقال فرما گئے تو انہوں نے جامعہ بہاول پور میں داخلہ لے کر کئی سال تک جناب شیخ الجامعہ کی تربیت میں درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔ حضرت غلام معین الدین شاہ صاحب نے مولوی فاضل کاکورس بھی پاس کیا۔ علاوہ ازیں آپ ایک نغز گو شاعر بھی ہیں۔ "مشتاق" تخلص فرماتے ہیں۔ کلام میں درد اور رقت کا غلبہ ہے۔ مجالس میں ان کے اشعار اکثر پڑھے جاتے ہیں۔ اور ہمیشہ کیف اور ثابت ہوتے ہیں۔ بعض اشعار درج ذیل ہیں:-

مثنوی ستر تو حید۔ نمونہ کلام حضرت لالہ جی مدظلہ العالی

ذات حق چوں قابل حمد و ثناست	پس محمد گفتن اور اہم رواست
یاد کن او را بصد عجز و نیاز	تا شوی از یاد او تو سرفراز
نیست جز ذلتش کے در شش جہات	منظر او بہت جملہ کائنات
ناظر او باش در جملہ صور	در حقیقت او ست ظاہر و سیر
ہستی موبہوم را معدوم ساز	فانش گردد آنچه در فے بہت راز
جملہ موجودات عکس یک وجود	بود مطلق بشد مقیت در شہود
چوں تنزل کرد آں ذات قدیم	گشت او در صورت انساں کلیم

سِرِّ وحدت را نداند ہر کسے
 داند اور آں کہ قلبش پاک گشت
 تا توانی محرم این راز شو
 محرم این راز بس آنکہ شوی
 در تقیت دما و تو گفتن رواست
 چشم دل و اکُن ہیں در شش جہات
 منطقی و فلسفی در حیرت اند
 اوست خود اندر زمین و آسمان
 باش دائم در خیال یک وجود
 در تکثر گشت وحدت جلوہ گر
 مُردہ دال اورا کہ اورا ذوق نیست
 کُن تصور دم بدم من نیستم
 در حصول مدعی دیوانہ باش
 ہر چہ بینی در جہاں این عکس اوست
 نیست کثرت را بجز وحدت نشان
 فسکر کُن در بود خود اے بے خبر
 تو دماں اُورا کہ اوست از تو دور
 این وجود من وجود من کجاست

بشنو از من اے برادر یک خمبہ
 باش مشتاقش کہ یابی زود تر

حضرت بابو جی مدظلہ العالی صاحبزادہ صاحبان کی تربیت کا ہمیشہ خاص اہتمام فرماتے رہے ہیں۔ بہاول پور میں قیام کے دوران جو پُر از حکمت و نصائح مکتوبات آپ نے ان حضرات کو ارسال فرمائے وہ قابل دید اور بصیرت افزوز ہیں۔ تبراگانہ یہاں ایک مکتوب درج کیا جاتا ہے۔

حضرت بابو جی کا مکتوب شریف

۷۸۶

آباد حیدر کھٹے مے خانہ محمد کا

ریلوے دفتر گولڑا
 از گولڑا

بنی آدم از علم یابد کمال
 نہ از حسمت و جاہ و مال و مثال

پئے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں حصار شناخت
خردمند باشد طلب گارِ علم
کہ گرم است پیوستہ بازارِ علم
طلب کردن علم شد بر تو فرض
وگر واجب است از پیش قطع ارض

عزیزی غلام معین الدین و شاہ عبدالحق حفظکما اللہ تعالیٰ

بعد دُعائے ترقی درجات کے واضح ہو کہ آلِ عزیزان کا مکتوب پہنچ کر کاشفِ مایہا ہوا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس ظاہری منزل مقصود پر تم کو پہنچایا۔ اسی طرح باطنی منزل مقصود پر جلد تر پہنچائے۔ عزیزا، تم بخوبی جانتے ہو کہ تمہارے اس سفر کرنے سے، علاوہ گھر کے لوگوں کے، اجباب بھی سخت تنگ ہیں۔ مگر چونکہ ہمیں تمہاری یہ چند روزہ زندگی جو کہ بالکل عارضی ہے اُس کی بہت سی منظور ہے اس لیے ہم لوگوں نے اپنے رنج اٹھانے سے تمہاری بہبودی کو مہتمم رکھا کہ یہ فراق چند روزہ اختیار کر لیا۔ خدا تمہیں اپنے اس کام میں شوق دے اور خوب محنت سے کام کرو۔ اور اصل جو علم حاصل کرنے کا مقصد ہے وہ ہاتھ سے جانے نہ دو۔ عزیزا۔ یہ جو تم نے لکھا ہے کہ ہم غریب الوطن ہیں۔ کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ اگر تم یہاں گولڑا میں رہو تو پھر غریب الوطن نہ ہو گے (نہیں) عزیز تمہارا اور ہمارا دراصل اصلی وطن اور ہے جس طرف ہم نے آخر ایک دن ضروری جانا ہے۔ اس عالم شہادت میں جہاں بھی ہم رہیں غریب الوطن ہی ہیں۔ ہم سب مسافر ہیں۔ اصلی وطن کی طرف جانے کے لیے ہمیں ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ اور اسی لیے تو تمہیں حصولِ علم کے لیے لگایا گیا۔ تاکہ اس کی وجہ سے تمہیں اُس طرف کے لیے آسانی ہو۔ جس طرح تمہارا اصلی وطن اور ہے اسی طرح تمہارا اصلی مقصد بھی اور ہے۔ جس کا بیان کچھ تھوڑا سا میں نے اجمیر شریف دارخیر میں اُس رات کو کیا تھا۔ اُس کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں وقف کر دو۔ اُس کی مخلوق کی خدمت کرنے کی کوشش کرو۔ جہاں بھی رہو باخدار ہو اور مسافرانہ زندگی اختیار کرو۔ اپنے آپ کو ہر ایک کا صحیح معنوں میں خادم سمجھو۔ خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کو سب سے مقدم سمجھو۔ چونکہ دل مہتمم اُسی کا ہے اس لیے اُس میں بغیر اُس کے کسی اور کو جگہ مت دو۔ اُسے ہی اپنا حقیقی مالک و کارساز بر حال میں سمجھو۔ اصلی تعلق اُسی اپنے مالک سے پیدا کرو اور عارضی تعلق اُس کی مخلوق سے۔ مگر یہ بھی اس حیثیت سے کہ یہ مخلوق اُسی کی مخلوق ہے۔ مالک الملک سے تعلق پیدا کرنے سے ہمیشہ آرام میں رہو گے۔ دائمی زندگی حاصل کرو گے۔ اصلی زندہ اُس وقت کہلانے کے مستحق ہو گے کہ جس وقت تم نے اُس زندہ سے تعلق پیدا کر لیا۔ غرض کہ بہر حال وہ بہر کیف اُسے نہ چھوڑو۔ اُسے اپنی کسی غرض کے لیے یاد نہ کرو۔ جب یاد کرو تو اُسے اپنا مالک اور رب سمجھ کر یاد کرو۔ وہ دانا ہے۔ باحکمت ہے۔ ہماری سب ضرورتیں وہ جانتا ہے۔ جو ہا کے مناسب ہوتی ہیں وہ ہمیں دے دیتا ہے۔ عزیزا تم اُسی کے ہو جاؤ جس نے تمہیں نابود سے بربکب بود کر کے ظاہر فرمایا۔ جو تمہاری سب ضرورتوں کا فیصل ہے۔ تم کو رات دن اُسی کے خیال میں رہنا چاہیے۔ تم زندہ رہو تو اُسی کے لیے، تم مردو تو اُسی کے لیے، تم کھاؤ تو اُسی کے لیے، تم پہنو تو اُسی کے لیے۔ غرض کہ جو کچھ بھی کرو اُسی کے لیے۔ اُسی کی یاد سے اپنے قلب کو شاد کرو۔ اُس کے مقبول بندوں کی غلامی ہمیشہ کے لیے اپنا فرض سمجھو۔ اپنی خداداد عقل کو قال اللہ اور قال الرسول کے مطابق کام میں لاؤ۔ سلف صالحین کے طریقہ ہی کو صراطِ مستقیم سمجھو۔ اسی پر چلنے کو فلاح دارین یقین کرو۔ غرض کہ جو کچھ ہے وہی ہے۔ اُسی کے ہو کر رہو۔ اچھائیں اب تم سے رخصت ہوتا ہوں اور تمہیں ہمیشہ کے لیے اُسی اپنے حقیقی مالک کے پُر دکر تا ہوں جس سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں اور نہ کوئی دانا ہے۔ وہی تمہیں توفیق دے تم اس کے ہی ہو جاؤ۔ میں اس سے بڑھ کر تمہارے حق میں

کوئی مفید اور بہتر خیر خواہی نہیں تصور کر سکتا۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ اپنے کام میں برکت دے کہ میں زیادہ دعائے ترقی درجات۔ تمہارے اُستاد اور میرے مُکرم و واجب التعمیم شیخ الجامعہ صاحب کی خدمت میں نیاز مندانہ نیاز۔ خدا انہیں دوزین میں خوش و خرم رکھے۔ آمین۔ میرے حضرت کے وفادار غلام حافظ صاحب و جنرل مولوی خدا بخش کو بہت بہت سلام۔ گھر میں خیریت ہے۔ تمہاری یاد سب کو ستا رہی ہے۔ مگر خیر چونکہ تمہاری بہتری کو سب مُقدم سمجھتے ہیں۔ اس لیے صبر سے کام لے رہے ہیں اور تمہیں دعائیں دیتے ہیں۔ عزیز عبدالحق کی صحت کا خیال رہے۔ جس طرح کی ضرورت ہو، اطلاع دینا۔

وَالسَّلَامُ ، راقم و ہی تمہارا دلی خیر خواہ از گولڑا

اسی تربیت اور فطری شرافت کا اثر ہے کہ آستانہ عالیہ کے یہ صاحبزادے بہت سی خصوصی صفات فاضلہ کے حامل ہیں، دونوں حضرات متاہل اور ذی اولاد ہیں۔ حضرت لالہ جی کا رشتہ اپنے ہی عالی گھرانہ میں ہوا ہے اور حضرت شاہ عبدالحق صاحب کا حضرت بابا صاحب گنج شکر قدس سرہ کے خاندان عالی شان میں۔ حضرت لالہ جی مدظلہ العالی کے تین فرزند ہیں غلام نصیر الدین شاہ صاحب، غلام جلال الدین اور شاہ غلام حسام الدین۔ اور حضرت شاہ عبدالحق صاحب مدظلہ العالی کے دو بیٹے ہیں: شاہ غلام معین الحق اور شاہ غلام قطب الحق۔ یہ سارے صاحبزادگان خود بھی ماشار اللہ صاحب اولاد میں جن کی تفصیل اسی فصل کے آخر میں شجرہ مہر میں دی گئی ہے۔ حضور بالو جی نے اپنے دونوں بیٹوں کو سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھ کر باہمی اتفاق اور دینی و دنیوی اور روحانی تربیت فرمائی جس کے نتیجے میں اس وقت آستانہ عالیہ کے معاملات کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے انجام پا رہا ہے۔ تمام متوسلین متعلقین اور مہمانان کی خدمت اور ان کے قیام و طعام کا انتظام انہوں نے حرزجان بنایا ہوا ہے۔ حضور لالہ جی مدظلہ العالی کے فرزند اکبر شاہ غلام نصیر الدین متولدہ ۱۹۲۹ء اپنے ہی دربار عالیہ سے درس نظامی کی تکمیل کے بعد قاری محبوب علی لکھنوی سے علم تجوید بھی حاصل کر چکے ہیں۔ فارسی عربی اُردو اور پنجابی میں نہایت ہی ارفع شعر کہتے ہیں اور آپ کی رباعیات اور غزلیات کے کئی مجموعے شائع ہو کر مشاہیر سخن اور ناقدان سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ اُردو نثر میں بھی کئی کتابیں تحریر فرما چکے ہیں۔ ان کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

نمونہ کلام صاحبزادہ غلام نصیر الدین شاہ صاحب

رباعیات

أَنْوَارِكَ فِي الدُّجَى دَلِيلُ الْخَيْرَاتِ الطَّافِكِ لِلْعَبِيدِ سَحَابُ الْبَرَكَاتِ
لَوْ نَدَرِسُكَ هُوَ نِسَانِي الْبَلَوِي مَنْ غَيْرُكَ فِي الْوَرَى فُجِبْتُ الدَّعَوَاتِ

نمونہ فارسی کلام

از شوق جمال در گذارم چه کنم گر جاں به رخ دوست نہ بازم چه کنم
در کلبہ مشت خاک طوفان بہار یارب بجز روم، چه سازم، چه کنم

از بے بصری ہوس پرستیم ہمہ خود را بہ فریب عقل بستیم ہمہ
گر چہ در ناموس کشند از بر ما شرمندہ شویم ز آنچه بستیم ہمہ

نمونہ اُردو کلام

برگز نہ چلن اپنا بدنایکھا ہر گام نئے قدم میں ڈھلنا سیکھا
گل چیں نے کب آداب گلستاں سیکھے سیکھا بھی تو پھولوں کو منسنا سیکھا

افاد غم و درد کی ٹل جائے گی جو دل میں چھین ہے وہ نکل جائے گی
دیکھو گے جو تم چشمِ کرم سے مجھ کو سچ مچ مری تقدیر بدل جائے گی

زُہاد کو جنت کی فضا رس آئی رندوں کو مئے ہوش رُبار اس آئی
جنت سے غرض نہ میکدے سے مطلب ہم کو ترے کوپے کی ہوا رس آئی

حضرت بابو جی کی ایک ہی صاحب زادی تھیں جن کا اوائل عمر میں انتقال ہوا اور حسب وصیت ان کا روضہ قبلہ عالم قدس سترہ کے روضہ شریف کی پاننتی کی طرف مستورات کی زیارت گاہ ہے اور بفضلِ تعالیٰ اجابتِ دعا کے لیے تریاق کا محکم رکھتا ہے۔ ملک خدا بخش ٹوانہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ٹوٹی بوا سیر کا شدید مرض تھا۔ میں نے ایک وز باہر سے آستانِ چوم کر یہ الفاظ کہے: ”فاطمۃ الزہراء کی بیٹی کو سلام، مجھے بوا سیر کی سخت شکایت ہے، اس وقت کے بعد آج تک ایک لمحہ کے لیے بھی پھر یہ شکایت نہیں ہوئی۔ حالانکہ یہ میرا خاندانی اور موروثی مرض تھا۔

اللہ تعالیٰ بظہیر حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سرکارِ بغداد قدس سترہ اس خاندان کو متوسلین کی ہدایت و عافیت کے لیے تابہ قائم رکھے اور رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے۔ (آمین!)

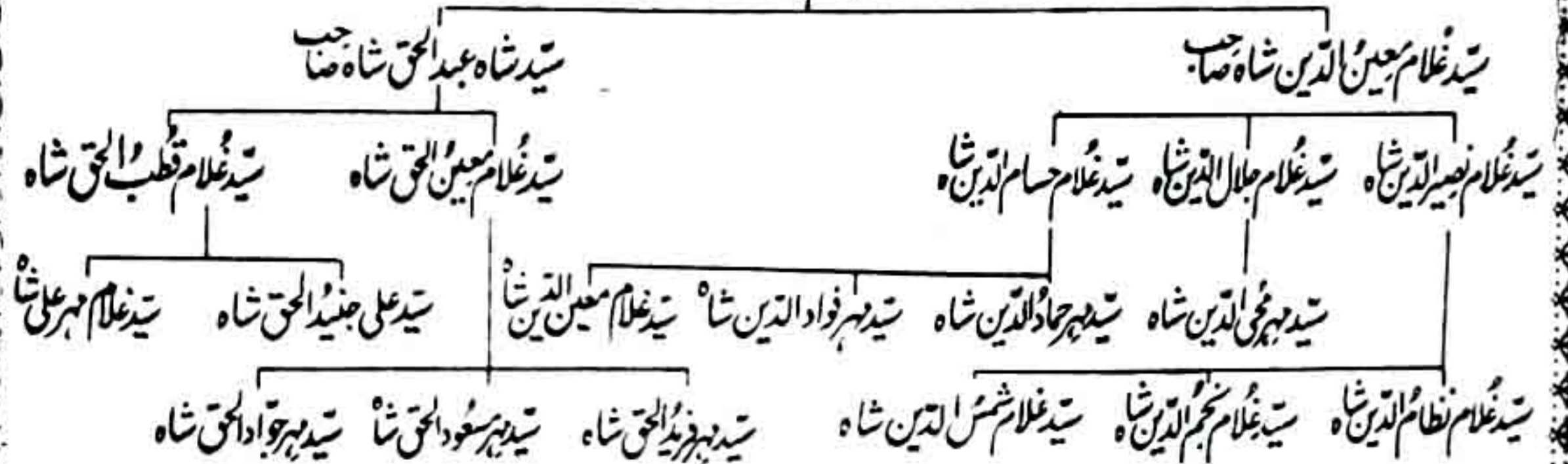
ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

شجرہ مہرئیہ

حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ ضاقدس کی اولاد و خاندان کا نقشہ شجرہ نسب ذیل ہے

حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب

حضرت سید پیر غلام محی الدین شاہ ضاعون بابو جی



دسویں فصل

متوسلین

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ ارشاد نہایت وسیع تھا۔ اگر سب متوسلین کا تذکرہ اختصار سے بھی کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے گا۔ اس علم و فضل اور معرفت الہی کے دریائے ذخیرے سے بے شمار تثنیہ کا کام سیراب ہوئے۔ آپ کے دستِ حق پرست پر ہزاروں افرادِ اُمت نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ کے مریدوں میں علمائے کرام اور ساداتِ عظام کثرت سے شامل ہوئے۔ آپ کی نظرِ کیمیا اثر سے نفس کی اصلاح ہو کر عاداتِ رذیلہ کا ازالہ ہو جاتا تھا اور صفاتِ محمودہ، بالخصوص اخلاص، ایثار اور محبتِ الہیہ کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ بقول ۷

آہن کہ پارس آشنا شد
فی الفور صورتِ طلائد

حضرت کے مخصوص رنگ یعنی توحید و بؤدی کی تاثیر سے آپ کے صحبت یافتہ حضرات کی مجالس بھی کیف افزا ہو آتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اکثر وابستگان پر تزکیہ نفس کے ساتھ ساتھ ظاہری خیر و برکت کے ابواب بھی کھول دیئے تھے تاکہ یادِ حق کے لیے کیسوئی اور ماسوی اللہ سے استغنا حاصل رہے۔ حلقہ بگوش علماء اور فقراء بجز حقیقت کے شناور بنے اور شیخ کے فیض و توجہ سے معرفت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ اوسط درجہ کے اہل علم و ہنر نے بھی واعظ، مدرس، مدیر، ادیب، اور مصنف بن کر اپنے اقران و امثال میں خاص شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔

متوسلین کا خاص رنگ

حضرت کے دستِ حق پرست پر جس نے بھی اخلاص سے رضائے الہی کے لیے بیعت کی وہ اپنی استعداد کے مطابق بیعت کے آثار اور ثمرات سے بہرہ مند ہو کر رہا۔ آپ کے متوسلین میں غرباء اور فقراء ہی نہیں بلکہ اکثر اربابِ دولت بھی نظر آتے ہیں جنہیں دنیوی کمال عروج بھی صلاح و تقویٰ، صوم و صلوة اور شب بیداری سے غافل نہ کر سکا۔ بالعموم اخلاص و استغنا حضرت کے مباحین کا خاص رنگ شمار ہوتا ہے اور حفظ و امان خاص نعمت۔

حضرت کے بعض ممت از مہرشدین

بہت سے طالبانِ مولیٰ نے آپ کی تربیت سے روحانی مدارج طے کر کے بلند مقام حاصل کیا۔ ان میں سے حضرت اُستاد العلماء مولانا محمد غازی صاحب (ضلع کیمبل پور) مولانا قاری عبدالرحمن صاحب جو پوری، مولانا قاری غلام محمد صاحب پشاور، مولانا محبوب عالم صاحب ہزاروی مہیمان آستانہ عالیہ۔ مولانا شیر محمد صاحب لاہوری۔ مولانا شیخ الجامعہ غلام محمد صاحب گھوٹوی۔ مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب میانوی۔ مولانا عبدالحق صاحب سسرالوی اور مولانا گل فقیر صاحب پشاور کے اسمائے گرامی خاص

طور پر قابل ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر دونوں حضرات نے آپ کے مطبوعہ ملفوظات جمع فرمائے۔

حضرت کے باخلاص مُسترشدین میں رسمی خلافت اور اِدْعائے مشیخت کا وجود نہیں۔ البتہ بعض سالک اور صاحب نسبت متوسلین کو حضرت اُن کی درخواست کے بغیر اس قدر فرما دیا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص ذکر و فکر اور شغل کا شائق ہو اُسے مناسب طریقہ بتا دیا کریں۔ ان میں مسند درجہ ذیل حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:-

حضرت سید چان شاہ صاحب (جانب ضلع کیمبل پور) حضرت سید ممتاز علی شاہ صاحب (ریاست پونچھ) حضرت مولیٰ سنا فقیر محمد امیر صاحب (کوٹ اہل ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) حضرت مولیٰ ناولی محمد صاحب (بانڈی ضلع ہزارہ) حضرت مولیٰ محمد حریغ صاحب اور اُن کے صاحبزادے مولیٰ غلام سرور صاحب (چکوڑی شریف ضلع گجرات) حضرت مولیٰ معز الدین صاحب (وڈ پگہ صوبہ سرحد) حضرت سید صدیق شاہ صاحب (مانگو وال تحصیل خوشاب) حضرت پیر ولایت شاہ صاحب (نوشہرہ تحصیل خوشاب) حضرت مولیٰ حافظ حمید الدین صاحب (کوٹ نجیب اللہ ضلع ہزارہ) حضرت سید امام شاہ صاحب (مہر آباد تحصیل لودھراں) اور حضرت سید عبدالولیٰ صاحب (گوالیار۔ ہندوستان)

حضرت کے متوسلین کی امتیازی شان

حضرت قبلہ عالم کے خصوصی مُسترشدین میں یہ امتیازی شان نظر آتی ہے کہ انہوں نے حتی الامکان اپنے متعلقین اور مستفیدین کو آسانہ عالیہ گولڑہ شریف سے مُنسک کرنے اور یہاں کے صاحبِ سجادہ سے بیعت کرانے کو ترجیح دی اور یہ چیز اپنے شیخ طریقت سے کمال عقیدت کی علامت ہے۔

مدعیانِ مشیخت

یہ عجیب واقعہ ہے کہ جتنا ہی زمانہ کی نزاکت اور منصبِ ارشاد کی اہمیت کے پیش نظر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے اس معاملہ میں احتیاط سے کام لیا اتنا ہی آپ کی مقبولیت عامہ اور شہرتِ تامہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض مدعیانِ مشیخت نے آپ سے خلافت ملنے بلکہ بعض لوگوں نے تو آپ کے اہل قرابت ہونے کا بھی دعویٰ کر کے عوام میں سستی شہرت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن آخر کار اس ڈھول کا پول کھل کے رہتا ہے۔

اہل علم حضرات پر یہ عمل بخوبی روشن ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیادی مناصب کے متعلق یہ خصوصی ہدایت فرمائی تھی کہ ایسا کوئی منصب کسی ایسے شخص کو نہ دیا جائے جو خود اس کا طلبگار اور متلاشی ہو، تو منصبِ ارشاد جو ایک خالص دینی چیز ہے کسی ایسے شخص کے سپرد کرنا کب درست ہوگا جو خود ہی مشیخت کا لبادہ اڑھنے اور لوگوں میں شیخ مشہور ہونے کا شوق رکھتا ہو۔ بزرگانِ دین کے تذکروں سے یہ چیز اظہر من الشمس ہے کہ انہوں نے یہ اہم ذمہ داری اپنے مشائخ کے اصرار فرمانے پر بھی بڑی مشکل سے قبول فرمائی۔ یہ رفعت اور بلندی تو اُن ہی حضرات کے حصہ میں آتی ہے جنہوں نے اپنے آپ کو مٹایا۔ یہاں تک کہ سوائے ذاتِ حق جل شانہ کے اُن کا مطمح نظر اور کچھ نہ رہا۔ اور اُن ہی کی تلقین و ارشاد کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ان سے صحیح نسبت رکھنے والا لا الہ الا اللہ یعنی لا معبود الا اللہ سے ترقی کر کے لا مطلوب الا اللہ پر فائز ہوتے ہوئے لا موجود الا اللہ کے اسرار و معارف کا سراغ پالیتا ہے۔ اور پھر اُس محبوبِ حق تعالیٰ کے مُقابلے میں دُنیا و آخرت ذرہ بے قیمت دار نظر آنے لگتی ہیں۔

بَابِ مَهْمِثِم

معاصرین کرام

معاصرینِ کرام

ہم عصرِ مشائخِ کرام سے جن حضرات کے ساتھ حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ کے تعلقات یا ملاقات کی اطلاع ملتی ہے ان کے مختصر کوائف پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات کا ذکر دیگر ابواب میں بھی آگیا ہے۔ حضرت کے اپنے پشویان عظام اور اساتذہ کرام اس پر مستزاد ہیں اور ان کے اذکارِ عالیہ بھی متعلقہ ابواب میں گزر چکے ہیں :-

۱۔ حضرت دیوانِ غیاث الدین صاحبِ اجمیر شریف (وصال ۱۹۲۲ء)

۲۔ حضرت دیوان سید محمد صاحبِ پاک پتن شریف (وصال ۱۹۲۴ء)

۳۔ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحبِ دربار حضرت سلطان المشائخ دہلی

یہ تینوں حضرات درحقیقت حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ کے مستفیضین کی سلاک میں شامل ہیں۔ چنانچہ ان کے مختصر حالات مسندِ ارشاد کے باب میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ تاہم چونکہ ان حضرات کا تعلق حضرت کے مشائخِ کرام کے مبارک خانوادوں سے ہے اس لیے انہیں حضرت کے معاصرینِ کرام میں بھی شامل کر لیا گیا ہے۔

۴۔ حضرت خواجہ اللہ بخش صاحبِ تونسہ شریف (۱۸۲۳ء تا ۱۹۰۱ء)

حضرت خواجہ اللہ بخش صاحبِ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت کی ملاقات اور باہمی تعلقات کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔ تونسہ شریف میں حضرت سے اس ملاقات کے کچھ عرصہ بعد ہی ۱۹۰۱ء میں خواجہ صاحبِ وصال فرما گئے۔ اس عرصہ میں باہم خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔ چنانچہ مہرِ چشتیہ میں خواجہ صاحب کی طرف حضرت کے ایک خط کی نقل درج ہے جس میں اسرارِ سلوک پر گفتگو کے علاوہ مرزا صاحبِ قادیانی کے اُس عدالتی اقرار نامہ کا ذکر بھی فرمایا ہے جو ۲۴۔ فروری ۱۸۹۹ء کو بدین پابندی لیا گیا تھا کہ آئندہ کسی مخالف کے حق میں ہلاکت یا عذاب کی پیشگوئی نہیں کی جائے گی۔ خط کا متن عربی اور فارسی میں ہے اُس کا ترجمہ پیش خدمت ہے :-

حضرتی و مولائی۔ اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں شکر ہے کیونکہ دراصل وہی مقصودِ حقیقی ہے۔ گمراہی کے صحرا اور غیرت کی رات کی تاریکی سے رہائی پانے کا اور اس مستیِ مؤہوم کے جہنم کی پستیوں سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے عنایتِ ازلیہ کی رہبری اور ہدایت ہے

ولولاشذ اہا ما اہتدیت لہا نھا ولولاسناھا ما تصورھا الوہم

(اگر اُس کی خوشنود نہ ہوتی تو اُس کے میخانہ کی طرف راہ نہ پاتا۔ اور اگر اُس کے جسوسے نہ ہوتے تو اُس کا تصور بھی وہم میں نہ آتا۔ اسی طرح مندرجہ ذیل اشعار میں بھی اسی عنایت کے ساتھ تعلق اور برزخ کے احوال کی طرف اشارہ ہے :-

ایں طائفہ مطلق انداز قید رسوم فارغ شدہ ز اندیشہ احوال و علوم
 یہ طائفہ مقبولان خدا قید رسوم سے آزاد اور احوال و علوم کے اندیشہ سے فارغ ہے
 بر ظاہر شدن لوازم نور بدے للذین نجوم للشیاطین رجوم
 (نور ہدایت کی ضیا پاشی پر یہ حضرات دین کے ستارے اور شیاطین کے لئے رجم اور ہلاکت بن جاتے ہیں)
 نظر کردن بدرویشاں منافی بزرگی نیست
 سلیمان با چنین حسمت نظر ہا بود باورش

(درویشوں پر نظر کرنا بزرگی کے منافی نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی شان و شوکت کے باوجود چوٹی پر مہربان تھے)
 قابل اعتماد لوگوں سے پتہ چلا ہے کہ مرزا صاحب سے آئندہ کے لیے کسی کے بارے میں پیش گوئی نہ
 کرنے کے متعلق اقرار نامہ لیا گیا ہے۔ الحمد للہ۔ شاید یہ اسی جرأت کا اثر ہو جو اپنی کتاب ایام الصلح میں
 ظاہر کی تھی۔

ایک ماہ سے مزاج مبارک کی کیفیت سے بے خبر ہوں۔ اگر مشرف فرمائیں تو ذرہ نوازی سے بعید نہ ہوگا۔

۵۔ حضرت خواجہ محمود صاحب تونسہ شریف

حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب کے صاحبزادہ والا تبار حضرت خواجہ محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے حضرت کے
 درمیان گہرے مجازہ مراسم تھے جن کی کچھ تفصیل پہلے دی جا چکی ہے اور کچھ مکتوبات طیبات میں مندرجہ اس خط و کتابت کے
 مطالعہ سے واضح ہوتی ہے جو تقریباً ایک غیر منقطع تسلسل کے ساتھ عمر بھر جاری رہی۔ حتیٰ کہ بھوپال کے مختصر اور مخفی سفر سے بھی
 خواجہ صاحب کو باخبر رکھا اور ان کا ایک خط حضرت کو وہاں بھی بلا۔ دونوں طرف سے خطوط کا انتظار رہتا تھا۔ اگر کسی وجہ سے
 توقف ہوتا تو خواجہ صاحب شکایت فرماتے۔

یادمی کنی و زیادم نے روی
 اور حضرت عذر پیش فرماتے کہ۔

ہے پابند طاعت عقیدت ہماری
 یہ باعث ہے خط کے توقف کا صاحب

کبھی حضرت خواجہ محمود صاحب عنوان میں لکھتے۔

خیز تا از در نے حنا کشادے طلیم
 اشک آلودہ ماگر چہ روان است ولے

اور ادھر سے حضرت قبلہ عالم قدس برتر عنوان خط میں یہ تاثرات ثبت فرماتے۔
 برید باد صبا دشمن آگهی آورد
 کہ روز محنت غم زدو بکو تھی آورد

لے اس عدالتی اقرار نامہ اور مرزا صاحب کی تعلق کی تفصیل باب پنجم میں گزر چکی ہے۔

بظربان صومعی دہیم جسامتہ پاک بایں نوید کہ بادِ سحر گہمی آورد
حضرت خواجہ محمود صاحب اپنے روحانی اور باطنی کمالات کے علاوہ اپنے علمی۔ ادبی اور مجلسی فضائل کی وجہ سے بھی
ہم عصر مشائخ میں بڑی مقبول اور دلنواز شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت بیمار تھے اور اس
خبر وحشت اثر سے آپ کو بہت صدمہ ہوا چنانچہ صاحبزادہ غلام نظام الدین صاحب کو تحریر فرمایا کہ اس مقدس اور شریف محسن ہستی کی
مفارقت نے بجز درد و غم میں ڈال دیا ہے۔ نیاز مند بوجہ ناگفتہ بہ عوارضِ معدہ و دماغ و قلب قادر پور حاضر نہیں ہو سکا۔ کسی قدر افادہ
ہونے پر حاضری کا ارادہ ہے۔ اور حضرت خواجہ صاحب کے جانشین صادق جناب خواجہ نظام الدین صاحب علیہ الرحمۃ کو چند روز
بعد ان کی طرف سے بیمار پرسی کے جواب میں تحریر فرمایا:-

کوہِ غم کے نیچے دبے ہوئے کی یاد فرمائی۔ جناب کے اخلاق موردِ ثنی اور بہت محمودی کا عکس ہے۔
مگر ما! حضرت مرحوم نے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عرصہ سال کا ہوا ہے کہ بذریعہ تحریر نیاز مند کو اطلاع بخشی (مجھے جلا یا گیا
ہے کہ میں اس سال میں دارِ فانی سے رخصت ہو جاؤں گا)

عوارضِ معدہ و دماغ و قلب کی حالت معروض تحریر میں نہیں آسکتی جس نے آج تک حاضری سے محروم
رکھا ہوا ہے۔ مزید براں عوارضِ استملع خبر اس حادثہ جانکاہ نے بالکل مضمحل کر دیا۔۔۔۔۔ خدا کرے کہ کسی صورت
حاضری نصیب ہو:-

چنانچہ قدرے افادہ ہونے پر آئندہ سال یعنی ۱۹۲۹ء میں فاتحہ خوانی کے لیے حضرت خواجہ نظام الدین صاحب کے پاس
قادر پور (ضلع ملتان) تشریف لے گئے اور یہ آپ کا گولڑہ شریف سے باہر جانے کا آخری سفر تھا۔

۶۔ حضرت خواجہ محمد دین صاحب سیال شریف (وصال ۱۹۰۹ء)

حضرت خواجہ محمد دین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جن کا ذکر خیر اس کتاب میں حضرت ثانی صاحب سیالوی کے لقب سے
جا بجا آچکا ہے حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے مرشدزادہ تھے اور اوائل ہی سے باہمی رابطہ محبت استوار ہو کر عشق کی نوبت کو پہنچ گیا تھا
کہ حضرت اس طرف سے

آکھیں خواجہ شمس دیں دے لعل نون

گورھے نیناں والڑے بچ پال نون

قسم کے فراقیہ اشعار موزوں فرماتے رہتے تو اس طرف حضرت ثانی صاحب قبلہ، قوال کو اس شعر سے

پیت کا وعدہ کر کے پیانے پیت نبھانا چھوڑ دیا

بہر کی اکھیاں پھیر لیں دم دم کا آنا چھوڑ دیا

میں اصلاح دیتے کہ کہو ع

مہرنے اکھیاں پھیر لیں دم دم کا آنا چھوڑ دیا

حضرت شیخ الجامعہ صاحب کے مسودات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ثانی صاحب سیالوی کے ارشاد ہی پر ہمارے

حضرت تونسہ شریف گئے تھے، انہی کے ایام پر ابتدا پاک پن شریف کا سالانہ سفر اختیار فرمایا اور انہی کے فرمان کی تعمیل میں

جناب دیوان غیاث الدین صاحب اجمیری کی معاونت و تائید میں بمقام پشاور سرحدی علماء کے ساتھ سماع کے موضوع پر مناظرہ فرمایا حضورؐ کے ملفوظات طیبات۔ مکتوبات شریفہ موسومہ مہرِ چشتیہ اور منظوم کلام میں حضرت ثانی صاحبؒ کے ساتھ آپ کے اس خاص تعلق کے واضح نشانات ملتے ہیں۔

حضرت ابوعلی قلندر پانی پتی کے متعلق روایت مشہور ہے کہ آپ نے حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الہی قدس سرہ سے نعمت ولایت سلب کر لی تھی۔ حضرت ثانی صاحبؒ سیالوی کے ارشاد پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے اس مسئلہ پر محققانہ بحث سے یہ ثابت فرمادیا کہ مذکورہ روایت خلاف واقعہ ہے بلکہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے۔ مفصل بحث مکتوبات مطبوعہ میں درج ہے۔ حضرت ثانی صاحبؒ سیالوی ہمارے حضرت سے عمر میں چالیس برس بڑے تھے۔ کتاب انوار شمسیہ میں آپ کی ولادت ۱۲۳۵ھ، سجادہ نشینی ۲۴ صفر ۱۳۰۳ھ اور وصال ۲۲ رجب ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۹ء) درج ہے۔ آپ کا شمار اپنے زمانہ کے کثیر الکرامات اور وسیع الفیوضات اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی بیماری کے ایام میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ بیمار پرسی کے لیے اکثر حاضر ہوتے رہے۔ چنانچہ ۷ جمادی الاول کے خط میں سیال شریف سے حضرت بابو جی مدظلہ العالی کو تحریر فرماتے ہیں:-

"شب جمعہ قریب دو بجے خوشاب اتر کر اسی وقت دریا کو عبور کر کے آرام کیا۔ علی الصبح وہاں سے نماز پڑھ کر بسواری بگھی فوراً چھاؤنی پہنچے۔ حضرت صاحب عم فیوضہم اس قدر خوش ہوئے کہ تحریر سے بائیں آپ کو کئی روز کا سخت انتظار تھا۔ ہر ایک شخص اس انتظار کی عجیب کیفیت بیان کر رہا ہے۔ بالخصوص میرے اشعار متعلق فارضیہ۔"

بھلے نہیں اوہ بول مٹھڑے ڈھول دے

بول سانول یار روہی رول دے

نہایت رقت طاری کیے ہوئے تھے۔ پہنچتے ہی میں نے انتظام سیال شریف لے جانے کا کیا۔ اس روز آپ کو لب دریا کنارہ خوشاب سے کشتی پر سوار کیا۔ علی الصبح بروز شنبہ سیال شریف پہنچنے پر سب کو از حد خوشی ہوئی اور دعائیں دینے لگے۔ حضرت صاحبؒ کو ضعف از حد ہے۔ غذا نہیں۔ مجھ کو ایک لٹلہ آنکھوں سے غائب نہیں چاہتے۔"

پیش آنے والی جدائی کے احساس اور تصور نے جو کیفیات دل میں پیدا کر رکھی تھیں انہیں حضرت ابن فارضؒ کی دو فراقیہ اشعار کی لئے اور تضحیم میں اس طرح ثبت فرمایا ہے کہ آج بھی ان کی عنم انگیز و پُر درد اداسی، بے بسی اور بے چسپائی دلوں میں مہمان پیدا کر دیتی ہے۔

سَائِقَ الْأَظْعَانِ يَطْوِي الْبَيْدَ طَيِّئًا

مُنْعِمًا عَزَّجَ عَلَيَّ كُتُبَانَ طَيِّئًا

ساربانان! مہربانان! راہیا!
آکھیں جا انہاں پیاریاں دلجانیان!
شالاجیویں خیمہ تھیوی ماہیا!
گوڑھے نیان والیاں مستانیان!
اودہ گئے اہ دل دے پیارے اودہ گئے
لاپریساں دے کے لارے اودہ گئے

لے یعنی حضرت ثانی صاحبؒ موصوف (فیض)

سارا عالم صدقے آکھاں بول توں
واراں سر میں اُس لوکھڑے ڈھول توں
بن تڑاڈے بک گھڑی سو سال دی
بہ ٹھکانے پتی تڑاڈے بھال دی
اک وچھوڑا ڈو جھے طعنے جگ دے
پیراں بھیں سر تک البے آگ دے
بالدی ڈیوے پتی خالفت ہاں تے
آدنا دیکھاں ڈھولا انہاں راہاں تے
چشماں فرش وچھاواں خاطر ڈھول دی
مرجبا یا مرجبا پتی بول دی
پنچیں جد توں سو بنیاں دی جھوک تے
خیر ہووی انہاں توں ذرا روک تے
جائینہڑا دیویں انہاں جانیاں
گوڑھے نیناں والیاں ستانیاں

لَسْتُ اَنْسِيْ بِالشَّيْءِ اَيًّا قَوْلَهَا
كُلُّ مَنْ فِي الْحَيِّ اَسْرَىٰ فِي يَدَيْهِ

بھل دے نہیں اوہ بول مٹھڑے ڈھول دے
بھل دے نہیں اوہ بول مٹھڑے ڈھول دے
رات ساری گذری تارے گندیاں
یاد کر کر قول میڈاں مہندیاں
در اصل محبت ہی حضرت چشت اہل بہشت کا اصل خزانہ اور مستاع ہے اور ان کے حال کے مطالعہ کے وقت انہی
کا مقولہ بار بار یاد آتا ہے کہ

در ضمن کائنات چوں کر دیم نگاہ
یک دانہ محبت است باقی ہمہ گاہ

۷۔ حضرت خواجہ فضل الدین صاحب سیالوی (وصال ۱۹۰۳ء)

حضرت ثانی صاحب سیالوی کے برادران عزیز حضرت خواجہ فضل الدین صاحب اور حضرت خواجہ شعاع الدین صاحب
رحمۃ اللہ علیہما بھی حسب تصریح کتاب انوار شمس اپنے والد کریم حضرت شمس العارفین سے خلافت یافتہ اور مجاز ارشاد تھے۔
انوار شمس میں مذکور ہے کہ اول الذکر صاحبزادہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے زبردست جسمانی قوت عطا فرمائی تھی۔ اور ثانی الذکر کو
ان کے نام کی رعایت سے قوت احساس کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔ چنانچہ جناب خواجہ فضل الدین صاحب چوہی سیخ کو
ہاتھ سے دبا کر زمین میں گاڑ دیتے۔ چھت کے شہتیرے کو بازوؤں اور کندھوں کی ٹیک دے کر چوہی ستون بدلو لیتے۔ تسبیح بڑے
ڈبل موٹے دانوں کی تیرا کروائی جاتی مگر پھر بھی دو ایک مہینے کی گردش کو مشکل برداشت کرتی۔

۸۔ حضرت خواجہ شعاع الدین صاحب سیالوی (وصال ۱۹۰۴ء)

حضرت خواجہ شعاع الدین صاحب بے حد لطیف الاحساس تھے کھیتوں کی طرف سے بواچلتی تو بعض اقسام کے پھولوں
اور پودوں کی بو سے انہیں گھر کے اندر رہتے ہوئے بھی زکام کی شکایت ہوجاتی۔ ایک بار بیمار پڑے اور دوا کی تیاری کے لیے کچھ دور بادام توڑے
جانے گئے۔ کوئی کرڈا نکلتا تو بواچر وہیں سے فرمادیتے کہ کرڈا ہے، الگ کر دو۔ کوئی دس کوس کے فاصلہ پر ایک قصبہ میں شادی
کی تقریب پر نقارے بجا رہے تھے یہیں سے بتانے لگے کہ اب فلاں گت بجا رہی ہے۔ حضرت ثانی صاحب نے سوار

دوڑا کر پتہ کر دیا تو جو جو گئیں آپ نے بتائی تھیں نقارچیوں نے اُن کی تصدیق کی۔ رات کو گھر کے اندر کانوں میں روئی ڈال کر سوتے کہ مسجد اور حجرہ میں درویشوں کے وظائف اور ذکر کا شور کچھ دیر سولینے دے۔

مہاراجہ کشمیر نے ایک زمانہ میں دونوں صاحبزادوں کو بلوا کر اپنے ہاں مہمان ٹھہرایا تھا۔ بہت عرصہ بعد خواجہ شعل الدین کا کسی شہر میں گذر ہوا۔ وہاں چند لوگ ایک مریض کے لیے اس عقیدہ سے پانی دم کروانے کی غرض سے حاضر ہوئے کہ حتی سستی کا دم آب حیات کا حکم رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا: شاید میں حتی سستی کھلانے کا مستحق نہیں۔ کیونکہ جب میں مہاراجہ کشمیر کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا تو ایک روز اُس کے محل میں طوائف گارہی تھی جس کی آواز مجھے سنائی دے گئی اور بھلی معلوم ہوئی تھی۔

اب ذرا اس نسبت سے حضرت ثانی صاحب کے اُن روحانی کمالات کا اندازہ لگائیے جن کی بنا پر حضرت اعلیٰ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اپنی منشد شینی کے لیے منتخب فرمایا تھا۔

۹۔ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف

حضرت ثانی صاحب موصوف کے صاحب زادے اور جانشین حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب کا ہمارے حضرت کے ساتھ تحریک خلافت کے بارہ میں اختلاف ہو گیا تھا جس کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے۔ یہ اختلاف، جو بہر حال مسلمانوں کی سر بلندی اور نصاریٰ کی سرکوبی کے جذبات کی پیداوار تھا، دراصل طربی کار سے متعلق تھا اور بعد ازاں واقعات کی روشنی میں خود بخود رفع ہو گیا۔ ابتداء میں باہم بڑا ارتباط تھا۔ چنانچہ مکتوبات طیبات کے ایک جوابی خط مورخہ ۸۔ رمضان ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) میں حضرت انہیں سیدی وسندی سے خطاب فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: الحمد للہ کہ از اولاد حضرت من دین راضیائے واللہ را عبادتے بظہور آمد لازال کذا لک آہن۔ پھر عید سے پہلے سیال شریف کی حاضری کے ارادہ کا ذکر فرما کر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت دیوان صاحب پاک پن شریف عنقریب یہاں تشریف لانے والے ہیں۔ اگر اُن کے انتظار کی وجہ سے عید پر حاضری نہ ہو سکی تو ہمیں جا بوجہ سپید امن یوسفی رادر مشام یعقوبی شہیدہ از خود در خود خواہم سر آید۔

عید شد ہر کس زیارے عیدتے دارد ہوس عید ما و عیدی ما دیدن رُوئے تو بس
عید مردم دیدن مر عید ما دیدار تو ایں چنیں عید سے نہ بند در دو عالم بیچ کس

خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب مجاہد اور مُصلح ہونے کے علاوہ اہل قلم بھی تھے۔ قادیانیت کے خلاف ایک سالہ معیار المسیح (مطبوعہ ۱۳۲۹ھ) آپ کی تصانیف میں قابل ذکر ہے۔ ان کے صاحبزادہ اور جانشین صادق حضرت خواجہ حافظ محمد تسم الدین صاحب دامت برکاتہ بھی صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔

۱۰۔ حضرت صاحبزادہ محمد عبداللہ صاحب سیالوی

حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ خواجہ محمد عبداللہ صاحب نے بھی کسی زمانہ میں اشعار کے اندر باہمی اختلاف کا شکوہ کیا تھا۔ مگر پھر حضور کے عالم استغراق کے دوران عرس پر گولڑہ شریف آئے۔ اور ایک روز جب کہ حضرت حالت صحو میں تھے اور بچوں کا بار پینے ہوئے تھے حضور کے گلے میں بچوں کے بار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: واہ۔ وا آج تو بار پین رکھا ہے۔ حضرت اعلیٰ نے جواباً مسکرا کر فرمایا: ہار نہیں جیت ہے۔ یعنی میرے شیخ زادہ آج میرے مہمان ہیں۔ گویا

فرما ہے میں ۷
شکر اللہ میاں من و تو صلح فتاد
خواریاں رقص کناں ساعنہ و پیمانہ زوند

۱۱۔ حضرت صاحبزادہ محمد امین صاحب سیالوی

۱۲۔ حضرت صاحبزادہ محمد سعد اللہ صاحب سیالوی

حضرت ثانی صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے جناب خواجہ محمد سعد اللہ صاحب سلمہ اللہ ہمارے حضرت
کو نہایت عزیز تھے اور اس پیار میں دونوں جانب سے کبھی فرق نہیں آیا۔

۱۳۔ حضرات پیر حیدر شاہ صاحب جلاپور۔ ۱۴۔ خواجہ محمد امین صاحب چکوڑی شریف

۱۵۔ خواجہ معظم دین صاحب (مرولہ شریف)۔ ۱۶۔ خواجہ فضل دین صاحب (چاچڑاں شریف)

رحمۃ اللہ علیہم

حضرات پیر سید حیدر شاہ صاحب جلاپوری (وصال ۱۹۰۸ء)، خواجہ محمد امین صاحب چکوڑی شریف (وصال
۱۹۰۷ء)، خواجہ معظم دین صاحب مرولہ شریف (وصال ۱۹۰۷ء) اور خواجہ فضل الدین صاحب چاچڑاں شریف (وصال
۱۸۸۸ء) حضرت اعلیٰ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعظم خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب جلاپوری آپ کے
سب سے پہلے اور ہمارے حضرت سب سے آخری خلیفہ ہیں۔ مولوی امیر بخش صاحب خوشابی منشی دربار سیال شریف نے
انوار شمسیہ میں ہمارے حضرت کا ذکر خیر کرتے ہوئے کیا جرتہ کہا ہے ۷

معدن انوار ہند عالمیں آخر آمد گشت فخر الاولین

جزاہ اللہ خیر الجزا۔ یہ سب حضرات علم و فقر میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے اور وسیع حلقہ ارشاد
کے مالک تھے۔ سیال شریف میں اعراس کے ایام میں باجم فکر و نظر کی علمی اور روحانی صحبتیں رہتیں۔ بعض اوقات کسی
مسئلہ میں باجم اختلاف رونما ہوتا تو حضرت ثانی صاحب ہمارے حضرت کو ثالث مقرر فرماتے۔ قادیانی معرکہ لاہور میں ان
آستانوں کے صاحبزادے اور علماء مولوی محمد چراغ صاحب چکوڑی شریف، مولوی عبدالعزیز صاحب چاچڑاں شریف اور
مولوی شہاب الدین صاحب مرولہ شریف وغیر جم حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کے ناصرین اور مجاہدین میں شامل ہو کر آپ کے
ساتھ لاہور گئے تھے۔ اور اسی سبک میں

۱۷۔ حضرت خواجہ عبدالخالق صاحب جہاں خیل

۱۸۔ حضرت خواجہ عبدالقادر صاحب باجوہ خیل اور جی منسک میں۔

۱۹۔ حضرت حاجی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی (۱۸۱۷ء تا ۱۸۹۱ء)

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب ابن مولوی خلیل اللہ صاحب کا اصل وطن اور مقام ولادت قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر۔ سن ولادت ۱۸۱۷ء اور تاریخ وفات ۲۴۔ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ مطابق ۲۔ مئی ۱۸۹۱ء ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم پہلے اپنے شہر اور پھر میرٹھ میں پائی جہاں ان کے والد میرنشی کے عہدہ پر فائز رہے تھے۔ دینی تعلیم زیادہ تر مولوی محمد حیات صاحب دہلوی کے مدرسہ میں حاصل کی۔ علوم ظاہری اور کسی میں وہ مقام حاصل کیا کہ اپنے اقران و امثال پر سبقت لے گئے۔ پادری فنڈر کے ساتھ آگرہ اور استنبول میں مناظرہ کے بعد عالم گیر شہرت کے مالک ہوئے۔

انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ پر کمر بستہ تھی۔ پادریوں کے غول کے غول جابجا بازاروں اور شاہراہوں میں اسلام کے خلاف دل آزار تقریریں اور لٹریچر شہسیم کرتے پھرتے۔ پادری سی۔ جی فنڈر شاہی مسجد ملی کی سیرھیوں پر کھڑا ہو کر علمائے اسلام کو چیلنج کرتا کہ مناظرہ کر کے مجھے مسلمان بنا لویا خود عیسائی ہو جاؤ۔ مولانا رحمت اللہ صاحب کے ساتھ اس مناظرہ کا حال مفتی انتظام اللہ صاحب مصنف کتاب ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علمائے اس طرح بیان کیا ہے:-

فنڈر نام پادری یورپ سے ہندوستان پہنچا۔ اسے عربی اور فارسی اور اسلامی علوم میں باضابطہ مہارت تھی۔ اس نے اسلام پر اعتراضات کا ایک متناہی سلسلہ چھیڑ دیا تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کو عیسائیت اور عیسوی مذہب سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ علماء بھی اس مذہب کی تفضیلات سے ناواقف تھے اور انہوں نے اس طرف کبھی توجہ بھی نہیں کی تھی۔ البتہ بعض محققین نے دین عیسوی پر کافی مطالعہ کر رکھا تھا۔ بہار کے ایک ڈاکٹر وزیر خان نامی جو مرشد آباد ایک عرصہ تک رہے، ڈاکٹری کی تکمیل کے لیے یورپ گئے اور وہاں انہوں نے عیسوی مذہب پر جس قدر کتابیں مل سکتی تھیں ان کا شرح و تفسیر سے مطالعہ کیا۔ ہندوستان واپس آنے پر گورنمنٹ نے ان کا تقرر آگرہ میں کر دیا۔

پادری فنڈر مذکور نے ہندوستان میں چند جگہ علمائے بھی گفتگو کی مگر وہ جواب نہ دے سکے پھر وہ آگرہ سے آیا۔ یہاں اس وقت صدر نظامت کی وجہ سے علماء کا بڑا مجمع تھا۔ ڈاکٹر وزیر خان اور مولانا رحمت اللہ کے باہم بڑے تعلقات تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے پادری کی آمد کے بعد کیرانہ سے مولانا کو بلوایا جیسا جو آگرہ آئے اور وہاں مقیم ہو گئے۔

حکام صدر نے یہاں مناظرہ کروایا۔ ماہ رجب ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۲ء) میں یہ مناظرے کی مجلس منعقد ہوئی جس میں ہندوستان سے بھی بڑے بڑے عالم اور ائمہ شریک ہوئے تھے۔ مسٹر اسمت حاکم صدر مسٹر کرشن سیکرٹری ریونیو بورڈ مسٹر ولیم حاکم علاقہ فوجی مسٹر لیڈے مترجم اول گورنمنٹ حکام میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عیسائیوں کی طرف سے پادری فنڈر مناظرہ اول اور پادری فریچ مناظرہ دوم اور اہل اسلام کی طرف سے مولانا رحمت اللہ مناظرہ اول اور ان کے ساتھی ڈاکٹر وزیر خان تھے۔ جلسہ کئی روز رہا۔ ہزار ہا ہندو مسلمان تماشائیوں کی حیثیت سے مناظرے میں شریک ہوتے تھے۔۔۔۔۔ آخر کار فاش شکست کے ساتھ فنڈر کو مجلس سے اٹھنا پڑا اور وہ آگرہ سے روانہ ہو گیا۔

مفتی انتظام اللہ صاحب نے اس سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے :-

”سب سے بڑا فتنہ مسلمانوں کے لیے یہ اٹھا تھا کہ ایک طرف ان کے ہاتھ سے حکومت نی بارہی تھی اور دوسری طرف مذہب پر ہاتھ صاف کیا جا رہا تھا۔ یہی چیز علماء کی بے چینی کا سب سے بڑا سبب ہوئی۔ چنانچہ علماء دلچسپی لینے لگے کہ بغیر تغلب نصرانیت سے چھٹکارا ممکن نہیں... فرانسیسی مشنریوں میں سے مسٹر جوزف بھی تھے۔ یہ مفتی انعام اللہ خان بہادر کے اجاب سے تھے۔ حضرت احمد اللہ شاہ صاحب کے فیض صحبت سے اسلام قبول کیا اور یوسف علی شاہ نام رکھا گیا۔ ایک مسجد ان کے نام سے آج تک آگرہ میں موجود ہے۔“

اس مناظرہ کے کوائف مولینا رحمت اللہ صاحب کی کتاب ”اظہار الحق“ (مطبوعہ ۱۳۱۷ ہجری مطبع محمودیہ قاہرہ مصر) میں بھی شائع ہوئے تھے جس کے حاشیہ پر ڈاکٹر وزیر خان صاحب کا تحریری مناظرہ اردو بھی عربی زبان میں ترجمہ کر کے شامل کیا گیا تھا۔ مولینا صاحب نے پادری فنڈر کی شکست پر تحریری دستاویزی تھی جس میں اس کا یہ اقرار بھی شامل تھا کہ آئندہ مسائل زیر بحث پر علمائے اسلام سے کبھی مناظرہ نہیں کرے گا۔ کئی سال بعد فنڈر نے علمائے استنبول کو انہیں مسائل پر مناظرہ کی دعوت دی۔ مولینا اس زمانہ میں ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں مقیم ہو چکے تھے سلطان عبدالحمید خان نے اپنا خاص اگنبوٹ بھیج کر آپ کو قسطنطنیہ بلوایا جہاں آپ کی آمد کی خبر پا کر فنڈر روپوش ہو گیا۔

مولینا رحمت اللہ صاحب کی ہجرت کی سبیل یہ ہوئی کہ مناظرہ آگرہ کے تین برس بعد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولینا نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جس کی مختصر سرگذشت آپ کے بھائی کے ایک پوتے مولینا محمد عارف عثمانی صاحب نے اس طرح تحریر فرمائی ہے :-

”ضلع مظفرنگر کے پرگنہ شمالی میں زمیندارہ شیوخ اور گوجروں کے ہاتھ میں تھا جن میں دین داری کے ساتھ جوش بھی تھا۔ چنانچہ تھانہ بھون اور کیرانہ کا ایک محاذ قائم کیا گیا۔ اور مجاہدین کی جماعت مدافعت اور مقابلہ کرتی رہی۔ شمالی کی تحصیل پر حملہ کیا گیا اور پرگنہ کے چاروں طرف اس مجاہدانہ تحریک کا اثر عام ہو گیا۔ بہت سے بھون کے رہنما مجاہدین (حضرت حاجی امداد اللہ صاحب وغیرہ) کے علاوہ نواح کیرانہ میں حضرت مولینا رحمت اللہ گورہ فوج کا متبادل کر رہے تھے....“

اس زمانہ میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم اور تربیت کے لیے کیرانہ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ بجایا جاتا تھا۔ جس کی آواز سن کر وہاں کے لوگ جمع ہو جاتے اور اعلان کیا جاتا تھا: ”ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا۔“ اس جملہ کے بعد جو کچھ کہنا ہوتا تھا عوام کو سنایا جاتا تھا....

کیرانہ کے محاذ پر بظاہر شکست کا امکان نہ تھا۔ مگر بعض ابنائے وطن کی زمانہ سازی اور مخبروں کی سازش نے حالات کا رخ بدل دیا۔ کیرانہ میں گورہ فوج اور توپ خانہ داخل ہوا۔ محلہ دربار کے دروازے کے سامنے توپ خانہ نصب کیا گیا۔ اور گورہ فوج نے دربار کا محاصرہ کر لیا۔ بہ گھر کی تلاشی لی گئی۔ اس لیے کہ کسی مخبر نے اطلاع دی تھی کہ مولینا دربار میں روپوش ہیں۔ کیرانہ کے قریب پنجیٹھ مسلمان گوجروں کا ایک گاؤں ہے۔ وہاں حضرت مولینا اپنی باقی جماعت کے ساتھ پہنچے۔ خود اس گاؤں کے لوگ بھی مجاہدین میں شریک تھے۔ اس دوران میں گورہ فوج

کے ایک گھوڑا سوار دستہ نے پنجٹیہ کاٹخ کیا۔ کیرانہ اور تمام قرب و جوار کے حالات کی اطلاع مولینا کو ملتی رہتی تھی۔ چنانچہ پنجٹیہ کے کھیا کو جب فوج کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اُس نے فوراً جماعت کو منتشر کر دیا اور مولینا سے عرض کی کہ کھڑپلے کر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ گورہ فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گذری جہاں میں گھاس کاٹ رہا تھا اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کسکریاں اڑتی تھیں وہ میرے جسم پر لگ رہی تھیں۔

انگریزوں نے قابض و متصرف ہو کر حضرت مولینا کے خلاف فوجداری مقدمہ چلانے کا حکم دیا۔ آپ کی گرفتاری کے لیے ایک ہزار روپیہ انعام مقرر کیا گیا۔ آپ کی تمام مزرعہ جائیداد اور اطلاق ضبط کر کے کوڑیوں کے مول بیلام کر دی گئی۔ حتیٰ کہ پانی پت میں جو آپ کا آبائی وطن تھا ایک مخبر کمال الدین کی اطلاع پر وہاں کی ساری موڑ دہنی جائیداد بھی ۳۰ جنوری ۱۸۶۲ء کو نیلام ہوئی۔

مولینا اپنا نام مُصلح الدین رکھ کر کچھ عرصہ ہندوستان اور راجپوتانہ کے مختلف مقامات پر مجاہدین کی از سر نو تنظیم کی کوشش میں مصروف رہے اور بالآخر مائوس ہو کر سورت کے راستے جہاز پر عرب شریف پہنچ گئے اور وہاں کچھ عرصہ بعد مدرسہ صولتیہ کی صدارت اختیار فرما کر عرب و عجم کو علوم دین سے بہرہ ور کرنے میں عمر گزار دی۔ کیرانہ کی مجاہدانہ زندگی میں دہلی تشریف لے گئے تھے وہاں علمائے کرام نے بہادر شاہ ظفر کی بادشاہی اور جہاد کا جو فتویٰ مرتب کیا تھا اُس پر مولینا رحمۃ اللہ صاحب کے دستخط بھی ثبت تھے۔ "ہمارے حضرت سے مولینا صاحب کے تعلقات اور باہمی علمی مذاکرات کا مفصل ذکر باب چہارم میں گذر چکا ہے۔

مولینا کے دوست ڈاکٹر وزیر خان اور ایک مغل شہزادہ فیروز بخت بھی مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیوں میں شریک رہ کر بالآخر ہندوستان سے ہجرت کر کے عرب شریف پہنچ گئے تھے۔ ڈاکٹر وزیر خان نے مکہ مکرمہ میں چودہ برس طبابت کر کے ۱۸۶۳ء میں وفات پائی۔ انگریزوں نے ترکی حکومت سے ڈاکٹر صاحب کے وارنٹ گرفتاری منتقلی حاصل کر لیے تھے مگر بدوی قبیلہ کے ایک طاقتور شیخ نے انہیں پناہ میں لے کر بالآخر حکومت ترکیہ سے یہ وارنٹ منسوخ کروا دیئے۔

۲۔ حضرت باوا افضل دین صاحب کلیامی (وصال ۱۸۹۲ء)

حضرت کے معاصرین کرام میں حضرت باوا افضل دین صاحب کلیامی بڑے پائے کے بزرگ گذرے ہیں۔ کلیام اوان اولپنڈی سے قریب پندرہ سو میل دور لاہور کی شہر کے قریب واقع ہے۔ باوا صاحب کا سلسلہ چشتیہ صابریہ تھا۔ آپ کے پیر طریقت حضرت حافظ محمد شریف خان دہلوی بابر بادشاہ کی اولاد سے تھے اور ان کا مزاج بھی کلیام شریف میں ہے۔ کثرت جذب و سکر کے باعث حضرت باوا صاحب سے ظاہری طور پر نماز چھوٹ گئی تھی۔ ایک دفعہ مقامی علماء نے کہا ہم آپ کا جنازہ نہیں پڑھیں گے۔ فرمایا میرا جنازہ علم شریعت کا اتنا بڑا شیر آکر پڑھائے گا کہ تم لوگوں کو مجبوراً شامل ہونا پڑے گا۔ آپ نے بہت عرصہ پہلے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے کہہ رکھا تھا کہ یہ مولوی لوگ میرے حال سے بے خبر ہیں اور کہتے ہیں تمہارا جنازہ نہیں پڑھائیں گے چنانچہ آپ کو آکر میرا جنازہ پڑھانا ہوگا۔ ادھر اپنے خدام کو بھی وصیت کر دی تھی کہ میرا جنازہ پیر صاحب پڑھائیں۔ حضرت فرماتے تھے کہ جس رات ان

کا انتقال ہوا، انہوں نے خواب میں آکر مجھ سے فرمایا: پیر جی! میں مر گیا ہوں۔ آکر جنازہ پڑھا جاوے۔ چنانچہ علی الصبح حضرت نے گھوڑا سواری کے لیے تیار کرایا اور ایک خادم حافظ فضل دین کو ہمراہ لے کر ریلوے اسٹیشن گولڑہ پر پہنچے مگر گاڑی چھوٹ جانے کے باعث سواری گھوڑا اور اپنڈی جا کر ریل گاڑی میں سوار ہوئے۔ گولڑہ شریف ریلوے اسٹیشن پر باوا صاحب کے انتقال کے متعلق تار آیا رکھا تھا۔ اور راولپنڈی کے قریب یہی خبر پہنچانے کے لیے کلیام شریف کا ایک سوار بھی آتا ہوا بلاجسے احتیاطاً بھجوا لیا گیا تھا کہ بس باوا مار وقت پر نہ ملے۔ جنازے میں اس قدر اتر دہام خلائق تھا کہ حضرت کو گھوڑے پر سوار ہو کر صغیر دست کرانی پڑی۔ چنانچہ معترض مولوی صاحبان بھی باچشم پریم جنازہ میں شریک ہوئے۔ بلکہ ان میں سے بعض حضرات اس اثنا میں باوا صاحب سے بیعت بھی کر چکے تھے۔ ویسے بھی متعدد متشرع علماء آپ کے سلسلہ ارادت میں شامل تھے اور چند ایک حضرات کے علاوہ جو آخری عمر میں مجذب ہو گئے۔ آپ کے تمام خلفاء اور خدام پابندِ صوم و صلوة اور وظائف و اورادِ چشتیہ صابریہ پر کار بند تھے۔ آپ کے مشہور خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

۱۔ سید امیر علی شاہ صاحب۔ کلیام (وصال ۱۹۱۸ء)

۲۔ سائیں محمد حسین صاحب سنگھوڑی والے (وصال ۱۹۳۰ء)

۳۔ جناب مولوی عبدالستار صاحب۔ کلیام (وصال ۱۹۴۲ء)

حضرت باوا افضل دین صاحب کا وصال یکم جنوری ۱۸۹۲ء کو بروز جمعہ ہوا۔ آپ کے دربار کے موجودہ سجادہ نشین جناب

سائیں مولا بخش صاحب ہیں۔

سید احمد شاہ صاحب ساکن پنڈ پراچہ داخلی جھنگی ستیاں، جو حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سترہ کے مرید ہیں۔ حافظ فضل دین صاحب مرحوم کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ میں جناب باوا صاحب کی نماز جنازہ کے لیے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ہمراہ کا کلیام شریف گیا تھا جب باوا صاحب کو قبر میں رکھا گیا تو آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا قوال سازنگی بجا تا رہا جس پر ہمارے حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سترہ کو خوب وجد ہوا۔

روایت ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو جناب باوا صاحب بستی کلیام کے باہر زندہ بھی نظر آئے تھے۔ جب آپ نے پوچھا کہ باوا جی آپ تو یہاں پھر رہے ہیں میں جنازہ کس کا پڑھاؤں گا؟ فرمایا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ آل رسول میرے گھر میں آئے اور میں اُس کا استقبال نہ کروں :-

کہتے ہیں حضرت باوا صاحب وصیت فرمائے تھے کہ ہماری موت پر کوئی نہ روئے بلکہ گاؤں کی عورتیں شادی سیاہ کی طرح خوشی کے گیت گائیں۔

باوا صاحب سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی راہِ درسم زمانہ طالب علمی سے تھی۔ اُس زمانہ میں ان کے بعض ظاہرین مرید حضرت سے سوال کرتے تھے کہ باوا صاحب کی آپ پر اس قدر توجہ ہے تو آپ کی نماز ابھی تک کیوں نہیں چھوٹی؟ حضرت جواب میں فرماتے تھے کہ اگر باوا صاحب خود بھی مجھے ترک نماز کے لیے کہیں تو میں تعمیل نہ کروں گا اور نہ ان لوگوں کی بات ہی مانوں گا جو ان کی ملاقات پر اعتراض کرتے ہیں۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جہادِ نفس میں انہیں بلند مقام حاصل تھا چنانچہ ایک روز حضرت سے فرمایا: پیر جی! دروہی مجاہدہ کا نام ہے کئی برس سے نفس ٹھنڈا پانی مانگتا ہے۔ لیکن میں اسے گرم پانی دیتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ کس پھل کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے

اور میٹھا کئے کہتے ہیں۔ خوراک کے طور پر دال کے چند گھونٹ دوسرے تیسرے وقت پی لیتے تھے۔
 باوا صاحبؒ نفس کشی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ گرمیوں کی دُھوپ میں پتھر کی ایک سل پر پڑے رہتے۔ اور
 سردی میں سقے کو چھت پر کھڑا کر کے ٹھنڈے پانی کی دھارا اپنے سر پر ڈالتے اور عشقِ الہی کے سوز میں ہائے ہائے کرتے رہتے۔
 ایک رات کمرے میں سو رہے تھے۔ پاس ہی چار پائی پر ستار رکھی تھی۔ ایک چوہا جو اُدپر سے گذرا تو آدوں سے ایک جھنکار مگنی
 تڑپ کر چار پائی سے دُور جا کرے۔ کہتے تھے: "ہائے سڑی گیاں۔ ہائے بی گیاں۔" یعنی ہائے جل گیا۔ سماع کا شوق نہایت
 غالب تھا۔

حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ فرماتے تھے کہ مجھے حالتِ حیات بابرکاتِ باوفاضل الدین صاحبؒ کلیامی میں گاہے گاہے ان
 کے پاس جانے کا اتفاق ہوا ہے جس قسم کی ریاضاتِ شاقہ نفسانی راحت کو توڑنے والی انہوں نے کی ہیں اہل زمانہ نے ان کی
 نظیر نہیں دیکھی۔ اہل ظاہر ان کے اندر دنی درداور شغلِ باطن سے بے خبری کے باعث ان پر معترض ہوتے تھے۔ ان کا کوئی نفسِ اسم
 ذات کے ذکر سے خالی نہ گزرتا تھا اور کمالِ استغراقِ حال سے اشغالِ ظاہری کی طرف توجہ کرنے سے معذور تھے۔
 ایک دن باوا صاحبؒ کی مجلس میں کسی شخص نے پڑھا: قریباں چین فرید نہرید۔ تو آپ کی ہڈیوں سے تڑاق تڑاق کی آواز
 آئی۔ اگر اس مجلس میں کوئی وجد کا منکر شخص ہوتا تو وہ بھی حیران ہو جاتا۔ باوا صاحبؒ کی نظر میں ناموسِ ظاہری کی کچھ وقعت نہ تھی۔ لوگوں
 سے بے نیاز ہو کر مظاہرِ صوری میں جمالِ مطلق کا مشاہدہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے: نیتِ مستقیم چاہیے۔ قوال کو وصیت فرمائی تھی کہ میری
 نعش قبر میں رکھ کر میرے کان کے قریب چنگِ خوب زور سے بجانا اور کسی کے منع کرنے سے ہرگز نہ رُکنا جب قوال یہ وصیت بجا
 لایا تو سب حاضرین میں بے مددوق و شوق کی کیفیت پیدا ہوئی۔

حضرت فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں اور باوا صاحبؒ پاک پن شریف کے عرس پر اکٹھے گئے تھے۔ جب ہشتی دروازہ کے
 کھلنے کا وقت قریب آیا تو باوا صاحبؒ نے کہا پیر صاحب! دیکھنا جب ہشتی دروازہ کھلے گا تو حضرت گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
 روضہ پر جو کس ہے وہ گھوم جائے گا۔ چنانچہ میں نے دیکھا تو واقعی کس گھوم گیا۔ حضرت نے ۱۳۲۶ ہجری (۱۹۰۸ء) میں دروازہ
 کھلنے سے پہلے ایک مجمع کے سامنے یہ راز ظاہر فرمایا۔ چنانچہ بے شمار لوگوں نے جن میں نواب محمد حیات صاحب قریشی اور حضرت
 شیخ الجامعہ صاحب بھی شامل تھے، اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس قول کی تصدیق کی۔ اُس روز حضرت نے کس کے گھوم جانے کی
 حکمت یہ بیان فرمائی تھی کہ اس وقت حضور سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کبار اور مشائخ عظام تشریف لاتے ہیں
 اور یہ سلامی ہے۔

ایک سال باوا صاحبؒ پاک پن شریف کے عرس پر دیوان صاحب کی حسبِ فرمائش ان کے لیے ایک قیمتی چیز تحفہ
 لیے جا رہے تھے۔ اثنائے سفر میں ایک سیدزادہ صاحب مضر ہوئے کہ مجھے دے دیں۔ انہوں نے عذر کیا کہ دیوان صاحب نے
 یہ چیز منگوائی ہے۔ وہ حضرت گنج شکرؒ کی اولاد ہیں۔ میں انہیں ناراض نہیں کر سکتا۔ شاہ صاحب نے کہا کہ اگر دیوان صاحب حضرت
 گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے ہوں۔ یہ سن کر باوا صاحب تڑپ گئے اور وہ چیز اسی
 وقت ان کے حوالے کر دی۔ پاک پن شریف پہنچے تو دیوان صاحب سخت ناراض ہوئے۔ رات کو خواب میں حضرت گنج شکرؒ نے حکم
 دیا کہ باوا صاحبؒ سے معافی مانگو۔ انہوں نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔

ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ بذریعہ ریل گاڑی سفر سے واپس آ رہے تھے۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ صبح سویرے جب

کلیام شریف قریب آیا تو فرمایا ادھر کی کھڑکیاں کھول دو کہ باوا افضل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ سے عشق الہی کی ہوائیں چلتی ہیں۔ پنجرہ ضلع شاہ پور کے مشہور عالم اور قاری جناب قاضی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب میں چھاؤنی راولپنڈی میں امام مسجد تھا تو اکثر کلیام شریف حاضر ہوا کرتا تھا۔ باوا صاحب کے ایک مرید مولوی صاحب انہی دنوں حج اور مدینہ منورہ کی زیارت کو گئے اور واپس آکر باوا جی سے عرض کیا کہ مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں زیارت سے مشرف فرما کر ارشاد فرمایا کہ اپنے بدعتی پر کو ہمارا سلام کہنا۔ یہ سن کر باوا صاحب کو بڑی کیفیت ہوئی اور عرصہ تک اس پر وجد کرتے رہے۔

باوا صاحب پر توحید اور ربوبیت کا ایسا غلبہ تھا کہ غیر مسلموں تک سے نہایت مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے اور ان کے لیے دعائے خیر فرماتے تھے۔ لکڑا ایک ہندو زرگر آپ کا مرید تھا۔ اُس نے یہ کہہ کر جمع اہل و عیال مسلمان ہونا چاہا کہ قیامت کے دن بھی آپ کے دامن سے وابستہ رہیں۔ فرمایا میں نے تمہیں مسلمان کر لیا ہے۔ قیامت کے روز اگر میں کسی ست بل ہوا تو تمہیں پہچان لوں گا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ امور علم ظاہر کی دسترس سے باہر ہیں اور کسی اور ہی عالم کی خبر دیتے ہیں۔ علاوہ برآں یہ شرع شریف میں محبت بھی نہیں کہ ان کا تعاقب کیا جائے۔ تاہم جب اس قسم کی باتیں حضرت قبلہ عالم گولڑوی، حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی یا حضرت مولانا جلال الدین رومی جیسے بلند پایہ بزرگان اور عالمان شریعت کی زبان اور قلم سے نکل جاتی ہیں تو دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگتی ہیں۔ "نعمات الالبس" میں حضرت معشوق طوسی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مذکور ہے کہ اُن سے نماز چھوٹ گئی تھی۔ علمائے وقت کے اصرار پر آپ نے نماز شروع کی تو آیاتِ نَعْبُدُكَ پھینچنے پر ہرٹن مٹو سے خون جاری ہو گیا۔ فرمانے لگے اب تو مجھے معذور سمجھو گے؟

بعض کتابوں میں ایک مجذوب کے متعلق یہ روایت ملتی ہے کہ وہ بھاڑ جھونکتے تھے۔ ایک سالک راہ تعمیر ارشادِ باطنی اُن سے یہ دریافت کرنے گئے کہ اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں؟ فرمایا کل آنا۔ اگلے روز جب وہ پہنچے تو بھٹیاردن نے افسوس کے ساتھ بتایا کہ بے چارہ جاسوسی کے الزام میں قتل کر دیا گیا ہے اور لاش کے ٹکڑے فلاں جنگل میں پھینکوادیئے گئے ہیں کہ جانور کھالیں۔ یہ ہاں پہنچے اور کہا: واہ صاحب! خوب ایفائے وعدہ کیا! آواز آئی کہ میاں! یہی تو تمہارے سوال کا جواب ہے۔ سرکار کا ہمارے حال پر بڑا کرم تھا مگر عمر بھر ہم سے بھاڑ جھنکویا۔ بھوکا پیاسا رکھا۔ نماز روزہ اور ارکانِ اسلام سے محروم رہے۔ اور اب یہ حال کیا جو دکھ رہے ہو پس اُس سے درد اور عشق نہ مانگنا اور جو چاہو مانگ لو۔

دی شب زہر صدق و صفائے دل من
وڑیکہ آں روح فزائے دل من
جائے من آورد کہ بہستان و بنوش
گفتم نخورم۔ گفت برائے دل من

شرائع سابقہ میں اس کی نظیر حضرت خضر علیہ السلام کے واقعات میں موجود ہے۔ لیکن آنحضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ میں سلامتی عقل و حواس ایسے قطعی خلاف شرع امور کے ارتکاب کے لیے کوئی شرعی جواز نہیں۔ تاہم بعض مسان بادۂ توحید اہل جذب و سکر سے ایسے واقعات کا ظہور ایک امر واقع ہے جن کا ثبوت کتب سیرت میں بکثرت ملتا ہے۔ بال اصلی اور بناوٹی مجذوب کے درمیان امتیاز نہایت ضروری ہے۔ اسی لیے عوام کے حق میں ارشاد و اصحاب صحو و محکمین ہی کی صحبت مفید ہو سکتی ہے ورنہ غلط فہمی اور غلط روی کا سخت اندیشہ ہے۔

۲۱ حضرت خواجہ احمد صاحب میروی (وصال ۱۹۱۲ء)

حضرت خواجہ احمد صاحب میروی (وصال محرم ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۲ء) حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے آپ کا اصلی وطن بلوچستان تھا۔ تخریق کی زندگی بسر فرمائی۔ زہد و اتقا میں سلف صاحبین کا صحیح نمونہ اور وسیع حلقہ ارشاد کے مالک تھے۔ خلفاء کی تعداد چالیس کے قریب بتائی جاتی ہے۔ آپ کے بعد حضرت فقیر احمد صاحب ثانی سجادہ نشین ہوئے اور موجودہ جانشین جناب فقیر عبداللہ صاحب ہیں۔

حضرت خواجہ احمد صاحب میروی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے حضرت کے ساتھ ارتباط تھا۔ باہم آمد و رفت اور خط و کتابت بھی تھی۔ حضرت کے ساتھ اثنائے گفتگو میں آپ کو بڑے پیار سے انداز میں لالو کہہ کر بلاتے، جو زبان پنجابی بھائی کے مترادف ہے۔ ایک دوسرے کو لڑہ شریف بھی تشریف لائے۔ قاضی عطاء الرسول صاحب سکند بدھوی بیان کرتے ہیں کہ خواجہ صاحب بالوچی مدظلہ العالی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے جو اُس وقت کم سن تھے اور صرف کی اہستہ کی کتابیں پڑھ رہے تھے۔ حضرت قاری عبدالرحمن صاحب جو پوری کے درس میں بالوچی سے قرأت سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں بازو سے پکڑ کر حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کے پاس لے گئے اور فرمایا: لالو توجہ فرمائیے کہ یہ کچھ ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا: آپ دعا کریں کہ یہ کچھ نہ ہو۔ اس پر خواجہ صاحب ہاتھ ہلا کر منع کرنے لگے کہ نہیں لالو نہیں۔ ایسا نہ کہیے۔ دعا کیجئے کہ یہ بہت کچھ ہو۔ بہت اچھا ہو۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ اگر کچھ نہ ہوگا تو بہت کچھ ہوگا۔ کیونکہ اس کوچہ میں کچھ نہ ہونا ہی سب کچھ ہونا ہے۔

تو باش اصل کمال این است و بس زود و گم شود وصال این است و بس
پھر دونوں حضرات نے ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ الہی میں ان کے حق میں دعا فرمائی جس کی قبولیت کا اثر آج ایک عالم پر آشکار ہے۔ اَللّٰهُمَّ زِدْ فِیْہِ زِدًا

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ قادیانی معرکہ لاہور کے بعد حضرت خواجہ صاحب میروی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مرزا قادیانی حضرت پر صاحب گولڑہ شریف کے زور و آجاتا تو پیر صاحب اپنی کرامت کے زور سے اُس خناس کو جو گونا گوں دساوس کا باعث ہو رہا ہے زمین کے اندر دھنسا دیتے۔

۲۲ حضرت مولوی اکبر علی صاحب میانوالی (وصال ۱۹۵۶ء)

حضرت مولوی اکبر علی صاحب خلیب میانوالی (وصال ۲۷ جمادی الاول ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۵۶ء) حضرت خواجہ احمد صاحب میروی کے اعظم خلفاء میں سے تھے اور ہمارے حضرت کے ساتھ اُن کا گہرا روحانی رابطہ تھا۔ مستند عالم تھے۔ تصوف، کشف اور روحانیت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ چودھری اورنگ زیب صاحب ڈپٹی کمشنر سے جو حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کے دامن گرفتہ ہیں ان کے خصوصی تعلقات تھے۔ اور اُن سے بعض اوقات خاص اسرار کی باتیں بھی بیان فرمادیتے۔ مثلاً یہ کہ آج سبق کے دوران فلاں بزرگ کی روح تشریف فرما ہوئی۔ گولڑہ شریف عرس کے موقع پر بھی کبھی کبھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ عرس کی مجلس ختم ہوئی تو چودھری صاحب سے سنہ پایا کہ آج روحانی مجلس میں آواز بلند ہوئی کہ غوث کی عمر ایک برس اور بڑھادی گئی ہے۔ چنانچہ پورے ایک سال بعد حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کا وصال ہوا۔ ان کے صاحبزادے مولوی غلام جیلانی صاحب اب میانوالی کے

خطیب اور اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کی مسند پر متمکن ہیں۔

۲۳۔ حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بسالوی (وصال ۱۹۳۹ء)

حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بسالوی (وصال ۲۱۔ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۹ء) حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ مجاز تھے۔ کچھ عرصہ تک ان کے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمود صاحب کے پاس امامت کی خدمت پر سر فرما رہے۔ ایک مرتبہ صاحبزادہ صاحب موصوف کے ہرکاب گولڑہ شریف آئے تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی مجلس میں صفِ تعالیٰ میں بیٹھ گئے۔ حضرت کی دریافت پر بتایا گیا کہ حضرت صاحبزادہ محمود صاحب کے ہمراہیوں میں سے ہیں۔ فرمایا اس شخص سے اللہ اللہ کی خوشنوازی ہی ہے بعد میں جب بسال شریف میں آکر مسند ارشاد پر رونق افروز ہوئے تو اکثر گولڑہ شریف آمدورفت رہی۔ دربار عالیہ گولڑہ شریف کے موجودہ امام مسجد مولوی اللہ بخش صاحب کچھ عرصہ بسال شریف میں ان کے پاس بھی امامت اور تدریس پر قیام پذیر رہے۔ انہیں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے اجازت لے کر آپ کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ صاحب کشف و کرامات اور صاحب ارشاد بزرگ تھے۔ جنڈ کے سادات کا ایک گھرانہ ان کی تقسیم اور توجہ سے راہِ راست سے ہم کنار ہوا۔ حالانکہ ان لوگوں کی اہلسنت و اجماعت کے ساتھ دشمنی اور اصحاب کرام کی شان میں اعلانیہ تبرّازی اس نواح میں مشہور ہو چکی تھی۔ ان میں سے سید محبوب شاہ صاحب نے حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بسالوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں منسلک ہو کر علم دین حاصل کیا اور اہلسنت و اجماعت کی تبلیغ کو اپنا شعار بنالیا۔

حضرت صاحب بسالوی کا حلقہ ارشاد پشاور سے بلوچستان تک پھیلا ہوا ہے اور ملک کے اندر متعدد خلفاء ان کے انوارِ ہدایت پھیلانے میں سرگرم ہیں۔ سیما آباد (بسال شریف) میں ان کے جانشین جناب میاں محمد صاحب اس وقت سجادہ نشین ہیں۔ کثرتِ مراقبہ اور شغل کے باعث حضرت اعلیٰ بسالوی آخر عمر میں چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔ مگر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے وصال پر گھوڑے میں بیٹھ کر گولڑہ شریف کا سفر اختیار فرمایا اور وصال کے بعد اگلی ہی رات مزار شریف پر حاضری دی۔ مزار شریف کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکراتے تھے۔

۲۴۔ حضرت سلطان نور احمد صاحب دربار سلطان العارفين باہو

سلطان العارفين حضرت سلطان باہو صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجادہ نشین حضرت سلطان نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے حضرت کے تعلق اور روحانی نسبت کے متعلق ایک روایت ہے کہ سلطان صاحب موصوف نے ایک سیدزادہ کو ان کے سوال پر ایک گھوڑا عطا کرنا قبول فرمایا۔ ان شاہ صاحب نے اصطبل میں حضرت موصوف کی ذاتی سواری کے پیش قیمت گھوڑے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ اگر لیا تو یہ گھوڑا لوں گا۔ چونکہ سلطان صاحب سید کا سوال رد فرمانا نہیں چاہتے تھے اس لیے آپ نے وہی گھوڑا ان کو دے دیا۔ کچھ عرصہ بعد ہی سید صاحب سیال شریف کے عرس میں ہمارے حضرت کی جلو میں اژدہا مخلق دیکھ کر سوال کے ارادہ سے لپک کر آپ کی طرف آئے۔ آپ نے ان کے سوال سے پہلے ہی کچھ رقم جیب سے نکال کر حوالے کی اور سلطان صاحب کے گھوڑے کا ذکر فرما کر بطور تنبیہ فرمایا کہ سیادت اعلیٰ شرف ہے اسے حقیر دنیا کے لیے استعمال کرنا زیب نہیں دیتا۔ سید صاحب سخت متعجب ہوئے کہ انہیں کیسے معلوم ہو گیا۔

حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کا حضرت سلطان باہو صاحب کے ساتھ جو روحانی تعلق تھا اس کے متعلق میرے والد مرحوم یہ چشم دید واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ غلام رسول خان کھر سیرنڈنٹ پولیس کی دعوت پر حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کوڑھ ضلع مظفر گڑھ تشریف لے گئے۔ وہاں قاضی فقیر محمد صاحب سکنہ بستی قاضیاں آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی حضرت تعظیماً کھڑے ہو گئے اور معانقہ فرمایا۔ چونکہ قاضی صاحب موصوف حکمت کا کام کرتے تھے اور اس نوح میں کبھی غیر معمولی حیثیت یا شہرت کے مالک نہیں سمجھے جاتے تھے اس لیے حاضرین کو اس بات پر تعجب ہوا۔ چنانچہ ایک ذی وجاہت آدمی نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو اس علاقہ کے ایک طبیب ہیں۔ اس پر آپ نے قدرے جوش کے لہجہ میں فرمایا کہ میں طبیب وغیرہ نہیں جانتا۔ میں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ یہ حضرت سلطان العارفين (سلطان باہو) رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ قاضی صاحب کو اس سے پہلے حضرت کے ساتھ کوئی تعارف حاصل نہیں تھا۔

۲۶۔ ۲۵۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ ضلع مظفر گڑھ (وصال ۱۹۵۱ء) حافظ جماعت علی شاہ ضلع مظفر گڑھ (وصال ۱۹۳۹ء)

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب (وصال ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۵۱ء) اور حضرت حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب لاثانی (وصال ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء) علی پور شریف ضلع سیالکوٹ خاندان عالیہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگان طریقت کی حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کے ساتھ راہ و رسم کی روایات موجود ہیں۔ ہمارے ایک برادر طریقت شیخ فضل قادر صاحب سکنہ علاقہ حضر و بیان کرتے تھے کہ ۱۹۱۰ء میں یہ دونوں حضرات جناب بابو جی مدظلہ العالی کی شادی کی تقریب میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت کے وصال پر جناب پیر جماعت علی شاہ صاحب اور جناب حافظ جماعت علی شاہ صاحب کے بعد دیگرے فاتحہ خوانی اور زیارت مزار کے لیے گولڑہ شریف آئے تھے۔ اور اول الذکر نے فرمایا تھا کہ مجھے حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے حضرت موصوف قادیانی معرکہ لاہور میں ہمارے حضرت کے ناصرین و معاونین میں شامل تھے اور جلسہ شاہی مسجد میں تقریر بھی فرمائی تھی۔

دونوں حضرات نے خلافت حضرت بابا جی خواجہ فقیر محمد صاحب فاروقی نقشبندی، تیرابی، پچورہ شریف ضلع کیمبل پور سے پائی تھی۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب حسنی شیرازی اور حضرت حافظ جماعت علی شاہ صاحب حسینی جعفری سید تھے۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب برصغیر ہند و پاکستان کی ایک مشہور شخصیت ہیں۔ آپ نے ایک سو دس برس کی عمر پائی۔ ساٹھ حج کیے۔ ۱۹۰۸ء میں بمقام لاہور مرزا صاحب قادیانی کو مباہلہ کی دعوت دی اور انکار ہونے پر برسبر عام مرزا کی موت کی پیشین گوئی کی۔ جو ایک ہفتہ کے اندر صحیح ثابت ہوئی۔ حجاز طیس سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، خلافت فنڈ، سمرنا فنڈ، انگورہ فنڈ میں دل کھول کر چنڈہ دیا۔ تحریک ہجرت کی مخالفت کی۔ آگرہ میں آریوں نے ہفتنہ ارتداد کھڑا کیا تو آٹھ اضلاع میں تبلیغ کردائی۔ بے شمار مساجد تعمیر کروائیں اور درس جاری کروائے۔ علمائے اہلسنت اور ان کی جمعیتوں اور کانفرنسوں کی جابجا رہنمائی فرمائی۔

شیعہ اور غیر متدین کے ساتھ مناظرے کیے اور کردائے۔ اور کتابیں تالیف کروائیں۔ آپ خلفاء اور مریدین کا ایک بڑا سلسلہ چھوڑ گئے ہیں جو خدمت اسلام میں مصروف ہیں۔

حضرت قبلہ حافظ صاحب نسبتاً ایک گوشہ نشین بزرگ تھے جن کی زیادہ تر توجہ باطنی تزکیہ نفوس اور ذکر و اذکار پر

مبذول ربی۔ رحمة الله تعالى عليهما

۲۷۔ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری (۱۸۶۴ء تا ۱۹۲۹ء)

کتاب خزینہ معرفت تذکرہ مشائخ نقشبندیہ میں درج ہے کہ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ پشاور سے واپسی پر گولڑہ شریف اتر کر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے ملاقات کی۔ اس کے علاوہ پاک پتن شریف میں حضرت بابا صاحب کے عرس پر باہم ملاقاتوں کی بھی روایات ملتی ہیں۔ چنانچہ شیخ فضل قادر صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب شرقپوری حضرت بابا صاحب کے مزار شریف کے قریب تشریف فرما تھے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ تشریف لائے تو میاں صاحب تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت کے فرمانے پر کہ آپ یہ تکلیف نہ کیا کریں۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ میں تو یہاں حضرت بابا صاحب کی زیارت کے علاوہ آپ کی ملاقات کی غرض سے بھی حاضر ہوتا ہوں۔ آپ اپنے زمانہ میں خاندان عالیشان نقشبندیہ کے ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ آپ نے سلسلہ مجددیہ معصومیہ کے ایک شیخ حضرت خواجہ امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت پائی تھی جن کا آستانہ کوٹلہ پنجو بیگ نزد چوہدری خانہ ضلع شیخوپورہ میں مرجع خلافت ہے۔

حضرت میاں صاحب طریقت کے ایک بڑے شیخ شریعت کے علمبردار اور سنت نبوی کی پیروی پر انتہائی تاکید فرمانے والے بزرگ تھے۔ آپ کی زینہ اولاد نہ تھی۔ آپ کے بھائی حضرت میاں غلام اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، اور ۱۹۵۷ء میں ان کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادگان جناب میاں غلام احمد اور جناب میاں جمیل احمد صاحبان سجادگان سے، طریقت اور شریعت کا یہ مقدس سلسلہ سلوک شرق پور میں اور دیگر خلفائے کرام کے ذریعے پاکستان میں جاری و ساری ہے۔ آپ کے خلفائے کرام میں سے حضرت سید اسماعیل صاحب کراماں والے سابق ضلع فیروز پور حال ضلع ساہیوال اور حضرت خواجہ محمد عمر صاحب بیرل ضلع سرگودھا کے کمالات علم و فقر کا کافی چرچا ہے۔

حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنے ایک مخلص مولوی محمد ابراہیم صاحب قصوری سے سوال کیا کہ کلمہ طیبہ میں لفظ لا غیر اللہ کی نفی ہے یا عین اللہ کی؟ عرض کیا غیر اللہ کی نفی کی جاتی ہے۔ فرمایا۔ پھر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے معنی کیا ہوئے کہ جب اللہ کا ذکر کر رہے تھے تو کسی نے کہا لا الہ الا اللہ کیوں نہیں کہتے تو نعرہ مار کر فرمایا کہ اس خوف سے کہ مبادا لا کہنے پر ہی میری زبان بند ہو جائے اور دم نکل جائے۔

ہمارے حضرت نے بھی ایک سفر میں اسی قسم کے سوال پر فرمایا تھا کہ درویش کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق ہوتا ہے۔ وہ اپنے محبوب کا نام لینے میں لا الہ الا کے الفاظ کی تاخیر برداشت نہیں کر سکتا اور جہدائی کے اس لمحہ بھر وقفہ کو بھی گھٹا دینا چاہتا ہے۔

حضرت شبلی گو وصال کے وقت کلمہ طیبہ کی تلقین کی گئی تھی جس پر فرمایا کہ جب غیر ہے ہی نہیں تو نفی کس کی کروں؟ اور حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی قدس سترہ العزیز نے بھی آخری وقت میں یہ شعر کہا تھا۔

غبارِ خاطر عشاق مدعا طیبی ست

بخلوئے کہ منم یاد دوست بے بینی ست

رحمة الله عليهم اجمعين

۲۸۔ حضرت خواجہ عبدالعزیز صاحب ڈفرہ (وصال ۱۹۵۲ء)

حضرت خواجہ عبدالعزیز صاحب قادری المعروف حضرت صاحب ڈفرہ والے رحمۃ اللہ علیہ (وصال ۱۹۵۲ء۔ نومبر ۱۹۵۲ء) جن کا مزار زراعت فارم راولپنڈی مری روڈ کے پاس ہے، ہمارے حضرت کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے اور آپ سے اکتساب فیض بھی فرمایا۔ عالم طفولیت سے ادھیڑ عمر تک ممالک اسلامیہ میں سیر و سیاحت کر کے اولیاء اللہ مشہورین و مستورین اور سابقہ بزرگان دین سے فیض حاصل کیا۔ گولڑہ شریف میں اپنی پہلی حاضری کے متعلق ملک غلام فرید خان ٹوانہ سے بیان فرمایا کہ میں بچپن میں گولڑہ شریف پیدل جا رہا تھا۔ راستہ میں کچھ سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ اور میں اس ڈر سے ایک کھڈ میں چھپ گیا کہ شاید کسی پولیس افسر کی سواری آرہی ہے لیکن ایک سوار اپنا راستہ چھوڑ کر میرے پاس آگیا جس کی دریافت پر میں نے بتایا کہ پیر صاحب کی زیارت کے لیے گولڑہ شریف جا رہا ہوں۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ سوار خود حضرت قبلہ عالم پیر صاحب ہی تھے۔ آپ نے بڑی مہربانی سے رات لنگر میں ٹھہرایا اور صبح کئی وظائف عطا فرمائے۔ حزب البحر پڑھنے کا طریقہ بتایا اور اس کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

ملک غلام فرید خان صاحب سے یہ روایت بھی ہے کہ فرمایا جب میں نے راولپنڈی میں سکونت اختیار کر لی تھی تو ایک دفعہ تریاقِ دماغ کی ایک مجرب معجون تیار کر رہا تھا کہ ایک رات حضرت قبلہ عالم قدس بترہ نے خواب میں فرمایا کہ اس معجون میں ہمارا حصہ بھی رکھیں۔ چنانچہ جب تیار ہو گئی تو میں نے کچھ حضرت کی خدمت میں پہنچا دی۔ پھر فرمایا کہ دورانِ سیاحت بعض اوقات پہاڑوں کی جڑی بوٹیاں اپنی تاثیر سے مجھے خود آگاہ کر دیتی تھیں اور میں انہیں استعمال میں لے آتا تھا۔ خواجہ صاحب مختلف امراض کے لیے شوقیہ طور پر ادویات تیار کرتے رہتے تھے جو ہمیشہ مفید اور زود اثر ثابت ہوا کرتی تھیں۔ اس چیز کو آپ نے خدمتِ خلق کا ظاہری سبب بنایا ہوا تھا۔

ان کے ایک مرید قاضی عتیق الرحمن صاحب سکند قاضیاں علاقہ گوجران انسپکٹر مدارس بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مولوی صاحب کے ساتھ، جو کشفِ قبور کا ملکہ رکھتے تھے، ایک مرتبہ سیال شریف حاضر ہوا۔ جب روضہ شریف سے باہر آئے تو ان مولوی صاحب نے بتایا کہ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے تمہاری بیعت کے متعلق دریافت فرمایا تھا کہ کہاں ہے جب میں نے لاطمی کا اظہار کیا تو معاً ایک بزرگ ہوا میں دو زانو بیٹھے ہوئے آگے اور حضرت کے پاس جا بیٹھے۔ اور مولوی صاحب نے اس بزرگ کا علیہ اور وضع قطع، لباس اور طریقہ نشست بعینہ وہی بیان کیا جو حضرت خواجہ صاحب ڈفرہ والوں کا تھا۔ ملک محمد نواز خان نوشہروی کا بیان ہے کہ کوہ مری میں ایک شخص نے ان کے سامنے حضرت خواجہ صاحب ڈفرہ والوں سے بیعت کے لیے درخواست کی۔ آپ نے پوچھا۔ پہلے تو کہیں بیعت نہیں ہوئے۔ کہا پیر صاحب گولڑہ شریف سے بیعت تھی مگر ان کا وصال ہو گیا ہے۔ خواجہ صاحب نے سخت ناراضی کے عالم میں فرمایا۔ او بے نصیب تو نے حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کو مردہ سمجھ لیا ہے۔ اس مرتبہ دشان کے اولیاء اللہ ہمیشہ زندہ اور باقی باللہ ہوتے ہیں۔“

۲۹۔ حضرت حافظ عبدالکریم صاحب راولپنڈی

حضرت حافظ عبدالکریم صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ حضرت بابا جی فقیر محمد صاحب تیرابی چورہ شریف کے خلیفہ تھے۔

حزب البحر کا وظیفہ ہمارے حضرت سے حاصل کیا تھا جس کی روایت مولوی عبداللہ صاحب گنجاہی آپ کی زبانی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں ایک اجنبی بزرگ کی رہنمائی میں حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف قدس بترہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس اجنبی بزرگ نے حضرت قبلہ عالم قدس بترہ سے کہا کہ اسے حزب البحر کی اجازت دیجیئے اور اس کا طریقہ بھی سمجھا دیجیئے۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ چلے گئے۔ اگلے روز حضرت نے اجازت دی اور طریقہ ورد عطا فرمایا اور معلوم ہوا کہ یہ بزرگ خود حضرت علیہ السلام تھے۔

۳۰۔ حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی طمان

ہمارے حضرت کے ساتھ طمان کے مشہور پیر طہریت حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب قادری گیلانی، سجادہ نشین دربار حضرت سید جمال الدین موسیٰ پاک شہید (رحمۃ اللہ علیہما) کی دوستی عقیدت کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ حضرت کا پاک پن شریف کا سفر عموماً طمان کی راہ سے ہوتا اور ہر سال باہم ملاقات رہتی۔ اختلافی مسائل میں مخدوم صاحب کا مدار آپ ہی کے مسلک پر ہوا کرتا تھا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اطلاق لفظ بشر اور حاضر ناظر کے مسائل پر ان کے استفتاء کے جواب میں حضرت کا ایک مکتوب گرامی باب نکتوبات میں درج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مخدوم صاحب کو طمان اور نواحی اضلاع میں روحانی قیادت اور عظمت عطا فرمائی تھی۔ قطع نظر اس تقدس اور احترام کے، جو اس آسانہ عالیہ قادریہ کو حاصل ہے اور جس کی وجہ سے اس کا نام دربار پیران پیر پڑ گیا ہے۔ اور اس کے دو قریبی شہر سپاہ کے دروازوں کو بھی لوگ صدیوں سے پاک دروازہ اور حرم دروازہ کہتے چلے آ رہے ہیں، خود حضرت مخدوم صاحب کی ذات کے ساتھ عوامی عقیدت کا یہ حال تھا کہ جب ۱۹۲۴ء میں آپ فریضہ حج سے واپس آئے تو اس خطہ کے لوگوں نے ایسا شاندار استقبال کیا کہ طمان میں شاید کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہوا ہوگا۔ جب ریلوے اسٹیشن کے وسیع اور طویل پلیٹ فارموں پر تیل دھرنے کو جگہ نہ رہی تو لوگ لائن کے کنارے دونوں طرف پھیلتے گئے اور یہ قطاریں سگنل کے قریب تک چلی گئیں۔ بہت پہلے جب ایک دفعہ طمان میں بند و مسلم فساد کا خطرہ پیدا ہوا اور بازار بند ہو گئے تو یہ سن کر کہ مخدوم صاحب خود سوار ہو کر آ رہے ہیں۔ دوکاندار، کیا ہندو کیا مسلمان، خود بخود دوکانیں کھول کر بیٹھ گئے۔

۳۱۔ حضرت مخدوم اللہ بخش صاحب گیلانی طمان

حضرت مخدوم اللہ بخش صاحب گیلانی بھی حضرت جمال الدین موسیٰ پاک شہید کی اولاد سے ہیں۔ دربار پیران پیر طمان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور حضرت مخدوم کے بڑے صاحبزادے کی اولاد سے بیان ہوتے ہیں جن کو اپنے والد کی اطاک تفویض ہوئی تھی اور چھوٹے بھائی کے حصہ میں آپ کا سجادہ طہریت آیا تھا۔ گولڑہ شریف حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ فرمایا اور حضرت نے انہیں تخلیہ میں بٹھا کر کلمہ طیبہ کی تلقین فرمائی۔

۳۲۔ حضرت سید غلام عباس شاہ صاحب سجادہ نشین مکھڑ شریف

مکھڑ شریف کے خاندان قادریہ کے مشہور سجادہ نشین حضرت غلام عباس شاہ صاحب حسنی گیلانی کے دو خطوط دربار علیہ گولڑہ شریف میں محفوظ ہیں۔ جو حضرت کے ساتھ ان کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ایک پر ۳۰ مئی ۱۹۱۲ء کی تاریخ ہے اس میں حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کو شیعہ سنی مناظرہ موضع جند ضلع کیمبل پور میں شرکت کی دعوت دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ۱۴

اساڑھ کو وہاں شیعہ اور اہل سنت جماعت کے درمیان خلافت کے موضوع پر بحث ہونے والی ہے۔ اہل سنت کی طرف سے مناظر مولوی سلطان محمود گنجوی مدرس ڈیرہ غازی خان ہیں۔ اور شیعہ صاحبان کی طرف سے مخدوم صاحب بلوٹ والے مہتمم ہیں نیاز مند کو بھی اہل سنت کی طرف سے مجبور کیا جا رہا ہے کہ اس بحث میں شریک ہوں۔ فقیر چاہتا ہے کہ جناب والا بھی شریک ہوں۔ اور سب اہل سنت کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن اس خط و کتابت کا علم بعض فقیر تک محدود ہے۔ دوسرے خط میں جو ۱۹۱۲ء کا ہے، فرماتے ہیں :-

”نوازش نامہ نے مخدوم صاحبت بخشی... اُمید ہے کہ جناب تو جہ تامل کو مبذول فرمائے رکھیں گے۔ فقیر نہایت ہی جناب کی اس مہربانی کا شکر ادا کرتا ہے جو کہ آپ نے اپنی خوبی شفقت سے بندہ کو ان امور سے آگاہ فرمایا جو فقیر کے لیے مناسب امور تھے....“

یہ امر بویا ہے کہ آج کل مسلمانوں کی جو نازک حالت ہے وہ ہرگز اس امر کے قابل نہیں کہ خانہ جنگیاں شروع رہیں مگر آفرینش سے انسان طینت سے ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنی عمر کا ایک حصہ انہی کاموں میں گزارنا چاہتا ہے۔ معرکہ شیعہ کے خیال حضور پر محبوب سبحانی قدس بترہ العزیز کے حق میں بہت ہی برا اثر پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ گویا آپ کے جد کی برکت ہے کہ کسی کو اس ملک میں حضور کی نسبت گفتگو کا موقع نہیں ملتا اور انشاء اللہ نہ ملے گا۔ مگر تاہم احتیاط امر لابدی ہے۔ مولوی صاحب (سلطان محمود گنجوی) کے خط سے معلوم ہوا کہ حافظ صاحب سید جماعت علی شاہ صاحب بھی شریک ہوں گے۔ فقیر کا ارادہ اس صورت میں جانے کا ہو سکتا ہے جب جناب بھی تشریف لادیں۔ مخدوم بلوٹ والوں کی طرف سے بڑی کوشش ہو رہی ہے۔ یہ امر لابدی ہے کہ اگر بندہ یا حضور اس موقع پر حاضر نہ ہوئے تو دین اللہ کی کمزوری کے ماسوا دشمنان دین... سے ایک محل طعنہ کا ضرور ہوگا۔ فقیر نے ابھی تک بغیر رائے جناب کوئی پختہ رائے اپنے کسی استفسار کنندہ کے آگے ظاہر نہیں کی۔ جیسے رائے ہو اس سے آگاہ فرمایا جاوے۔ دوئم امر اگر یہ خیال بھی کیا جاوے کہ ہمارے منصب اس امر کے متقاضی ہیں کہ کسی شخص کا دل رنجیدہ نہ کریں لیکن بعض گروہ ایسے ہیں کہ وہ کسی حال میں شکر گزار نہیں رہ سکتے۔ مزید خیال فرما کر اور سارے وجوہات پر نظر ڈال کر اپنی رائے مبارک سے سرفراز فرمادیں گے کہ اسی کے مطابق طرز عمل رہے۔“

اس خط کے مضمون سے حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کے جواب کی منشا پر واضح اشارات ملتے ہیں کہ حضور ابن فرقہ وارانہ مناظرات کو پسند نہیں فرماتے تھے لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پیر صاحب مکہ شریف کے اصرار اور حالات کے تعاضول کو مدنظر رکھ کر بالآخر شمولیت پر آمادگی کا اظہار فرمادیا تھا۔ کیونکہ حسب روایات جب حکومت نے اس مناظرہ کی ممانعت کر دی تو آپ نے فرمایا: ”مراواں من دیاں من وچ رہیاں۔ شیعاں نوں من دیاں باواں نہ کیاں۔“

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ انہی ایام میں جب کہ جنڈ میں مناظرہ کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں ایک سید محمد عالم شاہ نامی جو کبھی کبھی حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی خدمت میں آیا کرتے تھے اور شیعہ خیالات رکھتے تھے۔ آپ کی خدمت میں آئے اور میں اُس وقت جب کہ ہم سبق پڑھ رہے تھے حاضر ہو کر باتوں باتوں میں یہ سوال کیا کہ اصحاب ثلاثہ کی خلافت کے خلاف شیعہ علماء یہ دلیل پیش کرتے ہیں :-

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۗ قَالَ وَمِنْ

ذَرِيَّتِي مَا قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝ (البقرة ۱۲۴)

(ترجمہ۔ اور جس وقت آزمائش فرمائی ابراہیم کی اُس کے پروردگار نے ساتھ کئی باتوں کے پس پورا کیا (ابراہیم نے) اُن کو۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے) بے شک میں تجھے انسانوں کے لیے امام بنانے والا ہوں عرض کیا اور میری اولاد سے بھی۔ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا)

پس معلوم ہوا کہ ظالم عہد امامت کے لائق نہیں۔ اور قرآن مجید نے شرک کو ظلم عظیم فرمایا ہے (إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ) اور اصحاب ثلاثہ اسلام لانے سے پہلے مذہب بت پرستی پر تھے۔ حضرت یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ شاہ جی جو لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں انہیں شاید ایسا غوجی بھی نہیں آتی۔

انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ یہ قضیہ مشروطہ عامہ ہے جس میں موضوع پر حکم تا وقت وصف ہوتا ہے لہذا جب تک وصف ظلم رہے گا حکم رہے گا والا فلا۔ شاہ صاحب یہ سن کر حیران رہ گئے اور واپس جا کر شیعہ علماء سے ذکر کیا اور یہ بھی جا کر کہا کہ اگر یہ شخص مناظرہ میں شریک ہوا تو تمہاری خیر نہیں۔ بالوجہ فرماتے ہیں کہ یہ مناظرہ بعض وجوہ کی بنا پر ملتوی ہو گیا تھا۔ تعجب ہے کہ جن لوگوں نے اس مناظرہ جند کی تحریک کی تھی اور شیعہ حضرات کے قائد تھے وہ اپنا شجرہ نسب حضرت سیدنا میراں محمد شاہ موج دریا بخاری (لاہوری) رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۴ تا ۱۰۳۷ ہجری) تک پہنچاتے تھے۔ حالانکہ آجنگاہ کے متعلق تاریخ مشاریح لاہور اور کئی دیگر معتبر کتب میں یہ واقعہ درج ہے کہ کسی شیعہ نے آجنگاہ کے اہلسنت والجماعت ہونے پر طعن کیا تھا کہ کاٹھدی گئی نہیں اور سید سنی نہیں۔ اور آپ نے اس تحدی کو قبول فرما کر کاٹھدی گئی (لکڑی کی دیگھی) بنوائی اور شیعہ سنی کے ایک بڑے مجمع کے اندر اُس میں چاول پکوا کر کھلا دیئے تھے۔

۳۳۔ حضرت پیر قطب شاہ صاحب سندیلوی (وصال ۲۷-۱۹۲۶ء)

حضرت پیر سید قطب شاہ صاحب قادری (سندیلہ شریف۔ ضلع لائل پور) (وصال ۲۷-۱۹۲۶ء) بھی ہمارے حضرت کے ساتھ تعارف اور عقیدت رکھتے تھے جس سال حضرت نے اس علاقہ کے مخلصین کی درخواست پر بغداد علاقہ قلمبہ اور حضرت ضوئی علی حیدر شاہ صاحب کے مزار قاضی غالب کا سفر فرمایا تھا تو جناب پیر قطب شاہ صاحب کی دعوت پر سندیلوانالی میں بھی ان کے یہاں ایک روز قیام فرمایا تھا۔ ان کے دو مشہور خلفاء حضرت مولوی شیر محمد صاحب (فتح پور، ضلع ساہی وال) اور حضرت میاں اللہ یار صاحب (کلاں، ضلع جھنگ) سے ان علاقہ جات کے اکثر لوگوں کی عقیدت وابستہ ہے۔ ایک کتاب بعنوان اسماء معرفت اور ایک رسالہ حیات النبیؐ حضرت پیر قطب شاہ صاحب کی تصانیف سے یادگار ہیں۔ شاہ صاحب قبلہ کے سلسلہ کے ایک ویش جناب سائیں غلام محمد صاحب کے ملفوظات مطبوعہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا کافی تذکرہ ملتا ہے۔ اگرچہ بعض روایات کی نسبت حضرت کی طرف درست معلوم نہیں ہوتی۔

۳۴۔ حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحب باغ درہ

حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحب سابق باغ درہ حال ساکب آباد علاقہ حسن ابدال نو بڑہ شریف والوں کے خلیفہ اور حنفی مذہب

نے ایسا غوجی علم نطق کے ایک ابتدائی رسالہ کا نام ہے۔ فیض

نقشبندیہ میں ایک بڑے حلقہ کے پیشوا ہیں۔ انہیں حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کے ساتھ ہمیشہ بہت عقیدت رہی۔ حضرت قبلہ علم قدس بترہ کے متعلق ایک سائل کی دریافت پر فرمایا: ہر شخص کو اپنے پیر کی تعریف کرنی چاہیے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف چاند ہیں اور باقی سارے۔“

۳۵۔ حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب چھوہرہ شریف

حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب قادری (چھوہرہ شریف ضلع ہزارہ) حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کے ہم عصر تھے اور غالباً باہم ملاقات بھی تھی۔ ان کے متوسلین میں سے کسی صاحب نے ایک رسالہ موسومہ صلوات الرسول شائع کیا ہے جس میں انہیں غوث الاعظم کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف قدس بترہ نے انہیں ایک وظیفہ بتایا تھا جس کا مقصد حصول مال و زر تھا مگر انہوں نے اس کے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ جب یہ رسالہ نظر سے گذرا تو راقم الحروف نے موجودہ سجادہ نشین صاحب زادہ محمود صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل خط ارسال کیا جس پر انہوں نے ازراہ نوازش اپنے صاحبزادے کو حضرت بابو جی مدظلہ العالی کے پاس بھیج کر اپنی لاطمی اور ان غیر واقعی تحریرات کی اشاعت پر معذرت کا اظہار فرمایا۔

نقل خط متعلق بعض اندراجات رسالہ صلوات الرسول

”مکرمی واجب الاحترام جناب صاحبزادہ محمود صاحب زید مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد از تجتات مسنونہ گذارش بخدمت عالیہ اینکہ کچھ روز ہوئے کتاب مجموعہ صلوات الرسول کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ ابتدائے کتاب میں آپ کے حضرت علیہ الرحمۃ کے مختصر حالات بھی کسی متوسل نے تحریر کر دیئے ہیں۔ میری ناقص رائے میں غوث اعظم ہونا تو ایک ایسا مقام ہے جسے حضور سرکار بغداد قدس بترہ کے بعد کسی کے لیے ثابت کرنا سوراہی ہے۔ فقط آنجناب کا ارادت مند ہونا وہ کمال ہے جس کے سامنے بڑے بڑے مدعیان فقر و ولایت کے کمالات بیچ ہیں۔ جیسا کہ قصیدہ عالیہ غوثیہ سے واضح ہوتا ہے۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے۔“

سگ درگاہ جیلاں شوچوں خواہی قرب ربانی

کہ بر شیراں شرف دارد سگ درگاہ جیلانی

بہر حال کسی متوسل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے شیخ کی تعریف و توصیف ایسے انداز میں کرے جس سے کسی دوسرے خدائیدہ و خدایوں کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ کیونکہ جب فخر موجودات علیہ الصلوٰت و التسلیمات کی ذات بابرکات نے اپنے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ لَا تَفْضِلُوْنِیْ عَلٰی یُوْنُسَ ابْنِ مَثٰی کہ مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔ حالانکہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ اَنَا سَيِّدٌ وُلِدَا فَرَدَا لَا فَخْرَ کَیْ فِیْہِیْ تَمَامٌ اَوْلَادِ اٰدَمَ کَا سَرْدَابُوْنَ جِسِّ کِیْ تَطْبِیْقِ عُلَمَآءِ کَرَامٍ نَیْ یَبِیْنُ فَرْمَآئِیْ ہِیْ کہ پہلے ارشاد سے آنجناب کی وہ فضیلت ہے جس سے کسی دوسرے پیغمبر کی توہین کا پہلو نکلتے۔ تو پھر کسی اور انسان کو ایسی طرح و شاہجس سے دوسروں کی تفضیص مترشح ہوتی ہو کہاں درست ہوگی۔

بندہ خاص طور پر آپ کی توجہ اس روایت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے جو کتاب مذکور کے صفحہ دس پر موجود ہے جس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ حضرت اقدس گوڑوی قدس سرہ نے حضرت صاحب چھوڑوی کو ایسا وظیفہ پڑھنے پر اصرار فرمایا تھا جس کا مقصد حصول مال و زر تھا جس پر حضرت موصوف نے پڑھنے سے انکار فرمادیا۔ حالانکہ جن لوگوں کو حضرت گوڑوی علیہ الرحمۃ کے مسلک سے ذرا بھی واقفیت ہے وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ حضور علیہ الرحمۃ کسی بھی مسلمان کے لیے کلام الہی اور وظائف و اُوراد کا بغرض حصول مال و زر پڑھنا نہایت ہی میسب خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ آنجناب کے ملفوظات مطبوعہ کے متعدد مقامات اس امر کی بین دلیل ہیں خصوصاً صفحہ ۵۳ پر عبارت ذیل ملاحظہ ہو:-

شیوہ فقر محمدی کفایت شعاری است و ترک تکلف۔ فرمودندادائے اوراد و خواندین و وظائف و سور قرآنی محض برائے حصول اغراض دنیاوی کار خوب نیست۔ بلکہ نفاق است و ازین سبب فائدہ حاصل نہیں شوق و ہمہ عمر ضائع ہے شوق و کلام اللہ محض برائے غرضِ ثواب و رضائے حق خواندہ شود و خود خدائے عز و جل مسببِ بنا کار ساز است۔ در حدیث آمدہ است مَنْ كَانَ لِلَّهِ كَانَ اللَّهُ لَهُ۔ چہ طور تسلیم کردہ شود کہ بندہ ہر گاہ بندہ خدا باشد باز در ہمہ حالات مطمئن نہ باشد۔ حافظ علیہ الرحمۃ در دیوان سے فرماید:-

تو بندگی چوں گدایاں برائے مُزد مکن

کہ خواجہ خود رَوش بندہ پروری داند

پس جب آنجناب کے نزدیک کسی بھی مسلمان کا اُوراد و وظائف بغرضِ مال و زر پڑھنا نفاق ہے تو ایک ہستی کو جن کے متعلق کتاب مذکور میں غوثیتِ عظمیٰ کا منصب اعلیٰ تک ثابت کیا گیا ہے، کس طرح آنجناب ایسا وظیفہ پڑھنے پر اصرار فرما سکتے ہیں جس کا مقصد ہی حصول مال و زر ہو۔

امید ہے آپ اس غلط روایت کے متعلق خود ہی کوئی مناسب اقدام فرما کر ہم متوسلین درگاہ عالیہ گوڑہ شریف کو مطمئن فرمائیں گے۔ ورنہ مجبوراً ہمیں خود کسی قدم اٹھانے پر معذور تصور فرمائیں گے۔

نیز اسی کتاب میں صفحہ ۱۶ پر ایک صاحب حال سار بجانے والے شخص کا واقعہ مذکور ہے جس کے خلاف ایک مولوی صاحب نے کفر کا فتویٰ صادر کیا ہوا تھا۔ تنگ آکر صاحب حال سار نواز مذکور نے حضرت صاحب چھوڑوی اور آپ کے رفیق سفر ایک پیر صاحب سے امر مذکور کی شکایت کی جسے سن کر پیر صاحب نے سار بجانے والے کو اس فعل سے روکنا چاہا۔ مگر حضرت چھوڑوی نے ایسا تصرّف کیا کہ خود مولوی صاحب نے سار بجانے شروع کر دی۔

بعینہ اسی واقعہ کو آپ کے متعلقین میں سے کسی شخص نے ایک اخبار میں شائع کیا۔ اور پیر صاحب سے مراد حضرت اقدس گوڑوی علیہ الرحمۃ کی ذات لی گئی۔ حالانکہ یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح حضرت گوڑوی کے مسلک کے خلاف ہے۔ کیونکہ مشائخِ چشت کے نزدیک سماع وغیرہ اہل حال کے لیے بالاتفاق درست ہے۔ چہ آپ کس طرح ایک صاحب ذوق کو منع فرما سکتے تھے۔ اور ظن یہ ہے کہ روایت مذکورہ حضرت چھوڑوی کے مسلک کے بھی خلاف معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی قادری سلسلہ کے بزرگ کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ تصرّف

کر کے کسی کو طریقہ مالیہ قادریہ کے خلاف عمل پر یعنی سازبجانے پر پابند کرے۔
امید ہے ان شکوک کے جوابات سے مشرف فرما کر شکر یہ کا موقع دیں گے۔

۳۶۔ حضرت مولینا وصی احمد صاحب محدث پبلی بھیت

حضرت مولینا وصی احمد صاحب محدث سورتی پبلی بھیتی ہمارے حضرت کے ہم سبق اور ہم مشرب بزرگ تھے۔ سہارن پور میں حضرت مولینا احمد علی صاحب محدث کے درس میں حضرت کے ساتھ ان کے ہم درس ہونے کا ذکر ابتدائی ابواب میں گذر چکا ہے۔ وہاں اکثر دوسرے طلباء غیر محدثانہ خیالات رکھتے تھے اور باہمی عقائد کی بحث میں ان دونوں حضرات کا پتہ ہی ہمیشہ بھاری رہتا تھا۔ دسمبر ۱۹۱۲ء میں دارالعلوم نعمانیہ لاہور کے اجلاس میں حضرت کی تقریر کے بعد ان کی تقریر کا وقت مقرر تھا۔ منبر پر جا کر صرف ایک حدیث شریف پڑھی اور یہ کہہ کر اتر آئے کہ حضرت پیر صاحب کی تقریر کے بعد منہ کھولنے کی جرات نہیں ہوتی۔ لیکن تعمیل امر میں ایک حدیث شریف پڑھ دی ہے حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا مولانا موصوف سے گہرا رابطہ تھا اور انہیں الاسد یعنی اہل سنت والجماعت کا شیر فرمایا کرتے تھے۔

۳۷۔ حضرت سیدعل شاہ صاحب دندہ شاہ بلاول

حضرت سیدعل شاہ صاحب نقشبندی (دندہ شاہ بلاول، ضلع کیمیلپور) قدوة السالکین حضرت حاجی دوست محمد صاحب قندھاری کے خلیفہ مجاز اور حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب موسیٰ زئی شریف کے پیر بھائی تھے۔ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں آپ کا حضرت قبلہ عالم کے متعلق رئیس الحجاج ہونے کا کشفی مشاہدہ باب چہارم میں گذر چکا ہے۔

۳۸۔ حضرت شاہ سلیمان صاحب پھلواری

پھلوارہ شریف صوبہ بہار کے حضرت شاہ سلیمان صاحب مشاہیر بزرگان ہند سے ہوئے ہیں۔ آپ گیلانی سید اور حضرت میراں شاہ قادری کے دوسرے صاحب زادہ کی اولاد سے ہونے کی وجہ سے ہمارے حضرت کے یک جدی بھائی ہیں۔ حضرت قبلہ عالم گولڑوی سے آپ کا تعلق اس اعلامیہ سے واضح ہوتا ہے جو حضرت کے وصال پر جناب سجادہ نشین صاحب پھلوارہ شریف نے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کو ارسال کیا تھا۔ اور ان کے رسالہ منادی (جون ۱۹۳۷ء) میں شائع ہوا۔ اس کی نقل یہاں دی جاتی ہے :-

تغزیت پھلواری شریف میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف کی فاتحہ

گذشتہ جمعہ ۹ بجے صبح کو حضرت مولینا سید شاہ غلام محی الدین صاحب کا ایک تار بنام حضرت مولانا سید شاہ حسین میاں صاحب سجادہ نشین کے پہنچا جس میں یہ نحوٹس اطلاع درج تھی کہ شیخ المشائخ حضرت مولانا پیر سید مہر علی شاہ صاحب نے اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔ اس خبر وحشت اثر کو سن کر حضرت سجادہ نشین صاحب کے علاوہ خانقاہ شریف کا ہر شخص تصویر غم والم بن گیا اور اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ حضرت قبلہ مولانا قاری سید شاہ سلیمان صاحب اور غفران مآب حضرت پیر صاحب کے درمیان باہمی گہری محبت تھی۔ اور

حضرت شاہ صاحب پھلواروی، حضرت پیر صاحب کے علم و فضل، وسعت نظر، ان کے زہد و اتقا اور بانسوس علم تصوف پر ان کے غایت عبور کو اکثر اپنی مجلسوں میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ جامع مسجد پھلواروی شریف میں نماز جمعہ سے پہلے حضرت مولانا شاہ حسین میاں صاحب سجادہ نشین مدظلہ نے پیر صاحب کے اوصاف اور ان کی اسلامی خدمتوں کو بیان فرمایا۔ لوگوں نے فاتحہ پڑھی۔ پھر بعد نماز بھی دعائے خیر کی گئی۔ پھلواروی شریف کے لوگوں کو اس حادثہ کا رنج و الم ہوا۔ والسلام

۳۹ حضرت سید سید علی شاہ صاحب سہاویہ (وصال ۱۹۰۳ء)

حضرت سید سید علی شاہ صاحب چشتی سجادہ نشین سہاویہ تحصیل باغ ریاست پونچھ کو حضرت مولوی محمد فاضل صاحب چشتی سلیمانی (گرگھی افغاناں) سے خلافت حاصل تھی۔ لیکن آپ حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرہ سے بھی عقیدت رکھتے تھے۔ متعدد بار ملاقات ہوئی اور خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ان کے پوتے اور موجودہ سجادہ نشین سید نظیر حسین شاہ صاحب کی بیعت ہمارے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے ساتھ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت قبلہ عالم کے خادم خاص محمد خان برادر مولوی غلام محمد خان نذر بردار نے اپنے گاؤں دھیر کوٹ تحصیل باغ میں بیمار ہو کر وفات پائی تو حضرت نے میرے دادا صاحب کو خط لکھا کہ محمد خان کی لاش وہاں امانت ہے اُسے جھکو کر گولڑہ بھجوا دیں۔ چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل کی گئی اور یہ نامہ مبارک ہمارے یہاں بطور تبرک رکھا ہوا ہے۔ حضرت سید علی شاہ صاحب نے بحالت سجدہ وصال فرمایا۔ ان کے انتقال پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے جو تعزیت نامہ ان کے فرزندوں کو لکھا تھا اُس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

سیادت و شرافت پناہ نیاز علی شاہ صاحب و مخدوم شاہ صاحب و فیروز شاہ صاحب سلامت باشند
و علیکم السلام و رحمۃ اللہ۔ اما بعد از ملاحظہ خبر انتقال جناب شاہ صاحب مرحوم و مغفور بہر خیر تشنت و تسلیت
عارض حال گردیدہ اما محمد للہ و مننتہ کہ بحالت اقرب الاوضاع شربت وصل چشیدند۔ برائیں جنس وضع انتقال
بحق نمودن نعمتے است کہ ارباب سعادت از لہ رانے بخشند۔ درد فراق و ہجر مقبولان حق مزید براں بحیثیت ابوة
و قومیت حادثہ ایست جانکاه و واقعہ ایست ہوش ربا اما بجز استرجاع و اضطبار چارہ نہ۔
باید کہ اهداء ثواب ختمات و صدقات روح مبارک او شان را مسرور دارند و ایں کمینہ ترین عباد اللہ الصمد
را دعا گوئے و خیر خواہ خاندان تصور فرمائند۔ جمع بر خور داران را سلام و دعا۔

الراقم الملتجی الی اللہ الصمد المدعو بہر علی شاہ از گولڑہ۔ مورخہ ۲۰۔ شوال ۱۳۲۱ھ

۴۰ حضرت مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی

جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا محمد قیام الدین عبد الباری فرنگی محل لکھنؤ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں اپنے دور کے علماء و مشائخ میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے۔ مولانا محمد علی جوہر آپ کے بی مرید تھے۔ تحریک خلافت کے دوران میں اس کے بعض شرعی پہلوؤں پر ہمارے حضرت کے ساتھ خط و کتابت فرمائی تھی جس کی تفصیل باب مسند ارشاد میں گذر چکی ہے۔

باب، مشتم

بعض مذاکرات و مناظرات

مناظرانہ کمال اور علمی فضیلت

جیسا کہ گذشتہ ابواب سے واضح ہو چکا ہے ایام طالب علمی سے ہی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مناظرانہ کمال اور علمی فضیلت کی شہرت ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی تھی۔ چنانچہ برصغیر کے ہر مکتب و مدرسہ کے اکابر علمائے کرام مثلاً مولانا فضل حق صاحب رام پوری، اُستاد العلماء مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی اور اُن کے شاگرد رشید حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری، مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدث علی بھتی، شمس العلماء مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی، مولانا عبد الباری صاحب فنی محل مولانا محمد دیدار علی شاہ صاحب لاہوری، مولانا نظام الدین صاحب وزیر آبادی صاحب فتاویٰ سلطان الفقہ مولانا علی گوہر صاحب تونسوی، مولانا سید غلام حسین صاحب مظفر گڑھی، علمائے دیوبند میں سے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ الحدیث علامہ انور شاہ صاحب کشمیری اور غیر مقلدین کے پیشوا مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی اور مولوی شمس اللہ صاحب امرتسری اور کئی دیگر علمائے عظام نے جو آپ کے ہم درس رہ چکے تھے یا اُس زمانہ میں ہندو پنجاب کے کسی اور بڑے درس میں زیر تعلیم رہے تھے آپ کی اس شہرت کی اُس وقت تصدیق کی جب آپ مسند ارشاد پر بیٹھ کر مرجع خلائق ہوئے یا آپ کی تصانیف عالیہ کا شہرہ دنیائے علم میں بلند ہوا یا پھر جب قادیانی مدعی نبوت سے مقابلہ ہوا۔

بحث کے دوران حضرت کے سوالات کی بندش مجیب کو متحیر کر دیتی تھی۔ آپ کی طرف سے اعتراض کا جواب ہمیشہ فی البدیہہ اور جامع ہوا کرتا تھا۔ اکثر معترض کے سوال ہی کا کوئی پہلو گرفت میں لے کر اس طرح لوٹا دیتے تھے کہ وہ لا جواب ہو جاتا۔ عام مسائل میں سوالات اور استفتا کے جوابات اس قدر بلیغ اور تسلی بخش ہوتے کہ سائل اور حاضرین مجلس کے دلوں میں اُتر جاتے۔ مقابلہ پر اعتراض کی یہ تحیر خیزی اور سائل پر جواب کی اثر پذیرائی گویا کَلِمَاتُ النَّاسِ عَلٰی قَدْرِ عَقُولِهِمْ کی تفسیر کا حکم رکھتی تھی۔ جب گفتگو مناظرانہ رنگ اختیار کر لیتی تو تحقیق حق اور الباطل باطل کی گرجوشی میں تسبیح ہاتھ سے رکھ دیتے اور آستین چڑھالیتے۔ پھر کیا تھا، موج در موج دلائل کا ایک سمندر جاری ہو جاتا۔ بعض دفعہ ایسے موقع پر فرمادیتے: ہم نے بھی طالب علمی کی ہوئی ہے۔ جس سے آپ کی فطری تواضع اور انحصار کا پہلو بھی ہاتھ سے جانے نہ پاتا۔

حضرت کی عام گفتگو نرم اور دلپذیر ہوتی تھی۔ بلند اتنی کہ مجلس کے ہر گوشہ میں صاف سُنائی دے اور خوشگوار اتنی گویا چاندی کی گھنٹی بجز رہی جو سنت پاک کی تعمیل میں اس طرح ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے کہ ایک ایک لفظ الگ الگ کیا جاسکتا تھا۔ دوران گفتگو کسی وقت قدرے مسکراہٹ اور کسی وقت آہ سرد کا سوز و ساز، تقریر کی لذت کو دو بالا کر دیتا تھا۔ دلالت کلام، استفہام، استعجاب اور دیگر نکات کی ادائیگی میں کسی وقت دست مبارک بڑے لطیف اور دلکش پیرائے میں خفیف سی حرکت میں آجاتا اور یہ اشارات بے حد پیارے اور بھلے معلوم ہوتے۔ اس چیز کو بالعموم حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے کمالات لدنیہ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ آپ کی مجلس سے ہر سائل مطمئن اور ہر مناظر ساکت اور صامت ہو کر لوٹتا تھا۔

قبل اس کے کہ آپ کے مشہور مناظرات کی کیفیت تفصیلاً تحریر کی جائے بعض سوالات کے مختصر، دلنشین اور مسکت جوابات جو ہمارے علم میں آئے ہیں یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ ان مسائل کے متعلق آنجناب کی مکمل تحقیقات آپ کی تصانیف

لے یعنی لوگوں کی سمجھ کی سطح پر کلامِ بروہ (فیس)

اور فتاویٰ میں ملاحظہ کرنی چاہیے۔ علاوہ ازیں مختلف مکاتب فکر کے اہل علم کے ساتھ بعض مسائل پر آپ کے مکالمات اور شیعہ غیر مقلدین اور قادیانی حضرات کے ساتھ تقریری و تحریری مناظرات کا ذکر سابقہ ابواب میں گذر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اور اُس کے حبیب کا علم

ایک محکمہ فکر کا یہ مقولہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم برابر ہے۔ صرف ذاتی اور عطائی کا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا کہنا بعید از صواب ہے۔ ارشاد الہی وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ اِس کی نفی کر رہا ہے۔

تَصْدِيقُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ

ایک مولوی صاحب نے مناظرانہ رنگ میں سوال کیا کہ قرآن مجید فرماتا ہے میں کتب سابقہ کا مُصَدِّق ہوں (مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ) مگر کتب سابقہ بھی کلام الہی ہیں اور قرآن کریم بھی۔ جس سے تَصْدِيقُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ کا اشکال لازم آتا ہے۔ حضرت نے فرمایا قرآن مجید اور کتب سابقہ میں تو زمان و مکان اور لغت اور محل نزول کا اختلاف موجود ہے۔ آپ کے لیے موجب اشکال تو یہ چیز ہونی چاہیے کہ قرآن شریف کی محافظت الہیہ کی مثبت فقط ایک ہی آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (سورۃ الحج - ۹) ہم نے ہی قرآن نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) وارد ہوئی ہے جو اپنی محافظت کی دلیل بھی آپ ہے۔ پس فرمائیے آپ کے اعتراض کی روشنی میں اس محافظۃ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ کے اشکال کا حل کیا ہوگا؟

دُعَا بِحَقِّ وَبِحُرْمَتِ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ

ایک تہ سوال ہوا کہ صوفیائے کرام اپنے وظائف میں الہی بحق فلاں اور الہی بحرمت فلاں کے کلمات سے کیوں دُعَا مانگتے ہیں جب کہ خدائے تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے؟ فرمایا۔ بے شک اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر از خود کسی کا کچھ حق نہیں۔ لیکن اگر وہ تبارک و تعالیٰ خود ازراہ فضل وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (مومنوں کی نصرت ہم پر حق ہے) (سورہ روم، آیت ۴) ارشاد فرما کر کسی کو حق عطا کر دے تو کیا اعتراض باقی رہتا ہے؟ پھر فرمایا۔ اگرچہ مشیت حق مخلوق کی آرزوؤں کی پیروی نہیں ہے لیکن مخلوق اپنے خالق کے حضور میں مُنَاجَات اور دُعَائے حاجات کے وقت ایسے الفاظ سے اپنے عجز و الحاح کا اظہار کرتی ہے اور اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔

نَصٌّ مِّنْ سَيِّدِكِ الْعَظِيمِ كَالثَّبُوتِ

سوال کیا گیا کہ آیاتید کی تعظیم کے لیے نَصٌّ میں کوئی ثبوت ہے؟ فرمایا۔ نسب کا شرف قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَ لَدُنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (زخرف، آیت ۸۱) (یا رسول اللہ! عیسائیوں سے) فرمادیتے۔ اگر اللہ کا کوئی فرزند ہوتا تو سب سے پہلے میں اُس کی عبادت کرتا۔

حیات النبی پر سوال

ایک غیر مقلد نے اعتراض پیش کیا کہ پیغمبر صاحب کو زندہ کیونکر مان لیا جائے جب قرآن فرما رہا ہے کہ **إِنَّكَ مَيِّتٌ** وَ **إِنَّهُمْ مَيِّتُونَ** (آپ پر بھی موت آنے والی ہے اور ان لوگوں پر بھی)۔ حضرت نے اس شخص پر سوال کیا کہ یہ قضیہ مطلقہ عامہ ہے یا دائمہ مطلقہ؟ مگر اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ حضرت کا مطلب یہ تھا کہ یہ جملہ مطلقہ عامہ ہے جس کے صدق کے لیے تین زمانوں میں کسی ایک زمانے کے اندر موت کا تحقق کافی ہے۔ دوام موت ضروری نہیں۔ کیونکہ مناطقہ کے نزدیک دائمہ مطلقہ وہ قضیہ ہے جس کا حکم دائمی ہو۔ اور مطلقہ عامہ وہ جس کا ثبوت حکم کسی زمانہ میں ہو جائے یعنی موت کی شرط تھوڑے عرصہ کے لیے پوری ہو جائے۔

جمعہ فی القریٰ پر سوال

ایک مولوی صاحب نے سوال کیا کہ گولڑہ شریف میں جمعہ کیوں پڑھا جاتا ہے۔ جب کہ جمعہ کی نماز اور خطبہ کے لیے مصر (یعنی بڑا شہر) شرط ہے؟ آپ نے فرمایا: مولینا! یہ شرط مُصْتَحِدِ دِخْوَلِ الْفَاءِ ہے یا از قبیل **لَوْلَا لَا مَمْتَنَعُ** ہے؟ سائل اس ایک ہی استفہامیہ فقرہ سے خاموش ہو گیا۔

مُصْتَحِدِ دِخْوَلِ الْفَاءِ وہ شرط ہوتی ہے جس کے وجود پر مشروط کا تحقق ہو سکتا ہو لیکن اس کے عدم سے مشروط کا عدم ہونا ضروری نہ ہو۔ لَوْلَا لَا مَمْتَنَعُ میں شرط مشروط کے لیے بمنزلہ علت ہوگی کہ جب تک شرط نہ پائی جائے مشروط کا پایا جانا غیر ممکن ہوگا۔ اس سوال کا مقصد معترض کا مبلغ علم معلوم کرنا تھا اور نہ گولڑہ شریف پر بعض اقوال کے مطابق شہر کی تعریف صادق آتی ہے۔

یا شیخ عبد الفتادرجیلانی شیعاً للہ پر اعتراض کا جواب

ایک دفعہ اعتراض ہوا کہ یا شیخ عبد الفتادرجیلانی شیعاً للہ کی بجائے اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگنا چاہیے کہ یا اللہ مجھے شیخ عبد الفتادرجیلانی کا صدقہ کچھ عطا فرما۔ حضرت نے فرمایا: حق تعالیٰ جل شانہ سورہ نسا میں فرماتے ہیں:-

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ دُورًا اس اللہ سے جس کا واسطہ دے کر لوگوں سے سوال کرتے ہو، حق تعالیٰ نے یہاں اپنے نام کے واسطہ سے سوال کرنے کو اپنے احسان کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرنا جائز نہ ہوتا تو اس پر اپنا احسان نہ جاتے بلکہ ایسا کرنے سے منع فرمادیتے۔ لہذا جملہ مذکورہ جس کا مفاد اللہ کے نام کے واسطہ سے سوال کرنا ہے درست ہوگا۔

انسان کامل کے مقامات کی وسعت

ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس برترہ ملتان میں ایک کتاب کا درس دے رہے تھے۔ دورانِ درس یہ مسئلہ آیا کہ حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں:- اے فرزند! انسان جب انسان کامل کا رتبہ حاصل کر لیتا ہے تو اس پر سے بشری قیود اٹھ جاتی ہیں۔ حضرت کے ایک مخلص مصاحب اور شاگرد خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب سابق اسسٹنٹ پبلسکلر انجینئر

گلگت درس میں حاضر تھے۔ آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: مولوی خان بہادر صاحب! کیا وجہ ہے کہ آپ یہاں بیٹھے ہوئے اُس سامنے والی کوٹھڑی میں موجود نہیں ہیں؟ آخر کوئی بشری قید ہی تو ہے جس نے آپ کو مجبور کر رکھا ہے کہ آپ ایک وقت میں ایک ہی جگہ موجود ہوں۔ جب آپ انسانِ کامل بن گئے اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس قول کے مطابق آپ پر سے یہ بشری قید اٹھ گئی تو پھر آپ جیسے یہاں موجود ہیں ویسے ہی بیک وقت اس کوٹھڑی میں بھی ہو سکتے ہیں اور اسی طرح اجیر میں بھی اور مدینہ شریف میں بھی۔ پھر یا رسول اللہ اور یا شیخ عبدالقادر جیلانی کہنے میں کیا عرج ہے؟

ایک آیت کی غلط تاویل کا جواب

سوال ہوا کہ آیت ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و رسل بنی آدم میں قیامت تک آتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ حضور خاتم النبیین کے بعد بھی۔ کیونکہ یہاں بنی آدم کے الفاظ میں تمام نوعِ انسانی سے قیامت تک کے لیے خطاب ہے۔

یا بنی آدم ما یا آتیکم رسل من قبلنا یقضون علیکم آیتنا فمن اتقى واصلح فلا خوف علیہم ولا هم یحزنون ۵ (اعراف - ۳۵)

اے بنی آدم جب تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں۔ میری آیات بیان کرتے ہوں۔ پس جو لوگ خدا سے ڈرے ان پر کوئی خوف نہیں نہ وہ غمگین ہوں گے۔

حضرت نے جواب میں فرمایا: یہاں دو عموم ہیں، ایک عموم افرادِ انسانی اور دوسرا ہر زمانہ میں انبیاء اور رسل کا ایسا ن (تشریف لانا) اور ظاہر ہے کہ پہلا عموم دوسرے عموم کو مستلزم نہیں بلکہ امکان وقوعی کی بنا پر ممکن ہو گا کہ ایک رسول قرونِ کثیرہ کے افرادِ انسانی کو کفایت کرے۔ مثلاً مشیتِ الہی نے امتِ عیسویہ کے تمام افراد کے لیے ایک وقت میں ایک ہی رسول کافی سمجھا۔ لہذا ممکن ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشادِ باری خاتم النبیین اور انقطاع سلسلہ نبوت و رسالت کی رو سے قیامت تک کے افرادِ انسانی کے لیے کافی قرار پائیں۔

قصیدہ غوثیہ میں وَاَفْعَلُ مَا تَشَاءُ کا جواز

ایک صاحب نے حضرت سے دریافت کیا کہ قصیدہ غوثیہ کس کی تصنیف ہے؟ فرمایا حضرت سیدنا غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ کہنے لگا۔ وہ عالم تھے۔ ایسا کلام اُن کی شان سے بعید ہے کیونکہ اس میں آتا ہے۔ وَاَفْعَلُ مَا تَشَاءُ فَاَلَا اِنَّهُمْ عَلٰی رَاۤءِ مُرِیْدٍ جُوۡبَاۡہِ سُوۡکِرٍ مِیۡرَانَامٍ مُّبَدَّہِ

حضرت نے فرمایا آپ کے اس اعتراض میں دو چیزیں مراد ہیں۔ ایک ثبوتِ تصنیف اور دوسری وجہ استبعاد۔ اب ان دونوں کا جواب سنئے۔ پہلی چیز کی دلیل ہے تو اتر۔ کیونکہ ہر زمانہ کے اندر حجمِ غفیر اس چیز کے قابل چلے آئے ہیں کہ یہ قصیدہ شریف حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف ہے۔ اور تو اتر دلیل قطعی ہے۔ اب رہی وجہ استبعاد۔ سو آپ نے صحیح بخاری میں دیکھا ہو گا:

اِنَّ اللّٰهَ تَدٰ اٰطَعَتْ عَلٰی اٰهْلِ بَدْرِ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا سِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ
اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر مطلع ہو کر فرمایا جو چاہو سو کرو ہم نے تمہیں بخش دیا۔

پس فقرہ اِعْمَلُوْا مَا سِئْتُمْ آیت لَا تَقْرَبُوْا الزِّنٰا (زنا کے قریب مت جاؤ) کے ساتھ کیونکہ درست آسکتا ہے؟

یہاں وجہ استبعاد آپ بیان کر دیں وہاں میں بیان کر دوں گا۔ اس جواب پر وہ صاحب ششدر رہ گئے۔
حضرت نے پھر فرمایا: علمائے ظاہر اس حدیث کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے غایت مافی الباب یہی کہہ دیں گے کہ یہ ایک
کلمہ ہے جو خوشنودی کے اظہار میں کہہ دیا جاتا ہے اور حقیقتہً مراد نہیں ہوتا لیکن دراصل بات یہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ تعالیٰ
کسی پر نظر رحمت ڈالتے ہیں تو اسے زمرہٴ اِنِّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ (یعنی اے ابلیس میرے خاص بندوں
پر تجھے کچھ دسترس حاصل نہیں۔ بنی اسرائیل ۶۵) میں داخل فرما کر خود اس کے حافظ و ناصر بن جاتے ہیں کہ وہ اول تو ارتکاب
معاصی پر قادر ہی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی حکمت کی بنا پر ارتکاب گناہ ہو بھی جائے تو اسے توبہ کی توفیق نصیب فرمادیتے ہیں۔ پس
لاجرم جملہ اَفْعَلْ مَا لَنْتَا میں تخصیص مراد ہوگی نہ کہ تعمیم۔

حدیث مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پُرَايَا عَمْرَأَسْ

حضرت صاحبزادہ محمود صاحب تونسوی ایک روز حدیث شریف من قال لا اله الا الله دخل الجنة جس نے
لا اله الا الله کہا وہ جنت میں داخل ہوا، بیان فرما رہے تھے۔ ایک مولوی صاحب نے اعتراض کیا کہ خواہ وہ شخص فاضل کا
منکر ہی کیوں نہ ہو؟ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اس مجلس میں موجود تھے مگر یہ مولوی صاحب آپ سے متعارف نہیں تھے۔
حضرت نے صاحبزادہ صاحب سے اجازت لے کر جواب دیا کہ یہاں مَنْ قَالَ سے لا محالہ یہ مراد ہے کہ اُس شخص نے
کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو حق سمجھ کر پڑھا۔ چونکہ یہ کلمہ حضور مُحَمَّدٌ سُرْسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُنْيَا میں لائے ہیں لہذا
وہ شخص اپنے اس قول سے حضور کی صداقت اور رسول برحق ہونے کا اقرار کر رہا ہے اور جس نے حضور کی صداقت کا اقرار کیا وہ حضور
کے لائے ہوئے فاضل کا منکر کیسے ہو سکتا ہے؟ جو منکر ہو گا وہ من قال لا اله الا الله کی منشا اور مصداق میں داخل نہ ہوگا۔
مولوی صاحب تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کہنے لگے: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس مجلس میں ایسا فاضل بھی موجود ہے تو
یہ اعتراض کر کے شرمندہ نہ ہوتا۔

قصور میں حضرات نقشبندیہ سے وحدت وجود و شہود پر گفتگو

ایک دفعہ جب آپ قصور میں تھے تو جماعت نقشبندیہ کا جم غفیر جو کسی عرس کی تقریب پر جمع تھا آپ کے پاس آیا
ایک صاحب نے خود بخود وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر تقریر شروع کر دی کہ وجودیہ اور شہودیہ کے درمیان نزاع
لفظی ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بیان کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ کے اس کلام سے حضرت مجدد صاحب
کی کسر شان کا پہلو نکلتا ہے کیونکہ نزاع لفظی کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ ایک ذمہ معنی کلام میں دو فرقی اختلاف کریں اور ہر
ایک کی مراد علیحدہ علیحدہ معنی ہوں اور دونوں ایک دوسرے کی مراد سے بے خبر ہوں اور یہ چیز قلتِ فہم پر دلالت کرتی
ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ نزاع لفظی محققین کی شان سے بعید ہے۔

پھر اُس شخص نے وحدت الشہود پر آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ پیش کرتے ہوئے بیان کیا کہ یہاں

”علیٰ“ بمعنی ”فی“ ہے۔ لہذا معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے میں مشہود ہے حضرت نے فرمایا: ”علیٰ“ بمعنی ”فی“ بطور شاہد
 قرآن کریم سے پیش کیجئے جس پر وہ لاجواب ہو گئے۔ اور جب حضرت نے وحدت الوجود پر دلائل پیش کیے
 جن کا ذکر حضرت کی تصانیف تحقیق الحق و ملفوظات شریف میں مفصل موجود ہے تو انہیں اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا۔
 آخر میں نہایت مخطوط اور شاکر ہو کر رخصت ہوئے۔ کچھ دوسرے لوگوں کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ دوسرے روز آ کر
 اظہارِ افسوس کرنے لگے کہ ہم اس نعمت سے محروم رہے۔

بعد ازاں ان حضرات نے حضرت کے توسط سے اپنے چند شکوک رفع کیے۔ ایک شبہ مشنوی شریف کے
 اس شعر کے مطلب کے متعلق تھا۔

علم حق در علم صوفی گم شود این سخن کے باور مردم شود
 حضرت نے فرمایا یہاں گم بمعنی فانی نہیں بلکہ مستور ہے یعنی صوفی کے علم میں علم حق مستور ہوتا ہے اور صوفی کی ذات
 سے ظہور پاتا ہے۔ کیونکہ صوفی کی ذات، ذات حق کا مظہر اور اس کے صفات، صفات الہیہ کے مظہر ہوتے ہیں۔
 دوسرا شبہ یہ پیش کیا کہ مقولہ ذیل: **الْعِلْمُ حِجَابٌ أَكْبَرُ** کے معنی کیا ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ علم بھی منجملہ حجابات
 وصول سے ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ذی حجاب ہمیشہ حجاب کے پیچھے ہوتا ہے مطلب یہ ہوا کہ اس حجاب علمی کو اٹھاتا کہ
 حق سبحانہ کا مشاہدہ کر سکے یہ مطلب نہیں کہ علم وصول الی اللہ سے مانع ہے۔ کیونکہ علم حاجب ہے مانع نہیں اور ان دونوں
 میں تین فرق ہے۔

جناب سیدہ کے مطالبہ فدک کی ایک حسین توجیہ

واقعہ فدک میں جناب سیدہ علیہا السلام کے سوال میراث پر آپ یہ توجیہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ جناب سیدہ کے سوال
 سے اہل اسلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا معاملہ واضح ہو گیا، کیونکہ اگر آپ یہ تحریر نہ فرماتیں تو صحابہ کرام کے
 مجمع عام کے سامنے حضرت صدیقؓ یہ حدیث پیش نہ فرماتے، جس میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام مال و اسباب بطور وراثت
 نہیں چھوڑتے، ان کی وراثت علم ہے۔ اور اس حدیث کی تصدیق تمام حاضرین صحابہ کرام نے فرمائی۔ جن میں حضرت علیؓ اور
 حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔

خلفائے اشدین کی خلافت کی ترتیب کا لطیف استخراج

حضرت فرماتے تھے کہ آیت **مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اٰمَنُوْا عَلٰى الْكٰفِرِيْنَ** اللہ تعالیٰ
 کی طرف سے خلفائے اربعہ علیہم السلام کی ترتیب خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے چنانچہ **وَالَّذِيْنَ مَعَهُ** سے
خَلِيْفَةُ اَوَّلٍ اٰمَنُوْا عَلٰى الْكٰفِرِيْنَ سے حضرت خلیفہ ثانیؓ، **رُحَمَاءُ بَدِيْهِمْ** سے حضرت خلیفہ ثالثؓ اور **سَرَاهِمٌ**

۱۔ سورہ فتح آخری آیت حضور محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو ان کے اصحاب ہیں وہ کافروں پر شدید اور باہم
 جیم ہیں۔ آپ انہیں رابع اور ساجد اور اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضا کا طلب گار پائیں گے۔ (فیض)

رُكْعًا مُبْتَدِئًا إِلَىٰ آخِرِهِ سَعَىٰ حَضْرَتِ خَلِيفَةِ رَابِعِ كَعَصَبَاتِ مَخْصُوصَةٍ كِي طَرَفِ اِشَارَةٍ هِيَ كِيُوْنِكَ مَعِيَّتِ اَوْرِ صَحْبَتِ مِيْنِ حَضْرَتِ صَدِيقِ الْكَبِيْرِ، كَفَارِ پَرِشَدَّتِ مِيْنِ حَضْرَتِ عُمَرُ فَارُوْقٍ، عِلْمِ وَ كَرَمِ مِيْنِ حَضْرَتِ عُثْمَانَ غَنِيٍّ اَوْرِ عِبَادَتِ وَ اَخْلَاصِ مِيْنِ حَضْرَتِ مَوْلَانِي عَلِيٍّ مَخْصُوصِي شَانِ رَكْحَتِي تَحِيَّ.

خُلفائے اشدین کی خلافت کا نص قرآنی سے ثبوت

ایک شیعہ عالم نے ایک مرتبہ اعتراض پیش کیا کہ خلافت کا حق صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہی کو پہنچتا تھا۔ حضرت نے فرمایا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے :-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَّعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (سُوْرَةُ نُوْرٍ آيَتِ ۵۵)

اللہ وعدہ فرماتا ہے کہ تم میں سے (اے اصحاب رسول) جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اچھے عمل کیے ہیں انہیں زمین کے اندر خلافت عطا فرمائے گا۔

لہذا اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ نے ایک یا دو نہیں بلکہ دو سے زیادہ اصحاب رسول کو جو اس آیت کے نزول کے وقت مومنین صاحبین کے زمرہ میں موجود تھے خلافت فی الارض کا مستحق قرار دیا ہے اور ان سے اس خلافت کے عطیہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق واقعات عمل میں آئے۔ اگر شیعہ حضرات امام حسن علیہ السلام کی کشش ماہرہ خلافت کو بھی شمار کریں تو ان کے مسلک کے مطابق خلافت فی الارض (جو قرآن مجید کے محاورہ میں حکومت کو شامل ہے) کا وعدہ الہی صرف دو اصحاب رسول تک محدود رہتا ہے یعنی حضرت علی اور حضرت حسن علیہما السلام۔ آیت میں لفظ جمع "ہم" کے تقاضہ کو پورا کرنے کے لیے کم از کم ایک اور خلیفہ برحق کس شخص کو قرار دیں گے؟

اُس شخص نے کہا حضرت علیؑ کے فضائل کے باوجود ان کو آخری خلیفہ کیوں رکھا گیا؟ فرمایا خاتم الخلفا ہونا بھی خود ایک فضیلت ہے جیسا کہ ہمارے حضور خاتم الانبیاء تھے۔

علمائے اہل سنت کو ثنائی اہلبیت کرام کی تلقین

ایک مرتبہ بعض علمائے اہل سنت نے عرض کیا کہ فلاں مہتمم پر شیعہ اور سنی باہم مناظرہ کرنے والے ہیں۔ شیعہ صاحبان لکھنؤ سے مجتہد بٹوارہ ہیں۔ اہل سنت کی طرف سے آپ تشریف لے چلیں۔ فرمایا۔ آپ لوگ منبر پر جا کر شاذ و نادر ہی اہلبیت کرام کی توصیف بیان کرتے ہیں جس سے عوام کے اندر خیال پیدا ہو گیا ہے کہ جو عالم اہل بیت کرام کی تعریف کرے وہ مائل بہ تشیعہ ہوتا ہے اگر میں جاؤں گا تو سب سے پہلے ان حضرات کی توصیف کا حق ادا کروں گا۔ جس پر شیعہ کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ پیر صاحب شیعہ ہیں تھیہ کر کے سنی بنے ہوئے ہیں۔

امیرکن پادری کے اس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید میں ہر شے کا ذکر نہیں ہے

ایک امیرکن پادری گورنر شریف آیا اور مجلس میں داخل ہوتے ہی سوال پیش کیا کہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ قرآن شریف میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے حالانکہ حضرت امام حسینؑ جن کی زندگی میں قرآن مجید برس تک نازل ہوا تھا ان کا نام تک قرآن میں موجود

نہیں حضرت امام حسین نے اسلام کے لیے بڑی قربانی دی ہے۔ ایسے خادمِ اسلام کا ذکر تو قرآن میں ضرور ہونا چاہیے تھا۔
 حضرت نے دریافت فرمایا کہ پادری صاحب! کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے؟ کہنے لگائیں نے قرآن پڑھا ہے اور اس
 وقت بھی میری جیب میں موجود ہے۔ فرمائیے کہاں سے پڑھوں؟ آپ نے اپنے علماء کی طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا سبحان اللہ
 پادری صاحب کو بھی قرآن دانی کا دعویٰ ہے۔ یہاں سے عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔ مگر اس دعوے کی مجال
 نہیں پھر پادری سے مخاطب ہو کر فرمایا: اچھا پادری صاحب! قرآن پڑھیے کہیں سے پڑھ دیجیے: "وہ مودب ہو کر بیٹھ گیا اور
 عربی لہجے میں ترتیل سے پڑھنے لگا۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ"
 قبلہ عالم قدس سترہ نے اشارے سے روک کر فرمایا کہ بس۔ اَعُوذُ تُوَقْرٰنِ كَا حِصَّةٍ نِهَيَس۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ"
 ہے۔ اور بقاعدہ ابجد اس کے عدد ۷۸۶ ہیں۔ اب ذرا لکھیے:-

۲۱۰	=	عدد ہیں	امام حسین
۴	=	" "	سن پیدائش
۶۱	=	" "	سن شہادت
۲۶۱	=	" "	کرب و بلا
۲۰۰	=	" "	امام حسن
۵۰	=	" "	سن شہادت

میزان ۷۸۶

حضرت نے فرمایا۔ پادری صاحب! قرآن مجید کی جو پہلی آیت آپ نے پڑھی۔ اس میں ہی حضرت امام حسین رضی اللہ
 عنہ کا نام، سن پیدائش، سن شہادت، مقام شہادت، اُن کے بھائی صاحب کا نام اور سن شہادت اور دونوں بھائیوں
 کے امام ہونے کا ثبوت موجود ہے۔ آگے چلیے تو شاید ان کی زندگی کے کئی واقعات بھی مل جائیں۔
 اس پر اس لیر کی پادری نے کہا۔ عربوں کے علم ہندسہ اور جفر وغیرہ کا ذکر مستشرقین یورپ کی کتابوں میں میری نظر سے گذرا ہے
 لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں نے ان علوم کے اندر اتنی گہری ریسرچ (تحقیق) کی ہوئی ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فرمایا۔ جب مسلمان کہتا ہے کہ قرآن شریف کے اندر ہر چیز کا ذکر موجود ہے تو اس بات
 کا ایک ظاہری مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ہر اس چیز کا ذکر موجود ہے جو مذہبِ حقہ اسلام کی ضروریات میں داخل ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی
 غلط نہیں کہ ہر وہ چیز جس سے اسلام کا ذرا سا اور دور کا تعلق ہے قرآن مجید میں بیان فرمادی گئی ہے ایسی چیزوں کے لیے اس ایک جلد کتاب
 کے اندر اظہارِ معنی کے طریقے لامحالہ متعدد متصور ہوں گے۔ آپ کو اُس آدے بتایا ہوگا کہ حروفِ مقطعات کے اندر معانی اور
 مطالب کا ایک جہان پوشیدہ ہے۔ اسی قسم کی کیفیت دیگر حروف و الفاظ قرآنی کی بھی ہے۔ اگرچہ ان معانی پر انسان اپنی کوشش
 اور تحقیق سے پوری طرح مطلع نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کے باطنی رموز اور معانی پر اطلاع تحقیق اور تفتیش سے زیادہ خدائے تعالیٰ
 کے فضل اور انسان کے نیک عمل پر موقوف ہے اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے حسب حاجت ان اسرار پر مطلع فرمادیتا ہے۔
 سبحان اللہ! اسلام کے اسی درخشندہ ماہتاب اور اسی زندہ جاوید شہید یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کے والدِ گرامی باب
 علم سیدنا مولائے علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا تھا کہ میں سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھنے بیٹھوں تو کئی ضخیم جلدوں میں ایک دفتر

تیار ہو جائے۔

اللہ اللہ بآئے بسم اللہ پیر
معنی ذبح عظیم آمد پسر
حضرت بابو جی مدظلہ العالی ایک کتابی واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک تہہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی سواری سے گر پڑے اور اٹھ کر کچھ دیر اسے پڑے ہوئے آنکھیں بند کر کے کھڑے رہے۔ خادم نے پوچھا: حضرت! چوٹ تو نہیں آئی؟ فرمایا: نہیں چوٹ نہیں آئی۔ میں غور کر رہا تھا کہ اس وقت میرے سواری سے گرنے کا ذکر قرآن مجید میں کہاں آیا ہے۔ چنانچہ اب معلوم ہو گیا ہے کہ کہاں موجود تھا۔

ایک ہندو سادھو سے مسئلہ توحید پر گفتگو

حضرت فرماتے تھے کہ ایک دفعہ یہاں گولڑہ میں ہندوؤں کا ایک بڑا سادھو وارد ہوا۔ ہندوؤں نے اُس کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ میں ایک دن باغیچہ میں طلباء کو سبق پڑھا رہا تھا کہ ناگاہ وہ سادھو اپنے چند حواریوں کے ساتھ آیا اور شہوت کے درخت کے نیچے بہت دیر تک کھڑا رہا۔ جب میں فارغ ہوا تو میرے قریب آیا اور خود بخود توحید کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ طرفہ یہ کہ یہ لوگ اہل اسلام کو ان باتوں سے بے خبر جانتے ہیں۔ جب وہ کلام سے فارغ ہوا تو میں نے کہا۔ جو کچھ تم نے کہا ہے اہل اسلام بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ لیکن قابل توجہ سوال یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بالاتفاق جہل اور لاعلمی سے مبرا اور منزہ ہے اور اُس کی مخلوق دو فرقہ ہے ایک سادھو اور دوسرا گہستی ہندوؤں کی اصطلاح میں صاحب تجرید کو سادھو اور صاحب تعلق دنیوی کو گہستی کہتے ہیں پس کیا وجہ ہے کہ سادھو میں تو اُس سبحانہ و تعالیٰ کا علم ہے کہ غیر نیست ہمہ دست۔ اور غیر سادھو میں اُس کے ہمہ دست ہونے کا علم نہیں ہے؟ چاہیے تھا کہ ہر دو فرقہ کو اس امر کا شعور اور وقوف ہوتا اور نہ جہل لازم آتا ہے۔ سادھو دریائے حیرت میں غرق ہو کر لاجواب ہو گیا۔ بعدہ حضورؐ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لاعلمی تنزل کی صفات سے ہے نہ کہ اطلاق سے۔ جیسا کہ باقی لوازم بشری۔ پس جیسے باقی لوازم بشری مثل اکل و شرب وغیرہ سے مقید ہو کر اُس سبحانہ تعالیٰ کی روانے تقدس آؤدہ نہیں ہوئی یہاں بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیے۔

ایک نجومی برہمن سے مکالمہ

ایک دن مجلس برخواست ہونے کے وقت ایک فال بین برہمن حاضر ہوا۔ اور اہل نجوم کی باتیں شروع کر دیں۔ کہنے لگا حضور کا طالع اوج کمال پر ہے اور ستارہ تیسرے پایہ پر ہے وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے پوچھا۔ کیا آخر موت نہیں؟ اُس نے کہا کہ اس سے چارہ نہیں۔ فرمایا ہماری شریعت نے ایسے امور کو اسی وجہ سے فضول کہا ہے کہ نہ حصول خیر کسی کے ہاتھ میں ہے اور نہ دفع ضرر کسی کے اختیار میں، جو کچھ ہے خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے پس سعد اور نحس کے جاننے سے کیا فائدہ؟ جب آخر فنا ہے تو پھر شادی و منم برابر ہیں۔

بر لب بحر فنا منتظریم اے ساقی
فرصتے داں کہ زلب تا بدہاں ایں ہمہ نیست
(اے ساقی! ہم بحر فنا کے کنارے پر منتظر بیٹھے ہیں کہ کب پیمانہ عمر لبریز ہوتا ہے۔ اس وقت کو فرصت شمار کر کہ یہ سب حقیر سلسلہ کوئی دم میں فنا ہو چاہتا ہے)

پھر برہمن نے کہا کہ شمال مغرب میں غوغا اور فساد نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری یہ بات بھی قرآن کی تقریب سے درست ہے۔ کیونکہ اس طرف کے افغان لوگ ہمیشہ آمادہ فساد رہتے ہیں پوٹھواریوں میں ایسے کاموں کی طاقت نہیں۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ حضرت کے کمال اتباع شریعت کی دلیل ہے ورنہ عام طور پر لوگ ان چیسوں کو معیار کمال خیال کرتے ہیں۔

علم الحروف کے خواص

مفہومات طیبہ میں لکھا ہے کہ ایک روز حضرت نے علم حروف کے خواص کا تھوڑا سا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر ان کی کچھ تفصیل بیان کروں تو تم لوگ باقی علوم کو چھوڑ کر اسی طرف متوجہ ہو جاؤ گے۔ حاضرین مجلس میں سے مولوی فضل حق صاحب شاہ پوری نے عرض کیا کہ براہ کرم کچھ تشریح فرمادی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک علم عجیب ہے کہ جس کی تحصیل کے لیے مولوی غلام جیلانی صاحب پشاور جیسے متبحر عالم نے عرب کا سفر اختیار کیا تھا۔ جب ان کی نظر سے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف گذریں تو متاسف ہو کر کہلاتے تھے کہ علم تو وہاں ہی تھا۔ ہم نے علوم رسمہ کی تحصیل میں بیجا عمر صرف کی۔ ان کے ایک شاگرد مولوی عبداللہ ہزاروی بوالہ اپنے استاد صاحب کے ایک مخلص برأت علی کے جو سفر حجاز میں ساتھ گیا تھا، بیان کرتے تھے کہ ایک روز بیت اللہ شریف میں مولوی غلام جیلانی صاحب کو خبر ملی کہ ایک مغربی عالم مکہ شریف میں آئے ہوئے ہیں جو علم حروف میں کابل دستگاہ رکھتے ہیں اور مرجع خلاق بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حروف کی تعلیم کے لیے مستعدی ہوئے۔ انہوں نے فرمایا۔ کل اس کا جواب دوں گا۔ مولوی صاحب نے وجہ توقف دریافت کی تو کہنے لگے یہ علم اہلبیت کرام کے خواص سے ہے۔ آج رات استخارہ کر کے اجازت طلب کروں گا کہ آپ کو پڑھاؤں یا نہ پڑھاؤں۔ اگلے روز مولوی غلام جیلانی صاحب اس بزرگ کی خدمت میں اس خوف سے نہ گئے کہ اگر اجازت نہ ملی ہو تو عمر بھر مایوسی کا سامنا ہوگا۔ اب اُمید تو رہے گی کہ شاید کہیں سے حاصل ہو جائے۔ کیونکہ محبوب کی تمنا میں مرنا مایوسی سے بہر حال بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت کو علم الحروف سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا جس کا اظہار کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے۔ اس معاملہ میں آپ کی اپنی شان تو بہت ہی بلند تھی۔ آپ کے بعض متوسلین، جن کو آنجناب نے اس علم کا کچھ حصہ عطا فرمایا تھا۔ ان کے حالات سن کر بھی انسان حیران رہ جاتا ہے۔ خان صاحب غلام رسول خان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مرکزی سی۔ آئی۔ ڈی دہلی، جو آپ کے نہایت مخلص عقیدت مند تھے، کا بیان ہے کہ جب میں پہلی دفعہ حاضر ہوا تو عرض کیا کہ مجھے غیر مالک کی سیر کرنے، واقعات کوئیہ کے قبل از وقوع معلوم کرنے اور نسخہ کیمیا کے حاصل کرنے کا شوق ہے۔ آپ نے مجھے ایک ہفتہ قیام کرنے کے لیے ارشاد فرمایا اور اس دوران میں حروف مقطعات کا ایک قاعدہ سمجھا دیا۔ جس کے ذریعے مجھے آئندہ پیش آنے والے کئی واقعات پہلے سے معلوم ہو جاتے تھے۔ انہی ایام میں مجھے سنٹرل انٹیلی جنس بورڈ میں، جو ہندوستان میں حکومت برطانیہ کی سی۔ آئی ڈی شمار ہوتی تھی، لے لیا گیا۔ اس کی وجہ سے ایشیا اور یورپ کے اکثر ممالک کی سیر کا موقع ملا۔ اور نسخہ کیمیا بھی حاصل ہو گیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس کا عمل ناپسند تھا کیونکہ اس کی تکمیل میں اس قدر محنت اور اخراجات صرف ہوتے تھے کہ میں اسے استعمال میں نہ لاسکا۔ خان مذکور کا بیان تھا کہ میں نے ایک رسالہ لکھ کر ایک انگریز افسر کے حوالے کیا تھا۔ جس میں انگریزوں کے متعلق ہندوستان

میں آئندہ ہونے والے واقعات اور ان کی حکومت کے اختتام تک کا ذکر تھا۔ اور وہ سب واقعات بعد میں اسی طرح ظہور پذیر ہوئے جس طرح میں نے حروفِ مذکورہ کے قاعدہ سے استخراج کیے تھے۔ خان صاحب غلام رسول خان کے بعض واقعات کی تفصیل انشاء اللہ بابِ کرامات میں ہدیہ ناظرین کی جائے گی۔

اذا دخل السین فی السین ظهر قبر مہدی الدین

حضرت بابو جی فرماتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ایک روز علم الحروف کا ذکر فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ اس علم میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی تائید روزگار گزے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابن عربیؒ کی قبر ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد معدوم ہو گئی تھی لیکن آپ اپنی قبر کے معدوم ہو کر پھر ظاہر ہونے کے متعلق خود ہی ارشاد فرما گئے تھے کہ اِذَا دَخَلَ السِّينُ فِي السِّينِ ظَهَرَ قَبْرُ مُحَمَّدٍ الدِّينِ۔ جب سلطان سلیم شام میں داخل ہوا تو آپ نے اُسے خواب میں فرمایا کہ میری قبر فلاں جگہ پر ہے۔ چنانچہ سلطان نے اس کو برآمد کر کے اُس پر قبۃ بنوایا۔ اور اُس وقت آپ کے اس قول کے معنی واضح ہو گئے۔

۱۹۶۲ء میں بندہ راقم الحروف نے ایک روز مولانا احمد رضا خان صاحب بریلویؒ کے موقوفات حصہ اول میں اُن کا یہ ارشاد پڑھا کہ میں نے یہ دونوں واقعات یعنی ۸۴۰ھ ہجری کے قریب سلطنتِ اسلامیہ کا زمانہ اور سنہ ۱۹ھ میں حضرت امام مہدیؑ کا ظہور سید المکاشفین حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے اخذ کیے ہیں۔ راقم الحروف نے حضرت قبلہ بابو جی کی خدمت میں اس امر کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ظہور امام مہدی علیہ السلام سے قبل کئی زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ بعض اوقات آیت کریمہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ پڑھ کر تبسم فرمایا کرتے تھے۔

بعض طنزیہ اشعار کی تفسیر

راولپنڈی کے ایک پادری صاحب حضرت سے ملاقات کے لیے آئے اور واپس جا کر بائبل کا ایک نسخہ تحفہ آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت نے شکر یہ کے ساتھ یہ شعر لکھوا کر واپس فرما دیا۔

بہ شہر پُر زخوباں منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم خوشخون کند جس نگاہے
(سارا شہر حسینوں سے بھرا پڑا ہے لیکن میں کسی چاند کے خیال میں مگن ہوں۔ کیا کروں میری خوش مزاج آنکھ کسی اور طرف دیکھنے کی روادار ہی نہیں ہے)

اصل شعر میں شاعر نے چشم بدخوبانہا تھا مگر حضرت نے خوشخون کند کہا اسے نہایت ہی حسین کر دیا ہے۔

اپنی بعض مناظرانہ تصانیف میں مخالفین کے طنزیہ اشعار اور مطاعن کو نہایت خوبصورتی سے اُنہی پر منقلب فرمادیتے جس کا پورا لطف اُن کے مطالعہ ہی سے مل سکتا ہے۔ قادیانی مولوی محمد احسن امروہی صاحب نے اپنی کتاب شمسِ بازغہ میں یہ شعر چسپت کیا تھا۔

چہ ہیبت ہا بدادند این جوان را
کہ نماید کس بمیدان محمد
(اس جوان کو کیسی ہیبت ملی ہے کہ کوئی میدانِ محمد میں مقابلے پر نہیں آتا)

لے ترجمہ: جب سین (یعنی سلطان سلیم شہین) میں داخل ہوگا تو محی الدین کی (یعنی ہماری) قبر ظاہر ہوگی۔ (فیض)

حضرت سیفِ چشتیانیؒ میں جو اباجلسہ لاہور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-
 چہ ہیبت زو نمود این میس زارا کہ نامد او بمیدان محمد
 بہ لاہور از رسیدے حسب دعوت چہ دیدے ز غلمان محمد
 (اس مرزا پر کسی ہیبت سوار ہوئی کہ وہ میدان محمد میں مقابلہ پر نہ آیا۔ اگر حسب وعدہ لاہور
 میں آتا تو غلامان محمد کے کمالات دیکھتا)

قادیانی مولوی صاحب حضراتِ چشتیہ کے سماعِ برطن کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 فدع صاحب المزمار والذف والغنا وما اختار ذمنا طاعة الله مذها
 ويعلم ما قد كان فيه حياته اذا حصلت اعماله كلها
 ترجمہ۔ بانسری دف اور راگ والے کی بات چھوڑ جس نے ان چیزوں کو اور دیگر طاعات کو مذہب بنا رکھا ہے
 اُسے زندگی بھر کے اعمال کا انجام اس وقت معلوم ہوگا جب کہ آخرت میں سب برباد ہو جائیں گے۔
 حضرت جواب میں فرماتے ہیں :-

فدع صاحب التحريف والطمع والهوى وما اختار ذمنا جمع الدرهم مذها
 ويعلم ما قد كان فيه حياته اذا صيرت اعماله كلها
 ترجمہ۔ اُس کی بات چھوڑ جس نے آیاتِ الہیہ کی تحریف، طمع و خواہشِ نفسانی اور فراہمی زر کو اپنا مذہب
 پسند کر لیا ہے۔ اُسے اپنی زندگی کے کرتوتوں کا اُس وقت علم ہوگا جب کہ میدانِ حشر میں اُس کے سب
 اعمال ہباء منثورا کر دیئے جائیں گے۔

پاک تین شریف کے بہشتی دروازہ پر اعتراضات کے جواب

حضرت تقریباً ہر سال پاک تین شریف میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر حاضر ہوتے تھے قصور اور
 ریاست بہاول پور کے غیر مقلد علماء متواتر کئی سال وہاں پہنچ کر آپ سے سوال کرتے رہے کہ کیا آپ عالم ہو کر اس بات کو درست
 مانتے ہیں کہ جو شخص بابا صاحبؒ کے روضہ کے بہشتی دروازہ سے گزر جائے وہ جنت کا سزاوار ہو جاتا ہے؟ حضرت جواب
 میں ہر سال نیا استدلال پیش فرماتے۔

مولوی غلام قادر چکو کہ تحصیل منجن آباد نے یہی سوال کیا تو فرمایا: کیا یہ حدیث صحیح نہیں کہ مومن کی قبر روضۃ من ریاض الجنۃ
 ہوتی ہے؟ اُس نے کہا: صحیح ہے۔ فرمایا: جب لفظ جنت کا اطلاق مومن کی قبر پر صحیح ٹھہرے تو اُس کے دروازے کو بہشتی دروازہ
 کہنے پر کیا اعتراض ہے؟ مولوی صاحب نے کہا: اس لفظ کا جواز تو درست ہو مگر یہ فرمائیے کہ حضرت بابا صاحبؒ کے مقبرہ
 کے اسی ایک دروازے میں کیا خصوصیت ہے کہ اسے بہشتی دروازہ کہا جائے؟

آپ نے فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب النہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ میں نے بحشم ہر
 عالم ظاہر میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بحجم اطہر جمعہ چہار یار یکبار ۶۰۰ محرم کی درمیانی رات کو اس دروازہ سے گزر کر
 مقبرہ کے اندر تشریف لے جاتے دیکھا ہے اور حضور کا یہ ارشاد سنا ہے کہ مَنْ دَخَلَ هَذَا الْبَابَ فَقَدْ أَمِنَ رَجُلًا مِنْ رِجَالِ

میں داخل ہوا وہ امن میں آگیا اور مومن ہوا، مشرکِ ظالم کا بھی اس پر اتفاق رہا ہے۔
اس کے بعد مولوی صاحب نے اعتراض کیا۔ کہ زائرین فرید۔ فرید کیوں پکارتے ہیں، اللہ اللہ کیوں نہیں کہتے؟ حضرت نے فرمایا کہ عرس کے موقع پر زائرین کا پورا نعرہ یہ ہوتا ہے :-

اللہ - محمد - چاریار - حاجی - قطب - فرید

وہ لفظ فرید کو مکرر نہ کر رکھ دیتے ہیں اور اس چیز کے جواز میں قرآن مجید کی ایک آیت موجود ہے: "مولوی صاحب نے چونک کر کہا: وہ کونسی آیت ہے؟ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :-

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاَشْكُرُوا لِي وَ لِكُلِّ
تَكْفُرُونَ - (پارہ ۲ - بقرہ - آیت ۱۵۲) کرو اور کفر نہ کرو۔

اور فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آخری دم تک اللہ کا ذکر کیا۔ اب اللہ اپنی مخلوق کی زبان سے اپنے پیارے بندے فرید کا ذکر کر رہا ہے۔ آج سات سو سال سے اذکرکم کا وعدہ پورا ہو رہا ہے اور قیامت تک انشاء اللہ یونہی ہوتا ہے گا کہ ہر سال ہزار ہزار مخلوق یہاں جمع ہو کر فرید۔ فرید کے نعرے لگاتی رہے گی اللہ تعالیٰ جسم اور مکان سے پاک ہے اور یہ اُس کے ذکر کرنے کی ایک صورت ہے۔

قصور کے ایک مولوی صاحب سے بھی قبلہ عالم نے یہی فرمایا تھا کہ میں تو یہاں (یعنی پاک پن شریف میں) فاذکر ذرا لئی اذکرکم کا نقشہ دیکھنے آتا ہوں۔ ایک اور موقع پر آپ نے اُس حدیث پاک سے استدلال فرمایا جس میں ارشاد ہے کہ جمع ذاکرین پر ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی کسی دنیوی غرض کے لیے اس مجمع میں شامل ہو گیا ہو، اُسے بھی ثواب اور مغفرت میں داخل کر لیا جائے کیونکہ لَا يَشْفِي جَلِيْسُهُمْ (ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والے شقی نہیں ہوتے) اس موضوع پر رسالہ عجالہ بردو سالہ میں آپ کے نظریہ کو حضرت مولانا محمد غازی صاحب نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

بیعت طریقت پر اعتراض کا جواب

اس کے بعد بیعت کی بحث چلی۔ مولوی غلام قادر نے کہا: میری بیعت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ یہی حال ہر مسلمان کا ہونا چاہیے۔ بزرگوں کے ساتھ ظاہری بیعت کی کوئی ضرورت نہیں۔
حضرت نے فرمایا: اس طرح تو ساری اُمت کی اصل بیعت اور متابعت حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ کی ذات پاک سے درست ثابت ہوتی۔ لیکن یہ جو تیرہ سو سال سے اُمت کے لاکھوں کروڑوں اولیاء، علماء اور صاحبین بیعت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا وہ تمام غلطی پر تھے اور تم اکیلے حق پر ہو؟ اس مناظرہ کا یہ اثر ہوا کہ مولوی غلام قادر صاحب نے اسی وقت اصرار کر کے حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔

حضرت شمس تبریزی کے ایک شعر کا حل

ایک مرتبہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کے معنی دریافت کیے گئے :-

ازہفت مادرزادہ ام از نہ پدر اُفتادہ ام یک رنگ خواہم ہر دور امن عاشق دیرینہ ام

فرمایا۔ ہفت مادر سے اربعہ عناصر (آب و باد و خاک و نار) اور موالید ثلاثہ (جمادات۔ نباتات اور حیوانات) مراد ہیں۔ اور نہ پدر سے نو آسمان کیونکہ تمام علوم علوی اور معنوی انسان کے وجود کے اندر موجود ہیں۔

خلاف اللزجاج کی ترکیب

حضرت شیخ الجامعہ بہادری (مولانا غلام محمد سابق گھوٹوی) اپنی ایک قلمی یادداشت میں لکھتے ہیں :-
 اللہ۔ اللہ۔ حضرت کی ذہانت کا کیا کہنا۔ مشکل سے مشکل مسئلہ ہو یا مشکل سے مشکل اشکال پہلی توجہ میں حل ہو جاتا تھا۔ مطالعہ اور تفسیر کے کیا معنی۔ محض توجہ کی دیر سوتی تھی۔ بڑے بڑے فضلاء کو دیکھا کہ ان سے جو مقام سخت مطالعہ اور محنت سے حل نہیں ہو سکتا تھا حضرت نے ایک بار نظر ڈالتے ہی حل فرما دیا۔ حضرت کی ذات بابرکات کو اللہ تعالیٰ نے صاحبِ قوتِ قدسیہ بنایا تھا۔ مناظرہ میں اور اسکاٹ خصم میں اس قدر کمال تھا کہ مناظرین کے سوال سے جواب نکالا کرتے تھے اور ان کی اپنی کلام سے انہیں الزام دیا کرتے۔
 ایک دفعہ اُستادی مولانا حافظ محمد جمال الدین گھوٹوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دریافت فرمایا کہ خلاف اللزجاج کی کیا ترکیب ہے۔ خلاف اللزجاج کی ترکیب جنوبی علاقہ والے علماء کے نزدیک یہ ہے کہ خلاف مفعول مطلق ہے فعل محذوف خالف کا اور خالف کا فاعل ضمیر مستتر ہے جو ہذا القول کی طرف راجع ہے۔ اور اللزجاج جار مجرور متعلق کائنات کے ہے جو صفت ہے خلاف کی۔

حضرت نے یہ ترکیب بیان فرما کر اس پر اعتراض کیا۔ کہ ہذا القول جو جمہور کا مذہب ہے اس کی طرف مخالفت کی صراحتہ نسبت کرنا دلالت کرتا ہے کہ اصل قول لزجاج ہے اور جمہور کا قول اس اصل کے خلاف ہے جیسا کہ باب مفاعلہ کا مقتضی ہے حالانکہ اصل جمہور کا قول ہے جو مذہب اور معمول یہ ہے اور مخالفت لزجاج نے کی ہے لہذا مزجج قول ہے اور اس پر عمل نہیں ہے مناسب تو یہ تھا کہ مخالفت کی صراحتہ نسبت لزجاج کی طرف ہوتی۔ حضرت اُستاد صاحب اس اعتراض کا جواب نہ دے سکے۔ آپ نے فرمایا کہ خالف محذوف کا فاعل لزجاج اور لام جو لزجاج پر داخل ہے وہ تقویۃ عمل کے لیے ہے۔ اس واسطے کہ جو فعل محذوف ہو یا مؤخر ہو تو معمول پر لام تقویۃ عمل کے لیے لایا جاتا ہے۔ سب علمائے جنوبی پنجاب حیران رہ گئے کہ کیا اعلیٰ ترکیب فرمائی ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ میں کسب اور اکتساب کا فرق

میں کافیہ پڑھتا تھا کہ پشاور کی طرف سے دو بڑے فاضل آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (لائیہ) میں کسبت اور اکتسبت کا فرق کیوں فرمایا گیا ہے۔ دونوں جگہ کیساں کیوں نہیں فرمایا حضرت نے فرمایا کہ زیادہ معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ لام انتفاع کے لیے ہے اور علی ضرر کے لیے ہے۔ ترجمہ۔ اُس کے فائدے کے لیے ہے جو اُس نے کسب کیا۔ اور اُس کے نقصان کے لیے ہے جو اُس نے کمایا۔

ہے یعنی بعد جو نیک کام کرے چاہے عمدہ کرے یا خطا یا نسیاناً بہر کیف نیک کام جس بیخ سے بھی ہو وہ نافع ہے اور بد کام اُس وقت پر مُضر ہے جب عمدہ کیا جائے۔ پس اکتساب میں تعدد کے معنی زاید ہیں اور کسب میں تعدد نہیں بلکہ تعمیم ہے۔

قصہ خضر و موسیٰ میں الفاظ آیت کی تشریح

ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا کہ قصہ خضر و موسیٰ علیہما السلام میں فَأَرَادَ رَبُّكَ اور أَرَدْنَا اور أَرَدْتُ کے فرق کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا۔ جہاں خیر محض ہے وہاں نسبت جناب باری تعالیٰ کی طرف ہے جہاں شر ہے جیسے أَرَدْتُ أَنْ أَعِينَهَا وہاں نسبت خضر علیہ السلام نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ جہاں دونوں ہیں وہاں متکلم مع الغیر کا صیغہ ارشاد ہوا ہے تاکہ خیر کی نسبت ادھر ہو جائے اور شر کی نسبت اپنی طرف تاذ بآ مع اللہ تعالیٰ در عایة لِّجَانِبِهِ جَلَّ جَلَالُهُ۔

الغرض حضرت اگرچہ آخر میں کتب درسیہ کی تدریس و تعلیم کا شغل نہیں رکھتے تھے مگر پھر بھی نہایت ادق سے ادق مقام یا مشکل سے مشکل عبارت کی وضاحت فوراً فرما دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے معقولی اور ریاضی دان آپ کے سامنے طفلِ مکتب معلوم ہوتے تھے۔

حُرْمَتِ ذَنْحِ فَوْقِ الْعَقْدَةِ كِتَابِ تَشْرِيحِ

مولانا محمد النبی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک سال جب پاک پتن شریف سے واپسی پر لاہور میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تو چند علمائے لاہور نے حاضر ہو کر حضرت کی تصنیف "اعلام کلمۃ اللہ" میں سئلہ حرمتِ ذنح فوق العقدہ کے متعلق تشریح چاہی۔ آپ نے حوالہ جات فقہ پیش کرنے کی بجائے لاہور کے ایک لائق حکیم کو بلوایا اور کہلا بھیجا کہ کتاب تشریح الابدان بھی لیتے آئیں حکیم صاحب کتاب لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے ایک ذنح شدہ بکرے کا سر منگوا یا اور حکیم صاحب سے فرمایا کہ لے متعلقہ آیات یہ ہیں:-

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِينَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُ مُرْقِدًا يَا أَخِي أَخَذْتُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَضْبًا وَأَمَّا الْعُلُوقُ فَكَانَ أَبُوهُمُ الْمُؤْمِنِينَ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَأَرَدْنَا أَنْ يُبَدِّلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زُكُوًّا وَآخِرُ بَرِّ رَحْمَاهُ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا

(ص ۷۹ تا ۸۲)

ترجمہ۔ رہی کشتی سو مسکینوں کا مال تھا جو دریا میں محنت کرتے تھے پس میں نے ارادہ کیا کہ اس میں عیب ڈال دوں کیونکہ ان کے رے ایک بادشاہ ہے جو تمام کشتیوں کو زبردستی پکڑ لیتا ہے۔ اور رہا لڑکا جسے قتل کیا تھا، تو اس کے والدین ایماندار تھے سو میں اندیشہ ہوا کہ انہیں کشتی اور کفر میں گرفتار نہ کر دے سو ہم نے ارادہ کیا کہ ان کا پروردگار اس سے بہتر (میتا) بدل دے پاکیزگی میں اور نزدیک تر مہربانی میں! اور رہی دیوار جسے بلا اجرت تعمیر کر دیا تھا، تو شہر کے دو یم بچوں کی ملکیت ہے اور اس کے نیچے ان کے لیے خزانہ دفن ہے اور ان کا والد نیک بخت تھا پس تیرے بننے ارادہ فرمایا کہ وہ جوان ہو کر اس خزانے کو خود نکالیں اپنے پروردگار کی رحمت باعثِ اور میں نے اپنے حکم سے نہیں کیا یہ تھی حقیقت اُس چیز کی جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔

تشریح الابدان سے بحث عروق پڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے سر کی رگیں دکھا کر اور کتاب پڑھ کر واضح کیا کہ دو جین (دو شہ رگیں) دماغ تک پہنچتی ہیں اور دو دیگر رگیں (حلقوم اور مری) عقدہ کے نچلے حصہ سے متصل ہوتی ہیں۔ جب مشاہدہ کی بنا پر مری اور حلقوم کا انتہا معلوم ہو گیا کہ وہ عقدہ کے نیچے آکر ملتی ہیں تو آپ نے جماعت علماء سے فرمایا کہ اب فیصلہ آپ پر ہے کہ آیا فوق العقدہ ذبح کی صورت میں چاروں رگیں قطع ہو جاتی ہیں یا دو۔ اور علماء نے عرض کیا کہ اب ہم کو یقین ہو گیا ہے کہ جو آپ نے لکھا ہے صحیح لکھا ہے۔

کلیر شریف کا مناظرہ اور اس کے متعلق ایک مکتوب

ایک مرتبہ آپ حضرت مخدوم علامہ الدین علی احمد صابر قدس سرہ العزیز کے عرس پر کلیر شریف میں حاضر ہوئے جس کے لیے دیوان حساب کلیر شریف نے دعوت دے رکھی تھی۔ حضرت کی تشریف آوری کی قبل از وقت اطلاع ملنے پر ہندوستان کے بہت سے علماء اور اُمراء بھی خصوصیت سے آپ کی زیارت کے خیال سے کلیر شریف پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ عوام و خواص کے ایک بڑے اجتماع میں انیسٹھ کے ایک مشہور مناظر مولوی نذیر احمد صاحب اپنی ایک جماعت لے کر آگئے جن میں ان کے چند معتقد اُمراء بھی شامل تھے اور آتے ہی عرض کی کہ میں ایک اعتراض کا جواب چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا اعتراض ہے؟ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خواب دیکھا تھا اس میں منڈھے ہی کی قربانی کا حکم تھا۔ انہیں خواب کی تعبیر میں غلطی ہوئی کہ اپنے صاحبزادے کی قربانی کا حکم سمجھا۔ پس جب نبی کو خواب کی تعبیر میں غلطی ہو سکتی ہے تو حضرت شیخ اکبر کا یہ خواب کہ انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کتاب فصوص الحکم سطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اسے اولیائے امت تک پہنچاؤ اپنی تعبیر میں کیونکر لازمی طور پر صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ پھر جس کتاب کی اصلیت ہی مشکوک ہو گئی ہو وہ صوفیاء کے نزدیک کیوں کر محبت مانی جاسکتی ہے؟

مولوی صاحب نے تقریر کو خاصہ طویل دیا اور اس کے احاطہ میں حضرت شیخ اکبر کے کئی نظریات، بالخصوص وحدت الوجود پر معقولی اور منقولی اعتراض کیے۔ اس طوالت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جب وہ تقریر ختم کرتے تھے تو حضرت فرمادیتے۔ کچھ اور؟ چنانچہ اس دوران میں آپ تیسرے پڑھتے رہے اور ان کی تقریر بھی سنتے رہے۔ جب مناظر صاحب نے فرمایا کہ بس۔ تو حضرت نے تیسرے مبارک ہاتھ سے رکھ دی اور آستین چڑھا کر پہلے سوال کیا۔ کیا آپ نے فصوص الحکم پڑھی ہے؟ کہا۔ نہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ فصوص الحکم اس طرح شروع ہوتی ہے: الحمد لله المنزل للکلم علی قلوب الکلم۔ اس کا معنی فرمائیے۔ انہوں نے الحمد للہ کے معنی کیے: سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ آپ نے پوچھا۔ سب کس لفظ کا معنی ہے؟ کہا۔ الف لام کا۔ حضرت نے فرمایا۔ تعریف تخصیص کے لیے ہوتی ہے اور لفظ سب تعمیم کے لیے ہے کہ معنی کل ہے تو جو لفظ تخصیص کے لیے موضوع ہو اس پر تعمیم جو اس کے مدلول کی نقیض ہے کس طرح دلالت کرے گی؟ جواب میں مولوی صاحب خاموش تھے۔

اس کے بعد حضرت نے ان کے اعتراضات کے جواب میں مفصل تقریر فرمائی جس پر مولوی صاحب نے برسر مجلس اپنے عجز کا اعتراف کیا اور استاد عاقل کی کہ اپنی شاگردی میں قبول فرما کر حضرت شیخ اکبر کے علوم سے بہرہ افروز نہ مائیں جب حضرت عصر کے وقت جناب سجادہ نشین صاحب کلیر شریف کی ملاقات کے لیے گئے تو یہ مناظر وہاں موجود تھے۔ ایک معزز نووارد نے انہیں مولوی صاحب کہہ کر علیک سلیک کیا۔ جس پر اس باانسان نے کہا۔ صاحب! آج کے بعد کوئی شخص مجھے مولوی

نکے " اور حضرت کی طرف اشارہ کر کے کہا: مولوی تو وہ بیٹھے ہیں جن کے مقابلہ میں ہمیں مولویت کی ہوا بھی نہیں لگی " حضرت شیخ الجامعہ صاحب نے اپنے مسودات میں لکھا ہے کہ میں ان دنوں رام پور اسٹیٹ میں مولینا فضل الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتا تھا اور وہ ان مولوی نذیر احمد صاحب انیسٹروی کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ شخص ایسا مناظرہ کرتا تھا کہ مخاطب کو بات نہیں کرنے دیتا تھا اور دونٹ میں مقابل کو چپ کر دیتا تھا۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے اس کے اصل اعتراض کے بارہ میں مولوی محرم علی صاحب چشتی صدر انجمن نعمانیہ لاہور کو فارسی میں ایک خط تحریر فرمایا تھا جس کے متعلقہ حصہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

محبت نامہ مثل بر اظہار فہرہ اشتیاق اراکین انجمن نعمانیہ صانہ اللہ عن المعن والفتن در بارہ حصول شرف جلسہ متبرکہ پہنچا۔ لیکن قطع نظر دیگر موانع کے جن میں سے ہر ایک کافی وزنی ہے جلسہ کی حاضری سے مندرجہ ذیل نصب العین زیادہ تر ممانع ہوا ہے۔

غالباً ایسے اجتماعوں میں مختلف مسلک اور ذوق کے لوگ شریک ہوتے ہیں کہ جن کی موافقت اہل اللہ کی تصویب اور تعظیم پر بالخصوص قائلین وحدت الوجود کے متعلق، ممانعات عادیہ سے ہے۔ اور مخالفانہ کلمات کے استماع پر بوجہ اس دیوانگی ہائے عشق کے جوڈے گا کہ ان حضرات شاہبازان عالم قدس کی ذوات کے ساتھ ہے سکوت مشکل ہو جاتا ہے اور جرات گفتگو بھی مناسب نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس موضوع پر بحث عالم عقل کی سرحدات عبور کر جاتی ہے۔

ہرگز در بیش و کم نے باید زد از حد بیرون قدم نے باید زد
عالم ہمہ برات جمال ازلی ست مے باید دید و دم نے باید زد
چنانچہ چشم دید اجاب ہے کہ اس سال پیران کلیر شریف میں جب فضلاء عصر سے ایک صاحب نے
حجۃ اللہ الی الخلق شیخ اکبر کی ذات پر جناب مولانا فضل حق مرحوم کی تحویل اور تقلید میں اعتراض کیا۔ حتیٰ کہ
رشتہ سخن کو معاذ اللہ تکفیر پر پہنچا دیا تو فقیر کی یہی دیوانگی چمک اٹھی۔

حاصل اعتراض یہ تھا کہ صاحب خصوص نے چونکہ فصیح تھی میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی تغلیط کی ہے اور اسے قبیل وہم سے شمار کیا ہے تو پھر خصوص خود کیونکر قابل اعتبار ہو سکتی ہے کہ وہ بھی حسب بیان شیخ عالم روایا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیخ کو ملی ہے۔

ایسے حضرات کے کلام پر اس قسم کے شکوک اور اعتراضات کی وجہ جہالت اور بے خبری کے سوائے اور کچھ نہیں ہوتی۔ میں نے اس اعتراض کے جواب میں عرض کیا کہ اس فصیح میں شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود خوابوں کی ترتیب اور تقسیم ہے یعنی بعض خواب تعبیر طلب ہوتے ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں شیر نوش فرمانا اور پیمانہ شیر کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمانا۔ اس میں شیر کی تعبیر حضور نے علم سے کی۔ اور بعض خواب تعبیر طلب نہیں ہوتے۔ بلکہ خواب میں جو کچھ نظر آتا ہے بعینہ وہی چیز سیداری میں واقع ہوتی ہے مثلاً کوئی دو شنبہ کی رات کو خواب میں دیکھے کہ فاضل گولڑہ میں آیا ہے اور اس روز فاضل

یعنی جبر امتدال سے قدم نہیں بڑھانا چاہیے۔ عالم کائنات جمال الہی کا آئینہ ہے بس دیکھتے رہو اور دم نہ مارو۔

اور ان مستفیدانِ قدس کی ان کیفیات سے انکار کرتے ہیں وہ اپنے جہل سے مجبور ہیں۔ البتہ ہر مدعی صاحب ہوا ہو اس چیز کا سزاوار نہیں کہ ان صاحبانِ دولت کی ہمسری میں لاف زنی کرے۔ اور خطابی التبعیر کو اپنے غلط مکاشفات اور پیشین گوئیوں کے لیے سپر بنائے۔ کیونکہ تبعیر میں بھی بقا علی الخطا صاحبِ وحی اور اُس کے متبعین سے مراحلِ دور اور بعید ہے۔ چنانچہ بعض متنبیانِ زمانہ حال حضور نبی کریم کے مکاشفِ نزولِ مسیح ابن مریم کو خطابی التبعیر کی قبیل سے گمان کرتے ہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ معصوم اپنی موت تک بھی خطا سے آگاہ نہ ہو اور خطا پر قیامِ مصومیت کے منافی ہے..... الغرض حضرت شیخ نے خوابِ ابراہیمی کو غلط اور وہم نہیں فرمایا بلکہ تبعیری کی بجائے عینی سمجھ لینے میں اجتہاد کی ہنگامی غلطی کا ذکر کیا ہے۔ (جس غلطی پر وہ آگاہ کر دیئے گئے اور جو غلطی برکات کا ایک جہان اپنے جلو میں لائی).....

داعی مہر علی شاہ از گولڑہ بقلم خود

مولوی حسین علی صاحب (واں پھچراں) کے ساتھ مناظرہ

مولوی حسین علی صاحب واں پھچراں کے مناظرہ کی کیفیت حضرت شیخ الجامعہ صاحب بہاولپوری کی مندرجہ ذیل تحریر سے بہتر نہیں مل سکتی۔ وہ خود اس موقع پر حاضر تھے۔ بلکہ اس مناظرہ کے لیے ایک فریقِ شمار کیے گئے تھے، لکھتے ہیں:-

میانوالی میں ایک موضع ہے واں پھچراں، وہاں ایک مولوی صاحب گذرے ہیں جن کا نام حسین علی صاحب تھا۔ وہ مولانا سلطان احمد صاحب تلہیری کے شاگرد تھے۔ بعد میں مولوی احمد حسن صاحب کانپوری کے یہاں جا کر تحصیل تمام کی اور حدیث کا دورہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے یہاں کیا۔ اور پھر وطن واپس آکر درس و تدریس شروع کی۔ حضرت عمدۃ الواصلین خلیفہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین موسیٰ زئی شریف کے خلیفہ مجاز تھے مگر اعتقادات غیر مقلدانہ رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور نذا کے سخت منکر تھے اور اس کو کفر و شرک قرار دیتے تھے ایسے ہی یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیبا اللہ کی نذا کو کفر و شرک کہتے تھے۔ اور سلسلہ چشتیہ کے سخت مخالف تھے۔

ہمارے حضرت کی عادت مبارک تھی کہ سال میں دو دفعہ سفر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے شیخ طریقت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس مبارک کی حاضری کے لیے اور دوسری دفعہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس شریف کے لیے ایک مرتبہ آپ پاک پتن شریف جانے کے لیے تیار تھے۔ کہ ملک مظفر خان فرزند ملک محمد امیر خان ساکن واں پھچراں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس دفعہ واں پھچراں میں ہماری دعوت قبول فرمائی جائے۔ آپ نے بوجہ اس کے کہ ملک محمد امیر حضرت کا پیر بھائی تھا دعوت قبول فرمائی اور جب آپ پاک پتن شریف پہنچے تو مولوی حسین علی صاحب نے حضرت کی خدمت میں ایک جسطری لفاظی بھیجا کہ اگر آپ واں پھچراں میں ملک صاحب کی دعوت پر تشریف لائے تو آپ کو میرے ساتھ مناظرہ کرنا ہوگا۔ اور مناظرہ علم غیب کے مسئلہ میں ہوگا۔ اور ندائے یار رسول اللہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی پر اور سماع موتی پر ہوگا۔ حضرت نے وہ خط محفوظ رکھنے کا حکم فرمایا۔

جب حضرت مظفر گڑھ کے اسٹیشن پر تشریف لائے تو آپ نے مجھے فرمایا کہ غلام محمد، واں پھراں میں کوئی مولوی صاحب ہیں۔ وہ مجھ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ تم میرے ساتھ چلو۔ تم بھی مولوی ہو وہ بھی مولوی ہیں۔ مناظرہ کر کے ہمیں بھی واقف کر دینا تاکہ ہم اس پر عمل کریں۔ یہاں آپ نے ایسے لفظ انکسار کے فرمائے کہ جن کے لکھنے سے شرم آتی ہے۔

حضرت وہاں سے شاہ عالم تشریف لے گئے۔ شاہ عالم کے قریب حضرت کا ایک مخلص مولوی نور محمد ڈورا (بہرا) سکونت پذیر تھا۔ حضرت کو اس کے حال پر بہت توجہ تھی۔ اس کی خاطر شاہ عالم اسٹیشن پر چوبیس گھنٹے قیام فرمایا کرتے تھے۔ شاہ عالم سے روانہ ہو کر آپ میاںوالی کے بعض مخلصین کے عرض کرنے پر میاںوالی تشریف لے گئے۔

مولوی حسین علی صاحب ہیں آدھکے آدھکے اور یہیں مناظرہ کے طالب ہوئے حضرت نے اس کے حوالوں سے فرمایا کہ میں اپنے اشغال میں مصروف ہوں اور واں پھراں تک دو گھنٹے بچا سکوں گا۔ اگر آپ کو مناظرہ کرنا ہے تو حسب تحریر اور حسب وعدہ واں پھراں میں اس کا انتظار کریں اور یہاں میرے وقت کو ضائع نہ کریں۔ ایک بجے کے قریب گاڑی میاںوالی سے واں پھراں کو روانہ ہوئی۔ حضرت وہاں تشریف فرما ہوئے۔ ملک مظفر خاں کے بنگلہ میں نزول اجلال فرمایا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مولوی حسین علی کے مریدوں نے حضرت کے رفعتے سفر کے ڈیروں پر چکر لگانا شروع کر دیا اور سماع موتی کے انکار اور عذاب قبر کے متعلق تقریریں شروع کر دیں۔ حضرت کے رفعتے نے بھانپ لیا کہ مقصود ان کا فساد کرنا ہے۔ انہوں نے نہایت حوصلہ اور علم سے کام لیا تاکہ جب رات کے بارہ بجے کا وقت ہوا تو معلوم ہوا کہ مولوی حسین علی صاحب منادی کر رہے ہیں کہ صبح تمام قصبہ کے لوگ میرے مناظرہ میں شریک ہوں جو میں (حضرت) پیر صاحب سے کرنے والا ہوں۔ اور اپنے دنیوی کاموں کو اگلے دن پر چھوڑ رکھیں۔ حضرت کا ارادہ پہلے بذات خود مناظرہ کرنے کا نہ تھا بلکہ آپ نے مجھے صریح فرمایا تھا کہ مناظرہ تم کرنا مگر اب آپ کا ارادہ بدل گیا اور فرمایا کہ بہت جلدتر ہے۔ اس کا تکرر دہرا کرنا ضروری ہے۔ صبح ۹ بجے مولوی حسین علی صاحب کے ایک مشہور شاگرد جو اب تک زندہ ہیں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے مولوی حسین علی صاحب نے شرائط مناظرہ طے کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ میں نے کہا بسم اللہ۔ اس نے کہا کہ مناظرہ تمہاری طرف سے کون ہوگا؟ میں نے کہا کہ احقر غلام محمد گھوٹوی۔ پہلے تو اس نے انکار کیا اور کہا کہ مناظرہ (حضرت) پیر صاحب ہوں گے لیکن تھوڑی سی گفتگو کے بعد وہ مان گیا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا منشا شروع سے ہی یہی ہے۔ دوسری شرط یہ تھی کہ مسئلہ علم غیب پر دلائل محض فقہ حنفی کی کتابیں ہوں گی قرآن شریف اور حدیث شریف کو دلیل کے طور پر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ میں نے انکار کیا اور کہا کہ کیا قرآن شریف اور حدیث شریف اب منسوخ ہو گئے ہیں؟ نیز فقہائے حنفیہ، فقہ کی کتابوں میں قرآن شریف کی آیات اور حدیث شریف سے استناد کرتے ہیں تو فقہ حنفی اور قرآن و حدیث کا انفاک ہی مقصود نہیں۔

ہم یہ باتیں کر رہے تھے اور تقریباً دس ساٹھ دس کا وقت تھا کہ حضرت کی طرف سے پیغام آیا کہ مجھ سے کسی صاحب نے اگر کوئی مسئلہ پوچھنا ہو یا کوئی اور بات کرنی ہو تو ملک مظفر خان کے بنگلہ پر چلے آئیں۔ یہ سن کر تمام جمع بنگلہ کی طرف دوڑ پڑا۔ وہاں حضرت ایک مصطلے پر تشریف فرما تھے۔ تمام حاضرین کے لیے قالینیں بھی ہوتی تھیں۔ حضرت کا روتے مبارک بنگلہ کے دروازہ کے محاذ جنوب کی طرف تھا۔ یہ اس وقت حضرت کے متصل بائیں جانب بیٹھا تھا۔ مولوی حسین علی صاحب کا انتظار تھا۔ مولوی صاحب کا آدمی آیا کہ بنگلہ ملک صاحبان کا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں وہاں جاؤں تو میری ہتکنت کی جائے گی۔ حضرت نے ملک محمد امیر صاحب کو فرمایا کہ تم خود جاؤ اور میری ذاتی ضمانت پیش کرو کہ اگر آپ کا بال بھی بیکا ہو تو میں ذمہ دار ہوں گا۔ ملک محمد امیر خان بصد اعزاز مولوی صاحب کو لے آئے۔ مولوی صاحب اور مولوی فضل کریم صاحب حضرت سے جنوب مغرب کے گوشہ میں آکر بیٹھ گئے۔ حضرت نے مولوی صاحب کا اکرام فرمایا اور پھر مجھے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تمہاری ان مولوی صاحب کے ساتھ کس بارہ میں نزاع ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ مولوی صاحب سماع موتی کے منکر ہیں اور میں قائل ہوں مولوی حسین علی صاحب نے مجھے فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ میں سماع موتی کا منکر ہوں؟ میں نے عرض کیا کہ آپ تین چار دن سے لگے ہوئے تھے، وہاں سے ایک سالہ انکار سماع موتی لکھ کر آپ نے فلاں طالب العلم کو دیا تاکہ مولوی فضل کریم صاحب کے پاس پہنچ جائے۔ وہ طالب العلم کل رات مولوی اکبر علی صاحب کے یہاں مہمان تھا۔ میں نے اس سے وہ رسالہ لے کر نقل کر لیا ہے اور نقل میرے پاس موجود ہے۔ مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔

حضرت نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم مولوی حسین علی صاحب کے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں حسب الارشاد ان کے پاس جا بیٹھا۔ مولوی حسین علی صاحب کے دائیں جانب مولوی فضل کریم صاحب اور بائیں جانب میں تھا۔ حضرت نے مولوی صاحب کی طرف منہ مبارک پھیر کر فرمایا: "مولوی صاحب آیت مبارکہ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ" پر آپ کا ایمان ہے؟ مولوی صاحب نے فرمایا: "جی ہاں! آپ نے فرمایا۔ ایمان نام ہے تصدیق بما جاء به النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ اور تصدیق کی چھ قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک مقبول ہے اور پانچ مردود۔ وہ کیا کیا ہیں؟ اس کے بعد حضرت نے اسی موضوع پر مختصر تقریر فرمائی۔

جواب دینے کی بجائے مولوی صاحب سر نیچا کیے خاموش بیٹھے رہے۔ تقریباً پانچ منٹ گذر گئے اس پر میں نے اور مولوی فضل کریم نے کہا کہ آپ خاموش ہیں اور میدان مناظرہ گرم ہے۔ کچھ منہ سے بولیں۔ چپ کا وقت نہیں۔ مولوی صاحب نے سر اٹھایا۔ حضرت نے پھر تقریر شروع فرمائی۔ مولوی صاحب پھر مراقبہ میں چلے گئے۔ حضرت نے تقریر ذرا بسط سے فرمائی مگر مولوی صاحب کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ آخر ہم دونوں نے پھر انہیں متوجہ کرنے کی کوشش کی تو مولوی صاحب نے حضرت کی خدمت میں

دیتے وقت قرآن کے معانی میں تاویل سے کام نہ لیں۔ کیونکہ میں سُنتا ہوں کہ آپ آیات کی تاویل کر دیا کرتے ہیں۔
 حضرت نے فرمایا: مجھے منظور ہے بشرطیکہ آپ بھی اپنی اس شرط پر قائم رہیں۔ اور فرمایا: پہلے ذرا اس آیت کے معنی
 بیان کر دیں:-

مَنْ كَانَ فِي هَذَا أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى
 (ترجمہ) جو اس دُنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا
 وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝ (بنی اسرائیل ۷۲)
 ہوگا اور سخت گمراہ۔

حافظ صاحب چپ چاپ اٹھ گئے اور اُس روز سے اس نوح میں اُن کا نام ہی حافظ اعمیٰ پڑ گیا۔

باب نہم

ارشادات (ملفوظات و مکتوبات)

”ملفوظاتِ مہریہ“ و ”مہرِ چشتیہ“

حضرت کے ملفوظات اور مکتوبات عرصہ تو ادا و الگ کتابوں کی صورت میں طبع ہو چکے ہیں۔ کتاب ملفوظاتِ طبیات پہلے فارسی میں شائع ہوئی تھی جس میں مولانا گل فقیر احمد صاحب پشاور اور مولانا عبدالحق صاحب سسرالوی کے جمع کردہ ملفوظات درج تھے۔ اب یہ کتاب اردو زبان میں ترجمہ ہو کر ملفوظاتِ مہریہ کے نام سے شائع کی گئی ہے۔ اسی طرح مکتوبات شریف بھی بہت سے جدید اضافوں کے ساتھ مہرِ چشتیہ کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

سیرت کے اس اہم باب کی تکمیل کے لیے ان دونوں کتابوں سے چیدہ چیدہ اقتباسات تین فصلوں میں پیش کیے جاتے ہیں۔ فصل اول مکتوباتِ عالیہ، فصل دوم ملفوظاتِ طبیات اور فصل سوم کلام منظوم پر مشتمل ہے۔ ان کتابوں میں جو مضامین زیر بحث آئے ہیں وہ چونکہ علمی اور مذہبی نوعیت کے ہیں اس لیے عربی اور فارسی زبانوں کا زیادہ استعمال ہوا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ حاشیہ میں ترجمہ اور مطلب درج کر کے مضامین کو عام فہم اور سہل بنایا جاسکے۔ تاہم نفسِ مضمون کو مد نظر رکھتے ہوئے اصل متن بھی شائع کر دیا گیا ہے تاکہ علماء اور فارسی و عربی دان حضرات نہ صرف محظوظ ہو سکیں بلکہ حضرت کے تبحرِ علمی کا بھی قدر سے اندازہ لگا سکیں۔

پہلی فصل

مکتوبات عالیہ

ایک مخلص کی بیماری پر دعانا

عزیزی غلام دستگیر حفظك الله وشفاك

بعد سلام وودعا آنکہ حاملہ دعانامہ سے مضطربانہ حالت آل عزیز سن کر اضطراب ہوا۔ یاغیاثنا عند کل کربۃ
یا معاذنا عند کل شدۃ یا مجیبنا عند کل دعویۃ۔ یا مولینا عند کل وحشۃ۔ ویا رجائنا
حین تنقطع حیلتنا۔ صل وسلم وبارک ذایمّا علی سیدنا محمد بن المصطفیٰ و آلہ و
صحبہ و الحمد لله اولاداً اخرآ۔ سب کو ما واجب۔

العبد الملتجی والمشکی الی اللہ المدعو ابہر علی شاہ بقلم خود از گولڑہ

ایک طالب و طالب کو تلقین

مہربان من جناب فخر الدین سلامت باشند ، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

مہربان من! سورۃ اخلاص نہ صرف دفع ہم و غم کے لیے ہے بلکہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے سب کی دوا ہے
دفع ہم و غم، مغفرت گناہاں، رضائے الہی، عشق الہی، اخلاص، توکل وغیرہ وغیرہ، جن کو مفصل لکھنا محال ہے۔ یہ وہ
نعمت عظمیٰ ہے جس سے اعراض کر کے کشف و استخارہ کی طرف متوجہ ہونا، عاشق کے لیے موت کا سامنا ہے۔

ع معذور دارمت کہ تو اور اندیدہ

شر دفعہ استغفار کی بھی اجازت ہے سورۃ اخلاص اگر ہزار دفعہ نوافل رات میں ہو تو اپنی قیمت ورنہ سو ہی سی۔ اس کا
نتیجہ وہ مقام ہے جس کے پہنچنے کے لیے قل بئ جملۃ ابد اہیم حنیفاً فرمایا گیا ہے۔ اس کا ثر وہ سیری و غنا ہے
جس سے مازاع البصر و ما طغی پتہ دے رہا ہے۔ کہاں وہ استخارہ و استکشاف اور کہاں یہ دولت شہود ہے

۱۔ اے بھرتی میں ہمارے فریاد رس، اور ہر شدت میں بیماری جاسے پناہ اور ہر بیکار پر دعا قبول فرمانے والے اور ہر وحشت میں جگے ٹونس اور جب سب
تدابیر ختم ہو جائیں تو ہماری آخری امید تو محمد مصطفیٰ اور آپ کے آل و اولاد اور اصحاب پر درود و سلام نازل فرما۔ اللہ کے لیے ہی حمد ہے اول و آخر۔

۲۔ فرما دیجئے میں ملت ابراہیم کا متبع ہوں جو بسوئے حق متوجہ تھے۔

۳۔ نہ تو آنکھ ٹیرھی ہوئی اور نہ تجاؤز کیا یعنی ذات کی محبت اور مشاہدہ میں صفات و افعال اور آثار و ظلال ظہم نظر نہ رہے۔

نہ شبم نہ شب پرتم کہ حدیثِ خواب گویم چوں غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
حق، حق، حق، کجا رفتم و چہ مے نویسم۔ برادر خیر الکلام مآقل دَدَلْ، مطلبِ خود را ازین چند سطور در یاب ورنہ تو
معذوری کہ مجوری و ما راست گویم کہ بر دیدہ خود پوئیم، از خود نہ گوئیم کہ ہمہ ادیم، من بعد معذور دارند کہ بدیں مأمورم۔ والسلام
الراقم نیاز مند اہل اللہ المدعو بہر شاہ عفی عنہ

طریقہ و قوفِ زمانی و عدوی

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ

- ۱۔ وظیفہ و قوفِ زمانی اور قوفِ عدوی کس طرح کیا جاتا ہے اور اس میں کون سا اسم پڑھا جاتا ہے؟
 - ۲۔ عورت اپنے گھر میں نفی اثبات کا جہر کر سکتی ہے یا نہیں؟
 - ۳۔ بعد انتقال رہنما کے دوسرے پیر طریقت سے بیعت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟
- حضرت جواب میں تحریر فرماتے ہیں :-

حفظکم اللہ تعالیٰ

بعد سلام آنکہ

۱۔ قلبِ مجازی (مضغہ صنوبری) پر توجہ رکھ کر اللہ اللہ کہا کریں اور زبان کو بند رکھیں۔

۲۔ عورت ذکر جہر کر سکتی ہیں۔

۳۔ بعد انتقال شیخ طریقت دوسرے شیخ سے بیعت کرنی جائز لکھتے ہیں۔ فقط

دعا گو دُعا جو مہر علی شاہ بقلم خود

ایک عارفانہ رباعی کی تشریح اور تفسیر

ریاست بہاول پور کے کمشنر مال اور ملک کے مشہور ادیب علامہ عبدالمالک صاحب نے مندرجہ ذیل رباعی کی تشریح دریافت کی۔

خود را بہ نظر ارہ نگارم صفت زد یک خالِ سیاہ بر آں رُخِ مطوف زد

رضواں ز تعجب کفِ خود بر کف زد ابدالِ زبیم۔ چنگ در مصحف زد

حضرت جواب میں فرماتے ہیں :-

مخلصی فی اللہ المعظمی للہ جناب مولوی عبدالمالک صاحب دام غنائکم و حفظکم اللہ تعالیٰ

و علیکم السلام و رحمۃ اللہ۔ عنایت نامہ کاشفِ ما فیہا ہو کر باعث بر تعمیل ارشاد یعنی تحریر معنی و مراد ہر دو شعر مندرجہ کے ہوا۔ میری ناقابل کے علاوہ عدم رسائی بھی بمذاق شاعر کہ عارف تھا یا غیر عارف "مانع از جرات بر تحریر مراد تھی۔ مگر تعمیل بھی واجب جان کر عارض ہوں۔

ہر دو شعر مندرجہ عنایت نامہ و مستفسرہ۔ قال ۷

خود را به نظر سارہ نگارم صفت زد

أَقُولُ يَعْنِي بَرَأَيْ نَظَارَةَ دِيدِنِ خُودِ نَگَارِ وَمُجُوبٍ مِّنْ آمَادِهِ وَجَلْوِهِ كَرَشِدٍ - كَوَسْمَانَهُ وَتَعَالَى قَبْلَ إِيجَادِ مَوْجُودَاتِ حُسْنِ كَمَالِ ذَاتِي خُودِ رَادِرِ خُودِ مِ دِيدِ دَرِ بَطُونِ كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا - لِأَنَّ مَقْبَضَاتِي حُسْنٌ وَجَمَالٌ عَيْنِي كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ (فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ) خَوَاسْتُ كَبِ جَمَالِ وَكَمَالِ خُودِ رَادِرِ مَرَاوِ أَيْمِينِهِ هَائِي كَثْرَتِ وَحِجَابِ مَظَاهِرِ تَمَاشَا كَنْدِ فَإِنَّ رُؤْيَةَ الشَّيْءِ نَفْسَهُ فِي نَفْسِهِ لَيْسَتْ كَرُؤْيَةِ الشَّيْءِ نَفْسَهُ فِي الْمِرْثَةِ

قَالَ شَاعِرٌ

یک خال سیاہ بر آں رخ مطوف زد

أَقُولُ - رُخٌ مَطُوفٌ تَرْكِيبٌ تَوْصِيفِيٌّ مَطُوفٌ صَيْغَةُ اسْمِ مَفْعُولٍ اِزْ بَابِ تَفْعِيلٍ يَعْنِي اِیْنَ حَیْنِی چہرہ کہ گردانیدہ شدہ است ہر عالم طائف و طواف کنندہ بہ گرد آؤ۔ خال سیاہ راد و لحاظ است در بادی نظرداغ و عیب گفتنش بے جا نہ باشد و در نظر ثانی موجب زینت و ظہور جمال و کمال فہیدہ شود۔ خال سیاہ ایں جا کنایہ است از داغ کثرت بر چہرہ وحدت۔ و داغ و عیب شمردن عروض کثرت بر وحدت بہ نسبت محبوب است نہ بہ لحاظ عارف۔ چہ عارف کامل محمدی المشرب راد و شہود مے باشد۔ یکے شہود وحدت در کثرت، دوئم شہود کثرت در وحدت۔ وَكُلُّ مَنِ الشُّهُودِ دَيْنٍ لَا يَتَنَا فِي الْاٰخِرِ بِخِلَافِ مَحْبُوبٍ كِهْ اِزْ ہر دو شہود محروم است و مجذوب کہ بہ سبب استہلاک در شہود اول ناقص ماندہ۔

قَالَ ۷ رضوان ز تعجب کف خود بر کف زد

أَقُولُ ۸ - رِضْوَانٌ يَعْنِي مَحَافِظًا وَنَظَرَ بَارِعًا كَثْرَتِ كِهْ عِبَارَتِ اِسْتِ اِزْ عَارِفِ كَامِلِ مُحَمَّدِيِ الْمَشْرَبِ اِزْ تَمَاشَا حُسْنِ وَ

لہ ترجمہ کلام فارسی و عربی) — یعنی میرانگار اور محبوب اپنے جمال ذاتی کا نظارہ کرنے کے لیے آمادہ اور جلوہ گر ہوا۔ اگرچہ حق سبحانہ و تعالیٰ موجودات کے پیدا کرنے سے پہلے بھی اپنے ذاتی حُسن اور کمال کو اپنے اندر کُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا کے بطن میں دیکھ رہا تھا لیکن بہ دلیل فَاحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ حُسْنِ وَجَمَالِ عَيْنِي نے تعاضد کیا کہ کثرت اور حجاب اور مظاہر کے آئینوں میں اپنے جمال اور کمال کا تماشا اور نظارہ کرے (حدیث قدسی كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ - میں ایک گنجِ نہاں تھا پس میں نے پسند کیا کہ پہچانا جاؤں) کہ کسی کا اپنے تئیں دیکھنا اور چیز ہے اور اپنے آپ کو آئینے میں دیکھنا اور۔

۸ رُخٌ مَطُوفٌ بِمَحَافِظِ تَرْكِيبِ تَوْصِيفِيٍّ اسْمِ مَفْعُولٍ بَابِ تَفْعِيلٍ سے ہے یعنی ایسا چہرہ کہ تمام عالم کو اُس کا طواف کرنے والا بنا گیا ہے خال سیاہ میں ۸ میں بادی نظر میں خال سیاہ کو داغ کہنا بے جا نہ ہوگا اور خال سیاہ ایک لحاظ سے زیب و زینت اور اظہار جمال و کمال کا باعث بھی سمجھا جاتا ہے یہاں خال سیاہ کنایہ ہے چہرہ وحدت پر داغ کثرت سے اور عروض کثرت کو وحدت پر عیب اور داغ سمجھنا عارف کی نسبت سے نہیں بلکہ محبوب کی نسبت سے ہے کیونکہ عارف کامل محمدی المشرب کو دو شہود حاصل ہوتے ہیں شہود وحدت در کثرت اور شہود کثرت در وحدت اور یہ دونوں ایک دوسرے کے منافی نہیں بخلاف محبوب کے جو ہر دو شہود سے محروم ہے یا مجذوب کے جو شہود اول میں استغراق کے باعث ناقص رہ گیا ہے۔

۸ بلوغ کثرت کا محافظ و ناظر رضوان یعنی عارف کامل محمدی المشرب حق تعالیٰ کے حسن و جمال لم یزلی کے تماشا سے حظ وافر اور نصیب کامل حاصل کر کے محو حیرت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الہی اپنی ذات کے عرفان اور مشاہدہ میں میری حیرت کو زیادہ کر۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ادراک کا کمال اس کا عاجز رہ جانا ہے۔ ایک عارف نے کہا ہے عشق بازی فقط گریہ و زاری کا نام نہیں بلکہ حُسنِ معشوق کو عیاں دیکھنا

جمال لم یزلی حظاً وافر و نصیب کامل برداشت کہ حیرت مے باشد۔ قال علیہ السلام۔ رَبِّ زِدْنِي فِيكَ تَحِيْرًا۔
 قال الصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمال الإذْرَاكِ الْعَجْزُ عَنِ الإِذْرَاكِ۔ عارف نے گفتہ ہے
 عشق بازی نہ ہمیں زاری و گریاں شدن است
 حُسن معشوق عیال دیدن و حیراں شدن است
 و وجہ محافظ بُودن عارف کامل در باغ کثرت را از حدیث لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَىٰ آخِرِهِ و از نفس آدمی
 فصوص احکم باید جست۔

قال ۛ ابدال ز بیم چنگ در مصحف زد

أَقُولُ ۛ۔ مراد از ابدال رہروان طریقت کہ از لغزش پائے دریں راه بسلامت مانده اند نہ بوجہ استعنا و
 استہلاک در مشاہدہ وحدت مثل مجاذیب یا بوجہ نارسائی بمغز سخن و راز وحدت وجود، رشتہ سخن را بہ سرحد الحاد و زندہ
 رسانیدہ و مثل متصرف از نقص و لغزش محفوظ باعث چنگ زدن بمصحف و اتباع شرعی شدہ اند۔ نہ مشاہدہ تجلی تنزیہی
 (لیس کمثلہ شیء) در حق او شان مانع از شہود تجلی تشبیہی (ہو الظاہر) گشتہ و نہ بالعکس۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ
 تُحِبُّونَ اللّٰهَ الْخ۔ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ۔

والحمد لله اولاً و آخراً و الصلوة والسلام علی رسولہ سیدنا محمد و علیٰ آلہ و
 صحبہ ظاہراً و باطناً۔

این است اجمال آنچه مأمور شدم باظهار آن۔ و العلم عند اللہ

(بقیہ ماثیہ صفحہ گذشتہ)

اور حیران رہ جانا ہے۔ اور باغ کثرت میں عارف کامل کے محافظ ہونے کا ثبوت حدیث پاک لَا تَقُومُ السَّاعَةُ الْآخِرَةُ اور کتاب فصوص الحکم
 کی فص آدمی میں ملاحظہ کرنا چاہیے۔

ۛ ابدال سے مراد وہ رہروان طریقت ہیں جو اس راہ میں لغزش پائے محفوظ رہ گئے ہیں۔ نہ تو مجاذیب کی طرح مشاہدہ وحدت میں
 غرق ہو گئے ہیں اور نہ ان لوگوں کی مثل ہیں جو مغز سخن اور وحدت وجود کے راز کو نہ پہنچ کر رشتہ سخن کو الحاد کی سرحد پر پہنچا دیتے ہیں۔
 بلکہ صوفیائے کرام کی طرح نقص اور لغزش سے اس لیے محفوظ رہے ہیں کہ مصحف قرآن کریم اور اتباع شرع شریف کو اپنے ہاتھوں
 میں مضبوط تمام لیا ہے۔ ان کے حق میں نہ تجلی تنزیہی کا مشاہدہ (جو لیس کمثلہ شیء کا مصداق ہے) تجلی تشبیہی کے مشاہدہ کا مانع ہے اور
 نہ مشاہدہ تجلی تشبیہی (جو ہو الظاہر کا مصداق ہے) تجلی تنزیہی کے شہود سے روکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ
 فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ كَانِتَبِجَہ ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے۔

نوٹ۔ تنزیہیہ سے لیس کمثلہ شیء یعنی اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں اور تشبیہی سے ہو الظاہر یعنی اللہ تعالیٰ ظاہر ہے
 (بذریعہ مظاہر صفات) مراد لیتے ہیں۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ الْخ۔ یا رسول اللہ فرمادیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت
 رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ (آیت)

تحریکِ خلافت اور بیعتِ امامت کے متعلق مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلّی کا خط اور

اُس کا جواب

حضرت کا تعلق دارالعلوم فرنگی محلّی سے اپنے زمانہ طالب علمی سے تھا اور مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلّی سے آپ کے دیرینہ مراسم تھے مولانا جمعیت العلماء ہند سے بھی منسلک تھے جو مسلمانان ہند کی ایک سیاسی جماعت تھی۔ ان دنوں تحریکِ خلافت کا بڑا چرچا تھا مولانا نے حضرت کی خدمت میں اسی تحریک کے سلسلہ میں ایک خط تحریر کیا تھا جس میں اُس وقت کے حالات کے تحت بیعتِ امامت کے شرعی جواز یا عدم جواز کے متعلق استفسار تھا۔ مولانا کا خط من و عن درج کیا جاتا ہے تاکہ حضرت کا جواب سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس خط کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا کے اپنے خیال میں ایسی بیعتِ خلافت سنت تھی مگر ان کی جماعت کے لوگوں کی رائے مختلف تھی۔

دفتر جمعیت العلماء و کٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

مورخہ ۲۶۔ شوال ۱۳۳۹ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ حَامِدًا وَصَلِیًّا وَمُسْلِمًا

مکرمی دام مجدہا۔ السلام علیکم۔ چند امور ایشتر شاذا التماس کیے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ ان کے جواب سے سرفراز کیا جائے گا۔ مقصد صرف اصلاح ہے، نہ فساد، نہ کسی منصب کی طلب، نہ کسی شخصیت سے عناد ہے اس واسطے جواب صاف اطمینان بخش ہونا چاہیے۔

میں اس جگہ ان خطرات و شبہات کا بھی ذکر نہیں کرتا ہوں جو حالتِ مجبوری کے پیش آنے والے ہیں۔ نہ ان افعال کی حقیقت کھولنا چاہتا ہوں جو بعض اکابر سے اس قسم کے سرزد ہوئے نہ ان تجربات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اس تحریک میں گذر کے وقت حاصل ہوئے اور جن پر نظر کر کے یہ تحریک دبی رہی اور علماء نے اس کے اجراء پر جرات نہ کی میں صرف تین سوال کرتا ہوں جو اپنے نزدیک فیصلہ کن سمجھتا ہوں۔

سوال اول: مسلمانان ہند میں جس قدر مذہبی سیاسی انتشار ہے اُس کے رفع کرنے کے لیے کیا جمعیت علماء ہند کافی نہیں ہے اور اُس کی اصلاح پر اور استحکام سے کیا یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ عقائد و عبادات میں کسی مرکز کا قائم ہو جانا غیر متوقع ہے اور سیاست مذہبی میں بیعت کی کیا ضرورت ہے؟

سوال دوم: بیعتِ امامت جب بھی کسی غیر مقلد نے کی ہے۔ اگر کامیاب ہوئے تو فتنہ برپا ہوا۔ اگر ناکامیاب ہوئے تو ایک جدید فرقہ مسلمانوں میں پیدا ہوا جس کے نمونہ ہندوستان میں بھی ہیں۔ اس لحاظ سے بلا ضرورت اقدام اس بیعت پر کیا بے موقع نہیں ہے؟

سوال سوم: مجھے جہاں تک علم ہے استیلائے کفار کی صورت میں اس قسم کی بیعتِ خلافت سنت ہے بلکہ

لے ہدایت کے لیے ۲ وہ شخص جو شرعی طریقوں کے بغیر ہی مدعی امامت ہو ملے غلبہ

دارالحرب میں بھی ایسی بیعت لینا اہل دار سے ثابت نہیں ہے۔ اگر جناب کو ثبوت بلا ہو تو اس سے ضرور ایسا فرمائیے۔ میں بیعت ہجرت اور جہاد کے ثبوت پر بھی اکتفا کروں گا۔ اس واسطے کہ مقصد ان بیوع کا مشترک ہے۔ اگر اس قسم کی بیعت ثابت ہو گئی تو بلا توقف میں قبول کروں گا۔ ورنہ خطرات اور شبہات کے ہوتے ہوئے اور تجربات اکابر پر جو رائے مبنی ہے اُس کے خلاف کرنا میرے نزدیک دانشمندی نہیں ہے۔ باوجود اس کے جمہور کی اتباع سے گریز کرنے کا قصد نہیں ہے۔ فقط

فقیر محمد قیام الدین عبدالباری، فرنگی محل، لکھنؤ

حضرت نے جو جواب تحریر فرمایا وہ مولانا عبدالباری صاحب کی علمی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھا۔ اُس کا مختصراً مطلب یہ تھا کہ چونکہ ہندوستان میں اُس وقت انگریز کی حکومت تھی اس لیے خلافت یا امامت اسلامیہ کا وہاں تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اندریں حالات بیعت امامت یا بیعت خلافت بھی غیر متصور تھی۔ اور اگر مولانا اپنی جماعت کے اصرار پر ایسا کر بھی لیں گے تو ثبوت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے اُن کا اقدام غیر شرعی اور غیر دانشمندانہ ہوگا۔

حضرت کا جواب مندرجہ ذیل ہے :-

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبى بعده

اما بعد۔ جناب کے سوالات ثلاثہ مُرسلہ بذریعہ ڈاک موصول ہوئے۔ تعمیلاً للارشاد ما حضر پیش خدمت ہے۔ ورنہ بوجہ بضاعت علم و کم فرصتی میں اس قابل نہیں کہ جوابات کے لیے مجھے مخاطب بنایا جائے۔ جناب نے فرمایا ہے کہ میں تین سوال کرتا ہوں جو اپنے نزدیک فیصلہ کن سمجھتا ہوں۔

(یہاں مولانا صاحب کے تین سوالات درج کیے گئے ہیں)

الجواب وهو الموفق للصواب

میں جناب کے سوالات ثلاثہ کا صرف ایک ہی جواب فیصلہ کن سمجھتا ہوں۔ وہ ہوتا ہے :-

امامت یا خلافت چونکہ عبارت ہے ریاست و تسلط عام سے تصدیی میں اقامت دین کے لیے جس کے تحت میں کسی انواع مندرج ہیں۔ مثلاً احیاء علوم دینیہ و اقامت ارکان اسلام و قیام بالجہاد و ما يتعلق بہ۔ چنانچہ ترتیب جیوش و فرض للمقاتلہ۔ یعنی فی میں سے ان کو دینا اور قیام بالقضاء اور اقامت حدود و رفع مظالم و امر بالمعروف و نہی عن المنکر نیابتاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو صورت استیلاء کفار یا دار حرب جب امامت ہی متصور نہیں تو بیعت امامت کے کیا معنی اور طریق ہمارا گناہ امامت کا کیا ذکر ریاست عامہ کے مفہوم میں تسلیم علماء مسلمین جو علوم دینیہ کی اشاعت فرماتے رہے اور قصداً قضایہ امتصار و تمیلات امر جیوش بعد خلافت و امامت داخل نہ تھیں تو آج کل بحالت استیلاء کفار جمعیت علماء کی کارروائی یا نام کی مدافعت کے لیے تسلط اور ریاست کے مفہوم میں داخل ہونے کا کیا استحقاق ہے۔ خلاصہ یہ کہ موجودہ زمانہ میں علماء کی

لے متعرض ہونا ملے لشکر ملے وہ مال جو حکومت اسلامیہ کو بلا مقابلہ کفار سے حاصل ہو ملے شہر

کاروائی نہ خلافت ہے نہ امامت تاکہ منجملہ طرق اربعہ انعقاد بیعت کو بھی فی الجملہ ضروری سمجھا جائے اور نہ کوئی شخص در صورت استیلاء بیعت لینے کا مستحق ہے۔ اور نہ اس کے لیے جائز۔ کیونکہ در صورت عدم مکافات بہ تصریح فقہاء کرام امام کے لیے قتل و مقاتلہ مباح نہیں۔ مذہبی سیاسی انتشار کی مدافعت میں جمعیت العلماء کی غیر مبصرانہ دگور و گرانہ تحریکات نے بغیر اس کے کہ محرک و متحرک الی الکابل کو مضحکہ و محل تمسخر کفار بنایا ہو۔ کیا فائدہ بخشا۔

معروض ہذا میں تدبیر فرمانے کے بعد جناب خود ہی اپنے ارشاد مندرجہ سوال سوم (میں بیعت ہجرت و جہاد کے ثبوت پر اکتفا کر لوں گا) شرطیہ صادقہ بصدر الربط الایجابی ٹھہرائیں گے نہ یہ کہ اس کو بصدق الطرفین اواحد ہما صادق مابین تجربیات اکابر بقول حافظ علیہ الرحمۃ ۷ بشنو کہ سپند پیراں بیعت زیاں نہ دارد

بنی علیہ للآراء ہونے کے مستحق ہیں اور یہی دانشمندی ہے۔ هذا ما عندی والعلو عند اللہ ولہ الحمد اولاد آخراد الصلوٰۃ والسلام منہ باطناً علیہ ظاہراً وآلہ وصحبہ طراً۔

العبد الملتجئ والمشتکی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود از گولڑہ

حضرت کا مکتوب شریف بجواب حضرت سجادہ نشین صاحب سیالوی

حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب سیالوی نے بھی اسی موضوع پر ایک خط حضرت کی خدمت میں روانہ کیا تھا جس کا جواب مندرجہ ذیل ہے :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مکرمی و معتمدی سجادہ نشین صاحب دامت عنایتکم

تسلیمات تعمیلاً للارشاد بجواب سوالات ثلاثہ گزارش ہے۔

سوال اول۔ جناب کے خیال میں شریعت اسلامی کی رُو سے مسلمانان ہند کو کیا کرنا چاہیے۔ اگر حمایت اسلام ان پر فرض ہے تو بے دست و پا مسلمان جو مادی قوت نہیں رکھتے، بے دست و پا حمایت کا کیا طریقہ اختیار کریں؟

جواب اول۔ بلحاظ مصائب دائرہ نہ صرف مسلمانان ہند بلکہ کل اہل اسلام کو حاکم سے محکوم تک منشاء مصائب کا ازالہ کرنا چاہیے یعنی تہ دل سے بجنوع و خشوع رَبَّنَا ظَلَمْنَا انْفُسَنَا الْاٰیۃ بِجَنَابِ بَارِیْ عَزَّوَجَلَّ اَسْمَہُ عَرَضُ کَرِیْمٍ اور اپنے نام شرم و

افعال سے تائب ہوں۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغۡیۡرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغۡیۡرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡنَ الْاٰیۃ اِزۡمَاسۡتَ کَہِ بَرۡمَاسۡتَ ظَہَرَ الْفَسَادِ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا کُتِبۡتَ اَیۡدِی النَّاسِ لَہِ مَا کَانَ یَاۡ اَیۡتَہَا النَّبِیُّ جَآہِدِ الْکُفۡرَآءَ وَ الْمُنَافِقِیۡنَ وَ اَعۡلَظۡ عَلَیۡہِمۡ کِیۡ تَعۡمِلُ فِیۡ حَسَبِ و عَدۡہِ صَادِقَہُ کَانَ حَقًّا عَلَیۡنَا نَصْرَ الْمُؤۡمِنِیۡنَ کِیۡ یَاۡیۡ

لے حضرت آدم و حوا اور تو ابین کی دُعا سے مقبول قرآنیہ اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا (وَ اِنۡ لَّعَرۡفُ عَلَیۡنَا نَادَیۡتُرۡحَمٰنَا لَنَعۡکُوۡنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیۡنَ) اور اگر تو نے ہمیں مُعَات نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔

۷ خدانے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ جو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا ۸ بنی آدم کے ہاتھوں وہ افعال سرزد ہوئے کہ بحر و بر میں فساد برپا ہو گیا ہے اے نبی، کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر پوری شدت کیجئے۔ ۹ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم پر حق ہے کہ مؤمنین کی نصرت فرمائیں۔

ہو۔ آیہ استخلاف میں قید و عَمَلُوا الصَّالِحَاتِ واجب التَّحَاظِ و مدارِ حَمِّ لَيْسَتْ خَلْفَتُهُمْ فِي الْأَرْضِ سے اور ظاہر ہے کہ ارشادِ جہادِ کریمہ سیف کا تعلق سلاطینِ اسلام و اصحابِ جمعیت سے ہے۔ خدا کرے کہ سلطنتِ مظلومہ اسلامیہ ظالموں کے پنجہ سے (خُذْ لَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى) نجات پا کر بعد حصولِ جمعیت و استطاعت جس کی مدارِ قِلت و کثرت نہیں بلکہ تقویٰ اور قوتِ ایمانیہ ہے تعمیلِ کریمہ مذکورہ بالا کا اعزاز حاصل کرے بغیر اس کے امام کو بھی قتالِ مباح نہیں مسلمانانِ ہند کی ہستی تو بیچ ہے۔ مضرہ و مسلمہ فقہاء کرام ہے۔ ہذا اذا غلب ظنہ انہ یکافیہم و الا فلا یباح قتالہم

سوالِ دُوم۔ حکومتِ برطانیہ کے ساتھ نصرت و حمایت کے تعلقات رکھنا جن پر حکومت کو قوت و شوکت حاصل ہے حرام ہیں یا نہیں؟

جوابِ دُوم۔ ایسے تعلقات جن میں اعانتِ کفر و مہیبت ہو مسلم سے بھی حرام ہیں فضلاءِ من الکافر بغیر ان کے ذیوی معاملات جس میں اسلام پر ضرر نہ ہو۔ بغیر مرتد کے کسی کافر سے مطلقاً نہ تصریح فقہاء حرام نہیں۔ البتہ بلحاظِ مظالم دائرہ موجودہ زمانہ کے اگر سلسلہ تجارت کی کلی بندش ہو سکے تو کسی قدر انتقامی تدبیریں شمار کی جاسکتی ہے و مَا هَذَا اَعْلَى اللّٰهِ بِعَسِيْرٍ مَّا هِيَ طَرِيقُ اِزَالَةِ مُنْكَرَاتِ دَاوِرَہِہِ كَا وَہِی ہُوَ جَوَابِہِہِ بِاللّٰہِ ہُوَ۔

سوالِ سوم۔ ذیوی لحاظ سے جو معمولی ہستیاں تھیں لیکن ان کے دل دردِ اسلامی سے معمور تھے انہوں نے حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر دی ہے عوام کو مطلع کرنے کے لیے تحریر سے تقریر سے وہ فریضہ تبلیغ انجام دینے میں سرگرم نظر آتی ہیں لیکن جو ہستیاں اسلام کے علم بردار اور مخلوق کی نظریں باوقار اور موثر تھیں وہ ساکت ہیں کہ گویا ان میں جس ہی نہیں۔

جوابِ سوم۔ جناب خیال فرما سکتے ہیں کہ جب معمولی ہستیوں کا یہ حال ہے تو علم بردار ہستیاں ازالہ مظالم وارہ میں ساکت و بے حس کیسے ہو سکتی ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ بوجہ اختلافِ آراء دربارہ مدلولاتِ آیاتِ بنیات و مشروریت و نامشروریت خصوصیات و کیفیاتِ جلسات در صورتِ شمولیت بوجہ تفرقہ اصلی مدعاوت ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حسبِ طرزِ مشائخِ کرام حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی و حضرت خواجہ اللہ بخش دسینا حضرت خواجہ محمد شمس الدین سیالوی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بفضلہ تعالیٰ و توفیقہ تبلیغ میں دریغ نہیں فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہدایت و توفیقِ استقامت برصراطِ مستقیم عنایت فرماوے زیادہ زیادہ۔

نیاز مند از گولڑہ

۱۔ سورہ نور آیت ۵۵ یعنی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے (وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ) اور اچھے کام کیے، وعدہ کیا ہے کہ (لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ) البتہ ان کو زمین میں خلیفہ کرے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ کیا تھا جو ان سے پہلے تھے اور البتہ ان کے واسطے ان کا دین، جو ان کے لیے پسندیدہ کر دیا ہے، ثابت کرے گا اور ان کے ڈر کو امن میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ شریک نہیں لائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کریں وہ لوگ ناسق ہیں۔

۲۔ یعنی سلطنتِ عثمانیہ ترکیہ جس کے ساتھ انگریزوں نے جنگ تھی ۱۸۵۷ء۔ اس وقت مباح ہے جب امام کو خیال ہو کہ وہ جہاد کے لیے کفار کے مقابلہ میں کافی مضبوط ہے درنہ قتال مباح نہیں۔ لہذا یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے

جامی علیہ الرحمۃ کی ایک رباعی کی تفسیر

حضرت جامی علیہ الرحمۃ کی مندرجہ ذیل رباعی کو مضمون "وحدت الوجود کا خلاصہ فرمایا کرتے تھے۔
 نہ بشر خوانمت اے دوست نہ حور و نہ پری ایں ہمہ بر تو حجاب اند تو چیزے دگری
 بیچ صورت نتواند کہ گنبد بند ترا در صورت ظاہری اما نہ اسیر صورتی
 یعنی یہ سب تعینات و اشکال گویا لباس کی طرح ہیں تیری حقیقت ان میں بند نہیں جیسے انسان کسی مخصوص لباس
 میں بند نہیں ہوتا اگرچہ ہزاروں لباس پہن لے۔ ایسے ہی ان سب تعینات جلوہ گری کے باوجود حق تعالیٰ ان سب سے
 دری ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حقیقت اُس کے حسب ارشاد لیس کمثلہ شیء بے مثل بے مثال ہے اور کوئی شے اُسے
 احاطہ نہیں کر سکتی بلکہ اُس کے حسب ارشاد اَلَا اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ قَاطِبٌ۔ وہی ہر شے کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اگرچہ یہ
 احاطہ بھی ہمارے علم و ادراک سے بلند ہے اور اُس کی گنہ ہمیں معلوم نہیں جیسا کہ حضرت مولانا روم کے شعر ذیل میں ہے۔
 در تصور ذات حق را کنج کو تا در آید در تصور ذات او
 تصور میں ذات حق کی گنجائش کہاں کہ اس کی مثل تصور میں آسکے۔

حضرت مولانا جامی کی مذکورہ بالا رباعی سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسم ظاہر کی بنا پر اس سب جلوہ گری
 کے باوجود اپنے اسم باطن کے اعتبار سے ہر چیز سے دری اور ہر فہم و وہم سے بلند ہے تاکہ تشبیہ اور تنزیہ دونوں پر ایمان
 مکمل ہو اور یہی صوفیائے کاملین کا مسلک ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ بشر کے اطلاق اور آپ کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق استفسار کا جواب

طمان سے دربار پیران پیر کے مشہور بزرگ اور سجادہ نشین حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ
 نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر لفظ بشر کے اطلاق اور آپ کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق بعض علمائے وقت
 کے باہم اختلاف پر حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کا مسلک دریافت کیا تو جواب میں مندرجہ ذیل مکتوب ارسال فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامداً ومصلياً۔ از نیاز مند اہل اللہ المدعو بہر علی شاہ الی سید المکرم جناب مخدوم صدر الدین شاہ صاحب طمانی

حفظہ اللہ تعالیٰ دامت عنایتہ

وعلیکم السلام ورحمة اللہ۔ انا بعد عنایت نامہ مشتمل بر تنازع علمائے کرام در بارہ جواز اطلاق بشر بر آنحضرت
 علیہ الصلوٰۃ و عدم آں و حاضر ناظر بودن حضرت سید البشر و انتفائے آں ملاحظہ سے گزارا۔

میں اس قابل نہیں ہوں کہ اہل علم و فضل کے مابین محاکمہ و مداخلت کروں مگر امثالاً لامر السامی ما حاضر عرض کرنے پر مجبور ہوں۔
 مخدوما! اس میں شک نہیں کہ اہل ایمان کے لیے ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطریق حکیم و تعظیم واجب اور ضروری
 ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ بشر کے معنی میں بحسب لغت عربی عظمت و کمال پایا جاتا ہے یا حقارت۔ میری ناقص رائے

میں لفظ بشر مفہوماً و مصداقاً متضمن بہ کمال ہے مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس و ناکس سوائے اہل تحقیق و عرفان کے رسائی نہیں رکھتا لہذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ انحصار خواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کے لیے جائز اور عوام کے لیے بغیر زیادت لفظ وال بر تعظیم ناجائز۔ (توضیح) آدم علی نبینا وعلیہ السلام کو بشر کس واسطے کہا گیا؟ وجہ اُس کی یہ ہے کہ آدم علی نبینا وعلیہ السلام کو شرف مباشرت بالیدین عطا فرمایا گیا ہے (وَمَا مَنَعَكَ أَنْ لَا تُسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيَدَيَّ) چونکہ ملائکہ اس کمال آدم سے بے خبر تھے۔ ایسا ہی ابلیس بھی فقالوا ما قالوا۔ فرق اتنا ہے کہ ملائکہ جلالے کے بعد سمجھ گئے اور معترف بالقصود ہوئے۔ فَقَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اور ابلیس کو علاوہ قصور جہل کے غرور بھی تھا۔ لہذا آئی ذہ استکبر الخ هكذا قال الشيخ الاكبر قدس سرہ الاطہر بجماله و ما علیہ فی جواب سوال حکیم الترمذی۔

۲۔ بشری کو کمال استجلا کے لیے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریت اس کمال سے محروم ٹھہرے اور مظاہر و مرایا کمالات استجلایہ سے ازگروہ انبیاء علیہم السلام سیدنا ابوالقاسم آنحضرت اصالتہ و از جماعت اولیائے کرام وارث مصرع و آئی علی قدم النبی بدر الکمال۔ سیدنا بعد العت در و امثالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وراثتہ مظہر اکمل و اتم لاسم الاعظم ٹھہرے۔ بشری کے لیے تنزیل اخیر ہونے کے باعث اس قدر اہتمام ہوا کہ ہیئت اجتماعیہ و ترکیبات اسمائہ و اتصالات و اوضاع اتی خمرت طینتہ آدم سے لے کر تا ظہور جسد عنصری صلی اللہ علیہ وسلم و اتباعہ من اکمل کو متوجہ کیا گیا ہے اور خدام بنائے گئے تاکہ مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ كَأَيِّنْ وَجْهٍ عَلِيٍّ وَجْهٍ الْكَمَالِ اور پورا حق منسا ہو۔ قصہ مختصر بشری ہے کہ جس کو

خواہی کہ خدا بینی در چہرہ من بسنگ

من آئینہ اویم او نیست جدا از من

ہونے اور کہنے کا استحقاق حاصل ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ عارف کا بشر کہنا اربعیل ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باواسمہ المسلمین ہوا۔ بخلاف غیر عارف کے کہ اس کے لیے بغیر انضمام کلمات تعظیم صرف لفظ بشر ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں بشر کے بعد یوحییٰ الیٰ اور شہید میں عبدہ کے بعد رسول۔ اور کلام اہل عرفان میں ہے فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيهِ أَنَّهُ بَشَرٌ وَأَنَّهُ خَيْرُ خَلْقِ اللَّهِ كِلَيْهِمْ۔

میرے خیال میں فریقین از علمائے کرام متنازعین اہل سنت و الجماعت سے ہیں اور ذکر آنحضرت کو بالاسماء المعظمہ واجب اور ضروری اعتقاد کرتے ہیں۔ لہذا ان سے ہرگز ہرگز متصور نہیں کہ معاذ اللہ فرقہ ضالہ نجدیہ و ہابیری کی طرح صرف لفظ بشر کا اطلاق جائز کہیں۔ البتہ ان کا خیال ہے کہ بقصد تحقیر لفظ بشر کا استعمال ناجائز اور بغیر اس کے جائز۔ مگر میری رائے

۱۔ آیت فرمان الہی ابلیس کو: اور کس چیز نے تجھے اس (آدم) کو سجدہ کرنے سے منع کیا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

۲۔ فرشتوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا علم ہے جتنا تو نے دے رکھا ہے۔

۳۔ شیطان نے انکار کیا اور تجھرا اختیار کیا ۴۔ اور میں نبی بدر الکمال کے قدم شریف پر ہوں (قصیدہ غوثیہ)

۵۔ جس نے میرا دیدار کیا اس نے خدائے تعالیٰ کا دیدار کیا۔ (الحدیث)

۶۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے (قرآن) ۷۔ بے شک حضور بشر ہیں اور بے شک اللہ کی تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔

دہی ہے جو اوپر بیان کر چکا ہوں کہ صرف لفظ بشر کا اطلاق بغیر انصاف کلماتِ تعظیم نہ چاہیے کہ بوجہ شیوعِ عرف و قصدِ فضالہ صرف بشر کہنے میں ایہام امر ناجائز کا ہے۔

۳۔ رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بحمدِ العنصری ہر مکان و ہر زمان میں حاضر ناظر ہونا۔ تو یہ امر مختلف فیہ ہے۔ فقائِلٌ ذُو مُنْكَرٍ وَ لَيْكَلٍ وَ جَهَّةٌ میرے خیال میں ظہور و سر بیانِ حقیقتِ احمدیہ ہر عالم و ہر مرتبہ اور ہر ذرہ ذرہ میں عند المتحققین من الصوفیہ ثابت ہے۔ اس کو حقیقت الحقائق کہتے اور لکھتے ہیں۔ فَهُوَ نُورٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلًا۔ جو بصورتِ معنویہ قلبِ تقی نقی اور جسدِ شریفِ عنصری کے ظاہر ہوا۔ ظہورِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بصورتِ مثالیہ شریفیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہر مکان و ہر زمان میں احادیثِ صحیحہ میں ثابت ہے جس کا اقرار واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار اور اس کا انکار آپ کا انکار مانا گیا ہے۔ کافی حدیث البخاری فی کتاب الایمان۔ اہل تجربہ کو ظہور کذاتی مثالی کا کراتاً مَرَاتًا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ البتہ ظہورِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بحمدِ العنصری العینی کا پتہ بعض اہل مشاہدہ سے ملتا ہے اور بلحاظِ واقعہ معراجِ شریف و خصائص و لوازمِ محققہ جسدِ شریفِ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مستبعد بھی نہیں۔ ہذا ما عندی والعلوم عند اللہ۔

آخری معروض۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دربارہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا تھا کہ ابْنِیْ هَذَا سَيِّدٌ لَعَلَّ اللهُ يُصْلِحُ بِهِ بَيْنَ الْفِئْتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ آپ بھی چونکہ سیدِ حسنی ہیں فریقین کو تحریرِ بذاتِ انسا کر آپس میں ملا دیں۔ اور ہدایت کریں کہ ایک دوسرے کو بُرا نہ کہیں اور ایسا ہی عوام کو بھی۔

ع اِس کار از تو آید و مرداں چُنیں کند

المبتغی والمشتکی الی اللہ المدعو باہم علی شاہ از گولڑہ بقلم خود

حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم پر مساجد کی افضلیت کے غلط اعتقاد کی تردید

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مساجد کی افضلیت کا اعتقاد صحیح ہے یا غلط حضرت قبلہ عالم قدس سترہ جواب میں فرماتے ہیں۔

مخلصی فی اللہ مولوی فضل احمد صاحب

بعد سلام و دعا آنکہ۔ بوجہ علالتِ طبع بجاوبِ مکتوبِ توقف ہوا۔ مگر مسئلہ افضلیت میں حق بجانب آپ ہیں جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مساجد کی افضلیت کا معتقد ہے وہ سراسر لسانِ شریعت اور لسانِ حقیقت سے بے بہرہ ہے۔ فقہاء اور محدثین و سائر علماء اسلام کا معتقد یہ مجمعِ علیہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل المخلوقات ہیں حتیٰ کہ مساجد و سائر ائمہ متبرکہ و عرش و کرسی سب سے۔ اور بحسبِ لسانِ حقیقتِ ایمان و اسما سب ظہورات ہیں حقیقتِ محمدیہ کے بنا علیہ افضلیت اس کی سائر صفات پر ٹھہری صفت میں ہو یا غیر اس کا۔ لہذا واعظ صاحب کو بوجہ عدم رسائی مبنی علیہ دوسرے جملہ افضلیت علی القرآن میں بھی جاہل کہنا مناسب نہیں۔ ہذا ما عندی والعلوم عند اللہ والحمد للہ

لے بعید لے یہ میرا بیٹا سردار ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح پیدا فرمائے گا۔

اَدْلًا وَاٰخِرًا وَالصَّلٰوةَ وَالسَّلَامَ مِنْهُ بِاطْنَاعِيهِ وَظَاهِرًا وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ ۔

(۲۲۔ اکتوبر ۱۹۲۳ء)

دعاگو، ازگولڑہ

سجدہ تعظیمی کی ممانعت

۱۹۲۳ء میں نظام المشائخ اور خطیب دہلی کے ایڈیٹر ملا واحدی صاحب نے لکھا تھا کہ یہاں دو مشائخ کے باہم سجدہ تعظیمی کے متعلق بحث چل رہی ہے۔ ایک کا خیال ہے کہ سجدہ بلغم شد جائز ہے اور اس کی تمام اشاعت کرنی چاہیے اور دوسرا اس کو ناجائز کہتا ہے اور روکنا چاہتا ہے۔ دونوں نیک نیت ہیں۔ جس کی غلطی ثابت ہو جاوے گی وہ ہرگز ہرگز ہٹ دھرمی نہیں کرے گا۔ آنجناب اگر توجہ فرمادیں تو قصہ آسانی طے پا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت کے مندرجہ ذیل جواب کو واحدی صاحب نے کئی اخبارات میں شائع کروادیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُخْلِصِ فِی اللّٰہِ اَیْڈِیْٹرِ خَطِیْبِ صَاحِبِ حَفْظِکَ اللّٰہِ تَعَالٰی

بعد سلام و دعا آنکہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سجدہ کو عبادت مختصہ بالخالق عز اسمہ ٹھہرایا گیا ہے اور اسی پر ہے تعالٰی صحابہ و تابعین و تبع تابعین و من بعد ہر ائی یومنا ہذا علیہم الرضوان۔ یہ اور بات ہے کہ کسی مقبول سے جس وقت اُس کی چشم شہود میں غیب اللہ نہ ہو۔ سجدہ مخلوق کی طرف وقوع میں آئے۔ غایت مافی الباب از رُفئے نظر بجانب مستی و غلبہ کہ وہ مقبول خدا میں عند ارباب تحقیق ماخوذ و مجرم نہ ٹھہرایا جاوے گا۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم و علمہ اتم۔

الملتبجی والمشتکی الی اللہ المدعو بہر علی شاہ عفی عنہ ربہ یعلم خود ازگولڑہ

ایک آیت کریمہ کے متعلق تفسیر تبصیر الرحمن کی تشریح

حضرت کے ایک مخلص مولوی غلام محمد صاحب نے ایک آیت کی تفسیر دریافت کرتے ہوئے لکھا:-

سیدی و سندی و مولائی دام ظلمکم

بعد سلام سنون معروض خدمت سر اپا پر بکت اینکہ پارہ چہارم سورہ النسا تحت آیت کریمہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِہٖ ذَا الرِّحَامِ عَلٰی الْمہامی رحمہ اللہ تعالیٰ در تفسیر تبصیر الرحمن سے فرماید۔ ہذا علی قرۃ الجبر بحذف المعطوف من الاصل والمعطوف علیہ من الفرع۔ فَمَا مَطْلَبُ عِبَارَةِ الشَّيْخِ الْمَرْحُومِ وَتَفْسِيْرِهِ الْمَذْكُوْرِ عِنْدَکُمْ مَوْجُوْدٌ ۔ فقط والسلام علیکم

غلام محمد عفی عنہ ازپشاور

جواب میں حضرت فرماتے ہیں:-

لہ اُس خدا سے ڈرو جس کے نام سے سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے اجتناب کرو۔

قوله - بحذف المعطوف من الاصل اي واتقوا الله والارحام والمعطوف عليه من الفرع اي بالله
تقدير الكلام - واتقوا الله الذي تساءلون به والارحام - یہ جملہ اصل ہے
والتي تساءلون بالله والارحام - یہ جملہ فرع ہے -
پہلے جملہ میں معطوف علیہ یعنی اللہ مذکور اور معطوف یعنی والارحام معتدر - دوسرے جملہ میں معطوف علیہ یعنی باللہ
معتدر اور معطوف یعنی (والارحام) بالبحر مذکور -

داعی و مستدعی مہر علی شاہ بقلم خود والسلام

موت کے بعد روح کی منزل اور حالات اور ایصالِ ثواب بہ موتے

الطاف حسین صاحب اور راجہ شیر محمد خان بھیروی نے موت کے بعد روح کی منزل اور حالات اور ایصالِ ثواب بہ
موتے کے متعلق سوالات کیے تھے جنہوں نے حسب ذیل جوابات تحریر فرمائے :-
سوال الطاف حسین صاحب - مردہ کی روح وفات کے بعد کہاں جاتی ہے - آیا جواب وہی میں ماخوذ ہو جاتی
ہے یا دنیا میں اپنے جسم عنسری کے اوپر پرواز کرتی رہتی ہے جیسا کہ بعض اہل ہنود کا خیال ہے -
جواب - یونین کی روح افلاک سبع سے اوپر علیین میں اور کفار کی اسفل السافلین میں قیام پذیر ہوتی ہے - صرف جوابی
کے لیے بدن عنسری کے ساتھ تعلق دیا جاتا ہے جس کا اثر دیگر گونہ حیات ہے، نہ حیات دنیوی جو منشا تغذی اور چلنے
پھرنے کا ہے - جواب دینے کے بعد یہ تعلق بھی نہیں رہتا -

نوٹ :- دنیا میں روح حقیقی کو جو قبل الذم من امر ربی سے مراد ہے روح ہوائی کے ساتھ راکب اور مرکب
کا تعلق ہے بعد الموت روح ہوائی بعنوان دیگر بخار لطیف مع جسم عنسری کے فنا ہو جاتے ہیں اور
روح حقیقی کو بجائے روح ہوائی کے ایک اور روح برزخی سواری کے لیے ملتا ہے جو عالم مثال میں
سے ہے - دنیا میں بھی اور بعد المات عالم مثال میں بھی، یہ مرکب جسے نسمہ سے تعبیر کرتے ہیں روزن
ہے قبول فیضان کے لیے روح حقیقی سے جو عالم قدس میں ہے - تفصیل اس اجمال کی ان اوراق
میں بیان کرنا ممکن نہیں -

سوال ۱ - راجہ شیر محمد خان :- والدین یا مولود فوت ہو جائیں تو کیا فریق پس ماندہ انہیں تحفہ تحائف یا کلام اللہ یا اشیائے
خورد و نوش یا پارچات وغیرہ پہنچا سکتا ہے؟

جواب - محتاج کو طعام و پوشاک دینے کا ثواب اور کلام اللہ پڑھنے والے کو کلام اللہ دینے کا ثواب میت کو پہنچ سکتا
ہے - ایسا ہی درود وغیرہ و کلام الہی اور فعل خیرات کا ثواب پہنچ سکتا ہے -

سوال ۲ :- تقدیر و پیر یا زیور یا کوئی خاص پارچہ جو اس اہل عدم نے حیات میں طلب کیا ہو اور میت نہ ہوا ہو اب وہ
نقد دیا جاوے تو کس طرح سے؟ اگر پارچہ ہے تو اس کی قیمت دی جائے گی یا خود کسی کو دیا جائے یا کس طریقہ سے
جو اس کو پہنچے؟

جواب - وہ اشیا جن کو متوفی نے بعینہ طلب کیا ہو گو ان کی قیمت کا دینا محتاج کو متوفی کے لیے مفید اور جائز ہے مگر

ان اشیائے مطلوبہ بعینہ کا دینا مناسب تر ہے۔

سوال ۳۔ اگر سپماندہ کا خیال ہو کہ قبر پر جا کر اس کو بخشے تو کس طرف بیٹھے گا اور کس کلام مبارک کا ختم شریف کر کے اس کی ارواح کو ایصالِ ثواب کرے گا۔ کس تعداد تک، آیا اس کے واسطے کوئی خاص مقدار ہے یا جس دن چاہے؟

جواب۔ میت کے مُنہ اور سینہ کے مقابل پشت بہ قبلہ ہو کر الحمد شریف مع السحر۔ ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ مَفْدُحُونَ تک ایک مرتبہ اور قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اخیر تک گیارہ مرتبہ پڑھے اور ثواب میت کو بخشے یا جو کچھ کلام اللہ یا کلمہ شریف یا دُرُود شریف پڑھنا ہو سب کا ثواب بخش دے۔

سوال ۴۔ اگر پس ماندہ چاہیں کہ اُس دوست گم شدہ کا دیدار کریں یا کہ وہ مجھے دیکھے تو کس کلام شریف کے ذریعہ سے؟ ظاہری دیکھنا تو غیر ممکن ہے مگر خواب میں دیکھا جائے تو وہ کلام کون سی ہوگی؟ اور کس تعداد تک پڑھی جائے گی اور کس وقت پر؟

جواب۔ رات کو سورۃ الشمس، والیسئل، والضحیٰ، الم نشرح، ہر ایک سورہ سات سات مرتبہ پڑھ کر ان کا ثواب میت کو بخشے اور پھر کسی سے کلام نہ کرے، سو جائے۔

سوال ۵۔ ارواح کا آنا اپنے گھروں میں ہو سکتا ہے تو کس عرصہ تک، ہر روز یا کسی خاص دن، اگر خاص دن ہے تو کون سا ہے؟ جواب۔ ارواح کا تعلق کسی قدر بدن سے چالیس روز تک ایسا ہی ہر شب جمعہ و روز جمعہ ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے اس تعلق خاص کو آنا سمجھئے نہ یہ کہ عالم ارواح سے نکل کر جسم کی طرف انتقال مکانی کرتے ہیں۔ البتہ ان کا دو ایام مذکورہ خاص تعلق ایسا ہی اثر رکھتا ہے جیسا کہ وہ خود آگئے ہیں یعنی بحیثیتِ مشیتِ ایزدی یا خبر ہوتے ہیں۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بروز عید و عاشورہ، ماہِ رجب کا پہلا جمعہ اور ماہِ شعبان کی پندرھویں رات اور شب قدر اور ہر جمعہ کی رات میں ارواح قبروں سے نکل کر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑے ہو کر اپنے سپانندگان سے سوال کرتے ہیں کہ اس مبارک رات میں ہمارے ساتھ کسی صدقہ یا طعام سے امداد کرو کہ ہم محتاج ہیں (کتاب در السبحان للسیوطی و کتاب دقائق الاخبار امام عبد اللہ رحمہ منہ) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ارواح موتے ایام مذکورہ میں اپنے گھروں کے دروازہ پر آتے ہیں۔

سوال ۶۔ اگر پس ماندہ بھور شدہ چاہے کہ مجھے صبر حاصل ہو تو کس کلام شریف کے ذریعہ کس وقت اور کس تعداد سے ورد کرے۔ اگر از حد بے ہمت ہو تو کس قدر پڑھے گا۔

جواب۔ اسم یا سخی یا قیوم ایک ہزار مرتبہ بوقتِ اذان فجر پڑھے۔ اگر اس قدر نہ ہو سکے تو تین سو مرتبہ پڑھے۔ بعد ازاں دل پر دم کرے۔

سوال ۷۔ دوست بھور شدہ کا مطلب ہو کہ دوست گم شدہ کا خانہ سکونتی کہ جس میں وہ مدفون ہے وہ منور ہو اور اعلیٰ قسم کی رحمتیں خداوند کریم جل شانہ سے اُس پر نازل ہوں تو کس کلام شریف کا کس قدر اور کس وقت اور کس دن میں اس کا ذکر کرے؟

جواب۔ اُس جگہ کلام اللہ شریف پڑھے اور پڑھوئے، ایسا ہی دُرُود شریف جس قدر ہو سکے۔ سوال ۸۔ اگر دوست گم شدہ مہد حیات خود میں کسی چیز خورد و نوش کی زیادہ خواہش رکھتا تھا۔ اب اُس کو دوست بھور شدہ

کس طرح سے پہنچا دے۔ ہر دن یا کسی خاص دن میں اور اس کی تجویز کیا ہوگی؟

جواب۔ ہر دن یا شب جمعہ یا جس دن اور جس وقت چاہے پہنچا سکتا ہے۔ البتہ ہر شب جمعہ و ایام عید و عاشورہ وغیرہ ضرور طعام یا کلام یا کسی خیرات، کپڑا وغیرہ کا ثواب پہنچانا ضروری ہے۔

سوال ۹۔ کلمہ شریف یا کہ درود شریف کا ثواب بخشا کسی کے واسطے جائز ہے یا نہیں؟ سنا گیا ہے ناجائز ہے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

جواب۔ جائز ہے۔

سوال ۱۰۔ اگر دوست گم شدہ کسی قسم مویشی کی خواہش رکھتا ہو از قسم عام مویشی یا کہ از قسم پرندگان۔ اب ان کا پہنچانا کس طرح سے ہوگا۔ آیا وہ چیز زندہ دی جائے یا اس کی قیمت اگر زندہ دینے کی خواہش ہو تو کس کو دی جائے اور کس طریق سے دی جائے؟

جواب۔ زندہ دینا محتاج کو بہ نسبت قیمت کے زیادہ مناسب ہے۔

سوال ۱۱۔ مٹا جو قبر پر بٹھائے جاتے ہیں وہ کس عرصہ تک پڑھتے رہیں؟ قرآن شریف ہی پڑھتے رہیں یا کوئی اور کلام؟

جواب۔ چالیس دن تک قرآن شریف پڑھایا جاوے مگر بلا شرط اجرت۔ کیونکہ قرآن شریف کی اجرت یعنی دینی حرام ہے ہاں اگر پڑھنے والے کو لالچ نہ ہو اور دینے والا اجرت سمجھ کر نہ دے تو جائز ہے مگر یہ مشکل ہے۔ لہذا اچھا ہے کہ دوست یا خویش و اقارب جو بلا اجرت پڑھنے والے ہوں پڑھیں۔

احترام سادات کے متعلق حضرت کی ایک قلمی تحریر

سید مزمل حسین شاہ صاحب (کوٹ فتح خان ضلع کیمیل پور) قلندرانہ روش رکھتے تھے۔ ان کے پاس ان کے عقیدت مند ملنگ بھی رہتے تھے کسی نے سردار محمد علی خان صاحب گھیبہ رئیس کوٹ فتح خان سے شکایت کر دی کہ شاہ صاحب کے پاس جو ملنگ رہتے ہیں وہ بھنگ پیتے ہیں جس پر سردار صاحب نے ناراض ہو کر حکم دیا کہ وہ تکیہ جہاں یہ ملنگ رہتے تھے اٹھا کر دیا جائے چنانچہ اسے گرا دیا گیا اور درویش وغیرہ شاہ صاحب کے ساتھ واپس شاہ صاحب کے گھر آگئے۔ شاہ صاحب تو خاموش رہے مگر ان کی برادری والوں نے کہا کہ یہ ہماری توہین کی گئی ہے لہذا آپ سردار صاحب کی اس حرکت کی شکایت ان کے پر حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف کی خدمت میں پیش کریں۔ چنانچہ سید مزمل حسین شاہ صاحب نے ایک دستی لفاظہ اپنے ایک ملنگ کے ذریعے حضرت کی خدمت میں ارسال کیا جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قلمی تحریر سردار صاحب کو بھجوائی اور آپ کے حکم کی تعمیل میں سردار محمد علی خان صاحب نے شاہ صاحب سے اپنی غلطی کی معذرت کی، گرایا تو امکان از سر نو تعمیر کروا دیا اور جو سالانہ نذرانہ انہیں دیا کرتے تھے وہ بھی دوبارہ جاری کر دیا۔

حضرت کی یہ تحریر مبارک سید مزمل حسین شاہ کے فرزند سید حسین شاہ صاحب نے ۶ نومبر ۱۹۶۷ء کو حضرت بابو جی صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں پیش کی جس کی نقل بجنہہ درج کی جاتی ہے۔ اس کا کچھ آخری حصہ کاغذ کے بوسیدہ ہونے کی وجہ سے نہیں پڑھا جاسکا۔ تاہم قبلہ بابو جی مدظلہ العالی نے تصدیق فرمائی ہے کہ تحریر حضرت ہی کی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ حَامِدًا وَ مَصْلِحًا

مرجع العلماء والصلحاء ولاذ الغریب والفقراء سردار صاحب کلمہ ربیہ

از درویش دل ریش محبت الفقراء مہر علی شاہ گولڑوی۔ السلام علیکم مطالعہ نمایند۔ اما بعد۔

قادِر مطلق و حکیم برحق جل و علا شانہ نے خلق کو زوج زوج یعنی جنت جنت پیدا کر کے خود کو فردیت اور یکتائی میں وحدہ لا شریک کہا۔ پھر بعض کو بعض پر فضیلت دے کر سب کو فقرا اور اپنے کو غنی ٹھہرایا۔ کو اکب سے آفتاب اور آیام سے یوم جمعہ علی ہذا القیاس حتی کہ انبیاء سے باعث ایجاد عالم صاحب تاج لولاک احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ممتاز فرمایا۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کا ارشاد پہنچا کر آدم و من دُونَهُ تَحْتَ لِوَانِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ سُئِلَ بِمَا كَسَبَتْ جَمِيلَةٌ أَسْ حَبِيبٌ اِزْلِي اَوْرَثَ اِبْدِلْمَ زِيْلِي كِي اِنِّي كَلَامِ پاك كُونَا زِل فَرَا كَرِهْمِدِيرِي نِي يَوْمِ مِيثاقِ بَجوابِ اَلْسْتِ بِرَبِّكَوْ جِس كُو مِ بَاعْتِ تَمَادِي قَرُونِ كَشِيْرَه كِي بَجُولِ كِي تَحِي يَادِ اِدْلَا يَا اَوْر اِطَاعْتِ اَو اَمْرِ وَاِجْتِنَابِ نَوَا سِي كُو دِيْلِ اِسْتِقَامَتِ اَوْر پَر نَخْلِي عَهْدِ كُو كِي ٹھہرایا۔

مخملہ اُن او امر شریفہ کے امر قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ لَجْرًا اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰنِي ميني كمالِ دوستي اور خلوصِ محبت اہلیتِ پاك کے ساتھ رکھو جن کے حق میں اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا فرمایا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

اس معنی میں جو کچھ مفسرین نے لکھا ہے وہ تو کسی کو بالاصالۃ اور کسی کو بالتبعیۃ معلوم ہے۔ اس واسطے اُس کا لکھنا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ البتہ کچھ کلام شیخ ابرق قدس سرہ الاطہر کی جو پیشوائے اہل کشف و شہود ہیں فتوحاتِ مکتہ باب انتہیٰ ۲۹ میں بے نقل کی جاتی ہے:-

قال قدس سرہ فدخول الشرفاء اولاد فاطمة كلهم رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن هو من اهل البيت مثل سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی یوم القیامة فی حکم ہذا الایۃ من الغفران فہم المطہرون اختصاصاً من اللہ و عنایتہ بہم لشرف محمّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و عنایت اللہ بہ ولا یظہر حکو ہذا الشرف لاهل البيت الا فی الدار الاخرۃ فانہم یحشرون مغفوراً اثم و اما فی الدنیا فمن اتی منهم حدّ اقيم علیہ کالتائب اذا بلغ الحاکم امرہ و قد زنی اوسرق او شرب اقيم علیہ الحد مع تحقق المغفرة کما عز و امثاله ولا یجوز ذمہ و ینبغی لکل مسلم یومن باللہ و بما انزلہ ان یردق اللہ تعالیٰ فی قولہ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا و یعتقد فی جمیع ما یصدر من اهل البيت ان اللہ تعالیٰ قد عفا عنہم فیہ فلا ینبغی لمسلم ان یلحق المذمۃ بہم ولا ما یثنا اعراض من قد شهد اللہ تعالیٰ بتطہیرہ و ذهاب الرجس عنہ لا یعمل عملوہ ولا یخیر قد موہ بل بسابق عنایتہ من اللہ تعالیٰ بہم ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے اولادِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو قیامت تک ہونے والی ہے آیتِ تطہیر میں داخل ہے یعنی پاک اور مغفور ہے۔ گو بظاہر اُن سے گناہ بھی صادر ہو، تاہم بعد اجراء حد و شرعیہ مغفور ہیں۔ اُن کی توہین اور

مذمت بسی اہل اسلام کو جائز نہیں۔ اس گروہ پاک کے پاک ہونے کی مدار کسی عمل پر نہیں بلکہ یہ محض فضل خدا کا ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ پھر اس کے بعد فرماتے ہیں :-

فلیعلموا الذم لہم ان ذالک راجعٌ الیہ ولو ظلموہ فذالک الظلم ہون فی زعمہ ظلم لانی نفس الامر وان حکم علیہ ظاہر الشرع بادائہ بل حکم ظلمہم ایانا فی نفس الامر یشبہ جری المقادیر علینا وعلی من جرت علیہ فی مالہ ونفسہ بغرقٍ او بحرٍ او غیر ذالک۔

خلاصۃ الترمذیہ۔ اس گروہ پاک کی مذمت کرنے والا خود محل مذمت ہوتا ہے اگرچہ ان سے گناہ بھی صادر ہو۔ جو شخص اللہ اور رسول کے ساتھ ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اس پاک فرقہ کے ظلموں کو بھی بمنزلہ جبریان قضا قدر سمجھے یعنی ظلم کو بھی ان کی طرف منسوب نہ کرے بلکہ راضی ہو کر مسلم رکھے۔ اگر اس قدر ایمان قوی نہ رکھتا ہو، تو برصیبت میں، جو اس کو اپنے مال یا جان یا عزت میں اہل بیت سے پہنچے صبر کرے۔ ہاں احکام شرعیہ بے شک ان پر جاری کیے جائیں گے مگر اہل اسلام کو ان کی مذمت نہ کرنی چاہیے اور اپنے حقوق کو ترک کرنا ان کی تعظیم کے واسطے اولیٰ ہے۔ اور کیوں کر ایسا نہ ہو جب کہ حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل اہل اسلام سے اپنی اہل قرابت کے واسطے دوستی رکھنے کا سوال فرما رہے ہیں بموجب اس آیت کریمہ کے قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰنِ۔ پھر ان کے ساتھ بغض رکھنے کے بعد کل حشر کے دن ان کے سامنے کس طرح منہ دکھلائیں گے اور شفاعت کی امید رکھیں گے۔

پھر شیخ اکبر آگے چل کر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے اگر تو حاکم ہے تو صاحب حق سے طلب عفو کی کر کہ اہل بیت سے اپنے حق کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر کسی طرح نہ ہو سکے تو پھر حکم شرعی کو امضا کر دے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس فرقہ پاک کا قدر اور مرتبہ جو عند اللہ ہے اگر تجھ کو معلوم ہو تو ان کے غلاموں کی غلامی کو غنیمت سمجھے۔ خوف طوالت کے واسطے حضرت شیخ کی کل عبارت بالاستیعاب تحریر نہیں کی جارہی جس صاحب کو تحقیق منظور ہو اسے باب انتیسویں فتوحات مکیہ میں ملاحظہ کر لے۔

سوال۔ جو کچھ حضرت شیخ نے فرمایا ہے چونکہ تحت ذیل آیت تطہیر ہے اس کا مصداق بجز قطعی صحیح النسب کے نہ ہو گا تو پھر کیا حکم ہے سادات اہل بیت کے لیے؟

جواب۔ قطعی صحیح النسب تو داخل شرف تطہیر ہے اور جو مستید ہے یعنی جن کے آبا و اجداد کسی اور قوم سے ہوں اور وہ دعویٰ سیادت کا اتر کرے اور اس کا یہ اتر معلوم بھی ہو جائے تو وہ داخل شرف مذکور نہیں بلکہ رحمت خاصہ سے دور ہونے کا مستحق ہے۔
دعا گواز گولڑہ

ایمان ثابتہ اصطلاح صوفیائیں ولی کی تعریف اور اسلام میں صوفیائی حیثیت کی سوالات کے جواب

محلوان شریف ضلع نواب گنج بارہنگی سے ایک صاحب سید علی نے بذریعہ خط یہ تین سوالات تحریر کیے :-

۱۔ اِذَا ارَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ فِيْهِ لَهٗ كِي ضَمِيْرٌ كَامْرَجٍ كُوْنُ هٗءِ اِغْرَشِيْئًا مَا نَا جَا ئَ تُو اُس كُو خَدَا ئَ تَعَالَى نَے پِدا ہِی نَہِیْ كِیَا قَبْلُ اَز تَخْلِيْقِ وُه مَرَج نَہِیْ ہُو سَكْتِ اِہِی تُو اُس كَے پِدا كَرْنِے كَا اِرَادَہ كِیَا ہِے۔

۲۔ وِی اللہ كَے مَعْنِی اِصْطَلَحِ صُوفِیَا مِیْن كِیَا ہِیْ؛ یَا ئُوں كَہِیْے كَہ طَرَقِے سَلُوْكَ مِیْن كُو نَا مَرْتَبَہ ہِے جَسَے طَے كَرْنِے كَے بَعْدُ سَالِكِ وِی اللہ كَہْلَانِے كَا مَسْتَحَقُّ ہُو سَكْتَا ہِے؛

۳۔ فِرَقَہ صُوفِیَا كِی اِسْلَامِ مِیْن كِیَا ضَرْوْرَتِ ہِے؛ كِیونكہ اِحْكَامِ شَرْعِیَہ اُور اِرْكَانِ اِسْلَامِ كِی تَبْلِيْغِ تُو بَدْرِیْعَہ قُرْآنِ شَرِیْفِ پَنْجْمِہ خُدَا نَے فَرْمَا دِی ہِے اُور اِس كِی اَشَاعَتِ عُلَمَا ئَے اِسْلَامِ بَدْرِیْعَہ دَرَسِ و تَدْرِیْسِ و تَحْرِیْرِ و تَقْرِیْرِ كَر رَہِے ہِیْ جُو نَجَاتِ كَے وَا سَطَے كَا فِی ہِیْ صُوفِی اِن اِحْكَامِ شَرْعِیَہ كَے سِوَا ئَے كِیَا تَا سَكْتِے ہِیْ اُور نَجَاتِ كَے سِوَا اُور كِیَا ہِے جُو اُن كِی تَعْلِيْمِ كَے سِلْسَلِہ مِیْن مِل سَكْتَا ہِے؛

حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا۔

۱۔ مَكْرَمًا اَشِیَا ہُو جُو دَہ كَے لِیْے قَبْلُ اَز تَخْلِيْقِ عِلْمِ بَارِی عَزَّ اَسْمَہُ مِیْن ثَبُوْتِ ہِے۔ اِس مَرْتَبَہ مِیْن اَعْيَانِ ثَابِتَہ كَہْلَا تَے ہِیْ اِرْجَاعِ ضَمِيْرِ یَا ئُوں كَہِیْے خُطَابِ كُنْ كَے لِیْے ثَبُوْتِ عِلْمِ كَا فِی ہِے۔

۲۔ سَالِكِ سَابِرِ اِلَى اللہ بَعْدُ مَشَاہِدَہ و تَجَلِيَاتِ (ہُو الظَّاهِر) اُور نِیْزِ تَجَلِيَاتِ (ہُو الباطن) اَوَّلًا بِحَسْبِ خُصُوْصِیَاتِ تَمِیْزَاتِ اِپْنِے كَے اُور ثَانِیًا بِاَفْئَا رَ بَعْضِ تَمِیْزَاتِ اِن كَے مَرْتَبَہ جَمْعِ مِیْن اُور بِالْكَلِیْہ فَا كَے مَرْتَبَہ جَمْعِ اِلْجَمْعِ مِیْن وِی كَہْلَانِے كَا مَسْتَحَقُّ ہُو تَا ہِے۔

۳۔ اُور ظَاہِر ہِے كَہ تَجَلِيَاتِ اَفْعَالِیَہ اُور صِفَاتِیَہ اُور ذَاتِیَہ كَا مَشَاہِدَہ بِحَسْبِ مَرَاتِبِ بَعْضِهَا فَوْقِ بَعْضِ دَرَسِ اُور تَدْرِیْسِ عِلْمِ ظَاہِرِی سَے نَہِیْ ہُو تَا۔ وَا لْسَلَامِ

دُعَا جُو دُعَا كُو مَہْرِ عَلِی شَاہِ بَقْلَمِ خُودِ

آیتِ تطہیر کے مصداق کون ہیں؟

حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی سجادہ نشین دربار حضرت موسیٰ پاک شہید صاحب ملتانى (رحمۃ اللہ علیہما) نے دریافت فرمایا تھا کہ آیتِ تطہیر کے مصداق کون ہیں؟ جواب میں یہ خط تحریر فرمایا:-

مُعْظَمِی مَكْرَمِی جَنَابِ مَخْدُوْمِ صَابِحِ حَفْظِ كَلِمَةِ اللہ تَعَالَى

وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللہ تَعَالَى جِوَابًا مَعْرُوْضِ ہِے كَہ آیتِ تطہیر مِیْن لَفْظِ اِبْلِیْئِ اُتْمَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْھِمْ الرِّضْوَانُ و اَلْ عِبَا عَلَیْھِمْ السَّلَامُ و دُوْنُوں كُو شَاہِلِ ہِے۔ سِیَاقِ آیتِ وَا حَادِیْثِ كَثِیْرَہ اِسی پَر دَالِ ہِیْ۔ وَا لْسَلَامِ

العجب

الملتجى والمشتكى الى الله المدعو بمهر على شاه بقلم خود از گولڑہ

معن زید پر آپ کا مسلک

معن زید کے جواز پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا مسلک آپ کے مندرجہ ذیل خط سے واضح ہوتا ہے:-

حامداً ومصلياً ومبسلاً

بعد سلام آنکہ آیتہ (إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ) اور نیز آیت (فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ) اور نیز متفق علیہ حدیث (فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي) میرا مکڑہ (يُؤْذِنِي مَا آذَاهَا) اور نیز حدیث (مَنْ أَحَبَّ الْحُسَيْنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي) اور نیز حدیث (حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ أَحَبَّ اللَّهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا) اور نیز حدیث (إِنَّ ابْنِي هَذَا يَعْنِي الْحُسَيْنَ - يُقْتَلُ بِأَرْضٍ مِنْ أَرْضِ الْعِرَاقِ يُقَالُ لَهَا كَرْبَلَا فَمَنْ شَهِدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَلْيَنْصُرْهُ) سب آیات و احادیث صحیحہ زید شقی اور اُس کے تابعان کے مستحق لعنت ہونے پر شاہد ہیں۔ کوئی اہل ایمان اس گروہ اشقیاء کی غیر ملعونیت کا قابل نہیں۔ جن لوگوں نے لعن زید سے منع کیا ہے۔ زید کو اچھا سمجھ کر نہیں کیا۔ بلکہ اس خیال سے کہ بجائے اس کے اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَحَسِّنْ وَحَسِّنْ وَفَاطِمَةَ پڑھنا بہتر ہے۔ شیطان کو اگر کوئی رات دن لعن کرے بجائے اس کے تلاوت، ذکر اور درود پڑھنا مفید ہے۔

آیت استخلاف (وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ آخِرِهِمْ) کا آخری جملہ (وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ) اور نیز زید شقی کا بعد شہادت سید الشہداء علیہ السلام کے کمال خوشی میں آگریہ کہنا کہ آج ہم نے آل محمد سے روزِ بدر کا انتقام اور بدلہ لے لیا۔ کما قال ۷

وَلَسْتُ مِنْ جَنْدِبِ إِنْ لَوْتَنَقَمَ مِنْ بَنِي أَحْمَدَ مَا كَانَ قَدْ فَعَلَ

زید کے کفر پر دال ہے کما صرح بہ القاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ الغرض زید کے مستحق لعن ہونے میں بہ تصریح ثقات کوئی شک نہیں اگرچہ بے سود امر ہے مگر اہل ایمان بمقتضائے (الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبَغْضُ فِي اللَّهِ مِنَ الْإِيمَانِ) ان گروہ اشقیاء پر لعنت بھیجنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بفضلہ ہم بوجہ اعمق حقیقتِ خلافتِ خلفائے اربعہ علیہم الرضوان و محبت اہل بیت علیہم السلام روافض یا خوارج سے علیحدہ ہیں۔ والحمد لله أولاً و آخراً و الصلوة و السلام منہ باطناً علیہ و ظاهراً و آلہ و صحبہ۔

۱۔ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں خدا نے انہیں دُنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔ ۲۔ پس کیا تم قریب ہو کہ اگر اعراض کرو تو زمین میں فساد کرو اور قلع رحمی کرو۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی اور انہیں بہرا کر دیا اور آنکھیں اندھی کر دیں۔ ۳۔ فاطمہ میرا مکڑہ ہے۔ جو چیز اُسے تکلیف دیتی ہے مجھے بھی تکلیف دیتی ہے۔

۴۔ جس نے حسنؑ اور حسینؑ سے محبت کی اُس نے میرے ساتھ محبت کی۔ جس نے اُن سے دشمنی کی اُس نے میرے ساتھ دشمنی کی۔ ۵۔ حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں جو حسینؑ کو دوست رکھے خدا اُسے دوست رکھے۔

۶۔ میرا بیٹا حسینؑ زمین عراق یعنی کربلا میں شہید کیا جائے گا۔ جو شخص اُس موقعہ کو پائے اُس کی مدد کرے۔

۷۔ جس نے اس کے بعد ناشکری کی وہ لوگ فاسق ہیں۔

دوسری فصل

ملفوظاتِ طیبات

تقریر جلسہ انجمن نعمانیہ لاہور

ذیل میں حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کی اُس مشہور تقریر کا خلاصہ دیا جاتا ہے جو آپ نے ۱۹ محرم ۱۳۳۱ھ مطابق (دسمبر ۱۹۱۲ء) کو انجمن نعمانیہ لاہور کے چھپیسویں سالانہ جلسہ میں مشاہیر علماء و فضلاء اور مسلمانوں کے ایک بڑے اجتماع کے سامنے فرمائی تھی اور جسے تنظیمین جلسہ نے "کلام الملوک ملوک الکلام" کے عنوان سے طبع کروا کر ملک میں نشر کیا تھا۔ اس موقع پر اہلسنت کے مشہور عالم و محدث مولانا وصی احمد صاحب سُورتی نے فرمایا تھا کہ سبحان اللہ حضرت نے ابستہ میں ایسی بلند پروازی فرمائی کہ اربابِ علم کو بھی مجحیرت کر دیا اور آخر میں اس قدر عام فہم مسائل فقہ پر گفتگو فرمائی کہ عوام کو بھی مضمون ذہن نشین کروا دیا۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - سُبْحٰنَ مَنْ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِیْمٌ - وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَنْزَلَ فِیْهِ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنْتُمْ حَرِیصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُوفٌ رَّحِیْمٌ وَعَلٰی اَهْلِ بَیْتِهِ وَعَتْرَتِهِ الْمَطْهَرِیْنَ بِتَطْهِیْرَةٍ وَاَصْحَابِهِ وَاَحِبِّیْهِ الَّذِیْنَ مَعَهُ اَشَدُّ اَعْلٰی الْكُفَّارِ رَحْمًا بَیْنَهُمُ الْغَاظَةَ مِنْهُ بِفَضْلِ جَسِیْمٍ وَعِلْمٍ عَمِیْمٍ - فَاَوَّلِیْتَهُ فِیْ اٰخِرِیْتِهِ وَاٰخِرِیْتَهُ فِیْ اَوَّلِیْتِهِ كَمَا اِنْ ظَهْرُوْرَةٌ فِیْ بَطُوْنِهِ وِبَطُوْنُهُ فِیْ ظَهْرُوْرَةٍ - بِشَیْئَتِنَا الثَّبُوْتِیَّةِ فِیْ قَوْلِهِ اِذَا رَا دَشِیْمًا اِنْ یَقُوْلُ لَهُ كُنْ وِمَوْجُوْدِیْتِهِ بِقَوْلِهِ فِیْ كُوْنٍ - ذَوَاتِنَا مَعَ مَكَانٍ اَسْتَعْدَادَتِهَا فِی الْحَضْرَةِ الْعِلْمِیَّةِ خَزَائِنُهُ وَفِیْضِهِ الْاَقْدَسِ كَمَا اِنْ وُجُوْدَاتِنَا مَعَ لَوْ اَحْقَنَا فِی عَرِصَةِ الْعِیْنِ الْمَكْتَسَبِ كَسَاءً وَمَا نَنْزَلُهُ اِلَّا بِقَدْرِ مَعْلُوْمٍ - فِیْضُهُ الْمَقْدَسِ مَنَا عَلَيْنَا لَمَنْهَ كَمَا اِنْ مِنْهُ لَا مَنَا مَالَنَا وَاَوَّلِ ظَهْرُوْرَاتِهِ حِیْنَ الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اَسْتَوٰی ثَانِی شِیُوْنَاتِهِ الْمَبْشُرِ بِمَا رَسَلْنَاكَ الْاَرْحَمَةَ لِلْعَالَمِیْنَ كَمَا اِنْ اٰخِرُ اَرْحَمَاتِهِ اِذَا مَا یَشْفَعُ عِنْدَهُ الْاِبَادَةُ اَوَّلِ اِذْنَاتِهِ - فَهُوَ صَلٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلِ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرَهُ كَمَا اِنْ اٰخِرُ بَخَاتِمِ النَّبِیِّیْنَ ظَهْرُوْرَةٌ وِمَنْ هُنَا مَتْنَعٌ مِثْلُهُ وَنَظِیْرُهُ - فَانِ الْاَوَّلُ لَیْسَ بِثَانٍ وِكَمَا اِنْ الثَّانِی لَیْسَ بِاَوَّلٍ - فَامْتِنَاعُ شَرِیْكَ الْبَارِیِّ عِزَّاسْمَةٍ مِنْ ذَاتِهِ كَمَا اِنْ عَدَمُ اِمْكَانِ نَظِیْرِهِ صَلٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حِیْثُ بَعْضُ صِفَاتِهِ - فَظَاهِرًا اِنْ الْمَقْدُوْرَاتِ غَیْرِ مَحِیْطَةٌ بِالْمَعْلُوْمَاتِ فَاتَّضَحَ الْاَمْرُ بِاَوْضَحِ الدَّلٰلَاتِ بِغَیْرِ مَدْخَلِ مَسْأَلَةِ اِمْكَانِ الْكُذْبِ وَاَمْتِنَاعِهِ اللّٰهُمَّ

ارنا حقیقۃ الاشیا كما هي

حمد بے حد اُس ربِّ کریم و رحمان و رحیم کے لیے کہ جس نے بعد الوجود ہم کو اشرفِ مطالب اور افضلِ مرغب یعنی علم کی وہبتاً اظہارِ فضیلت سے بقولہ تعالیٰ (قل هل يستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون) و قولہ تعالیٰ (وما یعلمہا الا العلمون) و قولہ تعالیٰ (انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء) و قولہ تعالیٰ فی جوابہ لابراہیم علیہ السلام (مدیثِ قدسی) (اننی علیکم احب کلِّ علیم) ممتاز فرمایا۔ اور درود بے حد اُس روف و رحیم پر کہ جس نے اپنی مجسمہ رحمت اور مکملہ عنایت و شفقت سے بقولہ علیہ السلام (فضل العالم علی العابد کفضل علی ادناکم رجلاً) علما کی فضیلت ظاہر فرمائی۔

اس میں شک نہیں کہ شرفِ صفت بحسبِ شرفِ موصوف ہو کرتا ہے اور علمِ مقابلِ جہل چونکہ صفاتِ الہیہ واجبہ سے ہے لہذا فضیلتِ علمی پر کوئی بُرا مان قائم کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ حسن و قبح اشیا شرعی ہو یا عقلی بہر کیف بیان مذکور بنا بر مسلکِ ہر دو فریقِ اہلِ نقل و عقل علمی فضیلت کے لیے کافی ثبوت ہے۔

لے پاک اور بلند ہے وہ ذات کہ اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور اُسے ہر چیز کا علم ہے۔ اور درود اور سلام اُس ہستی پر جس کی شان میں نازل ہوا "عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" (اگر اسے اُس پر وہ جو تمہارے لیے نقصان کا باعث ہو اور وہ نہایت خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا۔ روف و رحیم ہے مومنوں کے حق میں) اور حضور کی اہل بیت اور عترت پر جو حضور کی تطہیر سے مطہر ہیں۔ اور آپ کے اصحاب اور احباب پر جو آپ کی معیت سے مشرف ہیں۔ سخت ہیں کفار پر اور مہربان ہیں باہم حضور کے استفادہ سے اور حضور کے فضلِ جسم اور علمِ عمیم کی بدولت حضور کی اولیت آپ کی آخرت میں اور آخرت اولیت میں مندرج ہے۔ جس طرح آپ کا ظہور بطون میں اور بطون ظہور میں مندرج ہے۔ ہماری ہستی کا ثبوت حق تعالیٰ جل شانہ کے قول "کن" سے اور وجودِ ارشادِ فیکون سے ثابت ہے۔ ہماری ہستیاں اللہ تعالیٰ کے علمِ قدیم میں اپنی مخفی استعدادوں کے ساتھ اُس کے غیبی خزانوں اور فیضِ اقدس میں حاضر ہیں۔ اور ہمارے خارجی وجود اپنے لوازمات کے ساتھ عالمِ دنیا کے میدان میں اندازہ الہی کے مطابق وجود کا لباس پہن کر اسی کے فیضِ مقدس سے قائم ہیں پس اُس کے فیضِ مقدس کا منشأ ہماری استعدادیں ہیں جو ہم پر ظہور پذیر ہوتی ہیں نہ کہ اُس کی ذات پر۔ اُس کا اولین ظہور استوی علی العرش ہے اور اُس کی شانِ ثانی وہ ہے جس کی بشارت اُس کے ارشادِ "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ" (ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر عالم کے لیے رحمت) میں موجود ہے۔ اور اُس کی آخری رحمت کا ظہور اُس وقت ہو گا جب کہ اُس کی اجازت کے بغیر اُس کے حضور میں کوئی سفارش نہیں کرے گا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق میں سب سے اول ہیں اسی طرح اذنِ شفاعت میں بھی سب سے اول ہوں گے۔ باعتبارِ ظہورِ خارجی آپ خاتم النبیین ہیں اور اسی وجہ سے آپ کی مثل اور نظیر ناممکن ہے کیونکہ جس طرح اول ثانی نہیں ہو سکتا۔ ثانی بھی اول نہیں ہو سکتا۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ کا شریک ہونا من حیث الذات ممکن نہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی ہونا من حیث الصفات ناممکن ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ ہر معلوم الہی تحت قدرت نہیں جیسے کہ خود ذات و صفات واجب الوجود پس نتیجہ یہ نکلا کہ مسئلہ امکان و امتناع کذب کی مداخلت کے بغیر حضور کی نظیر کا امتناع واضح دلائل سے ثابت ہوا۔ الہی ہمیں حقائقِ اشیا کا حقد و کھلا دے۔

لے فرمادیجئے کیا برابر ہو سکتے ہیں علمِ والے اور وہ جو علم نہیں رکھتے بلکہ ان کو علم والوں کے بغیر کوئی نہیں جانتا لے بے شک خدا سے علم والے ڈرتے ہیں۔ علم والوں اور ہر صاحبِ علم کو دوست رکھنا ہوں لے عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری تم میں سے سب سے ادنیٰ پر۔

جمع علوم کا احاطہ خارج از قدرت عباد ناممکن ہے۔ لہذا ہم العلوم اور مہتمم باشان علم یعنی علم دین کی طرف توجہ اولاً ضروریات میں سے سمجھی جاتی ہے کیونکہ اس اشرف الانواع، مہجور الوطن حضرت انسان کا اپنے اصل تک رسائی کا یہی ذریعہ ہو سکتا ہے نہ علوم عقلیہ محضہ۔ مثلاً مبداء فیاض حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس غریب مسافر سب سے پس ماندہ و مہجور تر کو وطن اصلی میں پہنچنے کے لیے ہدایت فرمائی کہ خبردار کہاں تو اور کہاں ہم۔ کجا ہستی اور کجا نیستی۔ نابود کو کیا مجال ہے کہ بالذات خود کچھ دکھا سکے یا حق مولیٰ ادا کر سکے۔ وہ خود ناچیز ہے بغیر امداد و توفیق ہماری کے کیا کر سکتا ہے؟ اگر کچھ توفیق خدا داد کے بعد تم سے ہو سکے تو صرف اپنی کارروائی کو اکیلا ہر ایک شخص عابد حضرت سلطان یعنی ہماری جناب میں مت پیش کرنا۔ کیونکہ ناقص اور ردی متاع بالذات خود در علیحدگی اس قابل نہیں ہوتا کہ حضرت سلطان میں پیش کیا جاوے۔ البتہ عیب پوشی کا ہم ہی تجھے ایک آسان راستہ بتاتے ہیں۔ اس معیوب اور ردی رخت اپنی کو عمدہ اور جید متاعوں کے ضمن میں ہمارے پیش کرو۔ یعنی اپنی ردی اور ناقصہ عبادت اور بندگی کو انبسیا، اولیاء اور ملائکہ کی عبادت میں شامل کر کے بصیغہ جمع ایاتِ نعبد و ایاتِ نستعین (ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم سب تجھی سے مدد مانگتے ہیں) عرض کرو۔

ہماری شریعت منزلہ کا مسئلہ ہے کہ جب اجناس مختلفہ کو ایک عقد میں بیع کیا جائے اور پھر بعض اشیاء کا عیب ظاہر ہو تو اس صورت میں مشتری یا ساری چیزوں کو واپس کرے یا سب کو رکھ لے نہ یہ کہ ردی کو واپس کرے اور اچھی کو رکھ لے جب بندے کے حق میں ہماری شریعت صرف ردی اور معیوب کے واپس کرنے کا فیصلہ نہیں دیتی تو سلطان الکمل اور مولیٰ الکمل کی شان خداوندی سے زیبا نہیں کہ ردی عبادت کو واپس کیا جائے بلکہ یہی زیبا ہوگا کہ سب کو منظور کیا جائے۔

حضرات سامعین! یہ ایک تمثیل بطور مشتمل نمونہ از خرد و ذوق کے از ہر اصراف اس غرض کے لیے پیش خدمت کر دی گئی ہے کہ یہ ثابت ہو جاوے کہ بغیر علم دین و تعلیم شارع ایسے راستے کا معلوم کر لینا کہ جس سے اپنے خالق کی رضا حاصل کی جائے یا وطن اصلی تک پہنچا جائے ناممکن ہے۔ بغیر علم کے انسان گویا مردہ ہوتا ہے ولنعم ما قیل

وفي الجهل قبل الموت موت لاهلہ فاجسامہم قبل القبور قبور

وان امرہ لمریحی بالعلومیت ولس لہ حتی النشور نشور

دینی علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: طلب العلم فرض علی کل مسلم۔ قال اللہ تعالیٰ قلوا لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیلتفقوا فی الدین ولینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون۔

عبد اللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں دو مجلسیں اہل ذکر و مجلس تعلیم و تعلم کے ملاحظہ فرمانے پر ہر دو مجلس کے اہل پر خوشنودی ظاہر فرمائی اور سلسلہ تعلیم والے گروہ کو ذکرین پر تزیین دی اور فرمایا کہ انہما بیعتت معلما میں بہ حیثیت و منصب معلمی مبعوث ہوا ہوں اور گروہ اہل علم کو شرف شمولیت بخشا اور ان کے پاس

اے جہل میں موت سے پہلے موت ہے اور جہلا کے اجسام قبروں سے قبل قبریں ہیں۔ اگر کوئی انسان علم سے زندہ نہ ہو تو وہ مردہ ہے اور قیامت کے اٹھنے تک اس کے لیے کوئی زندگی نہیں۔ اے ہر مسلمان پر طلب علم فرض ہے۔ اے ان مسلمانوں کے ہر فرقہ سے ایک گروہ کیوں جہاد پر نہیں نکلا تا کہ (باقی ماندہ) دین حاصل کرتے اور اپنی قوم کو واپس آنے پر ڈراتے تاکہ وہ احتیاط کریں۔

جلوس فرمایا۔

یونس ابن میرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الخیر عادیۃ والشر لجاجۃ ومن یرد بہ خیراً ینفقہ فی الدین۔ وایضاً خیار امتی علمائہا وخیار علمائہا فقہائہا۔ بہترین امت علماء ہیں اور علماء سے برگزیدہ اہل فقہائت و فہم ہیں۔ آیت مذکورہ و حدیث ہذا سے ثابت ہوا کہ اہل قرآن و اہل حدیث میں سے برگزیدہ گروہ اہل فقہائت و فقہائے کرام کا ہے یعنی جن کو قرآن و حدیث میں سمجھ اور فقہائت ہو بخلاف خیال اہل زمانہ موجودہ کے کہ فقہاء کو مقابل اہل قرآن و حدیث ٹھہراتے ہیں۔

بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ التفقہ فی الدین حقٌ علی کل مسلم الا تعلموا و علموا و تفقہوا و لاتموتوا جہالاً۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ما عند اللہ بشیء افضل من فقہ فی الدین۔ فقیہ و احدٌ اشدُّ علی الشیطان من الف عابد۔ و لکل شیء عمادٌ و عماد الدین الفقہ۔ و ایضاً العلماء و رثۃ الانبیاء۔ و ایضاً للانبیاء علی العلماء فضل درجتین و للعلماء علی الشہد فضل درجۃ۔

تینا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ العلم خیر من المال۔ العلم یحرسک و انت تحرس المال۔ العلم حاکم علیک و المال محکوم علیہ۔ مات خزائن المال و بقی خزائن العلم۔ اعیانہم مفقودۃ و اشخاصہم فی القلوب موجودۃ۔

طالب علم دینی کا شان۔ قولہ علیہ السلام ان الملائکۃ لتضع اجنحتہا الطالب العلم رضی بما طلب۔ طلباء کو فن کتابت سے کافی جتہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ قولہ علیہ السلام: قید و العلم بالکتاب ایضاً استعمل یدک۔ کاتب کو اشکال حروف کی درستی اور ضبط بالنقطہ محل اشتباہ میں ضروری ہے۔ بروایت مختلفہ ثابت ہے کہ عربی زبان میں پہلے کاتب آدم علیہ السلام اور بعد طوفان اسمعیل علیہ السلام تھے۔

عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ پہلے کاتب متقدمین میں سے وہ لوگ تھے جن کے اسماء حسب ذیل ہیں:-
ابجد۔ ہوز۔ حطی۔ کلمن۔ سفص۔ قرشت۔ یہ لوگ مدین کے بادشاہ تھے۔

اشکال حروف کو معمولی نظر سے نہ دیکھنا چاہیے۔ یہی اشکال الفاظ پر اور الفاظ معانی پر اور معانی امر محل بسط باطن پر دال ہے

۱۔ خیر عادیۃ ہے اور شر لجاجت اور جو شر کو خیر سے بدل ڈالے اُسے فقہائت فی الدین حاصل ہوتی ہے۔ میری امت کے خیار علماء ہیں اور علماء کے خیار فقہائیں۔ ۲۔ فقہائت فی الدین ہر مسلمان پر واجب ہے۔ خبر دار علم پڑھو اور پڑھاؤ اور فقہ حاصل کرو اور جاہل ہو کر مت مرو۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقہائت فی الدین سے افضل کوئی چیز نہیں۔ ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔ ہر چیز کا ایک ستون ہے اور دین کا ستون فقہ ہے۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء کے لیے علماء پر دو درجے ہیں اور علماء کے لیے شہداء پر ایک درجہ۔ ۴۔ علم مال سے بہتر ہے کہ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی علم تجھ پر حاکم ہے اور مال محکوم مال کے خزانے مٹ گئے اور علم کے خزانے باقی رہ گئے۔ ۵۔ اہل علم کے اجسام مضمون ہیں لیکن ان کے ذوات دلوں میں موجود ہیں۔ ۶۔ علم کو طالب علم کی راہ میں پرچھاتے ہیں۔ علم کو کتابت میں تمیز کر دینے ہاتھ سے لکھو

اور وہی امر بیطباطنی معانی بعد ازاں الفاظ بعد ازاں شکل و نقوش سے ظاہر ہو رہا ہے۔ گویا عالم نقوش و الفاظ و معانی متکثرہ میں اسی کا ظہور ہے جس کی جلوہ گاہ باقی عوالم ہیں بنظر اعتبار و تدبیر جس عالم کو دیکھا جائے ہو الاول۔ ہو الآخر۔ ہو الظاہ۔ ہو الباطن کا درس ہو رہا ہے۔ عارف نے فرمود ہے

نخستیں بادہ کا ندر جہام کردند
مزا جس عکس آں کلف م کردند

اس پر از جانب فقیر

بہ مہر آنکہ غیرش نیست موجود
ز خود آمنت از وہم انجم کردند

حضرات طلبا! آپ صاحبان میں سے کسی صاحب کو اگر جذبہ ازلی نے یہاں تک رسائی نصیب فرمائی تو پھر طبعاً خود بخود ہی نیاز مند کے پہلے سوال منجملہ سوالات مندرجہ رسالہ فتوحاتِ صمدیہ متعلق لمیثہ ترتیب حروف تہجی الف۔ ب۔ ت الخ کا جواب منکشف ہو جائے گا۔ جملہ اہل اسلام پر بدلیل قولہ تعالیٰ للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ طلباء علم دینی بما یتعلق بہ کی خدمت حسب توفیق واجب ہے۔

آخری معروض بحضرت طلبا! آپ صاحبان نے حدیث شریف انما الاعمال بالنیات کو بخوبی سمجھا ہوا ہے اس کی تعمیل نہایت ضروری سمجھیں۔ مبادا کہ خدا نخواستہ فسادِ نیت (جدلِ مرا) منہی فی الاحادیث کی وجہ سے اس عرہہ تقویٰ و ربوہ علیہ سے گرجاویں۔ والسلام

حضرت کی اس تقریر کا نمایاں اثر یہ ہوا کہ مدرسہ کی امداد کے لیے سابقہ معمول سے بہت زیادہ چندہ جمع ہونے کے علاوہ جدید تسلیم یافتہ لوگ جو نماز میں بدیں خیال سُستی کرتے تھے کہ جب ہم کامل نماز نہیں پڑھ سکتے تو ناقص نماز پڑھنے سے کیا فائدہ، باقاعدہ نماز کے پابند ہو گئے۔ علماء سے لے کر عوام تک سب آپ کی تقریر سے محظوظ و متاثر ہوئے۔

شیخ اکبر کی تعلیمات پر ایک اعتراض کا جواب

حضرت کے ملفوظاتِ طیبات میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ فصوص الحکم مصنفہ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کے سبق کے دوران کتاب کے الفاظ (الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي اَوْجَدَ الْاَشْيَاءَ وَهُوَ عِنْتَهَا رَسَبٌ تَعْرِيفٌ سزاوا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ایجاد فرمایا اشیاء کو اور وہ عین ہے ان کا) کی تشریح کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ لوگوں کو حضرت شیخ کی اس عبارت سے وہم ہوا ہے کہ اس سے خالق و مخلوق کا اتحاد لازم آتا ہے۔ مگر عا شا و کلا۔ شیخ کی مراد ہرگز یہ نہیں۔ کیونکہ لفظ عین کے دو معانی ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ کہا جائے کہ فلاں چیز اپنا عین ہے مثلاً الانسان انسان اور دوسرے یہ کہ کسی چیز کا قیام اور تحقق کسی اور چیز سے ہو کہ اگر وہ نہ ہوتی تو اس کا کوئی وجود نہ ہوتا اور یہاں شیخ نے یہی معنی لیے ہیں کہ اگر واجب الوجود کا تعلق مخلوقات سے قطع تصور کیا جائے تو مخلوق کافی نفسہ کوئی وجود نہ ہوگا۔ اور فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک مجددی حضرت بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر مراقب ہو کر بیٹھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ عالم مثال میں حضرت محبوب الہی فصوص الحکم کا درس دے رہے ہیں۔ میں نے سوال کیا کہ اوجد الاشیاء وهو عینہا کی عبارت سے بظاہر خالق و مخلوق کا اتحاد مفہوم ہوتا ہے۔ حضرت موصوف نے ایک لمحہ تامل فرمایا کہ ناگہاں حضرت شیخ اکبر کی رُوح پُرفتح تشریف لائی اور حضرت محبوب الہی صاحب سے فرمایا کہ

آپ کیوں یہ جواب نہیں دیتے کہ میں نے دَهُوَ عَيْنُهَا کہا ہے نہ کہ دَهَى عَيْنُهُ یعنی یہ نہیں کہا کہ اشیا اللہ تعالیٰ کا عین ہیں۔ بلکہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اشیا کا عین ہے۔

توحید و جود کی متعلق انھیں الخواص کے عقیدہ کا بیان

حضرت فرماتے ہیں کہ ظاہر بن جنہیں قدرت نے نور باطن سے نہیں نوازا، اپنی کم فہمی کی وجہ سے شیخ اکبر کے مسئلہ توحید و جود کی کو عقیدہ حلول سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ حضرت شیخ نے اپنی تحریروں میں صریحاً اس عقیدہ کا انکار اور رد فرمایا ہے۔ فتوحات مکیہ میں شیخ فرماتے ہیں کہ ظاہر بن گروہ کا عقیدہ، جو دلائل ظاہر پر مبنی ہے، یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نسبت اپنی مخلوق کے ساتھ ایسے ہے جیسے صنایع کی مصنوع کے ساتھ۔ وینبغی لکل مسلمان یعتقد (اور ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے) مگر خاص الخواص لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اشیا کا مظہر ان کا عین ہے یعنی اشیا اسماء کے ظل کے مثل ہیں۔ اور ظل کی کوئی حقیقت نہیں ماسوائے اس نمود بے بود کے۔ اس معدوم کائنات کی روشنی دراصل آفتاب ذات واحد کے فیوضات کا عکس ہے پس غیر حق کہاں سے ہوا اور کیا ہے؟ کان اللہ ولو یکن معہ شیء والآن کما کان (مخلوقات کی خلق سے پہلے اللہ ہی تھا اور اُس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی۔ اب خلق کے بعد بھی ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا) اور حضرت شیخ سب مسلمانوں کو اس عقیدہ پر مجبور و مکلف نہیں فرماتے بلکہ ان کے خیال کے مطابق یہ عقیدہ نفوس قدسیہ کے مشاہدات اور تجلیات خاص سے ہے جو ان برگزیدہ ہستیوں کو بحکم ذوق عرفان حاصل ہوتا ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عالم من حیث المجموع ذات مع الصفات کا خلاصہ ہے۔ اور شیخ یہاں اصح الرویتین کو، اور بارگاہ نبوی میں جبرئیل علیہ السلام کے شکل دہیہ کلبی حاضر ہونے کے واقعات کو شہد لاتے ہیں وہاں قوم کو تو وہ دہیہ کلبی نظر آ رہے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ جبرئیل ہیں۔ حالانکہ نہ تو وہاں جبرئیل دہیہ کلبی میں حلول کیے ہوئے تھے اور نہ یہ بات تھی کہ جبرئیل بھی موجود تھے اور دہیہ کلبی بھی۔ دراصل جبرئیل علیہ السلام اپنی حقیقتِ ملکیت پر باقی رہتے ہوئے عالم شہادت میں بصورتِ دہیہ کلبی متمثل ہوئے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت مبارک میں وہ اپنی حقیقتِ ملکیت ہی میں نظر آ رہے تھے مگر قوم کی روایت کی رسائی ان کی صورتِ متمثلہ ہی تک تھی اور چونکہ صحیح ترین روایت، روایتِ محمدی ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی صحیح تھا کہ ذالک جبرئیل (یہ جبرئیل ہیں)

پھر اس مقام پر حضرت قبلہ عالم قدس بترہ نے فرمایا کہ مجھے ابتداء حال میں اپنا وجدان اس مسئلہ توحید میں آیت کریمہ فتتمثل لها بشرًا سویتا کی طرف راہ دکھاتا تھا جس میں فرشتہ آکر حضرت مریم علیہ السلام کو لڑکے کی بشارت دیتا ہے، حضرت مریم کی روایت میں وہ بشر تھا مگر وہ خود کہتا ہے انما انا رسول ربک (یعنی میں فرشتہ ہوں) مطلب یہ ہوا کہ حقیقتِ ملکیتِ انسانی متمثل ہو کر ظاہر ہوئی جب حقیقتِ ملکیت کا یہ حال ہے کہ اُسے اپنے آپ کو ادراک کرانے کے لیے متمثل ہونا پڑتا ہے تو کمال تجلیات حق کو محدود علوم انسانی کیسے احاطہ کر سکتے ہیں۔ ایسا کرنے کے لیے تو خود حق سبحانہ تعالیٰ کا اپنا علم جو اتم اور اکمل العلوم ہے وہی انسان کی راہ نمائی کرتا ہے۔ اور اس علم الہی کے ورود کا مقام انسان کی زبان نہیں کہ قیل وقال سے درست ہو سکے بلکہ وہ جو ہر نورانی ہے جس سے کمال انسانی محقق ہے پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ دیکھنے والا اپنی بنیاد کی استعداد اور اندازہ کے مطابق ادراک کرتا ہے اور عقائد کے مدارج میں تفاوت بوجہ تفاوت ادراک کے ہے تو پھر وہ اعتراض کہاں رہ جاتا ہے جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ

حضرت شیخ کے اس عقیدہ کے مطابق خدا جبر ہے یا شجر ہے یا پہاڑ یا آسمان۔ دراصل شیخ کے اس عقیدہ عینیت کی مدار اُن نفوس قدسیہ کی صحیح ترین روایت اور مشاہدہ ہے جنہیں قدرت کی طرف سے یہ شرف اختصاص کیا گیا ہے۔ نہ کہ عوام ظاہرین کی روایت جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ پھر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ "کان الشیخ آية من آیات اللہ" حضرت شیخ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے)

راقم المحروف کہتا ہے کہ حضرت قدس سرہ کا یہ لفظ توحید و جود کی کبشیں بہا اسرار و رموز کے بیان میں ہے لیکن اس سے وہی شخص صحیح مستفید ہوگا جسے ارواح طیبہ کی توجہ سے اس مسئلہ کے ساتھ مناسبت ہو ورنہ شیخ ابن تیمیہ جیسے جلیل العلماء ظاہر اس معاملہ میں ٹھوکر کھا گئے اور توحید و جود کو حلال سمجھ کر حضرت شیخ اکبر اور دیگر اکابر مشائخ و جود کے خلاف اپنی تصانیف میں سخت نامناسب کلمات تحریر کیے۔

اِس جَانِ حَلُولِ اسْتِ نَهْ اِنْكَارِ شَرِيعَتِ
 كَوْتِيْدِ زَمَنِ مَدْعِيْ عِلْمِ وَهَيْبَتِ رَا
 تَارِدِ سُبُوْكَشِ نَهْ شُوْدِ كَشِيْخِ چِهْ دَانْدِ
 اِس بے خودی و ذوقِ دلِ اہلِ نظرِ اِ
 فِضَّ

روایت الہی کے بارے میں حضرت شیخ اکبر کے مسلک کی تشریح

حضرت فرماتے ہیں کہ بعض مشاہیر سے منقول ہے کہ حضرت شیخ اکبر اس دنیا میں روایت الہی کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ "ما را ای اللہ الا اللہ (خدا کو خدا کے سوا کسی نے نہیں دیکھا)۔ اور اگر روایت نہیں ہو سکتی تو پھر درویشوں اور عشاق کی کوششیں اور سوز و طلب و تعب کس واسطے ہے۔ یہ حضرات بھی شاید شیخ کے اصل مقصد کو نہیں پہنچے۔ شیخ روایت کے منکر نہیں بلکہ فتوحاتِ مکتبہ میں فرمایا ہے ۷

اِذَا مَا تَجَلَّى الْحَبِيبُ بَايَ عَيْنِ اِرَاةَ بَعِيْنِهْ اِرِيْ لَا بَعِيْنِيْ اِسْرَاةَ
 یعنی محبوب حقیقی جب تجلی کرے تو اُسے کس آنکھ سے دیکھوں۔ اُس کو اُسی کی آنکھ سے دیکھوں گا نہ اپنی آنکھ سے۔
 خواص اس مقام میں شاہد و مشہود کو الالہی غیرت سے پاک اور بجز حق کے نہیں جانتے۔ وہی ذکر وہی مذکور، وہی شاہد وہی مشہود۔ "لیس فی الدار غیرہ" (اُس کے سوا گھر میں کوئی نہیں) حدیث قدسی نے اس معنی کو یوں بیان فرمایا ہے "بی یسمع و بی یبصر" (مجھ سے دیکھتا اور مجھ سے سنتا ہے) اس مشاہدہ میں شاہد کا سب تن بمنزلہ چشم ہو جاتا ہے اور بہم تن جمال حق کو دیکھتے ہیں۔ ۷

ہم دیدہ گشتہ چوں ز گس تنش

(اُس کا سارا تن ز گس کی طرح آنکھ بن جاتا ہے)

اور یہ مقام حضرت شیخ کے مستفیضین شیخ ابن الفارض وغیرہ کو بھی حاصل ہے اور حضرت جامی علیہ الرحمۃ نے اپنے اس شعر میں بھی اسی چیز کو بیان کیا ہے ۷

بے منزل آمد ز من تا بتو شاید ترا یافت الا بتو

یعنی تیرے اور میرے درمیان بہت منازل ہیں اور تجھے تیرے بغیر پانا ممکن نہیں۔
تجھے دیکھنا بھی جاناں ہے تری نظر سے ورنہ کہاں تیرا حسن مطلق کہاں میری کم نگاہی

ایک شبہ کا ازالہ

اور یہ جو شیخ سے منقول ہے کہ خاتم الانبیاء مقام ولایت میں خاتم الاولیاء سے اخذ کرتے ہیں۔ بظاہر یہ کلام منکرین پر گراں گزرتا ہے لیکن اہل معنی پر از روئے معنی گراں نہیں کیونکہ خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء میں اس طرح کا سلسلہ اتصال و اتحاد پیدا ہو جاتا ہے کہ نبی کے لیے ولی بمنزلہ اعضاء و آلات ہو جاتا ہے مثل ہاتھ، پاؤں، کان آنکھ وغیرہ کے۔ انسان کو اگر کوئی چیز کپڑنی ہو تو ہاتھ استعمال کرتا ہے، چلنا ہو تو پاؤں سے مد لیتا ہے۔ دیکھنے کے لیے آنکھ سے فائدہ اٹھاتا ہے اور سُننے کے لیے کان سے۔ مگر ان باتوں سے اعضاء کو انسان کے نفس ناطقہ پر فوقیت حاصل نہیں ہو جاتی۔ ایسا ہی جبرئیل علیہ السلام کو باوجود واسطہ بننے علوم وحی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت نہیں۔ پس خاتم الاولیاء کو خاتم الانبیاء پر کس طرح فضیلت ہو سکتی ہے۔

حضرت شیخ الشیوخ سہروردی اور شیخ اکبر

حضرت فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی ہم عصر تھے ایک روز بازار میں آمنے سامنے گذرتے ہوئے نظریں دو چار ہوئیں حضرت شیخ الشیوخ سے ان کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا رَجُلٌ مَبْلُغٌ حِكْمَةً وَ اَسْرَارًا رِثَیْصُ اللّٰهِ تَعَالٰی کِی حِکْمَتُوں اور اسرار کا خزانہ ہے حضرت شیخ اکبر نے حضرت شیخ الشیوخ کے بارہ میں فرمایا۔ رَجُلٌ مَبْلُغٌ اِتِّبَاعًا وَ مُسْتَنَادًا رِثَیْصُ اللّٰهِ تَعَالٰی نبوی علی صاحبہما الصلوٰۃ والسلام سے مملو ہے

پھر فرمایا حضرت شیخ الشیوخ اپنے مریدوں کو شیخ اکبر کے پاس جانے سے منع فرماتے تھے۔ جب شیخ کا وصال ہوا تو شیخ الشیوخ نے سخت رنج اور افسوس کا اظہار فرمایا۔ لوگوں نے پوچھا کہ شیخ ابن عربی کی زندگی میں تو آپ ہمیں اُن کی صحبت سے منع فرماتے تھے اب اس عزم و الم کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ شیخ کا کلام نہایت بلند اور عمیق ہوتا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ تم لوگ اپنے قصورِ فہم کے باعث معترض ہو کر بے ادبی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

حضرت شیخ اکبر ایک مخالف کے جنازے پر

ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ حضرت شیخ اکبر اپنے ایک مخالف کے جنازے پر تشریف لے گئے۔ یہ شخص آپ پر روزانہ لعنت کیا کرتا تھا۔ اُسے مبتلائے عذاب دیکھ کر توقف فرمایا اور اُس کی قبر پر پستریزار بار نفی اثبات کا ذکر کر کے اُس کے لیے استغفار کیا۔

حضرت شیخ اکبر کا کشف

ایک اور موقع پر فرمایا کہ حضرت شیخ اکبر کے کشف کی کیفیت تھی کہ کسی شخص پر تین مرتبہ نظر فرما کر روزِ میثاق سے حشر تک اُس کے احوال پر مفصل طور پر مطلع ہو جاتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ حضرت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی معنوی اولاد تھے۔ ان کے والد کی عرضداشت پر حضور غوث پاکؑ نے فرمایا تھا کہ تمہاری تقدیر میں اولاد نہیں مگر میری صلب میں ایک فرزند موجود ہے۔ میری پشت سے اپنی پشت ملاؤ۔ چنانچہ پشت ملانے پر یہ فرزند انہیں منتقل کر دیا۔

حضرت شیخ اکبر کا ایک مُرید کو تجلی دائمی ابدی کا عطیہ

حضرت کا ارشاد ہے کہ صوفی دو قسم پر مشتمل ہوتے ہیں ایک متعلق باخلاق اللہ اور دوسرے متعلق باخلاق اللہ۔ حضرت شیخ اکبرؒ قسم ثانی سے تھے کہ احوال اور اہمات اور تبدل اشکال وغیرہ پر قادر تھے۔ حضرت شیخ کے ایک مستفیض شاگرد شیخ صدر الدین قنوی فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں بعض معارف و حقائق بیان کیے جس پر آپ مخطوطہ مسرور ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ سب آنجناب کے ہی تصدق اور افاضہ کی بدولت ہے اللہ تعالیٰ نے حضور کو تحقق بالاسماء کا رتبہ عالیہ عطا فرما رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھ پر تجلی دائمی ابدی وارد فرمائی جائے جس سے ایک ساعت بھی محو ہوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ مجھ سے بارہا وصف احوال و اہمات کا ظہور ہوا ہے اور خلق خدا کو گونا گوں قسم کے فوائد پہنچتے رہے ہیں لیکن یہ نعمتِ عظمیٰ آج تک مجھ سے کسی کو نہیں ملی۔ اب تمہیں عطا کرتا ہوں۔ چنانچہ اسی وقت تجلی دائمی ابدی میرے حال پر وارد ہو گئی۔

فصوص المحکم کا ایک سبق

”فصوص المحکم“ کے سبق کے دوران ایک روز فص آدم (فص حکمۃ الہیہ فی کلمۃ آدمیۃ فاذل ما القاء الممالک) کی تشریح میں حقیقتِ عالم پر اس طرح تقریر فرمائی کہ فص لغت میں نگین کو کہتے ہیں اور یہاں خلاصہ اور لب لباب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لفظ حکمت سے مراد ہے حقائق اشیاء کا علم واقعی جس میں تغیر و تبدل کو راہ نہیں۔ مثلاً حقیقتِ انسان حیوان ناطق ہے۔ پس زمانہ ماضی۔ حال اور استقبال میں اس کے لیے یہی حقیقت قائم رہتی ہے۔ لفظ الہیۃ اللہ کی طرف منسوب ہے جو ذات کے مراتب ثلاثہ میں مرتبہ ثانیہ کا نام ہے۔

پہلا مرتبہ ہے ذاتِ بحت جسے ہویتِ صرف بھی کہتے ہیں۔

دوسرا مرتبہ ہے ذاتِ بحیثیت اسماء و صفات اجمالاً جسے احدیت الجمع بھی کہتے ہیں۔

تیسرا مرتبہ ہے ذاتِ بحیثیت اسماء و صفات تفصیلاً جسے واحدیت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

اعیان ثابتہ

فی کلمۃ کلمات اس قوم کی اصطلاح میں موجودات کے معنی میں آتا ہے۔ اور چونکہ کلمات مرکب ہوتے ہیں حروف اور مبادی سے لہذا یہ حضرات اعیان ثابتہ اور حروفِ علیہ کو حروفِ اصلیہ کہتے ہیں۔ ارادۃ الہی بمنزلہ قلم ہے جس سے اولاً موجودات کی صورتیں شکل حروفِ اصلیہ (یعنی اعیان ثابتہ) صادر ہوئیں۔ پھر وہی حروفِ اصلیہ خلعتِ وجودِ خارجی سے تعلق اور ترکیب پا کر کلمات بنے۔

فیضِ اقدس

ایمانِ ثابِتہ فیضِ اقدس کے اثر کا نتیجہ ہیں جو صفاتِ جبریہ سے ہے اور عبارت ہے تجلی ذاتی سے جو اشیا کے وجود اور استعداد کے لیے ظاہر ہوئی۔ فیضِ اقدس غیر مجعول ہے ماہیات اور ان کی استعداد کی طرح، کیونکہ ذات اور ذاتیات کے مابین جمل کو دخل نہیں۔

ایمانِ ثابِتہ عبارت ہیں اُن خصوصی علومِ الہیہ سے جو کائنات کے ہر ذرہ کے متعلق علمِ ازل میں ممکن ہیں۔

فیضِ مقدس

فیضِ اقدس کے علاوہ ایک فیض ہے فیضِ مقدس جو صفاتِ اختیار سے ہے اور عبارت ہے تجلیِ اسمائی سے جو خارج میں مقضائے استعداد کے ظہور کا موجب ہے اور مجعول ہے اور یہ استعداد حاصل نہیں ہو سکتی مگر قبولِ رُوحِ الہی سے اور یہی چیز ہے فیضِ مقدس۔ اصطلاحِ صوفیہ میں خارج سے مراد ہے وجود ذات من حیث الظہور فی التعینات پس خَلَقْكُمْ کے معنی ہوں گے تَعَيَّنَ بِتَعَيِّنَاتِكُمْ۔

آدم کے وجود میں علومِ الہیہ کا ظہور

آدمیۃ آدم کی طرف منسوب ہے اور اس میں کل کی اضافت جُز کی طرف ہے اور عام کی خاص کی طرف کہ وجودِ آدم جُز ہے کل موجودات کا اور خاص ہے باقی مخلوقات کی نسبت۔ حاصلِ کلام پہلی چیز جو مالک یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ پر اس کتابِ مثالی سے العافرمانی وہ ہے خلاصہ علومِ الہیہ جو آدم کے وجود میں ثابت ہیں۔ اور آدم علیہ السلام کے وجود میں ان علوم کی ودیعت کی وجہ تخصیص یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حسبِ استعداد و قابلیت چند علوم ودیعت فرمائے اور چونکہ آدم کی استعداد ان علومِ الہیہ کے قابل تھی بوجہ مظہر اتم اور جمع اسماء و صفات کا آئینہ اور خلیفۃ اللہ ہونے کے، اس لیے ان جمیع علوم کی ودیعت اُن کے وجود میں فرمائی گئی۔

انسانی وجود میں عالمِ علوی و سفلی کے حقائق و نظائر

۱۔ عالمِ علوی اور سفلی کے مجملہ حقائق اور نظائر آدم کے وجود میں موجود ہیں۔ عالمِ اعلیٰ جس میں ہرگز تغیر و تبدل نہیں ہوتا مثلاً قلم کہ حکماء اُسے عقلِ اول سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ حضرت شیخ اکبر کی اصطلاح میں عبارت ہے حقیقتِ محمدیہ سے۔ اُس کی نظیر انسان کے وجود میں رُوحِ قدس ہے۔ عرشِ عظیم کی نظیر جسمِ انسان، کرسی کی نظیر نفسِ انسان بیت المعمور کی نظیر قلبِ انسان۔ یہ تینوں اگرچہ متحد بالذات ہیں مگر مغائر بالاعتبار۔ ملائکہ، جنہیں حکماء معقول عشرہ سے تعبیر کرتے ہیں اُن کی نظیر جسمِ انسان میں قوائے انسانیہ ہیں۔ اسی طرح زُحل اور اُس کا فلک اُس کی نظیر ہے نفس میں قوتِ علیہ۔ مشتری اور اُس کا فلک جس کی نظیر ہے قوتِ ذاکرہ (فی مؤخرۃ الدماغ)، مریخ اور اُس کا فلک۔ قوتِ عاقلہ جو دماغ کے حجرہ یا فوخ میں ممکن ہے۔ اس موقع پر حضرت نے فرمایا کہ بعض حضرات کو جب معراجِ رُوحی ہوتا ہے تو یہی قوت

عقلہ اپنے مقام سے خارج ہوتی ہے اور اُس کے لیے بُراقِ شمالی لایا جاتا ہے اور وہ اُس پر سوار ہو کر عالمِ ملکوت کی سیر کرتا ہے۔ میں نے ایسے اشخاص کو دیکھا ہے کہ یہ خیال اُن کے اندر وارد تھا مگر بوجہ بے علمی اس کی حقیقت سے بے خبر تھے۔

شمس اور اُس کا فلک اُس کی نظیرِ قوتِ منکرہ وسطِ دماغ کے اندر۔ زہرہ اور اُس کا فلک۔ قوتِ ہمیه رُوحِ حیوانی میں۔ عطارد اور اُس کا فلک اس کی نظیرِ قوتِ خیالیہ مقدمِ الدماغ میں۔ مریخ اور اُس کا فلک جس کی نظیر ہے انسانی جوارح میں قوتِ حسیہ۔

۲۔ آبِ عالمِ اعلیٰ کے بعد عالمِ استحالہ کو لیجیے جس میں تغیر و تبدل کو راہ ہے۔ کمرہ مار جس کی رُوح ہے حرارت و یُبوستہ وجودِ انسانی میں اس کی نظیر صفر ہے جس کی رُوح قوتِ ہاضمہ ہے۔ کمرہ ہوا جس کی رُوح ہے حرارت و رطوبت۔ اس کی نظیر ہے دم جس کی رُوح قوتِ جذبہ ہے۔ کمرہ مار جس کی رُوح ہے برودت و رطوبت۔ اس کی نظیر ہے بلغم اور رُوح قوتِ دفعہ۔ کمرہ خاک جس کی رُوح ہے برودت و یُبوستہ۔ اس کی نظیر سودا اور رُوح قوتِ ماسکہ۔

۳۔ عالمِ تعمیر (روحانی) اس کی نظیر قوائے انسانیہ (حیوانی) اس کی نظیر احساساتِ انسانیہ۔ (نباتی) اُس کی نظیر وجودِ انسانی میں نمو۔ (جماد) انسانی وجود کے وہ حصے جن میں جس کو دخل نہیں۔ سبع طبقات الارض (طبقات زمین) سودا۔ عنبر۔ حمر۔ صفرا۔ بیضا۔ زرقا۔ خضرا۔ انسان میں ان کے نظائر ہیں۔ جلد۔ شحم۔ لحم۔ عروق۔ عصب۔ عضلات۔ عظام۔

۴۔ عالمِ نسب۔ یہ عبارت ہے مقولاتِ تسعہ سے۔ عرض اُس کی نظیر اسود و ابض (کالا گورا)۔ کیفیت اُس کی نظیر احوالِ صحت و سقم ہے۔ کم۔ مثلاً پنڈلی بازو سے لمبی اور موٹی ہے۔ این۔ مثلاً گردن سر کو اٹھائے ہوئے ہے اور پنڈلی ران کو۔ زمان۔ مثلاً حرکتِ راس بوقتِ تحریکِ دست۔ اضافتہ اس کی نظیر ہے کہ فلاں میرا باپ ہے اور میں اُس کا بیٹا ہوں۔ وضع۔ بالائے زید تحت اُد یعنی جسم کا کچھ حصہ بالاتی ہے کچھ زیریں۔ فعل مثلاً کھانا۔ انفعال مثلاً کھا کر سیر ہو جانا۔

عجائب نسوہ ذاتِ الہی عیان رفے ہمہ اسرارِ شاہی

جہاں انسان انساں شد جہاں نے ازیں پاکیزہ تر نبود بیانیے

سبق کے بعد فرمایا کہ حضرت سلطان العارفين بايزيد بسطامي رحمۃ اللہ علیہ ایک کوچہ میں گذر رہے تھے۔ ناگہاں ایک گناہ سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ آپ اُس کے لیے راستہ چھوڑ کر نہایت ادب سے ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ بعض خواص نے جو ہمراہ جا رہے تھے متعجب ہو کر عرض کیا کہ حضرت! انسان کے سر پر دَلْعَدُ كَرَّمْنَا بِنِي اَدَمَرَ كَاتِرَج كَرَامَت رَكَا گیا ہے پس ایک کتے کی اس قدر تعظیم و تکریم کا باعث کیا تھا؟ فرمایا۔ یہ گناہ زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ اُسے بايزيد تم نے روزِ ميثاق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا نیکی کی تھی کہ تمہیں اس لباس اور تعین میں پیدا فرمایا اور میں نے کیا بدی کی تھی کہ اس تعید اور شکل میں مخلوق ہوا؟ گویا گناہ زبانِ حال سے کہہ گیا تھا۔

عذیب یک گناہ تا نیم از مارِخ مستاب

گرچہ الطافش ترا گل کرد مارا خار ساخت

پھر فرمایا جب حضرت بايزيد بسطامي مقامِ وصل میں سرفراز ہوئے تو حکم ہوا کہ اب مخلوق کی ہدایت اور ارشاد کی طرف متوجہ ہوں۔

آپ کو اس سخن سے بُرے فراق آئی اور توجہ الی الخلق کو توجہ الی الحق کے منافی تصور کر کے ایک نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ رُدُّوْا لَیَّ عَبْدِیْ فَاِنَّهٗ لَا یُطِیْقُ عَلٰی فِرَاقِی (میرے بندے کو میری طرف واپس لوٹاؤ کہ وہ میرے فراق کی طاقت نہیں رکھتا)

فصوص الحکم کا ایک اور سبق

ایک روز فصوص الحکم کے سبق میں مراتب وحدت و احدیت اور حضرات اسما کے فرق اور امتیازات کے ذکر میں فرمایا کہ عالم تمام اسمائے الہی کی تجلی کا ظہور ہے۔ ہر میں ثابت کے لیے ایک اسم ہے جو اس میں ثابت کا رب ہے۔ پس وہ رب اس میں ثابت کو حکم مآمن ذآبۃ الٰہواخذ بکنا صیدتہما ان ربی علی صراط مستقیم (کوئی چلنے پھرنے والی مخلوق نہیں مگر رب تعالیٰ پکڑنے والا ہے اُس کو اُس کی پیشانی سے بے شک پیرا پروردگار سیدھی راہ پر ہے یعنی جو سیدھی راہ چلے اُس سے بے اپنی گرفت میں لے کر اپنے راستہ پر جا رہا ہے۔ اور اس سے پہلے کہ واقعات کو نیک خارج میں ظاہر ہوں کسی حضرات اسما میں باہمی تنازع واقع ہوتا ہے اور جو اسم غالب آئے خارج میں اُسی کا ظہور ہوتا ہے۔

ایک صاحب کشف فقیر جو بوجہ لغزش علمی گمراہ ہو گیا

یہاں گولڑہ میں ایک سفید ریش شخص ایک درخت کے نیچے بیٹھا رہتا تھا وہ ایسے مقام پر تھا کہ حضرت اسما کا مشاہدہ کر کے واقعات کو نیک سے مطلع ہو جاتا تھا مگر بوجہ لغزش دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا تھا اور کہتا تھا جو کچھ ہے یہی عالم ہے۔ نہ اس سے پہلے کچھ تھا نہ پیچھے کچھ ہو گا۔ میں اُس سے کہتا تھا کہ خدا نے تجھے ہدایت دے اور اس مقام سے خارج کرے تیری نظر ارادۃ الہی اور فقال لَمَّا یَرِیدُ پرنہیں۔ وہ ایک روز میرے پاس آکر کہنے لگا ہُن دیکھ کے ہوندا اے (یعنی اب دیکھ کیا ہوتا ہے) تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ قوم کللال کے درمیان سخت لڑائی اور جنگ و جدل واقع ہوئی۔ چونکہ حضرت اسما کے درمیان تنازع مشاہدہ کیا تھا اس لیے قبل از وقت آگاہ ہو کر اطلاع دی۔ میں نے کہا تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوا۔ تم اور وہ شخص جو اس چیز پر قبل از وقوع مطلع نہیں ہو برابر ہو۔

عبادت سے ملائکہ کی تولید

ایک روز میں باہر سے آ رہا تھا مجھے راستہ میں جاتا ہوا ملا جب قریب آیا تو آہستہ سے کہنے لگا۔ آج تھوڑے نظر آنے ہیں (یعنی آج تھوڑے نظر آرہے ہیں) یہ ملائکہ کی طرف اشارہ تھا۔ میں نے اُس روز اسمائے جلالیہ کا ورد کیا تھا جن سے ملائکہ کا تولد اجمالی ہوتا ہے لہذا اُسے پہلے کی نسبت تھوڑے نظر آرہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ آج تمہاری عبادت سے ملائکہ کم پیدا ہوئے ہیں۔

ترک اشغال بمعنی عدم تخت نشینی

پھر فرمایا یہاں ایک اور مجذوب رہتا تھا جو فیون پانی میں گھول کر پیا کرتا تھا اور درجہ میں متذکرہ بالا سفید ریش سے اونچا

تھا۔ وہ ایک روز میرے پاس آیا اور کہنے لگا آج تخت توں لہہ کے تلے بیٹھے ہو یعنی آج تخت سے اتر کر نیچے بیٹھے ہو اس روز میں اپنے اشغال ترک کر کے بعض آدمیوں سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ پھر فرمایا کہ ایک اور درویش یہاں رہتا تھا اور سنگر کے برتن صاف کیا کرتا تھا۔ وہ ان دونوں کی نسبت بلند پرواز تھا۔ ایسے لاگوں کی طرف کسی شخص کی توجہ نہیں ہوتی اور حقیقت میں وہ بڑے روحانی مرتبوں کے مالک ہوتے ہیں۔

خاکسارانِ جہاں را بختارتِ منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

مولویت کے لیے چار کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے

پھر اپنے ایک درویش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ علم حقیقت میں اسے کہتے ہیں نہ وہ جو تم پڑھتے ہو۔ اور یہ علم حاصل نہیں ہوتا جب تک چار کتابیں نہ پڑھی جائیں۔ پہلی کتاب ہے خود حضرت انسان۔ دوم عالم یعنی تمام عالم کو اپنے وجود میں مشاہدہ کرنا۔ سوم حضرت اسماعیل ہر اسم کا ارتباط اعیان ثابتہ کے ساتھ اور چہارم ذاتِ بحت۔ اگر یہ چار کتابیں پڑھ لے تو انسان مولوی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے ورنہ نہیں۔

مولوی گشتی و آگاہ نیستی
اے عالم دانا کہ بدیں علم عنہ دوری
خود کجا و از کجا و کیستی
حق را نہ شناسی تو بدیں کنز و قدوری
ماخانہ دل را نہ کنی مخزن توحید

ایک مجذوب جو اپنے تئیں تلاش کرتا تھا اور نہیں پاتا تھا

ایک روز فرمایا کہ خوشاب میں ایک فقیر شاد نامی دیکھا گیا جس پر ایسی حالت تھی کہ از خود رفتہ ہو چکا تھا۔ اپنے آپ کو تلاش کرتا تھا مگر نہیں پاتا تھا۔ چنانچہ اپنے تئیں آواز دے کر پکارتا تھا کہ "اوشادا۔ اوشادیا" پھر کچھ دیر بعد خود ہی جواب دیتا تھا کہ "شادا نہیں۔ شادا نہیں"۔

سخنِ رفیضیتِ اہلبیتِ کرامؑ

ایک روز اہلبیتِ کرام کی شان میں سخن جاری ہوا تو فرمایا حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث کی روایت کی ہے کہ مَنْ اَمِنَ بِمُحَمَّدٍ وَ لَعْنَةُ مَنْ يَبَالِغُ فَلَيْسَ بِمُؤْمِنٍ (جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا مگر آپ کی آل کو نہ مانا وہ مومن نہیں) اور شیخ عطار وہ بزرگ ہیں جن کی شان میں مولانا نے روم کا ارشاد ہے کہ ۷
ہفت شہر عشق را عطا ارگشت ماہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

حسینؑ کے انبائے رسول اللہؐ ہونے کا قرآنی ثبوت

فرمایا بنی امیہ میں سے کسی نے ایک روز تعریفاً حضرت امام حسن علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپ کو ابنِ رسول اللہ کیوں

کہتے ہیں ابن علیؑ کیوں نہیں کہتے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہمارا یہ لقب قرآن سے ثابت ہے۔ تمہیں چونکہ قرآن کی سمجھ نہیں اس لیے یہ اعتراض لائے ہو۔ آیت مَبَاهِلَةٌ قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا نَادُوا أَبْنَاءَهُمْ أَوْ حَمَلَهُم بِأَنفُسِهِمْ كُولَاتِهِمْ ہیں تم اپنے بیٹوں کو لادو، میں ابناؤ (نا) ہمارے بیٹے، کون تھے؟ کیا اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹوں کی سہک میں میرے اور میرے بھائی حسینؑ کے سوا کسی اور کو میدانِ مباحلہ میں لے گئے تھے؟

دُنیا مومن کا قیدخانہ اور کافر کی جنت ہے

فرمایا ایک روز حضرت امام حسن علیہ السلام گھوڑے پر سوار جا رہے تھے ایک بتلائے غربت یہودی نے سوال کیا کہ آپ کے عظیم المرتبت نانے فرمایا تھا اَلَّذِي نَيَّا سَجْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَجَنَّةَ الْكَافِرِينَ (دُنیا مومن کے لیے قیدخانہ ہے اور کافر کے لیے جنت) لیکن اس دُنیا میں آپ مومن کہلا کر شاندار لباس میں ملبوس اور قیمتی گھوڑے پر سوار ہیں اور میں آپ کے نزدیک کافر ہو کر ذلت اور مسکنت میں مبتلا ہوں۔ پس یہ دُنیا مومن کے لیے دوزخ اور کافر کے لیے جنت کیوں کر ہوئی؟ حضرت امام نے فرمایا کہ میرے جدِ پاک کا ارشاد میں حق ہے لیکن تجھے کفر اور جہالت محیط ہے اور فہم اور علم نصیب نہیں۔ اب اس ارشاد کا بیان میری زبان سے سُن۔ تو جس فنا پذیر آسودگی میں مجھے دیکھ رہا ہے یہ ان نعماتِ الہیہ کے مقابلہ میں جو آخرت میں میرے لیے تیار کی گئی ہیں یعنی انواعِ منازلِ مقامِ کریم جناتِ الفردوس اور دیدارِ پروردگار کی لذت، گویا زندانِ کالم رکھتی ہے اور تیرے لیے جو درکاتِ آخرت میں تیار ہیں یعنی عذابِ شدید اور مارِ صدید اور غضبِ خدا اور حرمانِ مدید۔ ان کے مقابلے میں تیری یہ موجودہ زندگی بھی جنت کا حکم رکھتی ہے۔

ایک روز فرمایا کہ جب خارجی حدیث شریف اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے کی صحتِ لفظی سے انکار نہیں کر پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہاں علیؑ کے معنی ہیں بلند یعنی علم کے شہر کا دروازہ بہت بلند ہے۔

حضرت مولا علیؑ کا انبیائے کرام سے تعلق

ایک روز تمثیل کے پیرایہ میں فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقلیمِ نبوت کے شہنشاہ ہیں۔ اور دیگر انبیاء علیہم السلام نبوتِ تامہ میں حضور کی طرف ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔ اور ان کی مثال بادشاہوں کی ہے حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کا تعلق حضور نبی کریم کے ساتھ گویا وزیرِ دربار اور میرنشی کا ہے۔ اور اگرچہ بادشاہ مرتبہ میں وزیر اور میرنشی سے فوقیت رکھتے ہیں لیکن چونکہ شہنشاہ کے ساتھ ان کے رابطہ میں وزیرِ دربار کا واسطہ رہتا ہے لہذا بادشاہوں کو بھی اُس کی ذات کے ساتھ خاص رابطہ اور تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ اور ان کے دلوں میں اس کے لیے ایک امتیازی وقعت اور توقیر پیدا ہو جاتی ہے۔

کیا جانیں گے اُسے ذوقِ بجزِ خواص۔ عوام
اعلیٰ جو علیؑ کی امامت کا ہے مہتمم
جو لوگ صفِ اولِ میثاق میں تھے
پوچھے کوئی اُن سے کہ وہ کیسا تھا امام

ابدال اور نقبار کی منازل اور کیفیات کا بیان

ایک روز فتوحاتِ مکہ کے سبق میں ابدال کے متعلق فرمایا کہ ہر زمانہ میں سات ابدال موجود رہتے ہیں جو اقلیمِ سبعہ کے قطب

ہوتے ہیں۔ صاحبِ اقلیم اول بر قدم خلیل علیہ السلام۔ دوم بر قدم کلیم علیہ السلام۔ سوم بر قدم ہارون علیہ السلام۔ چہارم بر قدم ادریس علیہ السلام۔ پنجم بر قدم یوسف علیہ السلام۔ ششم بر قدم عیسیٰ علیہ السلام اور ہفتم بر قدم آدم علیہ السلام۔ اور شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ کبھی نقبار کو ابدال بنایا جاتا ہے اور وہ تعداد میں بارہ ہیں نہ کم ہوتے ہیں نہ زیادہ اور ان کی خاصیت بروجِ افلاک میں کواکب کے خواص اور اسرار اور تاثیرات کے مطابق ہوتی ہے۔ وہ انسانی انکار اور احوال کو متاثر کرتے ہیں۔ شیطان ان کے سامنے مکشوف ہوتا ہے اور وہ اُس کے حالات سے اس قدر باخبر ہوتے ہیں کہ شیطان کو خود اپنے نفس میں اُس کی خبر نہیں ہوتی۔ وہ سعید اور شقی کے نقش قدم کو شناخت کرتے ہیں اور کبھی رجلیوں کو ابدال کہلاتے ہیں اور ان کی تعداد چالیس ہے۔ اور یہ سارا سال سفر میں رہتے ہیں مگر رجب کے مہینے میں قیام اختیار کرتے ہیں۔ جب رجب آتا ہے تو ان پر ثقلِ عظیم وارد ہوتا ہے جس میں پہلے روز وہ ایک انگلی تک نہیں ہلا سکتے۔ دوسرے روز ثقل کم ہونے لگتا ہے اور تیسرے روز بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اس ماہ میں ان پر خاص کشف وارد ہوتا ہے جو بعض اوقات سال بھر باقی رہتا ہے۔

حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ میں ان میں سے ایک صاحب سے ملائی ہوا، جن کا کشف سال بھر باقی رہا تھا۔

دیوانِ حافظ کے دو اشعار کی تشریح

حضرت نے دیوانِ خواجہ حافظ کے دو اشعار کی تشریح سبق کے دوران ایک مرتبہ اس طرح فرمائی :-

۱۔ شبے تاریک ہم موج و گرد بے چنیں حائل

گجا دانند حال ما بک ساراں ساحل ہا

یعنی ہمارا حال مشاہدہ تجلیاتِ لطف و قہر و درد اور حالاتِ رجا و خوف میں اُس شخص کی طرح ہے جو ایک تاریک رات کے اندر بحرِ محیط کے گردابِ بلا میں گریڑا ہو۔ پس اُس کی حالت کا اندازہ وہ لوگ نہیں کر سکتے جو ساحل پر کھڑے ہوں۔ اسی طرح بسکساراں ساحل یعنی مجذوبانِ محض اور زاہدانِ غیر مجذوب ہمارے حال سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ اور اس سخن کی تفصیل یہ ہے کہ

درویشوں کی چار قسمیں (مجذوبِ محض، زاہدِ خشک، مجذوبِ سالک اور سالکِ مجذوب)

درویش چار قسموں کے ہوتے ہیں۔ اول مجذوبانِ محض جو جاذبہِ غیب کی کشش سے مغلوبِ حال ہو کر اوامر و نواہی سے بے خبر ہو گئے۔ جیسے کوئی شخص بادشاہ پر عاشق ہو کر اُس کے جمال کی دید میں مستغرق ہو جائے اور بارگاہِ سلطانی کے آداب کی بجا آوری کا کچھ خیال اُس کے دل میں باقی نہ رہے۔ یہ منزلِ مسلکِ انبیائے کرام کے عدم توارث کے باعث ناقص ہے۔ دوم زاہدِ خشک بلا جذبہِ اثرِ عشق جو محض زہد اور عبادت میں مصروف رہے اُس شخص کی مانند ہے جو صرف آدابِ شہانہ کی پاسداری میں مشغول ہے اور جس نے وسیلے کو مقصود سمجھ رکھا ہے اور جو بادشاہ کے جمالِ جہاں آرا سے بے حظ اور بے بہرہ رہتا ہے۔ قسم سوم مجذوبِ سالک جس کا جذبہِ سلوک پر مقدم ہو اور قسم چہارم سالکِ مجذوب جس کا سلوک جذبہ پر مقدم ہوتا ہے۔ یہ دونوں اقسام انبیائے کرام کے وارث ہیں اور یہ درجاتِ مشائخِ عظام کو نصیب ہوتے ہیں۔ اور ان دونوں طریقوں کا حصول

قطع نظر دیگر اسباب کے سلاسل فقر پر منحصر ہوتا ہے۔ خاندان نقشبندیہ میں جذب سلوک پر مقدم ہوتا ہے۔ انہیں اول قلب مُشَد کی توجہ سے جذب حاصل ہوتا ہے اور اسی کی کشش سے منازل سلوک طے کرتے ہیں لیکن اس جذب کو زوال کا خطرہ لاحق رہتا ہے کیونکہ اس کا حصول قلب مُرشد کی توجہ پر منحصر ہے جس وقت یہ توجہ صلیحہ ہو جائے معنی مفقود ہو جاتا ہے۔ خاندان چشتیہ اور قادریہ میں جذب آخر میں آتا ہے اور اُسے اپنی مشقت اور کسب سے حاصل کرنا پڑتا ہے۔ پس یہ جذب بطور ملکہ مزاج میں راسخ ہو کر خطرہ زوال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

۲۔ حضورِ گریہ خواہی از وغائب مشوا حافظ

متی ماتلق من تھوی دیر الدنیا دامہلہا

اُسے حافظ اگر حضورِ دوام چاہتا ہے تو خود اُس سے غائب نہ ہو اور کسب اور مشقت سے دل کو دوست کے ذکر میں مشغول رکھ۔ اور دُنیا کو چھوڑ دے۔

انواع ذکر (دل غافل اور زبان شاغل غفلت اور شغل مساوی غفلت کم اور شغل زیادہ)

ذکر اور یاد چپند نوع پر مشتمل ہے :-

اول دل غافل اور زبان شاغل۔ یہ ذکر لسان ہے اور اہل دل کے نزدیک اس کی کچھ قدر نہیں۔ کیونکہ زبان محض آلہ تعبیر ہے اور مدارِ کار معانی کے وُرد پر منحصر ہے اور وہ ہے قلب۔

دوئم کہ غفلت اور شغل مساوی ہوں یعنی کسی وقت دل ذکر ہو کسی وقت نہ ہو۔ اسے ذکر قلبی کہتے ہیں اور قلب کو اسی وجہ سے قلب کہتے ہیں کہ ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ مقلوبیت اور تبدیلی احوال میں ہوا کے اندر درخت کے پتے کی طرح ہے۔

یہاں قلب سے مراد دل معنوی ہے جو حقیقت جامعہ اور نفس ناطقہ کا حکم رکھتا ہے نہ کہ دل صنوبری جو ایک مضغہ گوشت ہے اور حضورِ دل معنوی کے بغیر ہیج ہے اور اس پر اکتفا اور انحصار فضول۔

سوم یہ غفلت کی نسبت دل کا ذکر اور توجہ زیادہ ہو اس کو ذکر روح کہتے ہیں اور یہی ذکر بتدوین ذکر برونخی اور ذکر اخفی تک پہنچتا ہے۔ اس شعر کے بصرہ اول میں بظاہر خلل ہے جس کا ذکر شارحین نے بھی نہیں کیا۔ حضورِ اول اور از وغائب نہ بُودن۔ ایک ہی چیز ہیں یعنی اگر تو حضورِ کا خواہش مند ہے تو حضورِ کر۔ یہاں شرط اور جزا کے معنی میں جو تغائر ضروری ہے وہ نہیں رہتا۔ اس خلل کا دفع ان معنی میں ہو سکتا ہے کہ حضورِ سے مراد ہے حضورِ دوام کا ملکہ۔ اور ملکہ اُس وقت راسخ ہو سکتا ہے جو کسب اور مشقت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ جیسے ایک طالب علم نحو کے مسائل جزئیہ کو نوک زبان یاد کرتا ہے اور انہیں ورد بنا لیتا ہے اور رفتہ رفتہ اس شغل میں اُسے ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جو زائل نہیں ہوتا اور ہر وقت ان قواعد کا اجرا کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح جو حضورِ ریاضات سے پیدا ہوتا ہے دوامی ہوتا ہے۔

صحابہ کرام کا حضورِ دوام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حصولِ صُحبتِ نبوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ قلب کے عکس سے مُنور

ہونے کے باعث حضور دوام کی نعمت حاصل تھی۔ اُس زمانِ سعادتِ اقران کے ختم ہونے پر اس معنی کے حصول کے لیے جیسے اور طریقے استخراج کیے گئے۔ اور ولی اگرچہ وارث نبی ہے اور اسی شمع سے نور حاصل کرتا ہے مگر یہاں ظلیت کا تنزل حاصل ہے اور ظاہر ہے کہ عین اور ظل میں بڑا تفاوت ہے۔

مصرعہ ثانی میں مٹی مَاتَلَقَ سے مراد ہے مٹی تَرِيدُ لِقَائِهِ (جب تُواریدہ کرتا ہے اُس کی بقا کے لیے) گویا ترک دنیا بمنزلہ شرط ہے لقائے محبوب کے لیے، اور ایسا کرنا لقائے قبل اتنا ہی ضروری ہے جیسا نماز کے لیے وضو۔

تصویرِ شیخ اور رباطہ فی الصلوٰۃ

تصویرِ شیخ اور رباطہ فی الصلوٰۃ کے متعلق ایک قلمی استفسار کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

مکرمی حفظک اللہ۔ دُعا و سلام

اس قصہ کا طے ہونا بحالاتِ کتب ناممکن ہے۔ لسانِ شرع حسب ظاہر تصریح تصور سے ساکت ہے اور عند التحقیق اس پر کوئی قباحتِ شرعیہ لازم نہیں خصوصاً تصورِ ربّیہ پر یعنی بعدِ خلع تعین خود صورتِ شیخ کو برقعہ کی طرح اپنے پر لے لینا کہ اس صورت میں متعین و مقصود تعین صورتِ شیخ عابد ہو گا نہ معبود۔ چنانچہ تعابُل میں بھی حسبِ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ معیت اور مصاحبت ہی ہے نہ معبودیت۔ زیادہ دُعا و استدعا۔

مسائلِ معجزات و کرامات

مسائلِ معجزات و کرامات کی بحث میں فرماتے ہیں کہ ان مسائل کو عقلِ فلسفی کے حوالے نہیں کرنا چاہیے۔ اس جہان میں احکامِ الہی دو وجہ پر جاری ہوتے ہیں۔ ایک موافقِ عادت جو کثرت سے ہوتے ہیں اور دوسرے خلافِ عادت جو کم ہوتے ہیں۔ اہل اللہ کے تصرفات کی حقیقت کو سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو انکار کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔ اسمائے حسنیٰ یعنی ننانوے اسمائے الہی سالک کی صفت بن جاتے ہیں پس فُہ بطوٰظ ظلیتِ صفاتِ رزاقیت، رحمانیت اور قہارت وغیرہ پر متصرف ہوتا ہے۔ ان حضرات پر عالمِ اسباب کے اسباب کا بدل دینا کچھ مشکل نہیں ہوتا پس سالک پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اُس کی نظر سمومِ دوزخ کو حرام کر دینے کا باعث ہو جاتی ہے اس کی مؤیدہ حدیثِ قدسی ہے جس میں ارشادِ باری ہوتا ہے کہ میرا بندہ مجھ سے اتنا قُرب حاصل کر لیتا ہے کہ میں اُس کی سمع اور بصر ہوتا ہوں۔ بلکہ میں اُس کا داہنا ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ میرے ذریعے گرفت کرتا ہے۔

باہمی اخلاص اور آشنا پرستی

فرمایا ہم اخلاص اور محبت و اُلفت کا ہونا اہلِ اسلام کی اعلیٰ صفات میں سے ہے۔ بلکہ دوستی اور شفقت کے سلسلہ کا قیام سب سے پہلے اسلام میں پیدا ہوا ہے۔ ہمارے نبی حضور سید الکونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آشنا پرستی کا وصف دیگر انبیاء علیہم السلام سے بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ اپنی اُمت کے افراد کے لیے دُنیا میں کثرتِ استغفار اور آخرت میں اُن کی شفاعت حضور کی اسی کمالِ شفقت و عنایت کی وجہ سے ہیں۔ جب پُلصراطِ پر انبیاء علیہم السلام رُب سَلوٰت سَلوٰ

کہیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی و ائمتی فرمائیں گے۔ افسوس کہ اس زمانہ میں بوجہ غربت اسلام یہ صفت مسلمانوں میں مفقود ہو گئی ہے۔

جلال کعبۃ اللہ

فرمایا سبحان اللہ کعبۃ اللہ کی کیا عظیم شان ہے کہ وہاں پہنچ کر خواص اولیاء اللہ بھی ایک عام انسان کی طرح نظر آتے ہیں۔ جس وقت اولیاء اللہ مکہ معظمہ کی حدود میں داخل ہوتے ہیں تو کعبہ شریف کے جلال اور انوار کے استیلا کے باعث ان کے انوار اس طرح محسوس ہوجاتے ہیں کہ ولی اور غیر ولی کی شناخت مشکل ہوجاتی ہے۔ وہاں ہزار ہا اولیاء اللہ کی قبور ہیں مگر کوئی نہیں جانتا کہ کون ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اور یہ چیز باعث کمال استیلائے اجلال کعبہ ہے۔

پیران کلیر پر جلال کی کیفیت

پیران کلیر شریف کے عرس سے واپسی پر فرمایا کہ حضرت خواجہ علاء الحق والدین صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر جلال کی وہ کیفیت ہے کہ عقل اور حواس تحیر میں آجاتے ہیں۔ ایسا جلال اور کہیں نظر نہیں آیا۔ بجز مدینہ شریف کے مگر وہاں جلال اور جمال دونوں وارد ہوتے ہیں اور یہاں جلال غالب ہے۔ کسی شخص کے ہوش بجا نہیں رہتے۔ ہر شخص گریہ و زاری اور آہ و نالہ میں مبتلا نظر آتا ہے۔ بلکہ عوام پر بھی سوز و گداز کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور یہ سب حضرت خواجہ کے جذبہ عشق کا اثر ہے۔

ایک رویش کی سرکار بغداد کے ارشاد پر بیعت

غالباً ۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے ایک سفید ریش بزرگ آئے اور بیعت کے لیے عرض کیا۔ اس وقت آپ عصر کی نماز کے بعد حسب معمول سواری کے لیے باہر تشریف لے آئے تھے اور گھوڑا تیار تھا۔ فرمایا: آپ بزرگ آدمی ہیں کسی باخداستی سے تعلق پیدا کیجئے میں تو ایک چابک سوار آدمی ہوں۔ انہوں نے کہا: میں سیدھا بغداد شریف سے آ رہا ہوں اور سرکار بغداد کے حکم کی تعمیل میں حاضر ہوا ہوں۔ مجھے یہ جگہ دکھانی گئی آپ کا نام بتایا گیا۔ آپ کی صورت دکھانی گئی۔ اب اگر جناب کی مرضی نہیں تو واپس جا کر عرض کر دیتا ہوں۔ حضرت نے یہ سن کر بیعت فرمایا اور وظائف بتائے اور فرمایا: خدا جانے میرے ساتھ بیعت کرنے سے آپ کو فائدہ ہو گا یا نہیں مگر مجھے آپ سے فائدہ حاصل ہو گیا ہے! الحمد للہ سرکار بغداد میں یہاں کی یاد تو ہے۔

آپ سے ایک کسان مرید کی گفتگو

شاہ پور کا ایک کسان مرید حاضر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہاں سے آئے ہو؟ عرض کیا پچھلے سال آپ کا مرید ہو گیا تھا اگر آپ یہاں نہیں پہچانیں گے تو اگلے جہان میں کیسے پہچانیں گے؟ مسکرا کر اسی کی زبان میں فرمایا: جے تول میںوں پچھان لیا تاں میں دی میںوں پچھان لیاں یعنی اگر تم نے مجھے پہچان لیا تو میں بھی تمہیں پہچان لوں گا! پھر اہل مجلس کی طرف دیکھ کر آیت

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ اور حدیث الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ تلاوت فرمائی (ترجمہ آیت تم مجھے یاد کرو تو میں بھی تمہیں یاد کروں گا)
(ترجمہ حدیث انسان اُس کے ساتھ ہوگا جس سے دُہ محبت کرتا ہے)

سورۃ یسین کے وظیفہ کی ترکیب

پشاور میں ایک نابینا حافظ صاحب نے حاضر ہو کر تسخیر کے لیے کوئی عمل طلب کیا۔ فرمایا کہ تسخیر تو پہلے ہی ہو چکی ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی "هُوَ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ (اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے سُخَّر فرمادیا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے) پھر فرمایا کیا بوستان پڑھی ہے؟ اور یہ شعر پڑھا۔

تو ہم گردن از حکم داور پیسج

کہ گردن نہ بیچد ز حکم تو پیسج

(تو خدا کے احکام سے گردن نہ موڑتا کہ تیرے حکم سے کوئی چیز گردن نہ موڑے)

پھر فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے کوئی وظیفہ مانگتے ہو تو نماز فجر کے بعد سورۃ یسین شریف پڑھا کرو۔ اس طرح کہ کلمہ یسین پانچ مرتبہ پڑھا۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ الرَّحِيْمِ سولہ مرتبہ اور آخری آیت فَسُبْحٰنَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ (الی آخرہ) تین مرتبہ پڑھا کرنا۔

ایک پیر زادہ کو نصیحت

پیرانِ عظام کے خاندان میں سے ایک بزرگ زادہ کو بیعت اور تلقین و طائف سے مشرف فرما کر اس طرح ہدایت فرمائی جب تک اپنے سر سے بزرگی کی بو نہیں نکالو گے بارگاہ بزرگ حقیقی میں کبھی باریابی حاصل نہیں کر سکو گے۔ انسان کے شرف کا اعتبار حسب میں ہے نہ محض نسب میں۔ درویش کبھی اپنی ذات میں نظر نہیں کرتے بلکہ ہر کہ و مرہ کو اپنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ خود شرمیہ کی پاسداری کو نگاہ رکھنا۔ نماز سچکانہ اور و طائف قضا نہ کرنا۔ بہتیرے لوگ محض اس لیے خالی اور خشک رہ جاتے ہیں کہ ہر وقت اپنی خودی اور فخر پر نظر رکھتے ہیں۔

در شاہراہ جاہ و بزرگی خط رہے است

آں بہ کزیں گریوہ بُک سار بگذری

سورۃ یسین و منزل اور چہل کاف کے طائف کی ترتیب

ایک طالب کو حسب ذیل ترتیب سے سورۃ یسین شریف اور چہل کاف کے ورد کی اجازت عطا فرمائی تھی :-

سورۃ یسین شریف سات بار یومیہ مُسَبِّحِیْنِ اَوَّلِ سَاتِ بَار۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ الرَّحِيْمِ سولہ بار۔ آیت۔ اَوَّلُ لَحُو

يَرِ الْاِنْسَانَ اِنَّا خَلَقْنَاهُ سِوَا سُوْرَةٍ تَمَّ تَمِيْنِ بَار۔

چہل کاف۔ گیارہ بار قبل از وتر۔ اور اگر برائے چلہ ہو تو چالیس روز یومیہ اکتالیس بار پڑھا جائے اس کے بعد روزانہ

گیارہ بار ورد رکھے۔ ایام چلہ میں روزہ رکھے۔ اور گوشت وغیرہ ثقیل غذا سے پرہیز رکھے۔

اور سورہ شریف منزل کی اجازت ایک درویش کو اس ترتیب سے عطا فرمائی کہ بعد از نماز فجر تین بار پڑھے آیت کَبُ الْمَشْرِقِ
وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا۔ کابین بار تکرار کرے اور بعد از ختم چھیاسٹھ مرتبہ یا دَکِیْلُ پڑھے۔
فرمایا۔ قصیدہ بُرْدہ شریف کا یہ شعر جناب نبوت میں بہت مقبول ہے۔ جو شخص بعد نماز فجر اسے سات بار صدق دل سے
پڑھا کرے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی ضرور شفاعت فرمائیں گے۔۔

هُوَ الْحَبِيبُ الَّذِي تَرْتَجِي شَفَاعَتُهُ؛ لِكُلِّ هَوِيلٍ مِنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمٍ
ترجمہ: وہی اللہ کے ایسے حبیب ہیں کہ جو آنے والے خوف ہیں اُن میں سے ہر خوف کے وقت اُن کی شفاعت کی امید ہے۔

اوراد اور دم برائے شفا سے بخار مُزمنہ، وجع مفاصل، کرم دماغ وغیرہ

فرمایا امراض مُزمنہ بخار وغیرہ کے دفعیہ کے لیے نماز صبح کی سنت اور فرض کے درمیان سورہ فاتحہ بسم اللہ کا پڑھنا سنت
مغرب ہے وجع مفاصل اور کرم دماغ کی امراض کے لیے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سات بار سورہ فاتحہ شریف پڑھ کر دائیں ہاتھ پر
دم کر کے مقام مرض پر ہاتھ پھیرنا چاہیے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے سینے میں سوزش رہتی ہے۔ فرمایا ہر نماز کے بعد تین مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا کرو۔ چنانچہ
یہ شخص چند ہی روز میں اچھا ہو گیا۔

ایک دائمی اور مایوس بیمار حاضر ہوا۔ فرمایا کہ مقام مرض پر انگشت شہادت رکھ کر یہ کلام پڑھ کر دم کیا کرو انشاء اللہ شفا
پاؤ گے۔ اَعُوذُ بِعِزَّةِ اللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا آجِدُ وَأُحَادِرُ۔

تعویذ برائے جملہ حاجات

ضلع کوہاٹ کے گروہ علماء و صوفیائیں سے ایک صاحب نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک ایسے تعویذ کی اجازت دیجئے جو
جملہ امراض اور حاجات کے لیے مفید ہو فرمایا یہ نقش مثلث از اسم ذات ہر حاجت کے لیے مفید ہے۔ اس کی اجازت ہے۔

یا اللہ	یا اللہ	یا اللہ
یا اللہ	یا اللہ	یا اللہ
یا اللہ	یا اللہ	یا اللہ

وظیفہ برائے فراغت معاش

ایک شخص نے فراغت معاش کے لیے وظیفہ پوچھا۔ فرمایا۔ نماز عشاء کی دو رکعت سنت اور وتروں کے درمیان
ایک ہزار بار "یا دھاب" پڑھا کرو۔

دُرود مستغاث شریف کا ورد

دُرود مستغاث شریف کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اس کلام میں عجیب اثر ہے اور بہت مفید ہے اور اس کے

روزانہ ورد کے لیے تاکید فرماتے تھے۔

وظیفہ برائے حفظ و امان

ایک طالب کو مندرجہ ذیل کلمات کی تلقین فرمائی تھی جو صبح و شام ایک یا چند مرتبہ پڑھ لینے سے حفظ و امان کے لیے مجرب ثابت ہوئے ہیں۔ ایک کتاب میں ان کی یہ تاثیر بیان کی گئی ہے کہ چوری اور ہر قسم کے نقصان مال اور حادثات سے حفاظت رہتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا یَسُوْقُ الخَیْرَ اِلَّا اللّٰهُ بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ
مَا یَصْرِفُ السُّؤْمَ اِلَّا اللّٰهُ بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ مَا یُکْرِمُ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا
حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

وردِ خاص

ایک روز ایام سفر میں ایک خاص تاثیر کے وقت از خود حاضرین کو اس کلام کے ورد کی عام اجازت فرمائی اور فرمایا کہ حاضرین اسے غائبین تک پہنچادیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهُ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهُ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ

محبتِ الہی کے لیے وظیفہ

ایک ہمدی کاروباری آدمی کو محبتِ الہی کے حصول کے لیے تلقین فرمائی کہ سورۃ فاتحہ، آیت الکرسی اور سورۃ اخلاص سات مرتبہ، اول آخر ایک ایک بار درود شریف، نماز فجر کی دو سنت سے پہلے اور نماز عصر کے بعد پڑھا کرو۔ اور کاروباری مصروفیتوں میں چلتے پھرتے ہوئے پڑھ لو تو مضائقہ نہیں۔

کلام اللہ کے وظائف حصولِ ثواب اور رضائے حق کی نیت سے پڑھنے چاہئیں

فرمایا بعض لوگ سورۃ یوسف شریف کو دنیوی ثروت و جاہ کے حصول کے لیے وظیفہ بنا لیتے ہیں لیکن فسادِ نیت کی وجہ سے فائدہ کم ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی سورتوں اور آیات کا اقتضائے محض دنیوی حاجت براری نہیں۔ انہیں حصولِ ثواب اور رضائے حق کی نیت سے پڑھنا چاہیے۔ پھر دنیوی حاجات کے حصول میں بھی ضمناً خاطر خواہ فائدہ ظاہر ہوتا ہے۔

مرگی کی مرض کے لیے دم

ایک شخص کو مرگی کے لیے یہ علاج بتایا کہ سات بار سورۃ فاتحہ پڑھ کر نمک پر دم کریں اور اسے اس طریقہ سے بیمار استعمال کرے کہ ہر روز طعام سے پہلے اور بعد اور سونے سے پہلے اور جاگنے کے بعد گویا روزانہ چھ بار چکھ لیا کرے۔ اگر مرض میں افاقہ نظر آئے یا بالکل جاتی رہے تو بھی نمک کا استعمال تین ماہ جاری رکھا جائے۔ فرمایا۔ اگر مریض اس عمل پر مداومت رکھے تو نشانہ

اس مرض سے خلاصی پاجائے گا۔

مجموعہ وظائف و اُوراد

حضرت قبلہ کے سلاسل شریف قادریہ و چشتیہ کا مجموعہ وظائف ایک عرصہ سے طبع ہو چکا ہے اور آسانہ عالیہ کے کتب خانہ سے معمولی بدیہ پر مل سکتا ہے۔ اس مجموعہ میں یہ وظائف اور اُوراد شامل ہیں :-

اسما اللہ الحسنیٰ - لعمۃ التوحید (شیخ الشیوخ شہاب الدین شہروردی وغیرہ مشائخ العراق رحمہم اللہ تعالیٰ) دُعائے کبیرہ - ہفت روزہ اسبوع شریف سیدنا امام زین العابدینؑ و سیدنا غوث الاعظمؑ - دُرود مستغاث شریف (شیخ احمد رفاعیؒ) سلسلہ مشائخ چشتیہ نظم بمیہ - قادریہ امامیہ - قادریہ جدیدہ (عربی و اُردو منظوم) - مستغاث عشر - اسما - التبع (من اُوراد سیدنا غوث الاعظمؑ) - دُرود شریف کبریت احمر (قادریہ) - دُرود کبیر اعظم (قادریہ) - قصیدہ غوثیہ - حزب البحر - چل کاف - قصیدہ مضریہ - مناجات فارسی رباعیات در میان اعتصام سیفی) - ادعیہ نماز اشراق - استعاذہ - استخارہ - شکر النہار - حق والدین - ناد علیؑ - ترتیب آدائے وظائف و نوافل تہجد - اشراق - سنن عصر - اذابین - صلوة العاشقین و ذکر جہر - دلائل امخیرات -

حضرت قبلہ عالم کے سلاسل فقر

حضرت قبلہ عالم کا سلسلہ شریف چشتیہ نظامیہ

- ۱- حضور سرور کائنات سید المرسلین خاتم النبیین ابوالقاسم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (وصال ۲ ربیع الاول ۱۱۰۰ھ)
- ۲- حضرت مولائے کائنات شاہ ولایت امیر المؤمنین ابوالحسن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم (وصال ۲۱ رمضان ۱۱۰۰ھ)
- ۳- حضرت خواجہ ابی النصر حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۴ محرم ۱۱۱۰ھ)
- ۴- حضرت خواجہ ابی الفضل عبدالواحد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۷ صفر ۱۱۱۰ھ)
- ۵- حضرت خواجہ ابی الفیض فیصل ابن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۳ ربیع الاول ۱۱۱۰ھ) مزار جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ)
- ۶- حضرت خواجہ سلطان ابراہیم ادم مخنی فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۶ جمادی الاول ۱۱۱۰ھ) مزار بلا دروم)
- ۷- حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۴ شوال ۱۱۱۰ھ)
- ۸- حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷ شوال ۱۱۱۰ھ)
- ۹- حضرت خواجہ مشاد علودینوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۴ محرم ۱۱۹۹ھ)
- ۱۰- سلسلہ چشتیہ حضرت خواجہ ابی اسحاق شامی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مزار شریف عکہ ملک شام، وصال ۳۲۳ھ)
- ۱۱- حضرت خواجہ سید ابی احمد ابدال ابن سلطان فرسافہ چشتی سید حسنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۱۱۱۰ھ وفات ۱۱۱۰ھ) جمادی الثانی ۱۱۵۵ھ مزار قصبہ چشت)
- ۱۲- حضرت خواجہ سید ابی محمد ابن خواجہ ابی احمد ابدال حسنی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ربیع الثانی ۱۱۱۰ھ مزار چشت)
- ۱۳- حضرت خواجہ سید ناصر الدین ابی یوسف نقوی چشتی خواجہ زادہ حضرت ابی محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال

۱۳۵۹ھ مزارِ چشتی

۱۳- حضرت خواجہ سید قطب الدین موذود ابن حضرت ابی یوسف نقوی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۰ رجب ۱۱۲۰ھ بمصر ۱۲۰ سال)

۱۳۵۲ھ مزارِ چشتی

۱۵- حضرت خواجہ محمد سوم حاجی شریف زندانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۰ رجب ۱۱۱۲ھ بمصر ۱۲۰ سال)

۱۶- حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۵ شوال ۱۱۱۶ھ مزارِ مکہ مکرمہ)

۱۷- حضرت خواجہ بزرگ سید معین الدین حسن بنجرمی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۶ رجب ۱۱۳۲ھ)

اجمیر شریف

۱۸- حضرت خواجہ سید قطب الدین بختیار اوشی کاکی تقوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۴ ربیع الاول ۱۱۳۳ھ)

مہرولی شریف - دہلی

۱۹- حضرت خواجہ نسیر الدین مسعود گنج شکر اجد صنی فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۱۶۲ھ تا ۱۱۵۹ھ ۵ محرم)

پاک پتن شریف

۲۰- حضرت خواجہ سلطان المشائخ سید نظم الدین محمد بدایونی بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۱۳۴ھ تا ۱۱۲۵ھ)

۱۷ ربیع الثانی مزارِ مضافاتِ دہلی

۲۱- حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ اودھی دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۱۶۶ھ تا ۱۱۵۶ھ ۱۳ رمضان مزارِ دہلی)

۲۲- حضرت خواجہ کمال الدین علامہ دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۱۵۶ھ مزارِ شریفِ دہلی)

۲۳- حضرت خواجہ سراج الدین بن خواجہ کمال الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۱۶۰ھ مزارِ پیران پٹن برکات پورہ گجرات)

۲۴- حضرت خواجہ علم الدین بن خواجہ سراج الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۱۹۵ھ مزارِ پیران پٹن گجرات)

۲۵- حضرت خواجہ محمود راجن بن خواجہ علم الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۱۹۰ھ مزارِ پیران پٹن گجرات)

۲۶- حضرت خواجہ جمال الدین بن خواجہ محمود راجن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۱۸۰ھ مزارِ احمد آباد گجرات)

۲۷- حضرت خواجہ جمال الدین حسن محمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۱۸۲ھ مزارِ احمد آباد گجرات)

۲۸- حضرت خواجہ قطب شمس الدین محمد بن خواجہ حسن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۱۸۱ھ مزارِ احمد آباد گجرات)

۲۹- حضرت خواجہ یحییٰ مدنی نبیرہ خواجہ محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۱۲۲ھ بمصر ۱۱۲ سال مزارِ جنت البقیع مدینہ منورہ)

۳۰- حضرت خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ مزارِ دہلی)

۳۱- حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۱۴۲ھ مزارِ اورنگ آباد دکن)

۳۲- حضرت خواجہ فخر الدین بن خواجہ نظام الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۱۲۲ھ تا ۱۱۹۹ھ ۱۷ جمادی الثانی - مزارِ

مہرولی شریف مضافاتِ دہلی)

۳۳- حضرت خواجہ نور محمد قبلہ عالم ہاروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۱۴۳ھ تا ۱۲۰۵ھ ۳ ذی الحجہ مزارِ چشتیاں شریف بہاولپور)

۳۴- حضرت خواجہ محمد سیمان تونسوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۱۸۳ھ تا ۱۲۶۶ھ ۷ صفر - مزارِ تونسہ شریف ضلع ڈیر غازیخان)

۳۵- حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۱۳۰ھ ۲۴ صفر - مزارِ سیال شریف ضلع سرگودھا)

۳۶۔ حضرت خواجہ سید پیر مر علی شاہ قبلہ عالم گولڑہ شریف حسنی گیلانی (۱۲۷۵ھ تا ۱۳۵۶ھ ۲۹ صفر گولڑہ شریف ضلع اپنی)

سلسلہ شریف قادریہ امامیہ

- ۱۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- ۲۔ حضرت مولائے مشکل کشارم اللہ تعالیٰ وجہہ
- ۳۔ حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ وعلیٰ ابیہ و اُمّہ و جدّہ الصلوٰۃ والسلام (ولادت ۱۵۔ رمضان ۳ھ وصال صفر ۵۰ھ۔ مزار شریف جنت البقیع مدینہ منورہ)
- ۴۔ حضرت سیدنا امام حسین شہید کربلا علیہ السلام (ولادت شعبان ۴ھ۔ شہادت ۱۰۔ محرم ۶۱ھ کربلائے معلیٰ)
- ۵۔ حضرت سیدنا امام زین العابدین علیہ وعلیٰ آباءہ السلام (ولادت ۱۵۔ جمادی الاخریٰ ۳۸ھ وصال ۱۸۔ محرم ۵۰ھ، جنت البقیع مدینہ منورہ)
- ۶۔ حضرت سیدنا امام باقر علیہ السلام (ولادت جمعہ ۳ صفر ۵۷ھ وصال ۱۲ھ جنت البقیع)
- ۷۔ حضرت سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام (ولادت ۷ ایسح الاول ۸۳ھ وصال دوشنبہ ۱۵۔ رجب ۱۲۸ھ جنت البقیع)
- ۸۔ حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (ولادت یکشنبہ ۷ صفر ۱۲۸ھ، شہادت ۲۵۔ رجب ۱۸۳ھ کاظمین شریف ق)
- ۹۔ حضرت سیدنا امام علی موسیٰ رضا علیہ السلام (ولادت جمعہ ۱۱۔ ذی الحجہ ۱۲۸ھ بقولے ۱۵۳ھ وصال صفر ۲۰۳ھ مشہد۔ ایران)
- ۱۰۔ حضرت خواجہ معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۰ یا ۲۱ محرم ۲۰۰ھ مزار۔ بغداد کمنہ)
- ۱۱۔ حضرت خواجہ بربری سقطنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۳۔ رمضان ۲۵۰ھ گورستان شوینزیہ۔ بغداد)
- ۱۲۔ حضرت خواجہ سید الطائفہ ابو القاسم جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۷۔ رجب ۲۹۷ھ یا ۳۰۲ھ بغداد)
- ۱۳۔ حضرت خواجہ ابو بکر شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۲۵۵ھ وصال ۳۲۲ھ بغداد)
- ۱۴۔ حضرت خواجہ عبد الواحد بن عبد العزیز تمیمی مینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۶۔ جمادی الثانی ۳۲۵ھ) بقولے اپنے والد کے مرید تھے اور وہ حضرت شبلی کے مرید تھے۔
- ۱۵۔ حضرت خواجہ ابی الفرح علاء الدین طرطوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۔ شعبان ۳۲۷ھ طرطوس۔ شام)
- ۱۶۔ حضرت خواجہ ابی الحسن علی بن محمود القرشی النکاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۳۲۹ھ وصال ۳۸۶ھ تونس)
- ۱۷۔ حضرت خواجہ ابی سعید بن علی المبارک المخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷۔ شعبان ۵۱۳ھ مزار مدرسہ غوثیہ اعظمیہ بغداد شریف)
- ۱۸۔ حضور غوث الثقلین محبوب سبحانی سیدنا ابی محمد محی الدین عبدالفتاح درجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت یکم رمضان ۳۷۱ھ بمقام گیلان وصال شب شنبہ ۱۱۔ ربیع الثانی ۵۶۳ھ مدرسہ باب الانج بغداد شریف المعروف باب الشیخ)
- ۱۹۔ حضرت خواجہ ضیاء الدین ابی النجیب عبدالقادر وردی صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷۔ جمادی الثانی ۵۶۳ھ بغداد)

- ۲۰- حضرت خواجہ عماد الدین بن یاسر اندلسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۶ ربیع الاول ۵۸۲ھ)
- ۲۱- حضرت خواجہ ابوالجناح نجم الدین احمد الکبریٰ بن مسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شہادت بمقابلہ تاتاریاں بمقام خوارزم ۶۱۸ھ)
- ۲۲- حضرت خواجہ ابوسعید محمد الدین شرف بن المویذ بن ابی الفتح بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شہادت بعند یہ خوارزم شاہ بدریائے خوارزم ۶۱۶ھ یا ۶۱۷ھ)
- ۲۳- حضرت خواجہ رضی الدین علی بن سعید لاغر نومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۳ ربیع الاول ۶۲۲ھ)
- ۲۴- حضرت خواجہ نور الدین عبدالرحمن اسفرانی کسرتی المعروف بہ کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۴ جمادی الاول ۶۲۷ھ بغداد)
- ۲۵- حضرت خواجہ رکن الدین احمد بن محمد علاؤ الدولہ سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۶۵۹ھ وصال ۶۳۶ھ سمنان ترکستان)
- ۲۶- حضرت خواجہ شرف الدین محمود بن عبداللہ المزدقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۱- رجب ۶۳۶ھ مزار حطیبہ عماد الدین عبدالوہاب)
- ۲۷- حضرت خواجہ امیر سید علی بن شہاب بن محمد الہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۶۸۶ھ مزار ختلان سرحد بخشان)
- ۲۸- حضرت خواجہ سید اسحاق ختلانی الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۵ ذی الحجہ ۶۸۸ھ ختلان)
- ۲۹- حضرت خواجہ سید محمود نور بخش اسیری بن یحییٰ بن علی گیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۳ رجب ۸۵۷ھ پشاور)
- ۳۰- حضرت خواجہ سید محمد غوث نور بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۵ شوال ۸۹۸ھ کربت پور گجرات)
- ان کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب شمس الدین محمد بن خواجہ حسن محمد گجراتی پر اس سلسلہ شریف کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ سے اتصال ہو جاتا ہے جس کی تفصیل اور آئندہ مشائخ کرام کے اسمائے گرامی کا اندراج سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں گزر چکا ہے۔ یہ سلسلہ شریف انا لیسویں کڑی پر حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی ذات گرامی پر منسلک ہوتا ہے۔
- ان کے علاوہ سلسلہ عالیہ قادریہ مجددیہ، سلسلہ چشتیہ صابریہ اور سلسلہ رفاعیہ میں بھی آپ مجاز تھے۔ ان سلاسل کی تفصیل بوجہ طوالت یہاں نہیں دی جاتی۔

تیسری فصل

کلام منظوم

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پنجابی اور فارسی زبان کے ایک نغز گو سخنور تھے۔ آپ کا کلام جو نعت مناجات اور تصوف پر مشتمل ہے اپنی سلاست اور انوکھے انداز کی وجہ سے غلبہ حال کا مرقع معلوم ہوتا ہے۔ کئی طویل نظمیں فی البدیہہ لکھتے یا لکھا دیتے تھے۔ وارداتِ غیبی کی تاثیر سے ایک مرتبہ تافیہ وردیف سے بنیہ از ہو کر بھی کلام ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت قبلہ باوجود جی کی طرف ایک مکتوب میں اس قسم کا ایک شعر درج کر کے فرماتے ہیں: "لسان الوقت کو قافیہ وردیف سے غرض نہیں، لہذا مجنونانہ مضامین پر عقلاً کو مواخذہ کا استحقاق نہیں، حضرت کی بعض پنجابی نظمیں مقبول عام حاصل کر چکی ہیں۔ اور بے پناہ تاثیر کی حامل ہیں بالخصوص وہ نعت جس کا مطلع ہے: "آج سب مہراں دی دھیری ہے کیوں لڑی اوداس گھیری ہے" اور دو اور نعتیں عجب بھی اودہ پیاں دسدیاں سانوں ماہی والیاں ٹاہلیاں" اور "دل لگڑ لے پرواہاں ناں" اس ملک میں تو آلی کی جان سمجھی جاتی ہیں۔ اور اکثر تھاریب میں اور ریڈیو پر پڑھی جاتی ہیں۔

کبھی کسی استاد کا کلام پسند فرماتے تو طبع عالی پرواز کر کے اپنے بلند مقام سے جواب کہہ جاتی چنانچہ حضرت سید

بٹھے شاہ صاحب نے فرمایا تھا:

کُن فیکون جداں آکھیا آہا تاں اساں دی کولے آہے
کے لامکان مکان اساڈا کے بُت وچ آن پھنسیا سے
کے ٹک اسانوں سجدے کر دے کے خاک وچ آن رلیا سے
بٹھے شاہ نفس پیت نے پیت کیتا کوئی مڈھ دے پیت تاں ناہے
اس زمین میں ہمارے حضرت کا ارشاد ہے:-

کُن فیکون توکل کی بات ہے ہم نے اُس سے بہت پہلے پیت لگائی تھی
"میم" نے اُس وقت گواہی دی جب تیرا میرا نشان بھی نہ تھا۔
اُس وقت کے آثار ہمیں اب بھی نظر آ رہے ہیں۔
اے مہر علی شاہ رُل تاہیوں نیٹھے جداں سک دہاں نوں آہی

(اس رباعی میں حضرت نے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُوْرِي كُنْ کے مطالب کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو حضرت امام

احمد بن حنبل نے مسند عبد الرزاق سے بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کی ہے کہ ہما حضرت جابر نے

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا تھا؟ فرمایا: سب

سے پہلے۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ اور یہ نور بقدرت و مشیت

خداوندی پھر تارباہاں اُس نے چاہا۔ اُس وقت کوئی شے نہ تھی۔ نہ لوح نہ قلم۔ نہ بہشت نہ دوزخ نہ فرشتے۔ نہ آسمان نہ زمین۔ نہ سورج نہ چاند۔ نہ جن نہ آدمی۔ پھر جب مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ ہوا۔ تو اللہ نے اُس نور کو چار اجزا پر تقسیم فرمایا۔ پہلے جزو سے قلم۔ دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش کو پیدا کیا۔ اور چوتھے جزو کو پھر چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے سے آسمان۔ دوسرے سے زمین تیسرے سے بہشت اور دوزخ پیدا کیے۔ پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے سے مومنین کی آنکھوں کا نور۔ دوسرے سے اُن کے دلوں کا نور۔ تیسرے سے نور توحید لا اِلهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کو پیدا کیا۔ حضرت سید محمد حنفادی حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ چوتھے حصے سے ارواح انبیاء پیدا کیے گئے اور باقی کو پشت آدم میں رکھا گیا،

اسی طرح حضرت عراقیؒ کے اشعار سے بھی متاثر ہو کر حضرت نے جو اباچند اشعار کہے۔ حضرت عراقیؒ فرماتے ہیں:-

نخستیں بادہ کا ندر جام کردند
مزا جش عکس آں گل نام کردند
چوں خود کردند رازِ خویشتن فاش
عراقی را چسدا بد نام کردند
اس پر حضرت نے جو اباشاہ ولی اللہ صاحب کے کلام کے ساتھ کچھ اشعار فرمائے:-

مئے توحید از خم خانہ غیب
چوں غلطی دم ز مستی ہا بہر سو
بستان الست انعام کردند
حرعیناں مستی از من وام کردند
ہویداشد در امکاں صورت حق
بہ آں صورت جہاں را رام کردند
بہر آں کہ غیرش نیست موجود
بخود آغز و ہم انجم کردند
خواجہ حافظ بشیرازیؒ کی ایک غزل کا شعر ہے:-

سینہ مالا مال درد است اے دروغ مرہے
دل زہن سانی بجاں آمد خدا را ہمدے

حضرت نے اسی رنگ میں اس طرح فرمایا ہے:-

سینہ مالا مال درد است و بگوید ہر دمے
قرعہ فالش بسام آدم خاکی زدند
درد بردردے دگر زخمے بجائے مرہے
گل بودنے دل کہ بادردے بگوید مرہے
دل گند زخمے رفوگر مہرباں دار طلب
نوک ہرگاں را صبا بار دگر گو مرہے

حضرت کی یہ غزل ایک سال پاک پن شریف کے عرس میں ایام محرم کے اندر پڑھی جا رہی تھی۔ حضرت خود رونق افروز مغل تھے۔ ہندوستان کے ایک بزرگ سجادہ نشین پہلے ہی شعر پودہ میں آکر رقص کرنے لگے۔ آدابِ چشتیہ کے ماتحت ساری مغل اٹھ کھڑی ہوئی۔ روتے جاتے تھے اور لذت فریاد میں ان اشعار کی اس طرح تشریح کر رہے تھے: "سبحان اللہ! پیر صاحب نے کیا خوب مرثیہ کہہ ڈالا ہے۔ سنو۔ سنو۔ حضرت امام حسینؑ تہ خنجر کیا فرما رہے ہیں:-

اے میرے دل و جان اور میری رُوح کے محبوب! اے میرے ایمان!! اس خنجر کی روانی کو تا قیام قیامت دراز کر دے کہ تیری محبت میں ذبح کیا جاؤں اور زندہ ہو جاؤں اور پھر ذبح کیا جاؤں۔"

اس کلامِ کیفیت کے بقیہ اشعار یہ ہیں :-

بستہ شد اندر ازل خاطر بدایں شور جہاں
کحل العینین املح وازجہ الحاجبین
کز نسیم تاب زلفش نوریان پدید ہے
سرمہ گیس چشمے، کماں ابرو۔ طبعی۔ ارجمے
روز قحطاشش بولے۔ یسین از متبے
دوش در گو شم رسیدہ از گان کونے دوست
مہر مارا کئے سزد ہر خود پرستے بے غمے

۱۹۱۲ء میں ملک سلطان محمود خان ٹوانہ نے قبلہ عالم قدس برترہ کی خدمت میں اپنی کسی پریشانی کے متعلق عرض کیا اور عنوان پر یہ شعر لکھا ہے

گر چارہ مرے زخم جگر کا نہیں کرتے
اچھا یہی کہہ دو کہ ہم اچھا نہیں کرتے
حضرت نے بواپسی اپنے قلم مبارک سے مینظوم جواب ارسال فرمایا :-
اُس چشم سیاہ مد بھری پُرسجہ وفتن سے
بے ساختہ تھا زخم جگر نوکِ مژہ سے
کہہ دیوے بھلا کیسے کوئی ہمیں عربت سے
ہے مہر و وفا طرز و ادا آلِ عباس کی
ہرگز نہ کہیں گے کہ ہم اچھا نہیں کرتے

مولوی محترم علی چشتی کے لڑکے مولوی قائم علی جب گولڑہ شریف کے درسِ دینیات میں داخل ہوئے تو نہایت غبی طالب علم شمار کیے جاتے تھے۔ اس سے پہلے مدرسہ نعمانیہ لاہور کے اساتذہ ان پر بہت محنت ضائع کر چکے تھے اور انہوں نے چشتی صاحب پر جو انجمن نعمانیہ کے صدر تھے اس صاحبزادہ کی تعلیم کے متعلق اپنی قطعی مایوسی کا اظہار کر دیا تھا لیکن چشتی صاحب بھی بیٹے کو انگریزی سکولوں میں داخل کرنے کے مشوروں کو ٹھکرا کر اُسے عالمِ دین بنانے کے ارادے پر مُبصر تھے جتنے قبلہ عالم قدس برترہ نے قائم علی صاحب کے ذہنِ نارسا کی شکایات سُن کر اپنے پاس بلوایا اور فاضل لاہوری کا خطاب بخشا چنانچہ وہ اسمِ باسٹی ہو گئے اور عمر بھر اسی خطاب سے مشہور رہے۔ ایک روز یہ فاضل لاہوری فارسی میں نظم کہہ کر لے آئے اور حضرت نے انہیں یہ نعت فی البدیہہ لکھوا دی :-

اشفتہ مہر وئے پُر ناز و ستم گارم
بر یاد یہ چشمتے ہمہ روز سیاہم شد
من گشتہ ابروئے آلِ دلہمیت ارم
وز نازک مژگانش صد خار بہ دل دارم

لے یہ ملک سلطان محمود بھی بچپن میں ہی اس چشم سیاہ مد بھری پُرسجہ وفتن اور اس نوکِ مژہ کا شکار ہو گئے تھے۔ اس زمانہ میں انٹرنس ملکہ تسلیم تھی۔ بزرگ اچھے سرکاری عہدوں پر تھے مگر گھر بار اور جائیداد اور مذہبی چھوڑ کر پہلے کئی سال دیوانہ وار چسکا کرتے رہے۔ پھر ۱۹۲۵ء میں جوآرینٹے تو ۱۹۵۶ء میں مکرانٹے اور خانقاہ شریف کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

از زلف پریشانش شد خانہ بدوش من
در مصحف رُوئے او آیات حسد اوارم
عشق آمد و شد ساری چوں بوبکلاب اند
اودر من و من در فے سترسیت زاسرارم
بیروں نہ زدم قدمے ویں طرفہ تماشاہیں
پُر آبلہ شد پیامِ عمریت کہ سیارم
قَدْ كَانَ وَمَا مَعَهُ مَا كَانَ مِنَ الْاَكْوَانِ
الآن كما كان مشهود دل زارم

تایافتہ ام خبیب کہ از باب علوم دل
دلدادہ بہر آں شہ حیدر کزارم

اسی زمین میں کچھ عرصہ بعد حضرت نے ایک اور نظم مختلف حالات کے اندر قلم برداشتہ تحریر فرمائی تھی جو موضع مونس تحصیل بہری پور کے ایک معمر اور ذی علم سید حسین شاہ صاحب نے ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کی کسی عبارت پر نواحی علاقہ کے ایک مفتی نے فتویٰ دیا تھا کہ یہ شخص اہلسنت سے خارج ہے اور اس کے ساتھ تعلق رکھنا حرام ہے حضرت ایک مرتبہ اُس علاقہ میں تشریف لے گئے تو مصنف نے حاضر ہو کر اُس عبارت کے مشکوک پہلوؤں کی وضاحت کر دی اور آپ نے فتویٰ کو خطا سے تعبیر کر کے انہیں ترک موالات کی نصیحت سے نجات دلوائی۔ کچھ عرصہ بعد اُن کا عرضہ آیا کہ مفتی صاحب کا تشدد اور بڑھ گیا ہے اور انہوں نے حضرت کو بھی اپنے فتویٰ کی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ چنانچہ جو ابا یہ اشعار تحریر فرمائے اور لکھ بھیجا کہ اپنے بزرگان اہلیت کی سنت میں صبر سے کام لیں :-

گو نامہ سیاہ کردم از بس کہ گنہ گارم
اما نظرے بستہ بر رحمتِ غفّارم
اجباب بہ تکفیرم گرفتلم و زبان اندند
حاشا کہ بختی شاں جز عفو و اوارم
در کوئے حسد ابیاں زان روز کہ شد گدوم
از مذہب خود بینی بیزارم و بیزارم
رم کردہ ز غیب اودارم و لکے شیدا
بے ہوشم و با ہوشم، بے کارم و با کارم
تاساقی مستانم نے ریختہ در کام
عربان و حسد اباتم، رقصانم و سرشارم
آلمدک لیمن غلب نامیست ز من باقی
از قرب مع اللہ برتر شدہ زان کارم

از سلسلہ فقرم آئے دست چمے پرسی

دلدادہ بہر آں شہ حیدر کزارم

اپنے فرزند ارجمند حضرت اسید غلام محی الدین بابو جی رحمۃ اللہ علیہ کو بعض مکتوبات میں حضرت قدس سرہ نے

عارفانہ اشعار بھی لکھے جو برائے افادہ درج ذیل ہیں :-
اے غلامِ غوثِ عظیمِ شکر کن
فکر کن در خلقت پس شکر کن
جمع گشتہ در تو عالمِ حلق و امر
جسم تو خلق است و روح تہست امر
بست در تو جملہ از عالمِ کبیر
زین بہت شد نام تو عالمِ صغیر
جسد تو کل شد ملائک جزیر او
زین سبب آمد خطاب اسجد و ادا

دیگر

چونکہ در عالم سخن گوئے یکے است
کیست دیار اندریں دار الوجود
وَجْهَهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ يَجْتَلِي
مے وزد بادے چو از آلا آنا
فارسی میں حضرت کی ایک اور مشہور نعت یہ ہے:-

کشد نافہ مشکیں بروئے اہل نیاز
کجا ایں عالیہ عطری و قصہ ہائے راز
چگونہ شکر تو گوید کمی نہ بندہ نواز
کمال حشمت محمود را بعجز ایاز
ز جام چہرہ ترکان مہوشان حجاز
متاع زابد طماع چه حج و صوم و نماز
فناں زو اعط خود ہیں گجا است محرم راز؟
مبارز طرہ شبرنگ مہوش طراز
کیم گدائے در منسبسی کوتاہ دست
توئی کہ ذرہ صفت را با سماں بردی
غرض ادائے نیاز است در نہ حاجت نیست
رہین ساقی چشم کہ جبر عجب چشاند
بہ بزم بادہ فروشان بہ نیم جو نہ خزند
مرا ز پیر مغال راز ہائے سر بستہ است

اگرچہ حسن تو از مہر غیب مستغنی است

من آں نیم کہ ز ایمان خویش آیم باز

ایک مرتبہ حضرت موضع قاضی غالب ضلع لائل پور جا رہے تھے جہاں پنجاب کے مشہور صوفی شاعر حضرت علی حیدر کامزار
کنار راوی واقع ہے۔ وہاں دریائے راوی پر فی البدیہہ چند اشعار ارشاد فرمائے:-

راوی از بحیراں شکایت می کند
گشتہ ام مہجور تر از اصل خویش
آدم از بگردے پویم بہ اُود
رادے و مردے و مردے عنہ ہم
از وصالش ہم روایت می کند
تیز تر پویم برائے وصل خویش
روزگار وصل مے جویم بہ اُود
گشت چوں ہجران و وصل اینجہا ہم
دہم غیب علم او غیب وجود
داند او کو راست و اچشم شہود

ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب تونسوی رحمہ اللہ علیہ نے حضرت کے صاحبزادہ جناب بابو جی صاحب
مدظلہ کو خط میں یہ اشعار لکھے تھے:-

اے وعدہ فراموش کروں کیوں شکایت
بھولوں گا کبھی تجھ کو نہ میں تا بہ قیامت
تو نے تو یہ وعدہ کیا تھا دم رخصت
گریاد تمہیں ہم تھے تو کیوں از رہ اُلفت
نخطے نہ نوشتی و مرا یاد نہ کردی
گا ہے بہ زبان قلم شاد نہ کردی

جناب بابو جی صاحب نے یہ خط قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے جواب کے لیے یہ اشعار لکھوائے :-

بھولوں گا کبھی تم کو نہ میں تا بہ قیامت
ہوں وعدہ کا پکا نہ کرو میری شکایت
ہے یاد مجھے آپ کی ہر لحظہ بہ اُلفت
میں نے تو یہ وعدہ کیا تھا دم رخصت

ہے یاد صفت دل کی نہ کاغذ نہ قلم کی

جب یاد ہو دل میں نہیں حاجت ہے تم کی

قاضی سر بلند خان پشاوری سے خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ انہوں نے لکھا کہ آپ کو ہمارا کچھ خیال نہیں۔ مدت ہوئی یاد

نہیں فرمایا۔ جواب میں صرف ایک شعر تحریر فرمایا :-

خاکساروں سے خاکساری ہے
سر بلندوں سے انکسار نہیں

قاضی صاحب نے جواب دیا :-

حلقہ بگوشوں میں سر بلند ہے آج
حضرت مہر شاہ کو خیال نہیں

اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-

شاعری میں بھی سر بلند ہی ہے
قافیہ بھی یہاں بکار نہیں

مہر اور پھر بے ہمد کیا معنی؟
جمع اضداد ناگوار نہیں؟

ایک اور نظم جو مثنوی بوڑھا کے نام سے مشہور ہو گئی ہے ایک سفر کے دوران ایک ایک چشم کو چوان کے رویہ سے متاثر ہو کر موزوں فرمائی تھی۔ جس کا گھوڑا بھی اپنے مالک کی طرح ایک آنکھ سے محروم تھا۔ اور دونوں کی رفاقت کا نتیجہ یہ تھا کہ تا نگہ ایک ہی سمت کو غلط چل رہا تھا۔ آپ نے فی البدیہہ یہ اشعار موزوں فرماتے گئے اور مفتی غلام مرتضیٰ صاحب صدر انجمن عثمانیہ لاہور اور ملک سلطان محمود نوانہ جو ساتھ سوار تھے قلمبند کرتے گئے۔ یہ اشعار بے عمل مولویوں، بے عمل صوفیوں اور متعصب وہابیوں اور نیچریوں پر ایک لطیف طنز کا حکم رکھتے ہیں۔

واحد العین است یک سو بگرد
از ہمہ رفت علیحدے بود

ربنا انا ظلمنا۔ الاماں
ان نسینا تو زد ستش و ارباں

یا ملاذ کل یا کھن الوری
اوست اعور پختنا یا ربنا

گو مش ہر چند لیکن نشنود
ہر کے بر خلقت خودے تند

خلقتش یک چشمی است و احولی
ریت فاشککہ صراطا مستوی

اس دوران میں مفتی غلام مرتضیٰ صاحب اپنے گاؤں کے چوراہے پر رخصت کے طلب گار ہوئے۔ فرمایا :-

مخلصی فی اللہ، غلام مرتضیٰ
از شرارت کور باطن قد نجی

آسے آناں کہ غلام حیدر اند
از دل و جاں شاں رہین صفر اند

گوئے سبقت مے برند از ہر کے
دارند از مولا علی نصرت بے

بکیت مولائے علی مولا سے کل
ہکذا قد قالہ خیر الرسل

از نفوس ماست اولی تر نبی
پس علی را این چنیں داں یا اخی

گشت اول از ہمہ نورِ نبیؐ بُود اقرب تر بہ او نورِ علیؑ
یہاں خیال آیا کہ میں نے (اُس بندو) کو چوان کو کور باطن کا سخت لفظ کہہ دیا ہے فرماتے ہیں :-
کور باطن گفتت اے بُویا بالہمت ابل مے دہم حالاً دعا
حق تعالیٰ نورِ ایمانت دہاد جان و حمت دائمہ در فرح باد
پھر مفتی غلام مرتضیٰ صاحب کی جدائی کا خیال عود کر آتا ہے۔ فرماتے ہیں :-

جامع علم و حیا۔ آل بادف منہی فی اللہ عن سلام مرتضیٰ
صانہ الرحمن من نار السقر وقت ما نخوش کرد اندر ایں سفر
دل نے خواہد شود از ماجرا یا علیٰ امسک غلامک عندنا
جذبہ عشقت ساری در ہماں اصل کل جذبات فاحببتُ بدان
(کُنْتُ كُنْزًا مَخْفِيًّا فَاحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ كَمَا ارْتَادَ بَارِي كِي طَرَفِ اِشَارَةِ هِيَ)
ہست بے صورت جناب قدس حُب قد تجلی فی غیابات المحبّت
داں جنود مجتہدہ ارواح را ما ائمتلف ثمتہ کشا شباح را

ایک تمبر پاکستان شریف سے واپسی پر جب حضرت علی حیدر صاحب کے وطن میں اقامت فرماتے تو قبلہ بابو جی کے تقاضا پر ایک نظم فی البدیہہ قلم بند کرانی۔ جس کے ہر شعر کے پہلے حرف کو لے کر دیوان سید محمد صاحب کا نام نکل آتا ہے جو اُس وقت پاک پتن شریف کے سجادہ نشین تھے۔ پوری نظم ملاحظہ ہو :-

دلا کس کی لگن میں پھرتا ہے وحشی تو بن بن میں
یہاں لا کر کیسا قابل فسون سحر کا اپنے
وہاں سوئے پڑے تھے خوش عدم کی نیند میں بخود
ارے ساتی ترے ممنون ہیں سب رند و متلنے
نگارے والضحیٰ روتے و داللیل سچے موئے
سنا کر بیٹھی باتوں کو دکھا حسنی صعب توں کو
یہ کیسا ہے گداز و سوز کیسی ہے یہ بے خوابی
دل حیراں کی تسکیں کو خیال اُن کا عنیمت ہے
مدینے میں بُلا بھجو قریب وادی حمرہ
(سفر حج میں وادی حمرہ کے اندر ظاہری زیارت کی طرف اشارہ ہے)

حریف ساغرونے ہوں غریقی بحب عیسیاں ہوں
مجھے کیا نسیم ہے محشر کا مرا حامی ہے جب وہ شاہ
سہارا ہے فدّرضیٰ کا مجھے محشر مکان میں
کہا لو لاک و طہ و مزمل جس کی شان میں

دلا مت روعن سلام ہو کر تو محی الدین حبیبی کا
مُریدنی لا تخف بس ہے سہارا ہر دو کون میں

جب ۱۳۱۸ ہجری مطابق سن ۱۹۰۱ء میں حضرت لاہور میں قادیانی معرکہ سے مظفر و منصور ہو کر واپس آئے تو جناب حضرت ثانی صاحب سیالوی کا مبارک نامہ پہنچا۔ اُس کے جواب میں یہ لکھ کر کہ یہ مبارکیں عالم گیر خطہ خاک پاک سیال شریف کو شایاں میں از رہگذر سے خاک سر کوئے شہابوڈ ہر نافذ کہ در دست نسیم سحر افتاد

اپنے شیخ کریم حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان اور فیضان میں بے ساختہ یہ بیس اشعار وحدت وجود کے رنگ میں قلم بند فرماتے ہیں اور اُن میں ظاہر کیا ہے کہ مجھ سے جو کچھ ہو سکا ہے وہ اسی شمس نورانی کے نورِ مطلق کی بدولت ہوا ہے جو میرے اندر کارنہ تھا۔ حضرت نے سیفِ چشتیائی میں بھی ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں کہ گویا میرے شیخ میرے پاس موجود ہیں اور اپنی توجہ سے مدعی قادیان کے جواب میں یہ دلائل میرے قلب میں الفت آفرما رہے ہیں۔ اس خط کے آخر میں فرمایا ہے: یہ چند اشعار مذکورۃ الصدر جو لسان الوقت نے بغیر امدادِ عرض و قوائی ہدیہ در دولت کیے ہیں۔ اُمید ہے کہ بہ لحاظ جنون و بے ساختہ پن محلِ اعتراض بلغانہ ہوں گے۔

شمس نورانی کہ نورِ مطلق است	در ہمہ آفاق نورش مطلق است
گشت خورشید سے نہ سال در ذرۃ	شیر ز در پوستین برۃ
از پئے رو پوش عامہ در میاں	مہر شاہ شد مشہر بر ہر لسان
چونکہ نور اقتاندر بر لاہوریاں	خلع مخرومی نخت فی القادیاں
شب ز روز و روز از شب شد عیاں	فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ بَيَانَ
ویں عجب کاں شمس از نورِ تدم	نا تو ان را بود خود صاحب علم
انت تھدی انت تضلل من تشا	انت تعزذ انت تذلل ہر کرا
طرفۃ العینی نہ از ماجدا	بس عجب از در و جہاں نالہ ہا
چشم عاشق بہر جنت و جوتے جاں	شد بخاک کوئے تو غوطہ زماں
گر نہ دادے نام پاکت دست را	کس نہ دیدے در جہاں ایں مست ا
از مسمی اسم چوں راند نفس	عالی را گوش بر بانگ جرس
نام دادی از کرم دیوانہ را	نسخہ فیہ الشف مستانہ را
نام پاکت ساختہ ورد زباں	مہر تو را در دیش کردہ نہاں
خاصہ ستانے کہ مست اندر است	مونس جانہائے شان بد سوز لغت
آن مہتیمان سر کوئے کے	واں اسیران خم موئے کے
راکعیں بر یاد ابروئے کے	ساجدیں سرشارِ مہرِ روئے کے
ہر دو عالم در ہواشس باختہ	پائے از دیدہ براہشس ساختہ
یتما آل سر و بستان حشا	شاہبازِ قدس آل شمس العسل
طلعت رُو از تجلی فی انجیال	مدرکہ باناطقہ گردند لال
بس کن اے دل قصہ بے انفصام	السلام اے بدر شمس و السلام

ایک عاشق اپنے خط میں حضرت کی آنکھ کو نرگس بیمار اور زلف کو زنجیر کی تار سے تشبیہ دیتا ہے۔ جواب میں لکھتے ہیں :-

حیران ہوئے پریشان بہوں اس نرگس بیمار نوں دیکھ کے جی
بن پیتے شراب خراب پھرن اس مست سرشار نوں دیکھ کے جی
بن قید زنجیر بن پھنس گئے اس زلف دی تار نوں دیکھ کے جی
شالا نرگس مست نوں مہر پوے کرے مہر بیمار نوں دیکھ کے جی

قصید فارسیہ کے بعض اشعار کا ترجمہ پُرسوز پنجابی میں فرمایا جو اس شعر سے شروع ہوتا ہے :-

سار باناں مہر باناں راہیا شالا جیویں خیر تھیوی راہیا
یہ ساری نظم معاصرین کرام کے باب میں دی جا چکی ہے۔
ایک اور جگہ حضرت جامیؒ کی یوسف زلیخا کی طرز میں فرماتے ہیں :-

نیمہ قاصدانہ دیس لائیں	لوجہ اللہ ماہی دے دیس جا رہیں
ادب سیتی دیویں بوسہ زمیں نوں	تے آکھیں اس طرح اُس نازیں نوں
مدت ہوئی نہ بلیا یار پیارا	کدیں منزل کرے سوہنا اتارا
بہانواں کول۔ آکھاں بول دے ڈھول	ترے بولن اتوں عالم کراں گھول
کے ہوسی چا نوازیں گولڑی نوں	زیادہ نہ کریں گل تھوڑی نوں
دچھوڑاناں کسے دے پیش آوے	کسے دا یار ناں پر دیس جاوے
کدیں پر دیسیاں نوں یاد کرناں	غریب الوطن دا دل شاد کرناں
کوئی ہووے سیو کشتی مہاناں	اساں سر پر سجن دے دیس جاناں
ہوواں میں سگ مدینے دی گلی دا	ایہو رتبہ ہے ہر کابل ولی دا
دلا سمجھا توں اکھتیاں دنییاں نوں	جگر دا خون بھر کھونڈیاں نوں

رہی سمجھاتے آون باز ناہیں

روون دھوون تے دسن راز ناہیں

ہندی خیال جو اکثر قوال بطرز بھوپالی گاتے ہیں -

جب سے لاگے توڑے سنگ نین پیا

نیند گئی آرام نہیں ساری ساری رین پیا

دکھ آئے سکھ بھاگ گئے سب عیش مٹا سا راجین پیا

تن من دھن سب تجھ پر واروں وار دیوں کونین پیا

جیا تڑپت ہے در سن دیجو صدتہ حسن حسین پیا

وَصَلِّ عَلَيَّ كَمَا شِئْتَ أَنْ تَصِلَ لَمْ يَمُتْكَ فِي الدَّارَيْنِ پیا

مہر علی ہے حُب نبی اور حُب نبی ہے مہر علی لکھ لکھی جب تک جسمی فرق نہیں مابین پیا

جب سے لاگے تو سے سنگ نین پیا

نیز گئی آرام نہیں ساری ساری پیا

مناجات، جو بطور اسآوری گائی جاتی ہے

ابجے بھی اودہ پیاں دسدیاں سائوں ماہی الیاں ٹاہلیاں
اُسے تھیں اودہ ہے اُریسے ہے پریسے پریسے تھیں
رات و رچ دینوں دیکھ سبھے کل مٹنی ہا لک
جے آکھاں توں دسداناہیں تیرے بن پھر کون ہے؟
ہے جو تنزیہ میں تشبیہ جمع حق مشہود ہے
پاکے گل دل پیچیاں زلفاں دے میں روندی وتاں
رہندیاں پل پل بسکاں دم دم اڈیکاں تیریاں
جھات پاکے دل گیوں ساری رین گذری روندیاں
فِي الْمَسَامِرِ كَدُّ تَفَضَّلْتُ عَلَى مَنْبِيَّتِي
دل دا دہڑا خانہ اکھیاں دا دوہاں نوں اِنظار
دیکھ لو رچ رچ کے اکھو کجھ دساہ نہیں دم دا

نال خوشیاں دے دل مل جتھے راتاں کالیاں جالیساں
بے شک آپے آپ ہے اسان سبھے جھوکاں بھالیاں
کجھ نہ ورج سب کجھ ہے ڈٹھرا ایہہ بیرنگی چالیاں
رُوپ کس دا میں دساں دیویں جو توں ہی دکھالیاں
کرم کیستا غوث اعظم اپنے سردیاں والیاں
سادی پیلی ہو رہیاں گیاں سُرخیاں تے لالیاں
کنڈ ولا کے ٹرگیوں سبحناں پرستاں نہ پالیاں
نین برسن زارم جسم جیویں بدلایاں کالیساں
أَرِنِي فَضْلًا جَمَّا لَكَ فَأَرِحْنِي فِي الْعَيَانِ
قدم پاویں جیوندیاں جیوندیاں تہ ہودن خوش حالیاں
پھر بھی پتیاں دیکھن کوئی خوش نصیباں والیاں

مہر ہے ساری علی دی شک نہ زہیا اک ذرہ

تاہیں اودہ پیاں دسدیاں سائوں ماہی والیاں ٹاہلیاں

نعت

دل لکڑا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نہیں مجال صلی علیہ ذوالجلال
روندیاں نیناں نوں سمجھ رہی لکھیا پڑھیا سب بھلا رہی

لے خواب میں تو میری مراد مجھے عطا فرمائی بیداری میں بھی اپنا جمال دکھا کر راحت بخش۔

ہک نام سخن دا گا رہی
 دل لکڑا بے پروا ہاں نال
 جس دی سبک مینوں ادہ تاں آیا نہیں
 پل پل گھڑی دے سو سو سال
 دل لکڑا بے پروا ہاں نال
 سوہنا میں توں کیوں چت چا گیا
 قسمت سڑی دا داہ پیا
 دل لکڑا بے پروا ہاں نال
 جیندی جہند تلی تے دھر رہی
 مکھ واری توبہ پڑھ رہی
 دل لکڑا بے پروا ہاں نال
 کراں یاد میں سوہنی جھات نوں
 اُس حمر ادا دی دی گھات نوں
 دل لکڑا بے پروا ہاں نال
 سارا دن گزاراں بھونڈیاں
 بہنواں نال مکھڑا دھونڈیاں
 دل لکڑا بے پروا ہاں نال
 کیتی بچ کے وانگ کباب ہوئے
 سرشار تے بے تاب ہوئے
 دل لکڑا بے پروا ہاں نال
 کیتی وچ نماں فطمان ہوئے
 حیران ہوں پریشان ہوئے
 دل لکڑا بے پروا ہاں نال
 آدم بھیس تاہیں مسیح
 اُتے بولسی ہک اُتہتی
 دل لکڑا بے پروا ہاں نال
 ربی الہی صمدی
 فاطمۃ الزہرا و علی
 دل لکڑا بے پروا ہاں نال

رگ رگ تے نوں نوں ساہاں نال
 ہک جھٹ گھڑی سکھ پایا نہیں
 صلی علیہ ذوا بحلال
 لگیاں پریتاں بھلا گیا
 تتی ریت عرب دیاں راہاں نال
 گل پڑا منستاں کر رہی
 رُٹھا منداں دا خیال
 اُس سفر عرب والی رات نوں
 یا لَیْسَتْنِیْ یَوْمَ الْوِصَالِ
 گھت پڑا مکھ تے روندیاں
 ساری رین سوللاں تے آہاں نال
 پیتے باجھ شراب خراب ہوئے
 انہاں خونیاں مست نگاہاں نال
 اندر یاد سخن ستان ہوئے
 انہاں سچیاں زلف سیاہاں نال
 نفسی مبلین سب نبی
 احمد نبی صاحب کمال
 صل وسلمو علی النبی
 حسین جگ دی پناہاں نال

مہر علی توں کون بچا را
سر تے چا کے صباں دا بھارا
دل لکڑا بے پروا ہاں نال.....

نپٹ لاشے تے اوگن ہارا
لاویں پریت توں شاہاں نال
بھیت دلاں دا مول نہ دیے
اندر روئے تے باہر ہیے
دل لکڑا بے پروا ہاں نال.....

مہر علی کیوں پھیریں دہی
ہوسن خوشیاں تے عنم جاہی
آج کل سوہناں آگل لاسی
بساں لیاں کر کر باہاں نال
دل لکڑا بے پروا ہاں نال جتھے دم مارن دی نہیں مجال
صلے علیہ ذوا بحلال

حضرت کی مشہور نعت جو اکثر بھیم بلاسی یا اسادری میں گائی جاتی ہے

آج بک بک مہراں دی ودھیری اے
لُوں لُوں وچ شوق چنگیری اے
الطیف سَری من طَلَعَتِه
فَسَكْرَتُ هُنَا مِنْ نَظَرِيَتِه
مکھ چند بدر شعشانی اے
کالی زلف تے اکھ متانی اے
دو ابرو تو سہ سال دسن
لباں سُرخ آکھاں کہ لعل یمن
اس صورت نوں میں جان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں
ایہ صورت ہے بے صورت بھیں
بے رنگ دے اس صورت بھیں
دے صورت راہ بے صورت دا
پر کم نہیں بے سوجھت دا
ایہا صورت سالا پیش نظر
وچ قبر تے پل بھیں جد ہوسی گذر

کیوں دلڑی اُداس گھیری اے؟
آج نیناں لاسیاں کیوں جھریاں
وَالشَّدَّ وَبَدَى مِنْ وَفَرِيَتِه
نیناں دیاں فوجاں سر چڑھیاں
متھے چکھے لاٹ نورانی اے
عنسور اکھیں ہن مد بھریاں
بھیں توں نوک برزہ دے تیر پھٹن
چٹے دند موتی دیاں ہن لڑیاں
جانان کہ جان جہان آکھاں
جس شان توں شانناں سب بنیاں
بے صورت ظاہر صورت بھیں
وچ وحدت پھٹیاں جد گھڑیاں
تو بہ راہ کی عین حقیقت دا
کوئی ورلیساں موتی لے تریاں
رہے وقت نزع تے روز حشر
سب کھوٹیاں بھیں تد کھریاں

اے خواب میں اُس کی شکل نظر آئی اور زلفوں سے خوشبو ہمگی جس کے مشاہدہ سے میں مدہوش ہو گیا۔

يُعْطِيكَ رَبُّكَ دَاسَ تَسَا
 لِحِ پَالِ كَرِيْسِي پَاسِ اسَا
 لَا هُوَ مَكْمَلُ تَوْنِ مَحْطَطِ بُرْدِ يَمِنْ
 اَوْهَا مِطْيَايَا گَالِيں اَلَا وَرِ مَطْنِ
 مَجْرَعِ تَوْنِ مَسْجِدِ اَوْدُوْهُوْلِنِ
 دَوَجْگِ اَكْهِيَاں رَاہِ دَا فَرَشِ كَرْنِ
 اِنْهَآں سَكْدِيَاں تَعِ كُرْلَانْدِيَاں تَعِ
 اِنْهَآں بَرْدِيَاں مُنْعَتِ وَكَانْدِيَاں تَعِ
 مُنْبَحَانَ اللّٰهَ مَا اَجْمَلَكْ
 كَتْمِ مَهْرِ عَلِي كَتْمِ تِيْرِي شَنْ

فَتَرَضِي تَحِيں پُوْرِي اَسِ اسَا
 وَاشْفَعْ تَشْفَعْ يَمْحِ پُرْحِيَسِ
 مِنْ بَهَانُوْرِي جَهْلَكِ دِكْهَاوْ سَمِنْ
 جَوْ حَسْرَا وَاْدِي سَنْ كَرِيَاں
 نُورِي جِهَاتِ دَعِ كَارِنِ سَاكْ سَكِنْ
 سَبِ اِنْسِ وَ مَلِكِ حُوْرَاں پَرِيَاں
 لَكْمِ دَا بَرِي صَدَقَةِ جَانْدِيَاں تَعِ
 ثَالَا اَوْدَنْ وَتِ بِي اَوِهْ كَهْرِيَاں
 مَا اَحْسَنْكَ مَا اَكْمَلَكْ
 گُتَاخِ اَكْهِيَسِ كَتْمِ جَا اُزِيَاں

مرثیہ

قلہ عالم قدس سترہ کے کلام میں غم حسینؑ پر یہ ایک مرثیہ پنجابی مہندی کی صنف میں یادگار ہے :-

لَا يَا مَهْنْدِي بَخُوْنِ اَجَلِ دِي اَسِ
 اِيه مَهْنْدِي رُوْزِ اَزَلِ دِي اَسِ
 اِيه مَهْنْدِي فَاطِمَةُ سَيْنِ دِي اَسِ
 اِيه هُوْرَاں نَالِ نَهْ رَلْدِي اَسِ
 نَبِيَّ - عَلِيٍّ دَا دُرِّ يَگَانَهْ
 نَانَا پَاكْ دَا پَهْنِ كَعِ بَانَا
 جُنْبَشِ هُوْتِي زَمِيْنِ اَسْمَانَاں
 لَا يَا مَهْنْدِي بَخُوْنِ اَجَلِ دِي اَسِ
 اَكْهِي نَبِيَّ - عَلِيٍّ تَعِ فَاطِمَةُ زَهْرَا
 سَانُوْنِ سَكِ تِيْرِي پِلِ پِلِ دِي اَسِ
 شَاہِ تِيْرِي مَهْنْدِي دَا پِيْتَرِ سَاوَا
 اِيْنُوِيں لَكْمِي هُوْتِي رُوْزِ اَزَلِ دِي اَسِ
 شَاہِ تِيَنْدِي مَهْنْدِي دَا پِيْتَرِ پِيْلَا
 تِيْنُوِيں پِي مِصْبَبِتِ كَرْبَلِ دِي اَسِ
 شَاہِ تِيَنْدِي مَهْنْدِي دَا رَنگِ دُوْلَارَا
 سَارِي خَلَقْتِ تِيَاں مَلِ دِي اَسِ

خُوْنِ پَاكِ شَهِيْدِ حُسَيْنِ دِي اَسِ
 لَا يَا مَهْنْدِي بَخُوْنِ اَجَلِ دِي اَسِ
 فَاطِمَةُ مَانِي دَا مَالِ خِزَانَهْ
 طَرَفِ مَقْتَلِ دَعِ تَحِيَارِ اَوَانَهْ
 نَالِي عَرْشِ عَظِيْمِ پِي اَهْلِي دِي اَسِ
 لَا يَا مَهْنْدِي بَخُوْنِ اَجَلِ دِي اَسِ
 سَرَزَنْدِ حُسَيْنِ تُوْ وَيْلَا آ
 لَا يَا مَهْنْدِي بَخُوْنِ اَجَلِ دِي اَسِ
 كُوْفِيَاں زَلِ مَلِ كِيَسْتَا دِهَاوَا
 لَا يَا مَهْنْدِي بَخُوْنِ اَجَلِ دِي اَسِ
 سُوْپِيُوْتِي رَبِّ نُوْنِ خُوْشِ قَبِيْلَهْ
 لَا يَا مَهْنْدِي بَخُوْنِ اَجَلِ دِي اَسِ
 رُوْنْدَا تِيْنُوِيں عَالَمِ سَارَا
 لَا يَا مَهْنْدِي بَخُوْنِ اَجَلِ دِي اَسِ

شاہ تینڈی ہندی دارنگ ہے سوا
 اُمت نون ہے تیرا بوا
 ساری اُمت جلدی بلدی اے
 لایا ہندی خون اجل دی اے
 ایہ ہندی سوہنے باگ دی اے
 و یطہر و کڈ والی لاگ دی اے
 تاپیں ہو راں نال نہ زلدی اے
 لایا ہندی خون اجل دی اے
 ادھر پاک معصوم سپا سے ترس
 جنہاں تے مینہ تیراں دے برسن
 ادھر تیخ حشین تے چلدی اے
 لایا ہندی خون اجل دی اے
 رب نون آہا ایو بھانراں
 رتہ شہیدی تینوں دوانراں
 نہیں تاں تھوڑا تھے کپڑی گل دی آ
 لایا ہندی خون اجل دی اے
 سبحان اللہ تیرے رنگ الہی
 اوہ سوہنی صورت فاطمہ جانی
 آج خاک وچ پئی زلدی اے
 لایا ہندی خون اجل دی اے
 مہر علی شاہ ایہ جھوک فنا دی
 دائم قائم ذات حسدا دی
 تیری دسدی بھی پل بھل دی اے
 لایا ہندی خون اجل دی اے

حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں یہ ہندی کبت بھی حضرت کے کلام میں ملتا ہے جو ایک دستاویز
 بھاٹ کے حاضر ہونے پر آپ نے اپنے قوال سابق نجات جمال کو فی البدیہہ لکھوا دیا تھا۔

کب کسکے مدح تمام۔ امام ہمام ہمام۔ بھلا جگ سارا
 جس فارح خیبر۔ ماہ منور۔ شاہ غضنفر دیں کوسنوارا
 وہ نبی کے دھی۔ اللہ کے ولی۔ دو جگ میں بلی بہ خنی و جلی
 وہ جب کہ پڑیں لکار مر میں کفار۔ ہو دیں ناچار۔ ٹوٹے ہنکار سبھی کا
 حیض در کے زور پہاڑ گریں کفار مر میں در خیبر کو اکھارا

کلام منظوم کا باب اس طویل مثنوی پر ختم کیا جاتا ہے جو حضرت نے ۱۳۲۶ ہجری مطابق ۱۹۰۸ء میں مولوی محرم علی چشتی
 مرحوم کے مقالہ گوگوتے سے متاثر ہو کر نظم فرمائی تھی اور جو اب مثنوی گوگوتے کے نام سے مشہور ہو گئی ہے۔ اس مثنوی میں آپ نے
 فنا و بقا کی حقیقت اور وحدت الوجود کا مسلک بیان فرمایا ہے۔ اس میں بعض اشعار بوجہ مناسبت مثنوی مولانا روم سے بھی مندرج
 ہیں۔ ان اشعار کو — میں درج کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض متفرق اشعار بھی ملتے ہیں جن میں سے کچھ نکتوبات طیبہ
 طغوثات طیبہ اور پنج گنج عرفان میں درج ہیں۔ ایک شعر جو قبلہ عالم نے اپنی ذات کے متعلق بطور تحدیث نعمت ایک موقع
 پر کہا تھا اور جس کے آپ نے فی الواقعہ صحیح مصداق تھے یہ ہے:-

از لطف خلاقِ زماں داریم مُمت از اذہماں
 وضعِ دگر طرز سے دگر۔ ذوقِ دگر شوقِ دگر

اے چشتی صاحب نے اسلامی تعلیم و تہذیب کی اہمیت پر یہ مقالہ ایک مجلس مذاکرہ میں پیش کیا تھا جو نہایت مقبول ہوا۔

مثنوی المعروف گوگو

مرجا اے بلبل بستانِ چشت
 ہر دم از اسلام و اہلش ایں صداست
 فیضیاب از بارگاہِ احمدی
 کے مقابل با تو تاندھسری
 نورِ چشمِ مصطفیٰ و مرثضے
 نورِ دیدہ تاجدارِ انما
 آں گے کوشد مقیم کونے او
 حُبِ دل داری بخواجه خواجگان
 پنجنے را بسندہ ای از جان و دل
 جرّے از فیضِ مستانِ الست
 قُلْ لَهُمْ قَوْلًا بَلِيغًا لَيْسَنَا
 پس میفشان نور بر ظلمانیان
 کارِ شیراں ہمت و سرگرمی است
 جودِ حق کردہ ترا مختص بہ دین
 جد لهم بالنصح والحسن المقال
 زان شدی موسوم با محمد م علی
 چون محمد با علی ہم خواندہ اند
 یعنی ہمک عزتت کردہ حرام
 از حریم جمع در بیدائے فرق
 زان حدیثِ راہِ پُر خوں مے کنی
 روحِ مستانِ شاہِ است نائی و نیت
 گفتہ تو گفتہ آں روح است
 بابل دماز خود پیوستہ ای
 بلبل بستانِ چشتی خوش بگو
 باز گو از گوگو آں سر نوشت
 ایں بیان نیک چشتی را سزا است
 جرّے بر دھدیہ ہم فلسفی
 مستد از شیخ عبدالقادر
 سید حسنی حسینی مرعتا
 مُردوے از لا تخف دادہ با
 شیر نارد تاب دیدن سونے او
 مات فی حُبِ الیّٰہ اور است ثمان
 دہریہم فلسفی پشت نجل
 ریز بر دُوں ہمتاں سگان پست
 وَ لَهُمْ بَيِّنَاتٌ بَيِّنَاتٌ
 از غشاوہ جہل ایشاں را رہاں
 کارِ دوناں جیلہ و بے شرمی است
 ذَاكَ فَضْلٌ مِّنْ اِلٰہِ الْعٰلَمِیْنَ
 وارحمہم عن عقیدات الضلال
 محمدی زان عالم برتر و نخی
 از برایت حال نیکو راندہ اند
 آں علی غالب ذوالاحترام
 ماندہ ای مہجور در ظلمائے فرق
 قصہ ہائے عشق مجنوں مے کنی
 مے دہی بیرون دہیہ نایت
 گو بظاہر انتابش سویت است
 از تکلف ہائے کلی رستہ ای
 ہاں و ہاں بر گوگو اصدا بگو

۱۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ۲۔ پنجن چشتیہ ۳۔ حضرت خواجہ غریب نواز امیری معین الدین (۲) حضرت قطب الدین (۳) فرید الدین
 (۴) نظم الدین (۵) نصیر الدین رحمہم اللہ تعالیٰ ۶۔ اشارہ بحضرت خواجہ مستان شاہ کابل پیر و مرشد چشتی صاحب۔ ۷۔ علی یعنی حق جان و ملا

"جوڈ محتاج است خواہد طالبے
 "جوڈے جوید گدایان و ضعات
 "رُوئے خوباں ز آئینہ زیبا شود
 "پس ازیں فرمود حق در واقعے
 "چوں گدا آئینہ جوڈ است ہاں
 "فلسفی در "ماہی" عمرش تیر شد
 "دہریہ در عیش فانی کو رو کر
 "مرغ کاب شور باشد مسکنش!
 "اے کہ اندر چشمہ شور است جات
 "اے تو نارستہ ازیں فانی رباط
 "ور بدانی نعلت از آب و جد است
 "ابجد و ہوز چہ فاش است و پدید
 "تو چہ دانی سہرایں را اے عمی
 "ساعتے و اکن محال بعیر را
 "تا بہ او عقل بہ او بیطش شوی
 "لوح محفوظ شود مشہود میں
 "غیر از معقولہا معقولہا
 "علم تو علمش و علمش علم تو
 "تو نہ ماندی چونکہ بس گو کیت این
 "این زماں جاں دامنم بر تافت است
 "من چہ گویم یک رگم ہشیا نیست
 "از ہمدہ ادہام و تصویرات دور
 "این سخن لاریب حق است اے اخی
 "خاصہ در انساں کہ نوع آخر است
 "زیں جہت عالم صغیرش گشتہ نام
 "این سخن رانیت پایاں اے پسر

ہم چسناں کہ توبہ خواہد تابتے
 ہم چوں خوباں کا تینہ جویند صاف
 رُوئے احساں از گدا پسدا شود
 بانگ کم زن۔ اے مستد بر گدا
 دم بود بر رُوئے آئینہ زیاں
 دانکہ جز ماہی است ز آبش سیر شد
 ماندہ در علم کیسانی خیرہ سر
 اوچہ داند جائے آب روشنش
 توچہ دانی شرط جیون و فرات
 توچہ دانی صوم و سکرو انبساط
 پیش تو این نامہا چوں ابجد است
 بر ہمہ طغفلان و معنی بس بعید
 چوں ندانی کل شی فی کل شی
 بشنوا ز نے نالہ شبگیر را
 ہم بد و یسع۔ بد و یبصر شوی
 از چہ محفوظ است محفوظی ز شین
 بینی اندر دل علوم انبیاء
 علم تو علمش و علمش علم تو
 فی مرایا العدم قد ظہر الملتین
 بُوئے پیرا مان یوسف یافت است
 شرح آں یارے کہ آں رایار نیست
 نور نوراً نور نوراً نور نوراً
 وجہہ فی کل شیء یجتلی
 کون او جملہ جہاں را حاضر است
 ف العوالم اربعہ بسنگر تمام
 بازگو از گو مگو لغم النجر

۱۔ کلام مولاناے روم

۲۔ بابی یعنی یہ کیا ہے یعنی عالم خلق کی جنتوں میں عمر گزار دی۔

۳۔ یعنی اس عقل کہ ماخوذ است از عقل بعیر (رسمانے کہ بہ آں زانوئے اشتر بہ بندند)

کیست نے کوئے سراپد دمدم
 ایں فغان و نالہ ہائے زار او
 پھونے گشتہ تھی از خویشتن
 دوست فانی از خود و فانی بحق
 بندش چشمے کہ دید از غیر دوخت
 دیدن چشم محمد از شقی
 گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی
 از دگر خوباں تو انسدن نیستی
 دیدہ مجسوں اگر بودے ترا
 چیت دانی چہرہ زیبائے دوست
 بالب دمساز خود جفت است او
 سر او نائی است او جز نے نیست
 گفتہ نے گفتہ نائی بود
 نے کہ ہسنگام حکایت بردہد
 کز ممتام و حد تم را نیدہ اند
 کردہ ام جبروت اسما را عبور
 گشتہ ناسوت آخر ایں منسزل مرا
 چوں نہ گریم در فراقش سر بسر
 در حسیم وصل با شاہ وجود
 گشتہ ام محسوم از قرب ہمیں
 زینہ خواہم شرح شرح از فراق
 نہر کسے کو دور ماند از اصل خویش
 آل دہم بیدول کہ او در من دید
 ہاں گو او چونکہ با حق واصل است
 سوال — پس ز جہانش شکایت بہر چیت؟
 جواب — زانکہ وصل مطلق است اینجا محال
 راست فرمود ست مولانا بیباں

من نیم واللہ یارا من نیم
 مے رود تا صحن عرش یار او
 زار و گریان است از حبت وطن
 مَن رَاہُ قَدْ رَاہِی رَبَّ الْفَلَقِ
 مطمش لا غیہ الا روتے دوست
 کئے بود چوں دید بوبکر و علی
 کز تو مجنوں شد پریشان و غوی
 گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی
 ہر دو عالم بے خطر بودے ترا
 دید حق را آئینہ گویم نہ دوست
 زان چوں نے بس گفتنی گفت است او
 شور ہائے دہوتے او بے دے نیست
 گو ظور کش از دہان نے شود
 از جسدائی ہا شکایت مے کند
 زان ز شورم مرد وزن نالیدہ اند
 عالم ملکوت را کردم مرور
 زیں جسدائی ہا شدہ خوں دل مرا
 نیست در عالم ز من مہجور تر
 نختہ بودم، جسد را ہے نہ بود
 در حنیض آوردہ موج پنہیں!
 تا بگویم شرح درد اشتیاق
 باز جوید روزگار وصل خویش
 آرمیدہ ام بحق از خود رمید
 جملہ مطلوبات اورا حاصل است
 وز جسدائی ہا شکایت بہر چیت؟
 تا بود پیوند جسم و جاں بحال
 در دم آخر چوں رفت او زیں جہاں

من شدم عربیاں ز تن او از خیال
 تا بود اینجس تشبک جسم و جان
 او ز جان و جان ز او مستور نیست
 منظر ذاتست روح بے نشان
 بحث جان اندر معتمدیم دیگر است
 جمله اسماء را تو مرآت آدمی
 آدمی از دور یک اے خوش لقا
 عَلَّمَ الْأَسْمَاءَ طَرَازِ جَانِ تُسْت
 از کمالت گر ملک آگاہ بدے
 ناید این اندر لباس صوت و حرف
 چشم بند و گوش بند اے بے نوا
 کن سفر در خود به رجعت قهقری
 پائے کوباں تا به بام او رسی
 از وطن بینی و از اصل وطن
 فَمَنْ كُنْ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ
 اسم خواندی ز دستش را بخو
 اذکر و اللہ کا ہر او باش نیست
 اذکر و نی راست اذکر در قفا
 با ملائک حق بگوید در سما
 دوست داریدش کہ او محبوب ماست
 دادہ اسمش شرح صدر و رفع ذکر
 مانہ بے او، او نہ بے ما بالیقین
 مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ زِيں بُود
 ذَاكَ فَضْلٌ مِنْهُ۔ اَللّٰهُ يَضْطَفِي
 خاصہ پاکانے کہ از خود رستہ اند
 کردہ با جَاؤْكَ نوط اجابتش
 آن دُعائے شیخ نے چوں ہر دعاست

مے حسد ائم در نہایات الوصال
 کئے تُبُخ جانان عیساں دیدن توں
 یک کس را دید نشان دستور نیست
 پچھناں کا سماکش را باقی جہاں
 بادۂ جان را قوامے دیگر است
 زان حسیفہ و منظر ذات آدمی
 گوئے بُردی از ملک یا مرجب
 اُسْجِدُ وَالْاَدَمِمْ اِنْدَرِشَانِ تُسْت
 کئے اَجْتَعَلَ گفتہ خود رسوا شدے
 غوطہ باید خورد در دریائے ژرف
 صحن دل را نیک روب از ماسوی
 تا ز رمز روح و جانیت پے بری
 از خودی خود بیسودل آئی و رہی
 جان خود ہیں گر بروں آئی ز تن
 اِبتدا و انتہایت شد ہوں
 مہ بہ بالا داں نہ اندر آب جو
 ارجھی بر پائے ہر قلاش نیست
 ذکر تان را ذکر او نعم بجزا
 دوست دارم آل کبیر الذکر را
 وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ راسر است
 ذکر او ہر جا کہ از ما ہست ذکر
 گفتہ او گفتہ ما شد ازین
 یک نے ہر کس منزائے این بود
 مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادَةٍ يَا اَرْحَمَ
 دیدہ از غیرت بروش بستہ اند
 از وَ لَوْ خَوَاں تا رحیم آیتش
 فانی است دست او دست خداست

از دہن ہائے خلاق شد عیساں
ظرف اذکر اذ نیت کے بود
ذکر کن ذکر سے کہ غیر از دل رود
ذکر یاد دل بود نے از سخن
چونکہ رُوح غرق یاد حق بود
ذکر و مذکور و ذکر ت یک شود
غیر تو ہستی، بروں شوا از جسم
آن وحید الدہر عارف بازید
ہیچ تاں یا بید از شاہم نشان
جملہ گفتندش کہ بر ما کن عطا
ما شنیدیم آن کہ قلب مومن است
یا محیط الكل خلاق الوری
عالی را در تحیتہ کردہ ای
یا محیط الكل و هاب النعم
تو محیطی کے محاط ما شوی
برتری از قسم و قال و قيل ما
کے تند بر شعہ تار مویکے
مالک اسکی و اللہ اُحد
لہ یکن اُحد لک کفو اولہ
تو چنانستی کہ خود کردی بیان
آنچہ با ما در بطون اُمتہات
گرنہ سبقت کردے رحمت بر جلال
زیں سبب رحمن باللہ تدرین
عالی را از عدم کردی بدر
لیس فی فیضین یا رب العلا

معنی اذکر ذکر ہاں اے مہرباں
منی و مذکور ہر گاہ و سے بود
غیر منی ذات حق در دل بود
کو بود صوت و ہوائے از دہن
جامہ ہستی بکلی شق بود
اندریں دم غیر حق بیشک بود
خود حجاب اکبری۔ تم لاجسم
با ملائک گفت از شوق مزید
عرش جائے اوست خواندم در قرآن
گو خبر از آن شہ ارض و سما
تخت گاہست ز ہجران امین است
ظاہری و باطنی در دوسرا
با ظہور کالمت در پردہ ای
علم تو ہست از علوم ما تم
عَلِمْنَا كَيْفَ عَلَيْكَ يَحْتَوِي
خاک بر عتدے بر تمشیل ما
کے ز کثمت قول راند عاتقے
لَهْ يَلِدُ۔ لَهْ يُولَدُ اللَّهُ الصَّمَدُ
لَيْسَ شَيْئًا مِثْلَكَ يَا ذَا الْكَرَمِ
در صحائف سابقہ ہم در قرآن
کردہ ای موسم نہ کردہ بانبات
جملہ عالم ماندے در تیرہ زوال
آمدہ در بسملہ از بہترین
آنریدی جملہ را از خیر و شر
یرجع الشین الیک لا ولا

لہ فاذا ذکر ربک اذ نیت الایۃ ۱۷ یعنی تعجبی رحمانی۔ ازیں جا خواہی نہمید کہ الرحمن علی العرش استوی فرمود نہ اینکه
اللہ علی العرش استوی از برائے ہمیں معنی کہ غیرت جلال ذات ماسوی را اجازت شرکت فی الوجود نے بخشہ بخلاف رحمت عامہ
۱۷ یعنی فیض اقدس و مقدس

لوجعل الشر شرّاً باطل
 لوجعل الشر موجوداً بدار
 علم تابع است مر معلوم را
 گر نه لطفت یا در مظلم بدی
 خلقت ما کردی از مایه مهین
 پس عطا کردی با عقل و حواس
 از پی لطف و هدایت و از بس
 هم ز فضل و رحیم خود یا ذوالعلا
 تا که ختم الانبیاء جد امین
 خواند بر ما روشن و مجید کتاب
 علم وحی آمد دلیلت سرسبر
 عبده البطن اندانائے زمان
 کور و کز آنند بس غافل زیار
 معده را بگذار سوائے دل خرام
 تا است از وے شنوئی این زمان
 وحدت باشد به کثرت جلوه گر
 تا بدانی سر اطوار وجود
 کل شیء هالک مشهودین
 راکع سرشار از روائے کس
 بینی او را اندری آئینہ ما
 بینی عالم را ظهور حق گمے
 لا یصح عندک فی ذالشیء
 گاه بینی میں ثابت را عدم
 گاه وجود خاص دانی مرورا
 در تصور ذات او را کنج کو
 آفتاب آمد دلیل آفتاب
 جذب و شوق ببل بستان چشت
 سنۃ اللہ چونکہ جاری شد بریں
 تدتے این مشنوی تاخیر شد

اذ تخللۃ هنالك عاطل
 خیر ذاتی هست و شر عارض بدار
 کیف زید یتقی زان شد خطا
 کئے جواب الست را ملیم شدے
 احسن التقویو کردی ذو الیقین
 تا کہ از اعمال ما بینی پاس
 نیست ما را جز اطاعت با رسل
 کردہ امی ارسال رسل و انبیاء
 آخند آمد بود فخر انجمن
 داد ما را شرع با فضل خطاب
 عقل جزوی هست اینجا خیرہ سر
 کہ فضیلت مے دہند این را بر آں
 روز و شب در حظ نفسانی دوار
 تا کہ بے پردہ ز حق آید سلام
 ہم بلی آری مجیباً بر زباں
 پس حسد امی در وصالش سرسبر
 کیست دیار اندری دار وجود
 باشدت آن دم رہی از غین و شین
 ما جہداً از دید ابروائے کس
 شتم و جہ اللہ بغنی بے خطا
 گاہے حق ظاہر و باطن عالمے
 شمت الاعیان را نحة الوجود
 ینصغ بصفات او اندر قدم
 پس انا الحق در سرانی بر ملا
 تا در آید در تصور مشیل او
 گر دلیلت باید از وے رومتاب
 باز نالان گشت بر گل مائے کشت
 در بہاراں سبزہ روید از زبیں
 ہستے بائست تا غول شیر شد

ہاں نہ گوئی مُعجزاتِ انبیا
 سُنتش را نیست تبدیلی نہ ضد
 پس خلافِ نچپہ و قانونِ او
 زانکہ این ہم بر وفاقِ مادت است
 عادی و غیرش وفاقِ سُنتش
 کثرتِ او قلتِ این از قدم
 نچپہری چوں اندریں جانگاہ شد
 صدقِ طالبِ جودِ آن ربِّ محمد
 لیکِ مختصُّ بذالک من یتشا
 آن دُعاے شیخ نے چوں ہرُعامت
 از دہنِ ہائے خلاقِ شد عیاں
 مشیئاً اللہ شاہِ جیلانِ اعطنی
 ہر زباں مے خواند از عشقِ مزید
 رحمِ فدما اے سیمانِ زماں
 المدد یا شمسِ دینِ غوثِ جہاں
 چوں حدیثِ رُوسے شمسِ الدینِ رسید
 نورِ رُوحانی دہد شمسِ سیال
 از افول آمد منزہ شمسِ دین
 شرحِ احسانات و فیضِ مستمر
 اولیاً صیقلِ گرانِ رُومِ داں
 دل ز غیرِ دوست چوں صافی کنند
 مکسِ مر رُوسے فتد آنکہ درو
 پاک کن بر آتِ خود از غیرِ حق
 رنگِ غیبتِ ز بر آتِ سخن
 تابِ بانیِ مسلم خود از علمِ او
 نے نجومِ است نہ رملِ است نہ خواب
 از پئے رُوپوشِ عامہ در بیاں
 تلغرافِ یغبی آمد از اساس
 آنکہ ہتکِ عزتش کردہ حرام

شد خلافِ نصِ شرعی این کُجبا
 شاہدش بر خواں ز قرآن لَنْ یُجذ
 درشتا صیغی چساں آید تو
 معجزہ ہم در طباقِ سُنت است
 وافر و کم بر وفاقِ مادتش
 در محاطِ سُنت و جہنِ اعلم
 لاجرم زین نکتہ کم آگاہ شد
 پیش از فضلِ بہاراں بردہ
 از عبادش انبیا و اولیاء
 فانی است و دستِ او دستِ خداست
 معنی اذکر کھر ہاں اے مہرباں
 یا معینُ الدینِ چشتی آتنی
 یا فرید و یا فرید و یا فرید
 الہدے اے تو نشانِ بے نشان
 فضل کن یا فضلِ دینِ کہفِ الاماں
 شمسِ چہارمِ آسماں سرورِ کشید
 کوست حمتانی و باقی بے زوال
 غیرش آفل لا اُجبتُ الافلیین
 این زماں بگذارتا وقتِ دیگر
 نے چوں نقاشانِ چینِ لعلتِ گراں
 ہر دو با خود آریسنہ بازی کنند
 کہ مصغی باشد و ہم رُوبرو
 کے تدری فیہ و جُوہا دجہِ حق
 منعکس فیہ علومِ ذوالہن
 ذات و ادصافش ہمہ ظاہر ز تو
 وحی حق و اللہ اعلم بالصواب
 وحی دل گویند او را صوفیاں
 گشت چشتی پاس حق را صدکِ پاس
 محترم کردش بہ نزدِ خاص و عام

آل عشلی - غیور و مستان و صمد
 یا الهی - فیض از وهبانیه
 انجمن نعمانیه شد در این
 وال سلیم الطبع والدین خوش صفات
 حق سلامت داردش از رنج و تاب
 راجی خود را کج رسوا کند
 ز د و باریک انجمن نعمانیه
 آجدار خد متش آل تاج دین
 آل سلیم اللہ مفتی نیک ذات
 دین و دنیسا باشدش خیر المآب

ہم چہ سراغ دین احمد خادمش
 الامان یارب ز باد صرصرش

باب ہشتم

تصانیف

پہلی فصل

تصانیف

”تحقیق الحق فی کلمۃ الحق“ ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء

حضرت قبلہ عالم کی پہلی مہتمم بالشان تصنیف ”تحقیق الحق فی کلمۃ الحق“ ۱۸۹۷ء میں فارسی زبان میں لکھی گئی اور اپنے لطیف مسائل، دقیق مباحث اور عظیم علمی کردار کے باعث تمام اسلامی دنیا میں مشہور ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں فارسی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا ہے۔ مضمون کتاب کو بیان کرنے سے پہلے مختصراً مسئلہ وحدت الوجود اور کلمۃ توحید لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ کا بیان کرنا ضروری ہے۔ اس سے نفس مضمون کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

توحید و وجودی صوفیائے اسلام میں سے اکثر مشاہیر کرام کا مسلک روحانی رہا ہے۔ اس کا مجملاً مطلب یہ ہے کہ حقیقتاً وجود عینی صرف ذات واجب باری تعالیٰ کا ہے اور اس کائنات کے تعینات اور تنزیلاتِ ظل ہیں اسمائے الہیہ کے، یعنی اس کائنات کا اپنا کوئی وجود نہیں بلکہ صرف ظل ہے اور یہ اصول جمیع کائنات پر بغیر کسی استثناء کے حاوی ہے۔ کچھ اور بزرگانِ عظام توحید شہودی کے قائل ہیں، اُن کے نزدیک حقیقت عالم ایک نمودِ محض ہے۔ بے بود اور بے وجودِ یسعتِ کاملہ خداوندی سے مخلوق ہے لیکن ذات الہیہ اس سے ورار الورا ہے اور وہ اس کا عین نہیں۔

مگر یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ چونکہ ان دونوں نظریات کا تعلق آثارِ باطنہ سے ہے اس لیے عوام الناس انہیں تسلیم کرنے اور اُن پر اعتقاد رکھنے کے مکلف نہیں۔ اُن کے لیے صرف توحید شرعی پر، جو کلمۃ توحید میں بیان کی گئی ہے، ایمان رکھنا کافی ہے توحید شرعی کا مطلب جو شاریعین بیان کرتے چلے آئے ہیں وہ یہ ہے کہ ایمان لا الہ الا اللہ کی وحدانیت کے ساتھ صفت الوہیت اور استحقاقِ عبادت میں، اور کسی کو اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک نہ کرو۔

لکھنؤ میں ایک بزرگ گزر سے ہیں جن کا نام گرامی مولانا عبد الرحمن تھا۔ وہ نہ صرف علوم ظاہر کے جتید عالم تھے بلکہ تصوف میں بھی دسترس رکھتے تھے اور توحید و وجودی پر ایمان رکھنے والے صاحبِ حال مرد تھے۔ اپنے سفر ارتقائے روحانی کے دوران انہوں نے غایت وثوق اور انہماک توحید و وجودی کی بنا پر اپنی تصنیف ”کلمۃ الحق“ میں اصنام (معبودانِ باطلہ) کو عین اللہ قرار دے دیا اور کلمۃ طیبہ کے معانی اپنے زعم کے مطابق اور خلاف قانونِ ادبِ عربی کرتے ہوئے تحریر کیا کہ کلمۃ توحید میں اللہ سے مراد اصنام ہیں اور خبرِ مخدوف غیر ہے لہذا لا الہ الا اللہ کے معنی ہیں لا شئی من الاضنام غیر اللہ الا اللہ نہیں کوئی شے اصنام میں سے غیر اللہ مگر اللہ یعنی ہر شے عین اللہ ہے پھر اس پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ اس بات پر بھی مصر ہوئے کہ تمام امت پر لازم ہے کہ وہ اُن کے بیان کردہ مطلب کو صحیح سمجھے اور تمام علماءِ سنی جنہوں نے ایسا نہیں کیا اور وہ جو آئندہ ایسا نہیں کریں گے سب گمراہ ہوں گے۔

تاریخ عالم بتاتی ہے کہ کائنات کے ظہور میں آنے کے بعد طبع انسانی اپنی کم فہمی اور محدود نظری کے باعث عبادت اصنام (معبودان باطلہ) کی مرتب ہوئی اور اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء بھیج کر شریع اور احکام نازل فرمائے تاکہ انسان فرق مراتب کر سکے۔ مولانا عبدالرحمن صاحب کے اصنام کو میں اللہ قرار دینے کا نتیجہ عوام الناس کو پھر اسی گمراہی میں ڈالنا تھا جس کا راستہ حکمت الہی نے بند کیا تھا۔ بدیں وجہ بعض علمائے ظاہر نے ان کی اس غلط فہمی کو کفر صریح پر معمول کیا۔ نتیجہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ یہ مسئلہ تمام امت کے لیے فتنہ بن جائے۔

اس موقع پر حضرت قدس سرہ نے اپنا قلم مبارک اٹھایا اور یہ کتاب تحقیق الحق فی کلمۃ الحق تحریر فرمائی جس میں مولانا عبدالرحمن صاحب کے مسلک کی نہایت قوی اور مفصل براہین اور دلائل کے ساتھ تردید فرمائی اور یہ ثابت فرمایا کہ کلمہ توحید کا وہ معنی جس پر زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام اہل اسلام متفق چلے آئے ہیں، ایمان شرعی کے حاصل کرنے اور کفر و شرک سے نجات پانے کے لیے کافی ہے۔ مگر دیگر علمائے ظاہر کی طرح حضرت نے مولانا کو مستوجب تکفیر و تعزیر نہیں ٹھہرایا بلکہ بوجہ ان کے غلبہ حال کے انہیں معذور سمجھا۔

موضوع کتاب چونکہ نہایت نازک ہونے کے علاوہ دقیق بھی تھا اور مولانا عبدالرحمن صاحب نے اپنے مسلک کی تائید نہایت عالمانہ رنگ میں کی تھی لہذا اس کی تردید کے لیے بھی لازماً عالمانہ براہین ہی سامنے لانے ضروری تھے اس لیے حضرت کی اس تصنیف سے صحیح طور پر وہی صاحب علم حضرات مستفید اور محفوظ ہو سکتے ہیں جنہیں عربی زبان اور لغت پر عبور ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی ذوق بھی ہو اور جو نفس مضمون کو سمجھتے ہوں۔ ارباب تحقیق کے لیے حضرت کا یہ شاہکار ایک نادر تحفہ ہے۔

مفتی محمد حسن مرحوم بیان کرتے تھے کہ ان کے شیخ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے حضرت کی اس کتاب کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر یہ صاحب یہ کتاب تصنیف نہ فرماتے تو اہل ظاہر کے لیے کلمہ توحید پر اپنا ایمان ثابت کرنا مشکل ہو گیا تھا کیونکہ مصنف کلمۃ الحق نے کتاب و سنت اور لغت و بلاغت کے قوی دلائل سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ کلمہ طیبہ کا مفہوم توحید و جود ہی میں مضمون ہے اور وہ بھی وہ مفہوم جو خود انہوں نے بیان کیا تھا اور یہ کہ اس کے بغیر ایمان شرعی بر گزائل نہیں ہو سکتا۔ اور واقعی بات ہے کہ اگر حضرت قبلہ عالم جیسے محقق عارف اس موضوع پر قلم نہ اٹھاتے تو علماء ظاہر میں سے شاید کسی کو کتاب مذکور کا جواب لکھنے کی جسرات ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ اس اصل اصول کلمہ طیبہ میں اہل اسلام کے دو بڑے گروہوں میں تصادم ہو جاتا۔

کتاب کی ترتیب اس طرح پر کی گئی ہے کہ اولاً بیان لا الہ الا اللہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ الہ سے معنی کلی مستحق للعبادۃ مراد ہے نہ کہ اصنام (معبودان باطلہ) اور خبر غیر مخدوف نہیں بلکہ موجود مخدوف ہے پس لا الہ الا اللہ کے معنی ہوں گے نہیں کوئی مستحق عبادت موجود مگر اللہ۔ ثانیاً بیان توحید مدحہ عرفائے کرام یعنی توحید و جود ہی کی تشریح اور اس کے حصول کا طریقہ۔ بعدہ بیان سیرت طیبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کلمۃ الحق کی دوسری جز محمداً رسول اللہ کی مختصر شرح ہے اور آخر میں تبرکاً احادیث مخصوصہ کشفیہ کا بیان ہے۔

اب اہل علم و تحقیق کے لیے کتاب میں سے چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں سب سے پہلے حضرت کا اپنا بیان دروجہ تالیف دیا جاتا ہے۔

حضرت کا اپنا بیان دروجہ تالیف

اگرچہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اصحاب ذوق و وجدان سے حاصل کردہ اسرار توحید کے اظہار میں جرات کر سکوں لیکن دیکھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں مدعیانِ نقاہت و تصوف میں سے ہر ایک دوسرے فریق کو کافر اور مشرک قرار دینے کے درپے ہے۔ اور اس کے علاوہ بعض لوگ اصحاب ذوق و وجدان کے کلماتِ نعتیہ کو جو نفعاتِ ربانیہ کی نسیم جانفرا کے چلنے سے باغاتِ معارف میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اصل مرادِ کلام پر سائی نہ پاسکنے کی وجہ سے دوسروں کو مستوجبِ تکفیر ٹھہرانے اور اپنی خود ساختہ توجیہات کو ثابت کرنے کے لیے سند بنا رہے ہیں (چنانچہ مجھے بھی بعض اعزہ و احباب کی رفاقت میں ایک تقریب کے موقع پر قبہ شاہ پور میں اس قسم کی ایک مجلس میں شمولیت کا اتفاق ہوا جہاں ایسی باتیں سننے میں آئیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب سے درگزر فرمائے)۔ نیز بعض اہل علم مدعیانِ تصوف دوسرے فریق یعنی علمائے ظاہر اور ان کے ہم مسلک مسلمانوں کی تکفیر کے بارے میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحمن لکھنوی قدس سرہ کی کتاب "کلمۃ الحق" کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ کتاب مذکور کے مضامین کی تحقیق اور براہین کی تدقیق مؤلف علیہ الرحمۃ کے کمالِ علم و فقر پر شہادت دے رہی ہے لیکن توحید و جودی میں ان کا طرزِ اثبات بوجہ ان کے اس سلسلہ میں کمالِ استغراق کے ایک دوسرے رنگ میں ہے جو سلف اور خلف کے مسلک کے خلاف ہے کیونکہ حضراتِ وجودیہ نے عموماً توحید و جودی کو کلمہ طیبہ عند الشارح سے مراد نہیں لیا اور نہ شرعاً ہر شخص خاص و عام کو اس کے ساتھ مکلف جانا اور نہ ان کا یہ مسلک ہے کہ اُمتِ محمدیہ اور اُمم سابقہ اسی مفہوم کو سمجھنے اور اس پر ایمان رکھنے کے بغیر شرک و کفر سے نہیں نکل سکتے۔ بلکہ انہوں نے توحید فی العبادت (یعنی کوئی نہیں ہے مبود سوائے اللہ کے) کو ہی کلمہ طیبہ کا مدلول اور مدارِ نجات قرار دیا جو اسلام میں داخل ہونے کے لیے سب سے پہلا سبق ہے اور توحید فی المحبت کو (یعنی کوئی نہیں ہے محبوب سوائے اللہ کے) کو مدارِ اخلاص قرار دیا جیسا کہ اس فرمانِ الہی سے ظاہر ہوتا ہے:-

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ بِنَاقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِمَّنْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (التوبة - ۲۴)

اور توحید فی الوجود (یعنی کوئی نہیں ہے وجودِ عینی سوائے اللہ کے) کو مدارِ کمالِ عرفان سمجھا جو کہ آیت "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ" (ہر شے اللہ کے سوا ہلاک ہونے والی ہے) اور اس کے مشابہ دیگر آیات سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ لفظ "هَالِكٌ" لغت عربیہ میں اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جو کہ حقیقتہً کسی موصوف پر اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ صفت بالفعل اس کے ساتھ قائم ہو نہ یہ کہ صفت کا قیام اس کے ساتھ بعد میں جا کر ہو۔ پس جب ہر شے بالفعل ہالک اور فانی ہوتی تو ثابت ہوا کہ وجودِ حقیقی فقط اسی ایک ذاتِ باری تعالیٰ کا ہے اور تمام عالم امکان اسی وجودِ حقیقی کا ظل اور پرتو ہے اور توحید کے یہ دو مراتب (یعنی توحید فی المحبت اور توحید و جودی) اسلام میں داخل ہونے کے بعد علی الترتیب عنایتِ الہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ توحید فی العبادت کی متعلقہ آیات زیادہ ترقی شدہ لوگوں میں وارد ہوئی ہیں (جب دعوتِ اسلام کی ابتدا تھی

اور توحید فی المحبت کی متعلقہ آیات و احادیث عموماً مدینہ منورہ میں وارد ہوئیں۔ اور توحید فی الوجود کے لیے اشارات پر اکتفا کی گئی بخلاف ہر دو پہلی قسموں کے جن کے لیے باقاعدہ صراحتہ صبیغہ خطاب سے مخاطبین کو مکلف بنایا گیا۔ اسی وجہ سے محرم سطور نے اظہار حق کے لیے اور علمائے ربانی اور صوفیائے کاملین مثلاً شیخ اکبر اور مولانا عارف جامی وغیرہ سے علمائے ظاہر کے اعتراضات کو رفع کرنے کی خاطر حسب استعداد کچھ بیان کر دیا ہے اور مؤلف کلمۃ الحق کے استدلالات اور تکفیر کو ان کے غلبہ حال اور استغراق فی التوحید الوجودی پر محمول کر کے معذور سمجھا کیونکہ وہ واقعی کاملین کی جماعت سے تھے اور قال اور حال میں ہر لحاظ سے سچے تھے۔ (خلاصہ مقدمہ تحقیق الحق)

مؤلف کلمۃ الحق کی توجیہات

جناب مؤلف کلمۃ الحق کی توجیہات حضرت قدس سرہ کے الفاظ مبارکہ میں مختصر اس طرح سے ہیں:-
 "توحید و جودی" کے اعتقاد میں مولانا قدس سرہ دوسرے علماء سلف سے دو امور میں منفرد ہیں۔ (اول) کہ عنین الشارح کلمۃ توحید سے مراد توحید و جودی (انہ توحید فی العبادت) اور (دوم) کہ تمام ائمہ کے لیے اسی اعتقاد پر ایمان رکھنا ضروری ہے اس باب میں مولانا نے جو بیان فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ "الہ" مشترک لفظی ہے اللہ تعالیٰ اور اصنام کے درمیان اشتراک کی دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ دونوں معانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور ہر معنی کی تعیین کے لیے قرآن کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور کلمۃ طیبہ میں الہ بمعنی غیر ہے اور موجود خبر محذوف نہیں۔ بہ ثبوت قول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لَا إِلَهَ غَيْرُكَ" اور اس نحو کے نظائر لَافَتْهُ الْأَعْلَى لَاسَيْفَ الْأَذْدُ وَالْفَقَارِ" اور "وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ" اور لَا خَيْرَ إِلَّا الْخَيْرُكَ" و لَا طَيْرَ إِلَّا الطَيْرُكَ۔ علاوہ بریں اس وقت کے مخاطبین مشرکین عرب تھے جن کا گمان غیرت اصنام پر تھا نہ کہ الوہیت اصنام پر اور ان کا زعم اس مسلک کی دلیل ہے۔ ایک اور دلیل تقریب کا اقتضا ہے کیونکہ بغیر تقدیر غیر کے تقریب تام نہیں ہو سکتی پس کلمۃ طیبہ میں الہ سے مراد اصنام ہیں بدلیل استغراق کے جو کہ قرینہ ہے امکان کا۔ لہذا الہ الا اللہ کے معنی ہوئے لَاشَيْءٍ مِّنَ الْأَصْنَامِ غَيْرُ اللَّهِ (نہیں کوئی شے اصنام میں سے غیر اللہ) اور احتمالات ثلاثہ یعنی نکرہ الہ سے ارادہ معبود مطلق یا مستحق زعمی یا موجود کی تقدیر (جیسا کہ مشہور ہے کلمۃ طیبہ حقہ میں) وقوع کذب کا مستلزم ہے۔ اور اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنِ نَفْسِهِ (یعنی کسی شے کو خود اس سے استثنا کرنا) لازم آتا ہے، پس ان مقدمات مسطورہ بالا سے اللہ تعالیٰ اور اصنام کے مابین عنینت عبارت نص سے ثابت ہو گئی اور مابین اللہ تعالیٰ اور غیر اصنام یعنی دیگر ممکنات کے دلالت نص سے ثبوت مل گیا کیونکہ واجب کی طرف ممکنات کی نسبت میں یہی دو قول ہیں تیسرا قول ثابت نہیں۔

لفظ الہ پر دقیق علمی بحث

حضرت نے مولانا کی اوپر بیان کردہ توجیہات کی تردید جس طرح بیان فرمائی اس کے بعض حصے مختصر ادراج ذیل ہیں:-
 "کلمۃ الحق" کے مصنف نے کلمۃ طیبہ میں لفظ "الہ" کو مشترک لفظی کہا ہے مشترک لفظی وہ ہوتا ہے جو متعدد معانی کے لیے وضع کیا جاتا ہے جیسے لفظ "عین" کے معنی آنکھ، چشمہ، سوتا، جاسوس وغیرہ ہیں۔ لہذا مصنف کلمۃ الحق کے نزدیک لفظ "الہ" خدا تعالیٰ معبود حقیقی پر بھی بولا جاتا ہے اور اصنام وغیرہ معبودان باطلہ پر بھی۔ حضرت قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ

لفظِ الہ کا بجا لغت تو ہر اس چیز پر اطلاق کیا جاتا ہے جس کی پرستش کی جائے۔ واجب ہو خواہ ممکن لیکن تخصیص عقلی اور شرعی کے لحاظ سے صرف معبودِ مستحق کے لیے خاص ہے۔ کیونکہ عقل سلیم ایسی چیز کی پرستش سے انکار کرتی ہے جو کہ صفاتِ کاہلہ سے موصوف نہ ہو جیسے خالق، مجیب المصیطر اور نافع و ضار اور لفظِ الہ کا استعمال اللہ سبحانہ تعالیٰ اور اصنام دونوں کو لیے قرآن و حدیث میں کہیں بھی واقع نہیں ہوا بلکہ اس کا استعمال اسی مفہومِ مخصوصِ کلی میں ثابت ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس مفہوم کی توثیق میں متعدد براہین و دلائل بیان فرمائے ہیں اور ثابت فرمایا ہے کہ اشتراکِ لفظی پر یہ استدلال بکڑنا کہ وہ اپنے ذہن معنوں میں سے ہر ایک میں استعمال کے لیے قرینہ کا محتاج ہے یا استعمال میں قرینہ کی طرف احتیاج اشتراکِ لفظی کی دلیل ہے درست نہیں۔

آگے چل کر حضرت فرماتے ہیں "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کلامِ قہری ہے از قبیل قہر صفت بر موصوف تاکہ دو امر کے لئے مفید ہو ایک تو طبیعت و صف یعنی الوہیت اور استحقاقِ عبادت کی نفی اصنام مثل لات و عزتے وغیرہ سے اور دوسرا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے وصفِ مذکور کا تحقق۔ اور یہ قہر حقیقی ہے۔ لہذا "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کے معنی یہ ہوئے کہ کوئی مستحقِ عبادت بجز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے موجود نہیں پس تحقیقاً معلوم ہوا کہ بغیر تقدیر موجود مراد حال نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہاں بادی النظر میں دو قضیے بنتے ہیں ایک سالبہ کلیہ "محصورة لاشی من الہ بموجود"۔ دوسرا موجبہ شخصیہ "اللہ موجود"۔ اور بنظر دقیق دو طبیعتیہ ظاہر ہوتے ہیں ایک سالبہ ایک موجبہ۔ اس کے بعد آپ نے اس ترکیب پر وارد شدہ اشکالات استثناء الشئی عن نفسه وغیرہ کا ابطال فرماتے ہوئے جمہور اہل اسلام کی تائید میں عقلی و علمی دلائل کا ایک کثیر ذخیرہ پیش فرمایا ہے جس کا اندازہ نفس کتاب دیکھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

مولانا کی دوسری دلیل مشرکین عرب مخاطبین کا زعم غیرتیت اصنام کے متعلق حضرت فرماتے ہیں کہ مخاطب مشرکین عرب کا مزعوم غیر اللہ یعنی اصنام کی معبودیت تھا۔ غیرتیت اصنام ان کا مزعوم نہ تھا۔ ان کے مزعوم کا مال یہ تھا کہ لات الہ ہے یعنی معبود ہے (عزت الہ ہے۔ بہل الہ ہے وغیرہ پس شارع سے اس مزعوم کی تردید صحیح یہ ہے کہ اصنام معبود نہیں۔ چنانچہ یہ معنی سورہ فاتحہ سے الناس تک مخاطب مشرکین اور درجہ شریک میں بخوبی واضح ہیں۔ مثلاً :-

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا
أَوْ (انبیاء - ۲۲)

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ إِلَهٍ إِذْ أَذَّاهَبَ كُلُّ إِلَهٍ مِمَّا خَلَقَ
وَلَعَلَى بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ (مومنون - ۹۱) اور

لَوْ كَانَ مَعَهُ إِلَهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذْ الْأَبْتَعُوا
إِلَى ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا (بنی اسرائیل - ۲۲) اور

وَلَوْ كَانَ هُوَ إِلَّا إِلَهًا قَادِرًا ذُوهَا (انبیاء - ۹۹)

علاوہ ازیں مشرکین عرب اور مشرکین اُمم سابقہ کا زعم مندرجہ ذیل آیات سے عیاں ہے :-

أَجْعَلِ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا (ص - ۵)

اور

إِنَّمُمْ كَانُوا إِذْ أُقِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يُسْتَكْبَرُونَ
وَيَقُولُونَ آيَاتُ النَّارِكُوا إِلَهَيْنَا الشَّاعِرُ تَجَنُّونَ -

اور (الصفۃ - ۳۵-۳۶)

يَا هُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهِنَا
عَنْ قَدِيك - (هُود - ۵۳) اور

يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا
أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا - (هُود - ۶۲)

اور قوم نوح کا جواب

لَا تَذَرُنَّ دِيْنَا وَلَا سُوَاعًا - (نوح - ۲۳)

پھر قولہ تعالیٰ

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (کہف - ۱۱۰)

بے شک وہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان کو کہا جاتا کہ اللہ کے
سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے اور کہتے کیا ہم مجنوں شاعر
کے کہنے پر اپنے الہ چھوڑ دیں؟

اے ہود تو ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں لایا اور نہ تیرے کہنے
پر ہم اپنے الہ چھوڑتے ہیں۔

اے صالح پہلے تو ہم میں تو اچھا خاصہ آدمی تھا کیا ہمیں
اپنے باپ دادا کے خداؤں کی عبادت سے منع کرتا ہے۔

نہ وہ کو چھوڑو نہ سواع کو۔

اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کر

یہ سب صریحاً حق سبحانہ تعالیٰ کی عبادت کے امر اور عبادتِ اصنام سے نہی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ان سے صاف
ظاہر ہے کہ مزعوم مخاطب ہمیشہ سے شرک فی العبادۃ ہی رہا ہے نہ کہ غیرتیت۔ اور کل مذاہب اسی تحقیق پر ثابت قدم
رہے ہیں کہ کلمہ طیبہ سے زعم شرک فی العبادۃ کا رد کیا گیا ہے نہ عنیت کا تا کہ کل اہل اسلام کے دلوں میں ممکن اور قرار ظاہر
ہونہ صرف حضراتِ صوفیہ و مجددیہ کے دلوں میں۔

حضرت فرماتے ہیں کہ مشرکین کا یہ اعتقاد نہیں تھا کہ اصنام عین اللہ ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ان
سے پوچھو کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا کون ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ ہی خالق ہے، باوجود اس کے وہ عبادت
اصنام کی کرتے تھے اور اسلام کا مقصد ان کو اسی چیز سے روکنا تھا۔ اب اگر مولینا کی بات مان لی جائے کہ اصنام عین اللہ
ہیں تو مشرکین کہہ سکتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے ہی ہمیں یقین کی کہ اصنام عین اللہ ہیں پھر ہمیں عبادتِ اصنام سے
کیوں روکنا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہم نے کسی غیر کی عبادت تو نہیں کی۔ پھر اگر حق سبحانہ انہیں تنبیہ کرے کہ تم نے (در کلام
صوفیا) اطلاق اور تنزیل میں فرق نہیں کیا تو مشرکین یہ حذر پیش کر سکتے ہیں کہ اے ہمارے رب جہاں ہم رہتے
ہیں وہاں علم منطق اور فلسفہ نہیں پڑھایا جاتا۔ ہم کس طرح اطلاق و تنزیل میں فرق کرتے۔ غرضیکہ دعوتِ اسلام کا تمام مطلب
ہی فوت ہو جاتا ہے۔

مولینا عبد الرحمن نے اپنے مسلک کا بیان کرنے کے بعد اختتاماً فرمایا تھا کہ کمال حسرت ہے اس امر پر کہ اکابر علماء مشرق
غرب، سلف و خلف اور مفسرین، محدثین، مجتہدین، مقلدین اور فقہانے کلمہ طیبہ کا صحیح معنی نہ سمجھا اور اُسے اپنے موقعہ و محل سے
تبدیل کر کے اُس کا مضمون ہی بدل ڈالا اور اس طرح (نعوذ باللہ) مشرک بالقلب ہو گئے۔ پھر دوسری جگہ کہا کہ جمہور علمائے
محکم میں تاویل کی حالانکہ ایسا کرنے والا کافر ہے۔ اور منکور (اللہ) میں تاویل اور مخذوف میں تحریف کی اور غیر شعوری طور پر کلمہ
باطلہ فی الاشرک لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو دل سے قبول کر لیا۔ پس خود گمراہ ہوئے اور متبعین کو بھی گمراہ کیا۔
حضرت قبلہ عالم قدس سترہ فرماتے ہیں کہ مولانا کافرہ محکم سے متشابہ کی طرف تاویل کی "خود مولینا پر وارد ہوتا ہے نہ جہاں

علمائے محققین پر بہ سبب اس کے کہ ایک تو مولینا نے کلمہ توحید میں کہا کہ یہ از قبیل قصر الموصوف علی الصفتہ ہے حکم ثانی میں تاویل کے ساتھ یعنی صنم موصوف ہے اللہ ہونے سے۔ دوسرے مولینا نے سورہ اخلاص اور آیہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اور ان کے نظائر میں تاویل کی باوجود کہ وہ محکمات سے ہیں۔ اس کے باوجود حضرت نے مولینا کو کافر نہیں کہا۔ بلکہ فرمایا کہ مولینا کی یہ تقریر عملاً اُس مفہوم کی طرف جذبہ دعوت پر محمول ہے جو مولانا کے نزدیک بوجہ انہماک اور غلبہ حال کے حق ہے۔ مولانا عبد الرحمن کے مسلک کی تردید کے دوران حضرت نے کلمہ توحید کی وجوہ بلاغت کے متعلق بھی بیان فرمایا ہے جو اہل علم کے لیے باعث دلچسپی ہوگا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے وجوہ بلاغت

- ۱۔ الہ کی تخصیص بذکر کی گئی اور لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ اور لَا مَوْجُودَ غَيْرَ اللَّهِ نہیں کہا گیا بوجہ عدم بلاغت ان کلمات کے۔
- ۲۔ "لَا إِلَهَ" میں تناسب وصل خفیف کا خفیف سے یعنی لَا كَالِإِلَهِ سے اور إِلَّا اللَّهُ میں وصل ثقیل (یعنی الَامْتِدَاد) کا ثقیل (اللہ مُتَدَد) سے ہے جس کا لطف فصاحت واضح ہے۔
- ۳۔ خفیف سے ثقیل کی طرف انتقال تلفظ میں زیادہ آسان اور لطیف ہے اس لئے دونوں لفظ جو خفیف ہیں یعنی لَا اور إِلَهَ اول ذکر کیے گئے ہیں اور جو ثقیل ہیں یعنی إِلَّا اور اللَّهُ ثانیاً مذکور ہوئے۔
- ۴۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے سارے حروف غیر منقوٹ ہیں اور تعدد اور تغایر موجود ہے بری ہیں۔
- ۵۔ کلمہ طیبہ کے حروف متقارب فی المخرج ہیں۔ لام اور الف ساکن وسط سے اور ہمزہ و ہا حلق سے نیز مطابق حروف کے (یعنی الف، لام، ہا و ہمزہ) الفاظ بھی تعداد میں چار ہیں (لا۔ الہ۔ الٰ۔ اللہ)
- ۶۔ کلمہ طیبہ کے الفاظ صورتاً متقارب ہیں جیسا کہ اس کے حروف مخرج میں متقارب ہیں۔ اور تقارب صوری صنایع محسنہ سے شمار ہوتا ہے۔
- ۷۔ کلمہ طیبہ کے کلمات معنی میں بھی متقارب ہیں۔ کیونکہ کلمہ لَا نَفی کے لیے موضوع ہے اور ایسا ہی کلمہ الْإِجَابِ ایجاب میں واقع ہو تو نافی کا معنی دیتا ہے اور مُسْکُور (اللہ) کے اطلاق سے بھی وہی ذات مُراد لی جاتی ہے جو کلمہ اللہ سے مُراد ہے۔ تقارب معنوی مُسنات بلاغت سے ہے۔

عالم برزخ کا بیان

توحید وجودی کے مختلف پہلوؤں کی تشریح عارفانہ کے دوران عالم برزخ کے متعلق حضرت اس طرح فرماتے ہیں:-
 "دنیا سے منتقل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے موت کو بواسطہ عزرائیل علیہ السلام مومل فرمایا۔ اس نقل و حرکت میں جسم عنصری مادی سے جسم مثالی برزخی میں تبدیلی واقع ہوتی ہے بحکم بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ أَمْثَلَكُمْ وَنُنشِئَ لَكُمْ فِئْمَالًا تَعْمَلُونَ (ہاں ہم اس بات پر قادر ہیں کہ تمہارے عنصری اجسام کو برزخی مثالی ابدان میں تبدیل کر کے تمہیں ایسے ابدان میں چھ اٹھائیں جن کا تمہیں علم نہیں ہے) برزخ بھی دو قسم کا ہے۔ ایک یہ کہ سب ارواح، خلقت الیہ کے بعد اجسام میں آنے سے پہلے اُس میں موجود ہیں جو کہ عالم قدس سے تعبیر ہے۔ اور پیدائش اور تمہیل جسم کے بعد برزخ سے منتقل ہو کر دنیوی زندگی کی معادہ تکرار

تک بسمِ عنصری سے متعلق رہتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے کہ ارواحِ دارِ دنیا سے انتقال کے بعد اُس عالمِ برزخیہ میں یومِ محشر تک جمع رہتے ہیں اور وہاں سے عالمِ آخرت میں نقل کریں گے اور اس برزخِ ثانی میں بھی جنت و دوزخ ہیں علاوہ اُس جنت اور نار کے جو عالمِ آخرت میں دائمی قرار گاہ ہوں گے جنت و دوزخِ برزخیہ کی انتہا زمین و آسمان کی بقا تک ہے بحکم "فَأَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا أَفْنَى الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ وَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا أَفْنَى النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَنْجِيرٌ وَسَعِيرٌ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ زَيْسُ" وہ لوگ جو سعید ہوئے ہیں وہ جنت میں ہوں گے جس میں وہ داخل ہوں گے جب تک آسمان اور زمین باقی ہیں مگر جو چاہے تیرا پروردگار اور وہ لوگ جو شقی ہوئے ہیں وہ آگ میں ہوں گے۔ اُن کے لیے وہاں جحیم و پیکار اور فریاد ہے۔ اور داخل ہوں گے اُس میں جب تک آسمان اور زمین باقی ہیں مگر جو چاہے تیرا پروردگار اس جنت و دوزخِ برزخیہ سے جنت و دوزخِ آخریہ مراد نہیں۔ علمائے ظاہر چونکہ اس معنی سے بے خبر ہیں اس لیے قرآن مجید میں جہاں بھی جنت و نار کا ذکر آیا ہے انہوں نے اُسے جنت و نارِ آخریہ پر معمول کیا ہے۔

سجدۂ تعظیمی کی ممانعت

مسئلہ وحدت و وجود کی بحث میں حضرت نے دلائلِ قویہ سے سجدۂ تعظیمی کو ناجائز ثابت فرمایا ہے۔ اور اگرچہ اولیاء اللہ اور مومنین کی تسبیح کی زیارت کو جائز اور مستحسن قرار دیا ہے مگر علماء اور مشائخ کو اکابر دین کے مزارات کا بوسہ لینے سے منع فرمایا ہے۔ تاکہ عوام جو بوسہ اور سجدہ میں فرق نہیں کر سکتے سجدۂ تعظیمی کے لیے اُن کے فعل کو محبت نہ بنالیں۔

الغرض حضرت قبلہ عالمِ رحمۃ اللہ علیہ کی اس نادر تصنیف نے اُمتِ اسلامیہ کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا فرمایا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف استعدادات عطا فرمائی ہیں۔ بعض محض عقل و فکر کے مدارکات کے سوائے قوتِ قدسیہ اور وجدان کے معلومات سمجھنے سے قاصر ہیں اور بعض کی شان یہ ہے کہ جہاں پر علومِ عقلیہ کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے اُن کے علومِ قدسیہ کی ابتدا ہوتی ہے اور اُن کے بھر معرفت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ بعض دیگر طبائع متوسط ہوتی ہیں جن کے تسلوب کچھ تو عقل و فکر کے پابند ہوتے ہیں اور کچھ عشق و محبت کی وجدانی کیفیات سے متاثر۔ اس لیے اُس حکیم مطلق نے ہر فریق کی استعداد کے مطابق اُسے مُکلف بنایا ہے۔ عوام اربابِ عقل کے لیے فقط اسی پر اکتفا فرمائی کہ غیر حُد سے معبودیت کی نفی کر کے فقط ایک ہی ذات کو پرستش کے قابل سمجھتے ہوئے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو معنی لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ اور دِجَان بنائیں۔ اور چونکہ اکثریت اسی قسم کے افراد کی ہے لہذا اسی نظریہ پر مدارِ نجات رکھی۔ اور خواص جن کی فطرت میں کمالِ سعادت اور نعمت وصل و مشاہدہ کی قابلیت رکھی گئی تھی انہیں اس مفہوم سے بالاتر لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ اور پھر لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ کی حقیقتوں پر رسائی عطا فرما کر توحید کے انتہائی منازل فَنَافِي اللَّهِ اور بَقَا بِاللَّهِ کے مراتب پر سرفراز فرمایا۔ اور چونکہ یہ مفہوم نہایت دقیق اور عقل و فکر کی دسترس سے بالاتر اس لیے قرآن و حدیث میں اس کی طرف صرف اشارات پر اکتفا فرمائی۔ قرآن مجید کا جس طرح ایک ظاہری مفہوم ہے جو بطریقِ توارث صحابہ کرام سے ہم تک پہنچا ہے اسی طرح ایک باطنی مفہوم بھی ہے جو خواص مقبولانِ خدا کا حصہ

ہے۔ اور حضرت کا سب سے بڑا احسان یہ تھا کہ آپ نے اسی بات پر زور دیا کہ کسی فریق کو یہ حق نہیں پہنچا کہ اس مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے دوسرے فریق کی تکفیر اور تفسیق کرے۔ حضرت نے اس طرح علمائے ظاہر اور باطن کے درمیان ایک ایسا اشتراک قائم فرمایا ہے جس کے بعد اس اختلاف کی نوعیت صرف فروعی اور اجتہادی رہ جاتی ہے جس کی بنا پر کسی فرقہ کو دوسرے کے خلاف کچھ کہنا شرعاً درست نہیں۔

دوسری فصل

شمس الہدایۃ فی اثبات حیات المسیح

(۱۳۱ھ مطابق سنہ ۱۹۰۷ء)

وجہ تالیف

”تحقیق الحق“ کی تصنیف کے تقریباً دو سال بعد حضرت نے قادیانی تحریک کی تردید میں کتاب شمس الہدایت تالیف فرمائی۔ اس سے قبل باب مسند ارشاد میں تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت نے اس تحریک کے ابطال میں معرکہ الآرا کردار ادا فرمایا۔ وہاں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ اس تحریک کے بانی اپنی اوائل عمر میں وہی اعتقادات رکھتے تھے جو عامۃ المسلمین کے تھے اور اپنے دعوائے نبوت تک پہنچنے کے لیے انہوں نے کئی مدارج طے کیے۔ اپنے ابتدائی دور میں انہوں نے آریہ سماجیوں اور نصائے کے خلاف دین اسلام کی حمایت میں کئی مناظرے بھی کیے جس سے اُس وقت کے اہل علم کافی متاثر ہوئے سب سے پہلا قدم جو انہوں نے اپنے دعوائے نبوت کے ارتقاء کی طرف اٹھایا وہ اپنے آپ کو مجدد ظاہر کرنے کا تھا۔ اس پر عامۃ المسلمین کا ایک طبقہ مشتوش تو ہوا مگر اس خیال سے خاموش رہا کہ یہ شخص اہل ہنود و نصائے کے مقابلہ میں کھڑا ہوا ہے اگر بوجہ تفاخر اپنے آپ کو القابات سے مرصع کرنا چاہتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کا دوسرا قدم اپنے آپ کو مسیح موعود کہلانے کا تھا۔ یہ قدم اٹھانے سے پہلے انہوں نے اس عقیدہ اجماعیہ اہل اسلام کی نفی کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بحسدِ عنصری اُپر اٹھایا جہاں وہ اُس وقت تک رہیں گے جب وہ قیامت سے پہلے دوبارہ اس زمین پر اُتارے جائیں گے۔ اور کہا کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے صلیب پر چڑھایا مگر اُن کی موت واقع نہ ہوتی بلکہ اُن کے حواریوں نے انہیں وہاں سے اُتار کر چھپا دیا اور وہ اپنی عمر طبعی گزار کر ۸۷ سال بعد سری نگر میں فوت ہوئے اور جس مسیح کے قیامت سے پہلے آنے کا ذکر قرآن کریم میں ہے وہ مشیل مسیح ہوگا اور دعوائے کیا کہ وہ مشیل وہ خود ہیں اپنے اس دعوائے کی تصدیق میں انہوں نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی پیش کیں۔ اس موقع پر دیگر علمائے اسلام نے محسوس کیا کہ اب خاموش رہنے کا وقت نہیں کیونکہ خدشہ تھا کہ مغربی تعلیم یافتہ لوگ بوجہ اپنی کم علمی دربارہ امور مذہبیہ مرزا صاحب کی توجیہات کا رد نہیں کر سکیں گے۔ اس پر حضرت نے اپنی یہ کتاب شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح تالیف فرمائی۔ کتاب کی ابتدا میں حضرت نے جو وجہ تالیف بیان فرمائی وہ مختصر اس طرح سے ہے۔

”حضرات ناظرین پر پوشیدہ نہیں کہ آج کل فطرت انسانی تعصب کی ہواؤں اور جہالت کے بخارات سے متاثر ہو رہی ہے اور ایسا ہونا ہی تھا کیونکہ ہدایت اور استقامت کا سورج ڈوبنے کے قریب آگیا۔ اور استوا کا زمانہ حکایت بن کر رہ گیا۔ اس وقت بسبب فقدان تقویٰ نہ تو اشراق نوری ہے اور نہ انشراح صدری جس کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان تمیز و شوارہ ہے لیاقتِ علمی

بھی مفقود ہے جس کی وجہ سے احکام شریعہ پر عمل نہ سہی کم از کم اعتقاد تو درست رہ سکتا ہے۔ دنیا میں ظاہر پرستی، سخن سازی، بوس بازی اور فتنہ پردازی کا دور دورہ ہے اور سادگی اور راستی جو شعائر اسلام میں سے ہیں وہ مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود انہائے زمانہ اپنے آپ کو بزمِ خود منفرد اور یکتائے روزگار سمجھتے ہیں ان کے نزدیک مکاشفات انبیاء علیہم السلام میں تو غلطی فی الکشف یا فی التبعیر ہونا ممکن ہے مگر ان کے اپنے معانیات میں تاویل تک بھی ناممکن ہے۔ ایسا ہی علمائے سلف کے اجتہادات ان کے نزدیک خیالات فرسودہ ہیں اور کوئی وجہ ان کی صحت کے لیے نہیں سوائے اس صورت کے کہ وہ ان حضرات کی رائے اور استنباط پر منطبق ہو جائیں۔

میری توجہ ان حقائق و معارف کی طرف دلائی گئی تھی جو تالیفات مثل "ازالہ اوہام" و "دافع الوسوس" اور آیات صلح میں مندرج ہیں۔ مگر میں علمائے کرام کو ان کی لعن طعن سے بدیں و جہر و کتا رہا کہ خلاف شعائر اسلام ہے لیکن اب نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ بر محل میں اظہار حقیقت عقیدہ مرزائیہ اور تکذیب و تجہیل بلکہ تکفیر علماء کرام کی جن کا اعتقاد مطابق سلف کے تھا ہونے لگی ہے جس کے سننے کی برداشت مجھ میں نہیں۔ اور عقیدہ حقہ کا یو ما یونما اضمحلال بھی گوارا نہیں۔ لہذا یہ چند مضامین حسب رائے ناقص لکھے گئے تاکہ آیات قرآنی اور احادیث کے صحیح معنی انہائے زمانہ پر واضح ہو جائیں اور وہ عقیدہ اجماعیہ اہل اسلام سے بوجہ کم علمی کے انحراف نہ کریں۔

اس کے بعد حضرت نے بانی مرزائیت کے ان دلائل کا ذکر فرمایا جو وہ حضرت علیؑ علیہ السلام کے وفات پا جانے کے حق میں بیان کرتے تھے۔

آج کل کے تعلیم یافتہ افراد اور ان زعمی مولویوں اور فاضلوں سے اگر پوچھا جائے کہ بتاؤ میاں! آیت یا عیسیٰ ارنی متوفیک و رافعک الیٰ اور ایسے ہی فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم جس قرآن کے ساتھ تمہارا ایمان ہے اس میں موجود ہے یا نہیں؟ اور لفظ توفی تیس جگہ قرآن کریم میں معنی موت ہی میں مستعمل ہے اور ائمہ الناس عبد اللہ ابن عباسؓ نے بھی یہی معنی لیا۔ بخاری اور عباسی تفسیر ابن کثیر وغیرہ وغیرہ، تو حسب قولہ تعالیٰ یا عیسیٰ ارنی متوفیک و رافعک الیٰ کے وعدہ وفات اور بقضائے فلما توفیتنی الخ علی بن مریم کی موت اور اس کے بعد ان کا رفع روحانی ہو چکا اور آیت قیل ادخل الجنة اور ایسے ہی فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی اور ایسے ہی احادیث صحیحہ سب شہادت دے رہی ہیں کہ ارواح مقربین بعد الوفات جنت میں داخل ہو جاتے ہیں اور بعد دخول جنت کے پھر نکلتا اس سے بحکم آیت و ماہم منہا یمخرجن کے ناممکن ہے۔ ایک فلما توفیتنی کیا بلکہ آیت قد خلث من قبلہ الرسل اور انک میت و انہم میتون اور اموات غیر اخیاء بماہا اور و خاتم النبیین اور و من نعمرہ ننکسہ فی الخلق اور الیوم اکملت لکم دینکم اور فیہا یتیمون و فیہا تموتون اور و لکم فی الارض مستقر و متاع الیٰ حین اور کانا یا کلن الطعام اور و اوصانی بالصلوٰۃ و الزکوٰۃ ما دمتم حیا اور قل سبحان ربی ہل کنت الالبشر ارسولاً اور هل ینظرون الا ان یتیمم اللہ فی ظیل من الغمام و الملئکة و قضی الامر اور هل ینظرون الا ان تاتیہم الملئکة اویاتی

رَبِّكَ أَدْيَاتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ أَمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيْمَانِهَا خَيْرًا - اور وَقَالُوا الْوَالِدُ الْأُنثَىٰ أَنْزَلَ عَلَيْنَا مَلَكًا لَقُضِيَ الْأَمْرُ لَشَرِّ لَّا يُنظَرُونَ اور وَكَوَجَعَلْنَاهُ مَلَكًا جَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَ لَلْبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ اور حدیث صحیح کما قال العبد الصالح اور حدیث صحیح لایاتی مائتہ سنہ علی الارض نفس منقوسہ فی یوم۔ یہ سب آیات اور احادیث صحیحہ با و از بلند موت ابن مریم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر دے رہی ہیں۔ علاوہ اس کے عقل انسانی اور قصہ عود ایلیا بھی جو انجیل میں مذکور ہے صعود اور نزول مسیح سے بعینہ مجسّمہ العنصری منکر ہیں۔ احادیث نزول ابن مریم اور خروج دجال وغیرہ منجملہ مکاشفات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ہیں۔ اور کشف اجمالی مثل دیکھنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عورت پر آگندہ بالوں والی کو کہ گرد آگرمدینہ طیبہ کے گھوم رہی تھی وغیرہ وغیرہ تعبیر طلب ہوتا ہے۔ بحالت خواب دیکھنے میں کچھ اور آتا ہے اور ظہور میں کچھ اور ہوتا ہے جیسا کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس عورت کو دیکھا اور تعبیر اُس کی دبائے مدینہ طیبہ سے (زادہ اللہ شرفاً) فرمائی۔ معہذا تعبیر میں خطاب بھی ممکن ہے۔ جیسا کہ خواب میں آپ نے یہی سمجھا کہ امسال مکہ معظمہ کو (زادہ اللہ تکریماً) جانا ہوگا اور بعد مراجعت فرمانے کے حدیبیہ سے معلوم ہوا کہ تعبیر میں تخصیص امسال کی غلطی ہوئی۔ الغرض آیات و احادیث متذکرہ بالا باعث شدید ہیں مآول ٹھہرنے پر احادیث نزول مسیح اور خروج دجال وغیرہ کے یعنی کہ احادیث نزول سے مراد ظہور اُس شخص کا ہے جو مماثل ہو ابن مریم کا جیسا کہ مراد ایلیا کے دوبارہ آنے سے مثیل ایلیا یعنی ظہور یحییٰ کا بشہادت مسیح ابن مریم کے تھا۔ وہ شخص مثیل ابن مریم کا کون ہے؟ میں ہوں! (یعنی مرزا صاحب) کیونکہ الہام منجملہ براہین قاطعہ کے اور حج ساطعہ کے ہے (فتوحات مکیہ اور میزان عبدالوہاب شعرانی وغیرہ)

حضرت فرماتے ہیں کہ بعد استماع ان دلائل کے آج کل کے تعلیم یافتہ حضرات طوعاً و کرہاً انہیں صحیح تسلیم کریں گے کیونکہ ان کی تائید کتاب اللہ، سنت انجیل اور عقل سے ہو چکی ہے، نہ کریں تو کیسے؟ قرآن و حدیث سے کیسے منکر ہوں۔ لہذا یہ چند خرف ریفہ بدیہ ناظربین کرتا ہوں تاکہ ایسی تقاریر کے دھوکے میں نہ آجائیں اور اسی صحیح راستہ پر چلیں جو مراد ہے اس حدیث سے : لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي فَاَتَمَسَّكُمْ بِأَمْزِينِ كِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ (موطا امام مالک) یعنی جب تک کتاب و سنت کو مضبوط رکھو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

آگے چل کر حضرت نے بانی مہرابیت کی اُس تہدی کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب آیام الصلح میں بزبان فارسی راج کی تھی اور جس کا ذکر پہلے باب مسند ارشاد میں آچکا ہے کہ اس وقت آسمان کے نیچے کوئی شخص میری برابری کی لاف نہیں مار سکتا میں علانیہ کہہ رہا ہوں اور ہرگز ایسا کہنے سے نہیں ڈرتا کہ مسلمانو تمہارے اندر بعض لوگ ہیں جو محمد شیت اور مفسریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض نازش ادب سے زمین پر پاؤں نہیں رکھتے۔ ایک اور گروہ ہے جو خدا شناسی کا دم مار کر اپنے تئیں چستی اور قادری اور شہوردی و قش بندی اور کیا کیا (چھا و چھا) کہتے ہیں۔ ان سب کو میرے سامنے لاؤ۔

حضرت اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-

آپ نے مجھ فرمایا۔ وہ لوگ چونکہ مفسر اور محدث اور خدا شناس ہیں تو پھر لاف زنی اور گردن فرازی ان سے کیسے ظاہر ہو سکتی ہے۔ بلکہ وہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی لافوں سے بچائے اور فوق کل ذی علیہم اور ربلی عبداً ناخضر کی طرف توجہ دلائے۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارتِ منگر توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد
 بخدائے لایزال و لم یزل اپنی چشم دید عرض کرتا ہوں کہ مشاہیر اور ستورین کو بھی گروہ اہل اللہ سے دیکھا کہ کمالات
 باطنیہ از قسم مکاشفات وغیرہ ان کے نفوسِ مطہرہ سے صبغۃ اللہ کی رنگت اور کُنْتُ سَمِعَہُ بِنِیْ یَسْمَعُ دَبَّصَرَہُ بِنِیْ یَبْصُرُ
 میں اُس کی سمع و بصر ہو جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے سُنا اور دیکھتا ہے، کا ماشہ دکھلا رہے تھے مگر کیا ممکن کہ نظر بر قدم اور ہوش در دم
 سے گردن اٹھا کر کسی طرح کا دعویٰ یا لاف زنی کریں۔ اس گستاخی کے بعد معروضِ خدمت ہے کہ طالبِ عرفان کو خصوصیت
 چہا و چہلے سے کیا غرض؟ حصولِ مطلب چاہیے جس سے جو آپ ہی معنی کلمہ طیبہ کا، جو اصل ایمان اور عرفان کا ہے، فقط ظاہری طور پر فرمادیں۔

رفع و نزول و حیاتِ مسیح پر دلائل

حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے اس کتاب میں دینِ مرزائیت کے بنیادی مسئلہ وفاتِ مسیح کی تردید کر کے حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام کے آسمان پر بحمدِ عنصری زندہ اٹھائے جانے اور قیامت کے قریب زمین پر دوبارہ نزول فرما کر اسلام کی نصرت کا
 باعث بننے کو قرآن و حدیث سے نہایت زبردست دلائل سے ثابت فرمایا ہے اور اسے اُمتِ اسلامیہ کے متفق علیہ عقائد
 سے قرار دیا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت فرمایا ہے کہ اُن کی موت اور اُن کے میل کے دُنیا میں بطورِ مسیح موعود آنے کے قادیانی عقائد
 غلط اور باطل ہیں۔ کتاب سوالات اور جوابات کے رنگ میں ہے جس سے مسئلہ زیر بحث نہایت صاف اور واضح ہو جاتا ہے۔
 چند ایک چسپدہ ابحاث کا خلاصہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

سوال۔ اہل اسلام کا حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بارے میں عقیدہ اجماعیہ کیا ہے؟
 جواب۔ اکثر و بیشتر اہل اسلام حضرت مسیح ابن مریم کے اس جسمِ عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے جانے کے قائل ہیں مگر بعض
 محققین کا خیال ہے کہ وہ جسمِ برزخی تھا۔ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہی مسیح ابن مریم دوبارہ آسمان سے
 نازل ہوں گے۔

لہ محاورہ قرآن کریم میں لفظ الکا در حالتِ انصاف بالوصدہ، مثل الہ ذَا اِحْدَکَ، اور ایسا ہی وقتِ اضافت کے مؤخرین کی طرف مثل الْفُکُوْدِ الْاِلٰہِ الْاَبَاحُوْدِ مُرَاد
 اُس سے مجبوری جمعی ہوتا ہے اور وقتِ استغراق کے مثل دَمَا لُکُوْمِیْنَ اِلَیْہِ غَیْرُہُ، اور جمعیت کے وقت مثل دَلُوْکَانَ هُوَ لَآ اِلٰہَ عَدُوْدُہَا اور ایسا ہی وقتِ انصاف
 کے مشرکین کی طرف، مُرَاد اُس سے مجبوراتِ ممکنہ مثل اصنام وغیرہ کے ہوتے ہیں۔

بناؤ علیہ لفظ الابرار الہ الالاتہ میں واقع ہے مُرَاد اُس سے اِلْمَکَنَہ ہوں گے اور نیز تقریب بھی اسی صورت میں تام ہوتی ہے۔ کیونکہ براہین خمسہ میں مُرَاد
 الہ سے اصنام ہی ہیں۔ مَثَلًا لُوْکَانَ فِیْہِمَا اِلٰہَ الْاَلَاتِہُ لَفَسَدًا۔

بعد تعیین ارادہ اصنام کے الہ سے کلمہ طیبہ میں، تقدیر امکان یا وجود کی مستلزم ہے وقوعِ کذب کو (العیاذ باللہ) اصل اسلام میں جو کلمہ طیبہ ہے کیونکہ اُس وقت
 معنی یہ ہوگا کہ کوئی فرد افزا مجبوراتِ ممکنہ سے، یعنی اصنام و کواکب وغیرہ ممکن نہیں یا موجود نہیں۔ اور استیلا صغاتی بَعْضُہَا عَلٰی بَعْضٍ جیسا کہ منافی للوجوب بر تقدیر
 وحدۃ و وجوب نہیں ایسا ہی بر تقدیر تعدد بھی نہ ہوگا۔

بناؤ علیہ اگر ارادہ استحقاقِ للعبادہ کا جتنی طور پر جو صادق للوجوب ہے، عنوانِ موضوعی یا محمولی سے بھی کیا جائے تو مستلزم لَسَا کَانَ تَا یَلْفَسَدًا تاکو نہیں ہو
 سکتا اور ازلیتِ امکان چونکہ مستلزم ہے امکانِ ازلیت کو مادہ و وجوب میں، لہذا ممکنہ عامہ موجبہ جزئیہ، جو بعض سے ضروریہ سالبہ کلیہ کی، یعنی لَا اِلٰہَ مَوْجُوْدٌ بِالْضَّرُوْرَۃِ
 کی، (العیاذ باللہ) صادق ہوگا۔

الغرض تقدیر ممکن یا موجود یا مستحق زعمی کی مستلزم ہے وقوعِ کذب کو مدعی میں۔ اور ارادہ استحقاقِ واقعی کا مقبضی ہے بطلانِ براہین کو۔
 اس تقریر سے ناظر ذکی پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ جواب تفسارانی اور شیخ اکبر وغیرہ علماء کا دفع اشکال مذکور میں مفید نہیں جو اب اس کا حسب محاورہ قرآنیہ چاہیے اور
 یہ بھی معلوم ہو کہ فرق کرنا تصدق فیما بین الذوات اور تصدق فیما بین الصفات میں بعد اشتراک فی الوجوب کے مفید نہ ہوگا جیسا کہ وجوب بالذات اور بالغیر میں کیونکہ یہ
 جو ہے سلب صفات کو ذات واجبہ سے فی مرتبہ من المراتب۔ ایسی گفتگو جس سے خود منافی کی جو آئے شانِ میسویت کو برکشایاں نہیں۔

سوال۔ یہ عقیدہ محض بے اصل اور اجماع کو راند ہے جیسا کہ مرزا صاحب نے ازالہ اوهام میں لکھا ہے یا قرآن و حدیث سے بھی اس کی کوئی سند ہے؟

جواب۔ ارشاد باری ہے "وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ" (یعنی یہود نے حضرت مسیح ابن مریم کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا) یہ نص قطعی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ آپ یہودیوں کے ہاتھوں مقتول نہیں ہوئے بلکہ جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھالیے گئے۔

سوال۔ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ سے کیا رفع روحانی مراد نہیں ہے بشہادت محاورہ قرآن "يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً" جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عند اللہ معزز و مکرم ہوئے۔

جواب۔ آیت مذکورہ میں حسب محاورہ قرآنیہ اور اہل لسان "بَلْ" جس کا ترجمہ بلکہ ہوتا ہے ابطال یا قبل کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ زعم یہود کو جو حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کی مقتولیت اور مصلویت کے قابل تھے باطل فرماتا ہے اور ما قبل اور مابعد اضرابیہ ابطالیہ کے متضاد ہوتے ہیں یعنی دونوں متحقق نہیں ہوتے بلکہ پہلے جملہ کا ابطال اور دوسرے کا اثبات کیا جاتا ہے مثلاً وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا بَلْ عِبَادٌ مُّكْتَرَمُونَ میں ولدیت کا ابطال اور عبودیت کا اثبات کیا گیا ہے اور اَمْرٍ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ مِنْ جُنْحٍ قَلِيلًا میں جُنْحٍ کا ابطال اور ایقان بالحق کا اثبات ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ زید کو میں نے نہیں مارا بلکہ اُس کو عزت دی۔ عمر کو میں نے بھوکا نہیں چھوڑا بلکہ پیٹ بھر کے کھلایا۔ ان سب مثالوں میں لفظ بَل سے پہلی اور پھلی کلام کے مضمون کا باہم تضاد واقع ہوتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ بل اضرابیہ کے ما قبل اور مابعد کے درمیان تضاد اور تنافی ضروری ہے۔ پس آیت مذکورہ میں بھی ضروری ہوا کہ مقتولیت اور مرفوعیت میں منافات ہو یعنی دشمنوں کے ہاتھوں مارے جانے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُس کی طرف اٹھائے جانے کے درمیان تضاد ہوا اور دونوں چیزیں جمع نہ ہو سکیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قتل اور رفع روحانی کے درمیان کوئی منافات نہیں۔ دونوں یکجا پائے جاسکتے ہیں۔ مقررین میں جو قتل کیا جاتا ہے، عالم علوی کی طرف اُس کا رفع روحانی بھی ایک لازمی امر ہے۔ پس رفع سے مراد رفع جسمانی لینا پڑے گا۔ کیونکہ حضرت مسیح کے قتل جسمی اور رفع جسمی میں ہی تضاد ہو سکتا ہے۔ اگر جسم آپ کا یہود کے ہاتھوں مقتول ہوا تو وہی جسم عالم بالا کی طرف مرفوع نہ ہوا۔ اور اگر مسیح اسی جسم ظاہری کے ساتھ بحفظ و امان اٹھائے گئے تو یہود کے ہاتھوں مقتول نہیں ہو سکتے۔ بہر حال یہ آیت نص صریح ہے کہ مسیح علیہ السلام اسی جسم ظاہری کے ساتھ اٹھائے گئے۔ اور یہ سوال غلط ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھائے جانے سے لازم آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے لیے بھی کوئی مکان ہو جہاں پر حضرت عیسیٰ کو اٹھایا گیا ہو۔ کیونکہ اس قسم کی تمام آیات میں سلف نے عالم علوی اور سموت کی طرف اٹھایا جانا مراد لیا ہے۔ چنانچہ آیت إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلْبُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وغیرہ دیگر آیات میں تمام مفسرین ہی معنی لیتے چلے آ رہے ہیں کہ اعمال صالح اور کلمات طیب آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں جو محل قبول خیرات ہے اور مقام علیتین اور اعلیٰ الدرجات۔

"الْقَوْلُ الْجَمِيلُ تَصْدِيقُ الْمُثْبِتِ" کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب اور ان کے اتباع کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ کے رفع اور نزول کے متعلق قرآن اور حدیث میں لفظ سما نہیں آیا رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَى السَّمَاءِ اور يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ کہیں وارد نہیں۔ حضرت نے ان سے استفسار فرمایا ہے کہ بھلا صاحب! یہ تو فرمائیے کہ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ جس کا مدلول خدائی طرف مرفوع ہوتا ہے، رفع روحانی ہی سہی، کس طرح متحقق ہوگا؟ اور ایسا ہی اِرْجِعِي إِلَى رَبِّكِ میں اپنے رب کی طرف نفس کے

رجوع کی کیا صورت ہوگی؟ اور کلمات طیبہ اور عمل صالح کا خدائے پاک کی طرف مرفوع ہونا کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہوگا جیسا احادیث میں وارد ہے کہ خدا کی طرف مرفوع ہونا یا رجوع ہونا یا چڑھ جانا۔ اُس کی صورت یہ ہے کہ آسمان کو جو عبادِ مکرہین کا محل ہے قرار گاہ اُن کی بنایا جائے۔ نہ کہ بجائے آسمان کے زمین میں یا آسمان اور زمین دونوں سے باہر مقرر کیا جائے۔ ایسا ہی رفع جسمی کی صورت میں بھی الیہ کا ملاحظہ فرما کر سما کو مذکور سمجھیں۔ پس رَفَعْنَا إِلَى اللَّهِ أَوْ رَفَعْنَا إِلَى السَّمَاءِ أَوْ رَجَعْنَا إِلَى الرَّبِّ أَوْ رَضِعُوا عَلَى السَّمَاءِ مُسَادِقٌ فِي الْمَعْنَى هِيَ۔ اور احادیث میں تو صراحۃً بھی لفظ سما آگیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ ان اصحاب کے اصول موضوعہ میں سے تقابلِ قرآن اور حدیث صحیح بھی ہے کہ اس مغالطہ سے بڑے کام نکلتے ہیں۔ جب عوام کا انعام سے مخاطب ہو کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ میاں خداوند کریم کی کلام پاک مقدم ہے یا بندہ کی؟ مخاطبین بچارے حسبِ یاقوت خود بول اُٹھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی کلام مقدم ہے۔ خدا خدا۔ بندہ بندہ۔ یہ کوئی نہیں کہتا۔ اسی حضرت آپ سوالِ تقدیم و تاخیر از راہِ عظمت و منزلت فرما رہے ہیں یا از قبیلِ تفصیل و بیان؟ اگر من حیثِ العظمت ہے تو سب اہل اسلام کلامِ الہی کو زائدِ العظمت مانتے ہیں لہذا نماز کا رکن کلامِ الہی ہو سکتی ہے نہ حدیث اور اگر بجمتِ تفصیل و تشریح فرماتے ہیں تو حدیث شریف مقدم ہے کیونکہ پہلے مضمونِ تفصیلی حدیث شریف کا ہمارے اذہان میں آئے گا تب اجمالِ آیت کو ہم

سمجھیں گے۔ ہاں صحت میں غور کرنا نہایت ضروری ہے۔ اُس رحمۃً للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو حکیم مطلق لَا تَدْرِيكُ الْاَبْصَارُ نے اس لیے اپنے اور ہمارے درمیان برزخ قرار دیا ہے کہ برزخ کے پرلی طرف کی بات برزخ ہی کے مبارک مُنہ سے بعد تشریح سُن لیں جیسا کہ قولہ تعالیٰ

أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا۔

اور

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِبِينَ حَصِيمًا۔

اور

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔

اور

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔

اور حدیث شریف

الَاِئْتِيْ اُدْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ رِيْعِيْنِي السُّنَّةَ

اسی برزخ سے مخصوص ہے۔ ایسا ہی ذمہ واری

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقَدِ اِنَّهُ تَعْرَانِ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کبھی نہیں رکھی۔

ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی تاکہ جو کچھ اللہ نے آپ کو دکھایا اُس کے مطابق لوگوں میں حکم فرمائیں اور خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنیں۔

اور ہم نے آپ پر کتاب نہیں اُتاری مگر اس لیے کہ آپ صاف طور و چیز بیان کر دیں جس میں انہیں اختلاف ہے اور ہدایت و رحمت اُس قوم کے لیے ہے جو ایمان لاتے ہیں۔

اور ہم نے آپ پر ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے وہ چیز بیان فرمادیں جو اُن کی طرف نازل کی گئی اور شاید کہ وہ فہم کر لیں۔

خبردار میں مُشَدِّان اور اس کی مثل اس کے ساتھ دیا گیا ہوں (یعنی سنت)

بے شک قرآن کا جمع کرنا، اُس کا پڑھنا اور بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے

اُسی کو شایان ہے۔ فَسُبْحَانَ مَنْ خَلَقَهُ وَأَجْمَلَهُ وَكَمَلَهُ وَعَلَّمَهُ وَأَدَبَهُ فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 اس تقریر میں حضرت نے منکرین حدیث کا منہ بھی بند کر دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے حضرت مسیح
 ابن مریم (علیہما السلام) کے بحمدِ عنصری رفع الی السماء اور نزول من السماء پر چالیس کے قریب احادیث اور آثارِ صحابہ
 کی تخریج فرمائی ہے جن میں اکثر کے اندر لفظ "سما" موجود ہے اور جو بائیس صفحات کتاب پر پھیلی ہوئی ہیں جنہیں بحسبِ اسی
 مسند امام احمد - تفسیر ابن جریر - ابن کثیر - در منثور اور کنز العمال جیسی مستند کتابوں میں ذکر کیا گیا اور جن کی روایت مندرجہ ذیل
 اٹھارہ صحابہ کبار وغیرہم نے فرمائی۔

حضرت عائشہ - حضرت عبداللہ بن عباس - عبداللہ بن مسعود - ابو ہریرہ - انس بن مالک - عبداللہ بن عمرو -
 عثمان بن ابی العاص - ابی امامہ - جابر - سمرہ بن جندب - عمرو بن عوف - حذیفہ بن اسید - حذیفہ بن
 یمان - عمران بن حصین - کیسان - ابی شریحہ - نواس ابن سمان اور مجمع بن جاریہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)
 اس کے علاوہ حضرت نے مزید آٹھ وجوہات سے مرزائیوں کے اس دعویٰ کا ابطال کیا کہ رفع روحانی تھا جسمانی نہ تھا۔
 اور بلاشبک ان وجوہات کی تشریح کی جائے تو آٹھ جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں۔ مرزا صاحب کی اس تاویل کو کہ نزول مسیح سے
 میرا ظہور مراد ہے جو شیل مسیح ہوں بدلائل اس قدر مضحکہ خیز ثابت کیا ہے کہ قادیانیت کی تبلیغ کا پردہ یکسر چاک ہو کر
 رہ گیا ہے۔ اور یہی حشر اس زعمِ باطل کا ہوا کہ دجال ایک شخص معین نہیں بلکہ پادری دجال ہے جنہیں میرے لائل نے قتل کر دیا
 ہے۔ اور کہ (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال شخصی کے معاملہ میں ابہام رہا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ غلطی پر قیام
 نبی کی عصمت کے منافی ہے۔

آیت اذ قال اللہ یعیسیٰ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعْکَ اِلَیَّیْنِ تُوْنِیْ کُوْمُوْتِ کَیْ مَعْنٰی مِیْنِ لَیْنِ کَیْ اِبْطَالِ صَحَابَہ
 اور تابعین کی تفسیر سے کما حقہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر تونی سے موت کے معنی بھی لیے جائیں تو مرزا صاحب کا
 مقصد حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہاں متونی اسم فاعل کا صیغہ ہے جو حال اور استقبال دونوں پر حاوی ہے جس سے یہی معنی حاصل
 ہوگا کہ میں ہی آئندہ زمانہ میں کسی وقت تجھے وفات دوں گا۔ یہ یہود تجھے قتل کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اور تمام اہل اسلام
 اس چیز پر متفق ہیں کہ آپ قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہو کر وفات پائیں گے۔

مرزا صاحب نے قَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِ الرَّسُلُ میں خلو کو موت کے معنی دے کر استدلال کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام کی موت پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں اس طرح آیت سُنَّۃُ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَّتْ کَی
 معنی ہوں گے کہ معاذ اللہ سنت الہی مرچکی ہے اور اِذَا خَلَوْا اِلَیْ شَیْطٰنِیْنِھُمْ کَی ماتحت جب منافقین اپنے سرداروں
 کی طرف جاتے تھے تو مر جاتے تھے۔

ان دلائل اور کئی دیگر ضمنی مباحث پر استدلال کا پورا لطف اس کتاب کے دیکھنے ہی پر موقوف ہے جو اپنے نقشِ اول
 پر نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے پر بھی بار بار طبع ہو رہی ہے اور ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہو جاتی ہے۔ اہل حدیث کے نامور
 پیشوا مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی نے اُس زمانہ میں اس کے مطالعہ کے بعد جو تعریفی خط بھیجا تھا اُس کی نقل باب ارشاد میں آ
 چکی ہے۔ دیگر علماء و مشائخ کے تحسینی اور توصیفی اور دعائیہ خطوط کا حوالہ مکتوبات شریف میں درج ہے۔ اور مخالفین نے جو
 صلواتیں سنائیں وہ ان کی تالیفات اعجاز المسح - تحفہ گولڈویہ - اور قصیدہ اعجازیہ وغیرہ میں درج ہیں۔

تیسری فصل

سیفِ چشتیانی

(۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۲ء)

وجہ تالیف

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے بانیِ مرزائیت اپنے دعوے نبوت تک بتدریج پہنچے تھے۔ پہلے اپنے مجدد ہونے کا اعلان کیا۔ پھر مسیح موعود ہونے کا اور آخری منزل اعلان نبوت کی تھی جو انہوں نے ۱۹۰۱ء میں طے کی۔ حضرت نے اپنی تصنیف "شمس الہدایت" میں (جس کا بیان اُدپر گزر چکا ہے) جہاں اُن کے دعوئے مسیح موعود ہونے کو نہایت حتمی طور پر قوی دلائل اور بُرہان کے ساتھ باطل قرار دیا تھا، وہاں اُن سے چند سوالات بھی کیے تھے اور ساتھ ہی کلمہ طیبہ کے معانی بیان کرنے کی دعوت بھی دی تھی۔ قریباً دو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد مرزائیوں کی جانب سے مولوی محمد احسن صاحب نے "شمس الہدایت" کا جواب "شمس بازغہ" کے نام سے شائع کیا اور خود بانیِ مرزائیت نے سورہ فاتحہ کی تفسیر "عجازِ مسیح" تالیف کی اور اُسے الہامی اعجاز قرار دیتے ہوئے دعوئے کیا کہ اس کا جواب طاقت بشری کے لیے ناممکن ہے۔

ان دو کتب کے لکھنے سے پہلے بانیِ مرزائیت کی طرف سے حضرت کو لاہور میں مناظرہ کا چیلنج دیا گیا جس میں اُن کی ہزیمت کی تفصیل بابِ ارشاد میں دی جا چکی ہے۔ ان دونوں کتابوں کے جواب میں حضرت نے اپنی تیسری شہرہ آفاق کتاب "سیفِ چشتیانی" تحریر فرمائی، جس کی وجہ تالیف بھی تفصیل بابِ ارشاد میں دی جا چکی ہے۔ اس میں "عجازِ مسیح" پر پورے ایک سو اعتراضات اور اشکال وارد فرما کر آپ نے یہ آشکارا فرمایا کہ مؤلف نے نہ صرف لغت اور صرف دُخو کی غلطیاں کی ہیں بلکہ سرقہ اور تحریف سے بھی گریز نہیں کیا۔ ان اغلاط کی تفصیل بھی بیانِ ارشاد میں گزر چکی ہے۔ مرزائیوں کی دوسری کتاب "شمس بازغہ" میں مؤلف نے کلمہ طیبہ کے معانی بیان کرنے کے علاوہ حضرت کی تصنیف "شمس الہدایت" پر مختلف اعتراضات کیے تھے۔ کلمہ طیبہ کے معانی بیان کرنے میں انہوں نے حضرت کی کتاب "تحقیق الحق" سے استفادہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر بوجہ اپنی کم فہمی کے اُس کا صحیح استعمال نہ کر سکتے اور تمام مضمون بے ربط ہو کر رہ گیا۔ حضرت نے نہ صرف اُن کی اس ناکام کوشش کو عیاں کر دیا بلکہ انہیں کلمہ طیبہ کا صحیح مطلب بھی "سیفِ چشتیانی" میں سمجھایا اور "شمس الہدایت" کے خلاف تمام اعتراضات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل دلائل کے ساتھ رد فرمایا۔ اس کتاب کو علمائے عصر نے تحریراً اور تقریراً ایک علمی شاہکار قرار دیا اور مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اور مصنفین نے اپنی تصانیف میں بطور حوالہ پیش کیا۔ شعراء نے اس کی شان میں قصیدے لکھے اور مثنویاں موزوں کہیں جن کی تفصیل بابِ ارشاد میں بیان ہو چکی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد علماء کے حق میں مرزائیت کی تبلیغ قطعاً غیر موثر ہو کر رہ گئی۔ اور ہزاروں مذہب بین اہل اسلام عقیدہ حقہ پر مضبوط ہو گئے۔ بلکہ کئی مرزائی اس کتاب کو پڑھ کر مرزائیت سے تائب ہو گئے۔ چنانچہ کتاب "صاعقہ رحمانی بر نخل قادیانی" کے مصنف

مولوی حبیب اللہ صاحب امرتسری نے جو مکتوب حضرت کی خدمت میں ارسال کیا اس میں کہا کہ مرزائیوں کی کتاب عمل مصطفیٰ پڑھ کر میرے دل میں قسم قسم کے شکوک پیدا ہو گئے تھے مگر الحمد للہ کہ جناب کی تصانیف سیفِ چشتیائی اور شمس الہدایت نے میرے مذہبِ دل میں تسلی بخش امرت پکایا اور نیز چند مرزائیوں نے اسے پڑھا پچنانچہ حکیم الہی بخش صاحب مرحوم مع اپنے لڑکے کے آخر مرزائیت سے توبہ کر گئے اور اسلام پر فوت ہوئے۔

اب چیدہ چیدہ اقتباسات یہاں بطور نمونہ اور برائے استفادہ ناظرین پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ کتاب بھی شکلِ سوال و جواب ہے اور مقابلتہ سلیس اور عام فہم اردو میں لکھی گئی ہے۔

اقتباسات از سیفِ چشتیائی

بانی مرزائیت نے اپنے ابتدائی دور میں اپنی تصنیفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نے نبی کے آنے کو وعدہ الہی کے خلاف بتایا تھا۔ مگر جب خود دعویٰ نبوت کیا تو اس طرح کا استدلال لانے لگے کہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اُن تک ہی محدود رہی۔ یعنی جب میں بروزی طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوتِ محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہو جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ "موتلف شمس بازنہ" نے بھی اسی استدلال کا اعادہ کیا اور اپنی تصنیف کے خطبہ میں بھی "أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ" تحریر کیا۔ اور کہا کہ یہاں نبی سے وہ انبیاء مراد ہیں جن کی نبوت اصالتاً ہو۔ مرزا صاحب تو بہ سبب اتباعِ کامل ظلی طور پر نبوت اور رسالت کے مدعی ہیں نہ اصالتاً۔ حضرت نے اس کا رد فرماتے ہوئے یہ ثابت فرمایا کہ بانی مرزائیت نبوتِ اصلیہ کے مدعی تھے نہ کہ نبوتِ ظلیہ کے۔ اور ظلیت، بروز اور فنا فی الرسول کے الفاظ کو بظاہر سپر بنا رکھا تھا۔

جواب: اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔ "محرر یہ ۵۔ نومبر ۱۹۰۱ء کے مندرجہ ذیل الفاظ دیکھئے:-

"پچنانچہ وہ کمالات الہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکی ہیں اُن میں سے ایک یہ وحی اللہ ہے:-

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (وہ خدا

جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ سب ادیان پر اُسے غالب کر دے) اس میں صاف

طور پر اس عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہے۔"

یہ آیت سورہ فتح کے رکوعِ آخر میں موجود ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کے دینِ پاک کے غالب

کرنے کا ذکر ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:-

"اول تو کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ اگر کسی شخص کو خواب یا بیداری میں یہ آیت سنائی دے جیسا کہ اکثر حفاظ

اور شاغلین کو کثرت استعمال و خیال کے سبب ایسا ہوا کرتا ہے۔ یا فرض کیا بذریعہ الہام ہی سہی تو وہ شخص شہادت

اس آیت کے رسول کھلانے کا مجاز ہو۔ یا ایسا ہی اَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ کے سننے سے کوئی

دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نبی اور رسول ہوں اور نبی نماز اور نبی زکوٰۃ کا حکم مجھ پر نازل ہوا ہے۔ لیکن بر تقدیر الہام

بآیت مذکورہ (ہو الذی ارسل الخ) بفرضِ محال اگر رسول کھلانے کا مستحق بنے تو اسی معنی سے رسول ہو گا جو

معنی اس آیت میں مراد ہیں یعنی اصلی رسول، ورنہ دلیل دعوے پر منطبق نہ ہوگی۔ کیونکہ دعوے میں رسول ظلی اور دلیل یعنی "أَرْسَلَ رَسُولَهُ" میں رسول اصلی اور نیز رسولہ سے رسول ظلی مراد لینے کی تقدیر میں کلام الہی میں تحریف معنوی لازم آئے گی۔ لہذا استدلال بآیت مسطورہ بلند آواز سے پکار رہا ہے کہ دعوے اصلی نبی ہونے کا ہے۔"

اسی اشتہار ایک غلطی کا ازالہ میں اپنے نبی ہونے کی ایک اور دلیل بانی مہر زبیت نے ان الفاظ میں پیش کی تھی :-
 "وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ" میں ایک پیشین گوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو خبر نہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیشین گوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان لفظ نبی کو اپنی نسبت ثابت کر سکے نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے یعنی فنا فی الرسول کی۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اُس پر ظلی طور وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے اس لیے اُس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں۔"

اس کے جواب میں حضرت فرماتے ہیں: اگر صرف فنا فی الرسول کا مقام ہی رسول اور نبی کہلانے کی اجازت دیتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ صدیق اکبر جن کی شان میں لو کنت متخذاً خلیلاً لا اتخذ ابابکر خلیلاً فرمایا گیا اور ایسا ہی عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود لقب محدثیت کے اور عثمان نے باوجود کمال اتباع صوری اور معنوی کے اور علی مرتضیٰ نے باوجود بشارت رانت متی بمنزلہ ہارون من موسیٰ - تیرا مقام مجھ سے ایسے ہے جیسا ہارون کا موسیٰ سے) کے اور سید اشباب اہل الجنة حسین نے جن کا مجموعہ بعینہ جمال باکمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ تھا رسول اور نبی کہلانے پر حجرات نہ کی اور ہزار ہا اہل اللہ جن کے فنا فی الرسول ہونے پر ان کا سایہ کا گم جانا بھی شہادت دیتا تھا کسی نے نبی اور رسول نہیں کہلویا قطب قطاب سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکالمات الہیہ میں سے کسی مکالمہ میں باوجود شان رخصنا بعد العریف علی ساحلہ الانبیاء - ہم نے ایسے سمندر میں غوطہ لگایا جس کے کنارے پر انبیاء نہ ٹھرے) کے یعنی فینا فی النسبی الامی الذی ہوکا البحر فی السخاء - نبی اور رسول کے لفظ سے نہ پکارے گئے۔ یہ تو سب اسی قاعدہ مسلمہ میں محدود رہے کہ الولی لا یبلغ درجۃ النسبی - مگر یہ حضرت باوجود اپنے اوصاف کے مقام فنا سے نبوت تک پہنچ گئے۔"

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں: "مسلمانو! بعد اں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب نبی اور رسول کا کسی مسلمان کے لیے شرعی نظر سے جائز نہیں نہ اصلی نہ ظلی۔ اگر ظلی طور پر یہ لقب متبع نبی کو عطا ہو سکتا اور فنا فی الرسول کا مقام مجوز اُس کا ہوتا تو سب سے زیادہ مستحق مہاجرین اور انصاری تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کا ذکر خیر کتاب و سنت میں موجود ہے اور جنہیں اللہ جل شانہ نے قرآن مجید کے سورہ فتح میں ان الفاظ سے یاد فرمایا: "وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا" (محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کھڑے پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تو انہیں رکوع کرنے والا اور سجدہ کرنے والا پائے گا، وہ اللہ کا فضل اور رضا طلب کرتے ہیں)

اے اگر خدا کے سوا کسی اور کو خلیل بنا تا تو ابوبکر کو بنا تا۔ ہم نے اُس نبی امی میں فنا حاصل کی جو سخاوت میں بحر کی طرح ہیں۔ اللہ ولی درجہ نبی کو نہیں پہنچ سکتا۔

معراج نبوی کے جسمی ہونے کا ثبوت

بانی مہرِ زانیت نے چونکہ اپنے آپ کو مسح موعود ثابت کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کی تردید کی تھی۔ اسی طرز استدلال کا اتباع کرتے ہوئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کو بھی معراجِ روحانی قرار دیا تھا۔ اس کی تردید فرماتے ہوئے حضرت تحریر فرماتے ہیں: معراجِ جسمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحالتِ بیداری آیت ذیل سے ثابت ہے: "سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى"۔ کیونکہ لفظ "سُبْحَانَ" کا اطلاق اسی موقع پر ہوتا ہے جہاں کسی عظیم الشان اور مستبعد اور محال عادی کا ذکر ہو۔ اور ظاہر ہے کہ نیند میں آسمانوں پر چبانا اطرافِ السموات والارض میں سیر کرنا کوئی امر مستبعد اور ممتاز طور پر نبی کا خاصہ نہیں۔ نیز اسٹری "کا استعمال نیند میں نہیں آتا۔ (قاضی عیاض) پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسرارِ مثل اور انبیاء کے کشفی اور روحی نہ تھی بلکہ جسمی اور بحالتِ بیداری ہوئی۔ اس کے بعد حضرت نے متعدد احادیث اور لغتِ اسیر کے حوالہ سے ثابت فرمایا ہے کہ معراجِ جسمی کے منکرین غلطی پر ہیں۔

معراجِ جسمانی کے خلاف ایک اور دلیل جو بانی مہرِ زانیت کی طرف سے دی گئی یہ تھی کہ نیا اور پُرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس خاکی جسم کے ساتھ کڑھ زہرِ ریک بھی پہنچ سکے۔ بس اُس جسم کا کڑھ ماہتاب یا کڑھ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے۔ افسوس کہ اُن کی غلطی نبوت کی جس پیشگوئی نے انہیں اتنا بھی نہ بتلایا کہ بہت جلد انسان اپنے مادی آلات کی امداد سے ہی اُن کے اس قول اور دلیل کو لغو ثابت کر دے گا۔ تاہم حضرت اس کا جواب قرآن و سنت کی روشنی میں اس طرح فرماتے ہیں: آیت اور حدیث اور اجماع کے مقابلہ میں ایسے استدلال سے کام لینا مسلمان کا کام نہیں۔ نیز استدلال مذکور موقوف ہے امورِ ذیل کے ثبوت پر۔ و دونہ خراط العقاد۔

۱۔ اتحاد نوعی کُل طبقاتِ ہوائیہ کا۔

۲۔ لوازم طبقاتِ ہوائیہ کا از قبیل لوازم ماہیت ہونا۔

۳۔ تبدل فضول کا موثر نہ ہونا خصوصاً کیفیات کے تغیر میں۔

۴۔ لزوم کا ضروری ہونا عادی۔

امور مذکور سے اگر صرف امر چہارم ہی کا خیال کیا جائے تو بشہادت (يَا نَارُ كُوْنِي بَرْدًا اَوْ سَلْمًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ) اے آگ ٹھنڈی اور سلامت ہو جا ابراہیم پر) کے حرارت و برودت وغیرہ کا انفکاک اپنے طرذومات سے واقعی معلوم ہوتا ہے۔ کیا وہ فاعلِ مختار اور حکیم مطلق جس نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو ٹھنڈا کر دیا اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ زہرِ ریک کرہ کی برودت کو مثلاً معتدلہ حرارت سے بہ نسبت اپنے ایک مقبول بندے کے متبدل کر دے۔

آگے چل کر اس اعتراض کے جواب میں کہ آیت مذکورہ بالا (قُلْنَا يَا نَارُ الْخ) بھی عند الخضم ماقول ہے۔ حضرت فرماتے ہیں: مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ حرارت مفردہ کا زوال آگ سے بالکل واقعی اور صحیح ہے۔ اور اس زمانہ میں بھی عوام سے خواص تک اس کو دیکھ چکے ہیں۔ لہذا آیت مذکورہ کو امتناع انفکاک الحرات عن النار کی بنا پر ماقول ٹھہرانا سراسر تعصب ہے۔ الغرض جسمِ خاکی کے آسمان پر جانے کے محال ہونے کو کوئی دلیل شرعی یا عقلی ثابت نہیں کرتی۔ اور جنہوں نے اس پہلو کو اختیار کیا ہے اور صرف

- عقل جزئی کو مشعل راہ بنا کر نصوص میں تاویل و رد و بدل کیا ہے انہیں اس مسلک میں تین وجہ سے دھوکا ہوا :-
- ۱۔ ایک تو عقل جزئی کے استقرار ناقص کا نام قانون قدرت رکھا اور ظاہر ہے کہ جزئیات معدودہ کے احوال پر نظر ڈالنے سے قاعدہ کلیہ استنباط نہیں کیا جاسکتا۔
 - ۲۔ مستبعدات عقلیہ کو محالات عقلیہ سے شمار کیا اور
 - ۳۔ آیات و احادیث کو ان معانی پر محمول کیا جو بالکل برعکس ہیں ان لوگوں کے جنہوں نے نور نبوت سے بالمشافہ معانی مرادہ کا استفادہ کیا :-

تعارض عقل و نقل کا مسئلہ

اسی مسئلہ کی بحث کے دوران حضرت ایک اہم سوال یہ قائم فرماتے ہیں :-

سوال۔ تعارض عقل و نقل کی صورت میں عقل ہی کو مقدم رکھنا ضروری ہے کیونکہ وہ اصل ہے نقل کے لیے اور جب تک لائل عقلیہ کی رُو سے وجودِ صانع نہ مانا جائے تب تک تصدیق بالنقل و بما جاءت به الرسل علیہم السلام متصور نہیں ہو سکتی۔ تقدیم عقل کی وجہ سے ہی نصوص قطعیہ میں تخصیص عقلی کو ضروری سمجھا جاتا ہے کما فی ان اللہ علی کل شیء قَدِیرٌ۔ بنا براں ارادہ معراج رُوحی اور نزول بُرُوزی بلکہ کل معجزات و خوارق کا مآول ٹھہرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس کا جواب حضرت نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے :-

جواب۔ یہ امر قابل غور ہے کہ قضیہ ذیل (العقل اصل للنقل) میں عقل سے مراد کیا ہے۔ بعد تدبیر معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مراد عقل سے جو ہر مدرک یا قوت عاقلہ نہیں کیونکہ اس معنی کی رُو سے عقل اور نقل میں تعارض نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جو ہر مدرک یا قوت عاقلہ حیات کی طرح شرط ہے عقلیات اور سمعیات کے لیے اور ظاہر ہے کہ شرط کبھی معارض اور منافی نہیں ہوتی مشروط کے لیے پس معلوم ہوا کہ مراد عقل سے وہ معرفت اور ادراک ہے جو عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ امر ضروری نہیں کہ ہر علم و ادراک عقلی اصل اور دلیل ہوسمعی و نقلی کے لیے کیونکہ سمعیات اور نقلیات کی صحت کا توقف صرف انہی عقلیات پر ہے جن کی رُو سے تصدیق بصدق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو چنانچہ (الصانع موجود) دھومصدق الرسل علیہم السلام بالآیات والمعجزات۔ اس سے واضح ہوا کہ قضیہ مذکورہ (العقل اصل للنقل) کلیہ نہیں بلکہ اس میں حکم انہی بعض عقلیات پر ہے جو موجب تصدیق بصدق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ محل بحث کو یعنی (الرفع والنزول بالجسمیان و امثالہما من المحالات) رفع اور نزول جسمانی اور ایسے دیگر محالات جو منجملہ عقلیات ہیں کوئی علاقہ نہیں تصدیق بصدق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ اس طور پر کہ واسطہ فی الشبوت کی طرح تصدیق بصدق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت نفس الامر میں ان پر موقوف ہو اور نہ اس طریق پر کہ واسطہ فی الاثبات کی مثل ہمارے اذہان میں تصدیق مذکورہ کا حصول ان پر مرتب ہو۔ ثانیاً آنکہ محل بحث صادق ہی نہیں کیونکہ رفع و نزول جسمی صرف مستبعدات عقلیہ سے ہیں نہ محالات سے۔ چنانچہ آیت سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ الْاَبَشَرُ اَزْ سُوْلَا سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے :-

تعارض کے مسئلہ میں احتمالات ذیل متصور ہو سکتے ہیں :-

۱۔ دلیل عقلی و نقلی دونوں قطعی ہوں۔

۲۔ یا دونوں ظنی

۳۔ یا ایک قطعی اور دوسری ظنی۔

تیسری صورت میں قطعی کی تفسیر ظنی پر اتفاقی ہے خواہ قطعیت عقلی کے لیے ہو یا نقلی کے اور دوسری صورت میں محسب اولہ (دلائل) ترجیح و تعادل (برابر ہونا) عمل کیا جائے گا۔ اور پہلی صورت صرف احتمال ہی ہے۔ فی الواقع تحقق اُس کا ممکن نہیں کیونکہ دلیل قطعی اسی دلیل کا نام ہے جس کے مدلول کا ثبوت واجب اور ضروری ہو۔ پس اس صورت کے واقعہ ہونے پر جمع بین النقیضین لازم آئے گا۔ جہاں ایسی صورت معلوم ہو وہاں پر فی الواقعہ بالضرور ایک غیر قطعی ہوگی۔ الغرض دلائل کی تقدیم میں قطعیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے نہ خصوص عقل کو جیسا کہ ہمارے مخاطبین نے سمجھ رکھا ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں

کتاب ایام الصلح میں مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے بیان میں لکھا تھا کہ پیشین گوئیوں میں قبل از وقوع علم کی رائے بھی خلاف نفس الامر مائل ہو جاتی ہے۔ مگر ایسا قبل از وقوع ہی ہوتا ہے نہ بعد از وقوع۔ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں: ازالۃ الغمائم شاہ ولی اللہ صاحب نے تصریح کی ہے کہ چونکہ سلسلہ تکوین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث ہونا مقدر نہ تھا لہذا حکمت الہیہ کا اقتضا ہوا کہ ان واقعات کے احکام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہوں جو قیامت تک ہونے والے ہیں اور ان کے متعلق حق تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا بھی ظاہر ہوتا کہ نعمت الہی تمام ہو اور محبت قائم پس وہ سب وقائع منکشف ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کی نسبت تو اس طرح خبر دی گویا کہ بہ چشم ظاہر دیکھ لے ہے ہیں اور بعض کی نسبت بہ تقریبات اطلاع دی تاکہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امت مرحومہ تاریکی میں نہ رہے۔ انتہی میں کتابوں احادیث نزول میں بھی بڑی بڑی تاکیدات اور بیان نشانات سے اس لیے ارشاد فرمایا گیا ہے تاکہ امت مرحومہ جھوٹے مسیحوں سے بچے اور کشف عینی والی پیشین گوئیوں کی یہی علامت ہے کہ ان میں بڑی توضیح و تشریح و تاکید و بیان حلفی سے کام لیا جاتا ہے بخلاف کشف اجمالی کے کہ ان میں باس طرز بیان نہیں کیا جاتا۔ نزول مسیح وغیرہ اشراط الساعۃ والی پیشین گوئیاں بوجہ ہونے ان کے مناط احکام و رضا و عدم رضا و کفر و ایمان نہایت متم بالشان ہیں۔ ان کو مقیس علیہا ٹھہرانا دوسری اقسام کے لیے جہالت ہے۔

طعام اہل ارض و اہل سما

امروہی صاحب نے رفع مسیح کے بیان میں کہا تھا کہ آیتہ و مَا جَعَلْنَا هُمْ جَسَدًا الْآيَا كَلُونِ الطَّعَامِ اَوْ كَانَا يَا كَلَانِ الطَّعَامِ سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی انسان کا نبی ہو یا ولی، بغیر طعام خوردنی گندم وغیرہ کے زندہ رہنا ممکن نہیں لہذا عینے السلام بغیر طعام کے آسمانوں پر کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ حضرت اس کے جواب میں فرماتے ہیں: ہم سمجھی

۱۔ دو قسموں میں جمع کرنا محال ہے جیسے زید کی موت اور حیات۔ ۲۔ اشراط جمع شرط ہے یعنی علامات قیامت

مانتے ہیں کہ حسب آیت مذکورہ کسی انسان کا بغیر طعام زندہ رہنا نہیں ہو سکتا۔ مگر اہل ارض کے لیے طعام گندم وغیرہ ہے اور اہل سما کے لیے تسبیح و تہلیل۔ جس ملک میں کوئی جاتا ہے اسی ملک کی غذا سے مایہ حیات حاصل کرتا ہے۔ زمین آدمی جب تک زمین میں ہے اہل زمین کی غذا کھائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کو اُس کا آسمان پر لے جانا منظور ہے تو اُس کو ملائکہ کی طرح تسبیح و تہلیل سے زندہ رکھتا ہے۔ بلکہ محققین کے نزدیک تو اہل زمین ہی میں سے زمانہ آئندہ میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی غذا تسبیح و تہلیل ہوگی صحابہ رضوان اللہ علیہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ جس دن کھانے پینے کا سامان دجال کے ہاتھ میں ہوگا اُس دن مومنین کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا تھا اُس دن اہل آسمان کی طرح اُن کو تسبیح و تہلیل مایہ حیات ہوگی۔ پھر قرآن مجید سے اصحاب کہف کا تین سو سال سے زیادہ عرصہ بغیر کھائے پئے زندہ رہنا ثابت ہے پڑھیے آیت :-

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا۔
(ترجمہ۔ اور اس طرح ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ایک دوسرے سے پوچھیں۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم کتنی مدت ٹھہرے۔ کہنے لگے ایک دن یا کچھ دن۔ کہا تمہارا رب بہتر جانتا ہے جس قدر ٹھہرے ہو تم اپنے سے ایک آدمی کو چاندی دے کر بھیجو وہ دیکھے کہ لوگوں میں کون شخص پاکیزہ طعام والا ہے پھر تمہارے لیے رزق اسی سے لے آئے اور نرمی اختیار کرے اور تمہارے متعلق کسی کو نہ بتلائے)

غرض کتاب کیا ہے۔ علم و عرفان کا خزانہ ہے۔ اس کا حجم ۴۰۰ صفحے ہے اور معارفانہ اور محققانہ دلائل و برہان کا ایک گنجینہ گراں بہا ہے جس میں مذہب مرزائیت کے ہر دعویٰ اور اعتراض کا تفصیلاً رد موجود ہے۔

چوتھی فصل

اعلام کلمۃ اللہ فی بیان ما اھل بہ لغیر اللہ

(۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴-۵ء)

وجہ تالیف

حضرت نے وجہ تالیف تصریحاً اس کتاب کے خطبہ میں بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ بزرگان دین کے نام پر نہ مانے ہوئے جانور کی جلت و حرمت کے متعلق علماء میں اختلاف ہے اور ہر دو فریقین کے وہ متبعین جو سخن فہمی اور دیانت و تقویٰ سے پوری طرح بہرہ ور نہیں ہیں افراط و تفریط کا راستہ اختیار کر رہے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ ایسے جانوروں کو جو بغرض ایصالِ ثواب اور فاتحہ بزرگان دین ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں یا اس طعام کو جو (اسی غرض ایصالِ ثواب سے) ان کے نام سے تقسیم کیا جاتا ہے مطلقاً حرام اور آیت مَا اھل بہ لغیر اللہ میں داخل گردانتے ہیں۔ اگرچہ بوقت ذبح ان پر خدائے تعالیٰ ہی کا نام لیا جائے اور ذابح کا مقصد بجز ایصالِ ثواب اور کچھ بھی نہ ہو۔ اور بعض دیگر اصحاب اس قسم کی اشیاء کو مطلقاً حلال کہتے ہیں گو ذابح کا مقصد غیر اللہ کا تقرب ہی کیوں نہ ہو۔ بنا بریں یہ رسالہ تحریر کیا گیا کہ اہل اسلام افراط و تفریط کا راستہ ترک کر کے صراطِ مستقیم پر قائم رہیں۔ اور برادران اہل انصاف و سادس و اوہام سے محفوظ رہ کر شرِ شیطان سے بچیں۔

حضرت نے اس رسالہ کو ایک مقدمہ تین ابواب اور خاتمہ پر مشتمل فرمایا ہے۔ اصل کتاب فارسی میں لکھی گئی جس میں نختون اور افغان علماء و عوام کی رعایت بھی مد نظر تھی۔ بعد میں حضرت بابو جی صاحب مدظلہ العالی کے ایما پر متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا ہے تاکہ پاک و ہند کے عوام کے لیے بھی مفید ہو۔ یہاں صرف مختصر طور پر مقاصد کتاب کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے بعض مقامات پر اتم ترجمہ کی طرف سے بغرض تشریح کچھ اضافہ درج کر دیا گیا ہے۔

تفسیر اور تاویل کی تحقیق

مقدمہ میں تفسیر اور تاویل کے متعلق تحقیق فرمائی ہے اور تفسیر بالرائے اور تاویل کے درمیان فرق بیان فرما کر واضح کیا ہے کہ جو تاویل سلف صاحبین کی مستند تفسیر کے خلاف یا قواعد عربیہ کے مطابق نہ ہو وہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے جو حسب ارشاد نبوی مذکور ہے البتہ جو تاویل نصوص شرعیہ اور قواعد عربیہ کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو وہ درست ہے۔ گو حضرات سلف صاحبین، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے سراحۃ منقول نہ بھی ہو۔

ابدال کے معنی

باب اول میں آیت وَمَا اھل بہ لغیر اللہ کا معنی اور اس کی تفسیر کے تمام متعلقہ امور سوالات و جوابات کی صورت

جواب

- ۱۔ پہلی صورت میں ایفائے نذر واجب ہے اور ذبیحہ حلال۔
- ۲۔ ایسا ہی دوسری صورت میں بھی اگر مقصود ذبح اور جان کشی باللہ ہے اور ایصالِ ثواب ولی کے لیے اور اگر نفسِ ذبح ولی کے لیے ہے تو ذبیحہ حرام اور ایفائے نذر واجب نہیں۔
- ۳۔ تیسری صورت میں اگر ولی کو وسیلہ سمجھ کر ایصالِ ثواب مقصود ہو تو جائز اور ایفائے نذر واجب ورنہ ذبیحہ حرام اور ایفائے نذر واجب۔

نذر اولیاء اللہ کے متعلق فتاویٰ عزیزی کا حوالہ

خاتم المؤمنین شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے والد ماجد سے (رضی اللہ عنہما) فتاویٰ عزیزی میں نقل فرماتے ہیں:-
(ترجمہ) ارواح سے مدد مانگنا اس اُمت میں بہت واقع ہوا ہے۔ اور وہ جو ہمال اور عوام کرتے ہیں کہ ان ارواح پر ہر کام میں سبقت لے لیتے ہیں بلاشبہ شرکِ جلی ہے اور نذر اولیاء اللہ حاجات کے پورا ہونے کے لیے معمول ہے اور رسم ہے اکثر فقہاء کو اس نذر کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔ انہوں نے نذر اولیاء کو نذر خدا پر قیاس کر کے ارتداد کا حکم لگا دیا کہ اگر نذر بالاستقلال اُس ولی کے لیے ہے تو باطل ہے اور اگر خدا کے لیے ہے اور اس ولی کا ذکر محض مصرف کا بیان ہے تو صحیح ہے۔

لیکن اس نذر اولیاء اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ طعام اور مال کے خرچ کرنے کا ثواب کسی اہل اللہ کی رُوح کو ہدیہ کرنا۔ اور یہ امر سنون ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ اُم سعد وغیرہ کا حال صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے اور ایسی نذر لازم ہو جاتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ میں اس نذر کا ثواب فلاں ولی کی رُوح کو ہدیہ کرتا ہوں اور ولی کا ذکر اس عمل مندور کی تعیین کے لیے ہے نہ کہ مصرف کے لیے۔ اور مصرف اس نذر کا نذر کنندگان کے نزدیک اُس ولی کے رشتہ دار اور خدام اور برادرانِ طریقت اور ان جیسے لوگ ہیں۔ اور نذر کنندگان کا بلاشک یہی مقصد ہوتا ہے۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور اس کی وفادار واجب ہے۔ اس واسطے کہ یہ قربتِ شرع میں معتبر ہے۔

ہاں۔ اگر اُس ولی کو مستقلاً مشکلات کا حل کرنے والا اعتقاد رکھیں یا اس کو شفیع غالب سمجھیں تو یہ عقیدہ

شرک اور فساد کی طرف لے جاتا ہے۔ مگر یہ عقیدہ اور چیز ہے اور نذر دوسری چیز:-

اسی سے دوسری اور تیسری صورت کا حکم معلوم ہو گیا۔ یعنی ایفائے نذر واجب اور ذبیحہ حلال کیونکہ (میں تیرے نام کا بجا دوں گا) عمل مندور کے معین کرنے کے لیے ہے۔ پس نذر اللہ کے لیے اور ثوابِ طعام رُوحِ ولی اللہ کے لیے ہو گا۔ اور یہ قول بیانِ مصرفِ گوشتِ ذبیحہ کے لیے نہیں، تاکہ یہ سبب اور تملیک لغو اور بے جا سمجھ کر اسراف میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام کہا جائے۔ بحر الرائق اور بعض دوسری معتبر کتابوں میں لکھا ہوا ہے (خلاصہ) کہ اگر کوئی شخص کھانا وغیرہ کسی بزرگ کی قبر پر اس کے تقرب کی خاطر لائے تو یہ درست نہیں اور حرام ہے۔ لیکن اگر نیت یہ ہو کہ اس کھانے وغیرہ کو زندہ مسلمانوں کو دے گا اور طعام دینے کا ثواب صاحبِ قبر کی رُوح کو پہنچائے گا تو جائز ہے۔ اور غالباً ایسے امور کے منع کا سبب یہ ہے کہ

صاحبِ قبر کو ان چیزوں سے کوئی نفع نہیں پہنچتا اور بے جا اسراف ہے۔ مہذا مردہ کے لیے ہبہ اگر اُس کے تقرب کی غرض سے ہو تو وہ کفار کے فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جو بتوں کے سامنے اُن کے تقرب کے لیے حلو اور موہن بھوگ وغیرہ رکھتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ بت نہیں کھا سکتے۔ اور یہ تشبیہ حدیث شریف من تشبہ بقوم نہو منہم کی ذیل میں آتی ہے جیسا کہ فوائدِ ربانیہ میں تفصیلاً مذکور ہے۔

رہا نادر کا یہ قول اگر مریض تم نے اچھا کیا، سو اگر مقصود اُس کا اس نسبت سے شفیعا نہ طور پر ہے تو مضائقہ نہیں نسبت وسائل کی طرف متراجم کریم سے ثابت ہے مثلاً لاهب لک غلاماً زکیّاً تاکہ میں تجھے ایک فرزند زکی دوں۔ قول حضرت جبریل علیہ السلام ہاں اگر ہر دو فقرہ مذکورہ بالا میں یعنی میں تیرے نام کا بچہ دوں گا۔ اور اگر مریض تم نے اچھا کیا، استعلائی طور پر نسبت ہے یا شفیع غالب سمجھ کر تو بے شک نادر مرتد ہے اور ذبیحہ اُس کی ذبیحہ مرتد کی ہے اور اگر نادر مرتد خود نہ ذبح کرے بلکہ دوسرے مسلمان سے خدا کے نام پر ذبح واقع ہو تو ذبیحہ حلال ہے۔ عالم گیری میں ہے کہ مسلمان کسی آتش پرست کی بکری آتش کدہ کے لیے یا کافر کی بکری اُس کے بتوں کے لیے ذبح کرتا ہے تو اُس کا کھانا اس واسطے جائز ہے کہ اُس نے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے۔ ہاں مسلمان کے لیے مکروہ ہے اور کراہت کی بنا تشہیر اور انتساب نام غیر نہیں بلکہ عدم تعمیل ارشادِ مالک کی وجہ سے ہوگی۔ فتاویٰ تمار خانہ اور جامع الفتاویٰ اور فوائدِ ربانیہ میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔ اور جناب خاتم المحدثین فرماتے ہیں :-

”اور اسی طرح حلال نہیں جب ذبح کرے بکری کو کسی تھان یا قبر پر اور قصد اس صاحبِ قبر یا تھان والے کے تقرب اور عبادت کا ہو، اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی ذبح کے وقت ذکر کرے تو بھی حلال نہ ہوگی اور مدار اس کائنیت عبادت اور تقرب ہے یا ذبح کے مشہور طریق کا بدل دینا“ (ترجمہ)

خلاصہ آنکہ صورتِ مسطورہ فی السؤال میں ایفائے نذر واجب اور ذبیحہ حلال بشرطیکہ اس ولی کو مستقل اور شفیع غالب نہ مانا جائے اور ذبح اور جان کشی اللہ جل شانہ کے لیے ہو نہ اُس ولی کے لیے حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ اور حاجی الحرمین مفسرِ اصولی فقہیہ مصنف تفسیر احمدی اور مولانا بڑھان الدین وغیر ہم محققین نے عوام کی مراد کو صاف واضح کر دیا ہے۔ رہے قرآن کہ آیا ان کی رُو سے بھی عوام کی وہی مراد ثابت ہوتی ہے جو محققین نے اُد پر بیان کی ہے یا نہ۔ سو اس کو ناظرین اسی رسالہ سے مختلف موقعوں پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ علماء کرام پر واجب ہے کہ جہاں کو مجلس و عطیہ میں ایسے الفاظ میں ہدایت فرمایا کریں کہ کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔ نذر کے مختلف اقسام مع احکام بھی اس رسالہ میں تفصیلاً درج ہیں۔

نذر کرد چیز کی تخصیص کا بیان

اس کے بعد حضرت نے نذر کی تخصیص پر کتاب بوارق محمدیہ میں مندرج استفتاءے مولوی رفیع الدین۔ وصیت نامہ مولانا عبداللہ گجراتی بمعبر شیخ عبدالحق سے اس مسئلہ کو ثابت فرمایا ہے۔ جو لکھتے ہیں کہ فاتحہ دلوانا اور طعام کھلوانا بلاشبہ امر مستحسن ہے اور مستحب تخصیص اُس شخص کا فعل ہے جو طعام اور اُس کے کھانے والوں کا مخصص ہے اور اُس کے اختیار میں ہے۔ پس یہ تخصیص امر مستحب کے منوع ہونے کا باعث نہیں ہو سکتی اور یہ تخصیصات رسم و رواج اور عادات کی اقسام ہیں۔ ابتدائاً کی کسی خاص مصلحت اور مخفی منشاء کی وجہ سے ہوئی اور رفتہ رفتہ شائع اور رائج ہو گئیں صحیح طریق سے مروی ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم ایک جانور ذبح فرماتے تھے اور بالتخصیص حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مخلصین میں اُس کا گوشت تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بزرگانِ طریقت کی نیاز دلوانے میں جو طعام پکایا جاتا ہے۔ اُس کی وضع اور ترکیب میں جو قیود اور تخصیصات ملحوظ رکھی جاتی ہیں اور فاتحہ دلوانے کے ساتھ جو خاص خاص سُور اور آیات پڑھی جاتی ہیں یہ تخصیص اور تعین نیک رسوم اور عاداتِ حسنہ کی قبیل سے ہیں۔ اس واسطے کہ یہ تخصیصات اور تعینات اُن مشائخِ عظام اور اولیائے کرام کے معمول ہیں اور وہ ان پر عمل کرتے رہے ہیں اور ان پر پابندی فرماتے اور حکم کرتے رہے ہیں کہ جن کا ظاہری اور باطنی کمال تمام اہل اسلام کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

چند سوالات دربارہ استعانت و امدادِ اِرواحِ کاطین

اس استفتاء میں چونکہ صاحبِ قبر کو خطاب کیا گیا ہے اور اُس سے مدد طلب کی گئی ہے لہذا اگر استمداد کے مسئلہ اور اُس کے مالہ و ما علیہ کو کسی قدر ذکر کیا جائے تو ناظرین کے لیے باعثِ آسانی ہوگا۔

سوال۔ چونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ خالق ہیں اور ہر ایک آواز کو سُنتے ہیں، ہر ایک چیز کو دیکھتے ہیں اور اس سُنتے اور دیکھنے اور پیدا کرنے میں حق تعالیٰ کو کسی کے توسل کی کوئی احتیاج اور ضرورت نہیں پس بزرگوں سے مدد مانگنا اور اعانت طلب کرنا، چاہے وہ بزرگ نبی ہوں یا ولی یا فرشتہ یا جن بے معنی بات ہے اور مشکلات اور حاجات میں بزرگوں کو اُن کے نام سے پکارنا، جیسے اے میرے پر میری مدد کر، یا شیخ میری اعانت کر، سراسر بے معنی چیز ہے۔ بلکہ نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صریح شرک ہے اور قبیح ظلم ہے۔ آیات :-

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی تعلیم کے لیے فرماتے ہیں :-

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ یہاں عبادت اور استعانت کو اپنی ذات میں حصر فرما دیا ہے۔

۲۔ فَإِنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا وَ إِنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا فُلُجًا إِنَّمَا آدْعُوا رَبِّي وَلَا آمُتْرِكُ بِهِ أَحَدًا

(ترجمہ) اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے واسطے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔ اور یہ کہ جس وقت کھڑا ہوا بندہ خدا کا اُس کی عبادت کے لیے تو یہ کافر لوگ اُس پر پھیر لگانے کو ہوجاتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

۳۔ إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا

(ترجمہ) وہ اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر موثقات (لات و منات) کو۔ وہ لوگ درحقیقت شیطانِ مردود کو پکارتے ہیں۔

۴۔ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ

(ترجمہ) اور اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کے سوائے کسی اور کو پکارتا ہے جو روزِ قیامت تک اُس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتا اور جو ان کی پکار سے محض بے خبر ہیں،

۵۔ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنْ الظَّالِمِينَ

(ترجمہ) اور اللہ کے سوائے کسی اور کو نہ پکارو جو تجھے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر تو نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔

احادیث شریف :-

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ابن مسعود سے روایت ہے قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ آتَى ذَنْبٌ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ قَالَ أَنْ تَدْعُوَ لِلَّهِ نِدَاءً وَهُوَ خَلْقَكَ (بخاری و مسلم) ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک پکارے۔ اور حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

۲۔ حضرت جبریل بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا جانیں سختی میں پڑ گئی ہیں۔ عیال مُصِیبت میں مبتلا ہیں اور جانور ہلاک ہو رہے ہیں۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دُعا مانگتے۔ ہم اللہ کو آپ پر شفیع لاتے ہیں اور آپ کو اللہ پر شفیع لاتے ہیں۔ پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ اور بڑی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے یہاں تک کہ اپنے صحابہ کے چہروں کی طرف دیکھا پھر فرمایا۔ افسوس تجھ پر کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی پر شفیع نہیں بنایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ اعظم ہے اس بات سے تجھ پر افسوس۔ کیا تو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کون ہے؟ اُس کا عرش اُس کے آسمانوں کے اوپر ہے۔ یہ الفاظ تجھ پر افسوس اللہ کو کسی پر شفیع نہیں بنایا جاسکتا۔ ان سے یا شیخ عبد القادر جیلانی شہید اللہ کی بھی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا۔ پس فرمایا اے لڑکے تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرتا رہ دُہ تیری حفاظت فرمائے گا۔ تو اُسے پہنچ دُہ تجھے پہنچے گا۔ اور جب کسی چیز کا سوال کر تو اللہ ہی سے سوال کر۔ اور جب مدد مانگ تو اللہ ہی سے مدد مانگ (مشکوٰۃ باب توکل - ترمذی)

ان سوالات کے جوابات

آیات (۱) اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کا معنی اور مدلول صرف یہ ہے کہ مدد طلب کرنا اس طرح کہ مُستعانِ مبنہ کو خالقِ عون و مدد یقین کیا جائے جو صرف جناب باری تعالیٰ شانہ کی ذات میں منحصر ہے خواہ امور دینی میں ہو خواہ امور دنیوی میں۔ اور اگر استعانت کے یہ معنی نہ لیے جائیں بلکہ استعانت بمعنی اس امر کے کہ مُستعانِ مبنہ کو مظہرِ عون جانے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ جل شانہ کے کارخانہِ حکمت و اسباب میں ہی امر جاری ہے کہ ہر چیز کے اسباب بنائے ہیں اور ہیں ان اسباب کے استعمال کا حکم دیا ہے (مثلاً پانی پیاس ٹھکانے کے لیے، روٹی بھوک کے دفع کرنے کے لیے۔ آگ روٹی پکانے کے لیے، زمین کھیتی باڑی کے لیے، ادویہ کو دفعِ امراض کا سبب بنایا ہے۔ طیب اور ڈاکٹر کی طرف رجوع کا سبب ارشاد ہے) پس کارخانہِ اسباب و حکمت پر نظر کرنا اسی کا متقاضی ہے۔ لہذا یہ طلبِ مدد مخلوق سے ممنوع نہیں اور نہ یہ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کے معنی اور مدلول کے مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تَعَاوَنُوا عَلٰى الْبِرِّ التَّقْوٰى یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو پس یہ کہنا کہ مطلق مدد کا طلب کرنا جناب باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور اسی میں منحصر ہے صحیح نہیں۔

خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ پر مقدم کرنا حصر کا فائدہ بخشا ہے یعنی آپ کے غیر سے ہم مدد نہیں مانگتے اور یہ استعانت یا خاص عبادت میں ہے یا جمیع امور دنیویں میں۔ اگر خاص ہے

بلکہ عبادت مراد ہے بیضاوی۔ مدارک۔ معالم وغیرہ تمام تفاسیر میں بالاتفاق یہی معنی مذکور ہیں۔ پس عبادت غیر اللہ حرام اور شرک ہوتی نہ کہ آواز کرنا اور پکارنا۔

۳۔ تیسری آیت میں بھی يَدْ عُونَ سے مراد دعوت بطریق عبادت ہے اور انما سے مراد اصنام ہیں۔

۴۔ اور چوتھی آیت میں بھی يَدْ عُونَ کے معنی يَعْبُدُ کے ہیں اور مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ سے مراد بت ہیں۔ مدارک وغیرہ تفاسیر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ آیت پنجم میں بھی لَا تَدْعُ سے مراد لَا تَعْبُدُ ہے معالم وغیرہ تفاسیر میں یہی ہے۔ علامہ سیوطی اقصان میں فرماتے ہیں لفظ دُعَا کے کسی معانی ہیں ان میں سے ایک معنی عبادت کے بھی ہیں جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ۔

احادیث

۱۔ اَنْ تَدْعُوا لِلّٰهِ نِدَاءً سے مراد ہے اَنْ تَجْعَلَ لَهُ نِدَاءً (یہ کہ تو اُس کے لیے کسی کو شریک بنائے) حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بنائے تو پروردگار کا کوئی شریک اور مُساوی حالانکہ تو جانتا ہے کہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ "ملا علی قاری" نے مرقاة شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے اَنْ تَدْعُوا اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ قِسْطًا لِي نِي لِي لَا يَعْبُدُ دُونَ۔

۲۔ اس حدیث میں نَسْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلَيْكَ کے معنی یہ ہیں کہ ہم خود ذاتِ جل جلالہ کو آپ کی خدمت میں سفارشی لاتے ہیں اور یہ جملہ بایں معنی مذکور مستلزم ہے اس امر کو کہ جناب باری تعالیٰ جو یہاں شفیع بنائے گئے ہیں جناب سالما ت سے جو مشفوع بنائے گئے ہیں کم مرتبہ ہیں۔ حالانکہ یہ صریح کفر ہے۔ قرینہ اس پر یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فَشَانُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ ذَلِكَ فرمایا ہے اور جناب باری تعالیٰ کی عظمت کی وہ تفسیر فرمائی ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بلند مرتبہ ہیں۔ اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس امر کا قائل نہ ہو۔ اور نہ ہی یہ معنی یا شیخ عبد القادر جیلانی شینا اللہ کے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو حضرت شیخ کی جناب میں شفیع بنا رہے ہیں۔ اور حضرت شیخ کو مشفوع۔ اور اللہ تعالیٰ عزوجل کے نام مبارک کی حرمت سے کوئی چیز کسی سے مانگنے کی ممانعت نہیں بلکہ یہ چیز قرآن اور حدیث کی رو سے ثابت ہے۔ وَالتَّقْوَا اللّٰهُ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامِ رُدُّوْا اللّٰهُ تَعَالَى سے جس کے نام کا واسطہ دے کر تم لوگوں سے سوال کرتے ہو) تفسیر کبیر۔ عن ابن عباس قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اسْتَعَاذَ بِاللّٰهِ فَاَعِيذُ وَهُوَ مَنْ سَأَلَ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوهُ۔ رواه نسائي وغيره (جو اللہ تعالیٰ کے نام کے واسطہ سے پناہ مانگے اُسے پناہ دو اور جو اُس کے واسطہ سے سوال کرے اُسے عطا کرو) اس مضمون پر احادیث کثیرہ موجود ہیں مگر بخيال طوالت نقل نہیں کی جاتیں۔

۳۔ تیسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود بیان توکل ہے جو بہت بلند مقام ہے اور خواص کے لیے مخصوص ہے پس خواص کے لیے اسباب کی طرف توجہ اور انہماک موجب تنزل ہے چنانچہ وارد ہوا ہے کہ حسنات الابرار سیتات المقرّبین اور اس سے مقصود نہیں کہ بنی نوع سے مدد مانگنا اور انبیاء و اولیاء کی ارواح طیبہ سے استمداد اور اسباب کے ساتھ توکل مطلقاً ممنوع اور حرام ہو۔ نہایت میں ہے۔ هَذَا مِنْ

صِفَاتِ الْأَوْلِيَاءِ الْمُعْرِضِينَ عَنِ اسْبَابِ الدُّنْيَا وَعَوَائِقِهَا الَّذِينَ لَا يَلْتَفِتُونَ إِلَى شَيْءٍ مِنْ عِلَائِقِهَا وَتِلْكَ دَرَجَةُ الْخَوَاصِّ لَا يَبْلُغُهَا غَيْرُهُمْ وَأَقَالُ الْعَوَامِّ فَرُحِّصْ لَهُمْ فِي التَّدَاوِيِ وَالْمَعَالِجَاتِ (یہ اولیاء اللہ کی صفات ہیں جو اسباب دنیا سے اعراض کرتے ہیں اور دنیوی علایق کی طرف التفات نہیں کرتے۔ یہ خواص کا درجہ ہے دوسروں کا وہاں گزر نہیں۔ عوام کے لیے دوا و معالجہ اور اسباب ذرائع اختیار کرنے کی اجازت ہے)

حضور سرور کائنات کے بعض خاص ارشادات حسب المراتب ہوتے تھے

بہر حال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعض ارشادات مخاطب کی استعداد اور حیثیت کے مطابق فرمایا کرتے تھے اور وہ عام نہیں ہوتے تھے۔ دیکھئے جب صدیق اکبرؓ نے اپنا تمام مال خیرات کر دیا تو آپ نے انکار نہیں فرمایا۔ اس واسطے کہ ان کے یقین اور صبر اور توکل پر نظر تھی اور جب دوسرے ایک صحابی نے سب مال خیرات کیا تو آپ نے منع فرما دیا۔ اسی طرح جب یوسف صدیق علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر اللہ سے یہ کہہ کر مدد مانگی کہ اذکر فی عند ربک (اپنے بادشاہ سے میری سفارش کرنا) تو چونکہ یہ مقام نبوت کے مناسب نہ تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسف پر رحم فرمائے۔ اگر اذکر فی عند ربک نہ کہتے تو سات سال جیل خانہ میں نہ رہتے حالانکہ یہ چیز شرعاً ممنوع نہ تھی کہ ایک گناہ مظلوم جیل خانہ میں پڑا ہو اور بادشاہ کے پاس اپنی حالت بیان کروائے۔

حضرت سلطان الزاہدین گنج شکر کے سہارے اور توکل کا ایک واقعہ

نقل ہے کہ حضرت سلطان الزاہدین فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ جب ایک مرض سے تندرست ہوئے تو بوجہ ضعف چند قدم عصا پر تکیہ کر کے چلے اور پھر فوراً عصا کو پھینک دیا اور چہرہ مبارک سے ناخوشی کے آثار نمودار ہوئے بعد میں مناسب موقع پر ایک شخص نے سبب دریافت کیا تو فرمایا جب میں چند قدم اس عصا پر سہارا لے کر چلا تو ہاتھ سے آواز آئی کہ اے فریداب تک تو ہم ہی تیرا تکیہ اور سہارا تھے اب خلاف عادت ہمارے غیر پر تکیہ کیا۔ اس وجہ سے میں نے عصا کو پھینک دیا تھا۔

شخص کی مبداء فیاض سے ایک خاص خصوصیت

(تنبیہ) جاننا چاہیے کہ ہر انسان بلکہ ہر مخلوق کو مبداء فیاض سے ایک خصوصیت اور خاص شان ملی ہے جو دوسری مخلوق کی شان سے الگ اور ممتاز ہے اور وہ شان مبنی اور منشا ہے ترتب احکام ممتازہ اور ظہور آثار محققہ کا۔ اور لازم نہیں کہ بنی نوع پر فضیلت مطلقہ کا سبب بنے پس حضرت گنج شکر رضی اللہ عنہ کے اس قصہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر ان کی فضیلت ثابت ہو جائے۔ عَلَيْنَا بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ (ہمارے لیے سواد اعظم امت اسلامیہ کے ساتھ تسک لازم ہے) اور حدیث دیگر لَنْ يَجْمَعَ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی) اور مقولہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَارَأَهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ (جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہے) کو نظر کے سامنے رکھنا چاہیے تاکہ اپنی تصور فہمی سے آیات اور احادیث کے

درمیان تعارض اور تناقض نظر نہ آئے اور یہ حدیث صادق نہ آجائے۔ اِذَا سَمِعْتَ الرَّجُلَ يَقُولُ هَذَا النَّاسِ فَهُوَ
 اَهْلُكُمْ رجب تمہے کوئی شخص یہ کہتا ہو اُسائی دے کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو وہ اُن میں سب سے زیادہ ہلاکت میں پڑنے
 والا ہے) اس حدیث کی شرح میں حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اس حدیث کا ایک دوسرا معنی
 ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ شخص جمہورِ مسلمین اور اکثرِ صالحینِ علم کی مخالفت کرے اور ان کے قول کے خلاف ایک قول گھڑ لے
 اور پھر ان لوگوں پر طعن اور انکار کرے۔

اب اللہ تعالیٰ کے قول مبارک اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کو ہی دیکھئے! اگر اس کے متعلق یہ زعم اور خیال ہو کہ یہ مطلق استعانت
 پر صہ ہے تو مناقض ہو جائے گا آیہ شریف تَعَاذُ نُوَاعِلِي الْبِدَةِ التَّقْوَىٰ کے اس واسطے کہ اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ
 نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی اعانت کیا کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدًا کا جب یہ معنی
 خیال میں رکھا جاوے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی دوسرے کی ہرگز ہرگز حاجت نہیں اور کسی کام میں بھی کسی دوسرے کی
 ضرورت نہیں تو یہ آیت شریف مناقض ہو جائے گی۔ آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاؤُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوْا
 اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوْا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا کی، جہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر گنہگار آپ کی خدمت
 میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور آپ بھی اُن کے حق میں استغفار کریں تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو تواب اور رحیم
 پائیں گے۔

چونکہ اِنَّ الْقُرْآنَ يَفْتِسِرُ بَعْضُهُ بَعْضًا (قرآن مجید کی بعض آیات دوسری بعض آیات کی تفسیر کر دیتی ہیں) وارد ہوا ہے
 اور یہ ساری قرآن مجید ہی کی آیات ہیں لہذا تمام آیات کی رعایت اور ہر ایک کے اپنے موقعہ اور مرتبہ کی نگہداشت ملحوظ رہنی
 چاہیے۔ اب آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ جناب الہی کا اپنے بندوں کے لیے کافی ہونا اور سميع و بصير ہونا اس چیز کے منافی نہیں کہ
 محبوبانِ حق میں سے کسی محبوب کی طرف التجالے جانی جائے یا اُن سے اپنی حاجات میں توسل اختیار کیا جائے۔ اس واسطے کہ
 اللہ جل شانہ نے باوجود اپنے کافی ہونے اور سميع و بصير بلا واسطہ ہونے کے گنہگاروں کی مغفرت کو بارگاہِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ
 والسلام میں حاضر ہو کر حضورؐ سے مغفرت طلبی پر موقوف اور وابستہ فرمایا۔

بدرگاہِ شمس بیاوہر چہ خواہی تمنا کن

ربیع بن کعبؓ سے مروی ہے کہ میں رات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ ایک رات میں حضورؐ کے
 لیے وضو کا پانی اور دیگر ضروریات لایا تو حضورؐ نے فرمایا جو چاہے مجھ سے مانگ لے میں نے سوال کیا کہ بہشت میں آپ کی
 رفاقت مانگتا ہوں حضورؐ نے فرمایا اس کے سوائے کچھ مانگ میں نے عرض کیا صرف یہی چیز مانگتا ہوں۔ فرمایا پھر کثرتِ سجود سے
 میری اعانت کر (مسلم) اس حدیث میں کلمہ نسل (سوال کر) اور اَوْ غَيْرُ ذَلِكَ (اس کے سوا کوئی اور سوال کر) کو ملاحظہ کرنا چاہیے۔
 اس لیے کہ نسل کا مفعول اور اَوْ غَيْرُ ذَلِكَ کا مفعول ذکر نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مستول اور مطلوب میں کمالِ وسعت اور
 اطلاق ہے حضرت شیخ عبدالحقؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ نسل کو مطلق فرمایا ہے۔ اور مسؤل کو معین نہیں فرمایا اور مطلوب
 کو خاص نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کام آپ کے دستِ بخت و کرامت سے وابستہ ہیں کہ جو کچھ چاہیں اور جس کو
 چاہیں باذن پروردگار تقدس و تعالیٰ عطا فرمائیں۔

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتْهَا وَمِنْ عُلُومِكَ عَلَمُ اللُّوحِ وَالْقَلَمِ

اگر خیریتِ دُنیا و معنی آرزو داری

بدرگاہش بیا دہر چہے خواہی تمنا کن

(دُنیا و آخرت آپ کے جود و سخا کے اجزاء ہیں۔ اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہیں۔

اگر دُنیا و معنی کی خیریت کی آرزو ہے تو حضور کی درگاہ میں حاضر ہو اور جو چاہتا ہے مانگ لے۔)

اسی موضوع پر علامہ علی قاری لکھتے ہیں "سَلِّ" کا معنی ہے مجھ سے اپنی حاجت طلب کر لے۔ اور ابن حجر اس کا مطلب فرماتے

ہیں تو نے جو میری خدمت کی ہے میں اس کے مقابلہ میں تیری حاجت کو بطور تحفہ کے پورا کروں گا۔ اس واسطے کہ ارباب کرم کا

یہی طریقہ ہے۔ اور آپ سے زیادہ کوئی کریم نہیں۔ آپ کے امر سوال کو مطلق چھوڑ دینے سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

اپنے خزانہ میں تصرف کا حق آپ کو عطا فرمایا ہے اور جو چیز کسی کو عطا فرمانا چاہیں اُس کا آپ کو اختیار دے رکھا ہے۔

ابن سبغ نے نخصائص میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی زمین آپ کو بطور جاگیر عطا فرمادی ہے جسے چاہیں عینی

عطا فرمادیں۔ (احقاق الحق)

عقیدہ شفاعت

سوال مُشرکین بھی اپنے بتوں کو زمین و آسمان کا خالق نہیں جانتے تھے بلکہ وہ بتوں کو اپنا شفیع اور وسیلہ بناتے تھے۔ جیسا کہ

اس آیت شریف سے سمجھا جاتا ہے۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ۔ پس

مومنین جو انبیاء اور اولیاء کی شفاعت اور توسل کا عقیدہ رکھتے ہیں اور مُشرکین جو اصنام (بت) کی شفاعت اور توسل کا عقیدہ

رکھتے ہیں ان کے درمیان کوئی فرق نہ رہا۔ اس واسطے کہ انبیاء و اولیاء اور اصنام سب ماسوی اللہ ہیں۔ اگر کوئی فرق ہے

تو بیان کر دو۔

جواب۔ فرق واضح ہے مُشرکین اپنے اصنام (بتوں) کو معبود اور مستحق عبادت جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے

بطور حکایت فرمایا ہے مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ان

کا رد کیا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُشرکین کہتے تھے کہ جس طرح بادشاہ اپنے خادموں کو خاص خدمت کے بدلے میں کوئی

ملک یا شہر دے دیتے ہیں اور اس ملک یا شہر کی تدبیر اسی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اور وہ خادم اس ملک یا شہر کا مستقل

بادشاہ اور متصرف ہوتا ہے اور اُس ملک یا شہر کے لوگ اُس کو بادشاہ جانتے ہیں۔ اسی طرح یہ اصنام ہیں حکیم الامت

شاہ ولی اللہ مجتہد اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ مُشرکین بڑے بڑے کاموں کی تدبیر کے بارہ میں مومنین کے موافق ہیں کہ یہ

سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور کسی دوسرے کا کچھ اختیار نہیں۔ مگر باقی امور میں اور چھوٹے چھوٹے کاموں

میں مومنین کے موافق نہیں ہیں۔ وہ (مُشرکین) کہتے ہیں کہ ہم سے پہلے صاحبین گزرے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی

لے اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور جواب دیں گے اللہ نے۔

مے ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے تاکہ وہ ہمیں خدا کے قریب کر دیں۔

عبادت کی اور اُس کا قُرب حاصل کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اُلُوبیت دی اور وہ تمام مخلوق کے لیے مُستحق عبادت ٹھہرے۔ جیسے کوئی شہنشاہ کہ اُس کا فِلام اُس کی خدمت کرتا ہے اور اچھی خدمت کرتا ہے پس بادشاہ اُسے بادشاہی کی خلعت عطا کرتا ہے اور اُس کی طرف کسی شہر کی تدبیر سونپ دیتا ہے۔ پس اُس شہر کے باشندے اُس کے احکام کو سُن کر اطاعت کرتے ہیں اور وہ اس اطاعت کا مستحق ہوتا ہے۔ نیز مُشرکین کا مذہب تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی صورت میں مقبول ہوتی ہے جب کہ اُس کی عبادت کے ساتھ ان صالحین کی عبادت بھی بل جائے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت تنہا ہو تو مقبول نہیں ہوتی بلکہ حق تعالیٰ نہایت علو اور بلندی میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی عبادت اُس کے تقرب کے لیے بالکل مُفید نہیں بلکہ ان صالحین کی عبادت ضروری ہے اور یہ صالحین اب بھی سُنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور اپنی عبادت کرنے والوں کی شفاعت کرتے ہیں اور ان کے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں اور ان کی نصرت کرتے ہیں۔ پھر ان صالحین کے ناموں سے پتھروں کو کھڑا کر دیا اور صالحین کی طرف توجہ کرتے وقت ان پتھروں کو قبلہ بنایا۔ اس کے بعد ان کی اولاد ہوئی جنہوں نے ان بتوں اور ان صالحین کے درمیان جن کے نام پر یہ بت بنائے گئے تھے کوئی فرق نہ کیا اور اُنہیں بتوں کو بعینہ معبود یقین کر لیا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان مُشرکین پر مختلف طور پر رد فرمایا۔ کبھی فرمایا کہ حکم اور ملک خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور کبھی فرمایا کہ یہ بت بے دست و پا ہیں نہ ان کے پاؤں ہیں کہ چل سکیں، نہ ہاتھ ہیں کہ پکڑ سکیں، نہ آنکھیں ہیں کہ دیکھ سکیں، نہ کان ہیں کہ سُن سکیں۔“

انبیاء کرام اور اولیاء عظام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کو منصب شفاعت یا ذن الہی ثابت ہے۔ اور اصنام کو ہرگز ہرگز یہ بات حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ الْاَلْبَاذِيْنِهٖ (کون ہے جو اس کی اجازت اور حکم کے سوا شفاعت کرے) قال عليه الصلوة والسلام اُعْطِيَتْ الشَّفَاعَةَ (حضور فرماتے ہیں) (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے شفاعت کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ (رواہ ابن ماجہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن تین قسم کے اشخاص شفاعت کریں گے پہلے انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔

سَمَاعِ مَوْتِي

سوال۔ مُردوں کا کچھ نہ سُننا قرآن مجید سے ثابت ہے: اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتِي وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ تو مُردوں کو نہیں سُناسکتا اور نہ اُن لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔

اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی مذہب ہے اور اسی آیت سے اُنہوں نے استدلال کیا ہے۔ اور حدیث: مَا اَنْتُمْ بِاَسْمِعَ كِي تَاوِيْلُ كِي هِيَ جَسَاكُمُ بِنَجَارِي شَرِيْفِي فِي هِيَ بِسُ مَرْدُوں سِي مَدْمَا نَكْمَا بِي فَا مَد هِي۔

جواب۔ آیت مذکورہ میں جس سماعت کی نفی کی گئی ہے اُسی کو اِنْ تَسْمِعُ الْاَمْنِ يَوْمِيْنِ بَايَا تَنَا اَب نِهِي سُنَاتِي مَكْرَانِ لُوگوں كُو جُو هَامِي آيَاتِ پَر اِمِيَانِ رَكْتِي هِي فِي مِي ثَابِتِ كِيَا كِيَا هِي۔ اور اثبات بطریق حصر كِيَا كِيَا هِي۔

(مترجم۔ یعنی قرآن شریف میں یہ آیات اس طرح مذکور ہیں: اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتِي اَوْ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ اَوْ اِنْ تَسْمِعُ الْاَمْنِ يَوْمِيْنِ بَايَا تَنَا۔ ان آیات پر جب غور كِيَا جَاتِي تُو معلوم ہوتا ہے كُو اَسْمَاعِ كِي نَفْيِ كِي كِيَا هِي، مَوْتِي اَوْ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ سِي اَوْ اَثَابِتِ كِيَا كِيَا هِي مَكْرَحِ كِيَا كِيَا هِي مَنْ

يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا، تو معلوم ہوا کہ جو اسماعِ منفی ہے وہی مثبت ہے اگرچہ اسماع کے متعلقین ہر دو جگہ مختلف ہیں مگر اسماع ایک ہی ہے)

ظاہر ہے کہ جس اسماع کا اثبات مومنین کے لیے کیا گیا ہے وہ اسماعِ اجابت ہے نہ مطلق۔

مستحکم۔ کفار سے نفی بھی اسماعِ اجابت کی ہوگی۔ پس اگر مَوْتِي سے اَوْرَمَنْ فِي الْقُبُورِ سے ان کے حقیقی معنی لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جو مَرْتے حالت کُفر میں مر گئے ہیں وہ اب آپ کے کلام کو سُن کر اجابت نہیں کر سکتے کیونکہ وہ دَارِ تَحْلِيْف سے نکل چکے ہیں۔ ان کا کُفر اب زائل نہیں ہو سکتا۔ یعنی ان کو اب کوئی نفع نہیں ہو سکتا۔ پس اس لحاظ سے مَنْ يُوْمِنُ سے مومن مَرْتے بھی مراد لیے جائیں گے یعنی ان کو آپ کا کلام سُننے سے نفع ہوتا ہے۔ اور اگر مَوْتِي اَوْرَمَنْ فِي الْقُبُورِ سے موٹی قلب میں یعنی زندہ کافر جو اصرار کُفر پر کرتے ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ کُفار مُصْرِب ہیں آپ کا کلام سُن کر اجابت نہیں کریں گے اور اسلام نہ لائیں گے۔ ہاں مومن جو ایمان لانا چاہتے ہیں اور ایمان میں پختگی چاہتے ہیں وہ آپ کا کلام سُن کر ضرور قبول کریں گے۔ اور اگر مُراد مطلق اسماع ہو تو اُس کی نفی غیر ممکن ہے۔ اس واسطے کہ اگر کُفار مُصْرِب نے آپ کا کلام مُبارک مطلق سُننا ہی نہیں تو کُفر کیسا؟ کُفر کہتے ہیں انکار کو۔ جب کوئی کلام ایک شخص سُننا ہی نہیں تو وہ اس کا انکار کیسے کریگا؟ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دوسری صورت میں آیت شریف ما نحن فيه خارج ہوگئی اور پہلی صورت میں بھی اسماع نافع کی نفی ہوتی نہ مطلق اسماع کی۔

قبور پر دُعائے مغفرت

اس سوال کے جواب میں کہ قبور پر دُعائے مغفرت اہل قبور کے لیے جانا مسنون ہے نہ کہ استمداد کی غرض سے، فرماتے ہیں کہ ہاں مسنون ہی ہے جیسا کہ سوال کیا گیا لیکن اس سے ارواحِ کاہلین کی جناب میں استعانت کا عدم جواز قائم نہ ہوا۔ آیت: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ (نیکی اور تقویٰ کے امور میں اعانت کرو) کی رُو سے احیاء اور اموات دونوں سے استعانت کی اجازت ہے چنانچہ احیاء سے استعانت تو ظاہر اور واضح ہے لیکن اموات سے استعانت کے معاملہ میں یہ چیز قابلِ غور ہے کہ ارواحِ زندہ ہیں۔ موت اور زوالِ حیات اُن کے ابدان پر واقع ہوتی ہے۔ ہاں ارواحِ پر موت کا اثر فقط اسی قدر ہے کہ وہ ابدان سے جدا ہو جاتی ہیں اور یہ چیز اُن کے خُداداد قوی اور تصرفات کی زیادتی کا باعث ہوتی ہے۔ اس مقصد کی تائید میں حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ اور حضرت شیخ اکبرؒ کی فتوحات کے حوالہ جات قلبندہ ماکرِ آخر میں لکھتے ہیں:-

حاصل کلام یہ کہ خود ساختہ اصنام اور تماثل اور ارواحِ کاہلین کے درمیان فرق بین اور امتیاز غالب

ہے۔ لہذا اصنام کے بارہ میں نازل شدہ آیات کو انبیائے عظام اور اولیائے کرام کی ذواتِ مبارکہ پر چسپا

کرنا، جیسا کہ تقویۃ الایمان میں ہے، تحریفِ قبیح اور تخریبِ شنیع کا حکم رکھتا ہے۔

کتاب کے آخر میں ذبح فوق العتدہ اور لزوم کُفر اور التزام کُفر کے درمیان فرق پر محققانہ تبصرہ ہے اور اربابِ تحقیق

کے لیے قابلِ دید ہے۔

پانچویں فصل

الفتوحات المصنّعة

۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء

وجہ تالیف

حضرت کی تصنیف غیر مقلدین کے اُن دس سوالات کے جوابات سے متعلق ہے جو انہوں نے مدرسہ دارالعلوم نعمانیہ لاہور کے ایک طالب علم قائم علی حسینی کے ساتھ تحریری بحث کے دوران کیے تھے۔ اس کا ذکر باب ارشاد میں بھی آچکا ہے۔ اگرچہ اُن کا ردّے سخن اُس طالب علم کی طرف تھا مگر چونکہ اُن کا خیال تھا کہ اس بحث کے درپردہ اُس طالب علم کے راہنما حضرت تھے اس لیے اپنی تحریر میں انہوں نے حضرت کو بھی مخاطب بنایا۔ اُن کے سوالات کے جوابات مدرسہ نعمانیہ کے اساتذہ تیار کرنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر حضرت کے ایک نیاز مند نے ایک عرضیہ کے ذریعے استدعا کی کہ چونکہ مخالفین نے آپ کا نام نامی بھی اس بحث میں شامل کیا ہے اس لیے بہت مناسب ہوگا کہ جواب آپ ہی تحریر فرمائیں۔ جس وقت یہ خط حضرت کی خدمت میں پہنچا آپ پشاور تشریف لے جا رہے تھے۔ دوران سفر ہی آپ نے ان سوالات کے جواب بغیر کسی کتاب سے استفادہ کیے بکھوائیے۔ یہ سوالات مختصر اپنے تحریر کیے جاتیں گے۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مخالفین نے اُن کی تیاری میں بڑی محنت اور کاوش سے کام لیا تھا نہایت ادق ہونے کے علاوہ یہ نہ صرف اُن موضوعات سے متعلق تھے جو آج سے صدیوں قبل مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ، ہمییہ وغیرہ کے درمیان متنازعہ فیہ رہ چکے تھے مثلاً الہیات، کلام باری تعلق وغیرہ بلکہ ایسے موضوعات بھی شامل کیے گئے تھے جیسے علم ہستی، فلسفہ، اقلیدس اور بعض مشہورالغاز۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین حضرت کی وسعت علمی کا امتحان کرنا چاہتے تھے۔ اُن کے خیال میں یہ ممکن نہ تھا کہ ایک ہی شخص اتنے مختلف النوع مضامین میں اتنی مہارت رکھتا ہو کہ ان سب سوالات کا جواب دے سکے مگر جیسا کہ پہلے ہی بیان ہو چکا ہے حضرت کو قدرت نے علم لدنی سے نوازا تھا چنانچہ آپ نے تمام سوالات کے نہایت مفصل جوابات دیئے مخالفین نے اپنے سوالات کے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ ان کا جواب دینے والوں کو ہم پر بھی سوال کرنے کا حق ہوگا۔ اس لیے جوابات بکھوانے کے ساتھ ہی حضرت نے اپنی طرف سے ۱۲ سوالات اُنہی اور دیگر مضامین کے متعلق مخالفین پر کیے جن کا جواب آج اتنی مدت گزر جانے پر بھی اُن سے نہیں بن آیا۔

غیر مقلدین کے سوالات

مخالفین کے سوالات مختصر ایہ تھے :-

۱۔ علم لغت :- صاحب قانوس شیخ مجد الدین فیروز آبادی کے اشکالات جو انہوں نے ابونصر اسمعیل بن حماد جوہری صاحب

صحاح پر وارد کیے، اُن کی تشریح مانگی گئی۔

- ۲۔ علم التصریف والادب :- عولیدہ ابن الکمال کے اقوال متعلقہ اعلال لائحون پر اشکال اور اُس کا جواب مانگا گیا۔
- ۳۔ علم الحروف والہیئۃ :- علامہ رشید الدین الفاروقی کی منظوم لغز (پہلی) درج کر کے اُس کا حل دریافت کیا۔
- ۴۔ علم فقہ :- صاحب وقایہ کی عبارت مندرجہ کتاب البیوع پر علامہ فناری کے اشکال کا حل طلب کیا۔
- ۵۔ علم الکلام :- کلام الہی کے بارے میں سوالات جن کی تفصیل نیچے علیحدہ دی جائے گی۔
- ۶۔ علم فلسفہ :- دریافت کب تک تسلسل اور دور کے کتنے اقسام ہیں۔ کون سا ممنوع، کون سا جائز اور کون سا مختلف فیہ۔
- ۷۔ علم تفسیر :- تاویل کے معنی اور تاویل صحیح جائز اور تاویل فاسد غیر صحیح کے مابین فرق دریافت کیا ہے۔
- ۸۔ علم فلسفہ :- امکان وحدوث ذاتی ومکانی کی حد اور تعریف اور اس تقسیم کا موجب کون تھا؟ نیز تقسیم صحیح ہے یا باطل؟
- ۹۔ علم اقلیدس :- نظام جو طفرہ کا قائل ہے اُس کے متعلق سوال اور جوابا جیومیٹری کی شکل بنا کر توضیح مانگی ہے۔
- ۱۰۔ علم منطق :- اصطلاح کلی ذاتی اور کلی عرضی کے درمیان فرق دریافت کیا ہے نیز یہ کہ باوجود متساوی المقادیر ہونے کے بحسب اللزوم ایک ذاتی اور دوسری عرضی کیوں قرار دی گئی۔

حضرت نے جوابات کے شروع میں ذات حق کی تہذیب و تقدیس کے متعلق ایک خطبہ عربی زبان میں تحریر فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ ذات پاک مخلوق کے فہم ودہم وادراک سے بالاتر ہے اور معرفت الہی میں حضرات صوفیائے کرام کامسکاب ہی اکمل ہے کیونکہ وہ حضرات جو کچھ کہتے ہیں اُس کی اساس محض عقل اور علوم ظاہرہ پر نہیں بلکہ کشف صحیح اور علوم لدنیہ پر ہوتی ہے۔ اور وہ حسب ارشاد نبوی خدا کے ساتھ دیکھتے، سُننے، بولتے اور پکڑتے ہیں۔ بخلاف اُن لوگوں کے جو ساری عمر علوم ظاہرہ ہی محدود رہے اور کشف و عیان کے میدان وسیع میں قدم نہ رکھا۔ اگر یہ حضرات بھی انبیاء علیہم السلام اور اُن کے وارثین کامل اولیائے کرام کے ساتھ حسن ظن رکھتے تو یقیناً اُن کی ارواح طیبہ کی توجہ اور برکت سے اُنہیں بھی اُن کے حسب استعداد علوم لدنیہ سے بہرہ دہری ہوتی۔ اولیائے کرام کے مشکوفات اور مسئلہ توحید وجودی پر شیخ ابن تیمیہ اور اُن کے تبعین کے اعتراضات پر حضرت نے سخت افسوس ظاہر فرمایا کیونکہ انہوں نے ان دقیق مسائل کو محض اس لیے اپنے اعتراضات کا ہدف بنایا کہ وہ اُن کے ادراک و فہم سے بالاتر تھے۔ حالانکہ جب تک کوئی چیز نص شرعی کے خلاف نہ ہو، ایسا کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ تمام ایسے علوم غیبیہ کے متعلق ہمیں حکم ہے کہ اُن پر ایمان لائیں اور حقیقت خدا کی طرف تفویض کریں۔

غیر متقلدین کا سوال پنجم

سوال نمبر پانچ بہت طویل تھا اور اُس کی کئی شقیں تھیں اس لیے حضرت نے سب سے پہلے اسی کا جواب لکھوایا۔
سوال کی اجمالاً تفصیل یوں ہے :-

کلام الہی قدرت اور مشیت کے نیچے داخل ہے یا نہیں؟ اور خدا سے عزوجل کی ذات کے ساتھ قائم ہے یا قائم نہیں بلکہ خارج ومنفصل ہے؟ اگر کلام نفسی ہے تو حروف و اصوات کس کے ساتھ قائم ہوئے اور اولاً کس سے ظاہر صادر ہوئے؟ یہ مخلوق ہیں یا غیر مخلوق؟ قدیم ہیں یا حادث؟ اور حکایت ہیں یا عبارت؟ حادث و مخلوق کے درمیان نسبت رابعہ میں سے کون سی نسبت ہے؟ اگر قدیم ہیں تو کس طرح؟ تسلسل آثار آپ کے نزدیک ماضی مستقبل دونوں میں جائز ممکن ہے یا

دنوں میں تمتع و محال ہے؛ مجتہد امتناع کیا ہے؛ تمام افعال باری تعالیٰ کیا لازمی طور تساوی الاتہام ہیں؟ ... آخر میں کہا ہے کہ اپنا مذہب و مشرب کلام باری تعالیٰ کے بارہ میں بیان کر کے اُس پر بُرہان قائم کریں اور جو اعتراض اُس پر وارد ہوتا ہے اُس کا جواب دیں۔

سوال پنجم کے جواب کا خلاصہ

جیسا کہ ظاہر ہے اس طویل سوال کا جواب بھی ویسا ہی طویل ہوگا اور اُس کا پورے طور پر نقل کرنا یہاں ممکن نہیں حضرت اپنے جواب میں اس موضوع پر مختلف مکاتیب خیال کا مسلک تفصیلاً بیان فرمایا ہے اور اُن کے مابین وجہ اختلاف اور اعتراضات و اشکال کو بڑی وضاحت سے سامنے رکھا ہے جس سے صرف اہل علم حضرات ہی کتاب سے مطالعہ کر کے محظوظ ہو سکتے ہیں اپنے مشرب کے متعلق جو بیان فرمایا وہ مختصراً یوں ہے :-

”میں چونکہ اہل حق صوفیائے کرام خصوصاً سیدی و سندی و شیخی و شیخ الکلی فی زمانہ حضرت خواجہ محمد شمس الدین صاحبِ چشتی نظامی فخری سلیمانی (سیالوی) قدس سرہم کا اور حضرت جدی و شیخی فی القادریہ پیر فضل الدین صاحب الحسینی الگیلانی کا دامن گرفتہ ہوں میرا مذہب آپ اہل حق کے کلمات ذیل سے معلوم کر سکتے ہیں :-

۱۔ حضرت شیخ علی خواص فرماتے ہیں :-

خبردار، آیات و اخبار صفات (الہیہ) میں تاویل نہ کرنا کیونکہ اس میں شیطان کا خفیہ فریب ہے۔ تاکہ عین ما انزل اللہ کے ساتھ مومن کا ایمان فوت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :- رسول اور ایمان لانے والے ایمان لائے اُس کے ساتھ جو رسول کی طرف اُس کے رب سے نازل کیا گیا۔ لہذا تاویل کرنے والا حقیقت میں اپنی عقلی تاویل پر ایمان رکھتا ہے نہ بعینہ اُس چیز پر جو خدا نے نازل فرمائی۔

ایاک ان توول اخبار الصفات فان فی ذلک دسیسة من الشیطان لیفوت المؤمن الایمان بعین ما انزل اللہ۔ قال تعالیٰ ”أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ“ وَهَذَا الْمَوْلُ مَا مِنْ حَقِيقَةِ الْأَبْمَاؤَلِ بِعَقْلِهِ فَفَاتَهُ الْإِيْمَانُ بِعَيْنِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِلیتَأَمَّلْ۔ انتہی۔

۲۔ اُستاد ابواسحاق اسفرائینی فرماتے ہیں۔ توحید کے بارہ میں مکالمین کا سب ذخیرہ اہل حق نے صرف کلمات میں جمع کر دیا ہے۔ الاولی اعتقاد ان کلمات تصور فی الاوہام فاللہ بخلافہ رہیلا یہ اعتقاد کہ جو کچھ اوہام و تصورات میں آئے اللہ تعالیٰ اُس کے خلاف ہے) الثانیہ اعتقاد ان ذاتہ تعالیٰ لیست مُشبهة بذات ولا معطلة عن الصفات وقد اكد ذلک تعالیٰ بقوله ”وَلَمْ یَكُنْ لَهُ کُفُوًا أَحَدٌ“ رد و سرایہ اعتقاد کہ خدا کی ذات کسی ذات سے مشابہ نہیں اور نہ صفات سے معتر ہے۔ ارشاد الہی ”وَلَمْ یَكُنْ لَهُ کُفُوًا أَحَدٌ“ اس کی تاکید کر رہا ہے۔ یعنی کوئی چیز اُس کے برابر نہیں (کُفُوًا)۔

۳۔ اس کے بعد حضرت شیخ اکبر کے چند اقوال از راہ بُرہان بیان فرمائے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے :-

قال الشیخ الاکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدار صحة العقائد علی حصول الجزم بہا حثی ان من اخذ ایمانہ تقلیداً جزماً للشارع کان اعصم و

صحت عقائد کا مدار حصول جزم (یقین) پر ہے۔ لہذا جس شخص نے شارع علیہ السلام سے تقلیدی طور پر ایمان حاصل کر کے یقین کر لیا وہ اس سے زیادہ مضبوط ہے جو

ادثن من یلخذ ایمانہ عن الادلة وذالك لما
یتطرق الیہا اذا کان حاذقاً فظناً من الحیرة
والدخیل فی ادلتہ وایراد الشبہ علیہا فلا یثبت
لہ قدم ولا ساق یعتمد علیہا فیخاف علیہ المہلک۔
دلایل سے ایمان حاصل کرتا ہے کیونکہ اُس کے دلایل میں
شکوہ و شبہات راہ پکڑ سکتے ہیں جن کی وجہ سے اُس کے
رسوخ و استحکام کے زوال اور ہلاکت کا خطرہ لگا
رہتا ہے۔

ان اقوال کے آخر میں حضرت فرماتے ہیں :-

”پس ہمارے لیے لیس کی مثلہ شئیؑ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ السُّورِیُّ (۱۱) ”وَلَعَلَّ یُکُنْ لَّہُ کُفُوًا اَحَدٌ“
(الاحلاص: ۴) وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰی تَکْلِیْمًا (النساء: ۱۶۴) و امثال ذالک کلام الہی سے جس میں
جس سے یقیناً معلوم ہو سکتا ہے کہ القرآن کلام الہی اور مقالات صحابہ کرام کے بموجب القرآن کلام الہی غیر مخلوق“

غیر مقلدین پر حضرت کے بارہ سوالات

مخالفین سے جو سوالات حضرت نے استفسار فرمائے وہ مختصر اویں تھے :-

۱۔ علم الحروف :- سیدنا محمد بن علی کا قول متعلقہ حروف تہجی بیان فرما کر اُس کا مطلب نیز حروف تہجی کی ترتیب
کذابی کی وجہ دریافت فرمائی ہے۔

۲۔ علم ہیئت :- عویصہ ابن الکمال کا قول بیان فرما کر اُس کی توجیہ دریافت فرمائی ہے۔

۳۔ علم ریاضی :- صاحب بن یونس رضی اللہ عنہما کی لغز (پہلی) کا مطلب دریافت فرمایا ہے۔ مخالفین کی لغز کے برعکس یہ نہایت
ہی مختصر لغز ہے اور مندرج ذیل ہے :-

”الاسم الذی مرکب عن عشرين وثلثین بینہما حسا ومعنی وقد یتربک حسا ومعنی من
ثمانیة وثمانین ومائین وستة عدادا فاذا جمعتہما علی وجه مخصوص من غیر اسقاط
الستة کان اسما مرکبا وان اسقطت الستة کان اسما غیر مرکب۔“

۴۔ علم فقہ :- یہ سوال بھی نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں یوں ہے :-

”فقہاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی عبارت ذیل (بلوغ ظل کل شئی مثلہ سوی فی الزوال) میں استثناء
کا ماخذ اور ہیئت بیان فرمادیں۔“

۵۔ علم الکلام :- کلام الہی اور حروف و اصوات کے متعلق اشعری، ابن کلاب، ہشام بن الحکم، ابن سینا وغیرہ کے
اقوال بیان فرما کر ان میں سے کسی ایک قول کی صحت و حقیقت کو محققانہ طور پر ثابت کرنے کو کہا ہے۔ نیز یہ استفسار
فرمایا ہے کہ آپ صفات باری تعالیٰ بجز اسمہ کو میں ذات مانتے ہیں یا لا میں اور برتتدیر ثانی مسلک کی کسی مختلف
شعقوں میں سے کسی ایک شق کو لے کر مطلق صفت کا ثبوت مدلل طور پر دیں۔“

۶۔ علم اقلیدس :- یہ بھی مختصر سوال ہے اور ناظرین کی دلچسپی کے لیے مکمل درج کیا جاتا ہے۔ اقلیدس میں کون سی شکل
ہے جس سے توحید ثابت ہوتی ہے اور وہ کون سی جس سے قابل بالتعلیث بزم خود متمسک ہوتا ہے۔ اور پھر
اقلیدس ہی کی رُو سے اُس کی تردید بھی کی جاسکتی ہے۔ اور نیز آپ تین دائرے بنائیں جن کے نصف قطر تین دیے

ہم نے خطوں کے برابر ہوں اور ان تین سے ایک اندر کی طرف اور دوسرا باہر کی طرف مَس کریں۔ بتائیے کہ نصف قطر میں کیا نسبت ہونی چاہیے کہ حل ممکن ہو۔

۷۔ علم فلسفہ:- اشاعرہ کی دلیل حدوثِ عالم پر بیان فرما کر اُسے غیر صحیح قرار دیا ہے اور استفسار فرمایا ہے کہ اگر صحیح ہے تو کس طرح؟

۸۔ علم الحدیث:- حدیث بخاری پر ایک اشکال۔ یہ سوال بھی ناظرین کی دلچسپی کے لیے مکمل درج کیا جاتا ہے۔

”بخاری کی حدیث (تحول فی الصور) بظاہر لئیس کِمِثْلِهِ شَیْءٌ کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ فان المتصور بصورۃ

مِثْلِهِ اِذَا كَانَ فِي صُورَةٍ اٰخَرٰی مَعَهُ صَحْتِ الْحَمَلِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُتَحَوِّلِ۔ ان میں تطبیق چاہیے۔

بتائیں کہ اس حدیث میں اہل انکار کتنے ہیں اور کیوں؟ کیا قبل از تجلی اہل اذنیاء میں بھی ان کو کسی صورت میں مشاہدہ

ہوا تھا یا نہ؟ اگر ہوا ہے تو کونسی صورت میں۔ اگر نہیں تو پھر انکار اور تسلیم کے کیا معنی۔ آیت اور حدیث سے ثبوت

چاہیے اور نیز حدیث معراج میں بالخصوص مونسے علیہ السلام ہی کو فنا کے بارہ میں فہمائش کی کیا وجہ تھی؟ حالانکہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم مالکِ علومِ اولین و آخرین تھے۔ نیز ہر ایک نبی کی فلکِ مخصوص سے وجہِ خصوصیت کیا ہے؟

۹۔ علم الکلام:- قرآن کریم میں حضرت علیہ السلام کا کلام ”فَارَدْتُ اَنْ اَرٰ عَيْبَهُمْ“ اور ”فَارَدْنَا اَنْ يُبَدِّلَهُمَا رِبْهَمًا“

میں افراد اور جمعیت ضمیر کی وجہ تخصیص دریافت فرمائی ہے۔

۱۰۔ علم التفسیر:- آیت ”وَكُلَّ شَيْءٍ اَخْصَيْنَاهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ“ میں حضرت شیخ اکبر کی تفسیر کی شرح اور اُس

کے متعلقہ امور دریافت فرمائے ہیں۔

۱۱۔ علم الافلاک:- چند آیات قرآنیہ جن کا تعلق اجرامِ فلکیہ سے ہے ان کی تشریح اور منازلِ قمر کے اٹھائیس ہونے کی

وجہ تخصیص دریافت فرمائی ہے۔

۱۲۔ علم ریاضی:- علم الافلاک در ریاضی کے متعلق چند متناقضہ عبارات کی تطبیق دریافت فرمائی ہے۔

حضرت کی یہ کتاب علومِ اسلامیہ کے چند نہایت مشکل امور سے تعلق رکھتی ہے جس سے حضرت کے تجرُّبِ علمی

کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کا صحیح لطف صرف اہل علم حضرات ہی اٹھا سکتے ہیں۔

چھٹی فصل

تصنیف مابین سنی و شیعہ

یہ حضرت کی آخری تصنیف ہے جو آپؐ کچھ عرصہ خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب کو لکھواتے رہے مگر یہ سلسلہ بوجہ اولاً آپؐ کی علالت کے اور بعدہ حالت استغراق کے منقطع ہو گیا۔ بیماری کے دوران ایک مرتبہ اس کی اشاعت کے متعلق آپؐ سے اجازت طلب کی گئی مگر فرمایا: فی الحال رہنے دو۔ یہ مسودہ ۹۲ فہرستہ کیپ صفحات پر مشتمل ہے اب چھپ چکا ہے۔ اور کتب خانہ دربار عالیہ میں موجود ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد اسے طبع کروا کر ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ اور اُمیدِ وثیق ہے کہ شیعہ سنی مباحث کے اہم موضوع پر داعیِ اعدال و انصاف ثابت ہو گا جس کے سلیم الطبع حضرات پر لہ صدقت و حقیقت واضح ہو جائے گی۔

تقریب تالیف

اس تصنیف لطیف کی وجہ تالیف حضرت نے بعد تو صیف و درود مختصر ایوں بیان فرمائی ہے:-
 "تخالف مذہبی مابین سنی و شیعہ کوئی نیا اختلاف نہیں جسے رفع کرنے کے لیے طالبانِ حق موجودہ زمانہ کے علماء سے التجا کریں۔ اس سے قبل سلفِ صالحین علیہم السلام رضوانِ حسب تدبیر الہیہ و تقاضا اہل بیت کرام سے محبت رکھنے کے بموجب اور خلافتِ خلفائے اربعہ کی حقانیت کے اہم موضوع پر نہایت شائستہ انداز میں اظہارِ خیال فرماتے چلے آئے ہیں۔ البتہ حال ہی میں اس تخالف میں ایک نئے رجحان کا اضافہ ہوا ہے اور یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ اہل سنت و الجماعت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اہل بیت کرام کے خلاف بغض اور بنی اُمیہ کے ساتھ محبت رکھے۔ حالانکہ اہل سنت کبھی بھی اس شقاوت میں ملوث نہیں ہوئے اور ان کے عقائد میں رسول پاکؐ کے خاندان سے دوستی و مودت مدارِ ایمان اور فرض مانی گئی ہے اس نئے رجحان کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے علماء کرام نے بمقابلہ اہل تشیع اپنے مواعظ و نصح کی مجالس میں صرف دفعِ ملامت و مطاعن کی طرف ہی رخ کیا۔ اور اہل بیت علیہم السلام کے فضائل و مناقب بیان کرنے کی طرف کم توجہ فرمائی۔ لہذا ان مخلصی مفتی غلام مرتضیٰ ساکن میانی اور سید صدیق شاہ صاحب اور عزیز پیغمبر غلام عباس صاحب حسنی کھڈی حفظہم اللہ تعالیٰ نے شدید تعلقاً کیا کہ اس نہایت ضروری امر کی طرف توجہ کی جائے۔ لہذا ارشاد کی تعمیل میں اور فرصت اور لیاقت نہ ہونے کے باوجود یہ چند اوراق جو سلفِ صالحین علیہم السلام کی کتبِ تاباں سے ماخوذات اور ذاتی عنایت پر مشتمل ہیں اس غرض سے لکھے جاتے ہیں کہ حضرات ناظرین مظلوظ ہو کر اس سیاہ جردیہ عالم کو دعائے خیر سے یاد فرما کر ممنون فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اُس وقت کی عزت و جلالت کے صدقے جب اُس نے استواء علی العرش فرما کر دُنیا اور دُنیا والوں پر اپنی رحمت کا اجر بصورتِ آنِ رحمۃ اللعالمین فرمایا۔ اُمتِ محمدیہ کے ساتھ شاری و غفاری سے معاملہ فرماتے ہوئے ہم سب کی بخشش فرمائے۔"

جن امور پر ارشاداتِ عالیہ قلمبند ہوئے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں :-

- (۱) ثباتِ خلافتِ راشدہ بہ آیتِ استخلاف و دیگر آیاتِ قرآنی (۲) مسئلہ قرطاس (۳) حدیثِ نعم غدیر (۴) باغِ فدک (۵) آیتِ مبارکہ (۶) آیتِ تطہیر (۷) آیتِ مودت (۸) حدیثِ ثقلین (۹) فضائلِ سیدنا علیؑ اور بحثِ حدیثِ "أَنَا صِدْقُ يَمِينَةِ الْعِلْمِ" اور اُس کے متعلق ابن تیمیہ اور ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات -
ان فیوضاتِ عالیہ کا مختصر خلاصہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے :-

اثباتِ خلافتِ راشدہ بہ آیاتِ قرآنیہ

خلافتِ راشدہ کی حیثیتِ کذائی کی حقیقت اور اُس کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت حضرت نے آیتِ استخلاف سے دیا ہے۔ اور اُس کی تائید میں جو بیس دیگر آیاتِ قرآنی اور متعدد احادیثِ مسلمہ واقعاتِ مندرجہ کتبِ سیر کو پیش فرمایا ہے۔ اور منکرینِ خلافت کے اعتراضات اور دلائل کو سوال و جواب کی صورت میں قائم فرما کر پورے ستر صفحات پر ایسی مدلل بحث فرمائی ہے کہ فکرِ سلیم کے لیے اس عنوان پر کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ آیتِ استخلاف کے بعد حضرت نے وہ آیات بیان فرمائی ہیں جن میں حضراتِ خلفائے اربعہ کی فضیلت بیان ہے جس سے اُن کا استحقاق برائے منصبِ خلافت ثابت ہوتا ہے۔ حضرت کی بحث کا خلاصہ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

آیتِ استخلاف :-

اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے تم میں سے اُن لوگوں کو جو با ایمان اور عملِ صالح کے مرتکب ہیں کہ البتہ وہ اُن کو زمین پر خلیفہ کرے گا جس طرح اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور البتہ اُن کے لیے اُن کا دین جو انہیں پسندیدہ ہے محکم کرے گا۔ اور البتہ اُن کے حق میں خوف کو امن سے بدل ڈالے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہ مانیں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے گا پس وہ لوگ فاسق ہیں۔

”وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ“ (نور: ۵۵)

حضرت فرماتے ہیں کہ استخلاف یعنی خلیفہ بنانے کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ استخلاف کے معنی ولی امر اور خلیفہ بنانے کے ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں آیا ہے "يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ" (اسے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا) آیتِ استخلاف کے مخاطب اور حقدار وہی لوگ ہیں جو نزولِ آیت کے وقت با ایمان اور صالح تھے یعنی مہاجرین الاولین۔ پھر اس آیت کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ کے ایک قول کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر یا بیان یہ حدیث ہے: "الْخِلَافَةُ مِّن بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ تَصِيدُ مُلْكًا عَضُوضًا" یعنی خلافتِ راشدہ میرے بعد تیس سال رہے گی اور بعد ازاں جو جائے گی طوکتِ دانتوں سے کاٹنے والی۔ عربی زبان میں خلافتِ جاشینسی کو کہتے ہیں یعنی ایک شخص دوسرے کی جگہ بیٹھے اور اُس کا نائب ہو کر کام کرتے

شرع میں خلیفہ وہ حاکم ہے جو یہ نیابتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، دین محمدیہ کو قائم رکھے۔ پس جو شخص کہ حاکم نہ ہو اور حکم اُس کا عام نافذ نہ ہو وہ خلیفہ نہ ہوگا۔ ایسا ہی وہ مسلمان حاکم جو مالیہ وغیرہ وصول کرے مگر دین کی اقامت مثل جہاد و اقامتِ حدود و فیصلہ جاتِ شرعیہ نہ کرے وہ بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہ معنی خلافتِ مطلقہ کا ہے اور خلافتِ خاصہ راشدہ میں علاوہ حکمرانی و اقامتِ دین محمدی کے مہاجرینِ اولین سے ہونا اور سوا بقِ اسلامیہ سے متصف ہونا بھی شرط ہے۔ چنانچہ خلفائے اربعہ با معنی خلافتِ راشدہ سے متصف تھے اور مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قول و فعل میں واجب الاطاعت تھے۔ اور وعدہ الہیہ مندرجہ آیت کا تحقق بھی چاروں خلفائے کرام کی خلافت پر ہے نہ صرف کسی ایک شخص کی خلافت پر، کیونکہ اس آیت میں جتنے ضمائر موعودہ لم کے لیے ہیں وہ سب بصیغہ جمع ہیں۔ نیز جن امور کا تحقق اس آیت میں کیا گیا ہے یعنی استخلاف، اقامتِ دین، تبدیلیِ خوف بالامن اور عبادتِ خالصہ، یہ بھی چاروں خلفائے کرام کے وقت میں موجود تھے نہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں، اور وعدہ الہیہ کا تحقق براعادتِ اوصافِ موعودہ لم ضروری اور واجب ہے جو خلافتِ خلفاءِ اربعہ علیہم الرضوان کے وقت میں ہوا اور روزِ روشن کی طرح ہوا اور کسی کو گنجائش انکار نہیں۔“

اس سوال کے جواب میں کہ اگر خلافتِ راشدہ کے لیے کوئی نصِ قرآنی موجود تھی تو گروہ انصار اور سیدنا علی علیہم الرضوان نے بیعت ابو بکر سے انکار کیوں کیا تھا اور اپنے لیے مدعیِ خلافت کیسے ہوئے؟ فرماتے ہیں کہ ”ایک نص کیا بلکہ بکثرتِ نصوص قرآنیہ و احادیثِ نبویہ نہ صرف خلافتِ شیخین بلکہ خلافتِ اربعہ علیہم الرضوان پر شاہد ہیں۔ مگر چونکہ نصوصِ قرآنیہ میں شخصی طور پر کسی کے نام کی تخصیص نہیں تھی صرف کلی طور پر اوصافِ جمیلہ کا ذکر تھا، لہذا بوجہ نامعلومی شخصیت، وفاتِ شریفِ نبوی کے موقع پر باہمی تخالف پیدا ہوا لیکن رفتہ رفتہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ان نصوص اور اوصاف مندرجہ فیہا سے مراد اور ان کا مصداق خلفائے اربعہ ہی ہیں۔“

حضرت فرماتے ہیں کہ نصوص کی مراد اور مصداق پر سب سے پہلے نظر بھی خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پہنچی۔ ”نبج البلاغ“ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگِ عراق میں بنفسِ نفس شریک ہونے کے لیے مشورہ لیا تو سیدنا علی نے فرمایا۔ ”جہاد فی سبیل اللہ کی جیت یا ہار لشکرِ اسلام کے تھوڑا یا بہت ہونے پر موقوف نہیں، دینِ اسلام خدائی دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سب ادیان پر غالب فرمایا ہے اور لشکرِ اسلام خدائی لشکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہتیا فرمایا اور اُس کی امداد فرمائی۔ اور جس حد تک اُسے پہنچا اور ظاہر ہونا تھا وہ پہنچا اور ظاہر ہوا اور ہم (مہاجرینِ اولین) منجانب اللہ وعدہ نصرت دیتے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور اپنے لشکر کو امداد دینے والا ہے۔ والی امر (خلیفہ) بمنزلہ رشتہ جو اہر ہوتا ہے۔ ان (جو اہر) کو باہم جمع رکھنے والا اور ملانے والا ہوتا ہے۔ اگر رشتہ ٹوٹ جائے تو جو اہر جدا جدا ہو جاتے ہیں اور نظام جاتا رہتا ہے اور پھر کبھی اپنے اطراف کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ آج کے دن عرب اگرچہ قلیل ہیں مگر بوجہ اسلام کشمیر ہیں۔ اور اتفاق کی وجہ سے عزیز اور غالب ہیں۔ پس اُسے عمر تو چکی کے قطب کی طرح اپنے مرکز پر قائم رہ اور ہمیں بیٹھ کر چکی کو پھرا اور اعداء کو جنگ کی آگ سے جلا دے۔“

آخر میں بطور خلاصہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوجہ کشفِ نبوت، وعدہ استخلاف میں ایسا اطمینان تھا کہ مرضِ وفات کے آخری ایام میں خیالِ شریف میں آیا کہ اس امر کے متعلق کچھ لکھ دیا جائے اور فرمایا کہ میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں لکھ دوں تاکہ میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ۔ مگر پھر وعدہ الہی کے بھروسہ اور اطمینان پر تحریر کو ضروری نہ سمجھا اس لیے کہ ”لَیْسَتْ خَلِیْفَتُهُمْ“ اور

”لَيَمَكِّنَنَّهُمْ“ اور ”لَيُبَدِّلَنَّهُمْ“ اور نیز ”لَيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ“ کا فرمانے والا صدق الصادقین ہے ضرور ہی ان مردوں کو جن کے ہاتھ پورا کرنا ہے پورا کرے گا۔ بیعت صدیقی پر حضرت شیر خدا کی شکر بخشی صرف اتنی بات پر تھی کہ اہل بیت رسول اللہ اس طرح نظر انداز کیوں کیے گئے کہ بروقت تنازعہ فیما بین مہاجرین و انصار و اقامتِ محبت بریک فریق اُن کا ذکر تک نہ ہوا۔ حالانکہ جس محبت اور دلیل سے مہاجرین کو نسبت انصار اس امر کا اہل و مستحق سمجھا گیا (الائمه من القریش) وہی محبت اُن کے لیے بھی تھی۔ کیونکہ ہاشمی کو نسبت قریشی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ قرابت اور ارتباط ہے۔ مگر یہ تھوڑی سی کدورت بھی صدیق اکبر کے بیان معذرت سے جاتی رہی۔ یہ لوگ علیہم الرضوان آیت شریف ”يَعْبُدُونَ بِنِي لَيْسَ شَيْئًا“ کے مصداق تھے۔ اُن کے پاک سینوں میں کدورت کا مقام کیسے ہو سکتا تھا۔ اُس روز بوجہ فراق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صدیقی ادراک اور نہ مرقضوی فہم موعود لہم کی شخصیت تک پہنچا ہوا تھا اور نہ اتنا تنازعہ بھی نہ ہوتا۔ رفتہ رفتہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ خلافتِ اربعہ منصوبی ہے اور یہی خوش قسمت لوگ اس نعمتِ عظمیٰ اور اقامتِ دین پسندیدہ کے لیے منتخب کیے گئے ہیں۔ آیت استخلاف میں ”الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ“ کا خطاب علم الہی میں انہی حضراتِ اربعہ کی طرف تھا۔ ایفائے وعدہ کے لیے ان حضرات کی فضیلت کمال کے علاوہ اُن کی عمر وں کی ترتیب بھی موجب ترتیبِ خلافتِ ٹھہری کیونکہ اگر حضرت علیؑ بلافضل خلیفہ ہوتے تو باقی تینوں حضراتِ خلافت سے محروم رہتے۔ اسی طرح اگر بلافضل حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوتے تو جناب ابو بکرؓ و عمرؓ محروم ہو جاتے علیٰ ہذا القیاس۔ مہاجرین و انصار کا تقاضا خلافت کے لیے اہل دنیا کی طرح بوجہ نفسانیت نہیں تھا بلکہ صرف اس وجہ سے تھا کہ ہر ایک نسب و اقامتِ دین اور خدمتِ اسلام سے شرف ہونے کا شرف حاصل کرے۔ یہ لوگ اُس مقدس ذات کے جانشین تھے جس کی صحبت کا اربقائے عمر تک باقی رہنا چاہیے۔

اب چند آیات اور اُن کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے جس میں خلفائے راشدہ اور دیگر اصحابہ کرام علیہم الرضوان کی فضیلت درج ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی کیسے نعوذ باللہ منافی یا مرتد ہو سکتے ہیں جیسا کہ مخالفین کا دعوئے ہے۔

مہاجرین اور انصار میں سے سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی میں اُن کی پیروی کی۔ خدا تعالیٰ اُن سے راضی ہوا اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہوئے اور اُن کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

۱۔ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ
وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَوَدَّ
رَضْوَانَهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ۔ (توبہ: ۱۰۰)

حضرت فرماتے ہیں کہ اس بشارت کے اولین مصداق خلفائے اربعہ علیہم السلام ہیں۔

تم میں سے اُن لوگوں کی کوئی برابری نہیں کر سکتا جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے راہِ خدا میں مال خرچ کیے اور جنگ کی۔ یہ لوگ درجہ میں بلند تر ہیں اُن لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیے اور کفار سے لڑے۔ اور سب کے لیے وعدہ بہشت کا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

۲۔ لَآ يَسْتَوِيٰ مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ
الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۗ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ
الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوا ۗ وَكُلًّا وَعَدَّ اللَّهُ
الْحُسْنَىٰ۔ (حدید: ۱۰)

۳۔ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ
عَلَى الْكُفَّارِ رَحِمَاءٌ بَيْنَهُمْ تَرْتِبُهُمْ رُكْعًا سُجَّدًا
يَتَّبِعُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي
وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي
التَّوْرَةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ تَجْرُجُ أَمْخِرَجَ
شَطْرًا فَازَرَهُ فَاسْتَفْلَطَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوْقِهِ
يُحِبُّ الزَّرْعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَّ اللَّهُ
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً
وَآجْرًا عَظِيمًا ۝ (فتح: ۲۹)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُس
کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت زور آور ہیں اور آپس میں
محبت کرنے والے ہیں۔ تو ان کو دیکھتا ہے رکوع اور سجود
کرتے ہوئے، وہ خدا کا فضل اور اُس کی رضا چاہتے ہیں
ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان موجود ہیں۔ تورات اور
انجیل میں ان کی داستان ایسے ہے جیسے کھیتی (پہلے) اپنے
سبز گھاس کو نکالے، پھر اُسے قوی کرے، پس وہ موٹی ہو
جائے اور اپنی جڑوں پر کھڑی ہو جائے۔ (اُسے دیکھ کر)
کھیتی والے خوش ہوتے ہیں اور کفار غصہ سے بل کھاتے ہیں
اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام
کیے بخشش اور ثواب بزرگ کا وعدہ دیا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ ان آیات میں بیان کردہ اوصافِ جمیلہ سب کی سب خلفائے اربعہ پر صادق آتی ہیں بلکہ
ان کی مثالیں پہلے آئی ہوئی آسمانی کتابوں میں بھی ہیں۔

۴۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْبَرُ
دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَائِزُونَ
يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتِ
لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ (توبہ: ۲۰-۲۱)

جو لوگ ایمان لائے اور خدا تعالیٰ کے راستے میں ہجرت
کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے
نزدیک بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اور وہی لوگ مراد کو
پہنچنے والے ہیں۔ خدا ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی
کی بشارت سناتا ہے اور بہشتوں کی جن میں وہ ابدی
عیش حاصل کریں گے۔

یہاں حضرت فرماتے ہیں کہ کیا کوئی خلفاءِ اربعہ علیہم السلام کی مالی اور جانی خدمات سے انکار کر سکتا ہے؟
۵۔ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ
تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ
السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۚ وَ
مَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَ وَنَهَاكَ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا
حَكِيمًا ۝ (فتح: ۱۸-۱۹)

البتہ بالتحقیق اللہ تعالیٰ نے ان مومنین سے راضی ہو چکا
جب کہ وہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔
پس خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں کا حال جان لیا اور
ان پر رحمت اُماری اور ان کو فتح قریب عطا فرمائی اور بہت سا
مالِ ضمیمت جو وہ حاصل کریں گے اور خدا غالب حکمت والا ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیعتِ الرضوان والوں کو جن میں شیخین و سیدنا علیؑ و سیدنا عثمانؑ و سیدنا
شامل تھے، اپنی خوشنودی کی سند عطا فرمائی۔

اور یقیناً ہم نے تورات کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین
موجود کے وارث میرے پاک بندے ہوں گے۔

۶۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ
أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ (الجم: ۱۰۵)

یہ پیشین گوئی بہ شہادتِ توراہ و زبور فاروقِ اعظم کے حق میں ہے جن کے ہاتھ سے ارضِ مقدسہ (شام) فتح ہوئی۔ آپ بحسب اس آیت کے عبادِ الصالحین سے ٹھہرے۔

۷۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِهِمْ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (مائدہ: ۵۴)

اے مسلمانو جو کوئی تم سے اپنے دین سے پھر گیا تو جلدی خدائے تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جن کو وہ دوست رکھے گا اور وہ اُسے دوست رکھیں گے۔ یہ قوم مسلمانوں پر مہربان کافروں پر سخت گیری کرنے والی ہے۔ خدائے تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ خدا کی عنایت ہے جسے چاہے دے اور اللہ تعالیٰ وسیع علم والا ہے۔

یہ پیشین گوئی حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت میں پوری ہوئی جنہوں نے باوجود مخالفت کے مرتدینِ اُمت سے جہاد کیا۔ ان آیات کے علاوہ جو آیات حضرت نے خلفائے راشدین کی فضیلت کے متعلق نشان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں :-

انفال ۳۴، ۶۲، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹

ہے۔ دوبارہ دریافت کر لو۔

پھر فرماتے ہیں: یہ تو ظاہر ہے کہ جس بات کو آپ لکھنا چاہتے تھے اگر اُس پر اُمت کی اصلی یاد دہانی ہدایت کا دار و مدار ہوتا تو آپ ہرگز ہرگز اُسے ترک نہ فرماتے۔ یہ آپ کی شانِ ہادی، مبلغ، بشیر، نذیر، حَرِیصٌ عَلَیْکُمْ وَغَیْرُہِ اوصافِ مَنْصُوصہ کے سراسر خلاف ہے کہ آپ ایک ایسے امر کو پورے تین دنِ مُجمِعہ، شنبہ، یک شنبہ معہ بقیۃ روزِ پنج شنبہ کی مُہلت میں ترک فرمادیں۔ پھر خطاب اور ارشادِ نبویؐ سب حاضرین کے لیے تھا جن میں سیدنا علیؑ اور سیدنا عباسؓ بھی تھے نہ صرف حضرت عمرؓ کے لیے ہی خطاب تھا۔ اگر مطعون ٹھہریں گے تو سب نہ صرف اکیلے حضرت عمرؓ۔ بلکہ سب سے زیادہ سیدنا علیؑ پر مطاعن اور تازیج فاسدہ کا اثر پڑتا ہے کیونکہ دولتِ خانہ نبویؐ پر حضرت علیؑ ہی کتابتِ وحی کا کام کرتے تھے۔ وہ خطاباتِ اسد اللہ الغالب، خیمبر شکن اور لَاقَتِی الْاَعْلٰی وغیرہ سے ملقب تھے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کسی سے ڈر کر یا کسی کے رُعب میں اگر ارشادِ نبویؐ سے گریز کیا ہو۔ اگر بفرضِ محال ایسا تھا بھی، پھر بھی کابل تین دن میں حضرت عمرؓ سے علیحدگی کے وقت انہیں تعمیل کا موقع مل سکتا تھا۔ حاضرین میں سے کسی کا بھی تعمیل نہ کرنا صاف بتلا رہا ہے کہ کتابتِ زیرِ بحث ضروری نہ تھی ورنہ حضورِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بالاتفاق معصوم ہیں کسی کے روکنے سے کب رُک سکتے تھے۔“

حدیثِ خُمِ غَدِیْرِہِ

حضرت نے حدیثِ خُمِ غَدِیْرِہِ کی تفصیل بیان فرما کر لکھا ہے کہ اُس کی تقریب یہ ہوئی تھی کہ بریدہ اسلمی نے یمن میں حضرت علیؑ کے کسی عمل پر اعتراض کیا تھا اور حضورؐ سے اس کی شکایت کی تھی جس پر حضورؐ نے مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیْ مَوْلَاہُ اللّٰهُمَّ وَالْ مَنْ وَالَاہُ دَعَاہُ مَنْ عَاذَاہُ کا ارشاد فرما کر حضرت علیؑ کی محبت واجب فرمادی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ بریدہ اسلمی کے بیان اور واقعات و بشارات و نصوصِ قرآنیہ مَبِیْنَتِہُ فِی مَوَاضِعِہَا سے واضح ہو جاتا ہے کہ خُمِ غَدِیْرِہِ والی حدیث کو خلافتِ بلا فضل سیدنا علیؑ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ورنہ بہ ایامِ مرضِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ ارشادِ مکرر اور اصرارِ مکرر کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو تین روز کی نمازوں کے لیے امام نہ بناتے۔ اس پر حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا (قَدْ مَكَرَ رَسُولُ اللّٰهِ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یُؤَخِّرُکَ) تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش امام فرمایا ہے پھر کون ہے جو تمہیں پیچھے کرے۔

قِصِیۃُ بَارِغِ فِدْکِ

اس مضمون پر سوال و جواب کی صورت میں حضرت نے ۱۸ صفحات قلم بند فرمائے ہیں۔ اس موضوع پر حضرت کا مسلک باب سوم میں اہل تشیع کے ساتھ ایک مناظرہ کے زیرِ عنوان دیا جا چکا ہے۔ تمام اعتراضات کا تفصیلی جواب دینے کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ فدک کے علاوہ اور جاہِ ادا میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھیں مثلاً بنو نضیر کے سات باغات، القرئی کی وادی، و طخ اور سلام خیمبر کے دو قلعے اور خیمبر کا پانچواں حصہ، مگر حیرت ہے کہ فدک میں باصرار بہ یہ یا وصیت کا ذکر تیرہ سو سال سے جاری ہے مگر بقیۃ جاہِ ادا میں محلِ بحث ہی نہیں۔ نہ اُن کا دعویٰ جناب خاتونِ جنتؑ نے کیا نہ شیرِ خدا نے انہیں یاد دلایا اور نہ ہی اپنے عہدِ خلافت میں انہیں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث یا ہبہ یا وصیت قرار دیا۔

پھر فرماتے ہیں کہ سیدۃ النساء کی نسبت ہبہ یا وصیت کا دعویٰ بھی محض اُن پر افترا اور بہتان ہے۔ اگر مطالبہ بطور ارث تھا تو ہبہ نہیں ہو سکتا اور نہ بالعکس۔ ایسا ہی دعوائے میراث اور دعوائے وصیت میں تناقض ہے۔

آیت مباہلہ کی تشریح اور تفسیر

حضرت فرماتے ہیں:۔ سنہ ۶ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کو تحریری دعوتِ اسلام دی۔ اُن کے چودہ منتخب آدمی بہ قیادتِ عبدالمسح عرف عاقب مدینہ پاک پہنچے اور بڑے مکلف اور ریشمی لباس پہن کر مسجد نبوی میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے توجہ نہ فرمائی۔ یہ کیفیت دیکھ کر وہ لوگ اپنے قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ اُس سے فارغ ہو کر دوبارہ حضور میں آئے مگر پھر بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کی طرف توجہ نہ ہوئے۔ وہ لوگ مسجد سے باہر چلے گئے اور حضرات عثمان بن عفان، عبدالرحمن بن عوف اور علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میرے خیال میں آپ لوگوں کی متکبرانہ اور جاہ و جلال والی روش سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طبیعت مبارک مُکدر ہو گئی ہے۔ اگر آپ سادہ کپڑے پہن کر جائیں تو اُمید ہے ضرور توجہ فرمائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب یہ لوگ سادہ کپڑے پہن کر حاضر ہوئے، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا۔ قسم ہے خدا کی جس نے مجھے سچا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ کل جس وقت یہ لوگ آئے تھے ان کے دل غرور سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کے بعد گفتگو شروع ہوئی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُنہیں دعوتِ اسلام فرمائی مگر اُنہوں نے معذرت کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا باپ کون تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظارِ وحی کیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

إِن مَثَلٌ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ
فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا
وَأَبْنَاءَ كُورٍ وَبَنَاتَنَا وَبَنَاتَ كُورٍ وَانفُسَنَا وَانفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهُمْ فَنَجْعَلُ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝
(آل عمران: ۵۹ تا ۶۱)

آیت کا مطلب:۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کا حال مثل آدم کے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے مٹی سے بنایا اور کہا ہوا اور وہ ہو گیا۔ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں سے مت ہو۔ اگر کوئی اس علم اور دانست کے بعد تم سے اس بات پر جھگڑے تو اُس کو کہہ دو کہ فریقین معہ اپنے بیٹوں اور عورتوں کے بل کر جھوٹوں پر عجز و انکسار سے لعنت کریں (یعنی مُبہلہ کریں)۔

یہ کلام الہی سن کر بھی وہ لوگ اپنے عقیدہ سے نہ پھرے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اب بھی نہیں مانتے ہو تو آؤ ہم مباہلہ کر لیں اور مشورہ کے لیے اُنہیں وقت دیا۔ اپنی فرودگاہ میں پہنچ کر اُن کے قائد نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ سب لوگ دل میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی برحق مانتے ہیں۔ اور اُن کا بیان دربارہٴ مسیح علیہ السلام بھی مدلل اور معقول ہے۔ لہذا مباہلہ کرنا میرے نزدیک ٹھیک نہ ہو گا۔ کیونکہ سچے نبی سے مباہلہ کرنے والی قوم یقیناً بلاک ہو جاتی ہے بہتر ہے صلح کر لیں۔ سب نے یہ رائے پسند کی اور دوسرے روز جب حضور نبویؐ میں آئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جناب حسین علیہ السلام کو گود میں اٹھائے اور حسن علیہ السلام کا ہاتھ کپڑے سے بوندے ہیں۔ جناب سیدۃ النساء آپ کے چہچہے اور سیدنا

علیؑ ان کے پیچھے تشریف لارہے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے ہیں کہ اگر نصاریٰ مباہلہ کو آگئے تو میں دُعا مانگوں گا اور تم سب بل کر آئیں گے۔ جب نصاریٰ نے یہ نقشہ دیکھا تو کانپ گئے اور عاقب نے ان سے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ پانچ مُنہ خدائے تعالیٰ سے کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے اُکھاڑنے کا سوال کریں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور اُسے پورا کرے گا۔ پس مباہلہ مت کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ حسبِ رائے نصاریٰ نے عرض کیا کہ ہم مباہلہ نہیں کرتے۔ اور اس بات پر صلح کرتے ہیں کہ آپ ہمارا تعرض نہ فرمائیں اور ہم دو ہزار جلد (پوشاک) سالانہ حضور میں بطور جزیہ پہنچایا کریں گے۔ آخر الامر اسی پر صلح ٹھہری۔

حضرت فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ آلِ عباسی علی و حسن و حسین و سیدۃ النساء علیہم السلام کا ایک جُداگانہ قُرب بحضورِ نبویؐ تھا۔ پنچتن پاک کا کیفیت مذکورہ جلوہ گر ہونا بے نظیر اور عجیب نظارہ ہو گا اور دیکھنے والے جو حیرت ہوں گے۔ الہی بحرِ مت آں وقتیکہ پنچتن پاک علیہم الصلوٰۃ والسلام برائے مباہلہ تشریف فرما شدند ایں سیاہ جریہ تردانے رابع آقازہ و دوستان و سائر برادرانِ اسلام و اخوانِ طریقت و ہنگی اُمتِ مرقومہ بہ بخشاکہ بغیر از فضل و کرم تو در دست نداریم۔ خَلَقْنَا مَجَانًا وَ رَزَقْنَا مَجَانًا فَاغْفِرْ لَنَا مَجَانًا فَاِنَّكَ قَدِیْمُ الْاِحْسَانِ وَ اَسِعُ الْمَغْفِرَةَ وَ لَطِیْفٌ قَبْلَ كُلِّ لَطِیْفٍ وَ لَطِیْفٌ بَعْدَ كُلِّ لَطِیْفٍ، فَالطُّفُّ بِنَاكُمَا لَطِفٌ فِی ظُلُمَاتِ الْاِحْسَاءِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ بِحُرْمَتِ حَبِیْبِكَ رَحْمَةَ الْعَالَمِیْنَ وَ صَبْرًا وَ سَلْمًا وَ اَدْرَمَ عَلَیْهِ وَ اِلَیْهِ وَ صَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ ۝

حضرت فرماتے ہیں کہ آیتِ مباہلہ میں کلمہ اَبْنَاءَنَا میں حسین پاک کو فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلانے کا شرف ثابت ہے اور اس کی تائید مزید میں حضرت اسامہ بن زید کی روایت کا ذکر فرمایا ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسین پاک کے متعلق ارشاد فرمایا "هٰذَانِ اِبْنَاۤیَ وَ اِبْنَاتَا بِنْتَاۤیَ"۔ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ کلمہ "اَبْنَاءَنَا" کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگرچہ بیعت جمع ارشاد ہوا ہے مگر طرزِ عملِ نبویؐ سے واضح ہو گیا کہ مراد سیدۃ النساءِ حجرتِ پاره رسولؐ ہیں۔

کلمہ "اَنْفُسَنَا" اور اُس کی تائید میں حضرت نے متعدد احادیث سے کمالِ اتحاد اور قرابتِ مابینِ نفسِ نبویؐ اور نفسِ مرقومہ ثابت فرمائی ہے۔ اور حضرت شیخِ اکبر کا یہ کشفی بیان مندرجہ فتوحاتِ مکتہ "بیان فرمایا کہ حقیقتِ کلمہ بعد و رُو دِ حَلِی نُوْرٰی سے سب سے پہلے قبولِ فیض و انعکاسِ حقیقہِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اور پھر اُس حقیقت سے سب سے قریب حقیقتِ امامِ اولیا حضرت علیؑ کی تھی۔ پھر حضرت نے حدیثِ غدیر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے (جس کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے) کہ جس طرح مومن کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز رکھنا ضروری ہے اسی طرح حضرت علیؑ کو بھی محبوبِ جاننا لازمی ہے۔ یہاں حضرت نے ولا اور عداوت کے مفہوم پر پھر کرتے ہوئے ثابت فرمایا ہے کہ اس حدیثِ شریف میں مولا کے معنی محبوب کے ہیں۔ اس کی مختصر تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

آیتِ تطہیر

اس موضوع پر حضرت کا مسکاب بابِ اول میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں پر حضرت نے اسے متعدد دوسری آیات اور احادیث سے تفصیلاً ثابت فرمایا ہے۔

آیتِ مودت

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ
فِي الْقُرْبَىٰ - کہہ دیجیے میں تم سے اس امر پر کوئی اجر نہیں مانگتا لیکن
دوستی اہل قرابت کی۔

حضرت نے مدلل طور پر بیان فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ کا مصداق آلِ عبا علیہ السلام ہیں۔ اس سوال کے جواب میں
کہ یہ آیت مکی ہے جب حسین علیہ السلام کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی۔ حضرت فرماتے ہیں یہ ضروری امر نہیں کہ بروقت نزول
آیت محکوم علیہ کے کل افراد موجود ہوں اور نہ یہ کہ اُس وقت کے موجودہ افراد میں ہی وہ محکم محصور ہو۔ اپنے اس نظریہ کے
ثبوت میں حضرت نے کئی مثالیں آیاتِ قرآنی کی بیان فرمائی ہیں اور نتیجہ اخذ فرمایا ہے کہ آیت کا نزول اگرچہ مکہ میں ہی ہوا
ہو مگر چونکہ قرنی اور قرابت باحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معنی آلِ عبا علیہ السلام ہیں۔ اس لیے ان حضرات علیہم السلام کا مراد
ہونا اس آیت میں بطریق اولیٰ ہوگا۔

حدیثِ ثقلین

یہ حدیث مبارک اس طرح ہے: "إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ مَا أَنْ تَمَسَّكْتُمَا بِيَمَانِكُنِ تَضِلُّوا وَبِعَدِي
كِتَابَ اللَّهِ وَعِثْرَتِي" (میں تمہارے پاس دو ایسی عظیم چیزیں چھوڑ رہا ہوں کہ اگر ان کو پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے
ایک کتاب اللہ اور دوسرا میری عمرت) حضرت فرماتے ہیں کہ طاغین کا یہ دعوئے کہ اہل سنت نے کبھی اس حدیث مبارک پر عمل نہ
نہیں کیا صحیح نہیں ہے بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ اہل سنت نے تو اسی قرآن کو جو ان کے پاس ہے اور غیر محرف اور کامل کلام
الہی ہے شرفاً غر باً دستور العمل بنایا ہوا ہے جس کے حق میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے بھی فرمایا ہے وَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى أَحَدٍ
بَعْدَ الْقُرْآنِ حُجَّةٌ (جان لو کہ قرآن کے بعد کسی پر کوئی حجت نہیں) اور تاریخ شاہد ہے کہ ثقلِ اکبر (قرآن کریم) پر تیس سالہ
مدت خلافت راشدہ میں باتفاق رائے سیدنا علی رضی اللہ عنہ عمل ہوتا رہا جس سے ثقلِ اصغر یعنی تمسک بالعترت کی بھی تعمیل ہوتی رہی۔ برخلاف
اس کے طاغین کا عقیدہ ہے کہ ثقلِ اکبر یعنی قرآن کریم کو حضرت امیر علیہ السلام نے غائب کر دیا تھا اور تیسری صدی ہجری سے امام
غائب علیہ السلام کے پاس غارتگری کے رائے میں بتایا جاتا ہے۔ پس ان حضرات کو تو آج تک تمسک بالقرآن نصیب نہ ہوا۔ رہا
تمسکِ ثقلِ اصغر تو قرآن کریم کے فقدان اور گم ہوجانے کی صورت میں موہوبی فہم کے لیے بھی موردِ تحقق اور وقوع نہ رہا۔ لہذا ان
حضرات کا دعوئے تمسک بالثقلین سراسر غلط اور بے معنی ہے۔

حدیثِ اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا

ترمذی کی حدیث شریفِ اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا میں علم کا شہر موں اور علی اُس کا دروازہ ہیں) پر شیخ ابن تیمیہ
نے منہاج السنۃ میں اعتراض کیا ہے کہ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعِ کھس سے اور واقعات کی رُو سے بھی نفسِ مضمون
صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علم نبوت کا صرف ایک دروازہ حضرت علی بن ابی طالب سے صرف کوئیوں نے قلیل
مدت کے لیے علم حاصل کیا اور باقی بلادِ اسلامیہ میں علم اوروں سے پہنچا۔

حضرت فرماتے ہیں یہاں علم سے مراد علم خاص یعنی علم اسرار مراد ہے۔ اس حدیث پاک کی تصحیح اور ابن تیمیہ کی تردید میں آپ کے دلائل اربعہ صفحات پر قلم بند ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں خلفائے ثلاثہ اور کبار صحابہ کا رجوع اور مدار ہمیشہ حضرت علیؑ کے فتاویٰ پر تھا۔ چنانچہ خلیفہ ثانیؑ کے اقوال "لولا علی لهدت عمر" (اگر علی نہ ہوتے تو عمر ملاکت میں پڑتا، اور لالقیت لمعضلہ لیس لها ابو الحسن) (خدا مجھے اس مشکل سے دوچار نہ کرے جس کے حل کے لیے ابو الحسن موجود نہ ہوں) اور "لا یفتین احد فی المسجد وعلی حاضر" (مسجد میں علی موجود ہوں تو کوئی اور شخص فتوے نہ دے) اس امر پر شاہد ہیں۔ حضرت سلمان و ابوذر و مقداد و عمار و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) سب حضرت علیؑ کے شاگرد ہیں اور شیخ ابن تیمیہ خود بحوالہ اتقان "لعلامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ علم تفسیر میں اہل مکہ اعلم الناس ہیں کیونکہ وہ عبداللہ بن عباس کے اصحاب ہیں۔ ملک شام میں علم بقول تذکرۃ الحفاظ (علامہ ذہبی) ابوذر دار سے شائع ہوا جو عبداللہ بن مسعود کے شاگرد ہیں۔ ابوذر داکا قول ہے کہ عالم تین ہیں۔ ایک شام میں یعنی میں خود۔ دوسرا کوفہ میں یعنی عبداللہ بن مسعود اور تیسرا مدینہ میں یعنی حضرت علیؑ۔ شامی عند الحاکم کوفی سے پوچھتا ہے اور کوفی مدنی سے اور مدنی (یعنی حضرت علیؑ) کسی سے نہیں پوچھتا۔

پھر حضرات ائمہ اہل بیت حسنین و سجاد و باقر و جعفر و کاظم (علیہم السلام) کے ذریعے حضرت علیؑ کے علوم نے دنیا کا کوئی گوشہ نہیں جسے سرسرا نہ فرمایا ہو۔ اگر صرف حضرات امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ بن انس مدنی کے حلقہ تدریس کو شمار میں لایا جائے تو اہل سنت کے کسی مجتہد، محدث، مفسر اور مبلغ کا نام نہیں ہوگا جو اس صف میں شامل نہ ہو اور یہ دونوں حضرات امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا سلسلہ حضرت حمادؒ کے ذریعے حضرت عبداللہ بن مسعود تک پہنچتا ہے جو براہ راست حضرت علیؑ کے تلمیذ تھے۔ اہل سنت کے علاوہ امامیہ، اشاعرہ، ماتریدیہ اور معتزلہ سے کون ہے جو علوم علیؑ سے مستفید ہونے کا مدعی نہ ہو۔

اس حدیث پاک کی صحت پر بہت سے حوالہ جات کا شمار فرماتے ہوئے حضرت لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت صحیح بن معینؒ نے کی ہے جنہیں شیخ ابن تیمیہ نے اپنی اسی کتاب منہاج السنۃ میں اعظم محققین اصحاب رجال اور روایات کی جرح و تعدیل میں از روئے صداقت و دیانت و امانت و مہارت اعظم الناس میں شمار کیا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے شہر علم کے اکیلے دروازے پر خبر واحد کی غیر یقینی حیثیت کا جو اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ باتفاق مسلمین یہ ضروری اور واجب سمجھا گیا ہے کہ ایک ہی شخص کا تبلیغ علم میں ذریعہ ہونا صحیح نہیں اور چاہیے کہ یہ دروازہ مسدود اور بند ہے اس کے جواب میں حضرت نے خبر واحد کے معتبر ہونے کی متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں اور کہا ہے کہ ابن تیمیہ کی یہی دلیل معاذ اللہ انکار نبوت پر بھی قائم ہو سکتی ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ خداوند عالم کے علم کو ہر زمانہ میں صرف ایک شخص اس طریق پر نہیں پہنچا سکتا کہ لوگوں کو علم یقینی حاصل ہو۔ لہذا ہر زمانہ میں انبیاء کا متعدد ہونا ضروری ہے۔ ورنہ چاہیے کہ دین الہی مسدود اور بند رہے۔ لہذا معاذ اللہ اکیلے نبی کی نبوت باطل ہے۔

لفظ مولیٰ کی تشریح

کیست مولائے علیؑ مولائے کل

ہكذا قد قاله خير الرسل

یہ حدیث من کنت مولاً فعلی مولاً والی من ذالہ و عادی من عادیہ رجب کا میں مولی ہوں، علیؑ

ساتویں فصل

فتاویٰ مہرہ

حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ نے بوجہ اپنی مصروفیات جو ارشاد و تلقین سلوک اور تدریس کتب تصوف وغیرہ پر مشتمل تھیں، فتویٰ نویسی کا کام آستانہ عالیہ پر مقیم تبحر علمائے کرام کے سپرد کیا ہوا تھا جو خود بعد تکمیل ملاحظہ فرمایا کرتے تھے مگر بعض زیادہ قابل تحقیق یا ہنگامی فتاویٰ خود بھی اپنے قلم مبارک سے تحریر فرماتے تھے جن کو راقم الحروف نے ایک مجموعہ کی شکل میں ۱۳۸۲ھ میں شائع کرا دیا ہے۔ ذیل میں صرف چار فتاویٰ بدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں، جو طلاق ثلاثہ، گاؤں میں نماز جمعہ کے درست ہونے یا نہ ہونے، بنی ہاشم پر حرمت صدقات فرضیہ اور درودِ مستغاث پر غیر متقلدین کے اعتراض کے جواب سے متعلق ہیں ان سے حضرت کی فتویٰ نویسی میں مہارت تامہ کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے پہلے فتویٰ کا مختصر مطلب اردو میں بھی دیا گیا ہے۔

طلاق ثلاثہ کے متعلق حضرت کا ایک فتوے

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ طلاق ثلاثہ کا وقوع بیکہ واحدہ یا بکلمات مختلفہ احادیث صحیحہ و آثار صحابہ و اجماع صحابہ واقعہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا و تو تجروا۔

الجواب هو الصواب

طلاق ثلاثہ خواہ بلفظ واحد ہو یا بالفاظ متعدد ہو۔ دونوں صورتوں میں واقع ہو جاتی ہے۔ غایتہ مافی الباب سنت کا خلاف لازم آتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ طلاق کا وقوع نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ و آثار صحابہ اس بارہ میں بکثرت موجود ہیں بطور اختصار بقدر ضرورت اس مقام میں نقل کیے جاتے ہیں۔ روی الدارقطنی فی سننہ من حدیث معلی بن منصور عن عبد اللہ بن عمرانہ طلق امرأة تطليقة وهي حائض ثم اراد ان يتبعها تطليقتين اخريين عند القرئين فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا ابن عمر ما هكذا امرك الله فتد اخطأت السنة والسنة ان يستقبل الطهر فيطلق لكل قربة فامرني فراجعتها فقال اذا هي طهرت فطلق عن ذلك او امسك فقلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ارأيت لو طلقته ثلاثا ان كان يحل لي ان اراجعها فقال لا كانت تبين منك فكانت معصيته وفي موطا مالك بلغه ان رجلا قال لابن عباس اني طلق لامرأتي مائة تطليقة فماذا تدرى فقال ابن عباس طلق منك ثلاثا وسبع وتسعون اتخذت

بہا آیات اللہ ہرؤاواسند عبدالرزاق عن علقمة قال جاء رجل الى ابن مسعود فقال انى طلقت امرأتى تسعا وتسعين فقال له ابن مسعود ثلث تنجیها وساثرهن عدوان۔

وفى سنن ابن داؤد وموطا مالك عن محمد بن اياس عن البكير قال طلق رجل امراته ثلثا قبل ان يدخل بها ثوبداله ان ينكحها فجاہ يستفتى فذهبت۔ معه فسأل ابن عباس وابا هريرة عن ذلك فقالا لا ندرى ان تنكحها حتى تنكح زوجها غيرك قال فانما طلاق اياها واحدة فقال ابن عباس انك ارسلت بين يديك ما كان لك من فضل وروى وكيع عن الاعمش عن جيب بن ثابت قال جاء رجل الى على بن طالب فقال انى طلقت امرأتى الفأ قال بانت منك بثلث واقسر ساثرهن بين نسائك۔ واسند عبد الرزاق عن عبادة بن الصامت ان اباه طلق امرأة له الف تطليقة فانطلق عبادة فسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم بانث بثلث في معصية الله وبقي تسع مائة وسبع وسبعون عدوان وظلوان شأعذبه وان شأغفرله۔ وفى الطحاوى حد ثنا يونس اقال اخبرنا سفيان عن الزهري عن ابى سلمة عن ابى هريرة وابن عباس انهما قالوا فى الرجل يطلق البكر ثلثا لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره۔ اور امام ہمام ابى جعفر طحاوى رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرح معانی الآثار میں اجماع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بایں الفاظ نقل فرمایا ہے۔ وفى حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مالوا کتفیبنا به كانت حجة قاطعة وذلك انه قال فلما كان زمان عمر رضی اللہ عنہ قال ایها الناس قد كانت لکم فى الطلاق اناة وانه من تعجل اناة اللہ فى الطلاق الزمناه اياة وفى الحدیث الثلثی فخطب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بذلك الناس جميعا وفيهم اصحاب رسول اللہ صلى الله عليه وسلم ورضى عنهم الذين قد علموا ما تقدم من ذلك فى زمن رسول اللہ صلى الله عليه وسلم فلم ينكرة عليه منكر ولوريد افعه دافع فكان ذلك كبير الحجة فى نسخ ما تقدم من ذلك لانه لما كان فعل اصحاب رسول اللہ صلى الله عليه وسلم اجماعاً فعلياً يجب به الحجة كان كذلك ايضاً اجماعهم على القول اجماعاً يجب به الحجة وكما كان اجماعهم على النقل بريئاً من الوهم والنزل كان كذلك اجماعهم على الراى بريئاً من الوهم والنزل۔

احادیث وآثار منقولہ بالا سے ثابت ہوا کہ تین طلاق کا وقوع خواہ بلفظ واحد ہو یا بالفاظ متعددہ اجماعی امر ہے کیونکہ نقل اجماعی میں نقل عن العوام کو اعتبار نہیں بلکہ نقل عن المجتہدین کو اور اصحاب کرام میں سے اہل فقہت واجتہاد خلفاء اربعہ وعبادہ وزید بن ثابت ومعاذ بن جبل وانس وابی ہریرہ وغیر ہم ہیں رضی اللہ عنہم۔ جن سے حکم بوقوع الثلث در صورت لفظ واحد متعدد منقول ہے۔ باقی عوام کا رجوع عند الواقعہ انہی فقہار کی طرف ہوتا ہے اور انہی سے دریافت کرنے پر تعمیل کرتے ہیں اجماعی ہونے کی وجہ سے محقق ابن ہمام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر حاکم نے در صورت ثلث بلفظ واحد ایک طلاق کا حکم دیا تو وجہ مخالفت اجماع نافذ نہ ہوگا۔ رہا جواب طلب یہ امر کہ عمر رضی اللہ عنہ کا حکم بوقوع الثلث اور سب اصحاب کا سکوت وعدم انکار باوجود علم ان سب کے کہ انہا کانت واحدة فى زمن رسول اللہ صلى الله عليه وسلم وابى بكر كى تصور ہو سکتا ہے لان النسخ لا يتصور بعد وفاة النبي صلى الله عليه وسلم والنسخ الوصى۔ جواب العقاد میں ارادہ معنی بنا بر عرف ہوا کرتا ہے۔ قول الرجل انت طالق انت طالق انت طالق یعنی اگر قصد اس کے ہر ایک جملہ سے ایقاع ہے تو تین طلاق

گو اس کا تلفظ بار بار بھی کرتے مگر اب لوگ نیت ہی متعدد کی کرتے ہیں لہذا متعدد شمار ہوں گی۔ بنا بریں جو لوگ باوجود تین طلاق دینے کے ہر صورت میں ایک ہی طلاق کا فتویٰ دیتے ہیں ان کا فیصلہ صحابہ کرام کے اجماع اور روایات مذکورہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے ناقد نہ ہوگا۔

فتوے متعلقہ نماز جمعہ

استفتاء

۷۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گاؤں میں جمعہ درست ہے یا نہیں؟ بتیواؤ تو تجروا۔

الجواب هو الصواب

گاؤں میں جمعہ درست نہیں ہے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ و خلفاء عظام و صحابہ کرام کے وقت میں شہر و فنار شہر و قصبات کے سوا جمعہ قائم نہیں ہوا ہے۔ فلہذا استدلال ابو حنیفہ بارواہ عبد الرزاق عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال لأجمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع و کذا رواہ ابن شیبہ من طریق حجاج الف و روی ایضاً بسند صحیح حد ثنا جری عن منصور الف و اور جو لوگ قیام جمعہ بجواٹی سے گاؤں میں جمعہ درست ہونے کی سند لاتے ہیں وہ صحیح نہیں۔ اس واسطے کہ پہلے ہی امر قابل تسلیم نہیں کہ جواٹی قریہ ہے۔ کیونکہ محققین نے مدینہ یعنی شہر بیان کیا ہے اور بشرط تسلیم اس کا ثبوت کہاں سے ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام بجواٹی کی خبر ہوئی اور آپ نے اس کو قائم رکھا۔ اس لیے کہ حدیث اس سے ساکت ہے و نیز باوجود تعمیم آیتہ کریمہ فاسعوا الی ذکر اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بعض اماکن میں قیام جمعہ کا اختصاص فرمانا مروی حدیث کی دلیل ہے۔ کیونکہ خلاف قیاس قول صحابی کا وقوع ممکن نہیں مگر بوقت سماع حدیث سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔ علاوہ ازیں یہ آیت کریمہ اپنے عموم پر تو بالاتفاق باقی نہیں ہے اس واسطے کہ کوئی شخص اقامت جمعہ فی البراری و الصحرا کا قائل نہیں ہے پس جب آیت کریمہ اپنے اطلاق پر باقی نہ رہی تو ضرور خصوصیت مکان اقامت جمعہ کے لیے ضروری ہوئی۔ و ہوا المراد۔

العبء الملتجئ الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ اللہ

بنی ہاشم پر حرمت صدقات فرضیہ کے متعلق حضرت کا ایک تحریری فتوے
حضرت قبلہ عالم کے اس فتوے کی اصل تحریر سید حسین شاہ صاحب سکنہ کوٹ فتح خان ضلع کیمبل پور سے دستیاب ہوئی۔ فتوے فارسی اور عربی میں تحریر ہے۔ اس کا مختصر مطلب بزبان اردو یہاں دیا جاتا ہے :-

۱۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جمعہ تکبیرات تشریحی مصر جامع کے بغیر نہیں۔

حضرت نے بحوالہ تفسیر روح البیان زیر آیت "وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ" وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ" (انفال - ۴۱) معانی الآثار امام طحاوی سے نقل فرمایا کہ حضرت امام ابی حنیفہ کے نزدیک بنی ہاشم کے لیے ہر قسم کے صدقات فرضیہ ہوں یا نافلہ جائز ہیں۔ اُن کی حرمت بنی ہاشم کے لیے فقط زمانہ نبی علیہ السلام میں تھی کیونکہ اُس وقت اُنہیں مالِ خمس سے حصہ ملتا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ حصہ اُن کے لیے ساقط ہو گیا تو صدقات اُن کے لیے حلال ہو گئے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہم جواز پر فتویٰ دیتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ ہو سکتا ہے حضرت امام ابو حنیفہ کو اُن احادیث کا علم نہ ہو جو جن سے صدقات فرضیہ کی حرمت بنی ہاشم کے لیے ثابت ہے۔ تو اُس کا جواب حضرت قبلہ عالم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ اُن احادیث کو جانتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ حرمت اور منع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ منحصر تھی۔ لہذا ایک محقق مجتہد کے اجتہاد سے یہ ثابت ہوا کہ احادیث نبوی اپنی جگہ درست ہیں۔ لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی اور حرمت کی علت خمس کا حصہ ملنا قرار دیا۔ لہذا جب یہ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ختم ہوا نہی اور حرمت بھی ختم ہوئی۔ نیز ایک الزامی جواب کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ جب علمی لوگوں کے انساب فقہائے کرام کے نزدیک ضائع ہو چکے ہیں یعنی اُن کا اعتبار نہیں رہا تو محض شک سے حرمت کیسے ہوگی۔

دُرودِ مُسْتَعَاثِ پَرِغَمِرِ مَقْلَدِیْنَ كے اِعْتِرَاضِ كَا جَوَاب

سیدی و سندی دامت برکاتہم العالیہ
تسلیم و نیاز میں نے سنا ہے کہ حضور انور اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن میں اپنی اُمت کا حال بلا واسطہ ملائکہ دیکھ رہے ہیں۔ اور قائل کا مقولہ بلا واسطہ خود سُنتے ہیں غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ حدیث مشکوٰۃ المصابیح میں صلی علی عند قبوری سمعته ومن صلی غائباً اُبلغتہ رواہ احمد کے خلاف ہے نیز وہ دُرودِ مُسْتَعَاثِ شَرِیْفِ پڑھنے پر بھی اِعْتِرَاضِ کرتے ہیں کہ یہ بھی حدیث مذکور کے خلاف ہے کیونکہ اس میں بصیغہ خطاب موجود ہے۔ اُمید ہے حضور ازراہ کرم اس اشکال کو حل فرما کر مطلع فرمائیں گے۔
آپ کا نیاز مند محمد شفیع از علاقہ بڈہ راجھ ضلع شاہ پور

الجواب

مخلصی فی اللہ مولوی محمد شفیع صاحب حفظک اللہ تعالیٰ
وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس مسئلہ کے متعلق میری نسبت جو کچھ آپ نے سنا ہے۔ وہ راوی نے حسب فہم خود بیان کیا ہے۔ میں اپنی رائے کے اظہار کو مخاطب کے خواص اہل مشاہدہ و تجربہ سے اور صاحب ارتباط عالم برزخ ہونے پر موقوف سمجھتا ہوں بغیر اس کے تحریر فضول ہے۔ بجواب غیر مقلدین اتنا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ دُرودِ مُسْتَعَاثِ پڑھنے کے وقت یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ملائکہ مولا بلاغ دُرودِ شَرِیْفِ حِشْمَا یُقْرَءُ بِصِیْغَةِ خُطَابِ حَضُورِ پَنچادیں گے۔ پس حدیث مذکور میں جملہ (اُبلغتہ) کے مطابق ٹھہرا۔ دُرودِ مُسْتَعَاثِ کا جواز عقیدہ خواص کے ساتھ وابستہ نہیں۔ اس بارے میں مزید تفصیل میری کتاب اعلیٰ کلمۃ اللہ کے آخر میں ملاحظہ کریں۔ بوجہ ارجحاً خلق تقریب عرس شریف زیادہ فرصت نہیں۔ والسلام
دُعاگو۔ مہر علی شاہ از گولڑا

اے جو شخص مجھ پر میری قبر کے نزدیک دُرود پڑھتا ہے میں خود سُنتا ہوں اور جو غائبانہ پڑھے اُس کا دُرود پہنچایا جاتا ہے۔

باب یازدهم

کرامات

کرامت کی تعریف

قبل اس کے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سیرۃ کی کرامات بیان کی جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کرامت کے متعلق چند ضروری امور کی وضاحت کر دی جائے۔ اہل سنت کے علمِ عمق امد و کلام کی مشہور کتاب شرح عقائد میں کرامت کی تعریف اور اس کے ثبوت میں بہت کچھ تحریر ہے۔ اس موضوع پر محققین علمائے کرام نے مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ علامہ شہاب الدین احمد بن احمد نے اپنے رسالہ اثبات کرامات اولیاء میں کرامت کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے :-

کرامات جمع ہے کرامت کی، اور وہ ایسے خرق عادت امر کا نام ہے جو نہ نبوت سے تعلق رکھتے اور نہ قبل از زمانہ نبوت ہو۔ اور وہ ایسے شخص سے ظاہر ہو جس کا ظاہر صلاح پر مبنی ہو، وہ کسی نبی کا متبع ہو اور اس کی شریعت کا پابند ہو۔ اس کا اعتراف صحیح ہو اور اس کے اعمال صالح ہوں۔

مجالس الابرار میں کرامت کے ضمن میں اس طرح تحریر ہے :-

”سچی کرامت وہ ہے جو اولیاء اللہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ کرامت کی غایت یہ ہے کہ انسان استقامت اور اس کے کمال کو حاصل کرے جو کرامت انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا کے حصول اور تقویٰ و استقامت کی توفیق دے اس سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں۔“

کرامتِ حسیہ

محققین کرام کی تحریروں کے مطابق کرامت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کرامتِ حسیہ۔ عناصر اربعہ اور عالم حسی میں تصرف و خلاف عادت امور کا اظہار کرامتِ حسیہ میں جو اولیائے کرام کے حالات میں بکثرت مذکور ہیں۔ قرآن و حدیث میں اس قسم کے واقعات کا غیر نبی سے بطور کرامت صادر ہونا ثابت ہے۔ البتہ بعض اوقات اس قسم کے خارق عادت امور کسی غیر نبی اور غیر ولی سے بھی بوجہ ریاضت یا علومِ لطیفہ یا سائنسی ایجادات صادر ہو کر عوام کے لیے موجب اشتباہ ہو سکتے ہیں۔

کرامتِ معنویہ

دوسری قسم کرامتِ معنویہ کی ہے۔ کسی انسان کی جادہ شریعت پر استقامت، اللہ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، علوم اور معارفِ حقہ پر عبور، اخلاقِ فاضلہ کا حصول، اس کی علو حسب اور شرف نسب، تبلیغِ حق اور اصلاحِ خلق میں اس کا کوشاں رہنا یہ کراماتِ معنویہ ہیں۔

شریعت کا غیر متزلزل ضابطہ

مجنون یا حقیقی مجذوب انسان جو عالم استغراق میں رہتے ہیں۔ وہ بوجہ جو اس ظاہرہ اور شعور و عقل ظاہری میں کسی حد تک فتور آجانے کے احکام ظاہرہ کے مکلف نہیں رہتے مگر ان کی تعداد بہت قلیل ہے۔ انہیں چھوڑ کر باقی تمام انسان

ہمارے حضرت قبلہ عالم قدس بترہ قدرت پروردگار کی اسی قبیل کی ایک نادر تخلیق تھے۔ سرزمین لٹھو ہار اور شمالی پنجاب میں میدان علم و عرفان کے کئی شاہسوار منظرِ شہود پر آئے اور خود حضرت کا خاندان فلک نشان بھی ایسے تابدار ستاروں سے کبھی خالی نہیں رہا مگر جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت کی ذات کو آسمان ارشاد پر مہرِ منیر بنا کر آفاقی اور عالم گیر انوار و آثار سے روشن فرمایا اور ایک جہان کی رہنمائی کا باعث بنایا، اُس کی مثال اس دور میں نہیں ملتی۔

جمالِ ظاہری کی کرامتِ اولین

باطنی حسن کے پرتو سے اس بطلِ حلیل کا ظاہری جمال بھی فطرت اللہ کے اعجاز اور حجتہ اللہ علی الخلق کا عنوان بن کے رو گیا تھا جو آپ کی اولین زندہ اور واضح کرامت تھی۔ دیکھنے والے پہلی نظر میں گرویدہ ہو کر دست بوسی اور دامن بوسی کے لیے هجوم کر کے بڑھتے اور ایسا معلوم ہوتا جیسے ان کے دلوں میں نور و سرور کا خزانہ بھر گیا ہے۔ گویا سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا كِي تَسْخِرَ اور فَادِكُ وُدِّي اَذْكُرُ كَحُكِّي تفسیر ہو رہی ہے۔

اس تسخیر اور تنویر کی دامن کش اور دل ربا گرفت سے حاضرین کا کوئی طبقہ نہ بچتا تھا۔ ارادت مند اور نووارد، عوام اور خواص سب کیل شکار تھے۔ بلکہ غیر مسلم بھی اثر لیے بغیر نہیں رہتے تھے۔ ایک بار مدرسی بندوؤں کا ایک وفد اپنے طور طریقہ پر ہاتھ جوڑ کر پر نام اور سلام کر کے مجلس سے باہر آیا تو ان کا سر براہ یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ واہ! کیا پر تاب ہے۔

اس کرامت پر جان کی قسم کھانے والے

اس کرامت جمیل پر جان کی قسم کھانے اور بازی لگانے والے بہت تھے۔ ان کا ایک پورا قافلہ اس دربار میں آباد ہو گیا تھا بعض بچپن میں شکار ہوئے اور یہیں مزار پائے۔ کئی گھر بار چھوڑ اور نسبتیں توڑ کر عمر بھر مجر در ہے اور کچھ ابھی تک ان کی یاد کو دل میں بسائے جی رہے ہیں۔ ابھی حال میں حضرت کے عرس پر جب حاجی محبوب علی قوال نے آپ ہی کا یہ مصرعہ اٹھایا ع

کالی زلف تے اکھستانی اے

تو روضہ پاک کی پائنتی میں آپ کا ہم عصر ایک معمر شخص تڑپنے لگا

أَمِنْ تَذَكُّرِ جِدْرَانِ بِيْدِي سَلَم

(قصیدہ بُردہ)

مَزَجَتْ دَمْعًا جَدْرِي مِنْ مَّقْلَةٍ بِيْدِم

۷۔ آج دن یاد پئے اوہ جانی جہیرے و چھڑے ذی سلم دے

اکھیاں بھیس کیوں جاری ہوئے خونیں آنسو ستم دے (مہر محمد نواز خان مخ پھولال)

جناب سید امیر الدین صاحب قدوائی لاہور کے ایک مقدر روکیل اور وسیع النظر پروفیسر ہیں تقسیم ملک پر یو۔ پی سے ہجرت کر کے پاکستان آگئے تھے۔ داماد ربار کے حاضر باش اور سید ہونے کے باوجود پیروں فقیروں کے معاملہ میں کچھ آزاد خیال واقع ہوئے ہیں۔ مجلس میں ہمارے حضرت کا ذکر آگیا تو اچانک ایک مجھ جبری لی اور کہنے لگے سبحان اللہ کیا پارا نام پایا ہے۔ مہر علی۔ شاہ۔ دل مٹھاس سے بھر گیا۔ اولیائے قریب میں ہی نام ہے جو مجھ پر وجدانی کیفیت طاری کر

۸۔ ترجمہ اللہ رحمن و تعالیٰ ان (اپنے پاکبا زندوں) کے لیے محبت اور مودت کے جذبات (لوگوں کے لوں میں) پیدا کریں گے۔ مہم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

دیتا ہے میں نے صرف نام ہی سنا ہے جن لوگوں نے زمانہ پایا ہوگا معلوم نہیں تابِ جمال کا حوصلہ کہاں سے لئے ہوں گے۔“
حضرت مولانا محمد غازی صاحبِ حرم کعبہ شریف میں بحث کرنے آئے تھے، صورت دیکھتے ہی دل ہار بیٹھے اور
گریہ طاری ہو گیا۔ پھر مستقل طور پر ساتھ منسلک ہو گئے۔

حضرت فقیر محمد امیر صاحب (کوٹ اٹل) وحدت الوجود کی منزلوں میں برسوں سے سرگردان اور خانہ بدوش تھے۔
حاضر ہوئے تو پہلی نگاہ میں منزل مقصود کو پہنچ گئے۔

جناب مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ سے حضرت کے کمالات پر سوال ہوا تو فرمایا: ”واللہ! میں تو اس زلفِ
گرہ گیر کا اسیر تھا۔ میری نظر تو تم بھراؤں جمالِ دلارا سے اٹھ کر کسی اور کمال کی طرف جا ہی نہیں سکی۔“
یہ حضرات منازلِ وجود و تنزیہ کے سائین میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر ان کو تشبیہ و تنزیہ کی ساری کیفیتیں اسی جمالِ شبیہ و
تعیین میں ہم عمان و ہم نفس نظر آئیں کہ ہے

خدا چہ صورتِ ابروئے دلربائے تو بست

کشاہ کارِ من اندر کرشمہ ہائے تو بست

ان کرشمہ ہائے دلربا و کارکشا کے متعلق تحدیثِ نعمت کے طور پر حضرت خود فرماتے ہیں:۔

از لطفِ خلاقِ زماں، داریم ممتاز از جہاں

وضعِ دگر، طرزے دگر، ذوقے دگر، شوقے دگر

حضرت ایک آئینہ دیکھ رہے تھے۔ ملک سلطان محمود صاحب مکہ میں چلے گئے تو مسکرا کر فرمایا: ”میں اس صورت کو دیکھ
رہا تھا جس کے صانع نے اپنی حسنِ صنعت پر چار چیزوں: التین والذیتون وطور سینین وھذا البلد الامین
کی قسم کھائی ہے۔“

اصل میں یہ جمالیاتِ صورتِ اُس جلوہ حقیقت کا پر تو ہیں جسے لباسِ بشریت میں مستور کر دیا گیا ہے اور جسے تابِ نظارہ
کی وسعتیں اپنے اپنے طرف کے مطابق زیادہ سے زیادہ بے حجاب دیکھ پاتی ہیں۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت بابو جی مدظلہ العالی
پراس شعر کے معنی اور مفہوم اُس رات کھلے تھے جب حضرت کا تاؤت شریف باہر نکالا گیا تھا اور اس کے ایک شکاف نے
دعوتِ نظارہ دی تھی تو وہ کیفیت سامنے آئی کہ بجلی میں وہ چمکتی تھی، نہ سورج میں وہ نور ہے

بخدا کہ رشکم آید بدو چشم روشن خود

کہ نظر درینغ باشد بہ چنیں لطیف رُوئے

یہاں سے اُس جلوہ حسن کی کچھ خبر ملتی ہے جس کے نظارہ نے حضرت سلطان العارفین بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اس قدر محو
کر رکھا تھا کہ کسی اور طرف دیکھنے کو فرصت یک نظر بھی نہ تھی۔ آپ کے شیخ حضرت سید جعفر بن ابام کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
ایک بار طاقتیہ سے کتاب مانگی تو جواب دریافت کیا: کون سا طاقتیہ؟ اس پر جب شیخ نے فرمایا:۔

در مجہدہ زسا لہا میکنی ای طاق بر سر چہ انہ بینی؟

تو عرض کیا:۔

زاں دم کہ بخندست حضورم از کثرتِ جسوہ غرق نورم

من فرصتِ یک نظر نیام
 کز حُسنِ شما نظر بتام
 ہر لحظہ نگاہ من بسویت
 چشم من و آفتابِ رویت
 از غیر وجود تو خبر نیست
 جز تابِ رُخت بحس نظر نیست
 مجبور ز جذبِ حُسن یارم
 دارم نظر و نظر نہ دارم

علومِ لدنیہ کی کرامتِ عظیمہ

حضرت کی دوسری عظیم الشان کرامت آپ کے علمِ سیکران کی وہ خداداد دولت تھی جو ہمہ وقت جلو میں دست بستہ حاضر رہتی کہ جس طرح چاہتے تصرف میں لے آتے جس کے درہائے آبدار تصنیفات اور ملفوظات میں بکثرت بھرے نظر آتے ہیں۔ حضرت حاجی رحمت اللہ صاحب کیرانوی مہاجر مکی مفتی عرب و عجم نے جن کے حضور میں عیسائی دنیا کے مشہور مناظر فنڈر کو آگرہ میں لاجواب ہو کر تحریری شکست نامہ پیش کرنا پڑا تھا حضور کے اس غزنیہ کو علم لدنی قرار دیا۔ پشاور کے قاضی قدرت اللہ (اور افغانوں کے قاضی قدرو) صاحب کو جو ہر سال لوگ افغان و خراسان کو دعوت کہنے جاتے تھے منظرہ سماع کے بعد اس علم کے سامنے دست بیعت دراز کرنا پڑا۔ اور ہندوستان کے نامور مناظر مولانا نذیر احمد صاحب انیسٹروی کو کلیر شریف میں اس علم کے حصول کے لیے زانوائے تلمذہ کرنے کی استدعا کرنا پڑی۔

شرفِ نسب کی سرمدی کرامت

جمالِ صورت اور فضلِ علم کے علاوہ عنایتِ ازلی نے حضرت کو شرفِ نسب کی سرمدی کرامت سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ والد ماجد کی طرف سے حسنی جیلانی اور والدہ ماجدہ کے نخیال کی جانب سے حسینی بخاری سید ہیں جن پر اللہ کے فضل کی یہ انتہا ہے کہ تہجد کے دو نوافل پڑھ کر ہی سو رہیں تو شب بھر امت کا درود و صلوة ان کے فرداتِ حساب میں رُج ہوتا رہتا ہے۔ لیکن عالمِ اسلام کا یہ ہمہ وقت سلام ان حضرات کو بسترِ راحت پر چین ہی کب لینے دیتا ہے، عنایتِ ازلی اور جذبہِ جود و سخا کی وراثت ان کے ذوق و شوق اور مناجات کو ہر دم نئی تازگی اور وسعت عطا کرتی ہے اور استطاعتِ خدمتِ دین اور انتفاعِ امتِ مومنین کے لیے ان کی تربیت فرماتی ہے۔ مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاولپور نے لکھا ہے کہ حضرت نے تیس برس عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی عشاء کی نماز پڑھ کر مراقبہ فرماتے تو ذکرِ خفی میں عضو بدن تو گنجا، سر کو بھی حرکت نہ ہوتی تھی۔

صلہ امت کی بشارت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے متعلق خیال ظاہر فرمایا ہے کہ آپ نے وحدت الشہود اور وحدت الوجود میں یہ فرما کر اتصال پیدا کیا ہے کہ حق تو شاہراہ شہود ہے مگر وحدت الوجود والوں کو غلبہ حال میں اپنا مسلک حق نظر آتا ہے جس میں وہ معذور ہوتے ہیں۔ اور اس طرح حضرت مجدد علیہ الرحمۃ پر حدیثِ صلہ کی پیش گوئی صادق آتی ہے لیکن اگر اس حدیثِ پاک میں صلہ سے مراد واقعی ان دو مسلک کے درمیان اتصال پیدا کرنا ہے تو حضرت

مجدد کے فرمان سے ہمارے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا یہ ارشاد لفظِ صلہ کے مفہوم سے زیادہ قرین معلوم ہوتا ہے کہ وحدت الشہود نفس ایمان ہے اور وحدت الوجود کمال ایمان حضرت نے اپنی کتاب "تحقیق الحق" میں بدلائل طبعیہ اس امر کو ثابت فرمایا ہے۔

قادیانیت کا مہتابلہ

قادیانیت جیسی جسور تحریکیں اور اس قبیل کے مدعیان نبوت روز بروز پیدا نہیں ہوتے اور نہ ہی ایسی تحریکیں کو ترقی کے لیے ایک غیر اسلامی حکومت کی مرتبہ نہ یا کم از کم روادار نہ ہنسا اور عصرِ جدید کے وسیع ذرائع نشر و اشاعت اور رابطہ عوام و تنظیم کے ایسے آسان اور ملک گیر وسائل اس سے قبل کبھی میسر آئے تھے جو اس تحریک کو نصیب ہوئے۔ اس کے باوجود اگر برطانوی ہند میں جو دنیا بھر میں قادیانیت کے لیے نشوونما کا واحد سازگار میدان تھا کسی مردم شماری میں اس کے پیروں کی تعداد نصف لاکھ یعنی یہاں کے مسلمانوں کی تعداد کے اعشاریہ پانچ فی صد اتنا تک بھی نہیں پہنچ سکی تو یہ امر ہمارے حضرت کی فتحِ عظیم کا واضح ثبوت ہے جن کو اگست ۱۹۰۰ء کے معرکہ لاہور میں تمام اسلامی فرقوں کے زعماء نے قادیانی مخالف اپنا پیشوا تسلیم کیا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ اس فتنے کی ابتدا سے آج تک بہت سے فضلاء عصر نے اس محاذ پر دادر جہاد دی ہے۔ لیکن اتنا بڑا معرکہ اور میدان اور خود بانی تحریک کی زندگی میں اس کے خلاف سوادِ عظیم کی طرف سے ایسا متفقہ قیام نہ اور نہ ایسا مقام کسی اور صاحب کو حاصل نہیں ہوا۔ اور نہ ہی ہماری نظر سے کسی اور بزرگ کا ایسا دعویٰ گذرا ہے جیسا کہ حضرت نے اپنی تصانیف اور مخطوطات میں بیان فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے آپ کو اس کا ردین پر مامور فرمایا گیا تھا۔ پس آپ کی یہ کرامتِ عظیمہ اسی نسبت سے ہی بے نظیر اور لاجواب متصور ہوگی۔

گاندھی ازم کا سدباب

قادیانیت کے بعد گاندھی ازم کے غیر اسلامی طوفان کے سدباب کے لیے حضرت کا اقدام مسلمانانِ برصغیر کے حق میں کچھ کم مفید ثابت نہیں ہوا۔ تحریکِ خلافت کے بعض پُر جوش رہنماؤں نے گفتارِ کانگریس کی درپردہ سازش کا شکار ہو کر شمال مغربی ہند کے موجودہ پاکستانی ممالک سے ہجرت کے ذریعے مسلمانوں کے انخلاء کی ابتدا کر دی تھی۔ اخبارات اور مسلمان کانگریسی لیڈروں کی تقاریر نے ملک میں ہیجان برپا کر دیا تھا۔ سندھ، پنجاب اور سرحد سے ہزاروں مسلمان اپنی اموال و املاک بیچ کر افغانستان کو سدھار چلے گئے۔ کانگریس نواز جمعیتہ العلماء ہند کے فتاویٰ کے پیش نظر مسلمانوں کو اپنے وطن میں رہنا گناہِ عظیم نظر آنے لگا تھا۔ اگر حضرت اس ہجرت کو غیر شرعی اور مضر قرار نہ دیتے تو مہاجرین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی۔ اخباروں، سیاسی لیڈروں اور خلافتی علماء نے آپ کے اس موقف کی شدید مخالفت کی تھی کہ بعض کم سواد مریدوں کا اعتقاد بھی متزلزل ہونے لگا۔ ایک نے منہ منگری سے اخبارات کو بیان دیا کہ تحریکِ خلافت پر حضرت کے مخالفانہ مسلک کی وجہ سے اس نے ابوالکلام سے بیعت کر لی ہے۔ ایک اور نے ہزارہ سے لکھا کہ ہم تو دین کے لیے ہجرت کر رہے ہیں آپ کو وطن نصیب رہے۔ مگر مخالفت کے اس طوفان میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو وہ وقار کی طرح اپنے موقف پر قائم رہے اور پوری عزیمت اور استقامت کے ساتھ تحریکِ ہجرت اور ہندو مسلم ہم قومیت کے کانگریسی خلافتی نظریے کی تردید فرماتے رہے۔ آپ کو یقین تھا کہ انشا اللہ یہ تحریکیں

ناکام رہیں گی۔ چنانچہ جمیعہ العلماء اور خلافت اور مسلم پریس اور پٹیٹ فارم کے تمام سرکردہ اراکین بالآخر ایک ایک کر کے حضرت کے مسلک پر واپس آگئے۔

استقرارِ پاکستان میں حضرت کے افادات اور برکات کا حصہ

بلاشبہ ہمارے حضرت کے اس غیر متزلزل موقف کا اعتراف کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں اور ان کا آپس میں تعاون ممکن نہیں، پاکستان کو وجود میں لانے کا باعث ہوا۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ ملت کے احساسِ عمومی کی یہ رہنمائی آپ کے ہی خداداد روحانی تصرف کا ثمرہ ہو، اور یہ خداداد استقرارِ سلطنتِ اسلامیہ اسی قطبِ دوران کی کرامتِ استقامت اور اسی غوثِ زمان کے انفاسِ قدسیہ کی برکات کا انعام ہو۔

پاکستان کے لیے دعا

مولوی ظفر علی خان صاحب حضرت کے ساتھ اپنی تاریخی ملاقات میں جب خلافت اور ہجرت کی بحث میں کامیاب ہوئے تو ذہن رسا نے انہیں ایک کام کی بات سنجائی۔ عرض کیا: میں تو اس دربار میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے سلطنت مانگنے آیا ہوں، فرمایا: میں دعا کرتا ہوں، آپ بھی میرے ساتھ دعا میں شریک ہوں، اور خاص توجہ سے دعا فرمائی۔ اس ملاقات کی تفصیل باب پنجم میں آچکی ہے۔

پاکستان کی پیش گوئی

میاں محمد سعید صاحب قریشی افسر جیل ناٹجات بیان کرتے ہیں کہ عالمِ استغراق کے دوران ایک روز حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ نے جناب میاں محبوب عالم صاحب اور میرے روبرو فرمایا تھا کہ عنقریب اس ملک میں سب مسلمان ہوں گے اور مشرق کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا کہ اُس طرف کے مسلمانوں کو مُصِیبت پیش آئے گی۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہندوستان پر ایسا ہی وقوع میں آیا۔

۱۹۶۵ء کی جنگِ ہندوستان کے متعلق خواب میں قبل از وقت فتحِ پاکستان کی بشارت

سید طاہر حسین صاحب عبداللہ پوری (ضلع شیخوپورہ) جو حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری کے مُرد اور خاندانِ نقشبندیہ کے ایک مقبول درویش ہونے کے علاوہ حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ کی ذات سے غائبانہ ارادت رکھتے ہیں، ماہِ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ (اگست ۱۹۶۵ء) میں عرسِ شریف حضرت غوثِ الاعظم کے موقع پر گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ اور خواب میں حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ کی زیارت سے مشرف ہونے کا واقعہ بدیں تفصیل بیان کیا کہ میں دیکھتا ہوں حضرت قبلہ عالمِ گولڑوی قدس سترہ ایک بندہ تھا، پر شریف فرمایا اور وعظ فرماتے ہیں۔ آپ کے برابر شیخ پر پانچ اور حضرات کرسیوں پر رونق افروز ہیں۔ سامنے میدان میں بے شمار مسلمان حاضر ہیں اور وعظ سُن رہے ہیں میں بھی ان میں شامل ہوں حضرت آیت سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْكَافَّةِ کی تفسیر بیان کر کے خاتمہ سخن پر فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ العزیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ پاکستان کو فتح عطا فرمائے گا۔ اُس وقت ایک شخص

پاس سے مجھے اُن پانچ کرسی نشین حضرات کی نشان دہی کر کے بتاتا ہے کہ وہ صدر نشین حضور غوث الاعظمؒ ہیں۔ اور اُن کے ارد گرد حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری، خواجہ قطب الدین بخت یار کاکلی، خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر اور خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی رحمہم اللہ علیہم تشریف فرما ہیں۔

اس خواب کے چند روز بعد یکم ستمبر کو افواج پاکستان کے ساتھ کشمیر کے محاذ پر ہندوستانیوں کی جنگ چھڑ گئی۔ اور ۶ ستمبر کو بھارت نے پاکستان پر پھر پور حملہ کر دیا۔ بہر محض ذی اللہ تعالیٰ نے پاکستانی افواج کو حیرت انگیز فتوحات عطا فرمائیں۔ حالانکہ تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے ہندوستانیوں کو کم از کم پانچ گنا اکثریت حاصل تھی۔ غیر ملکی مبصرین کی نظر میں بھی ہندوستان کو دس گنا زیادہ جانی، مالی اور ملکی نقصان اٹھانا پڑا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانہ کے ولی سے خدمت لے کر اُمت کی کار سازی فرماتے ہیں

حضرت شیخ اکبر کا فرمان ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانہ کے ولی سے خدمت لے کر اُمت کی کار سازی فرماتے ہیں۔ پُناچہ تشکیل پاکستان کی تاریخ میں اس رُوف کی جہانہ کار سازی کے نشانات قدم قدم پر پڑتے ہیں۔ چودھری رحمت علی صاحب کے دماغ میں اس مملکت خداداد کے نام کا تعین، علامہ اقبالؒ کے دل میں سترہ برس پہلے اس کے صمت کا تصور، قائد اعظم محمد علی جناح کا سیاسی انقلاب، اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کا سرفروشانہ ایثار، نواب صاحب بھوپال کے سامنے گاندھی جی کی ایک جذباتی لمحہ میں تقسیم ہند کے لیے تحریری رضامندی اور پھر پشیمانی، بلینک چیک کی پیش کش پر سکھوں کی شمولیت پاکستان پر آمادگی اور پھر انکار اور اس میں پاکستان کی سالمیت کا تحفظ اور اسی طرح کے کسی دیگر خطرناک مراحل اور مسائل کی عقدہ کشائی اور رہنمائی، ان تمام امور اور اسباب کی تہ میں دُبی کریمانہ شفقت اور حفاظت ہی تو کار فرما تھی اور گویا متعلقہ صاحب خدمت سے کام لے رہی تھی۔

مہرِ عالم کے جلووں کا عکس

اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اس برصغیر میں ولایت کبریٰ کے جس عالی مقام پر متمکن تھے اُس کی باطنی ہمت اور وسعت کے لیے ایسی ہی مہمات اور عظیم امور کی عملی تکمیل شایان شان تھی کچھ بعید نہیں کہ علامہ اقبال پر جب یہ شعر وارد ہو رہا تھا تو رُوح تحت الشعور میں اسی مہرِ عالم کے جلووں کا عکس لے رہی ہو۔

ذرا مہرِ سیرِ آن من است صد سحر اندر گریبان من است

اب پاکستان کے دار الخلافہ کا منتقل ہو کر اسلام آباد کے نام سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے براہ راست مقام ولایت کے سایہ میں آباد ہو جانا انشاء اللہ مزید برکات کا پیش خمیہ ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ عاطفت اس مملکت اور اس کے ہالیان اور ارباب حکومت پر دائم وقائم رکھے اور اسے صحیح معنوں میں اسلامی سلطنت بنا دے۔ آمین اہل پاکستان کو اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے اسلام کی سر بلندی کے لیے کمر بستہ ہو جانا چاہیے ورنہ ناشکری کا انجام بُرا ہوتا ہے۔

اس ولایت کبریٰ کی وسعت

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ولایت کبریٰ کی وسعت اور مہر گیری پر یہ چند مصدقہ واقعات ملاحظہ ہوں جن میں سے بعض

کا اعادہ یہاں قند مکرر ثابت ہو گا۔ اور واضح ہو گا کہ کس طرح اس کا خدا داد دست تصرف مبہمی اور کابل اور روس اور ہانگ کانگ، عرب و عجم اور بحر و بریں کیساں کار فرما نظر آتا ہے۔

حضرت سیدعلی شاہ صاحب کے مکاشفات

باب چہارم زمانہ جذب و سیاحت میں پہلے درج ہو چکا ہے کہ حضرت سیدعلی شاہ صاحب (دندہ شاہ بلاول) نے بھی اسی سال حج کیا تھا جس سال حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ادا فرمایا تھا۔ ان سید صاحب سے جناب مولانا محمد غازی صاحب اور حضرت سید چان شاہ صاحب (جانبہ) نے روایت بیان کی ہے کہ میں نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اس سال رئیس الحج ہونے کا شرف کس ولی اللہ کو نصیب ہوا ہے۔ حرم کعبہ میں مراقبہ کیا تو دیکھا کہ بیت اللہ شریف جناب پیر صاحب گولڑہ شریف کی طرف متوجہ ہے۔ اسی طرح میدان عرفات میں نگاہ کی تو آپ ہی لوگوں کے حج بارگاہ رب العزت میں پیش کر رہے تھے۔ چنانچہ میں سمجھ گیا کہ اس سال آپ ہی اس منصب عالی پر فائز ہوئے ہیں۔

حضرت سید عباس علی شاہ صاحب بخاری (ساندہ خورد) کا خواب

حضرت پیر سید عباس علی شاہ صاحب بخاری جن کا روضہ مبارک ساندہ خورد (مضافات لاہور) میں زیارت گاہ عوام و خاص ہے ایک بڑے شیخ طریقت اور مقبول بزرگ تھے۔ اوائل عمر میں ہی تلاش حق میں اپنے وطن بخارا سے نکل پڑے تھے۔ مذکورہ گناہ رہ کر جنوبی ہند کے شہروں میں مجاہدہ اور ریاضت میں عمر بسر فرمائی۔ آبخناب نے ۱۴۔ مارچ ۱۹۴۴ء کو لاہور میں ہمارے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے عالم گیر تصرفات کا یہ خود آزمودہ واقعہ ملک محمد خدابخش ٹوانہ سے بیان فرمایا کہ مبہمی میں برسات کی ایک سخت سردرات میرے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی، دیکھا تو ایک شکستہ حال مجذوب پانی میں تریتر کھڑا کانپ رہا تھا۔ کہنے لگا چائے پلاؤ۔ کوئی دوجے کا وقت تھا۔ اسٹو پر چائے بنا کر پیش کی جو وہ پی کر چلا گیا۔ جیسے ہی پھر میری آنکھ لگی ایک بزرگ نے خواب میں فرمایا: آپ نے تکلیف اٹھا کر میرے فقیر کو چائے پلائی ہے جس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں جاگ کر پھر سویا تو پھر وہی خواب دیکھا کہ وہ بزرگ فرما رہے ہیں۔ میرے فقیر کو چائے پلائی ہے شکریہ۔ میری آنکھ پھر کھل گئی اور ان بزرگ کی صورت دماغ پر نقش ہو گئی۔ پھر سویا تو سہ بارہ وہی خواب آیا۔ میں بیدار ہو کر اپنے شغل میں مصروف ہوا مگر دل ان کی زیارت کے لیے بے قرار تھا حالت وہ تھی جسے پہلی نظر میں عشق کہتے ہیں۔ اس مجذوب فقیر کی تلاش کی گروہ نہ بلا۔ چند روز صبر کیا، پھر تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ دکن، بنگال، بہار، یوپی، اجمیر اور آخر میں پنجاب، جہاں بھی کسی بزرگ کا نام سُن پایا وہیں پہنچا مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ گو تصور میں ہر وقت وہ جمال صورت موجود تھا۔ بالآخر ماٹوس ہو کر لاہور سے واپس جا رہا تھا اور مبہمی کا ٹکٹ بنوایا تھا کہ اٹل فائلیٹ فارم پر ایک صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ میرا حال سُن کر پوچھا۔ گولڑے سے گئے ہو؟ میں نے گولڑہ کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ کہنے لگے۔ راولپنڈی سے اگلا اسٹیشن ہے۔ چنانچہ مبہمی کا ٹکٹ واپس کر کے گولڑہ کا ٹکٹ بنوایا۔ صبح وہاں پہنچا تو ابھی آپ مسجد میں مصروف وظائف تھے۔ میں نے صحن میں قدم رکھا ہی تھا کہ مسجد کے اندر سے آواز آئی۔ مولانا صاحب! آجائے۔ آگے چلا تو پھر آواز آئی۔ شاہ صاحب! تشریف لائے۔ اور جب حاضر ہوا تو اٹھ کر معاف فرمایا اور کہا۔ سید صاحب! علیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالیٰ۔ وہی مقصود نظر صورت سامنے تھی اور میں تعجب کر رہا تھا کہ میرے بخارا چھوڑنے کے بعد کسی فرد بشر کو معلوم نہ تھا کہ میں سید ہوں۔ آج پہلی مرتبہ

مجھے سید کہہ کر پکارا جا رہا ہے۔ حضرت سید عباس علی شاہ صاحب نے کچھ روز قیام فرمایا اور اپنا گوہر مقصود حاصل کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔

انقلابِ افغانستان میں شہرِ کابل کی نگہداشت

حافظ غلام محمدانی صاحب مرحوم جو حاجی سید کریم بخش صاحب (پشاور) کے مائوں زاد بھائی تھے اور خواب میں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری کے اشارہ پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مُردید ہوئے تھے بیان کرتے تھے کہ والد صاحب نے جنوبی افغانستان میں حکومت سے جنگ کی لکڑی کا ٹھیکہ لیا تو میں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دُعا چاہی۔ آپ نے فرمایا: کیا ابھی وہاں امن ہے؟ کچھ عرصہ بعد پھر حاضر ہوا تو آپ نے وہی سوال دُہرایا۔ اُس وقت تک بظاہر افغانستان میں امن و امان تھا۔ لیکن چند ہی دنوں بعد بچہ سقہ نے حملہ کیا اور امیر امان اللہ خان مندر ہو گیا جس کے متعلق والد صاحب کا خط لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا اللہ پاک تمہارے عزیزوں کو جو کابل میں ہیں محفوظ رکھتے اور شہر لوٹ مار سے بچا رہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۱۹۳۱ء میں میں کابل میں ایک روز دوستوں کے ساتھ ایک مشہور مجذوب کی زیارت کو گیا۔ مجذوب کسی کو نزدیک نہیں آنے دیتا تھا۔ سنگ باری کرتا تھا۔ مجھے کچھ نہ کہا بلکہ فرمایا: "بخیر آمدید جوڑ ہستید بر امانِ خدا" کابلی طعنہ زنی کرنے لگے کہ ہمیں تو پتھر مارتا ہے اور پشاور کی کے ساتھ یہ سلوک! کہنے لگا: "بچہ خرا! اس کس دست بدست کے دادہ است کہ یک وقت شہر شمارا نگاہ کر د۔ ورنہ چورے شدید وزن ہائے شمارا سقوی مے بُردند" یعنی اس شخص نے اُس شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہوا ہے جس نے ایک وقت تمہارے شہر کابل کی نگہداشت فرمائی۔ ورنہ تم لوگ تباہ و برباد ہو جاتے اور تمہاری عورتوں کو بچہ سقہ کے لشکر اُٹھالے جاتے۔

ملا صاحب ہڈہ کی غز میں نظر آنا

حاجی محمد زین صحاف (پشاور) روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس سترہ دیوان خانہ میں تشریف رکھتے تھے ایک افغانی آیا اور پشتوں میں باتیں کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے۔ اُس نے اپنا ایک شیم دیدیا بجا بیان کیا۔ میں نے اس کی پشت کو تاجر جو آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ کہتا ہے کہ انگریزوں کے ساتھ ملا صاحب ہڈہ کی غز میں آپ کو میں نے منگلی گھوڑی پُ سوار دیکھا ہے۔ آگے آگے آپ تھے آپ کے پیچھے ملا صاحب تھے اور اُن کے پیچھے غازی تھے حضرت صاحب نے فرمایا منشی صاحب یہ دیوانہ (لٹو) ہے۔ اس کو چپ کرادو۔ مگر وہ خدا کی قسم کھا کر کہتا تھا کہ میں نے آپ کو وہاں دیکھا ہے اور یہاں بھی آپ موجود ہیں۔

حل مشکلات کے لیے مدینہ منورہ سے ایک تار

حضرت سیدنا احمد عطاء مدنی دام فیضہ نے جن کے بعض مبارک حالات کسی پچھلے باب میں درج ہو چکے ہیں۔ ایک مرتبہ مدینہ شریف سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے نام پر اجنٹ ٹیلیگرام بھجوائی تھی۔ حالانکہ اس سے بہت پہلے حضرت کا وصال ہو چکا تھا۔ جب حضرت بابو جی مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی تو بیان فرمایا کہ ایک سخت مہم درپیش تھی جو تار کی روانگی کے بعد بفضلہ تعالیٰ حل ہو گئی۔ اور فرمایا کہ عرصہ ہوا ایک عرب سلطنت کا وزیر بادشاہ کے عتاب میں آ گیا تھا جس نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے نام پاک پر مدینہ شریف تار بھویا تھا اور اپنے درجہ پر بحال ہو گیا تھا۔ ہمیں وہی مثال یاد تھی جس پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے نام نامی پر تار بھوانے کا خیال پیدا ہوا۔

ایران میں اُونگھتے مُرید کو اشارہ کر کے لاری کے حادثہ سے بچالیا

حاجی محمد ایوب صاحب میٹھی (پشاور) رات کے وقت ایران میں سفر کر رہے تھے مینڈ کے غلبہ میں اُونگھ رہے تھے خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ فرما رہے ہیں۔ "لاری کو روکو آگے گڑھا ہے۔" انہوں نے فوراً لاری کو روکوا یا اور اتر کر دیکھا تو صبر چند گز کے فاصلہ پر سامنے ایک بہت بڑا گڑھا موجود تھا۔

مُرید کو اشارہ کر کے ڈوبنے والے جہاز سے بندرگاہ پر اُتر والیا

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا دامنِ حفاظت آشناؤں اور مُریدوں پر آسمان کی طرح ہر زمین اور ہر مہتمم پر سایہ فگن رہتا ہے۔ خان صاحب غلام رسول خاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ مرکزی خفیہ پولیس برطانوی ہند کو بحری جہاز کے سفر میں خواب میں فرمایا کہ اگلے کو لنگ سٹیشن پر جہاز سے اُتر جانا۔ چنانچہ جب جہاز اگلی بندرگاہ پر پہنچ کر کوئلہ لینے لگا تو یہ اپنا سامان لے کر اُتر گئے۔ جہاز کی روانگی کے دو گھنٹے بعد ایس او ایس (SOS) موصول ہوئی کہ جہاز ڈوب رہا ہے۔

خواب میں اشارہ فرما کر قتل ہونے سے بچالیا

اس سے کچھ عرصہ پہلے یہ خان صاحب سیالکوٹ میں کچھ سکھ ڈاکوؤں کو بطور مشتبہ بٹھا کر تفتیش کر رہے تھے ایک آت خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ فرماتے ہیں۔ اپنی حفاظت کرو یہ سکھ تمہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔" یہ اُٹھ کر صحن مکان میں ایک گھنے درخت پر چڑھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ بچھیوں اور گھماڑیوں سے مسلح ہو کر ان کے بستر پر آئے اور اسے خالی پا کر کمروں اور غسل خانوں میں تلاش کرتے رہے۔ اور پھر مایوس ہو کر چلے گئے۔

خواب میں اشارہ کر کے چوری برآمد کروادی

انہی خان صاحب نے ایک مرتبہ روس میں خواب میں دیکھا کہ حضرت فرما رہے ہیں ہانگ کانگ میں تمہارے مکان پر چوری ہو گئی ہے۔ اسی روز سفارت خانہ کی معرفت وائریس پر دریافت کرنے سے اس کی تصدیق ہوئی اور چوری بھی مل گئی۔ محکمہ سفارت کے افسر دونوں جگہ حیرت کا اظہار کرتے تھے۔

سفر سے روک کر ریل کے حادثہ سے بچالیا

حضرت کے چھوٹے بھائی جناب پیر ولایت شاہ صاحب ایک شادی میں شامل ہونے کے لیے بذریعہ ریل گاڑی سفر پر تیار تھے حضرت نے بلوا کر فرمایا کہ اس گاڑی سے نہ جانا انہوں نے عرض کیا کہ نکاح اور شادی کی تقریب ہے اور یہ آخری گاڑی ہے۔ اگر میں نہ

پہنچا تو ان لوگوں کو سخت مایوسی ہوگی۔ مگر آپ نے تاکیداً منع فرمادیا اور یہ رک گئے۔ وہ گاڑی لالہ موسیٰ کے قریب ایک اور گاڑی سے نکل گئی جس سے بہت جانی نقصان ہوا۔
ایسے واقعات میں تصرف تو دراصل اسی کارساز حقیقی کا ہی ہوتا ہے مگر بوجہ اس کائنات کے عالم اسباب ہونے کے، اس کا ظہور وہ اپنے مقبولوں کے ذریعہ کرتا ہے۔

اجابتِ دعا اور توسلین کی دستگیری

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی اجابتِ دعا اور تہمت میں اجباب کی دستگیری کے واقعات ضرب المثل ہیں اور وصال کے بعد بھی بدستور ظہور پذیر ہو رہے ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت دیوان سید محمد صاحب پاک پن شریف کی سجادہ نشینی اور حضرت صلحیہ لودھی صاحبہ تو نسوی کے استقرآ حق کے مقدمات پر یومی کونسل تک جا کر آپ کی دعا سے ان کے حق میں فیصلہ ہوئے۔ گولڑہ سردار محمد عظیم خان کی جائیداد کا مقدمہ چیف کورٹ تک گیا۔ اس گاؤں کے ایک فقیر صاحب نے پیغام بھجوایا کہ آپ عظیم خان کے حق میں دعا کریں، کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ میں نے لوح محفوظ میں دیکھ لیا ہے کہ یہ جائیداد میرے مریدوں سے باہر نہیں جاسکتی۔ حضرت نے جواباً فرمایا فقیر صاحب کو میرا سلام دینا اور کہنا کہ مجھے لوح محفوظ تو نظر نہیں آتی مگر میں اُس وقت تک اپنے اللہ کا دامن نہیں چھوڑوں گا جب تک یہ ساری جائیداد عظیم خان کو نہیں مل جاتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آخر میں چیف کورٹ سے یہ ساری جائیداد عظیم خان کو مل گئی۔

امیرِ افغانستان، نواب صاحب بہادر پور اور والی ریاست انب در بند کی گدی نشینی میں حضرت کی توجہ اور اعانت کے واقعات بھی پہلے بیان ہو چکے ہیں میرا بادیہ کے محمد حسین کو عین پھانسی کے تختے پر موت سے رہائی کا حکم ملا تھا۔ اس کی والدہ نے صرف ایک روز پہلے آکر فریاد کی تھی جب کہ رحم کی اپیل مسترد ہو چکی تھی۔ اس واقعہ کے متعلق اپنے ایک مکتوب گرامی میں استمدادِ اولیاء اللہ کے ضمن میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اس نازک وقت میں حضور سرکارِ بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استغاثہ کیا تھا۔

ابتلا کے دور ہونے کی بشارت

ملک شیر محمد صاحب ٹوانہ ولد ملک بخش خان صاحب ایک مقدمہ میں چھ سال قید ہو گئے تھے۔ اور تمام اپیلیں مسترد ہو گئی تھیں۔ حضرت نے فقیر عبد اللہ صاحب کو ملک صاحب کے خاندان کی تسلی کے لیے روانہ فرما کر بعد میں ایک نوازش نامہ بھی تحریر فرمایا جو مکتوباتِ طیبات میں شائع ہو چکا ہے کہ انہیں کہ دو انشاء اللہ تھوڑے دنوں کے اندر موصیبتِ ابتلا دور ہو جائے گی۔

اچانک ملکہ و کنوریہ کا انتقال ہو گیا اور ان کے بیٹے کی تخت نشینی کی خوشی میں عام قواعد کے خلاف ملک صاحب کو رہائی مل گئی اور کچھ عرصہ بعد پہلے سے بھی بڑی ملازمت پر چلے گئے۔

بابینا کو بصارت مل گئی

ایک روز حضرت عشا کے بعد سواری سے اتر کر مہمان خانہ کے صحن میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک آنکھوں سے معذور

مرض موجود تھا۔ آپ نے فرمایا میں کل پاک پن شریف کے سفر پر جا رہا ہوں۔ تم اب واپس وطن کو چلے جاؤ۔ میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ اُس شخص نے جو نہی آپ کی آواز پہچانی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ آپ عبد القادر ہیں خدا کے لیے مجھے بنیائی عطا فرماؤ۔ فرمایا۔ ایسا مت کہو۔ کارساز اور بنیائی عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ہاں جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اپنے خاص بندوں کا دل اُس طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ یہ فرما کر آپ چلے گئے۔ اگلے روز جب یہ شخص واپس ہوا تو ریلوے اسٹیشن کے راستے میں اس کی بنیائی درست ہو گئی۔ بیٹے سے کہنے لگا میری لامٹی چھوڑ دو۔ مجھے راستہ دکھائی دینے لگا ہے میں حیدر بخش صاحب شپتی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ میرے سامنے ہوا تھا اور میں نے خود اس شخص کو ریلوے اسٹیشن تک خود بخود چلتے ہوئے دیکھا۔

ایک بریہ پانچ کی فوری شفا یابی

مضافات خوشاب کے ایک شاہ صاحب دونوں پاؤں سے اپانچ و مفلوج ہو کر گولڑہ شریف آئے اور کچھ عرصہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے دعا اور دم کرتے رہے۔ وہ مسجد کے سامنے پڑے رہتے تھے اور آپ نماز کو جاتے ہوئے اکثر دم فرما دیا کرتے مگر کوئی افادہ نہ ہوا۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ تم فی الحال گھر چلے جاؤ، وہ تعمیل ارشاد میں چلے گئے۔ بہت عرصہ بعد سیال شریف کے سفر میں خوشاب کے ریلوے اسٹیشن پر آپ نے انہیں گھٹنوں کے بل ریگتے ہوئے دیکھ کر پہچانا اور فرمایا۔ آؤ شاہ صاحب وقت آ گیا ہے میں دعا کرتا ہوں۔ جب ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی تو شاہ صاحب اسی وقت سب لوگوں کے سامنے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے جلو میں اپنے پاؤں سے چل کر شہر گئے۔ آپ نے اپنے ایک مفلوج میں قبولیت دعا کے اوقات اور سالک کی توجہ کا ذکر فرمایا ہے۔

ایسا ہی ایک پانچ گھوٹہ (مضافات ملتان) میں بھی پیش ہوا تھا حضرت زختم سے فرمایا کہ تہجد کی نماز کے بعد مجھے یاد دلانا تاکہ اس کے حق میں دعا کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُسے بھی صحت دی۔

دُعائے مغفرت کا اثر

موضع جھگیاں تھانہ خوشاب کا مستری فضل الہی جو آج کل دربار کی آٹا مشین پر کام کرتا ہے اُس کے ماں باپ بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔ چچا کے مظالم سے تنگ آ کر گولڑہ شریف چلا آیا اور یہاں بسگریں کام کرنے لگا چچا نے اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی نسبت توڑ کر ایک اور شخص سے کر دی۔ مگر کچھ عرصہ بعد اُسے بھی جواب دے دیا۔ اُس شخص نے ازراہ انتقام لڑکی پر قاتلانہ حملہ کیا اور باپ نے لڑکی کے بیان نزع میں اس حملہ کا الزام فضل الہی پر لگوا یا تاکہ وہ پھانسی پا جائے اور یہ مرحوم بھائی کی جائداد پر بے کھٹکے قابض ہو جائے۔

حملہ سے کچھ دیر بعد لڑکی مر گئی اور اسی روز دوپہر کے وقت گولڑہ شریف میں فضل الہی کو خواب میں نظر آئی اور کہنے لگی۔ مجھے میرا فلاں منگیتے قتل کر گیا ہے۔ اور میں نے باپ کے کہنے پر اس قتل کا الزام تم پر لگایا ہے جس کی وجہ سے میں عذاب میں گرفتار ہوں تم مجھے معاف کر دو۔ فضل الہی نے بیدار ہو کر اسی وقت حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں اپنا یہ خواب بیان کیا اور اُس لڑکی کے لیے دعائے مغفرت کروائی۔ مرحوم نے دوبارہ اسی رات خواب میں آ کر فضل الہی سے کہا کہ تمہارے پیر صاحب نے جس وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے اللہ تعالیٰ نے اُس وقت مجھ سے عذاب اٹھایا تھا۔

اگلے روز خوشاب کی پولیس فضل الہی کی گرفتاری کے لیے گولڑہ شریف پہنچ گئی۔ مگر سب انسپکٹر پولیس نے فضل الہی کی متواتر یہاں موجودگی اور اس خواب کے واقعہ کے متعلق شہادت قلمبند کر کے اسے گرفتار نہ کیا اور واپس جا کر قاتل کو گرفتار کر کے چالان کر دیا۔

دردِ دندان کا عجیب دم

جناب سید امام شاہ صاحب (مہر آباد تحصیل لودھراں) جو ایک جید عالم باعمل اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے خصوصی متوسلین سے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک بار مجھے دردِ دندان کی سخت تکلیف ہوئی۔ علاج سے مایوس ہو کر گولڑہ شریف چلا آیا اور حضرت کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے دم فرمایا مگر افاقہ نہ ہوا۔ دوبارہ شدتِ درد کی حالت میں حاضر ہوا اور درد بھرے لہجے میں کہا حضورؐ ڈاڑھی پیرائے یعنی سخت درد ہے حضورؐ نے شفقتاً نظر فرما کر زبان مبارک سے یہی مذکورہ جملہ ڈاڑھی پیرائے تین بار فرما کر دم کیا۔ مجھے اسی وقت آرام آگیا۔ میں نے اس عجیب دم کی اجازت لے لی۔ اور اب یہ جملہ میرے معمولات سے ہے کہ جس کو شکایت ہو دم کرتے ہی درد رفع ہو جاتا ہے۔

ایک ارادت مندی تین گذارشات

میاں مشتاق احمد صاحب گورمانی سابق گورنر مغربی پاکستان کے عہد بزرگوار اور میاں محبوب علی صاحب گورمانی کے والد میاں شیخ احمد صاحب جو پنجاب کے مشہور اُمراء میں شمار ہوتے تھے بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو گذارش کی کہ حضرت میری تین آرزوئیں ہیں (ایک) میں بلوچ ہوں، میرا اعتقاد ٹیختہ ہو جائے۔ (دوسری) نرینہ اولاد نہیں، خدا تعالیٰ فرزند عطا فرمائے اور (تیسری) میری موت آپ سے پہلے ہو کہ آپ کی وفات کا صدمہ نہ دیکھوں۔

حضرت نے فرمایا: کیا بلوچ ہو کر بھی تمہارا اعتقاد ٹیختہ نہیں؟ میاں صاحب کہتے تھے کہ یہ ارشاد آپ نے کچھ اس انداز میں فرمایا کہ اسی وقت میرے دل میں جو خطرات اور وسوسے تھے رفع ہو گئے اور عقیدت کا دریا موجزن ہو گیا اور ساتھ ہی دل کو تسلی ہو گئی کہ دوسری دونوں گذارشات بھی آپ کی توجہ سے پوری ہوں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نرینہ اولاد بھی عطا فرمائی اور میاں صاحب کا انتقال بھی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے بہت پہلے ہوا۔

نواب عبداللہ خان رئیس خان گڑھ

مصورِ فطرت جناب خواجہ حسن نظامی صاحب اپنے اخبار منادی میں ایک سفر نامہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ جب میں نواب عبداللہ خان رئیس خان گڑھ (ضلع مظفر گڑھ) کی دعوت پر ان کے یہاں پہنچا تو وہاں اقامت کے دوران میں نے مشاہدہ کیا کہ رات گئے تک مصروفیات کے باوجود نواب صاحب موصوف سے نماز تہجد قضا نہ ہوئی۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ یہ حضرت قبلہ پر صاحب گولڑوی قدس سترہ کی بین کرامت ہے کہ اس قسم کے مشاغل دنیاوی میں مصروف آدمی پابندیِ صلواتِ خمسہ کے ساتھ تہجد تک بھی قضا نہیں کرتا۔ یہ نواب صاحب حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مخلص مرید تھے۔ انہوں نے بیعت کے وقت عرض کیا تھا کہ دعا فرمائیے میری دنیا میرے دین پر غالب نہ آئے۔

راقم الحروف کے والد کی دستگیری

راقم الحروف کے والد جناب حافظ غلام محمد صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ ایک بار میں علاقہ ڈیرہ اسماعیل خان سے واپس گھر آ رہا تھا اور دیہاتی طریقہ کے مطابق دریائے سندھ کو مشک پر عبور کر رہا تھا کہ سامنے ایک بہت بڑا سانپ نظر آیا دوسری جانب رُخ کیا تو ایک بڑا ہنگ آبی نمودار ہو کر حملہ آور ہوا۔ اس اثنائے میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا تصور آنکھوں میں پھر گیا۔ اچانک دیکھا کہ مجھے کسی نے اٹھا کر دریا کے کنارے پر کھرا کر دیا ہے۔

زینہ اولاد کے زندہ رہنے کی دعا

والد مرحوم مجھے فرماتے تھے کہ ابتدا میں تیرے دو تین بھائی پیدا ہوتے ہی فوت ہو گئے تھے میں نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے دعا کے لیے عرض کیا۔ عام طور پر آپ اس سلسلہ میں اجوائن دم فرمایا کرتے تھے لیکن اُس وقت صرف دُعا فرمائی جس کے کچھ عرصہ بعد تیری ولادت ہوئی اور خود راقم الحروف کے بھی ابتدا میں زینہ اولاد نہ تھی۔ والد مرحوم ایک بار گیارہویں شریف کی مجلس میں گولڑہ شریف حاضر ہوئے واپس گھر جا کر فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی بارگاہ میں خُدا سے فیض احمد کے لیے لڑکا مانگ آیا ہوں۔ والد صاحب تو اسی سال شوال ۱۳۶۶ء میں فوت ہو گئے مگر دعا سے پوسے ایک سال بعد دوسری گیارہویں شریف کے ایام میں راقم الحروف کا عزیز مشاق امین پیدا ہوا۔ فالحمد للہ۔

ایک ارادت مند کی زینہ اولاد کی پیشگوئی

ملک غلام فرید صاحب ٹوانہ سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس لاہور کے والد ملک محمد خان صاحب مرحوم ۱۹۰۵ء میں ساہی وال (منگلگری) میں ڈپٹی انسپکٹر پولیس تھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پاک پن شریف جاتے ہوئے ان کے یہاں فرودکش ہوئے۔ ان کی زینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی اور چند ہفتے پہلے ایک نوموؤد فرزند فوت ہو گیا تھا۔ مستورات کی گزارش پر دُعا فرمائی۔ اور ملک غلام فرید صاحب کی والدہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ انشاء اللہ اس کے بعد جب تم میرے سامنے آؤ گی تو تمہاری گود میں ایک سُمر دراز بیٹا ہو گا۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ ملک محمد خان صاحب کی اپنی بیعت حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی کے ساتھ تھی۔ ان کے فرزند حضرت کے مُرد ہیں۔

ایک بے اولاد ارادت مند کے فرزند کا پیشگی نام بھی رکھوا دیا

ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب مہروی (شہید) والی مضافات منڈی بہاؤ الدین) بیان کرتے ہیں کہ میرے والدین بے اولاد ہونے کی وجہ سے غمگین رہتے تھے حضرت کے پُرانے مُرد تھے۔ ایک بار حاضر ہوئے تو ریلوے اسٹیشن سے رباتک دونوں میں بحث چلتی رہی کہ اولاد کے لیے کون عرض کرے۔ دونوں شرما رہے تھے جب حاضر ہوئے تو حضور قبلہ عالم قدس سترہ نے سُکرا کر خود دریا فرمایا کہ تم دونوں آپس میں کس بات پر جھگڑ رہے تھے؟ اور پھر فرمایا۔ انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں اللہ تعالیٰ فرزند عطا فرمائے گا۔ غلام غوث نام رکھنا۔ میری پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے والد صاحب نے حضور قبلہ عالم قدس سترہ کو اور اپنے والد کو جو حضرت پیر

فضل الدین صاحب کے مُرید تھے، خواب میں دیکھا اور ایک بچہ اُن سے لیا جس کا ایک کان قدر سے ٹیڑھا تھا اور اُس کے پیٹ پر خارِ مغیلاں کی طرح ایک مسہ تھا۔ صبح اُٹھ کر والد صاحب نے اس خواب کا اعلان کر دیا جب میں پیدا ہوا تو لوگ آکر یہ دونوں نشانات میرے جسم پر دیکھتے اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی کرامت کا چرچا کرتے تھے۔ یہ دونوں نشان اب بھی موجود ہیں۔

ایک سادہ دل پٹھان کے اخلاص کی برومندی

ایک پٹھان اور اُس کی بیوی آپ کی بیماری کے ایام میں حاضر ہوئے اور دروازہ کی دہلیز میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد بیوی نے خاوند سے کہا: پیر سے کہہ ناں دعا کرے خدا ہم کو اولاد دے۔ پٹھان نے جھٹک کر کہا: چپ رہ! دیکھتی نہیں پیر کتنی تکلیف میں ہے اور تو کہتی ہے اولاد کے لیے کہہ! اُس وقت کمرہ میں مولوی محبوب عالم صاحب اور سائیں نجت جمال صاحب قوال موجود تھے۔ حضور نے اپنی نجیف آواز میں فرمایا: محبوب! اس سنگی (رفیق) کو اندر بلا لو میری اس لمبی بیماری میں شخص اپنے لیے ہی دعا کروا تا رہا ہے۔ آج میری تکلیف کا صرف اس شخص کو رنج پہنچا ہے۔ پھر اجوائن دم کر کے دی اور دعا فرمائی۔ اگلے برس یہ میاں بیوی اپنے نوزائیدہ فرزند کو لے کر حاضر ہوئے تو سائیں نجت جمال کہتے ہیں کہ اُس وقت بھی اتفاق سے میں اور جناب مولوی محبوب عالم صاحب ہی حضرت کے کمرہ میں حاضر تھے۔

ملک پنڈیا خان کی بے تکلفی

بے اولادوں کے حق میں حضرت کی اس اجوائن کے اکسیر ہونے کی اس قدر شہرت تھی کہ ایک مرتبہ آپ قیلو کہ فرما رہے تھے اور ملک پنڈیا خان صاحب زمیندار حسن ابدال پاس فرش پر لیٹے ہوئے تھے۔ کمرہ کے باہر بچوں نے شور مچا رکھا تھا جنہیں ملک صاحب بار بار جاکر منع کرتے تھے۔ ایک بار حضرت نے بے چین ہو کر فرمایا کہ ملک! یہ کیسا شور ہے؟ تو پنڈیا خان نے جنہیں بچپن کی دوستی اور انتہائی اخلاص نے بے تکلف بنا رکھا تھا کہا: "جوان ایہہ تینڈی جو ان پی چکیدی اے" یعنی یہ آپ کی اجوائن نے شور مچا رکھا ہے۔

ایک مخلص کی ترقی درجات کے لیے خاص تصرف

چودھری اورنگ زیب خان صاحب پنشنر ڈپٹی کمشنر (چکوال) نائب تحصیلدار کی حالت میں حاضر ہوئے۔ یارگلا کی پہاڑیوں سے کالی گٹا آرہی تھی اور لنگر کا بھوسہ باہر پڑا تھا چودھری صاحب نے منہ پر صافہ لپیٹ کر حجام دربار کے ساتھ بھوسہ کی گٹھڑیاں اٹھا اٹھا کر کوٹھڑی میں ڈالنا شروع کیں اور بارشس سے پہلے انہیں محفوظ کر لیا۔ حضرت بابو جی مدظلہ العالی نے اس واقعہ کا ذکر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں کچھ اس انداز سے فرمایا کہ حضور کے دست مبارک دعا کے لیے اُٹھ گئے چپنہ روز بعد صوبائی گورنمنٹ نے حکم جاری کیا کہ جو نائب تحصیلدار گریجویٹ ہیں اُن کے نام براہ راست اکسرسٹنٹ کمشنری کے لیے بھیج دیئے جائیں۔ چودھری صاحب اس اسکیم میں براہ راست ای۔ اے۔ سی لے لیے گئے۔ اور پھر اگلے ہی سال یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ گویا یہ تصرف محض انہیں کے لیے ہونے کا آیا تھا۔

چودھری صاحب نے دوران ملازمت جس فرض شناسی اور دیانت سے کام کیا وہ ضرب المثل ہے۔ ان کا بیان ہے کہ اس دیانت و صداقت کی وجہ سے کئی بار سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا مگر ہر شکل میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے خواب یا بیداری میں میری حوصلہ افزائی فرما کر حق پر ثابت قدم رہنے میں مدد فرمائی۔ (فیض)

ایک نیازمند کو ترقی درجات کی بشارت

ملک محمد خدابخش ٹوانہ کو جو ان دنوں سب انسپکٹر پولیس تھے ایک روز فرمایا: قریب آؤ! اب تم کیا ہو؟ عرض کیا: انسپکٹر پولیس ہوں۔ فرمایا: وہ کیا ہوتا ہے؟ تھانیدار؟ اور سُکرا کر فرمایا: اس سے اوپر کیا ہوتا ہے؟ عرض کیا: انسپکٹر۔ اس سے اوپر کیا ہوتا ہے؟ اور پھر سُکرائے۔ عرض کیا: ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ۔ فرمایا: اُس سے اوپر؟ عرض کیا: سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ مجلس سے باہر آکر ملک صاحب نے اعلان کر دیا کہ آج مجھے اپنے پیر صاحب کے دربار سے یہ سارے درجات عطا کر دیئے گئے ہیں چپٹا پنجہ سپرنٹنڈنٹ پولیس ہو کر ریٹائر ہوئے۔

حل مشکلات اور دفع بلیات

یہی نیازمند (یعنی ملک صاحب) ۱۹۳۴ء میں تھانہ گوجران میں افسر انچارج تھے۔ بستی ہیلیاں کی ایک ڈھوک پر سپاہیوں کی حراست سے ایک مُلزم فرار ہو گیا۔ چونکہ یہ خود بھی اُس رات اُسی بستی میں مقیم تھے لہذا قواعد پولیس کی رُو سے مُلزم کی عدم گرفتاری کی صورت میں انہیں فوراً محفل ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑ گڑا کر دعا مانگی اور حضرت کے دو خور و سال پوتوں کا واسطہ دیا۔

دُعا کے خاتمہ پر یوں محسوس ہوا گویا براہ راست حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے دل میں تسلی اور طمانیت ڈال دی گئی ہے۔ اور میری اپنی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری کر دیئے گئے کہ "انشاء اللہ پکڑا جائے گا"۔ اتنے میں مفروضہ مُلزم اس علاقہ کی ناواقفیت کی وجہ سے کسی میلوں کا چکر کاٹ کر خود بخود وہیں واپس آ گیا اور گرفتار کر لیا گیا۔

ایک مسموم مُرید کو خواب میں فرمایا کہ فوراً گولڑے چلے آؤ

لالہ عبدالکریم صاحب سوداگر (پشاور) کو زہر دیا گیا۔ خواب میں فرمایا فوراً گولڑے چلے آؤ۔ وہ اُسی وقت اٹھ کر ریل گاڑی سے گولڑہ روانہ ہوئے۔ حضرت نے دو خادم سواری دے کر اسٹیشن پر روانہ فرمائے جو انہیں اُتار کر لے آئے۔ دم کیا اور دُعا فرمائی اور فرمایا: جس نوکر نے زہر دیا ہے اُس کی تجہیز و تکفین تمہارے ہاتھوں سے ہوگی۔ چنانچہ لالہ صاحب نے اُسے ملازمت سے علیحدہ نہ کیا اور بہت عرصہ بعد جب وہ مرا تو اُس کی اچھی طرح تجہیز و تکفین کی۔

ریل گاڑی کے سامنے سے اٹھا کر بچا لیا

جامع مسجد راولپنڈی کے مشہور خطیب اور سیاسی اور مذہبی لیڈر مولانا مولا بخش صاحب قصوری بیان کرتے تھے کہ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر جب میں گھر آیا تو اپنے شہر کے رئیس نواب دادہ فتح باز خان صاحب قصوری کے ہمراہ گولڑہ شریف حاضر ہو کر بیعت کی۔ واپسی پر ریلوے اسٹیشن گولڑہ سے باہر مسجد میں ظہر کی نماز کے لیے وضو کر کے نواب زادہ صاحب کے لیے آفتاب بھر کر لے جا رہا تھا۔ سامنے ایک تھر و گڈ نے والی مال گاڑی آرہی تھی میں اُسے دُور سمجھ کر لائن پار کرنے لگا تو سگنل کی تاروں سے اُلجھ کر عین لائن کے درمیان گر پڑا۔ انجن اس قدر قریب آ گیا تھا کہ میرا اٹھ کر بیچ بچلانا ناممکن تھا۔ پلیٹ فارم پر سہراہیوں اور دیگر

مسافروں کی ہائے ہائے کی آوازیں گونج اٹھیں۔ اچانک ایک ہاتھ میری گردن کے پیچھے اور ایک ٹانگوں کے نیچے پڑا اور کسی نے مجھے اٹھا کر لائن سے باہر پھینک دیا اور ایک آواز آئی جو بالکل حضرت کی طرح تھی کہ ہا۔ ایسی غلطی۔ چنانچہ ہم لوگ سفر طوسی کر کے واپس گئے اور قدمبوس ہوئے۔

صاحبزادی صاحبہ کے کنوئیں میں گرنے کا واقعہ

ایک دفعہ حضرت کی چھوٹی صاحبزادی صاحبہ حرم سرائے کے اندر والے کنوئیں میں گر پڑیں۔ کنواں کافی گہرا تھا۔ اور اس میں پانی بھی تہ آدم سے بہت زیادہ تھا۔ بی بیوں، مہمان عورتیں اور خادماں الہی خیر، الہی خیر کا غل مچاتی ہوئی کنوائے پر جمع ہو گئیں۔ بابو جی صاحب گھر پر نہیں تھے حضرت کے بھانجے سید چمن پر شاہ صاحب کو پیغام بھجوایا گیا۔ کسی کو امید نہ تھی کہ صاحبزادی اتنی بلندی سے گھرے پانی میں گر کر زندہ بھی رہ جائیں گی۔ اتنے میں کسی بی بی کی نظر مکان کی طرف گئی تو دیکھا کہ صاحبزادی پانی میں شرابور بھاگ کر جا رہی ہیں۔ بعد میں انہوں نے بتایا کہ حضرت صاحب نے ہاتھ سے پکڑ کر تمام لیا تھا اور نکال کر باہر کھڑا کر دیا اس وقت ڈیوڑھی پر فقیر عبد اللہ صاحب پہنچ گئے اور کہا کہ حضرت نے خیریت دریافت فرمائی ہے۔

آپ اُس روز نماز عصر کے بعد حسب معمول سواری کے لیے کمرہ سے باہر تشریف لائے تھے مگر سوار ہونے کی بجائے واپس مسجد میں چلے گئے۔ اور فقیر عبد اللہ صاحب سے فرمایا کہ پار جاؤ اور خیریت پوچھ آؤ۔ (دربار اور حرم سرائے کے درمیان ایک پہاڑی ندی بڑتی ہے اس لیے پار فرمایا) اس دربار کے متعلق ایسے کئی محیر العقول واقعات کا بچہ بچہ گواہ ہے لیکن ان کی تاریخ مرتب کرنے اور محفوظ رکھنے کا یہاں دستور نہیں بلکہ اسے پسند ہی نہیں کیا جاتا۔

شفاعت کے مسئلہ کا حل

ضلع مظفر گڑھ کے خان بہادر غلام رسول خان صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس حضرت قبلہ عالم قدس برزہ کے مخلص مرید تھے وہ اُن دنوں (غالبا ۲۷-۱۹۲۶ء میں) ضلع جھنگ میں تعینات تھے، اُن ایام میں حضرت کی سیال شریف سے واپسی پر سرگودھا حاضر ہوئے اور جھنگ تشریف لے جانے کی درخواست کی۔ آپ نے بعض مصروفیات کی وجہ سے انکار فرمایا اور جب ان کے بار بار اصرار پر بھی راضی نہ ہوئے تو خان بہادر صاحب نے جوش میں آکر اپنی بولی میں کہا: اوہ مرد! میں دیکھساں توں کنوئیں نہ جاسیں میں تیری گدھی اگے سر رکھ کے مرجاساں! سچے اور مخلص لوگوں کا کلام تہ دل سے نکلتا ہے۔ چنانچہ آپ نے جھنگ جانے کا ارادہ فرمایا۔ گاڑی میں اتفاقاً آپ ایک مسئلہ تصوف کی تشریح فرما رہے تھے اور سرگودھا کے کئی مخلصین ملک عمر حیات خان صاحب ٹوانہ وغیرہ آپ کے ڈبے میں بیٹھے تھے۔ گاڑی چل پڑی اور کسی کو اترنے کا خیال نہ رہا۔ اور یہ تمام لوگ بغیر ٹکٹ آپ کی تقریر سننے ہوئے ساتھ ہی چلے گئے۔ تقریر جاری رہی اور گاڑی چلتی رہی جی کہ جھنگ کا اسٹیشن آگیا۔ اُس وقت یہ حضرات سخت پریشان ہوئے۔ کیونکہ اس منصب کے لوگوں کے لیے بلا ٹکٹ پکڑے جانے کی ندامت قابل برداشت نہ تھی۔ اتنے میں پلیٹ فارم پر لوگوں کا اژدحام دیکھ کر اسٹیشن ماسٹر نے بلند آواز میں کہہ دیا کہ گیٹ کھول دو، جس کے پاس ٹکٹ ہے وہ دے جائے۔ مزید کسی سے پڑتال نہ کی جائے۔ یہ سن کر اسٹیشن سے باہر لوگوں کا منتظر جھوم جھوم بھی اندر داخل ہو گیا اور اس جھوم کے اندر ان بلا ٹکٹ معتبرین کی پردہ پوشی ہو گئی۔ اسٹیشن سے باہر نکلنے پر ملک سر عمر حیات صاحب کے صاحبزادے میں مردان علی صاحب قریشی ایڈوکیٹ نے بلند آواز میں کہا: لوگو! آج شفاعت کا

مسئلہ حل ہو گیا۔ دیکھو ہم لوگ سرگودھا سے حضرت کی تقریر سننے میں ایسے محو ہوئے کہ بلا ٹکٹ جھنگ پہنچ گئے۔ اور یہاں سخت پریشان تھے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت کی طفیل ہمیں شرمندگی سے بچالیا۔“

مخلصین کو حضرت غوث پاک کی زیارت کروادی

یہی خان بہادر غلام رسول خان ایک بار گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ میں بغداد شریف جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: بغداد والوں کی مہربانی ہو تو یہاں بھی زیارت ہو سکتی ہے۔ خان صاحب یہ سن کر رو پڑے۔ اور اسی وقت غیاث حضور سرکار غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت شیخ الجامعہ بھی بیان فرماتے تھے کہ ایک بار میں گولڑہ شریف حاضر ہوا۔ حضرت مسجد میں تنہا تشریف رکھتے تھے۔ اشراق کا وقت تھا۔ میں نے قدمبوس ہو کر عرض کیا کہ حضور! میں گیا رہوں شریف دیا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ سے توفیق نہیں ہوتی۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ خیر ہوگی۔ اتنے میں ایک آہٹ ہوئی۔ اور ایک نورانی صورت بزرگ وہاں تشریف فرما نظر آئے۔ مجھ پر ایک بے جسی سی طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر یہ عالم رہا اور پھر وہ بزرگ آنکھوں سے غائب ہو گئے۔ یہ حضرت کی کرم گستری تھی جس کی بدولت حضور غوث الاعظم کی زیارت نصیب ہو گئی اور آئندہ گیا رہوں شریف بھی جاری ہو گئی۔“

لالہ عبدالکریم سیٹھی صاحب کو آپ کی خدمت میں جنات نظر آئے

حضرت بعض اوقات شام کے بعد باہر تشریف لے جاتے اور کچھ دیر شغل اور ذکر میں مصروف رہتے۔ لنگر کا ایک خادم بھی وضو کے لیے پانی کا آفتاب لے کر ساتھ رہتا۔ ایک دفعہ پشاور کے لالہ عبدالکریم سیٹھی صاحب بہ اصرار خادم سے کوزہ لے کر ساتھ ہو لیے۔ حضرت نے سیٹھ صاحب کو ایک جگہ بٹھا دیا اور خود کچھ فاصلے پر حسب معمول اپنے شغل میں مصروف ہو گئے۔ کچھ دیر بعد سیٹھ صاحب کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت کے ارد گرد ایک عجیب الخلق مخلوقات کا اژدھام ہے۔ یہ جو اس باختہ ہو کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر لیٹ گئے۔ جب حضرت نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو حاضرین کو جو کہ جنات تھے رخصت فرما دیا اور پھر سیٹھ صاحب کو بلا لیا۔ مگر ڈر کے مارے ان کی زبان بند ہو گئی تھی۔ حضرت نے سنس کر فرمایا کہ لالہ! اب تو وہ چلے گئے ہیں۔ اب تو آنکھیں کھولو۔ تب وہ اٹھے اور پھر کبھی ساتھ جانے کی جرأت نہ کی۔

کڑوا کنواں میٹھا ہو گیا

جناب سید صدیق شاہ صاحب (مانگودال تحصیل خوشاب) نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ کانوں میں بہت سا پڑ خیرج کر کے کنواں کھدایا گیا جس کا پانی نعمت کڑوا نکلا ہے۔ پانی کا بڑی تکلیف ہے۔ بہت دور ایک پہاڑی چشمد سے پانی لاتے ہیں۔ حضرت نے کچھ پانی دم کر کے دیا جس کے ڈالنے سے کنواں میٹھا ہو گیا اور آج تک استعمال ہو رہا ہے۔

خود لنگر کے کنویں میں پانی ختم ہو گیا تھا۔ کھدائی پر پتھر ہی پتھر نکلتے تھے۔ جب مستری نے مایوسی کا اظہار کیا تو دعا فرمائی۔ اگلی صبح مزید کھدائی کے بغیر پانی بھرا آیا اور آج تک خشک نہیں ہوا۔

ایک مُرد کو اٹھارہ بیس سال پہلے زمین ملنے کی بشارت

میاں محمد سعید صاحب قریشی دارونہ جیل (تھمیل خوشاب) حاضر ہوئے۔ حضرت کے عالم استغراق کا زمانہ تھا۔ اربعین کو چھ دیر خاموش بیٹھ کر اٹھ جاتے تھے۔ حضورؐ نے اچانک مولوی محبوب عالم صاحب سے پوچھا کہ تمہارے پاس کون بیٹھا ہے۔ تعارف کرانے پر فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ اسے کچھ زمین ملی ہے جس سے پانی نکل رہا ہے۔ قریشی صاحب کہتے ہیں میں نے خیال کیا کہ میری تھل کی چند کنال زمین سے پانی نکلنے کا کیا سوال ہے۔ اس پر حضرت نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں سچ کہتا ہوں تمہیں بہت سی زمین ملی ہے جس کے اندر سے پانی اُپر کو نکل رہا ہے۔ اس فرمان کے اٹھارہ بیس سال بعد پاکستان میں ریٹائر ہونے پر مجھے ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں ٹیوب ویل سکیم میں سات مربعوں کے قریب اراضی حاصل ہوئی جو اب میری ملکیت ہے اور اس کے اندر سے واقعی پانی نکل رہا ہے۔

ایک زبان بند لڑکے کی فوری گویائی

پشاور میں حضرت کے سامنے ایک چھ ماہ کا لڑکا پیش ہوا جس کے والد نے عرض کیا کہ آج چھ مہینے ہوئے یہ ایک وادی میں بکریاں چرانے گیا تھا۔ واپس آیا تو زبان بند تھی، آج تک بات نہیں کر سکا۔ حضرت نے لڑکے سے فرمایا: لڑکے کیا تمہارا باپ ٹھیک کہہ رہا ہے؟ اُس نے فوراً جواب دیا کہ سچی ہاں میرا باپ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ فرمایا: اب بات کیا کرنا؟ اس کے بعد اُس کی حالت درست ہو گئی۔

تالیفِ قلوب کا وظیفہ

جناب پیر ولایت شاہ صاحب نوشہروی نے اپنے قصبہ (نوشہرہ تھمیل خوشاب) کے حاجی محمد اولیازگر کو شاہ پور کے مقام پر پیش کر کے عرض کیا کہ اسے اپنے چند دشمن رشتہ داروں سے قتل کا سخت اندیشہ ہے۔ فرمایا سورۃ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ گیارہ مرتبہ، اول آخر بائیس مرتبہ درود شریف بائیس روز پڑھے۔ اس عمل کے چودھویں روز دشمن فریقِ وفدے کے صلح کرنے آئے۔ اور حاجی صاحب کے لڑکے سے اپنی لڑکی کا رشتہ کر دیا۔

لوٹے ہوئے رشتے جو ردینا

سید احمد شاہ صاحب (پنڈ پراچہ داخلی جھنگی سیدیاں) بیان کرتے ہیں کہ میرے خسر نے اپنی لڑکی کی نسبت مجھ سے توڑ کر ایک فوجی صوبیدار کے ساتھ کر دی تھی۔ اس پر ہمارے گاؤں کے امام مسجد جو حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف قدس سرہ کے مُرد تھے افسوس ظاہر کرنے کے لیے آئے اور والد صاحب سے کہنے لگے: "احمد شاہ کو میرے ساتھ گولڑہ شریف بھیجو۔ اگر حضرت متوجہ ہو گئے تو سمجھو ابھی کچھ نہیں بگڑا۔" ہمارا خاندان شیعہ عقائد اختیار کر چکا تھا۔ اور اس سے پہلے حضرت کے ساتھ کوئی راہ و رسم نہ تھی مگر والد صاحب نے مجھے مولوی صاحب کے ساتھ بھیج دیا۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ مولوی صاحب سے واقعات سُن کر خاموش رہے اور ہم دونوں نے خیمہ سال کیا کہ آپ متوجہ نہیں ہوئے جب مجلسِ برخاست ہوئی اور سب لوگ باہر جانے لگے تو حضرت نے مجھے روک لیا، اپنے دست مبارک سے ایک تعویذ لکھ کر دیا اور فرمایا اسے پہن لو۔ ہم عصر کے قریب گاؤں میں

واپس آئے شام کے وقت معلوم ہوا کہ میرے خسر اور صوبیدار کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ کچھ دیر بعد ایک عزیز نے آکر کہا کہ جلدی کرو مگنی کے واپس کیے ہوئے زیور اور کپڑے لے چلو، صوبیدار کو جواب مل گیا ہے۔ چنانچہ عشا کے قریب دوبارہ مگنی کی گئی اور چند روز بعد شادی ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد اگلی ہی صبح میں اور میرا والد حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی بیعت میں داخل ہو گئے اور اس طرح بزرگوں کے صحیح مسلک کا ٹوٹا ہوا رشتہ بھی جڑ گیا۔

ایک بزرگی حکما واپسی کی حکمت

حافظ غلام حسین صاحب (علاقہ روات) بیان کرتے تھے کہ میں ایک دفعہ چودہ پندرہ میل کا سفر پیدل طے کر کے شام کے بعد گولڑہ شریف پہنچ کر قدمبوس ہوا تو حضرت نے دعا فرما کر ارشاد کیا کہ حافظ صاحب آپ کو اجازت ہے ابھی واپس چلے جائیے۔ میں حیران ہو کر اسی طرح پیدل واپس چل پڑا آدھی رات کے وقت راستے میں گھر سے ایک آدمی آتا ہوا ملا جو میرے لیے یہ پیغام لارہا تھا کہ والد قریب المرگ ہیں۔ چنانچہ میرے گھر پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت بابو جی مدظلہ العالی کے ایک ارادت مند محمد اقبال صاحب سکندریہ آبادیہ کے ساتھ پیش آیا۔ وہ آپ کے ساتھ کراچی گئے تھے جہاں اگلے ہی روز حضرت بابو جی صاحب نے اصرار کر کے واپس بھیج دیا۔ ان کے واپس پہنچتے ہی ان کے والد نے وفات پائی۔

اپنا بچا ہوا پانی پلا کر نمازی بنا دیا

ملک خدابخش صاحب نواز کا بیان ہے کہ انگریزی تعلیم اور انگریزوں کی ملازمت کا مجھ پر یہ اثر ہو گیا تھا کہ نماز کی پابندی بالکل جاتی رہی۔ ایک مرتبہ حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے پینے کے لیے پانی منگوایا۔ دو گھنٹہ خود نوش فرما کر باقی مجھے پلا دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ پھر نماز کبھی نہیں چھوٹی۔

الغرض بے نماز، بے عمل اور بے ریش فیشن زدگان کے حق میں آپ نوش کردہ اور پس خوردہ، تریاق اور دامِ اُلفت کا کام دیتے تھے، نظر مبارک و عطا کستی تھی اور محبت اپنا کراہ راست پر لے آتی۔ کبھی شاذ ہی زبان مبارک سے یہ فرمانے کی ضرورت پیش آتی کہ ایسا کیوں کرتے ہو اور ایسا کیوں نہیں کرتے جو شخص قریب آیا اور کچھ وقت قریب رہا۔ جس نے بیعت کی اور پھر گاہے گاہے خدمت میں حاضر ہوا، وہ اسی رنگ میں رنگا گیا۔ اخلاص، محبت، استغنا اور دل کی تونگری میں وہ اثر تھا کہ جس نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، اثر جو بے بغیر نہ رہ سکا، بخدا آپ کی مجلس میں پہنچ کر خدایا داتا تھا اور دنیا بھول جاتی تھی۔

حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیر کمال کے نشان گنوا کر فرماتے ہیں۔ اے مرید! اگر تجھے ان نشانات کی شناخت میں وقت واقع ہو تو سن لے کہ جس شخص کے حضور میں پہنچ کر تجھے دنیا کا خیال بھول جائے اور خدایا داتا لگے وہی کابل ہے۔ حضرت شیخ کے اس ارشاد کا ماخذ وہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو مقبولانِ خدا کی شان میں فرمایا کہ اذ ارد ذکر اللہ (جب ان پر نظر پڑتی ہے خدایا داتا ہے) حضرت کی مجلس میں پہنچ کر مشنوی شریف کے اس شعر کا مفہوم دل پر نقش ہو جاتا تھا۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

نجیب الطرفین سیادت کا امتحان

کہر زچا صنم طمان کے فقیر دوست ذیلدار ملک پرنجش خان صاحب کا بنو جو اچ شریف کے آستانہ سے متعلق تھے بیان کرتے تھے کہ ہم اچ شریف کے سادات کے مریدوں میں مدت سے دوسرے مشائخ کے دعویٰ سیادت کی تحقیق کا ضبط چلا آ رہا تھا۔ جب حضرت قبلہ عالم پیر صاحب گولڑہ شریف قدس سرہ کی شہرت ہمارے وطن میں پہنچی تو ایک بار حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی سجادہ نشین درگاہ حضرت موسیٰ پاک شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ طمان شریف نے مجھ سے ذکر فرمایا کہ جناب پیر صاحب گولڑوی رزاقی گیلانی سید ہیں۔ پھر میرے اپنے شیخ حضرت مخدوم اللہ بخش صاحب گیلانی ایک مرتبہ گولڑہ شریف گئے اور واپسی پر حضرت پیر صاحب کے کمالات کا تذکرہ فرماتے رہے۔ چنانچہ آپ کی سیادت کے بارے میں تسلی ہونے کے بعد مجھے اپنے بزرگوں کی اس کہادت کو آپ پر آزمانے کا خیال پیدا ہوا کہ صحیح النسب اور نجیب الطرفین سید کی پشت پر درود شریف پڑھ کر ٹھونک یا جائے تو وہ منہ پھیرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایک بار اطلاع ملی کہ پیر صاحب پاک پتن شریف کے عرس پر آئے ہوئے ہیں۔ میں کہر ڈر سے ریل پر سوار ہو کر وہاں پہنچ گیا اور کوشش کر کے ظہر کی نماز کے وقت آپ سے پھلی صف میں جگہ لے لی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو کر چلے تو اس ہم بغیر میں آہستہ سے درود شریف پڑھ کر آپ کی پشت مبارک پر ٹھونک دیا۔ جس کے ساتھ ہی آپ مڑ کر کھڑے ہو گئے اور غور سے میری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے شرمندہ اور خوفزدہ ہو کر گردن جھکا دی اور سلام کے لیے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیے اور اس وقت تک سر نہ اٹھا یا جب تک آپ پھپھل نہ پڑے۔ اسی شرم اور رعب کی وجہ سے میں حاضر نہ ہوا اور پہلی گاڑی سے واپس آ گیا۔

مایوس اور جاں بلب مریضوں کا احوال

سلوک کے تمام تذکرے اولیائے کاملین سے احوال موتی کے تصرف کو رور کھتے ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء اللہ علیہم السلام کے معجزات میں تو ایسے لوگ زندہ ہوتے رہے ہیں جن کی موت پر ایک زمانہ گزر چکا ہوتا تھا۔ اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی کرامات سے تازہ مرنے والے یا عالم نزع کے مرض یا ذن اللہ ہی اٹھتے رہنے ہیں۔ اس صنف میں حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بعض کرامات کو مستثنیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہمارے حضرت کی برکت سے مایوس مریضوں کے شفا یاب ہونے کے تو بے شمار واقعات رونا ہوتے ہیں لیکن نزع کے عالم میں جب کہ موت کے فرشتے بھی نظر آنے لگ گئے تھے زندگی پالینے کے بعض مصدقہ واقعات کی بھی خبر ملتی ہے۔ جن میں سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں :-

خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب کا واقعہ

خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب لاہوری کی موت اور سوال و جواب کے بعد زندہ ہونے کا واقعہ جو باب جذب سیاحت میں مذکور ہوا ہے، اگرچہ براہ راست حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کی سلاک میں آتا ہے لیکن جو تیر ان کے حضرت کے ایک مقبول مرید اور درویش خادم ہونے کے یہ آنجناب کی دعا اور توجہ کا اثر تھا۔ ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کے تمام تصرفات اور کرامت کا مدار اور مرکز اور معدن وہی ذات کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی تو ہے جس کے (صلی اللہ علیہ وسلم) معجزات خود اللہ تعالیٰ

کے افعال شمار کیے جاتے ہیں۔

حافظ نور محمد صاحب قوال کو نئی زندگی ملنے کا واقعہ

اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ حضرت کے مقبول قوال حافظ نور محمد کی نئی زندگی پانے کا ہے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے وصال کے دو برس بعد حافظ صاحب اپنے گاؤں لاواضلع میانوالی میں ڈبل نمونہ میں مبتلا ہوئے اور ڈاکٹر نے مائوسی کا اظہار کر دیا۔ ان کا بیٹا خادم حسین باپ کا سرگود میں لیے بیٹھا تھا کہ کچھلی رات سخت بے چینی اور کرب کی حالت میں مریض پر غنودگی طاری ہو گئی اور تھوڑی دیر بعد وہ اچانک یہ شعر گنگنانے لگے۔

آتش شوقِ بستانِ دردِ دلِ جانم باقی ست

اے اجل باشش کہ بایارِ بیانم باقی ست

(یعنی مجازی محبت کی آگ ابھی میرے دل و جان میں موجود ہے۔ اے اجل رُک جا کہ مجھے اپنے دوست سے کچھ کہنا ہے)

بیٹے نے متعجب ہو کر سبب دریافت کیا تو کہا۔ ابھی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ تشریف لائے تھے۔ فرمایا۔ حافظ! آنا چاہتے ہو یا ابھی رہنے کا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا۔ خادم اور عبدالرحمن کا بیاہ کر چکا ہوں مگر فرید کے بیاہنے کی حسرت باقی ہے۔ فرمایا یہ شعر پڑھو۔ اور جب میں نے پڑھا تو آنکھ کھل گئی۔

جب صبح ڈاکٹر نے معاینہ کیا تو دونوں پھیپھڑے صاف تھے۔ حافظ سات برس اور زندہ رہا۔ اور اپنے تیسرے بیٹے غلام فرید کے دو بچے دیکھ کر فوت ہوا۔

پشاور میں مریضہ کو گولڑہ شریف سے دمِ شفا

میاں فضل الہی صاحب سیٹی (پشاور) کی اہلیہ بیمار ہو کر لا علاج قرار دی گئیں۔ ہزار ہاروپے صرف ہوئے۔ ڈاکٹروں کا بورڈ بٹھایا گیا۔ اور انہوں نے فیصلہ دیا کہ زندگی کی کوئی تمید نہیں۔ حضرت بابو جی مدظلہ العالی کو خط لکھا کہ مریضہ کو گولڑہ شریف لارہا ہوں تاکہ اُسے اسی خاکِ پاک کی قبر نصیب ہو۔ حضرت نے خط سُن کر فرمایا۔ فضل الہی کو تار دے کر منع کرو۔ پھر فرمایا۔ شاید تار دیر سے پہنچے۔ فقیر عبداللہ صاحب کو روانہ فرما کر ہدایت کی کہ مریضہ کی چار پائی اپنے ماموں کریم بخش صاحب سیٹی مرحوم کے گھر اُس کمرہ میں جہاں حضرت پشاور جانے پر قیام فرمایا کرتے تھے نو سے ساڑھے نو بجے صبح اور نو سے ساڑھے نو بجے شام رکھ دیا کریں آپ یہیں سے دم کر دیا کریں گے چپ دروز ایسا ہی کیا گیا اور مریضہ کلی طور پر شفا یاب ہو گئی۔ میاں فضل الہی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز گھڑی پر ساڑھے نو بجے، تو میں نے مریضہ کو جو غنودگی کے عالم میں تھی ہاتھ سے چھو کر کہا کہ وقت ہو گیا ہے اب چلیں۔ تو اُس نے کہا کہ اس وقت حضرت قبلہ عالم قدس سترہ میرے پاس بیٹھے ہوئے دم فرما رہے تھے۔ آپ نے ناحق مجھے جگا دیا۔

جال بلب مرض کا شفا پانا

ملک غلام صدیقی صاحب ٹوانہ ایک مُہلک مرض میں مبتلا ہوئے، جس میں حلق اور ناک سے بے تحاشا خون جاری ہو گیا اپنے گاؤں سے میوہ ہسپتال لاہور پہنچائے گئے۔ جہاں میڈیکل افسر نے لا علاج قرار دیا۔ ان کے عزیز کپستان ملک

محمد صادق صاحب ان امراض کے ایک ماہر ڈاکٹر کو وہاں لے گئے۔ اُس نے کہا حالت خطرناک ہے مریض کو میرے کلینک میں لے چلو۔ خون کثرت سے بہ رہا تھا اور انتہائی ضُعت کی حالت تھی لیکن اچانک مریض نے آنکھیں کھول دیں اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ سامنے سے ہٹ جاؤ، مگرہ کے دروازہ کی طرف دونوں ہاتھ پشیمانی پر رکھ کر سلام کیا۔ پھر ایک جھرجھری لے کر اُٹھ بیٹھے۔ خون اُسی لمحے بند ہو گیا۔ اور ضُعت اس حد تک جاتا رہا کہ باتیں کرنے لگے۔ کہا۔ میرا علاج پہنچ گیا ہے۔ اب کسی اور علاج کی ضرورت نہیں۔ اور بیان کیا کہ حضرت قبلہ عالم قدس بترہ تشریف لائے تھے۔ دروازہ میں کھڑے ہو کر دریافت فرمایا۔ اوسے! تُو ہاں کے ہو گیا؟ (تمہیں کیا ہو گیا ہے؟) میں نے سلام کیا تو ہاتھ اٹھا کر دُعا فرمائی اور ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ گویا کہ رہے ہیں کہ یہاں سے چلے چلو۔ اور پھر میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ یہ حضرت کے وصال سے تیس برس بعد ۱۹۶۰ء کا واقعہ ہے۔

نزع کے عالم میں اچیا کا ایک کتابی واقعہ

ملک غلام محمدانی کے عم زاد بھائی ملک محمد خدابخش صاحب ٹوانہ نے رسالہ نور اسلام شرق پور شریف میں حضرت کی اس طرح کی کرامت کا ایک بر خود آزمودہ واقعہ اس طرح دستم کیا ہے:-

۱۹۴۳ء میں میری اہلیہ ایک شدید بیماری میں مبتلا ہو کر لیڈی اردن ہسپتال کے پرائیویٹ وارڈ میں داخل ہوئی اور ایک ہفتہ کے اندر مایوسانہ حالت کو پہنچ گئی۔ سردی کا موسم تھا۔ اُس کی والدہ چار بجے رات گھرائیں اور کھاڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ آخری وقت ہے بچوں کو لے چلو۔ انہیں دیکھنے کی حسرت دل میں نہ لے جائے۔ جب میں پہنچا تو اُس پر نزع کی سی کیفیت تھی۔ تین چھوٹے بچے مجھ سے پہلے پہنچ کر بستر سے لگے بیٹھے تھے۔ اتفاق سے میرا منہ گولڑہ شریف کی طرف تھا۔ حضرت کا تصور آیا اور میں نے کہا: الہی! ہم تیرے ولی کے دامن گرفتہ ہیں، اُس کا صدقہ رحم فرما: کوئی دو منٹ بعد مریضہ نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے پہچانا اور اشارہ سے قریب بلا کر خیف آواز میں کہا: مجھے ابھی اپنے پیر کی زیارت ہوئی ہے اور کہا گیا ہے کہ تم اس مرض سے نہیں مردگی، زیادہ بات نہیں کر سکتی پھر بتاؤں گی: بعد میں بتایا کہ دو شخص آئے اور مجھے اپنی گرفت میں لے لیا جس سے بڑی گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ اتنے میں دیکھا کہ حضرت صاحب سانسے کھڑے ہیں۔ میں نے اُن دونوں سے کہا کہ اگر مجھ سے کوئی نیکی اپنی عمر میں ہوئی ہے تو اُس کے بدلے اپنے پیر سے بات کر لینے دو انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں نے حضرت کا دامن پکڑ لیا اور کہا میں آپ کی مُرید ہوں، میری مدد فرمائیے۔ حضرت صاحب اُس وقت منموم معلوم ہوتے تھے اور خاموش رہے۔ مگر اُن میں سے ایک شخص نے کہا: دیکھو تمہارے مُرشد کو تم لوگوں کی وجہ سے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ جاؤ اور ہوش کرو تم اس بیماری میں نہیں مردگی۔“

حضرت کے وصال کو اُس وقت پانچ برس ہو چکے تھے۔ مجھے آپ کے اس غم و حزن کی بات سے اُس شفقت بے پایاں کے پے در پے واقعات یاد آنے لگے جو آپ اپنے بننے والوں کے حال پر فرماتے تھے۔ کسی ایک شخص کی مُصیبت پر مطلع ہوتے تو بار بار آہ سرد منہ سے نکل جاتی۔ وہ شفقت اور رحمت جو آپ کو عزیز عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَحِيمٌ، کے موصوف صلی اللہ علیہ وسلم سے ورثے میں ملی تھی جن کی شان ہے کہ

دو عالم بہ کمال گرفتاری بہ ہر نو ہزاراں سیہ کار داری
 اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَآلَ مُحَمَّدٍ
 بِقَدْرِ رَحْمَتِهِمْ وَشَفَقَتِهِمْ عَلَى خَلْقِكَ

اس کتابی واقعہ کے مطالعہ سے رد گردہ کے ایک مریض کی فوری شفا یابی

ملک محمد صادق خان صاحب ٹوانہ بیان کرتے ہیں کہ میں رد گردہ کی مرض میں مبتلا ہو گیا تھا جو بعض اوقات بڑی تکلیف دہ صورت اختیار کر لیتی تھی ۱۹۶۴ء میں ایک روز ملک خدا بخش صاحب کا وہ مقالہ پڑھا تھا جس میں ان کی اہلیہ کی معجزانہ شفا یابی کا ذکر ہے۔ میں نے کہا: یا اللہ! میں بھی آپ کے اسی ولی اللہ کا دامن گرفتہ ہوں۔ مجھے بھی ان کا صدقہ اس دردناک مرض سے شفا عطا فرمائیے۔ اور یہ کہ مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔ چند منٹ بعد مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ جس میں ایک بڑی سی پتھری خود بخود بغیر کسی تکلیف کے باہر نکل گئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں بجلی شفا یاب ہو گیا۔

اولیاء اللہ کی کرامات کا سلسلہ موت سے منقطع نہیں ہوتا بلکہ بڑھ جاتا ہے

واضح ہو کہ علمائے محققین کے نزدیک اولیائے کرام کی کرامات کا سلسلہ موت سے منقطع نہیں ہوتا بلکہ بعد وصال انہیں روحانی تصرف اور زیادہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس موضوع پر حضرت شیخ الاسلام شہاب الدین احمد کار سالہ نفعات القرب والاقبال باثبات التصرف لاولیاء اللہ تعالیٰ والکرامۃ بعد الانتقال قابل دید ہے۔

موت کے وقت مریدوں کی دستگیری

ملک سلطان محمود خان صاحب ٹوانہ فرمایا کرتے تھے کہ اس قسم کے مسیوں خط حضور کی ڈاک میں موضوع ہوا کرتے تھے جن میں آپ کے مرحوم مریدوں کے وراثت لکھا کہ موت کے وقت مرحومین نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور اپنے حسب استطاعت عزیزوں سے چارپائی یا کرسی لانے کو کہا کہ میرے حضرت تشریف لائے ہیں۔ ان واقعات سے علم سلوک کے اس سلسلہ کی تائید ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ نزع کے وقت مرید صادق کو پیر کامل کی مدد پہنچتی ہے۔ خود راقم المحروف نے اپنے والد صاحب مرحوم کو بوقت وفات بار بار کہتے سنا کہ دیکھو حضرت صاحب تشریف فرما ہیں۔

حضرت بابو جی مدظلہ العالی کی علالت اور شفا یابی

خود حضرت بابو جی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی علالت کا واقعہ مشہور ہے کہ بیماری شدت پکڑ رہی تھی اور قبلہ عالم قدس سترہ کی طبع مبارک پر تشویش کے مطلق کوئی آثار نہ تھے۔ درس و تدریس اور ارشاد و اشغال میں ذہنی انہماک تھا۔ بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اپنے اکلوتے صاحبزادے اور اس دربار غوثیہ اور خاندان عالیہ کے اکیلے چشم و چراغ وارث کی اس خطرناک حالت کی طرف بالکل توجہ ہی نہیں۔ خدام رو رو کر عرض کرتے تو فرمادیتے تھے کہ علاج کراؤ، کسی اور بڑے طبیب کو بلو۔ آخر ایک روز دکھوں نے کہہ دیا کہ اب دوا کی نہیں دغاکی ضرورت ہے۔ گھر سے محمدات عالیہ آکر رو رو کر دوا کر گئیں۔ بابو جی صاحب قدیم مہمان سانسے

میں باغ کے سامنے والے کمرے میں صاحب فراش تھے۔ اچانک ہوش میں آکر پینم بجوایا کہ تشریف لا کر مجھے آخری وقت بیعت فرما جائیے تشریف لائے اور بیعت فرمایا۔ اسی وقت ان پر نزع کے سے آثار طاری ہو گئے اور حاضرین میں کھرام مچ گیا۔ حضرت اس حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور اکیلے اپنے حجرہ شریف میں تشریف لے گئے۔ کہتے ہیں کہ ادھر آپ حجرہ شریف میں پہنچے ادھر بابو جی صاحب قبلہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر حجرہ شریف میں حاضر ہوئے اور قدمبوسی کی۔

اطلاع برغیب اور اس قبیل کے بعض واقعات

کراماتِ حسیہ کی یوں تو کئی اقسام ہیں لیکن ان میں امورِ غیب پر بہ اذنِ الہی مطلع ہو جانا ایک خصوصی امتیاز رکھتا ہے۔ اور پھر کسی کے دل میں پوشیدہ بات کو معلوم کر لینا اور بھی زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ جس چیز کا عالم شہادت میں ابھی تک ظہور نہیں ہوا اس پر مطلع ہونا نسبتاً زیادہ مشکل ہے۔ گو یہ چیزیں بعض علومِ لطیفہ کے ذریعے بھی حاصل ہو جاتی ہیں مگر اولیائے کرام کے الہامی اور کشفی علوم اور علومِ لطیفہ کے ذریعے حاصل کردہ امور میں کافی فرق ہے۔ کیونکہ ولی کامل کی صفات کاملہ علم، سمع، بصر، حسبِ حدیث قدسی **بِنِي يَسْمَعُ وَبِنِي يَبْصُرُ** ایک خصوصی شان کی حامل ہوتی ہیں جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد شہادت دے رہا ہے **اِنَّ قَوْلَ اَقْرَابَةِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ**۔ (مومن کامل کی فراست سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے) اس سلسلہ میں حضرت قبلہ عالم قدس **بِرَّهٖ** کے متوسلین سے کئی واقعات منقول ہیں جن میں سے چند ایک ایسے واقعات ذکر کیے جاتے ہیں جو راقم الحروف نے قبلہ بابو جی مدظلہ العالی اور اپنے والد مرحوم سے بارہا سنے۔

مقبولانِ خدا کے آثار کی تعظیم مگر اولاد سے تغافل

قبلہ بابو جی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک ہندوستانی شخص حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت فقر و ولایت سے متاثر ہو کر اس خیال سے پاک پن شریف حاضر ہوا کہ آپ کے سجادہ نشین سے بیعت کروں گا۔ لیکن وہاں پہنچ کر دل میں صاحب سجادہ حضرت دیوان صاحب پر معترض ہو کر حضرت قبلہ عالم قدس **بِرَّهٖ** کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس شخص کو دیکھ کر مجلس میں ارشاد فرمایا کہ تعجب ہے بعض لوگ حضراتِ مقبولانِ خدا کی محبت اور تعظیم میں ان کے مشاہد و مقابرا اور آثار و تبرکات کا تو احترام کرتے ہیں مگر ان کی اولاد کا احترام نہیں کرتے جن کے رگ دریشہ میں ان حضرات کا خون جاری و ساری ہے۔ حالانکہ ایک مجازی محبت مجنوں، سیلی کے نام کی نسبت سے لیل یعنی رات اور ہر سیاہ چیز سے محبت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

أَحِبُّ لِحُبِّهَا السُّودَانَ حَشِي

أَحِبُّ لِحُبِّهَا السُّودَ الْكَلَابِ

یعنی میں سیلی کی محبت کی وجہ سے ہر سیاہ چیز کو دوست رکھتا ہوں یہاں تک کہ اس کی محبت میں مجھے کالے گتے

بھی پیارے لگتے ہیں۔

یہ سن کر وہ شخص نام نہاد اور اپنی غلطی کا برملا اعتراف کیا۔ اس سلسلہ کا ایک اور واقعہ جس میں دیوان صاحب پاک پن شریف کے مافی الضمیر پر مطلع ہو کر حضرت قبلہ عالم قدس **بِرَّهٖ** نے آپ کے شبہ کا ازالہ فرمایا تفصیلاً باب پنجم میں گذر چکا ہے۔

ارادتمند کے ضمیر پر مطلع ہو کر اُس کی پسند کے سلسلہ طریقت میں بیعت فرمایا

والد مرحوم فرماتے تھے کہ ہمارے اسلاف جو شمالی سندھ کے بلوچ قبائل سے تھے، گھونگی ضلع سکھر کے ایک گیلانی بزرگ حضرت مخدوم ٹوٹی شاہ صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ارادتمند تھے جو حضرت سلطان العارفين بابور رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اس لیے مجھے ابتدا ہی سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہونے کا شوق تھا متعدد خانقاہوں پر حاضری دی مگر کہیں اطمینان نہ ہوا۔ ایک دفعہ ایک خلوت نشین صدر سالہ عمر بزرگی بابا نور صاحب قادری کی خدمت میں حاضر ہوا جو ڈیرہ اسماعیل خان سے شمال کی طرف ایک قصبہ خسور میں رہتے تھے اور بڑے صاحب کشف مشہور تھے۔ انہوں نے فرمایا ابھی کچھ وقت باقی ہے خاطر جمع رکھو تمہیں ایک گیلانی بزرگ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کا شرف حاصل ہو گا جو اپنے وقت کا غوث ہو گا۔ بابا صاحب کی اس پیش گوئی نے میرے شوق کو اور بھی تیز کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد جب میرے چھوٹے بھائی حافظ اللہ بخش صاحب قصبہ گھوڑہ ضلع ملتان میں بغرض تعلیم مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی کے درس میں داخل ہوئے تو میری آمد و رفت بھی ادھر زیادہ ہونے لگی۔ اس اثنا میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا ذکر خیر بکثرت سُننے میں آتا۔ اور آپ کی طرف دل کھینچنے لگا۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں اُس علاقہ میں تھا کہ حضرت قبلہ عالم قدس نے خان گڑھ تشریف لائے اور مجھے پہلی بار شرف زیارت حاصل ہوا۔ لوگوں کا بڑا جھوم تھا جو ق درجہ بیعت ہو رہے تھے۔ میں نے بھی بیعت ہونے کی درخواست کی تو فرمایا۔ ٹھہرو کل ملنا۔ مجھے آپ کے اس ارشاد کے بعد سخت پریشانی ہوئی خصوصاً جب یہ معلوم ہوا کہ آپ سلسلہ چشتیہ کے بزرگ حضرت اعلیٰ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز ہیں تو اور بھی زیادہ فکر دامنگیر ہوئی کہ شاید میری منزل حسب پیش گوئی مذکورہ بالا ابھی دور ہے۔ دوسرے دن حاضر ہوا تو خود ہی فرمانے لگے، تمہارے اسلاف سلسلہ عالیہ قادریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مجھے اپنے مشائخ کرام سے سلسلہ چشتیہ اور قادریہ برد میں بیعت کرنے کی اجازت ہے تمہیں سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کیا جائے گا۔ پھر نہایت شفقت سے بیعت فرما کر اوراد و وظائف تلقین فرمائے جب گھر واپس آیا تو اپنے والد حافظ غلام اسحق صاحب سے ذکر کیا۔ چونکہ انہیں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات والاصفات سے نہایت محبت تھی، یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا خدا کرے کبھی مجھے بھی حضرت کی زیارت نصیب ہو۔ چنانچہ ایک دفعہ جب پاک پن شریف سے واپسی پر حضرت بھکڑ سے گزرے تو والد صاحب اسٹیشن پر آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے جس کے بعد بار بار فرمایا کرتے تھے کہ حافظ تمہارے پر صاحب کے متعلق جس طرح سنا اُس سے بدرجہا زیادہ پایا۔ اولیاء اللہ میں ایسے مقدمہ خدات بہت کم ہوتے ہیں۔ یہ صحیح معنوں میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانشین ہیں۔ راقم کے خاندان کے مورث اعلیٰ اعلیٰ حضرت میں محمود قادری اور دیگر اسلاف کا ذکر کتاب مناقب سلطانی میں بھی آچکا ہے۔

قطب الوقت کے اوصاف کا بیان اور اُس کا مشاہدہ

والد مرحوم فرماتے تھے: ایک سال پاک پن شریف سے واپسی پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ (محل مسکن) ضلع مظفر گڑھ میں خان غلام رسول خان صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی دعوت پر تشریف فرما ہوئے۔ مجھے بھی ملائی نصیب ہوئی۔ مجلس میں قطب الوقت کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے دل باذن الہی قطب الوقت کے تصرف میں ہوتے ہیں۔ چاہے اپنی طرف متوجہ کرے چاہے بنادے میرے دل میں خیال آیا کہ آنجناب سے بڑھ کر اس وقت کون اس وقت میں ہونا چاہتا ہے کیا ہی اچھا ہوا کہ آپ کی بیان کردہ علامات کا مشاہدہ ہو جاوے۔ جب رو گئی کہ وقت آیا تو آپ کی جیب ایک بھگت برہمن کے

کو روانہ ہوئی۔ اُس وقت میرے ایک دوست اور پیر بھائی سید غلام محی شاہ صاحب جو ایک ذاکر و شاعر بزرگ تھے صوبہ سرحد کے علاقہ سے دریائے سندھ عبور کر کے اہل خانہ سمیت زیارت کے لیے حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب نے مجھے کہا کہ میں بڑی تکلیف اٹھا کر اہل خانہ کو زیارت کے لیے لایا ہوں حضرت سے عرض کریں میں نے کہا۔ اب تو گاڑی کا وقت قریب ہے اور لوگوں کا ازدحام اس قدر ہے کہ جیب کو چلنے نہیں دیتے۔ لیکن شاہ صاحب کے زیادہ اصرار پر بڑی مشکل سے آپ کے پاس پہنچ کر عرض کیا۔ پہلے تو آپ نے فرمایا کہ اب موقعہ نہیں لیکن چونکہ آپ سادات کرام کا خصوصی خیال فرماتے تھے آپ نے تھوڑا سا تامل فرما کر جیب کو ادھی جوہنی آپ اترے لوگ اُنڈائے اور آپ کا چلنا دشوار ہو گیا۔ شاہ صاحب کے اہل خانہ کافی فاصلہ پر تھے ہم نے لوگوں کو شدت سے بٹانا شروع کیا تو آپ نے فرمایا: کچھ نہ کوٹھہر جا بن۔ بس آپ کا اتنا ہی فرمانا تھا کہ جہاں بھی کوئی آدمی تھا طلسم بن کر رہ گیا۔ اور کسی کو آپ کے پاس پھٹکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ آپ نے باطمینان شاہ صاحب کے اہل خانہ کو بیعت فرمایا اور پھر واپس آ کر جیب میں سوار ہوئے۔ اس اتنا میں گاڑی اسٹیشن پر پہنچ چکی تھی لیکن قدرتی طور پر کسی وجہ سے اُسے بھی رُکنا پڑا یہاں تک کہ آپ سوار ہوئے اور کافی دیر بعد گاڑی روانہ ہوئی۔ اس حیرت انگیز واقعہ کو دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت نے میرے خیال پر مطلع ہو کر مشاہدہ کر دیا۔

راقم الحروف کی بیعت اور اُس کے متعلق ایک مجذوب کی اطلاع برغیب

نیاز مند مولف جب صفر ۱۳۵۶ھ میں حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کے وصال سے چند روز پہلے بعمر ندرتہ سال پسلی بار گولڑہ شریف حاضر ہو کر آپ کی زیارت اور بیعت سے مشرف ہوا تو اُن دنوں والد صاحب صوبہ سرحد کی طرف گئے ہوئے تھے۔ میرے گولڑہ شریف سے واپس ہونے کے بعد جب گھر تشریف لائے اور میرے متعلق گولڑہ شریف جانے کا ذکر سنا تو فرمانے لگے۔ میں نے تو مجنونا نہ کام سمجھ کر چنداں خیال نہ کیا تھا مگر بات سچی نکلی۔ پھر سارا واقعہ بیان فرمایا کہ ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک مجذوب صورت شخص نے مجھے کہا تمہیں اپنے پیر صاحب یاد کر رہے ہیں۔ میں نے اس کی بات پر چنداں توجہ نہ دی اور چلا گیا۔ دوسرے روز پھر وہاں سے گذرا تو وہ کہنے لگا۔ تم نے میری بات نہ سنی، تمہارا لڑکا تو پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے پھر بھی یہ بات قرین قیاس معلوم نہ ہوئی۔ کیونکہ تمہارے متعلق مجھے یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ پہلی بار ایسے دور دراز سفر پر اکیسے چلے جاؤ گے۔ اور نہ کوئی اور ساتھ جانے والا آدمی خیال میں تھا۔ پھر مجھ سے سفر کی کیفیت اور گولڑہ شریف کے حالات پوچھے میں نے عرض کیا کہ ۲۳ صفر بروز آخری چہار شنبہ قبل دوپہر اچانک کسی کو اطلاع کیے بغیر گھر سے روانہ ہو گیا۔ قریب زوال اسٹیشن ہل سے ریل پر سوار ہو کر ۲۴ صفر بروز جمعرات صبح گولڑہ شریف حاضر ہوا۔ جب لوگ حضرت کی مجلس میں جانے لگے تو میں بھی مجلس خانہ میں حاضر ہوا۔ دیکھا تو آپ چارپائی پر ایک بڑے تکیے سے پشت مبارک لگا کر آرام فرماہیں۔ اور ایک شخص قرآن شریف تلاوت کر رہا ہے۔ باقی سب مجلس خاموش ہے۔ بعد ازاں دعا ہوئی اور لوگ آپ کی زیارت کرنے لگے۔ میں نے حاضر ہو کر آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ایک سفید ریش شخص کو کہا میں بیعت ہوتا ہوں۔ اُس نے میرا ہاتھ حضرت کے سینہ مبارک پر رکھا اور آپ کا مبارک ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھا۔ اُس وقت آپ نے قدرے چشم مبارک کھول کر نظر فرمائی۔ پھر اُس شخص نے کہا اپنا ہاتھ منہ پر پھیر لو۔ پانچ وقت نماز پڑھتے رہنا۔ اور دن بار کلمہ شریف لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہ اور دن بار دُرود شریف اللہُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ صبح کی نماز کے بعد پڑھا کرنا۔

یہ سننے ہی والد صاحب پر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا سبحان اللہ میرے حضرت کو اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقت عطا فرمائی ہے۔ مجھے کسی بار تمہیں گولڑہ شریف لے جانے کا خیال ہوا مگر پورا نہ ہو سکا۔ الحمد للہ کہ آپ نے میری اس دلی تمنا کو پورا فرمادیا! پھر فرماتے گئے کہ میرا خیال تھا کہ آج کل بعض آدمی نقلی مجذوب بن کر دنیا کو دھوکہ دیتے ہیں مگر ڈیرہ اسماعیل والا شخص واقعی صاحب کشف مجذوب تھا جس دن اُس کی میرے ساتھ بات ہوئی، تمہارے بیان کے مطابق اسی دن تمہارا گولڑہ شریف جانا ہوا! پھر فرمایا کہ "حضرت کی مجلس میں قرآن خوانی غالباً آپ کے پیر و مرشد حضرت اعلیٰ سیالوی کے یوم وصال کے سلسلہ میں ہوگی جو ۲۴ صفر کو ہوتا ہے اور وہ سفید ریش شخص آپ کے مصاحب خاص مولوی محبوب عالم صاحب ہوں گے" اس کے چند روز بعد آں جناب ۲۹ صفر کو دارفانی سے انتقال فرمائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ آنجناب کی نظر کرم کا نتیجہ تھا کہ راقم نے جامعہ فقیہہ اچھراہور میں مولانا حافظ مہر محمد صاحب سے درس نظامی کی تکمیل کے بعد ۱۹۶۶ء سے جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف میں خطابت، تدریس اور افتاء کے فرائض سنبھالے ہیں۔

حضرت جس قدر غریب نواز تھے اسی قدر غیور بھی تھے

والد صاحب نے ایک روز فرمایا کہ ہمارے حضرت جس قدر مہربان اور غریب نواز تھے اسی قدر غیور بھی تھے۔ چنانچہ میرے ایک پیر بھائی نے جو مراد آباد ضلع مظفر گڑھ کے رہنے والے تھے بیان کیا کہ حضرت قبلہ عالم قدس بسترہ کی مجھ پر بڑی مہربانی تھی۔ اور میں ذوق و شوق اور سیر و سلوک میں کافی ترقی پر تھا۔ کچھ خانگی مجبوریوں اور دُوری کی وجہ سے گولڑہ شریف کی بجائے حضرت سلطان العارفين باہور رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر کثرت سے آنا جانا شروع کر دیا۔ ایک دن بجا لبت مراقبہ کیا دیکھا ہوں کہ حضرت سلطان صاحب مجھے اپنی بغل میں لے کر پرواز فرما رہے ہیں جب چوتھے آسمان سے آگے نکلے تو سامنے سے حضرت قبلہ عالم قدس بسترہ بڑے جلال میں نمودار ہوئے اور جوش میں مجھے مخاطب کر کے فرمایا میں دیکھوں گا تجھے سلطان صاحب کہاں اُڑا لے جاتے ہیں۔ یہ سننے ہی میں سلطان صاحب کی بغل سے جدا ہو کر ایک گندے پانی کے گڑھے میں جا گرا اور وہ سب کیفیات روحانی سلب ہو گئیں۔ کافی آہ و زاری کی مگر حضرت قبلہ عالم قدس بسترہ کی وہ عنایت نہ رہی۔ اس کے بعد والد صاحب نے فرمایا کہ اپنے شیخ کے ساتھ عقیدت میں برگز فریق نہیں آنے دینا چاہیے۔ اس پر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ مجھے حضرت کے وصال سے کچھ عرصہ بعد سلسلہ نقشبندیہ کے ایک مشہور شیخ کی مجلس وعظ میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ وہ ہمارے خاندان کو جانتے تھے۔ وعظ کے بعد مصافحہ کیا تو بڑے جوش سے مجھے مخاطب کر کے کہا۔ حافظ جی! ولایت صغریٰ کی ضرورت ہے تو ابھی اس مقام پر پہنچائے دیتا ہوں۔ میں نے کہا آپ کی مہربانی، مجھے اپنے حضرت کی نظری کافی ہے۔ اس واقعہ کے بعد خواب میں میں نے حضرت قبلہ عالم قدس بسترہ کی وہ عنایت اور مہربانی مشاہدہ کی جو بیان سے باہر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شیخ سے بات کرتے وقت حضرت قبلہ عالم قدس بسترہ یہ سب کچھ مشاہدہ فرما رہے تھے۔

دست پیر از غائبان کو تاہ نیست
دست اوجہ سز قبضۃ اللہ نیست

الْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ یُبَارکُ تَصْنِیْفُ مَسْمُومِ مَرْسِیَةِ اللّٰہِ تَعَالٰی کے فَضْلِ دَکْرَمِ سے بَخِیرِ غُوثِیِّ اِخْتِمَامِ کُو پِہِنِجِی۔

مؤلف ناچیز و نیاز مند بارگاہ مہرہ

فیض احمد فیض عفی عنہ آستانہ عالیہ غوثیہ گولڑہ شریف ضلع اسلام آباد

تمت

اگرچہ حُسن تو از مہر غیر مستغنی است
من آں نیم کہ ز ایمان خویش آیم باز

حضرت شیخ اکبر سیدنا محی الدین ابن العربی تھو ص الحکم میں فرماتے ہیں کہ ولی در حقیقت وہ ہے جو فنا فی اللہ ہو جائے کیونکہ ولایت حق تعالیٰ میں بندہ کے فنا ہو جانے کو کہتے ہیں۔ اور فنا کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی بشریت کی جہت کو رُبوبیت کی جہت میں بالکل نیست و نابود کر دے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ولایت کی ابتدا سفرِ اول کی انتہا سے ہوتی ہے۔ اور سفرِ اول یہ ہے کہ خلق سے حق کی جانب، مظاہر اور اغیار سے تعین کو زائل کر کے سیر کرے، تعینات اور حجابات سے بچے اور منازل و مقامات کھلے کرتے ہوئے مراتب و درجات حاصل کرے۔ یہ سب کچھ حق تعالیٰ کی تجلی ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی تجلی اُس پر ہوتی ہے جس سے اُس کے اپنے نشانات مٹ گئے ہوں اور اُس سے اُس کا اپنا اسم زائل ہو گیا ہو۔ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اہل سلوک نے جملہ مقامات کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے: "علم الیقین"، "عین الیقین" اور "حق الیقین"۔ "علم الیقین" یہ ہے کہ انسان شے کو اُس کی اصلی حالت سے تصور کرے۔ "عین الیقین" یہ ہے کہ شے کو اُس کی اصلی حالت سے مشاہدہ کرے۔ اور "حق الیقین" یہ ہے کہ انسان حق میں فنا ہو جائے۔ اور علم، مشاہدہ اور حال ہر تین میں حق تعالیٰ کے ساتھ بقا حاصل کرے۔

حضرت سیدنا مہر علی شاہ صاحب اُن اولیائے عظام میں سے تھے جنہوں نے اپنے مجاہدہ، مشاہدہ، علم اور فضل الہی سے حق الیقین میں ایک نہایت ارفع و اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جمال ظاہری کے ساتھ ساتھ کمالِ روحانی بھی بدرجہ اتم عطا فرمایا۔ آپ اپنے جدِ امجد، سرچشمہ کا پلان حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالعتاد رجیلانی اور سلسلہ سچت اہل بہشت کے گوہر صدانوار حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری کے صحیح جانشین اور مظہر تھے۔ علم لدنی کا گنج بے کراں آپ کو عنایت ہوا تھا۔ آپ کا وجود اقدس بیسویں صدی کے موم زمانہ میں بنی نوع انسان کی ایک کثیر تعداد کو گمراہی سے بچانے کا موجب ہوا اور لاکھوں افراد آپ کے فیضانِ روحانی سے مستفید ہوئے۔ آپ کے اوصاف و کمالات کو صحیح طور پر بیان کرنا ممکن نہیں کیونکہ آپ متصف باوصاف اللہ تھے۔ تاہم مولانا فیض احمد صاحب کی یہ کوشش اس لحاظ سے قابلِ ستائش ہے کہ انہوں نے اس مردِ کامل کی زندگی کے حالات بڑی کاوش اور تحقیق کے ساتھ مرتب کر کے سپردِ قلم کیے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر بخشیں اور پڑھنے والوں کے لیے اس کتاب کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے اس کی برکت سے انہیں راہِ راست پر چلنے کی توفیق بخشیں۔

فیضانِ الہی کا جو چشمہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی ذاتِ بابرکات سے جاری ہوا تھا وہ ان کے وصال کے بعد بھی بدستور رواں ہے اور خلقِ خدا روز افزوں تعداد میں آستانہ عالیہ پر حاضر ہو کر فیضِ یاب ہو رہی ہے۔ حضرت کے

سراپا اخلاق و محبت اور منکر المزاج فرزند حضرت بابو جی قدس برتر اپنی زندگی میں اور ان کے وصال کے بعد ان کی اولاد محترم ہر وقت اور ہر طرح سے زائرین آستانہ اور مہمانوں کے آرام و آسائش کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے اس گلشن کو سدا سرسبز رکھیں اور آل اطہر کا یہ گھرانہ ہمیشہ آباد رہے۔

ع
ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد
آخر میں قصیدہ مہرنا کے چند جدیدہ اشعار کے ساتھ اس مختصر گزارش کو ختم کیا جاتا ہے۔

محمد حیات خان
محمد فاضل خان

قصیدہ مہرنا

شہسوارِ دُستِ میدانِ ہو پاکِ طینتِ سیدِ پاکیزہ خو
گوشِ دارے بر صدائے فائجدُفا شرحِ سازِ آئیہ لَاتَقْنَطُوا

معدنِ انوارِ مہرِ عالمیں
احمد آمد گشتِ فخرِ اولیں

خاصہ حقِ آلِ ختمِ المرسلین نورِ البصائرِ امیرِ المؤمنین
جانِ جانِ پیرِ کاملِ نذرِ دینِ جلوہ گاہِ نورِ شمسِ العارفین

معدنِ انوارِ مہرِ عالمیں
احمد آمد گشتِ فخرِ اولیں

کامل و اکمل حصولِ مدعا مالکِ دلِ لعلِ کُتارِ بُدا
کوہِ علم و مصدرِ رحم و عطا مہرِ عالمِ بہرِ دلِ مہرِ سما

معدنِ انوارِ مہرِ عالمیں
احمد آمد گشتِ فخرِ اولیں

گوہرِ نایابِ بحرِ چشتیا خوش نوائے طوطیِ باغِ رضا
قبلہ دینِ کعبہ صدق و صفا خواجہ مہرِ علی شاہ مقدا

معدنِ انوارِ مہرِ عالمیں
احمد آمد گشتِ فخرِ اولیں

یہ قصیدہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں منشی رجب علی صاحب جوہر موم و مغفور نے لکھا تھا۔

سَيِّدِي مَهْرٍ عَلَى صَاحِبِ عَطَا أَنْتَ هَادِي أَنْتَ مَوْلَى حَقِّ نَمَا
 أَنْتَ مَاوِي أَنْتَ مَلْجَأِي الرَّجَا عَالِمِ سِحْرِ الْبَيَانِ نَشْرَ الْهُدَا

معدن انوار مہر عالمیں

آخند آمد گشت فخر اولیں

مسکب او جسادہ تحقیق گشت مثل حاتم وادریق گشت
 از عملِ سلمِ الہ تصدیق گشت بر کمالِ فضل او تطبیق گشت

معدن انوار مہر عالمیں

آخند آمد گشت فخر اولیں

الْغِيَاثُ أَيْ مَطْهَرِ نُورِ تَيْم الْغِيَاثُ أَيْ كَاشِفِ بَرِّ عَيْم
 الْغِيَاثُ أَيْ مَهْرٍ وَكَرَامِ كَرِيم كُنْ حُنْدًا رَا جَارَةَ قَلْبِ سَعْتِيم

معدن انوار مہر عالمیں

آخند آمد گشت فخر اولیں

بندہ مہر علی جوہر گما بر در آمد آے شہ عفتہ گشا
 کُنْ دَوَابِ دَرِّ دَلِ بَهْرِ حُنْدَا نَا شُوْدَ حَاصِلِ مَرَا كَامِلِ شَفَا

معدن انوار مہر عالمیں

آخند آمد گشت فخر اولیں

بُدَّةٌ عَاجِزٌ غُلَامٌ مُنْجِي دِيْنِ مُلْتَمِيٌّ هَيْ تَحْجُّهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ
 سُنْ دُعَايَهُ بِهَرِّ حَنْتَمِ الْمُرْسَلِيْنَ نَا اَبْدَ حَضْرَتِ رَبِّيْ مَسْنَدِ نَشِيْنِ

معدن انوار مہر عالمیں

آخند آمد گشت فخر اولیں

کوائفِصال حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کے اکلوتے فرزند جلیل حضرت سید غلام محی الدین شاہ صاحب المعروف بابو جی کے مختصر حالات زندگی اس کتاب کے چھٹے باب کی آٹھویں فصل میں تحریر کیے جا چکے ہیں۔ ۳۷ برس تک گولڑہ شریف کی مسند ارشاد پر جلوہ فرما رہنے کے بعد ۲۲ جون ۱۹۷۲ء (۲ جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ) کو حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وصال فرمایا۔ چنانچہ مہر منیر کے اس تازہ ترین ایڈیشن میں نہایت اجمالی طور پر آپ کے کچھ باقی ماندہ حالات اور آپ کے وصال کے کوائف ایک علیحدہ فصل کی صورت میں شامل کیے جا رہے ہیں۔ حضرت بابو جی کی حیات مبارکہ کے کما حقہ تفصیلی حالات بیان کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔ بارگاہ ایزدی میں دُعا ہے کہ وہ ایسی کتاب کی تحریر، تدوین و اشاعت کے اسباب جلد از جلد پیدا فرمائے۔

جب قبلہ عالم حضرت اعلیٰ نے خلق خدا کو ایک طویل مدت تک اپنے بے نظیر علمی اور روحانی کمالات سے مستفیض کرنے کے بعد بالآخر ۱۱ مئی ۱۹۳۶ء (۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ) کو رفیق اعلیٰ کی جانب سفر فرمایا تو آستانہ عالیہ گولڑہ شریف کے معاملات کی دیکھ بھال اور حضرت کے سلسلہ رشد و ہدایت کو جاری رکھنے کی ذمہ داری کلیتہً حضرت بابو جی کے (بقول اُن کے ضعیف) کندھوں پر آن پڑی جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ ۳۶۸ پر لکھا جا چکا ہے۔ حضرت بابو جی نے حضرت اعلیٰ کی اجازت کے باوجود اُن کی زندگی میں بیعت و ارشاد کی ذمہ داری اٹھانے میں عرصہ تک تامل فرمایا تھا اور اُس وقت تک اس پر آمادہ نہ ہوئے تھے جب تک کہ حضرت نے آپ کی سیم درخواست پر یہ وعدہ نہ فرمایا کہ اچھا جو شخص تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے گا اُس کا ذمہ دار میں ہوں۔ تاہم حضرت کے وصال کے بعد خلق خدا نے جلد ہی دیکھ لیا کہ اپنے عالی مرتبت والد سے تربیت یافتہ اس مردِ عظیم نے اپنے گراں بار فرائض کس عزم، حوصلہ اور خوش اسلوبی سے انجام دیئے اور اپنے حضرت کے شروع کردہ سلسلہ فیضان کو کس خوبی سے جاری رکھا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب آستانہ عالیہ گولڑہ شریف حضرت بابو جی کی ذات گرامی کے گرد بالکل اسی طرح گھومنے لگا جیسے کہ خود حضرت اعلیٰ کے گرد آپ کے دور مبارک میں گھوما کرتا تھا۔

اسلامی اقدار کی ترویج

اپنے والد بزرگوار کی طرح اسلامی اقدار اور اخلاق کی ترویج و ترقی کو حضرت بابو جی نے ہمیشہ اپنا اولین مقصد حیات سمجھا۔ جہاں تک دنیوی معاملات کا تعلق ہے قیام پاکستان سے پہلے آپ نے صحیح اسلامی روایات اور سلف صالحین کے مسک کے عین مطابق راستہ اختیار فرمایا یعنی نہ ہی اُس وقت کی انگریز حکومت کا آلہ کار بننا گوارا کیا اور نہ ہی ہندو کانگریس کے اختراع کردہ واحد ہندوستانی قومیت کے نعرہ کو تسلیم کیا بلکہ برصغیر میں ایک علیحدہ آزاد مسلمان مملکت کے حصول و قیام کے لیے جس کا مقصد اولیٰ ایک مثالی اسلامی معاشرہ کی تشکیل تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے منشور کی پُر زور حمایت فرمائی۔ یہاں تک کہ اپنے بعض اکابر متعلقین کے نظریات کی پروا بھی نہ کی جو اُس کے برعکس تھے اور اپنے تمام ملنے والوں کو یہی مشورہ دیا کہ اس وقت مسلمانان

برصغیر کی بہتری اسی میں ہے کہ مسلم لیگ کی مکمل اور متفقہ حمایت کی جائے۔ تاہم جماعتی سطح پر اپنے اس نظریہ کے باوجود پاکستان بن جانے کے فوراً بعد ہندوستانی باشندوں کی طرف سے پہل کے نتیجے میں جب ہر طرف فرقہ وارانہ قتل و غارت کا بازار گرم ہوا تو آپ نے عظیم اسلامی روایات پر عمل کرتے ہوئے گولڑہ شریف کے غیر مسلم باشندوں کے جان و مال کی حفاظت کا نہ صرف پورا پورا انتظام فرمایا بلکہ وقت آنے پر انہیں اپنی ذاتی نگرانی میں ہندوستان رخصت فرمایا۔

تحریک ختم نبوت

حضرت بابو جی کے متذکرہ بالا اقدامات خالصہ جذبہ اخوت اسلامی کی بنا پر تھے۔ ورنہ ملکی سیاست میں آپ نے براہ راست عملی حصہ کبھی نہ لیا اور نہ ہی کسی سیاسی جماعت سے منسلک ہوئے۔ البتہ جب کبھی اسلامی اقدار کی حفاظت کی ضرورت پیش آئی آپ نے اپنی تمام تر کوششیں اس مقصد کے لیے وقف کر دیں۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے نہایت سرگرمی سے حصہ لیا اور اُس وقت کی مسلم لیگ حکومت کے اس رویہ سے سخت شاکی رہے جو اُس نے اس تحریک کو کچلنے کے لیے اختیار کیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو ملک محض حضور خاتم النبیین کی نظر کرم کے صدقے میں معرض وجود میں آیا۔ اُس کے عمائدین حضور کی ختم نبوت کے شیدائیوں سے کیسا بے دزدانہ سلوک کر رہے ہیں۔ لاہور ختم نبوت کانفرنس میں بھی آپ نے تمام مکاتیب کے راہنماؤں کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور جلسے جلوس میں اصولاً احترام کے باوجود اس کانفرنس کے کئی اجلاس میں شریک ہوئے۔ علاوہ ازیں اُس وقت کے گورنر جنرل غلام محمد، وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین اور دوسرے زعمائے حکومت سے اس مسئلہ کے مناسب اور مستقل حل کے سلسلہ میں ملاقاتیں کیں۔ ۱۹۶۲ء کے شروع میں جب ختم نبوت کی تحریک نے پھر زور پکڑا اُس وقت حضرت بابو جی اپنی علالت کے باوجود اُس میں بہت دلچسپی لیتے رہے۔ ہسپتال میں بھی جو شخص عیادت کے لیے آتا اُس سے تحریک کے متعلق باتیں پوچھتے! الحمد للہ کہ جمہور اہل اسلام کا متفقہ مطالبہ جس کی ابتدا حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے اپنے زمانے میں موجودہ عیسوی صدی کی ابتدا میں رکھی تھی کہ مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے بالآخر ان مقبولانِ خدا کی کاوشوں سے ۱۹۶۲ء میں تسلیم کر لیا گیا۔

جنگ بھارت و پاکستان

۱۹۶۵ء کی جنگ بھارت و پاکستان کے دوران بھی جب ملک کی سلامتی کو شدید خطرہ لاحق تھا حضرت بابو جی نے ملک و ملت کی بھرپور اعانت فرمائی اور علاوہ اور باتوں کے آپ نے خلافتِ عادت ریڈیو پاکستان راولپنڈی سے تمام اہل پاکستان کو بالعموم اور اپنے متعلقین کو بالخصوص ان الفاظ میں خطاب فرمایا کہ اس جہاد میں حصہ لینے کی ہدایت فرمائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ - وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَثْرَتِهِ

الطَّاهِرِیْنَ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ ؕ

اتبعد برادرانِ ملت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں اب تک اگرچہ سیاسیات اور دنیاوی جمیلوں سے دور رہا ہوں مگر آج جب کہ ملک و ملت کو نہایت ہی پرخطر اور

مشکل حالات کا سامنا کسی طرح بے تعلق نہیں رہ سکتا۔ ملک و ملت کی خدمت اور اعانت مسلمان کا فرض اولین ہے۔
 ارشاد و اعلان خداوندی ہے لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ فی الحقیقت ازلی بدی غیر متزلزل
 اور لافانی حکومت اور ستائش صرف اور صرف اسی ذات کی ہے اور وہ پوری طرح بر چیز پر قادر ہے۔ اسی حاکم مطلق و برحق کا
 ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ لَّهْمُ الْجَنَّةِ۔

بے شک و شبہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے اُن کی جانوں اور مالوں کا جنت کے بدلے سودا کر لیا ہے۔ اسی بنا پر فرزند ابن
 اسلام کے ہر فرد پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک و ملت کی سالمیت کے لیے تن من و دھن پیش کر دے اور اس سوئے میں
 پورا اترے۔ موجودہ حالات کے پیش نظر ہم سب پر ضروری ہو گیا ہے کہ اس جہاد میں کسی قربانی سے دریغ نہ کریں اور اپنی ساری
 صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ میں اپنے متعلقین اور مخلصین کی اُن خدمات پر جو وہ اللہ دامے، درمے، قدمے برمی، بھری
 ہوئی حفاظتی اور معاشرتی شعبہ جات میں نہایت اخلاق، بلند حوصلگی، پُر دلی اور پامردی سے سرانجام دے رہے ہیں نہایت
 ہی مسرت اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے انہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ اس ملی و قومی جدوجہد اور شدید آزمائش کے وقت
 حکومت کے ساتھ ہر تعاون کے لیے تیار اور ہر طرح سے شریک حال ہوں۔ پوری قوم خصوصاً میرے مخلصین کی جانفروشانہ اور بے لوث
 خدمات کی ہر آواز میرے کانوں تک پہنچ کر میری خوشیوں اور مسرتوں میں اضافے کا سبب بنتی ہے اور دل سے اَللّٰهُمَّ
 زِدْ فِرْزِدَكَ نِعْمَةً بَکَلِّمَاتِہِ۔ ہماری کامیابیاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہیں۔ ہم کو ہمہ وقت اُس رب اکبر کا شکر ادا کرتے رہنا
 چاہیے۔ حقیقی شکر تو یہ ہے کہ ہم ہمیشہ کے لیے حمد کریں کہ اُس کے اوامر کا احترام اور نواہی سے اجتناب کریں گے۔

میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام اُمتِ مسلمہ کا عموماً اور مسلمانانِ پاکستان کا خصوصاً حامی و ناصر ہو اور اپنے حبیب
 پاک کے صدقے میں اور اپنے مقبولین کے طفیل ہمیں فتح و کامیابی ارزانی فرمائے۔ آمین۔ اس دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔
 ویسے بھی حضرت بابو جی پاکستان کی سلامتی اور بہبود کے لیے دل سے خواہش مند اور دُعا گو رہتے تھے اور اسی وجہ سے
 آزادی کے بعد کے مختلف پُر آشوب ادوار میں نامساعد حالات، سیاسی تعطل و بجرانات، اسلامی نظام اور اقدار کے نفاذ میں
 مسلسل التواء، کُنبہ پروری اور قربانوازی میں اضافہ، ذاتی مفاد پر قومی بہبود کی قربانی اور اس طرح کے دیگر مایوس کن کوائف
 کی بنا پر اکثر اظہارِ تاہن فرماتے اور قوم اور عوام کی اصلاح کے لیے درد مندانه دُعا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت بابو جی نے اصولاً کبھی عمائدین حکومت سے راہ و رسم نہ بڑھائی اور اپنے اجدادِ کرام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے
 کبھی سربراہانِ مملکت کی ملاقات کو نہ گئے۔ یہ بات عمائدین حکومت کو پسند نہ آئی اور ۱۹۶۱ء میں باوجود اس کے کہ دربارِ عالیہ
 گولڑہ شریف حُسنِ نظم و نسق کے اعتبار سے ملک بھر میں ایک مسلمہ مثالی حیثیت رکھتا تھا اور کسی طرح سے بھی اوقاف ایکٹ کی
 زد میں نہ آتا تھا۔ حکومت وقت نے اُسے محکمہ اوقاف کی تحویل میں دینے کا فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد بھی آپ نے مرکزی یا صوبائی
 حکومت کے سربراہان سے اس سلسلہ میں جا کر طنا گوارا نہ فرمایا بلکہ قانونی چارہ جوئی کا معروف راستہ اختیار کرنے کو ترجیح دی چنانچہ
 ایک مرد مجاہدیشن جج سید محسن ترمذی کے عدالتی فیصلہ کے تحت ہی دربارِ گولڑہ شریف کو محکمہ اوقاف سے واکذار کیا گیا۔

سیاسیات کے متعلق آپ کا نظریہ

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے آپ نے کبھی عملی طور پر ملکی سیاسیات میں حصہ نہ لیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام بذاتہ ایک

مکمل نظریہ حیات ہے۔ عدل و انصاف کے جو اصول اسلام نے پیش کیے ہیں اُن کے سامنے دُنیا کے تمام دیگر نظام بیچ ہیں۔ کیونکہ اسلام خود اُس خالق کائنات جل جلالہ کا تجویز کردہ ہے جو علام الغیوب ہے اور انسان کی فطرت اور روایات سے خوب واقف ہے مخلوق کے بنائے ہوئے نظام بھلا اُس کا کہاں مقابلہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں اسلامی نظام کی ترویج کے لیے مسلمانوں کو متحد کرنے کے لیے حتی الوسع کوشش فرمائی اور اس سلسلہ میں متعدد مقامات پر پریس کانفرنسوں اور جلسوں میں بھی شرکت فرمائی۔

روزمرہ کے معمولات

حضرت بابو جی کا قیام آستانہ عالیہ سے قریباً سو گز پر اپنے رہائشی گھر کے قریب بیٹھک پر رہتا تھا جس کا تفصیلی ذکر اسی کتاب کے صفحہ ۳۶۷ پر آچکا ہے۔ بیٹھک پر آپ کی ذاتی ضروریات کی دیکھ بھال، پہلے مخلص محمد حیات عرف جرنیل کیا کرتے تھے جرنیل صاحب عرس شریف اور دیگر تمام اہم تعاریب پر مجالس کا انتظام بھی کراتے تھے۔ وہ موتیابند کی وجہ سے بینائی سے معذور ہوئے تو مخلص فلام مصطفیٰ چشتی نے یہ ڈیوٹی سنبھالی۔ بیٹھک کے دروازے ماسوائے رات کے چند گھنٹوں کے ہمیشہ ہر کہ و بہ پر کھلے رہتے تھے۔ شام کے وقت آنے والے مہمانوں سے سب سے پہلے آپ یہ پوچھتے کہ کھانا کھایا ہے۔ اگر نہ کھایا ہوتا تو فوراً اُن کے کھانے کا انتظام فرماتے۔ اگر انہوں نے رات رہنا ہوتا تو نگر شریف پر رہائش کے لیے ہدایات جاری فرماتے۔ بیرون ملک سفروں کے دوران بھی آپ کے روزانہ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ ایسے سفروں پر اکثر طمان کے خواجہ منظور حسین صاحب کے صاحبزادے خواجہ خدابخش جنہیں آپ کے ساتھ ایک خاص نسبت تھی آپ کے ہمراہ رہ کر آپ کی ذاتی ضروریات کا خیال رکھتے۔ سفر کے دوران بھی ملاقات کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا۔

پابندی معمولات کا حد درجہ اہتمام اور التزام تھا۔ ۳۷ برس کے طویل عرصہ ارشاد میں کسی دن معمولات میں تبدیلی آتے کسی نے نہ دیکھی۔ تہجد سے لے کر تقریباً صبح ۹، ۱۰ بجے تک نماز اور دو وظائف اور تلاوت کلام پاک میں مصروف رہتے۔ گولڑہ شریف میں موجودگی کے دوران مجلس سماع کا روزانہ اہتمام فرماتے جو روزانہ ۱۰ بجے سے لے کر ۱۲ بجے دوپہر تک جاری رہتی اپنے خصوصی قوال حاجی محبوب علی صاحب کی تربیت آپ نے اُن کی اوائل عمر ہی سے ذاتی طور پر نہایت محنت اور اہتمام سے فرمائی اور انہیں اس پایہ تک پہنچا دیا کہ اُن کی مجلس قوالی تصوف کے اہم مسائل بالخصوص وحدت و وجود میں ایک درس اور وعظ کا مقام حاصل کر گئی۔ آستانہ عالیہ گولڑہ شریف حضرت اعلیٰ سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب کے زمانہ ہی سے وحدت و وجود کی تعلیم و اشاعت گوارہ بن چکا تھا۔ سیدنا شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ اور خصوصاً الحکم کا درس حضرت کی محفل کا ایک خاصہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اُس زمانہ میں اس موضوع پر روشنی ڈالنے کے لیے حضرت کی ذات مبارک اپنی مثال آپ تھی۔ اس بات کا اعتراف علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے بھی اپنے اس خط میں کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت کی خدمت میں حضرت شیخ اکبر کے نظریہ زمان و مکان پر روشنی ڈالنے کے سلسلہ میں استدعا کی تھی۔ اس خط کا متن اس کتاب کے صفحہ ۳۲۶ پر درج کیا جا چکا ہے۔ وحدت و وجود کا مسئلہ اسلامی فلسفہ روحانیت کا ایک نہایت ہی نازک مسئلہ ہے جسے صحیح طور پر سمجھنے کے لیے نہ صرف ظاہری علم بلکہ وجدان کا ہونا بھی از حد ضروری ہے اور وجدان ایک ایسی شے ہے جو اہل اللہ کے قرب و توجہ اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ حضرت بابو جی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت اعلیٰ کے زمانہ میں اس مسئلہ کے متعلق طالب علموں کے شوق کی بھی یہ حالت تھی۔

اور حضرت کی صحبت اور تدریس نے انہیں اس حد تک گرمادیا تھا کہ عام پنجابی ماہیا کے شعروں سے بھی وحدت وجود کے معانی نکالا کرتے تھے۔ حضرت کے وصال کے بعد اس نظریہ کی اشاعت حضرت بابو جی نے قوالی کے ذریعہ کراوائی ایک روز اس مسئلہ پر دوران گفتگو یوں ارشاد فرمایا کہ میرے حضرت کا شعر ہے۔

قَدْ كَانَ وَمَا مَعَهُ مَا كَانَ مِنَ الْأَكْوَانِ الْآنَ كَمَا كَانَ مَشْهُودِ دَلِ زَارِمِ

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کُنْتُ كَنْزًا حَفِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فِيهِمْ اِيك مَخْفِي خِرَانِهَا پھر میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ تب وحدت سے کثرت کا ظہور ہوا۔ پہلے محض ذات تھی۔ اب اس قدر ظہور کے بعد بھی وہ ذات اسی طرح ہے جیسے پہلے تھی۔ اُس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ وہ ایک ایسا منبع ہے کہ اُس میں سے یہ سب کچھ ظہور میں آتا ہے اور آتا رہے گا لیکن اُس میں کمی نہیں آئے گی۔ پھر فرمانے لگے کہ محبوب قوال کو جب میں نے شروع شروع میں یہ مضمون سنانے کو کہا تو اُس کی سمجھ میں نہ آیا اور مجھے پوچھنے لگا کہ وحدت وجود کیا چیز ہے۔ میں نے کہا کہ وقت آنے پر تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ دوسرے روز صبح اُس سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگا کہ رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں حضرت اعلیٰ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتا ہوں۔ قبر شق ہو جاتی ہے اور آپ کی شکل مبارک ظاہر ہوتی ہے اُس میں سے اسی قسم کی لاتعداد شکلیں نکلتی ہیں اور فنا ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے اور اصل شکل ویسے کی ویسی رہتی ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ یہی وحدت الوجود ہے۔ اس خواب کے بعد محبوب کو قدرت نے اس مضمون کے بیان کرنے میں ایسا ملکہ عطا فرمایا جس کا اندازہ اُس کی قوالی سننے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت بابو جی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ محبوب کی قوالی کو سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں۔ اسے صرف صاحبِ علم و نسبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور علم بھی یہ ظاہری علم نہیں بلکہ باطنی علم۔ مثنوی مولانا روم، مولانا جامی کے نعتیہ کلام اور فارسی زبان کے دیگر اکابر شعراء بالخصوص حضرت شیخ سعدی، خواجہ حافظ شیرازی اور حضرت امیر خسرو کے صوفیانہ اور عارفانہ کلام کو حضرت بابو جی کی مجالس سماع میں ایک خاص مقام حاصل تھا پنجابی زبان میں حضرت بلھے شاہ صاحب، خواجہ غلام فرید صاحب اور حضرت علی حیدر صاحب کے کلام کو بھی بڑے اشتیاق سے سنتے نعت رسول، عشق و محبت، درد و سوز اور وحدت الوجود کے مضامین کو آپ بالخصوص پسند فرماتے۔ محبوب قوال کو سفر و حضر میں اپنے ہمراہ رکھتے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت اعلیٰ کے تشریف لے جانے کے بعد محبوب ہی کی وجہ سے وقت کچھ اچھا کٹ گیا ہے۔

سماع کے متعلق آپ کا نظریہ

سماع کے متعلق قبلہ بابو جی کا وہی نظریہ تھا جو آپ کے والد ماجد حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا تھا۔ جس کا ذکر اسی کتاب کے صفحات نمبر ۵۵ تا ۶۲ پر تفصیلاً آچکا ہے۔ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ سفر بغداد شریف میں وہاں کے مقصد رُحلانے کرام سے اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو سیدنا غوث اعظم قدس سترہ کی خانقاہ شریف کی جامع مسجد کے خطیب علامہ قاسم العیسیٰ نے فقہ حنفی کے مشہور محقق علامہ ابن عابدین شامی کے اُستاد علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ایضاح الدلالات کا ایک نسخہ مجھے دیا اور فرمایا کہ اس سے بڑھ کر اس موضوع پر لکھنا مشکل ہے۔ چنانچہ وہ رسالہ مومنا آپ کے زیر مطالعہ رہتا تھا۔ علامہ موصوف کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ سماع فی ذاتہ ممنوع اور حرام نہیں البتہ اس کے ساتھ بعض غیر شرعی اور ممنوعہ

عوارض شامل ہونے کی وجہ سے اُسے ممنوع قرار دیا گیا ہے مثلاً غیر محرم عورتوں سے سُنا۔ فحش اور غیر شرعی کلام سُنا۔ شراب وغیرہ کی مجالس میں راگ رنگ کا ہونا وغیرہ۔ اگر ان عوارض سے مجلس سماع پاک ہو اور توحیدِ خداوندی، اسلام کی عظمت، بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مقبولانِ خدا کی مدح و ثنا ہو تو اس کے ممنوع ہونے پر کوئی قطعی نص دلالت نہیں کرتی۔

یادِ الہی

حضرت بابو جیؒ نے اپنے والد بزرگوار کے فیضِ روحانی کو بھی بالکل اسی طرح جاری رکھا جیسا کہ اُن کے اپنے وقت میں تھا۔ جہاں تک عبادت اور یادِ الہی کا تعلق ہے آپ کی حیاتِ اقدس ایک مُستقل مجاہدہ تھی۔ آپ کے شب و روز کا تقریباً تین چوتھائی حصہ بیداری، نماز، ورد و وظائف اور ذکرِ الہی میں گزرتا۔ ہر وقت با وضو رہتے۔ تمام نمازیں باجماعت اول وقت میں ادا فرماتے۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ذکر و تسبیح کا ظاہری شغل جاری رہتا۔ ذکرِ قلب و باطن کی صحیح کیفیت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم اس پر آپ کا یہ اپنا جملہ دال ہے کہ یادِ الہی سے ایک لمحہ بھی غافل رہنے سے بہتر ہے کہ انسان کو موت آجائے۔ غرض ہر لحاظ سے مثنوی مولانا رومؒ کے ان اشعار کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

غفلت ازوے یک زماں صدمگ دال زندگی یاد است نزد عارفان

ترجمہ۔ اُس ذاتِ پاک کی یاد سے ایک لمحہ کی بھی غفلت کو سو موتوں کے برابر سمجھ کیونکہ عارفوں کے نزدیک اُس کی یاد ہی زندگی ہے۔

ایں جہان و آں جہاں فانی بُوَد غیر یادش جملہ نادانی بُوَد

ترجمہ۔ یہ جہاں اور وہ جہاں دونوں فنا ہی ہیں۔ بس اُس کی یاد کے علاوہ سب نادانی ہی نادانی ہے۔

یاد او سرمایہ ایساں بُوَد ہر گدا از یاد او سلطان بُوَد

ترجمہ۔ اُس کی یاد ہی ایمان کا سرمایہ ہے اور ہر گدا اُس کی یاد ہی سے سلطان بن جاتا ہے۔

یاد او گر مونسِ جانست بُوَد ہر دو عالم زیرِ فرمانت بُوَد

ترجمہ۔ اگر اُس کی یاد تیری جان کی مونس بن جائے تو دونوں جہان تیرے تابع فرمان ہو جائیں۔

رسول مقبول سے والہانہ محبت

حضرت بابو جیؒ کا ایک امتیازی وصف آپ کا مسلکِ ادب تھا۔ حسب مرتبہ و مقام اس ادب کے موردِ اعلیٰ سرکارِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات والاصفات سے لے کر اہل بیتِ کرام اور تمام اکابرین و اولیائے اُمت رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے حضور رسالت پناہ سے تو حضور بابو جیؒ کو حقیقی اور والہانہ عشق تھا جو فنایتِ تامہ تک پہنچا ہوا تھا اور جس کی گہرائی کا اندازہ لگانا ممکن نہیں حضور کا نام اظہر سُنتے ہی فرطِ ادب سے آپ کا سر جھک جاتا اور اکثر رقت طاری ہو جاتی۔ قوالی کی مجالس میں حضور کی تعریف و توصیف اور عرضِ سلام و نیاز روزانہ کا مُستقل معمول تھا۔ حضرت مولانا جامیؒ کے نعتیہ کلام کو بالخصوص پسند فرماتے اور بسا اوقات اُن کی کسی منتخب نعت کی کسی کسی روز تک مجلس میں تکرار رہتی۔ حج کا زمانہ نزدیک آتا تو محبوبِ آپ کے ذوق کے پیش نظر حضرت جامیؒ کی اس نظم کو اکثر دہراتا۔

اجن شوقاً الادیار لقیق فیہا جمال سلما

ترجمہ۔ میں اُس دیار کے شوق میں گریاں بٹوں جہاں مجھے مسلمان یعنی اپنے محبوب کا وصال حاصل ہوا تھا۔
حضرت بابو جی اُسے سُنتے جاتے اور آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہو جاتا۔ اسی شوق میں ساہا سال تک
تقریباً ہرج کے موقع پر دیار حبیب کی حاضری دیتے رہے۔ ایک دفعہ جب سفر ارض مقدس میں کچھ سرکاری موانع درپیش
آئے تو حسرت بھرے لہجے میں فرمایا کہ جی تو یہ چاہتا ہے کہ مدینہ شریف کے راستہ پر آنے جانے ہی میں عمر گزار جائے لیکن
اربابِ اقتدار کو ہماری اتنی سی خواہش کا پورا ہونا بھی گوارا نہیں۔ مدینہ طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حاضری کے دوران
آپ پر ایک عجیب کیفیت نیا ظاری رہتی۔ وہاں کے جانوروں تک کا ادب اور مدارات فرماتے۔ بارگاہ رسالت سے
رخصت ہوتے وقت بہت روتے۔ مدینہ شریف سے تقریباً دس میل باہر جدہ کی سڑک پر ایک ایسی جگہ آتی ہے جہاں سے
روضہ اقدس کے مینار آخری مرتبہ نظر آتے ہیں۔ اس رُوح پر درنظارہ کی جگہ پر موٹروں کوڑ کو اگر محبوب قوال سے پنجابی کا
ایک فراقیہ ماہیا پڑھواتے جس کے آخری بول یہ ہیں :-

بازار دیکندا کُلفا - خوش دس ماہی دیا مُلکا - تے اسیں پردیسی جی دے ڈھولا

ڈھول جانی ساڈی گلی آویں تینڈی مہربانی

ترجمہ۔ بازار بکے ہے کُلفا - خوش بس سبھن کے مُلکا - ہم ہیں پردیسی ، جیو جانی

دیس ہمارے آنا، مہربانی

اُس کے بعد وہاں کی زمین چومتے اور اشکبار واپس روانہ ہو جاتے۔

۱۹۴۹ء سے میلاد النبی کے موقع پر ولادت مبارکہ کی شب کو آپ نے ایک ایسی مجلس کا اہتمام فرمانا شروع
کیا۔ جس کی کیفیت کا اندازہ صرف اُس میں شریک ہونے والے ہی لگا سکتے ہیں۔ گولڈا شریف میں بجلی آجانے کے بعد
حضرت بابو جی کے ایک پُرانے سگی کے فرزند سید صفت علی شاہ نہایت اخلاص و محنت کے ساتھ اسے اس خوبصورتی سے
سجاتے ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ درود و صلوٰۃ اور مدح و ثنائے رسول پر مشتمل مجلس سعیدرات بھر جاری رہتی
اور حضور کی ولادت کے معروف وقت، صبح صادق پر ایک سو ایک گولوں سے حضور کی بارگاہ اقدس میں سلامی پر ختم
ہوتی۔ الحمد للہ کہ یہ مجلس مبارک حضرت بابو جی کے وصال کے بعد بھی اُن کے فرزند ان ارجمند کے زیر اہتمام اسی اہتمام و
احترام سے منعقد کی جا رہی ہے۔

سرکارِ بغداد، خواجہ غریب نواز اور مولانا روم سے نسبت و تعلق

حضور رسالت کے بعد سرکارِ بغداد حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت خواجہ
غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت مولانا جلال الدین رومی، حضرت باوا فرید الدین مسعود گنج شکر اور
حضرت داتا گنج بخش مخدوم سید علی جویری سے آپ کو خصوصی عقیدت اور نیاز تھا۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم سے آنجناب
کے مسئلہ طور پر سلطان الاولیا ہونے کے علاوہ خود جیلانی النسب ہونے کی بنا پر حضرت بابو جی کو اپنے حضرت اعلیٰ کی طرح
ایک خاص الخاص نسبت اور تعلق تھا۔ چنانچہ گولڈہ شریف کانگرہ ہمیشہ لنگرِ غوثیہ کھلاتا رہا اور اب بھی کھلاتا ہے۔ اور جس
شان و اہتمام سے حضرت سیدنا غوث الاعظم کا عرس مبارک نو ماگیارہ ربیع الثانی کو یہاں منایا جاتا ہے شاید ہی کسی اور جگہ

منایا جاتا ہوگا۔ حضرت بابو جی نے بغداد شریف کئی دفعہ حاضری دی ۱۹۶۲ء میں آخری حج مبارک کے بعد بھی بغداد شریف حاضر ہو کر واپس تشریف لائے۔ وہاں آستانہ عالیہ کے مہمان خانہ میں آپ کا اور آپ کے رفقاء کا قیام ہوتا۔ صبح کی نماز کے بعد مزار مبارک کے باہر والے کمرہ میں بالکل جالی مبارک کے سامنے حضرت بابو جی بیٹھ کر حسب معمول اپنے وظائف میں مشغول رہتے۔ پھر قریباً آٹھ بجے محبوب قوال سیدنا غوث الاعظمؒ کی خدمت اقدس میں سلام اور منقبت اور دیگر نعتیہ کلام پیش کرتا اور پھر دعا کے بعد یہ مجلس ختم ہوتی۔ وہاں قیام کے دوران بغداد شریف کے مختلف دینی مدارس کے اساتذہ کرام سے ملاقات رہتی۔ اکثر ان کی دعوت کا بھی انتظام فرماتے۔ کربلائے معلیٰ، نجف اشرف، کاظمین شریفین، حضرت امام اعظمؒ حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت ستری سقلیؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت بہلول دانا، حضرت ابراہیم خواص رحمہما اللہ تعالیٰ، حضرت نبی یوشع علیہ السلام اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مزارات مبارک پر حاضری دیتے۔ بصرے میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور حضرت رابعہ بصریؒ کے مزارات مبارک کی زیارت کے لیے کئی بار حاضر ہوئے۔ کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف میں بھی مزارات مبارک کے سامنے محبوب قوال سلام پیش کرتا۔ حضرت یوسف صاحب گیلانی جو آستانہ عالیہ کے متولی ہیں اکثر حضرت بابو جی کے پاس تشریف لاتے اور مجلس فرماتے۔

قونہ شریف ترکی میں حضرت مولانا نے رومیؒ کے مزار پاک پر بھی آپ نے چار مرتبہ حاضری دی۔ حضرت مولانا کو آپ قافلہ سالار عشق کے لقب سے یاد فرماتے اور ان کے مزار مبارک پر لکھے ہوئے اس شعر کو اکثر دہراتے تھے۔

کعبۃ العشق باشد این معتام ہر کہ ناقص آید این جا شد متام

ترجمہ۔ یہ مقام عاشقوں کا کعبہ ہے۔ یہاں جو ناقص بھی آیا وہ کامل بنا

حضرت مولانا کے مزار مبارک کو اب بطور ایک عجائب گھر کے رکھا جاتا ہے۔ جب آپ پہلی دفعہ وہاں حاضر ہوئے تو وہاں کے مدیر اور گورنر کے ساتھ بھی ملاقاتیں کیں۔ وہ لوگ آپ کے اخلاق حسنہ کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ آپ کو عجائب گھر کے اوقات کے بعد اندر حاضر ہو کر قوالی کرانے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ خود بھی شامل ہوئے اور باوجود اس بات کے کہ فارسی نہیں سمجھتے تھے، بے اختیار روتے رہے۔ محبوب نے اسی اوپر لکھے ہوئے شعر سے اپنی قوالی کی ابتدا اس طرح سے کی۔

بہیں تفاوت راہ از کجاست تا کج کج گولڈا کج قونہ

نہ من بیوہ گرد کوچہ و بازارے گرم

کعبۃ العشق باشد این معتام ہر کہ ناقص آید این جا شد متام

یعنی دیکھئے کہاں گولڈا، کہاں قونہ۔ کتنا طویل فاصلہ ہے مگر میں (اتنا سفر بے مقصد طے کر کے نہیں آیا اور) نہ بے ہودہ

کوچہ و بازار میں گرداں ہوں میں تو اس لیے آیا ہوں کہ یہ مقام عشاق کا کعبہ ہے اور یہاں جو ناقص بھی آیا، کامل ہو کر گیا۔

حضرت احمد مھنار عطاس المدنی بھی اس سفر کے دوران حضرت بابو جی کے ہمراہ تھے۔ انہیں خواب میں حضرت مولانا نے حضرت بابو جی کی دعوت کرنے کا اشارہ فرمایا۔ مدیر صاحب نے یہ خواب سنا تو وہ اصرار کرنے لگے کہ یہ دعوت میں کون گا۔ حضرت بابو جی نے فرمایا کہ اچھا آپ دعوت کریں مگر اس شرط پر کہ دعوت کا خرچ ہم دیں گے کیونکہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ بھی تو حضرت مولانا ہی کا ہے۔ مدیر صاحب مشکل اس شرط پر راضی ہوئے اور جو دعوت ہوئی اس کی کیفیت بھی عجیب تھی حضرت بابو جی فرماتے تھے کہ کھانے سے بالکل طبیعت پر کوئی گرانی یا بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا بلکہ ایک قسم کی فرحت حاصل ہوتی تھی۔

اور یہی جی چاہتا تھا کہ انسان کھاتا چلا جائے۔ اس سفر کے دوران آپ استنبول بھی گئے۔ وہاں حضرت ایوب انصاری کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھی تو لوگوں نے آپ کو گھیر لیا۔ آپ کے ہاتھ چومتے تھے اور دُعا کے لیے استدعا کرتے۔ پورا ڈیڑھ گھنٹہ آپ وہاں اس طرح رُکے رہے۔ یہ پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ مشنوی شریف کا درس آپ کی مجلس سماع کا ایک لازمی جزو تھا۔

تقسیم ملک سے پہلے حضرت بابو جی ہر سال امیر شریف کے عرس مبارک پر حاضری دیتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد بھی آپ کئی مرتبہ تشریف لے گئے۔ حضرت باوا صاحب فرید الدین مسعود گنج شکر کے مزار مبارک پر پاک پتن شریف بھی ہر سال حاضر ہوتے۔ حضرت مولانا جامی کے مزار شریف پر بھی اکتوبر ۱۹۷۱ء میں وصال سے قریباً تین سال قبل ایک مرتبہ حاضر ہوئے اور وہاں چار پانچ روز قیام فرمایا۔ یہ پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ حضرت جامی کا نعتیہ کلام آپ کو بہت مرغوب تھا اس کے علاوہ اپنے سلسلہ عالیہ چشتیہ کے تمام بزرگان کا انتہائی ادب فرماتے یہاں تک کہ ان کے خاندانوں کے کم سن بچوں کی آمد پر بھی احتراماً کھڑے ہو جاتے اور یوں اپنے متعلقین کو درس ادب دیتے۔

لنگر شریف کا انتظام

اپنی تمام مذکورہ مصروفیات ذکر و شغل کے باوجود حضرت بابو جی لنگر شریف کے انتظام و انصرام میں جہاں روزانہ سینکڑوں اور حضرت سیدنا غوث الاعظم اور حضرت اعلیٰ کے اعراس مبارک کے موقع پر ہزاروں مہمانوں کو قیام و طعام مہیا کیا جاتا ہے گہری اور ذاتی دلچسپی لیتے۔ یہاں تک کہ عرس کے دوران بسا اوقات تمام دن کچھ کھائے بغیر گزر جاتا۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم کے مہمانوں کے آرام و آسائش کو اپنے آرام پر مقدم سمجھتے اور اس بات سے خائف رہتے کہ خدا نخواستہ اُس ذات عالیہ کے مہمانوں کو کوئی تکلیف پہنچے۔ یہ اسی ذاتی دلچسپی اور توجہ کا نتیجہ تھا کہ دربار گولڑہ شریف ہمیشہ حسن انتظام کا ایک قابل تقلید نمونہ رہا اور آج تک ہے۔

آستانہ عالیہ پر زائرین کی تعداد میں مسلسل اضافہ کے پیش نظر حضرت بابو جی نے دو نئے مہمان خانے بنوائے۔ ایک بڑا مجلس خانہ تعمیر کروایا۔ مسجد کی از سر نو دو منزلہ تعمیر و توسیع فرمائی۔ مدرسہ اور طلباء کی رہائش و تعلیم کے انتظام کو نئی صورت دی۔ تمام آستانہ عالیہ پر بجلی فراہم کروائی۔ حکومت نے آستانہ عالیہ ہی کی وجہ سے راولپنڈی سے دربار شریف تک پختہ سڑک کی تعمیر کا انتظام کروایا اور اومنی بس سروس بھی جاری کروائی تاکہ لوگوں کو آنے جانے میں سہولت ہو۔

عجز و انکسار

جیسا کہ سابقہ فصل میں لکھا جا چکا ہے حضرت بابو جی کا ممتاز ترین وصف آپ کا عجز و انکسار اور انھنٹے حال تھا۔ اسی وصف کے تحت آپ نہ تو خود کبھی تعلیٰ نہ کلمات فرماتے تھے اور نہ کسی اور کی زبان یا قلم سے اپنی تعریف کسی صورت سُنا پسند فرماتے۔ انسان کی صفت عجز کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ بارگاہ الہی میں سب سے زیادہ مقبول ہے اس لیے کہ اُس ذات بزرگ و برتر میں سب متصورہ صفات کاملہ موجود ہیں۔ صرف عجز ہی ایک ایسی چیز ہے جو اُس کے یہاں نہیں ہے اور نہ ہی اُسے اُس کے ساتھ منسوب کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جیسے انسان کی دُنیاوی زندگی میں بالعموم اُسی تحفے کی قدر زیادہ کی جاتی ہے جو تحفہ لینے والے کے پاس پہلے سے موجود نہ ہو۔ اسی طرح بارگاہ ایزدی میں بھی عجز و انکسار کا تحفہ

بدرجہ اولے قابلِ قدر و قبولیت ہے۔

حُسنِ اخلاق

اسی عجز و انکسار کا ایک اور مظاہرہ حضرت بابو جی کا عظیم المثل حُسنِ اخلاق تھا۔ آپ کے نزدیک کسی بھی انسان کی قدر و منزلت اس کے دنیاوی جاہ و مرتبہ کی بنا پر نہیں بلکہ اُس کے اخلاص و محبت اور شرافت و نجابت کی بنا پر ہوا کرتی تھی۔ اسی وجہ سے آپ کی مجلس میں غریب و امیر سب شامل ہوا کرتے تھے اور آپ سے یکساں توجہ پاتے تھے بلکہ غربا کے ساتھ آپ کی طبیعت زیادہ لگتی تھی اور آپ اکثر اُن سے خوش طبعی بھی فرماتے۔ اپنے ادنیٰ سے ادنیٰ ملنے والے کو بھی سنگی (یعنی سامتی) یا "آشنا" کہہ کر پکارتے۔ آپ کے بچپن کے کئی غریب سامتی تادمِ آخر آپ کی خصوصی محبت کا مرکز بنے رہے اور بالآخر موت نے جب انہیں آپ سے جدا کر دیا تو آپ ایسے ہی متاثر اور متأسف ہوئے جیسے اپنے عزیز اولاد کی جدائی سے ہوتے تھے۔ نتیجہً آپ سے وابستہ ہر شخص یہ خیال کرتا تھا کہ آپ اُسی پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ حالانکہ آپ کے متعلقین کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی اکثر اپنے مخلصین کی عیادت، تعزیت یا شرکتِ جنازہ کے لیے طویل سفر اختیار فرماتے متوفی متعلقین کے پیمانندگان کی مسلسل خبر گیری فرماتے۔ اگر کوئی قریبی تعلق والا کسی وجہ سے کچھ دُوری بھی اختیار کر لیتا تو آپ کی طرف سے تعلق اور توجہ میں مطلقاً کمی نہ آنے پاتی جس کی وجہ سے بسا اوقات وہ خود ہی پشیمان ہو کر دوبارہ نزدیک آ جاتا۔ ایسے مواقع پر آپ اکثر یہ بھی فرماتے کہ غالباً دیر تک میرے ساتھ رہنے سے یہ صاحب میرے عیوب سے پوری طرح واقف ہو گئے ہیں اس لیے اب ملنا پسند نہیں کرتے۔ مخالفین کی معاندت کا جواب ہمیشہ حُسنِ خلق سے دیتے اور وقت پڑنے پر اُن کی بھی اُسی طرح دلجوئی اور امداد فرماتے جیسے اپنے مخلصین کی۔ چنانچہ مخالفین باوجود اپنی مخالفت کے آپ کی دُستِ اخلاق کے ہمیشہ معترف رہے۔ حضرت بابو جی کا حُسنِ اخلاق غیر مسلموں کے لیے بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ مسلمانوں کے لیے ۱۹۴۶ء کے فسادات کے دوران گولڑہ شریفین کے غیر مسلموں سے آپ نے جو مشفقانہ سلوک فرمایا اُس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ غیر مسلم صاحبان آپ کی مجالسِ سماع میں بھی شریک ہوتے اور اُن سے لُطف اندوز ہوتے تھے اور بحالتِ کیفیت اللہ اللہ اور محمد محمد کے اسمائے پاک کی تکرار بھی کیا کرتے۔ کچھ ہندو اور سکھ صاحبان اپنی قیام گاہوں پر بھی محبوبِ قوال کی مجلسِ قوالی منعقد کرواتے۔ الغرض حضرت بابو جی کا وجود مبارک سلف الصالحین کے اس ارشاد کی زندہ تصویر تھا کہ تصوف سارے کا سارا حُسنِ اخلاق ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس موضوع پر حضرت داماد گنج بخش نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی تصوف کے ان معانی اور معارف کا انکار کرے تو جناب رسولِ پاک کی پوری شریعت اور آئینہ نبی کے اخلاقِ حسنہ کا منکر ہے۔

رحمِ دلی و غریب نوازی

حضرت بابو جی کی ذاتِ مبارک میں قدرت نے رحمِ دلی اور بے سہارا لوگوں کے لیے جذبہٴ ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ محبت اور آشنا پروری آپ کا خاصہ تھا۔ ملنے والوں اور نگر شریفین کے مہمانوں کے آرام و سہولت کو آپ ہمیشہ اپنے ذاتی آرام پر فوقیت دیتے رہے۔ ملاقات کے دروازے ہر ایک پر ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ صبح کے وقت وظائف اور اُوراد

کے دوران بھی ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا۔ ہر کہ و بہ کی زوداد بڑی توجہ سے سنتے اور بیان کرنے والے کی تکلیف کو حقیقی طور پر محسوس فرماتے۔ انسان تو انسان حیوانوں کی تکلیف سے بھی آپ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ ایک مرتبہ دسمبر کی سخت سردرات میں بارش ہو رہی تھی۔ راولپنڈی سے واپسی پر آپ نے ایک عمر رسیدہ گدھے کو سڑک کے کنارے کھڑے دیکھا۔ فرمایا کہ جب تک بے چارہ کام کرنے کے قابل تھا اس کی نگہبانی ہوتی رہی۔ اب جب اس قابل نہیں رہا تو اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اسی وقت آدمی بیچ کر اسے ایک محفوظ سایہ دار جگہ پہنچایا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

یہ حقیقت ہے کہ بابو جی کے پاس بیٹھ کر اور آپ کی صورت مبارک دیکھنے سے ایسا سکون حاصل ہوتا تھا کہ انسان اپنی تمام تکالیف اور پریشانیاں بھول جاتا تھا۔ ایک روز جھنگ کے علاقہ کا ایک سادہ لوح دیہاتی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ خیراے؟ یعنی خیریت ہے؟ اُس نے جو جواب دیا وہ آپ کے تمام طنے والوں کے جذبات کی صمیم عکاسی کرتا ہے۔ اپنی بولی میں اُس نے عرض کیا۔ "تساڈے ڈٹھیاں خیراے" یعنی آپ کو دیکھ لیا بس خیر ہی خیر ہے۔

جو دوسرا

خلقِ خدا کے ساتھ ہمدردی اور رحم دلی کا ایک اور مظاہرہ آپ کی صفتِ جو دوسرا تھا۔ سینکڑوں بیواؤں اور یتیموں کو نہایت خاموشی سے مالی امداد پہنچاتے۔ غریب سادات خاندان اور دوسرے ایسے اچھے خاندان جو انقلاباتِ زمانہ کی وجہ سے عسرت کا شکار ہو گئے تھے، خاص طور پر آپ کی توجہ سے مستفید ہوتے۔ ۱۹۴۳ء میں جب آپ دوسری جنگِ عظیم کے بعد حج پر تشریف لے گئے اُن دنوں عرب میں ابھی تیل کی دریافت نہیں ہوئی تھی اور کئی سال جنگ کے باعث باہر سے حجاج نہ آنے کی وجہ سے وہاں پر لوگوں کی مالی حالت سخت تشویش ناک ہو گئی تھی۔ اُس موقع پر آپ نے وہاں کے لوگوں کی اتنے وسیع پیمانے پر مالی امداد فرمائی جس کی مثال نہیں ملتی۔ غرضیکہ جو بھی سائل دروازہ پر آیا خالی ہاتھ نہ گیا۔

بیماری کی ابتدا اور اسباب

حضرت بابو جی کی صحت بفضلہ اُن کی عمر کے بیشتر حصہ میں قابلِ رشک رہی۔ میانہ قدر سفید لباس، گندمی رنگ، کالی پُریچ زلفیں اور سُرمگیں مدبھری آنکھیں ایک ایسا نقشہ پیش کرتی تھیں کہ جی چاہتا تھا انسان دیکھتا ہی رہے۔ اپنے چہرے بشرے سے آپ اپنی اصل عمر سے بہت کم عمر کے نظر آتے تھے۔ سادہ غذا آپ کو بہت مرغوب تھی۔ کھانے اور پینے کے لیے مٹی کے برتن پسند فرماتے۔ دورانِ سفر جب اپنے کسی طنے والے کے ہاں قیام ہوتا تو وہاں کھانوں کی بہتات دیکھ کر آپ ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے۔ بسا اوقات کسی طنے والے کے اصرار پر اُس کے ہاں کھانے کی دعوت اس شرط پر قبول فرماتے کہ دال یا صرف ایک سالن پکا یا جائے گا۔ ایسا اتفاق بھی ہوتا کہ آپ کسی کے ہاں کھانے کے وقت بلا اطلاع پہنچ جاتے اور جو کچھ اُس وقت گھر میں پکا ہوتا آپ کے سامنے رکھ دیا جاتا۔ اُس وقت آپ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو اپنے لیے تو کیسا اچھا کم مرغن کھانا پکاتے ہو اور ہمیں بیمار کرنے کے لیے کھانے میں اتنا سارا گھی ڈال دیتے ہو۔ سہل پسندی سے آپ ہمیشہ دُور رہے جسم کو مشقت کا ایسا

عادی بنایا تھا اور پیدل اتنا تیز چلتے تھے کہ اپنے سے بہت کم عمر والوں کو پیچھے چھوڑ جاتے۔ گھوڑے کی سواری کو بھی آپ پسند فرماتے اور بسا اوقات صبح کے وقت گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ساتھ کے گاؤں میرا بادیہ تشریف لے جاتے۔ شام کے وقت آپ عموماً راولپنڈی تشریف لے جاتے۔ وہاں شروع میں آپ حاجی محمد شفیع صاحب کی دوکان واقع پُرانا قلعہ پر قیام فرماتے اور عشاء کی نماز پڑھ کر واپس تشریف لے جاتے۔ پُرانے قلعہ سے آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنے ایک اور مخلص منشی رحیم بخش صاحب کے گھر لال کڑتی بھی تشریف لے جاتے۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران جب پٹرول کارا شن تھا تو آپ پنڈی کا یہ روزانہ سفر مانگے پر فرماتے کچی سڑک پر یہ ۲۰ میل کا سفر خاصا کمسن ہوتا تھا۔ لنگر تشریف سے گولڑہ تشریف کے ریلوے سٹیشن تک آپ ڈومیل پیدل تشریف لے جاتے اور وہاں سے تانگے پر سوار ہوتے۔ حاجی محمد شفیع صاحب سے آپ کا پُرانا تعلق تھا۔ دوسرے باثروت لوگوں نے کبھی بار کوشش کی کہ آپ حاجی شفیع صاحب کے ہاں جانے کی بجائے اُن کے ہاں جایا کریں۔ مگر پُرانے تعلق کو چھوڑنا آپ کے مسلک میں نہ تھا۔ جب حاجی شفیع صاحب بوجہ بیماری اپنی دوکان پر آنے سے معذور ہو گئے تو پھر آپ نے شام کے وقت منشی رحیم بخش صاحب لال کڑتی والوں کے پٹرول پمپ موسومہ چاولہ گیراج مال روڈ پر تشریف لے جانا شروع کیا۔ لال کڑتی کا یہ خاندان لنگر تشریف سے بڑی عقیدت رکھتا ہے۔ منشی رحیم بخش صاحب کے بھتیجے حاجی غلام قادر صاحب تو اپنی جوانی ہی سے حضرت بابو جی کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے اور سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہے۔ شام کی ان مجالس میں راولپنڈی شہر اور باہر سے آئے ہوئے بڑے بڑے صاحبِ علم و ذوق حضرات شامل ہوتے اور علمی اور روحانی مسائل زیر بحث آتے۔ حضرت بابو جی کی ذاتِ مبارک کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا وقار، تمکنت اور جلال عطا فرمایا تھا کہ آپ کی تمام مجالس نہایت سنجیدہ اور پُر وقار ہوتیں۔

اللہ والوں کے پاس بالعموم زیادہ تر وہی لوگ آتے ہیں جو زمانہ کے ہاتھوں ستائے ہوئے ہوں۔ وہ جانتے ہیں کہ اُن کے درد کا درماں اگر کہیں مل سکتا ہے تو وہ اپنی نفوسِ قدسیہ کے ہاں مل سکتا ہے۔ بقول امیر مینائی

علا ہے مہربان فریاد رس نہ یاد کرتے ہیں

پاکستان کے وجود کے ابتدائی سالوں میں مالکانِ وقت کی غلط روی، اقربا پروری، ذاتی مفاد کی خاطر بھاگ دوڑ اور غریب عوام کے مسائل کی طرف انتظامیہ کی بے توجہی وغیرہ نے خلقِ خدا کو مختلف النوع تکالیف میں مبتلا کر دیا۔ جو بھی آتا ایک نئے ستم کی سرگزشت سُناتا۔ حضرت بابو جی کی حد درجہ حساس طبعِ مبارک پر ان داستانِ ہائے غم کا شدید اثر ہوتا۔ ۱۹۶۱ء کے مشرقی پاکستان کے المیہ اور پاکستانی افواج کے ہتھیار ڈالنے کو آپ نے اس شدت سے محسوس کیا کہ بیان سے باہر ہے۔ جنگی قیدیوں کے اقربا جب دُعا کے لیے حاضر ہوتے تو آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ ان سب باتوں کا اثر آپ کے قلب پر ہونا لازمی تھا۔ ۱۹۶۱ء عرج کے دوران آپ نے حج سے واپسی پر حضرت جامیؒ کے مزارِ مبارک پر حاضری دینے کا پروگرام بنایا اور ستمبر ۱۹۶۱ء کے آخر میں موٹروں پر یہ سفر فرمایا۔ موٹروں کے اس قافلہ میں آپ سب سے آخر میں مخلص عزیز الحق قریشی جو نوابزادہ محمد سعید قریشی کے فرزند اور نوابزادہ محمد ذاکر قریشی صاحب کے بھتیجے ہیں، کی موٹریں سفر فرماتے رہے۔ سرگودھا کا یہ قریشی خاندان صاحبِ ثروت ہونے کے ساتھ ساتھ اہل اللہ کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتا ہے۔ اور ان کے جدِ امجد محمد حیات صاحب قریشی کا حضرت اعلیٰ کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ اُن کا ذکر اس کتاب کے صفحہ ۲۹۸ پر آچکا ہے۔ عزیز الحق قریشی صاحب حضرت بابو جی کو فی الواقعہ بہت عزیز تھے جاتے ہوئے قذہار میں قیام کے دوران آپ نے سخت کمزوری اور دل کے مقام پر بے چینی محسوس فرمائی۔ ٹھنڈے پینے بھی آئے مگر آپ نے رُفقاہ کو پریشان نہ کرنے کے خیال سے اس کو زیادہ اہمیت نہ دی اور سفر جاری رکھا۔ راستہ میں پھر اسی تکلیف

کا اعادہ ہوا اور ہرات پہنچنے پر ڈاکٹر کو دکھایا گیا۔ اُس نے فوری طور پر مکمل آرام کرنے کی ہدایت کی اور دو ایام بھی دیں۔ مگر آپ جس مقصد کے لیے وہاں تشریف لے گئے تھے اُس کی تکمیل کے بغیر آرام ناممکن تھا۔ آپ روزانہ تین چار گھنٹے حضرت جامی کے مزار مبارک پر عاضری دیتے۔ ہرات میں ۵ روز قیام کے بعد آپ کابل اور مزار شریف سے ہوتے ہوئے ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو واپس تشریف لائے۔ مگر واپس آتے ہی آپ کو مٹھ ٹوانہ ضلع سرگودھا ایک شادی کے سلسلے میں جانا پڑا۔ وہاں سے براستہ ستیانہ و مٹھیانہ ضلع جھنگ سلطان تشریف لے گئے۔ مٹھیانہ میں بننے والوں کے اصرار پر آپ کو متعدد جگہوں پر پیدل چلنا پڑا۔ اور ایک جگہ ایک نالے کو پھلانگ لگا کر عبور کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مٹھیانہ سے آگے راستے ہی میں کبیر والہ کے مقام پر آپ نے دوبارہ دل کے قریب تکلیف محسوس فرمائی۔ اور وہ دوائی دوسری موٹر سے منگوا کر منہ میں رکھی جو ڈاکٹر کرنل شفیع صاحب نے ایسے موقع پر استعمال کے لیے دی تھی۔ سلطان پہنچنے پر آپ پر نقاہت کا ایک زبردست حملہ ہوا۔ سلطان میں آپ خواجہ مظفر محمود صاحب کے صاحبزادے خواجہ محمد سعود کی کوٹھی پر قیام فرمایا کرتے تھے۔ انہیں آپ بوجہ ان کی مٹی ہوئی طبیعت کے فقیر صاحب کے لقب سے خطاب فرماتے تھے۔ سلطان کے مخلصین نے وہاں کے تمام اچھے ڈاکٹر بلا لیے اور انہوں نے آپ کو وہاں دو تین روز زبردستی آرام فرمانے کے لیے رکھا اور گولڑہ شریف واپسی کے لیے موٹر کے سفر سے منع کیا۔ لہذا آپ کو لاہور سے آگے ہوائی جہاز میں راولپنڈی لایا گیا۔ ڈاکٹروں نے مکمل آرام کا مشورہ دیا مگر آپ نے اپنے روزمرہ کے مشاغل میں سر مُو فرق لانا گوارا نہ فرمایا۔ صاحبزادگان مدظلہما العالی کے اصرار پر صرف اتنا کیا کہ مجلس سے واپس مکان کو جاتے ہوئے راستے میں چڑھائی ہونے کی وجہ سے آپ پیدل جانے کی بجائے موٹر پر تشریف لے جانے لگے۔ فرماتے تھے کہ تم لوگ آرام آرام کہہ کر مجھے بالکل معذور بنا دو گے۔ دل کی تکلیف سے ذرا افاقہ ہوا تو مسلسل چکی کی تکلیف شروع ہو گئی جس نے جسم مبارک کو اور بھی کمزور کر دیا۔ اس دوران حج کا زمانہ آگیا۔ ڈاکٹروں کی شدید مخالفت کے باوجود آپ نے حج پر جانے کا پروگرام بنالیا اور دسمبر ۱۹۷۲ء میں آپ اپنے تمام اہل خاندان اور متعدد دوسرے متعلقین کے ہمراہ حج پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی پر بغداد شریف، کربلائے معلیٰ نجف اشرف اور کاظمین شریفین بھی عاضری دی۔ ایسے سفروں کے دوران آپ ہمیشہ اپنے سب فقار کو سوار کر کے پھر سوار ہوتے اور منزل پر پہنچ کر ہر ایک کے لیے قیام کا انتظام فرما کر پھر اپنے لیے جگہ ڈھونڈتے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ سب فقار اپنے ڈیروں پر سکتے ہیں اور آپ باہر میدان میں تشریف فرما ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایسے سفروں میں چونکہ طبیعت کا رجحان کیونٹی سے منزل مقصود کی جانب ہوتا ہے اس لیے دوران سفر کسی تکلیف یا کمزوری کا بالکل احساس نہیں ہوتا۔

حج سے واپسی اور استغراق

مندرجہ بالا سفر آپ کا آخری سفر حجاز و عراق تھا۔ اس سفر کے بعد حضرت بابو جی کی طبع مبارک میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی۔ آپ اب اکثر و بیشتر خاموش رہنے لگے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کا جسم تو یہاں ہے مگر قلب و روح کسی نہایت ہی ارفع مقام پر ہیں۔ بعض مرتبہ استغراق کا یہ عالم بھی دیکھنے میں آیا کہ آپ نے پاس بیٹھے ہوئے آدمی سے پوچھا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔ ان دنوں آپ اکثر محبوب قوال کو مثنوی شریف مولانا روم کے مندرجہ ذیل اشعار پڑھنے کے لیے فرمایا کرتے تھے۔

چند باشی عاشق صورت بگو طالب معنی شو و معنی بگو

ترجمہ — تو کب تک صورت کا عاشق رہے گا۔ معنی کی طلب اور تلاش کر

صورتِ ظاہر فن اگر دبدباں عالم معنی بساںد جاوداں

ترجمہ — یہ جان لے کہ ظاہری صورت تو فنا ہو جائے گی لیکن معنی کی دنیا ہمیشہ رہنے والی ہے
گفت المعنی هو اللہ شیخ دین بحر معنی ہا ست رب العالمین

ترجمہ — شیخ دین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ معنی ہی معنی ہے۔ اُس کی ذات پاک معانی کا ایک سمندر ہے

ایسے لگتا تھا کہ آپ کو اپنے سفرِ آخرت کے قریب ہونے کا علم ہو گیا ہے اور ان اشعار کے اعادہ سے آپ اپنے ملنے والوں کو اپنی جدائی کے لیے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اپنے ملنے والوں کے لیے حضرت بابو جی کی ذاتِ مبارک ایک ایسا محبوب و مجاہد و داعی جس کا بیان ممکن نہیں۔ اُن کی تو کائنات ہی آپ کے دم قدم سے آباد تھی اور اُن کی زندگی کی رونق آپ کے وجود ہی سے تھی۔ ایک دنیا آپ کی گردیدہ تھی۔ اور خود آپ سے بھی یہ بات مخفی نہ تھی۔ اپنی تمام زندگی رہگزرِ عشق میں گزارنے کی بنا پر آپ یہ جانتے تھے کہ جدائی کیسی تکلیف دہ چیز ہوتی ہے۔ بقول عارفِ رومی رحمۃ اللہ علیہ سے

از سداق تلخ می رانی سخن ہر چہ خواہی کن و بسکن این کن

ترجمہ — تم تلخ جدائی کا ذکر کر رہے ہو (حضور!) سب کچھ کرنا مگر یہ نہ کرنا

پہنچنا چاہتے تھے کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد پیچھے رہ جانے والوں پر کیا گزرے گی۔ آپ کے ایک دیرینہ نیاز مند مہر احمد نواز خان نے جو اکثر اپنی پُر مزاح باتوں سے آپ کی طبیعت بہلایا کرتے تھے، مندرجہ بالا اشعار سن کر آپ کی خدمت میں ایک روز عرض کیا کہ آپ ہمیں معنی کی باتیں سنائیں اور دوسرے راستے پر نہ لگائیں ہم جانتے ہیں کہ معنی بہت اچھی چیز ہے تاہم ہمیں تو صورت ہی بڑی پیاری ہے آپ اسی کو ہمارے پاس رہنے دیں۔ ۵۔ نومبر ۱۹۶۳ء کو آپ اپنے دیرینہ نیاز مند ریاست امب کے نواب صاحب کے انتقال پر ایبٹ آباد سے ہوتے ہوئے شیر گڑھ تشریف لے گئے اور ۱۶ نومبر کو واپسی پر ریحانہ ضلع ہزارہ میں بھی سردار بہادر خان کی والدہ کی تعزیت کے سلسلہ میں رکتے ہوئے اسی رات واپس گولڑہ تشریف تشریف لے آئے۔ ۸۔ نومبر ۱۹۶۳ء صبح کے وقت ناشتہ کے بعد آپ نے حسب معمول محبوبِ قوال سے کلف لگوائی۔ اُس کے لگاتے ساتھ ہی آپ نے زبان کی روانی میں رکاوٹ محسوس فرمائی۔ محبوبِ قوال جب بیٹھک سے نیچے اُترے تو اُس نے آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت لالہ جی مدظلہ العالی سے عرض کیا کہ حضرت بابو جی کی زبان کی روانی میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت بابو جی بھی نیچے تشریف لائے اور آپ نے بھی لالہ جی سے یہی ذکر فرمایا۔ لالہ جی مدظلہ العالی نے بھی گفتگو کے دوران زبان کی روانی میں فرق کو محسوس کیا اور اسی وقت آپ کے خصوصی معالج ڈاکٹر کرنل محمد شفیع صاحب کو ٹیلیفون پر اطلاع دی۔ وہ فوراً آئے اور دیکھ کر بتایا کہ زبان پر فالج کا اثر ہے اور مکمل آرام کے لیے عرض کیا۔ مگر آپ نے اپنے معمولات میں مزید صرف اتنی تبدیلی فرمائی کہ موٹر کا استعمال مجلس سے گھر تشریف لے جانے کے علاوہ گھر سے مجلس کے لیے بھی ہونے لگا۔ ایلوپتھک دایوں کے ساتھ ساتھ ہومیو پتھک اور یونانی ادویہ بھی استعمال کی گئیں جن سے تھوڑے ہی عرصہ میں کافی افادہ ہو گیا تاہم زبان کی روانی کلیتہً بحال نہ ہوئی۔

حضرت مدنی صاحب کی آمد

ادھر حج کا زمانہ پھر آن پہنچا اور آپ اپنی کمزوری اور تکلیف کے باوجود دیارِ پاک کی حاضری کے لیے تیار ہونے لگے۔

ڈاکٹر صاحبان نے شدت سے منع فرمایا۔ بالآخر یہ ارادہ فرمایا کہ حج کے بعد عمرہ کے لیے جائیں گے جب وہاں بھیڑ ڈرامہ ہوگی۔ اور حضرت مدنی صاحب کو بھی اُن کی آنکھ کے آپریشن کے لیے اپنے ساتھ پاکستان لے آئیں گے۔ ابھی یہ پروگرام بن ہی رہے تھے کہ ۵۔ مارچ ۱۹۷۲ء کو اچانک اطلاع ملی کہ حضرت مدنی صاحب کراچی پہنچ چکے ہیں۔ یہ اطلاع ملنے پر حضور بابو جی بمعہ ڈاکٹر کرنل محمد شفیع، مشتاق قوال، خواجہ خدابخش، خواجہ محمد اعظم ملتانی کے ۶۔ مارچ کو بذریعہ ہوائی جہاز حضرت مدنی صاحب کے استقبال اور انہیں ساتھ لانے کے لیے کراچی پہنچ گئے۔ حضرت مدنی صاحب کا تعارفی ذکر اس کتاب کے صفحہ ۳۳۹ پر حاشیہ میں گذر چکا ہے۔ حضرت بابو جی سے انہیں بے حد نیاز اور حقیقی معنوں میں عشق تھا۔ آپ جو خط بھی حضرت بابو جی کی خدمت میں تحریر فرماتے انہیں ان الفاظ سے شروع کرتے :-

من مسقط رأس المدينة المنورة الى مسقط قلبی گولڑا شریف

ترجمہ۔۔۔ یہ خط جا رہا ہے اُس دیار پاک سے جہاں میرا سر گرا ہے۔ طرف اُس دیارِ گولڑا شریف کے جہاں میرا دل گرا ہے۔ افسوس کہ حضرت بابو جی کے وصال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت مدنی صاحب بھی یکم رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ کو اس جہانِ فانی سے دارِ بقا کی طرف تشریف لے جا کر حضرت بابو جی سے جا ملے۔

کراچی میں حضرت بابو جی شروع میں صادق ٹریڈرز کے دفتر میں قیام فرمایا کرتے تھے۔ بعد میں آپ کے ایک اور بطنے والے مخلص احمد داؤد نے جب اپنا مکان بنوایا تو بڑے اصرار سے التجا کر کے آپ کو وہاں قیام کرنے پر راضی کیا۔ احمد داؤد صاحب کا حضرت بابو جی سے پاکستان بننے سے پہلے ممبئی میں تعارف ہوا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد یہ کراچی آ گئے۔ حضرت بابو جی سے بے حد محبت کرتے تھے اور کراچی اور بیرون ملک سفروں کا تمام انتظام اُن کے سپرد ہوتا تھا۔ دل کے مریض تھے مگر لنگر شریف کے کاموں کے لیے پیدل دوڑتے پھرتے تھے۔ حضرت بابو جی بمعہ مدنی صاحب ۹۔ مارچ کو کراچی سے واپس تشریف لے آئے۔ آپ کی واپسی کے دوسرے ہی روز اطلاع ملی کہ احمد داؤد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس خبر سے آپ کو نہایت دلی صدمہ ہوا اور اپنے بڑے صاحبزادے حضرت لالہ جی کو جنازہ میں شمولیت کے لیے کراچی بھیجا۔

مکرم زوری اور علالت کے باوجود حضرت بابو جی کی مصروفیات اور معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ کی بیماری کی خبریں سن کر بطنے والوں کا جھوم بڑھ گیا۔ ۲۲۔ مارچ ۱۹۷۲ء کو بغداد شریف سے درگاہ حضرت غوث الاعظمؒ کے متولی سید یوسف الگیلانی تشریف لائے۔ اُن کی خاطر مدارات میں بھی حضرت بابو جی ذاتی طور پر شمولیت فرماتے رہے۔ ۳۰۔ مارچ ۱۹۷۲ء کو مانی سارا صاحبہ ترکی سے حضرت بابو جی کی بیماری پُرسی کے لیے تشریف لے آئیں۔ یہ ترکی کے مشہور جنرل انور پاشا کی اولاد سے ہیں اور حضرت مولانا نے روم سے بڑی عقیدت رکھتی ہیں۔ حضرت بابو جی سے ان کی ملاقات قونیہ شریف حضرت مولانا کے مزار مبارک کے باہر ہوئی اور چونکہ یہ کچھ تھوڑا بہت انگریزی سمجھتی ہیں اس لیے وہاں پر یہ حضرت بابو جی اور مدیر صاحب و دیگر ترکی انتظامیہ کے ملازمین کے درمیان بطور مترجم کام کرتی رہیں۔ حضرت بابو جی کے اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ انہیں اپنا بھائی کہنے لگیں اور اس سے قبل بھی ایک دفعہ آپ کو بطنے کے لیے پاکستان آئی تھیں۔ ۱۶۔ اپریل ۱۹۷۲ء کو یومِ عید میلاد النبیؐ تھا۔ اس موقع پر آستانہ عالیہ پر جو خاص تقریب ہوتی ہے اُس کا ذکر اسی فصل کے شروع میں آچکا ہے۔ حضرت بابو جی پہلی بار اس مجلس میں بذاتہ شامل نہ ہو سکے کیونکہ رات تقریباً گیارہ بجے آپ کو سردی کے ساتھ شدت کا بخار آ گیا۔ آپ کے تشریف نہ لانے کا اثر ساری مجلس پر تھا۔ حضرت بابو جی کی جگہ آپ کے صاحبزادگان نے مجلس کی تعاریب کو سرانجام پہنچایا

مگر وہ خود بھی اپنے والد بزرگوار کی غیر شمولیت پر غمزدہ نظر آتے تھے۔

حضرت مدنی صاحب کی تشریف آوری سے حضرت بابو جی کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی۔ مدنی صاحب کو موتیا بند کی تکلیف تھی اور پہلے بھی آپ کی ایک آنکھ کا آپریشن پاکستان ہی میں ہو چکا تھا۔ اب دوسری آنکھ میں تکلیف تھی۔ اور حضرت بابو جی کا خیال تھا کہ اُس کا آپریشن بھی نہیں ہو جائے کیونکہ یہاں تسلی بخش آپریشن کے علاوہ آپ کی دیکھ بھال کا خاطر خواہ انتظام ہو سکتا تھا غرضیکہ مدنی صاحب کی دوسری آنکھ کا آپریشن بھی کامیابی سے ہو گیا۔ آپ ابھی زیر علاج تھے کہ سیدنا غوث الاعظم کا عرس مبارک ۲۰۳۰۲ مئی ۱۹۶۴ء کو آن پہنچا۔ اس موقع پر گولڑہ شریف میں خلق خدا کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے اور اُن سے ملاقات کا تو اترا اتنا وقت طلب اور اس قدر تھکا دینے والا ہوتا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود آپ نے ملاقاتوں کا یہ سلسلہ بدستور جاری رکھا۔ اس کے علاوہ حضرت بابو جی عرس کی سہ روزہ باقاعدہ مجالس میں عموماً دو زانو بیٹھا کرتے تھے اور بہت کم پہلو بدلتے۔ انہی تقریبات کے دوران جمعہ کے روز ختم شریف کی مجلس میں دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد آپ نے محسوس فرمایا کہ آپ کی ایک ٹانگ بالکل بے حس ہو گئی ہے مجلس کے خاتمہ پر آپ بڑی مشکل سے سہارا لے کر قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ اس تکلیف کے باوجود آپ نے جمعہ کی نماز مسجد میں جا کر باجماعت ادا فرمائی۔

ہسپتال میں داخلہ اور حضرت مدنی صاحب کی واپسی

عرس مبارک کے تھوڑے ہی دنوں بعد ۱۱ مئی بروز ہفتہ آپ کو غدوہ دیشانہ بڑھ جانے کی وجہ سے پیشاب میں رکاوٹ کی تکلیف ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے غدوہ کے آپریشن کا مشورہ دیا جس کے لیے آپ کو کبسانڈ ہسپتال میں جمعرات ۱۶ مئی ۱۹۶۴ء کو کمرہ نمبر ۴ میں داخل کر دیا گیا۔ حضرت مدنی صاحب نے جب حضرت بابو جی کی اس تکلیف کو دیکھا تو آپ پس و منہ جانے کے لیے اصرار کرنے لگے۔ غالباً وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُن کی موجودگی کی وجہ سے حضرت بابو جی کے علاج کی طرف توجہ میں کمی واقع ہو۔ حضرت بابو جی کو جب مدنی صاحب کے اصرار کا علم ہوا تو آپ نے بار بار اُن کی خدمت میں یہی کہلویا کہ ابھی تشریف نہ لے جائیں مگر مدنی صاحب بدستور مبصر رہے۔ آخر اُن کی خواہش کے سامنے سب کو جھکنی پڑا۔ اور ۲۶ مئی ۱۹۶۴ء بروز اتوار رات ساڑھے آٹھ بجے تشریف لے گئے۔ اُن کی روانگی سے ایک روز قبل حضرت بابو جی ڈاکٹر صاحبان سے اجازت لے کر انہیں خیر باد کہنے کے لیے گولڑہ شریف تشریف لے گئے۔ دوسرے روز آپ کا پروگرام انہیں ہوائی اڈہ پر جا کر رخصت کرنے کا بھی تھا۔ مدنی صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے گزارش کی کہ آپ ہوائی اڈہ پر تشریف نہ لے جائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ تو آپ کو مدینہ شریف تک چھوڑ کر آنے کا تھا آپ مجھے ہوائی اڈہ تک جانے سے بھی منع فرما رہے ہیں۔ جب مدنی صاحب نے دوبارہ دُوبی گزارش کی تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ کیا آپ نے یہاں مزید قیام فرمانے کے متعلق میرا کہا مانا ہے کہ میں آپ کا کہا مانوں؟ غرض آپ ہوائی اڈہ پر تشریف لے گئے۔ واپسی پر حسرت بھرے لہجے میں فرمایا کہ میری خواہش تھی کہ مدنی صاحب میرا جنازہ پڑھا کر جاتے مگر افسوس کہ یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ مدنی صاحب کے اپنی واپسی پر غیر معمولی اصرار کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں بھی حضرت بابو جی کے عنقریب اس دُنیا سے تشریف لے جانے کا علم ہو گیا تھا۔ اور وہ یہ نہ چاہتے تھے کہ یہ جانکاہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

علالت کے دوران ملنے والوں کی بے چینی

حضرت بابو جی کی علالت نے آپ کے تمام ملنے والوں کو بے چین کیا ہوا تھا جس کسی کو علم ہوا اُس نے حتی الوسع کوشش کی کہ بیمار پرسی اور زیارت کے لیے ہسپتال میں معاضری دے۔ دُور دراز سے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ نتیجتاً ہسپتال میں پوچھنے والوں کا اتنا بندھا رہتا تھا۔ ملاقات کے اوقات کے دوران وہاں باہر باجماعت نمازیں ادا کی جاتیں۔ اور کھانے کے وقت ایک لمبا ستر خوان بچھا ہوتا۔ آپ کی علالت کے اس دُور میں آفا شورش کاشمیری نے چٹان، مورخہ ۲۰-۱۹۶۲ء میں ایک نظم لکھی جو آپ کے ملنے والوں کے احساسات کی ترجمان ہے۔ آفا شورش بقول خود کسی اور میدان یعنی میدان سیاست کے شاہسوار تھے۔ تحریک ختم نبوت میں انہیں حضرت بابو جی کے قریب آنے اور دیکھنے کا موقع ملا اور آپ کے اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ اپنی اکثر مجالس میں اس کا ذکر کرتے۔ حضرت بابو جی انہیں منع فرماتے کہ آپ جن الفاظ میں میرا ذکر کرتے ہیں میں اُن کے بالکل قابل نہیں ہوں۔ آپ ایسا نہ کیا کریں۔ مگر وہ بھلا کہاں رکنے والے تھے۔ مندرجہ ذیل نظم بھی جب آپ کو ہسپتال میں سُنانی گئی تو آپ نے پھر شورش صاحب کی طرف پیغام بھجوایا کہ ایسا نہ کیا کریں۔

گولڑہ کے معتقد اس درد سے لاچار ہیں	اُن کے مُرشد اک مہینہ ہو گیا بیمار ہیں
تندرستی دے انہیں اُسے مالک ہر دو جہاں	ہم فقیروں کے لیے دُہ ابر گوہر بار ہیں
قرن اول کے صحابہ کی عزیمت اُن سے ہے	بالیقیں حلقہ بگوشس سیدالابراہ ہیں
اُن کے دل میں حضرت صدیق اکبر کی لگن	حضرت فاروق کی شمشیر جو ہر دار ہیں
منظر عثمان ذوالنورین از راہِ سحر	حیدر کرار کی خیر شکن تلوار ہیں
میں نے دیکھا ہے انہیں مسیحی یوم الست	خواجہ بطحی کی دعوت کے طلبدار ہیں
میکدے میں تشنہ کاموں کے لیے ساغر بدست	بتکہ میں غیرتِ اسلام کی للکار ہیں
فہر و استغنا کا پس کر ارضِ پاکستان میں	ایشیا میں لشکرِ اسلام کے سالار ہیں

اس غریب الحال پر اُن کی عنایت بے حساب
لرزہ بر اندام شورش سے دسیسہ کار ہیں

احمدی آیام

حضرت بابو جی مسلسل ۱۹ روز تک ہسپتال میں ڈاکٹر بریگیڈیر آئی۔ ڈی حسین اور ڈاکٹر کرنل اکرم کے زیرِ علاج رہے دونوں ڈاکٹر صاحبان نے خصوصاً ڈاکٹر کرنل اکرم نے بڑی توجہ سے علاج کیا۔ مگر آپ کی انتہائی کمزوری کے باعث اپریشن کرنے سے بچکچاتے رہے۔ اس دوران عیادت کرنے والوں کا اتنا لگا رہتا تھا۔ ہسپتال کا عملہ انہیں ملاقات سے منع کرتا تھا۔ اس سے حضرت بابو جی کی طبع مبارک پر بوجھ پڑتا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ بے چارے دُور دراز کا سفر کر کے یہاں آتے ہیں اور یہاں انہیں ملنے میں اتنی دُشواری ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ باسرار ۳ جون ۱۹۶۲ء کو گولڑہ شریف واپس تشریف لے آئے سب گھر والوں سے اور تمام خویش و اقارب سے ملاقات فرمائی۔ اپنے دونوں صاحبزادگان کو اور اپنے سارے پوتوں کو بلا کر

نصیحت فرمائی کہ دیکھنا آپس میں اتفاق رکھنا۔ اپنے آپ کو صاحبزادہ نہ بنانا بلکہ لوگوں کا خادم بنے رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم کمروں میں آرام سے بیٹھے رہو اور بیٹنے والے باہر تکلیف میں کھڑے رہیں۔ آرام طلب نہ بننا۔ مشقت اور تکلیف سہنے کی عادت ڈالنا۔ مالک کی یاد سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہونا اُس کے حقوق ادا ہوں گے تبھی منزل مقصود کو پہنچو گے۔ ایک روز اپنے بڑے صاحبزادے حضرت لالہ جی کو مثنوی مولانا نے روم کے یہ شعر لکھوائے۔

صورت ظاہر چہ جوئی اے جواں . زو معانی را طلب اے پہلواں

ترجمہ۔ اے جوان ظاہری صورت کو کیوں تلاش کرتا ہے۔ جا اور معنی کی جستجو کر۔!

صورت و بیات بد چوں قشر و پوست . معنی اندر فے چوں مغز اے یار دوست

ترجمہ۔ ظاہر صورت مثل پھلکے کے ہے۔ معنی اس کے اندر مثل مغز موجود ہے

در گزر از نام و ہنگر در صفات . تا صفات راہ نماید سوائے ذات

ترجمہ۔ نام کو چھوڑ اور صفات کو دیکھو تاکہ صفات تمہیں ذات کی طرف رہنمائی کریں

گم شوی در ذات و آسانی ز خود . چشم تو یک رنگ بسند نیک و بد

ترجمہ۔ اپنے آپ کو چھوڑ اور اُس کی ذات میں گم ہو تاکہ تیری آنکھ، نیک و بد کو ایک رنگ سے دیکھے

کار او با بندگان بد چمناس . او کرم نہرما بود بر عاصیاس

ترجمہ۔ وہ اپنے گناہگار بندوں سے اس طرح سلوک کرتا ہے کہ اُن پر اپنا کرم نہرما ہے

گر نہ عاصی آمدے اندر جہاں . رحمت ایزد کجما بودے عیاس

ترجمہ۔ اگر دنیا میں گناہ گار نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے ظاہر ہوتی

گولڑا شریف آنے کے بعد آپ نے پھر اُن تمام لوگوں سے ملنا شروع فرما دیا جو بیمار پُرسی کے لیے آتے تھے۔

اس سے طبیعت کی کمزوری میں اضافہ ہوا اور شانہ کی تکلیف زیادہ ہو گئی۔ ساتھ ہی ۹ جون ۱۹۴۳ء کو آپ کو شدید بخار آ

گیا۔ اس پر حضرت صاحبزادگان نے ڈاکٹروں سے مشورہ کرنے کے بعد آپ کو دوبارہ ہسپتال پہنچانے کا پروگرام بنایا۔ جب

آپ سے اس بارہ میں عرض کیا گیا تو فرمانے لگے: تمہاری مرضی ہے تو لے چلو مگر وہاں جانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ۱۱ جون

۱۹۴۳ء کو آپ کو دوبارہ دن کے تین بجے ہسپتال لے جایا گیا۔ ڈاکٹروں نے پہلے فوری طور پر اپریشن کرنا چاہا لیکن پھر آپ کی

کمزوری کے پیش نظر رُک گئے۔ اس کے بعد کے چند ایام آپ نے نہایت تکلیف میں گزارے۔ دفع نقاہت کی غرض سے گلوکو

لگانے کے لیے خون کی رگ تلاش کرنے میں کئی کئی بار آپ کے جسم مبارک میں سوئیاں چھوئی پڑیں مگر زبان پر شکر خداوندی کے

علاوہ کبھی کوئی جملہ نہ آیا۔ ڈاکٹر صاحبان جب دیکھنے کے لیے آتے اور حال دریافت کرتے تو آپ ہمیشہ فرماتے الحمد للہ اللہ کا بڑا شکر

ہے! آپ کی اس بے پناہ قوت برداشت پر ہسپتال کا سارا عملہ حیران تھا۔ انہوں نے بھی اپنی زندگی میں ایسا راضی برضا مرض

پہلی بار دیکھا تھا۔ ان دنوں مخلصین عبدالرزاق مٹھیالوی، راجہ غلام سرور، محمد نثار صدیقی اور ملک غلام ربانی آپ کی مسلسل دیکھ

بھال کرتے رہے۔ دونوں صاحبزادہ صاحبان بھی ہر وقت موجود رہتے اور مہمانوں اور عیادت کرنے والوں سے ملتے رہتے۔

چونکہ اتنے آدمیوں کا کمرہ کے اندر جانا محال تھا اس لیے جب کبھی آپ تکیہ لگا کر چار پائی پر بیٹھتے تو سامنے والی گھڑکی کھول دی

جاتی تاکہ آنے والے دور ہی سے کھڑے ہو کر اپنے پیارے بابو جی کی زیارت کر لیں۔

سفرِ آخر

۱۹۔ جون کو آپ نے محبوب اور مشتاق قوالوں کو بلوایا اور ان سے آخری بار سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہم کی مندرجہ ذیل منقبت سماعت فرمائی اور انہیں بہت دُعائیں دے کر رخصت فرمایا:-

شاہ بازِ لامکانی مظہرِ ربِّ قدیر حضرت محبوب سبحانی شہِ پیرانِ پیر
اب مدد فرمائیے قیدِ خودی میں ہوں اسیر تاجدارِ ملکِ قدرت مظہرِ ربِّ قدیر
یا قطبِ یاغوث الاعظم یادِ لی روشن ضمیر

بحرِ عصیاں میں تلاطم اور اندھیری رات ہے ہے بھروسہ جس پہ مجھ کو آپ ہی کی ذات ہے
زادِ راہِ آخرت کچھ بھی نہ میرے پاس ہے ہاتھ پر تیرے بکا ہوں لاج تیرے ہاتھ ہے
بندہ ام در ماندہ ام جز تو نہ دارم دستگیر

ہو اگر آزاد اپنی قیدِ بہت و بُود سے ربط ہو جائے مدامی عبد کا معبود سے
دیجے ناسوتی کو بھی صدقہ کچھ اپنے بُود سے دامن اُمّتیہ کو بھر دو گلِ مقصود سے
خاطرِ ناشادِ راکنِ شاد یا پیرانِ پیر

ہستی فانی پہ بے میسری یقینی کا حجاب زندگی اپنی نظر آتی ہے مجھ کو اک سُرَاب
دیجیے اجداد کا اپنے تصدق بے حساب بردِ درگاہِ والا سِلمِ اے آفتاب
جاؤں گا خالی نہ در سے آپ کے پیرانِ پیر

اُس سے اگلے روز کمزوری اور زیادہ ہو گئی اور بالکل استغراق کی کیفیت طاری رہی۔ اس کے باوجود آپ تمام نمازیں وقت پر اشاروں سے ادا فرماتے رہے۔ اس مرتبہ ہسپتال والے آپ کو وہ کمرہ نہ دے سکے تھے جو پہلی مرتبہ دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے کئی مرتبہ پوچھا کہ وہ کمرہ کب خالی ہوگا۔ ۲۱۔ جون ۱۹۶۴ء بروز جمعہ جمادی الثانی کا چاند نظر آیا اور ۲۲۔ جون کو وہ کمرہ یعنی کمرہ نمبر ۳ خالی ہوا تو آپ کو اُس میں منتقل کر دیا گیا۔ اُس کمرہ میں آجانے کے تھوڑی ہی دیر بعد طبع مبارک میں دفعۃً بے حد کمزوری واقع ہوئی۔ بلڈ پریشر تشویشناک حد تک گر گیا اور بالآخر اسی روز جمادی الثانی کی ۲ تاریخ کو گیارہ بجے شب آپ نے اپنے رفیقِ اعلیٰ کو لبیک کہا۔

سے صورت از بے صورتی آمد بڑوں باز شد اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

نمازِ جنازہ و تدفین

اُس وقت کمرہ کے اندر آپ کے پاس ڈاکٹر کرنل محمد شفیع صاحب، ڈاکٹر میجر شہاب الدین، ڈاکٹر کرنل آصف حبشتی غلام مصطفیٰ، راجہ غلام سرور، عبد الرزاق مٹھیالوی، ملک غلام ربانی اور سیٹھی محمد اسمعیل پشاوری موجود تھے۔ صاحبزادہ صاحبان اور دیگر خاص متعلقین باہر حاضر تھے۔ اُسی وقت آپ کے جسدِ مبارک کو ایمبولنس میں گولڑہ شریف لے جایا گیا۔ جہاں رات کے دو بجے مولانا فیض احمد، مولانا عبد الرزاق، ملک غلام ربانی، راجہ غلام سرور، عبد الرزاق مٹھیالوی اور مولانا اللہ بخش صاحبان

نے غسل دیا۔ اُس کے بعد جدِ مبارک کو حرمِ سرا میں لے جایا گیا تاکہ اہل خانہ زیارت سے مشرف ہو سکیں۔ رات ہی کو بذریعہ ٹیلیفون آپ کے وصال کی اطلاع ہر طرف بھیج دی گئی تھی۔ قُرب و جوار کے لوگ تو رات ہی سے آنا شروع ہو گئے تھے۔ ریڈیو پر آپ کے وصال کی خبر صُبح کی خبروں میں نشر کی گئی۔ صُبح ۹ بجے حضرت بابو جی کے دونوں فرزند ارجمند شاہ غلامِ معین الدین اور شاہ عبدالحق مدظلہما العالی مجلسِ خانہ میں تشریف لائے۔ باوجود ضبط کے تمام اہل مجلس اشکبار تھے۔ مولانا فیض احمد صاحب نے حضرت بابو جی کی پاکیزہ زندگی کا مختصر خاکہ اور بزرگانِ خدا کے وصال کے خواص بیان کیے جو بوقبال نے مولانا فیض احمد صاحب کا اسی روز کا کہا ہوا مندرجہ ذیل فارسی مرثیہ پڑھا جسے سن کر ساری مجلس زار و قطار رو رہی تھی۔

مرثیہ

وا حسرتا کہ خواجہ حق آشنا برفت	معتبول بارگاہِ شہِ دوسرا برفت
سبطِ جنابِ حیدر و ولیدِ غوثِ پاک	فد زندِ شاہِ مہر علی حق منشا برفت
آں مخزنِ محبت و آلِ معدنِ سخا	خواجہ غلامِ محی دین سپہرِ ہدیٰ برفت
شد آسماں بگریہ و نالد زہیں بسوز	آں خیر خواہ و مؤنسِ خلقِ خدا برفت
اے دردِ عشقِ خاک بسرریز و اشکبار	اے حسنِ گریہ کن کہ بہارِ شما برفت
تاریک گشتِ عالم و جد و سماع و ذوق	آں مردِ پاکباز سرِ اصفیاء برفت

سن وصالِ فیضِ شنیدم ز ہاتھ

آن کمالِ سپہرِ مہر و دفن برفت

۱۳۹۴ھ

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجوم میں اضافہ ہوتا گیا۔ اگرچہ موسمِ گرما کا شباب تھا۔ تاہم تمام دن بادل چھائے رہے اور کبھی کبھی نہایت ہلکی بوند باندی بھی ہوتی رہی گویا آسمان بھی اہل دنیا کے ساتھ اس جانگاہ واقعہ پر اشکبار تھا۔ نمازِ ظہر کے بعد قریباً ۲ بجے جنازہ حرمِ سرا سے باہر لایا گیا۔ مجوم اس قدر تھا اور ہر شخص جنازہ کو کندھا دینے کے لیے اس قدر بے قرار تھا کہ جنازہ کو بڑی مشکل سے گیراج تک پہنچایا گیا۔ اُس وقت جنازہ کے اوپر ابا سیلوں اور چڑیوں کے جھنڈ فضا میں پرواز کرتے ہوئے دیکھے گئے۔ جنازہ مہمان خانہ نمبر ۱ کے صحن میں ایک تخت پوش پر رکھ دیا گیا تاکہ عوام الناس زیارت سے مشرف ہو سکیں۔ نمازِ عصر کے بعد جنازہ کو دربارِ شریف کے جنوب مغرب میں ایک کھلے میدان میں بذریعہ وگین پہنچایا گیا کیونکہ لوگوں کے فرطِ شوقِ زیارت اور مجوم کے باعث چار پائی پر لے جانا ناممکن تھا۔ اس وقت حاضری کی تعداد اخباری اطلاعات کے مطابق اڑھائی تین لاکھ تھی۔ پشاور سے کراچی تک کے لوگ جنازہ پر پہنچ چکے تھے جن میں کثیر تعداد علمائے کرام، مشائخِ عظام، سجادہ نشین صاحبان اور مقتدر حضرات کی تھی۔ ۶ بجے شام حضرت سید عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سابق سفیرِ حکومتِ عراق کی امامت میں جو بارگاہِ غوثیہ بغداد شریف کے موجودہ متولی کے بھائی اور حضرت سیدنا غوث الاعظم کی اولاد و امجاد میں سے تھے۔ چوبیس بجے نمازِ جنازہ پڑھائی گئی اور پھر بذریعہ وگین ہی جنازہ واپس لا کر آپ کو اپنے والد بزرگوار قبلہ عالم سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کے مزارِ اقدس کے اندر اُن کے مشرقی پہلو میں نمازِ مغرب کے قریب دفن کیا گیا۔ وہ چاند جس نے عرصے سے ایک

عالم کو اپنے نور سے متور کر رکھا تھا مخلوق کی نگاہوں سے زیر زمین روپوش ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ

وصال کے بعد کے حالات

۲۳۔ جون ۱۹۷۲ء اور اُس کے بعد کئی روز تک ملک کے تمام اخبارات میں حضرت بابو جی کے متعلق مضامین نطیں اور مرثیہ جات شائع ہوتے رہے۔ ریڈیو پاکستان سے آپ کی زندگی کے مختصر حالات اور مقتدر حضرات کے تاثرات نشر کیے گئے۔ آل انڈیا ریڈیو نے بھی آپ کے متعلق ایک خاص بیٹن نشر کیا۔ اُدبار اور شعراء نے تاریخ ہائے وصال اور مرثیے لکھے۔ ہر مکتب فکر کے علماء اور ہر سلسلہ روحانیہ کے مشائخ اور سجادہ نشین تعزیت کے لیے تشریف لاتے رہے۔ مدیترچان "لاہور نے اپنی اشاعت مورخہ ۳۰ جولائی میں ملک کے مختلف مکاتیب فکر کے رہنماؤں کے اُن بیانات کو یکجا کیا جو انہوں نے حضرت بابو جی کے وصال پر دیئے۔ ہم یہ بیانات ناظرین کے مطالعہ کے لیے نقل کیے دیتے ہیں۔

ارادت کے موتی حضرت سید غلام محی الدین شاہ علیہ الرحمۃ کی یاد میں

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو	میاں طفیل محمد امیر جماعت اسلامی پاکستان
"بلاشبہ آپ کا وجود ایک روحانی عظمت تھا"	"اُن کے روتیں روتیں میں اسلام ہی اسلام تھا"
ملک غلام مصطفیٰ کھرایم۔ این۔ اے	چودھری غلام جیلانی امیر جماعت اسلامی پنجاب
"قرن اول کی دینی حمیت کا مجسمہ تھے"	"اُن کا وجود صداقتِ اسلام کی دلیل تھا"
ایر مارشل اصغر خاں	علامہ عبدالعزیز خالد
"اسلاف کی آخری تصویر تھے"	"انہیں دیکھا تو گویا دیکھ لی رحمتِ پیر کی"
نواب زادہ نصر اللہ خاں	ملک خضر حیات خاں ٹوانہ
"فقرو استغناء کا نمونہ کامل تھے"	"وہ قطب الاقطاب تھے"
چودھری ظہور الہی ایم۔ این۔ اے	پیر دیول شریف
"اہل اللہ کی معجز نمایوں کا مجسمہ تھے"	"شیخ العصر تھے"
حضرت مفتی محمود ایم۔ این۔ اے	علامہ محمود رضوی (حزب الاخوان)
"نی الواقعہ تحریکِ ختم نبوت کے موروثی راہنما تھے"	"آپ تربیت یافتگان رسالتِ مآب کا مجسمہ تھے"
خان عبدالولی خان ایم۔ این۔ اے	مولانا ابوالبرکات
"علم و تقویٰ کا نادرہ روزگار وجود تھے"	"تھا اُن میں رنگِ علیؑ اور اُن میں بونے رسول"
پروفیسر غفور احمد ایم۔ این۔ اے	مولانا تاج محمود صاحب لائل پور
"اُن کا وجود آئینہ رحمت تھا"	"قامت اُن کی غیرتِ اسلام کی تصویر تھی"
حضرت شاہ احمد نورانی ایم۔ این۔ اے	مولانا غلام اللہ خاں راولپنڈی
"اساطیرِ اولیٰ کی تصویر تھے"	"وہ خانوادہ طریقت کا لعلِ شبِ چراغ تھے"

مجید نظامی ایڈیٹر نوائے وقت لاہور

"اس خدا کی سرزمین پر نور کا پیکر تھے وہ"

اقبال زبیری ایڈیٹر مشرق لاہور

"فقر اسلام کی دلیل محکم تھے"

ہارون سعد ایڈیٹر امروز لاہور

"انہیں دیکھتے ہی مادیت کا طلسم خانہ پاش پاش ہو جاتا تھا"

شاعر اسلام حضرت احسان دانش

"وہ آدمی تھا مگر دیکھنے کی تاب نہ تھی"

حضرت شفیق کوٹی

"اس وطن کے بنگدے میں نعرہ تکبیر تھے"

خواجہ عبدالرحیم بار ایٹ لار

"وہ سچے دلوں کے فاتح تھے"

ملک عباس حسین النجف سعودی عربیہ

"سخاوت کا آئینہ تھے"

عزیز انصاری گوجرانوالہ

"فی الواقعہ ان کا وجود عطیہ ربانی تھا"

بیگم شورشش کاشمیری

"ہادی کامل، مرشد دوران، مجود و سخا کا چشمہ صافی"

سردار شوکت حیات خاں ایم این۔ اے

"اٹھ گئے تو ایک کوفہ حانی خلا پیدا ہوا"

نواب کر حسین قریشی ایم این۔ اے

"ان کے اوصاف حسنہ بیان کرنے سے قلم قاصر ہے"

مولانا غلام علی ادکاروی

"قدرت حق آدمی کے روپ میں"

سید مظفر علی شمسی

"ایک انسان امر بالمعروف کی آواز تھا"

سید خلیل احمد قادری خلیف الرشد مولانا ابوالحسنات مرحوم

"مظہر حق و صداقت تحت دین ہدیٰ"

حضرت بابو جی کے وصال کے بعد کئی ہفتہ تک ہر جمعرات کے روز ایصالِ ثواب کے بعد ہزار ہا لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا رہا۔ ۱۱۔ رجب ۱۳۷۴ھ کو چہلم شریف ہوا اور اُس روز بھی بیشتر اخبارات نے آپ کے حالات زندگی اور بعض نے خاص نمبر شائع کیے۔ اس موقع پر بالعموم سب سے بڑے بیٹے کی دستار بندی کی جاتی ہے۔ مگر چونکہ حضرت قبلہ عالم کے وصال کے بعد حضرت بابو جی نے یہ رسم ادا نہیں فرمائی تھی اس لیے آپ کے صاحبزادہ صاحبان نے بھی اپنے والد بزرگوار کی اتباع میں اس رسم کی اجازت نہ دی حضرت سید عبدالقادر گیلانی سابق سفیر حکومت عراق اس تقریب پر بھی تشریف لائے تھے۔ حضرت بابو جی کو ان کے ساتھ ان کے آستانہ عالیہ بغداد شریف کے تعلق کی بنا پر بہت نیاز تھا اور انہیں اپنے ہمدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی سفیر صاحب کے لقب سے ہی یاد فرماتے تھے۔ سفیر صاحب دونوں صاحبزادگان کو لے کر مزار شریف پر حاضر ہوئے اور ایک سفید رنگ کا جُبہ نکال کر حضرت لالہ جی کے کندھوں پر ڈالنا چاہا۔ حضرت لالہ جی نے اپنے چھوٹے بھائی شاہ عبدالحق صاحب کو بھی جُبہ کے نیچے لینا چاہا تو سفیر صاحب نے فرمایا کہ میں ان کے لیے بھی الگ جُبہ لایا ہوں۔ دونوں بھائیوں نے روتے ہوئے دونوں جُبے تبرکاً قبول فرمائے۔

حضرت بابو جی نے اپنے دونوں صاحبزادگان کو مذہبی تعلیم جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں مشہور عالم دین مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی شیخ الجامعہ کے زیر نگرانی دلائی تھی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ انہیں ہمیشہ سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے بڑھائی تعلیم و تربیت کے علاوہ لنگر شریف کی تمام ذمہ داریوں سے بھی انہیں اچھی طرح رُوشناس کر دیا تھا۔ خلوت و جلوت میں بار بار خصوصی نصائح اور وصیتوں سے ان کی تربیت فرمائی۔ خدمتِ خلق، مہمانوں کی رعایت، خاطر اور دیکھ بھال اور اتباعِ شریعت و طریقت کی خصوصی تعلیم دی اور خود نمائی سے یکسر دُور رہنے کی ہمیشہ پُر زور تاکید فرمائی۔ دونوں کو بیعت و ارشاد کی اجازت اپنے

وصال سے کافی عرصہ پہلے عطا فرمادی تھی۔ اگرچہ آپ کی زندگی میں ان دونوں میں سے کسی نے بھی کبھی کسی کو بیعت کرنے کی جرات نہ فرمائی۔ دونوں بھائی اب اپنے والد بزرگوار کی سنت کو اسی خوش اسلوبی سے پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس طرح خود حضرت بابو جی نے حضرت قبلہ عالم کے وصال کے بعد فرمائی تھی۔ لنگر شریف پر مہمانوں کی دیکھ بھال اور ان کی آسائش میں اضافے کے لیے ہر دم کوشاں ہیں۔ خلق خدا کی گزارشات بڑی توجہ سے سنتے اور ان کی دلجوئی فرماتے ہیں۔ دنیا داری اور سیاست سے اسی طرح الگ تھلگ ہیں جیسے ان کے اجداد کرام تھے۔ اللہ کریم انہیں ہمت و توفیق بختے کہ اس پر آشوب زمانہ میں استاذہ عالیہ کے فیض کو اپنے آبا کی طرح جاری رکھ سکیں اور بے سہارا اور بے آسرا لوگوں کا یہ ملجا و ماولے تا ابد قائم و سلامت رہے۔ آمین۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا حضرت بابو جی کی ذات مبارک کے اوصاف و کمالات بیان کرنا آسان نہیں اس کے لیے ایک دفتر درکار ہے اور اس کے باوجود بھی شاید بیان تشنہ تکمیل ہی رہے۔ یہاں ہم آغا شورش کاشمیری مرحوم کے مضامین سے چند اقتباسات اس اُمید پر نقل کیے دیتے ہیں کہ شاید قارئین کرام کو حضرت بابو جی کی ذات مبارک کی رفعت، علو مقام اور معیت اوصاف کا کچھ تھوڑا سا اندازہ ہو جائے۔

حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ

یاد ان کی صرف جاں ہے آج تک

حضرت پیر سید غلام محی الدین شاہ (گولڑہ شریف) سیدنا مہر علی شاہ نور اللہ مرقدہ کے نخت جگر تھے اور معرفت الہی کے وہ تمام اوصاف آپ کی ذات ستودہ صفات میں جمع تھے جن کی بدولت آپ کے مایہ ناز والد کا وجود گرامی عقیدت عوام کا مرجع تھا۔ احقر نے آپ کو پہلی دفعہ ۱۹۵۸ء کے اواخر میں دیکھا۔ سب سے بڑی چیز جو دل پر نقش ہوئی وہ یہ تھی کہ اللہ والے کیا ہوتے ہیں۔ راقم کو اپنے مزاج کی اُفتاد کے باعث رزم و بزم سے تعلق رہا اور ہمیشہ ان لوگوں کی رفاقت حاصل کی جن کی زندگی کے شب و روز سیاسی معرکہ آرائیوں میں گذرتے رہے۔ راقم کے لیے مشائخ کی صحبتیں اور اہل اللہ کی محفلیں بالکل اجنبی رہیں۔ بلکہ احقر نے اپنی نگاہ کی نارسائی کے باعث ان حلقوں کے شب و روز کو گریز و فرار کا نام دیا لیکن سیدنا غلام محی الدین شاہ (بابو جی) کے فیض نے راقم کے تصورات کی اڑائیں ہی بدل دیں اور وہ خانقاہی سلسلے جو فہم سے ماورائی تھے کچھ اس طرح دل پر نقش ہو گئے کہ پرانی تصویریں مدھم ہو گئیں اور نئی تصویریں پیدا ہوئیں۔ راقم اپنے رب کے اس کرم بے پایاں کا عمر بھر شکر ادا نہیں کر سکتا کہ اس کو بارگاہ ایزدی سے قلم و زبان کی نرہتیں عطا ہوئیں اور کسی چیز کو تقریر و تحریر میں بیان کرنا دشوار نہیں رہا لیکن جو تاثر، کیف، وجد اور سرور بابو جی کی صحبت میں حاصل ہوا اور ان کی نگاہ کو جس طرح مہربان پایا، حقیقت یہ ہے کہ نہ تو قلم میں بیان کی طاقت ہے اور نہ زبان اظہار پر قادر ہے۔ جس انسان پر آپ نگاہ کرتے اُس کی کاپی لپٹ جاتی۔ آپ کے رُو برو ہونے سے یہ نعمت حاصل ہوتی کہ عظیم انسانوں سے قربت کے فاصلے کیونکر طے کیے جاتے ہیں۔ اور عام انسان اہل اللہ کی صحبت میں کیونکر تاثر حاصل کرتا پھر اس تاثر سے اُس کا دروازہ کس طرح کھلتا۔ اس سے پہلے رغبت کیسے پیدا ہوتی جب اُس اپنے نشوونما کو پہنچتی ہے تو محبت کے عنوان کیا ہوتے ہیں اور محبت کی معراج کا نام عشق ہے۔ پھر عشق میں خود سپردگی جنون پیدا کرتی ہے۔ بابو جی اپنے اللہ کے تھے۔ حضور سرور کائنات کی ذات اقدس سے آپ کا عشق اس معراج کو پہنچ چکا تھا کہ حضور کی صحبت میں ہوتے تو ہر لحظہ اس تلاش میں رہتے

کہ اُن کے گرد پیش رہ کر جان کیونکر دی جاسکتی ہے۔ بابو جی کو حضورؐ سے ایک ایسا لگاؤ تھا کہ اُن کے ذکر سے بے خود ہو کر اُن کے تصور میں تحلیل ہو جاتے۔ یہ عالم کیا ہوتا، راقم اس کا نقشہ کھینچنے سے قاصر ہے لیکن انکھیں اس منظر کو دیکھ چکی ہیں۔

کئی الفاظ ذہن میں اپنے مطالب کے ساتھ نقش ہو جاتے ہیں لیکن الفاظ اُن کی شرح و تفسیر نہیں کر سکتے مثلاً فقر و استغناء، جو دوسخا، مہر و وفا، غیرت و محبت، عفت و حیا، قناعت و شرافت، ایمان و عرفان، ایقان و احسان اور خودی و بے خودی۔

ان الفاظ کی تصویریں انسانی وجود کے تجربے ہی سے معلوم ہوتی ہیں۔ بابو جی ان الفاظ ہی کی معنوی خصوصیتوں اور روحانی کیفیتوں کا مجسمہ تھے۔ احقر نے زندگی میں جید علماء، نامور فضلاء، معروف فقراء اور بڑے بڑے صفت آراء انسانوں کی ہم نشینی اور خوشہ چینی کا فیض حاصل کیا حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے محاسن کا نادرہ روزگار مجبومہ تھے لیکن بابو جی قدس سرہ کا عالم ہی دوسرا تھا۔ اُن کی زبان میں کسی کے لیے آزار نہ تھا۔ وہ عیب بینی، عیب چینی اور عیب گوئی سے خلقی طور پر نا آشنا تھے۔ سب سے بڑی بات کہ اُن میں کسی عنوان سے کوئی تڑو نہ تھا۔ وہ ایک بہت بڑے باپ کے نورِ نظر اور خود بہت بڑے انسان تھے لیکن دارا و سکند سے اولیٰ تھے۔ اُن کی فقیری میں بُوئے اسد اللہی تھی۔ اُن میں صدیق کا عشق، فاروق کی سطوت اور عثمانؓ کی سخاوت تھی۔ اُن کی نگاہ بلند، سخن دلنواز اور جان پُرسوز تھی۔ وہ قرنِ اول کے مجازی تھے لیکن فی زمانہ پاکستان میں ولایتِ عشق کے سرخیل تھے۔ حضور سرور کائنات کی سخاوت سے متعلق جتنی حدیثیں ہیں اُن کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ اُن کی دُعا کا انداز یہ تھا کہ اللہ کریم اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے نواز، تیرے در کے سوا اور کوئی دروازہ سائلوں کے لیے نہیں ہے۔ ان کی مُرادیں پوری کر جو تیری بارگاہ میں دُعا کے ہاتھ اٹھا کر حاضر ہیں۔ تیرے سوا کوئی دوسرا ستار و غفار نہیں۔“

بابو جی علیہ الرحمۃ کی تصویر کھینچنا اپنے قلم کی تمام وسعتوں کے باوجود ناممکن ہے۔ وہ پاکستان کی طویل تر سیاہ رات میں قرنِ اول کا اُجالا تھے۔ وہ ایک عظیم روحانی چراغ تھے جو گرد و پیش دُور دُور تک اپنی روشنی سے صبحِ خنداں کو شہ مات دیتا تھا۔ وہ عظیم انسان ہونے کے باوجود دُنیاوی معاملات کی مبادیات سے بھی نا آشنا تھے۔ انہیں سیاسی مسلوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی فرماتے:

مُسلمان سیرتِ محمدیؐ کا اتباع کر لیں تو اُن کی تمام مشکلیں اُن واحد میں حل ہو سکتی ہیں۔ وہ دوسرے بزرگانِ کرام کی طرح مسندِ طریقت پر بیٹھ کر خدائی نہ کرتے تھے۔ وہ فنا فی الرسول اہل اللہ تھے۔ اُن کا مسلک محبت تھا۔ عشق کی جوت جلاتے اور شریعت کی چمن بندی پر زور دیتے۔ اُن کے رُوئیں رُوئیں میں محمدؐ عربی کا عشق بھرا ہوا تھا۔ وہ سرور کائنات کے سوا ہر چیز سے بے نیاز تھے۔ فرماتے: ”اپنے اللہ سے لو لگاؤ اور یہ لو محمدؐ سے نسبت پیدا کیے بغیر ناممکن ہے۔“

ہم لوگ جب کبھی دُعاؤں کے لیے عرض کرتے تو فرماتے:-

”میں بھی ہاتھ اٹھاتا ہوں، تم بھی ہاتھ اٹھاؤ۔ اللہ دیتا ہے اور ہم لیتے ہیں جس غلو ص سے مانگو گے، اسی نسبت پاؤ گے۔“ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضائیں کھوتے ہوئے انسان تھے، انہیں دیکھ کر اللہ یاد آتا اور قرنِ اول کے اسلام کی تصویر کھنچ جاتی۔ وہ عطیۃ الہی اور محبتِ ربانی تھے۔ اُن کی رحلت پر ہندوستان، آکاش وانی کے ایک شیش سے آپ کے سوانح پر جو نقشہ پیش کیا گیا اُس میں ایک بول تھا کہ حضرت سید غلام محی الدین شاہ فی الواقعہ ایک ایسے بزرگ تھے جن سے ہندوستان میں شمعِ اسلام روشن ہوئی، بُت کدوں میں اذانیں گونجیں اور تعصبات فنا ہو کر انسانیت کا طغریٰ ہو گئے۔ اگر بزرگ عظیم ان جیسے سہوت پیدا کرتا تو انسان کبھی تقسیم نہ ہوتے اور اسلام اس سُرعیت سے پھیلتا کہ نصف آبادی دو تین دہائیوں ہی میں حلقہ گروشِ اسلام ہو جاتی۔“

آخر میں ہم حضرت بابو جی کے فراق میں لکھے ہوئے دو مرتبے تحریر کیے دیتے ہیں۔ پہلا مرثیہ آغا شورش کاشمیری مرحوم نے لکھا تھا اور دوسرا حضرت بابو جی کے جواں سال پوتے سید غلام نصیر الدین شاہ صاحب کا فرمودہ ہے۔ جو اپنی کم عمری کے باوجود شاعری میں ایک منفرد مقام حاصل کر چکے ہیں اور نہایت ہی سنجیدہ اور ارفع کلام کہتے ہیں۔

محمد حیات خان

محمد فاضل خان

قرن اول کا اُجالا

حضرت قبلہ سید غلام محی الدین شاہ گولڑا شریف کی فاحشہ آیات

(از شورش کاشمیری)

اس مملکت کا مردِ مسلمان چلا گیا	روتا ہوں میں کہ سپیکر ایماں چلا گیا
بے دست و پاتھے ہم سر بازار لٹ گئے	ناموسِ مُصطفیٰ کا نگہباز چلا گیا
اے مرگ ناگہاں ترا شکوئے کریں تو کیا	جائیں کہاں کہ درد کا درماں چلا گیا
رویا کروں گا اُن کی جُدائی میں روزِ شب	میرے لیے تو منبعِ عرفاں چلا گیا
اُن کا وجود آئیے رب و دود تھا	میسرِ اُمم کے عشق کا عنوان چلا گیا
یہ سوچتا ہوں اُن سے مُلاقات اب کہاں	رختِ سفر لپیٹ کے سلطان چلا گیا
دینِ ہدیٰ کی جوت جگانی تمام عمر	طاعت گزارِ خواجہ گہماں چلا گیا
اُس کی نظیر کُترہ ارضی پہ اب کہاں	اُبھرا، اُبھر کے نیتِ تباہاں چلا گیا

دیکھے ہیں میں نے اُس کی لحد پر ملائکہ

حسدِ بریں میں یوسفِ کِنعاں چلا گیا

مرثیہ از شاہ غلام نصیر الدین شاہ صاحب

سُنے کون قصہ دردِ دل میرا نمکسار چلا گیا	جسے آشناؤں کا پاس تھا وہ وفا شعار چلا گیا
وہ سخن شناس وہ دُور ہیں وہ گداوار وہ مجہیب	وہ حسین وہ بحرِ علوم دیں مرا تاجدار چلا گیا
جسے نورِ مہر علی کہیں وہ کہ جس کا نام ہے محی الدین	مجھے کیا خبر کہاں لوٹ کر وہ میری بہار چلا گیا
وہی بزم ہے وہی دُھوم ہے وہی عاشقوں کا جھوم ہے	ہے کمی تو بس اُسی چاند کی جو تہہ مزار چلا گیا
کہاں اب سخن میں وہ گرمیاں کہ نہیں باکوئی قدرداں	کہاں اب وہ شوق کی مستیاں کہ وہ پُرقار چلا گیا
میں جسے سنا تھا دردِ دل وہ جو پوچھتا تھا غمِ دُروں	وہ گداوار چلا گیا وہ وفا شعار چلا گیا

بہیں کیوں نصیر نہ اشکِ غم کروں کیوں نہ نالہ زاریاں

مجھے بے تہ رُو چھوڑ کر سرِ ہسٹار چلا گیا

حضرت بابو جی کی ولادت، عمر اور وصال کی تواریخ

(از شاہ غلام نصیر الدین شاہ صفا)

تولد شبہ والا حضور بابو جی طلوع بدر بدایت زبرج مہر علی

۱۳۰۸ھ

غروب نجم وفا آہ ارتحالش داں حیات او بجلال و دود گشت جلی

۸۶ سال

۱۳۹۴ھ

حضرت قبلہ عالم سیدنا خواجہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہ

کی تصنیفات

۱- تحقیق الحق فی کلمۃ الحق یہ کتاب کلمہ طیبہ کی تشریح اور مسئلہ وحدت الوجود کے بیان میں ہے۔ جو حضرت نے لکھنؤ کے مشہور ضوئی مولانا سید عبدالرحمن صاحب مرحوم کی کتاب کلمۃ الحق کے جواب میں تحریر فرمائی۔ شاہ صاحب لکھنوی نے مسئلہ وحدت الوجود کو کلمہ طیبہ کا مدلول ثابت فرما کر تمام امت محمدیہ کو اس کشفی مسئلہ کے ساتھ مکلف فرمادیا تھا۔ حضرت پیر صاحب نے اپنی خداداد علمی و عرفانی قابلیت سے نہ صرف شاہ صاحب کے اس خطرناک نظریہ کی تردید فرمائی بلکہ صوفیائے کرام کے مسلک کے مطابق مسئلہ مذکورہ کی ایسی مدلل تشریح فرمائی جو ارباب علم و ذوق کے لیے خیر راہ ہے۔ کتاب کے آخر میں صوفیائے وجودیہ کے طریقہ سلوک و توجہ کو عمدہ انداز میں بیان فرما کر سرکارِ دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختصر سیرت طیبہ کا بھی بیان فرمایا ہے۔ ۲۱۱ صفحات پر مشتمل تیسرا ایڈیشن جس میں عربی اور فارسی کی عبارات کا اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

۲- شمس الہدایہ یہ کتاب حضرت مسیح ابن مریم کے زندہ آسمان پر تشریف لے جانے اور قیامت کے قریب واپس زمین پر نزول فرمانے کے موضوع پر قرآن و سنت کی روشنی میں تحریر فرمائی گئی اور اس میں حتم نبوت جیسے حقیقہ اور اجماعی عقیدہ کے متعلق تمام اعتراضات اور شکوک و شبہات کی مدلل تردید تحریر ہے۔ ۶۶ صفحات پر مشتمل تیسرا ایڈیشن

۳- سیفِ چشتیائی ہر طبقہ کے علمائے کرام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حیاتِ مسیح علیہ السلام اور حتم نبوت کے موضوع پر اس سے بہتر اور مستند کتاب کبھی نہیں لکھی گئی۔ قوت استدلال اور طرزِ بیان بے نظیر ہے۔ علم دوست اصحاب میں بے حد مقبول ہے۔ ۲۳۰ صفحات پانچواں ایڈیشن

۴- اعلیٰ کلمۃ اللہ یہ کتاب وما اهل به لغير الله کی تفسیر ہے۔ جس میں حضرت نے مسائلِ نذر و نیاز، سماعِ موتے، استمداد اولیائے کرام کو نہایت شستہ انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اور ان مسائل میں اہل اسلام میں جو اختلافات مدت سے چلے آ رہے ہیں انہیں اعتدال و انصاف کے ساتھ ختم کرانے کی کوشش فرمائی ہے۔ ۱۳۶ صفحات پانچواں ایڈیشن

۵- مکتوباتِ طیبات یہ کتاب آنجناب کے خطوط اور تحریرات کا مجموعہ ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے احباب اور حلقہ میں کی طرف تحریر فرمائے ان میں بہت سے مسائلِ شریعت و طریقت کا حل موجود ہے۔

۶- الفتوحات الصمدیہ اس کتاب میں مخالفین کی طرف سے حضرت پر کئے گئے ان دس مشکل سوالات کے جوابات دیئے گئے جن پر مخالفین کو بہت ناز تھا۔ کتاب کے آخر میں حضرت کی طرف سے پانچ گئے بارہ سوالات بھی درج ہیں جن کے جوابات مخالفین آج تک نہ دے سکے۔

۷۔ تصفیہ مابین سنی و شیعہ اپنی اس تصنیف لطیف میں حضرت نے خلافتِ راشدہ کی حقانیت کے ساتھ ساتھ اہل بیت کرام کے فضائل کو از روئے

کتاب و سنت انتہائی متوازن انداز میں ثابت فرمایا ہے۔ یہ کتاب توازن و استدلال مسلک کا شاہکار ہے۔
۸۔ ہدیۃ الرسول ﷺ فارسی زبان میں لکھی گئی یہ کتاب حضرت قبلہ عالم کی طرف سے مرزائیت کی مکمل تردید پر مشتمل ہے۔ اسکے مندرجات کی تفصیل پہلے شمس الہدایہ اور سیفِ چشتیائی کے عنوان سے شائع شدہ کتابوں کی صورت اردو زبان میں منظرِ عام پر آچکی ہے۔ اب اصل کتاب فارسی بھی فارسی دان حضرات کیلئے شائع ہو چکی ہے اور دستیاب ہے۔

۹۔ مہرِ منیر آنجناب کی شہرہ آفاق سوانحِ عمری آپ کے مصدقہ حالاتِ زندگی علمی و روحانی مجاہدات و کمالات کا تفصیلی تذکرہ تصنیفات کا مختصر خلاصہ۔ قادیانیت کے خلاف آپ کے معرکہ کی داستان نیز آپ کے صاحبزادہ و جانشین حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات وصال دسواں ایڈیشن ۶۳۰ صفحات بہترین کاغذ آفسٹ طباعت خوبصورت جلد

۱۰۔ ملفوظاتِ طیبات آپ کے علمی ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ بار چہارم آفسٹ طباعت مجلد نیا ایڈیشن۔

۱۱۔ مرآة العرفان آپ کا عارفانہ اور روحانی کیفیات سے بھرپور منظوم کلام۔ مرضع ایڈیشن۔ دو رنگوں میں آفسٹ طباعت۔

ملنے کا پتہ :-

- 1- کتب خانہ درگاہِ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف
- 2- مکتبہ مہریہ درگاہِ گولڑہ شریف، اسلام آباد
- 3- مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار راولپنڈی
- 4- ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ، لاہور
- 5- فرید بک سٹال، 38- اردو بازار، لاہور

